یااللہ جل جلالہ

یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہٖ وَسلَّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد اول

از رشحات فیض قلم

قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل الشیخ الاستاذ المفتی

سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک
تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ
طباعت اول: اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ
طباعت ثانی:
ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

صفحہ نمبر

مقدمہ

نحمدہ و نصل علیٰ رسول الکریم امابعد!

قرآن عظیم الشان اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل سے ایک مومن و مسلمان دنیوی و اُخروی طور پر کامیاب اور کامران ہو سکتا ہے۔ جس طرح کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے اسی طرح احادیث پاک اور سیرتِ طیبہ کو سمجھنے کے لئے علمائے کرام اور مشائخ عظام کے اقوال اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان خاصانِ خدا نے آنے والی نسلوں کے لئے ایک عملی زندگی اور نقشِ پا چھوڑے ہیں۔ جن کی روشنی میں سالکین، عابدین اور زاہدین اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کی راہ تلاش کرتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر آخرت کی کامیابی کے لئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ "مفتاح السلوک" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت، خوف، اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع کا جذبۂ خلوص پیدا ہوتا ہے اور صوفیائے کرام اور عارفین عظام کی زندگیوں کو نمونہ بنا کر قاری اپنے اعمال کو نیک بندوں کے اعمال جیسا بنانے کی سعی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو خوب خوب شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین! ہمارے اور قبلہ روحی و قلبی مرشدی و والدی حضرت مفتی سید احمد علی شاہ حنفی ماتریدی سیفی دامت برکاتہم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور آپ کے جملہ مریدین و متوسلین کو عملی راہ نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین و علی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین!

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ (ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء) (سورہ ابراھیم: ۲۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی کلمہ طیبہ کی وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں اونچائی میں جارہی ہیں] سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کچھ اصول اور کچھ فروع ہیں اور حدیث مبارکہ میں ستر سے کچھ زائد شعبے ارشاد فرمائے

گئے جن میں افضل کلمہ "لا الہ الا اللہ" اور ادنیٰ راستہ سے کانٹا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے یعنی یہ اوسط درجہ ہے۔[1]

واضح ہو کہ یہ شعبے تیس قلب سے متعلق ہیں اور سات زبان کے اور باقی جوارح کے ساتھ چالیس مجموعہ حسب تعداد محققین ستتر ہوا جن کی تفصیل یہ ہے۔

شعب ایمان جو قلب سے متعلق ہیں وہ تیس شعبے ہیں

ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کے حادث اور مخلوق ہے۔ ایمان لانا فرشتوں پر۔ ایمان لانا اس کی سب کتابوں پر۔ ایمان لانا پیغمبروں پر۔ ایمان لانا تقدیر پر۔ ایمان لانا قیامت کے دن پر۔ جنت کا یقین کرنا۔ دوزخ کا یقین کرنا۔ محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے۔ محبت کرنا کسی سے اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ اور بغض کرنا اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ محبت رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اخلاص، توبہ، خوف، رجا، حیا، شکر، وفا کرنا عہد کرنا، صبر، تواضع، رحمت و شفقت مخلوق پر، راضی ہونا قضائے الٰہی پر، توکل کرنا، ترک کرنا خود پسندی کا، ترک کرنا کینہ کا، ترک کرنا حسد کا، ترک کرنا غصہ کا، ترک کرنا بد خواہی کا، ترک کرنا حب دنیا کا۔

شعب ایمان جو زبان سے متعلق ہیں اور وہ سات ہیں

کلمہ توحید کا پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت، علم سیکھنا، علم سکھلانا، دعا کرنا، ذکر کرنا، لغو اور منع کلام سے بچنا۔

---

[1] (مسلم: ٦٢ ج ١)

ان شعبوں کے بیان میں جو باقی جوارح سے متعلق ہیں اور وہ چالیس شعبے ہیں:

سولہ تو مکلف کی ذات خاص سے متعلق ہیں:

طہارت حاصل کرنا، اس میں بدن، جامہ، مکان کی طہارت، وضو کرنا، غسل کرنا، جنابت سے حیض سے نفاس سے سب کچھ داخل ہو گیا۔ نماز قائم کرنا، اس میں فرض و نفل و قضا سب آ گیا۔ صدقہ، اس میں زکوٰۃ، صدقہ فطر، طعام جود، طعام اکرام مہمان سب داخل ہے۔ روزہ، فرض و نفل، حج و عمرہ، اعتکاف، شب قدر کا تلاش کرنا اس میں آ گیا۔ اپنے دین کے بچانے کے لئے کہیں بھاگ نکلنا اس میں ہجرت بھی آ گئی۔ نذر پوری کرنا، قسم کا خیال رکھنا، کفارہ ادا کرنا، بدن چھپانا نماز اور غیر نماز میں، قربانی کرنا، جنازہ کی تجہیز و تدفین، دین ادا کرنا، معاملات میں راست بازی کرنا اور غیر مشروع معاملات سے بچنا، سچی گواہی ادا کرنا اور اس کو پوشیدہ نہ کرنا۔

اور چھ اپنے اہل و توابع کے متعلق ہیں:

نکاح سے عفت حاصل کرنا، اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا، اس میں غلام، نوکر، خدمت گزار سے نرمی و لطف کرنا بھی آ گیا، والدین کی خدمت کرنا اور ان کو ایذا نہ دینا، اولاد کی پرورش کرنا، ناتے داروں سے سلوک کرنا، آقا کی اطاعت کرنا۔

اور اٹھارہ عام لوگوں سے متعلق ہیں:

حکومت میں عدل کرنا، مسلمانوں کی جماعت کی اطاعت کرنا، حکام کی اطاعت کرنا، لوگوں میں اصلاح کر دینا، اس میں خوارج اور باغیوں کے ساتھ قتال کرنا بھی داخل ہے کیوں کہ فساد کا دفع کرنا اصلاح کا سبب ہوتا ہے، نیک کام میں مدد دینا۔

نیک بات بتلانا، بری بات سے منع کرنا، حدود کا قائم کرنا، جہاد کرنا اس میں سرحد کی حفاظت بھی آ گئی، امانت ادا کرنا، اس میں خمس نکالنا بھی آ گیا، قرض دینا کسی حاجت مند کو، پڑوسی کی خاطر داری کرنا، خوش

معاملگی، مال کو اس کے موقع میں صرف کرنا، اس میں فضول خرچی سے بچنا بھی آگیا، سلام کا جواب دینا، سلام کا جواب دینا، چھنکنے والے کو جواب دینا یعنی جب الحمد للہ کہی تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا، لوگوں کو ضرر نہ پہنچانا، لہو و باطل سے بچنا، ایذا دینے والی چیز جیسے کانٹا ڈھیلہ راہ سے ایک طرف کر دینا۔ ۱۶ اور ۱۸ کا مجموعہ چالیس ہوا۔[2]

پس معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً صوفیاء کرام کے عقائد کو تحریر کیا جائے تاکہ عمل کے میدان می8ں سالک کو اپنے عقائد کا علم ہو کہ اس لئے کہ بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

جان لیں کہ شریعت کے دو اجزا ہیں:

(۱) اعتقادی اور (۲) عملی

اور ان میں اعتقاد اصل ہے، عمل فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عملِ صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور چاہے تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔ اور یقیناً بعد از سزا اسے داخلہ جنت ضرور ہے اور اگر عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے اس لئے کہ تمام عقائد اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز بھی ضائع ہو جائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔

بس معلوم ہونا چاہئے کہ صانع عالم اللہ جل جلالہ واجب وجود ازلی و ابدی اس کا عدم محال ہے نہ ذات میں اس کی کوئی مثال نہ صفات میں، تمام تر کمالاتِ ممکنات اسی کی عظمت کے تحت ہیں۔ وہی

---

[2] (فروع الایمان مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاهور، کراچی، ص، ۹۳، ۹۲، ۶۹، ۱۱، ۱۰)

وجود و جوب اور عبادت کا مستحق ہے، حیوۃ، قدرۃ، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، صفات ذاتیہ اسی ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہیں اور حق جل جلالہ اس سب صفات سے ازلاً متصف ہے اور ابداً متصف رہے گا عالمین کی خلقت سے قبل بھی ویسا ہی کامل و مکمل و اکمل تھا جیسا کہ اب، مریض کو شفا دینا، خلق کو رزق دینا، تکلیف کا دور کرنا سب اسی حق سبحانہ و تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ طبیب، بادشاہ و دیگر اسباب ظاہری ہیں اسی مثل باطنی بھی مثلاً دعا و ہمت۔۔۔

یااللہ جل جلالہ　　　　　　　　یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰہ الذی ھدٰنااِلٰی صراط الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وھذا صراط مستقیم والصّلٰوۃ والسّلام علٰی من ھووسیلتنا الی اللّٰہ تعالٰی وسیلۃ کاملۃً فی الدارین محمّد افضل الکائنات سیّدنا وسید المرسلین الذی دفع اللّٰہ بہ بلآء الکفروالشرک والالحاد فی الدین وعلی اٰلہ الطاھرین واصحابہ الذین ھم معیار الحق ونجوم الھدایۃ والیقین۔ واولیاء اللّٰہ تعالٰی واحبائہ الذین اعلن اللّٰہ بالحرب مع اعدائھم وھم الذین لاخوف علیھم ولاھم یحزنون خصوصًا علٰی صاحب الوقت قیوم الزمان قطب الارشاد نائب مناب الرسول الامین سیدی ومرشدی ومحسنی ووالدی معنًا وروحًا آخوندزادہ سَیْفُ الرَّحْمٰنُ بن القاری سرفرازخان النقشبندی، الجشتی، القادری، السھروردی، المجددی الھاشمی الطالقانی المعروف بہ(پیرارچی خراسانی) ادام اللّٰہ علینا من فیوضاتہ وبرکاتہ وعلٰی من تبعھم الٰی یوم الدین۔آمین۔ امابعد!

پس عرض کرتا ہے فقیر سیّد احمد علی شاہ سیفی بن سیّد جمیر شاہ بن سیّد حسین شاہ(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)کہ بعض احباب و اصحاب طریقت کی یہ آرزو و خواہش تھی کہ آپ اپنے طرق اربعہ نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کے اسباق مع طریقہ و شجرہ کے اور حضرت مبارک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شب و روز کے معمولات اردو زبان میں کتابی صورت میں تحریر فرمادیں، جس سے احباب و سالکین فائدہ اٹھائیں تو بہت اچھا ہو گا۔ اگرچہ میری طبیعت ناساز تھی، پھر بھی ان کے بہت اصرار پر میں نے یہ کتاب تحریر کی جو آپ کے سامنے ہے۔

دعا ہے کہ اللہ جل مجدہ اس کتاب کو تمام سالکینِ طریقت اور دیگر مؤمنین کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کا ذریعہ اور دستور العمل بنائے۔

آمین بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین صلوٰت اللہ علیھم اجمعین۔

فقیر سیّد احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی نقشبندی

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

باب اوّل: تصوف کی تعریف

۱۔قال القاضی شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ: التصوف علم تعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق و تعمير الظاهر والباطن لنيل السعادة الابدية ويحصل به اصلاح النفس والمعرفة ورضاء الرب۔[3]

یعنی تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان تزکیہ نفس، اخلاق کی صفائی، اور ظاہر و باطن کی تعمیر جان لیتا ہے تاکہ وہ ابدی سعادت سے ہمکنار ہو سکے اور اس کے نفس کی اصلاح ہو اور اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب کی معرفت اور رضا حاصل کرلے۔

۲۔ شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تصوف وہ علم ہے جس کا مقصد دلوں کی اصلاح کرنا، اور ان کو محض اللہ کیلئے خاص کر دینا ہے، اور فقہ، عمل کی اصلاح اور پورے نظام کی حفاظت اور احکام میں مضمر حکمتوں کو آشکارا کرنے کا نام ہے اور علم توحید کا مقصد یہ ہے کہ مقدمات کو براہین و دلائل سے ثابت کیا جائے اور ایمان کو یقین کے زیور سے آراستہ کیا جائے جیسا کہ طب کا مقصد اجسام کی حفاظت کرنا ہے اور علمِ نحو کا مقصد زبان کو اغلاط سے محفوظ کرنا ہے۔

۳۔ شیخ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف یہ ہے کہ ہر اچھی عادت اور طریقہ کو اپنایا جائے اور ہر برے طریقہ اور عادت کو ترک کیا جائے۔

۴۔ کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ پس جس نے تیرے اخلاق میں اضافہ کیا، اس نے تجھے تصوف پر عمل پیرا کر دیا۔

---

[3](علی ھامش "الرسالة القشيرية" ص ۷)

۵۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد حضرت محمد بن علی القصاب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ فرمایا کہ تصوف ان کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی کریم زمانہ میں کسی کریم شخص سے شریف لوگوں کے سامنے ظہور پذیر ہو۔

۶۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ تو مخلوق سے منہ موڑلے اور اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑلے۔

۷۔ حضرت رویم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح چھوڑدے کہ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔

۸۔ حضرت سمنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ نہ تو کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک ہو۔

۹۔ حضرت ابو محمد جریری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف نام ہے ہر قسم کے اچھے اخلاق کے اندر داخل ہونے کا اور ہر قسم کے کمینے اخلاق سے باہر نکل جانے کا۔

۱۰۔ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ ایسے عمل میں مشغول ہو جو اس لمحہ کے لئے زیادہ مناسب ہو۔

۱۱۔ حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ تصوف اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے جو اچھے اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں زیادہ ہے۔

۱۲۔ حضرت مرتعش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف اچھے اخلاق کا مجموعہ ہے۔

۱۳۔ حضرت ابو علی کزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف ایسے اخلاق کو کہتے ہیں کہ جس سے رب راضی ہو۔

۱۴۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف علم و فن کا نام نہیں، مجموعۂ اخلاق کا نام ہے۔

۱۵۔ حضرت احمد حضرویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے۔

۱۶۔ حضرت محمد بن احمد المکری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف اپنے احوال کو سچ پر قائم رکھنے کا نام ہے۔

۱۷۔ حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف آداب ہی آداب ہیں ہر وقت کا ادب، ہر جگہ کا ادب، ہر حال کا ادب۔

۱۸۔ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف ہر چیز کی حقیقت جاننے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہونے کا نام ہے۔

۱۹۔ حضرت ابوالحسن شنجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک وقت تھا کہ تصوف حقیقت تھی بے نام آج نام ہے بے حقیقت۔

۲۰۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف درگزر کو اختیار کرنا، اچھے کاموں کا حکم دینا اور جاہلوں سے اعراض کرنا ہے۔

۲۱۔ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ اجمالی معاملہ تفصیلی ہو جائے اور استدلالی معاملہ کشفی ہو جائے۔

۲۲۔ حضرت مجددالفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تصوف شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہے۔

۲۳۔ حضرت شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا نے فرمایا کہ تصوف کی ابتداء ہے کہ **انما الاعمال بالنیات**۔ بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور تصوف کی انتہاء **ان تعبداللہ کانک تراہ**۔ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

۲۴۔ حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تصوف نفس کو عبودیت کے سانچے میں ڈھالنے، اور اسے احکامِ ربوبیت کی طرف لے جانے کا نام ہے۔

۲۵۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ بارگاہ خداوندی تک رسائی، باطن کی رزائل سے صفائی اور اس کو مختلف فضائل سے آراستہ کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ اس کی ابتداء علم، وسط علم اور انتہاء عنایت خداوندی ہے۔

۲۶۔ صاحب **کشف الظنون** فرماتے ہیں: یہ وہ علم ہے جس میں اہل کمال کی منازل سعادت میں ترقی کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔

۲۷۔ نیز صاحبِ **کشف الظنون** رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم تصوف وہ علم ہے جسے عقلمند اور صاحب حال ہی جان سکتا ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اس کا مشاہدہ حاصل ہو اور کور چشم سورج کی روشنی کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔

۲۸۔ شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ قواعد تصوف میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف پر تقریباً دو ہزار تالیفات کی گئی ہیں اور ان تالیفات کا لب لباب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

۲۹۔ تصوف کا دارومدار مادی آلائشوں سے دل کو صاف کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد خالق حقیقی سے بندے کے تعلق قائم کرنے پر ہے۔ پس صوفی وہ ہے جس کا دل پاک اور اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف ہو، اور اس کی بارگاہ سے اسے خاص انعام واکرام حاصل ہو۔

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ: اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہرین علم روحانیت و معرفت کو صوفی کیوں کہا گیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کا نصب العین صفائے باطن تھا وہ صوفی کہلانے لگے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کے مطابق وہ حضرات اکثر صوف یعنی اون کا کپڑا پہنتے تھے۔ اس نسبت سے بھی وہ صوفی مشہور ہوگئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا مسلک اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مسلک کے مطابق تھا یعنی گوشہ نشینی اور ہمہ وقت یادِ خدا میں مشغول رہنا تھا اس نسبت سے بھی وہ صوفیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام سے موسوم ہونے لگے۔

اصلِ تصوف

لیکن ان ظاہری وجوہات سے قطع نظر تصوف کی اصل احسان ہے جو اس حدیث پر مبنی ہے جس کو عرفِ عام میں حدیثِ جبریل کہا جاتا ہے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام انسان کی صورت اختیار کر کے آنحضرت صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے پاس آئے اور اسلام، ایمان اور احسان کے مطالب دریافت کیے تو احسان کا مطلب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یوں بیان فرمایا: **أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك**[4]۔ (یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھتا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا

---

[4] مسلم (۲٦۱ھـ)، صحيح مسلم۹• الألباني (۱٤۲۰ھـ)، صحيح ابن ماجه٥٤• البخاري (۲٥٦ھـ)، صحيح البخاري٤۷۷۷•

تو تحقیق وہ تجھ کو دیکھتا ہے)۔ مختصر الفاظ میں صدق توجہ الی اللہ کا نام مرتبۂ احسان ہے جو جملہ کمالات ظاہری و باطنی کی اصل ہے۔ دل کو ماسویٰ اللہ سے پاک رکھنا اور محبوبِ حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزر نہ ہونے دینا سرمایہ احسان ہے جو تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔ تصوف نام ہے مجموعہ شریعت، طریقت، حقیقت، اور معرفت کا۔ شریعت راستہ ہے، طریقت کا مطلب ہے، اس راستے پر چلنا اور جس مقام یا منزلِ مقصود کی طرف یہ راستہ راہنمائی کرتا ہے، وہ حقیقت کہلاتا ہے اور حقیقت کی روشنی میں جو علم سالکِ راہِ طریقت کو حاصل ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ تصوف اور شریعت میں کوئی مغایرت نہیں ہے، بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی طریقت یا تصوف ہے۔

یہ بات کہ آج کل بعض لوگ صوفیاء کے لباس میں آکر طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتے ہیں اور بعض علماء شریعت کو طریقت سے جدا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

تصوف کی کیا تعریف ہے، صوفی کسے کہتے ہیں، شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟

تصوف: دل کی صفائی اور ظاہر و باطن میں حضور اقدس سرور کائنات صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی کامل پیروی اور احکام شریعت کی کامل پابندی کا نام ہے۔

صوفی: اس کو کہتے ہیں جس نے اپنے آئینۂ دِل کو ظلمات شہوات لذات نفسانیہ سے مصفی و مجلی کر لیا ہو اور اس کی ہر حرکت و سکون اور افعال و اقوال قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہو لیکن جو شخص ایک قدم بھی شریعت سے پیچھے ہٹا اور پابندیٔ شریعت کو اس نے چھوڑ دیا اور حرام کو اپنے حق میں حلال سمجھ لیا۔ وہ کلیۃً صوفی حق آگاہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ خائب، خاسر اور گمراہ ہے۔ صوفیت کی

اس کو ہوا بھی نہیں لگی۔ اگر چہ بظاہر لباس صوفیانہ ہو۔ آسمان تک اڑ جاتا ہو اور پانی پر چل سکتا ہو۔ یہ سب کے اس شعبدے ہیں۔ کرامت نہیں۔ کفار بھی اس قسم کے شعبدے دکھایا کرتے ہیں۔ جس کو عربی زبان میں استدراج کہتے ہیں۔ کرامت تو صرف منبع حق سے صادر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اگر صد ہزار خوارق عادات بر ایشاں ظاہر شود۔ چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت است نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد آں از سبیل مکر واستدراج خواہد بود۔

ترجمہ: اگر ایسے شخص سے جس کا نہ ظاہر احکامِ شریعت کے مطابق ہو اور نہ باطن آداب طریقت کے موافق ہو۔ اگر کوئی کام ظاہر ہو جائے جو خوارق عادات سے ہوں تو وہ مکر اور استدراج ہے۔ کرامت نہیں۔

حضرت غوث صمدانی محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"خوارق عادات اگر از ولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر گردد کرامت گویند واگر از مخالف شریعت صادر شود استدراج۔

ترجمہ: اگر خرق عادت ولی سے ظاہر ہو جو اوصاف ولایت سے موصوف ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر مخالف شریعت سے ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں۔[5]

---

[5] (لطائف اشرفیہ ص ۱۲۶)

حضرت ابو عبد اللہ محمد ابن خفیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

التصوف تصفية القلوب واتباع النبى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم فى شريعته۔

ترجمہ: تصوف یہ ہے کہ دل کو صاف کیا جائے اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کامل ہو۔[6]

حضرت سیدی و مولائی جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واتباع النبى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم فى الشريعة۔

ترجمہ: تصوف شریعت میں سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اتباع کا نام ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بعض گمراہوں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے اور اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں حالانکہ صوفیوں سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔"

اور یہ صوفی گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا تک پہنچے ہوئے ہیں اور شریعت کی پابندی تو صرف عوام کیلئے ہے۔ صوفی شریعت سے بے نیاز ہیں۔ ایسے گمراہ صوفیوں کا یہ قول خالص الحاد اور زندقہ ہے کیونکہ **فكل حقيقة ردتها الشريعة فهى زندقة۔**

یعنی جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ زندقہ ہے۔[7]

---

[6] (طبقات کبریٰ ص ۱۲۰)

[7] (عوارف المعارف ج ا ص ۴۲)

امام شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

علم التصوف تفرع من عین الشریعة۔

ترجمہ: علم تصوف چشمۂ شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے۔[8]

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ وہ ہوا میں چارزانو بیٹھ سکتا ہے تو اس سے فریب مت کھاؤ۔

حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر و النهی و حفظ الحدود و آداب الشریعة۔

ترجمہ: جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض واجب مکروہ و حرام اور محافظت آداب شریعت میں اس کا کیا حال ہے۔[9]

حضرت ابوسعید خراز، حضرت ذوالنون مصری سری سقطی اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔

کل باطن یخالفه ظاهر فهو باطل۔

ترجمہ: جو باطن ظاہر کے مخالف ہو وہ باطل محض ہے۔[10]

حضرت سیدی قطب العالم غوث الاعظم السید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"محبوب مطلق کے علاوہ کسی غیر کی طرف دھیان مت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ہر امر و نہی کی حفاظت کرنا۔ اگر تم سے حدود شریعت میں کسی قسم کا خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنے میں پڑا ہوا ہے اور

---

8 (طبقات کبریٰ ص ۱۴)

9 (رسالہ قشیریہ ص ۱۸)

10 (رسالہ قشیریہ ص ۲۸)

شیطان تیرے ساتھ کھیل رہاہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف آ اوراس سے لپٹ جا اوراپنی خواہشات نفسانی کو چھوڑدے۔کیونکہ **كل حقيقت لاتصديق له باالشريعة فهي باطل۔**

ترجمہ: جس حقیقت کو شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ باطل ہے۔ان تصریحات اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا کہ

ا۔تصوف حضوراقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کی کامل پابندی کانام ہے۔

۲۔جو شخص شریعتِ اسلام کی پابندی کرتاہے اور سنتِ رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اورآدابِ طریقت کواپنے اوپرلازم کرلیتاہے وہ صوفی ہے۔

وہ لوگ جو صوفیت کا جامہ پہن کر صوفی بنے ہوئے ہیں اوراحکامِ خدا اوررسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پابندی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں نماز،روزہ سے کیاکام۔ہماری نمازیہی چرس بھنگ اور ناچنا گانا ہے۔ان کو تو طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔واصل بخدا ہونا تو علیحدہ بات ہے کیونکہ

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید | اوہر گز بمنزل نخواہد رسید

شریعت

حضوراکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے راستے کو شریعت کہتے ہیں۔

یہی وہ راستہ ہے جس کا منتہیٰ اللہ رب العزت جل مجدہ ہے اور جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچتا ہے۔

قرآنِ مقدس کا اعلان ہے:

إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿هود ٥٦﴾

ترجمہ: ’’بیشک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔‘‘

یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف گمراہ وبے دین ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿الانعام ١٥٣﴾

ترجمہ: اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور، اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کردیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شریعتِ محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہی وہ راستہ ہے جو وصول الی اللہ ہوتا ہے اور جس سے حقائقِ اشیاء کا انکشاف ہوتا ہے اسی طرح طریقت بھی اس راہ ہی کا نام ہے اور اس کا شریعت سے جدا ہونا محال ہے۔ شریعت ایک چشمہ ہے اور طریقت اسی چشمہ سے نکلا ہوا ایک دریا ہے۔ جس کو ہر لحظہ اس کی ضرورت وحاجت ہے۔ شریعت درخت ہے اور طریقت اس کا پھل ہے۔ درخت کے بغیر پھل کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے طریقت ہر آن شریعت کی محتاج ہے اور جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا مانتا ہے وہ بندۂ شیطان ہے۔

حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

من نظر الی کون الحقیقة تخالف الشریعة او عکسه فهو اعور فان الشریعة هی اساس علم الحقیقة التی یترقی السالک منها الی درج الحقیقة فلایصح طلب الحقیقة من غیر معرفة الشریعة لانه لایدخل الی الحقیقة الا من باب الشریعة۔

ترجمہ: جو شخص دیکھے کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا شریعت حقیقت کے مخالف ہے تو یہ شخص اندھا ہے اس لئے کہ شریعت علمِ حقیقت کی بنیاد ہے جس پر سالک ترقی کرتا ہے حقیقت کے درجے کی طرف۔ پس شریعت کی معرفت کے بغیر حقیقت کو طلب کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ شریعت کے دروازے کے بغیر حقیقت میں داخل نہیں ہوسکتے۔

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں:

وسمعت سیدی علیاالخواص رضی اللہ عنه یقول مرارا ً:من ظن ان الحقیقة تخالف الشریعة اوعکسه فقدجهل ,لانه لیس عندالمحققین شریعة تخالف حقیقة ابداً حتی قالوا:شریعةبلاحقیقةعاطلة,وحقیقةبلاشریعةباطلة۔

ترجمہ: میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے بار بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا شریعت حقیقت کے مخالف ہے تو بے شک اس نے جہل اختیار کیا اس لئے کہ محققین کے نزدیک شریعت حقیقت کے مخالف کبھی بھی نہیں ہوسکتی، یہاں تک کہ محققین نے فرمایا کہ شریعت بغیر حقیقت کے بے فائدہ ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے باطل ہے۔

تیسری جگہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وکان سیدی ابراهیم الدسوقی رضی اللہ عنه یقول :الشریعة کالشجرة والحقیقة ثمرتها۔

ترجمہ: اور سیدی ابراہیم الدسوقی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شریعت کی مثال درخت کی سی ہے اور حقیقت اس کا پھل ہے۔[11]

[11] (الاجوبةالمرضیةعنائمةالفقهاءوالصوفیاءص ١٥٦-١٥٣)

علم باطن ہمچو مسکہ، علم ظاہر ہمچو شیر

کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

معلوم ہوا کہ طریقت نام ہی شریعت کا ہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمۡ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا اور شریعتِ اسلام کا پورا پورا احترام کرنا اور اپنی ہر حرکت و سکون کو شریعتِ اسلام کا پابند بنالینا یہی طریقتِ اسلام ہے جس طریقت کو شریعتِ محمدیہ جائز قرار نہ دے وہ طریقت ہی نہیں ہے بلکہ شیطان کی راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطانی راستوں سے بچائے اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے۔

شریعت تمام کمالات کی اصل ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ شریعت کے تمام کمالات کی اصل ہے خواہ وہ کمالات نبوت ہوں یا کمالات ولایت ہوں

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

(دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

میرے مخدوم! کمالات ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالت نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں پس ولایت و نبوت کی کمالات سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو کہ شریعت کے دائرہ سے باہر وہ اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہوں، ہاں بعض معاملات جو کہ مذکورہ کمالات کے علاوہ ہیں کہ جن کے حاصل ہونے میں اعتقاد عمل کی کوئی تاثیر نہیں ہے ان کا فاضہ ہونا تفضل و احسان کی راہ سے ہے اور وہ معاملات اصالتا انبیائے مرسل علی نبینا و علیہم و علی جمیع الانبیاء الصلوات

والبرکات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور ان سے گزرنے کے بعد وہ معاملات ہیں کہ جن کا فیضان محبت کی راہ سے ہے جو کہ تفضل واحسان سے اوپر ہے کہ بالا صالت حبیب وکلیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور جو معاملات کہ محبوب ذاتیہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے خاص ہیں۔ یہ معاملات اگرچہ شریعت غرا (روشن) کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن چونکہ شریعت اصل وبنیاد ہے (اس لئے) اس سے کسی قسم کا استغنا نہیں رکھتے جان لیں کہ یہ مذکورہ معاملات اگرچہ اصالت کے طور پر ان اکابر کے ساتھ مخصوص ہی لیکن جائز ہے کہ ان کے کامل تابعداروں کو (بھی) وراثت کے طور پر ان سے حصہ مل جائے اور متبوع کی طرح اس کے طفیل میں اس کی خاص دولت سے ہم آغوش ہو جائے (حاصل کر لے)

دمد صبح از گریبانم گر آں مہ درکنا آید

اگر وہ ماہ (محبوب) گود میں آجائے تو میرے گیربان سے صبح طلوع ہو جائے۔

چونکہ تابع ہمیشہ طفیلی اور اس کے دستر خوان سے کھانے والا ہے (اس لئے) متبوع کے ہمسروں کی بہ نسبت اس کے مساوی اور افضل ہونے کا توہم لازم نہیں آتا ہے، یہ معارف حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے خاص اسرار میں سے ہیں، اور تابع کامل سے مراد وہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) خود ہیں یا جو ان کے مثل ہے ہم جیسے بوالہوسوں کو ان امور کا ابیان کرنا اور سننا بھی حسن قبول کی شرط کے ساتھ غنیمت ہے اور اس کا ایمان رکھنا داخل کمال ہے۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علیٰ کل شیء قدیر۔ والسلام[12]

---

[12] مکتوب:60، ص:162، 161، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل السنۃ والجماعۃ الشاہ امام احمد رضا افغانی ثم بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کی اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سپاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔[13]

کمال دو چیزوں پر موقوف ہے:

امام معصوم قدس سرہ نے مرزا محمد صادق کے نام اس بارے میں کہ معاملہ دو چیزوں یعنی صاحب شریعت صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلِہ وَسَلَّم کے اتباع اور شیخ مقتدا کی محبت پر موقوف ہے اور قضاو قدر کے مسئلہ کی تشریح میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوبِ مرغوب جو آپ نے قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا چونکہ دوستوں کی عافیت وسلامتی پر مشتمل تھا مسرت وشادمانی کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ شریعتِ عالیہ اور سنت منورہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر استقامت و مداومت نصیب فرمائے پس بلاشبہ یہی کام کی اصل ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے اور اس کے علاوہ بے فائدہ زحمت اٹھانا ہے۔ میرے مخدوم! اگر دو چیزوں یعنی صاحب شریعت (صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلِہ وَسَلَّم) کا اتباع اور شیخ مقتدا (پیر) کی محبت میں استقامت واستحکام ہے اور احوال و مواجید (کیفیات) میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو غم نہیں ہے، آخرکار اس کو سب کچھ دیدیں گے اور اکابر کے احوال و مواجید سے اس کو محروم نہیں چھوڑیں گے، اور اگر ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل ہے اور

---

[13] فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۷، ص ۱۳۳، دار اھل السنۃ

اس کو احوال و مواجید حاصل ہیں تو خرابی کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ جو کچھ رکھتا ہے استدراج کی قسم سے ہے اس مقصد کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے، ملاقات حاصل ہونے تک ذکر و فکر میں مشغول رہیں، اور غیر جنس اور طریقہ کے مخالف کی صحبت سے بچتے رہیں **فر منھم اکثر ما تفر من الاسد** (جتنا تو شیر سے بھاگتا ہے اس سے زیادہ ان سے بھاگ)[14]

شریعت کی مخالفت مغز کے سوائے چھلکا

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے سیادت پناہ میر محمد نعمان کے نام اس بارہ میں تحریر فرمایا کہ صوفیائے کرام کی نسبت کے حصول کا مصداق احکام شریعت کے ساتھ آراستگی ہے۔

بسم اللہ حامدا و مصلیا علی رسولہ الکریم: اللہ تعالیٰ (آپ کی) ذات بابرکات کو اپنے الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد (ہدایت) کی مسند پر جلوہ فرمار کھے اور ہستی موہوم (انانیت) سے آزاد کرکے ہمیشہ کی نیتی (فنائیت) کے ساتھ موصوف کرے تاکہ حقیقی ہستی (بقاباللہ) جلوہ گر ہو اور خود اپنے ساتھ حاضر رہے یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور سننے میں صحیح طرح پر نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معما نہیں کھلتا کہ آسانی (فطرع) تکالیف کے باوجود نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اور ہونا اور نہ ہونا ایک ہی وقت میں کسی طرح ہو گا **عرفت ربی بجمع الاضداد** (میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا) ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یعنی گم شدہ (فانی) سے احکام بندگی معاف نہیں کرتے اور اس نسبت کا مصداق شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہونا ہے کیونکہ اس کا کمال فنا اور اطمینان نفس تک پہنچاتا ہے اور نفس مطمئنہ سے موافقت کے سوا اور کچھ نہیں آتا شریعت کا مخالف اور اس میں

---

[14] مکتوب:83، ص147، دفتر دوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

سستی کرنے والا جو شخص بھی اس نسبت کا دعوی کرتا ہے مغز سے سوائے چھلکے کے اور کچھ حاصل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ استدراج کے راستہ سے ہے۔ وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (آل عمران ۸۵) اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہو گا۔

امید ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے نہیں بھلائیں گے اور قبولیت کے اوقات میں اس کیلئے استقامت کی دعا کرتے رہیں گے پس بیشک استقامت کرامت سے افضل ہے۔ والسلام[15]

یقینی نجات شریعت کی بجا آوری میں ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مرزا عبید اللہ کے نام بلند ہمتی پر ترغیب اور دوسرے مشاہدات پر اس شہود کی فضیلت کے بارے میں جو کہ احکام شرعیہ میں رونما ہوتا ہے تحریر فرمایا۔

الحمدللہ و السلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ برادر اعزار شداد ارجمند کا مکتوب عزیز میر دوست محمد نے پہنچا کر خوشوقت کیا، اللہ تعالیٰ عافیت اور ترقیات کے ساتھ رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ غیر و غیرت کے شہود کی اس حد تک کامل نفی ہو گئی ہے کہ کسی ظلی اور اعتباری مغائرت کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ کوئی دوسرا وجود ثابت کرنا کفر معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود بندگی اور عبادت کی رعایت اپنی جگہ پر قائم ہے اور آپ ظاہری شرع کے طریقوں سے حتیٰ الامکان ایک دقیقہ بھی ترک نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجا لائیں کہ باطن اس قسم کے حال سے پوری طرح مغلوب ہوا اور ظاہر آداب شرعیہ پر قائم رہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ دن بدن استقامت کو زیادہ کرے کیونکہ یقینی نجات اس میں ہے اور اس کے ماسوا میں خطرہ ہے ہمت کو بلند رکھیں اور ان احوال کو

---

[15] مکتوب: 101، ص 238، 237، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

وصول کے لئے سازوسامان جانیں اور ترقی کے زینے تصور کریں اور مطلوب کو وراء الوراء طلب کریں اور شہود ومشاہدہ سے باہر تلاش کریں۔ ایک بزرگ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کیا یارسول اللہ توحید کیا چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تیرے دل میں وسوسہ گزرے یا تیرے خیال میں آئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ماوراء ہے۔

آپ نے لکھا تھا حضرت خاتمیت علیہ من الصلوات اور مہاو من التسلیمات اتمہا کی حقیقت کے ساتھ محبت کرنا ایک کامل ترین مقام سے ہے اور احکام شرعیہ کے غوامض (باریکیاں) خاص شکلوں میں کیفیت کے بغیر متجلی ہوتے ہیں اور مقصود کے چہرہ کو دوسرے آئینوں سے زیادہ صاف انکشاف بخشتے ہیں۔ میرے مخدوم! اس شہود کہ جو کہ احکام شرعیہ کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے ان شہودات کے ساتھ جو اس عالم فانی کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیا نسبت؟ اس لئے کہ احکام شرعیہ کو عالم آخرت کے موجودات کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اس عالم میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر صفات کے حسن وجمال کا مظہر بنادیں گے جو کہ ان کے وجود میں ثابت ہیں بخلاف اس عالم فانی کی موجودات کے کہ ممکن کے عدم کی جانب کو تربیت دیکر اس حسن وجمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو عدم صفات کے احتمال کی جانب میں نمودار ہوا ہے اس لئے کہ صفات واجبی کے لئے کہ ہر دو عالم (عالم فانی وعالم آخرت) موجودات جن کے مظاہر ہیں جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن وجمال موجود ہے (اسی طرح) ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں بھی حسن وجمال ثابت ہے لیکن جو حسن کہ عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ حنظل کو شکر کے غلاف کر دیں اور شیریں محسوس کرادیں اس لئے آخرت کی لذتیں اور نعمتیں سب پسندیدہ مقبول اور ترقی بخش ہوئیں اور آخرت رضا کا گھر ہوا اور دنیا غضب کا گھر ہوئی اور اس کی فانی نعمتوں میں مشغول ہونا ناپسندیدہ ہوا کیونکہ اس مقام کا حسن

وجمال عدم کے زہر آپ کے ساتھ مخلوط ہے اس معاملہ کی تحقیق ہمارے حضرت عالی قدس سرہ کے مکتوبات کی جلد ثالث کے مکتوب صدم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے وہاں سے طلب کریں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں (یہ سب) خطاب ازلی ہیں جو کہ صفت کلام سے تعلق رکھتے ہیں پس اس جگہ نفس اسم کا ظہور عدم کے آئینوں کے بغیر ہو گا اور ان تمام ظہورات کو جو کہ عدم کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں اس ظہور سے کیا مساوات اور کونسی نسبت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس وقت میں لوگ طریقہ کے لئے بہت زیادہ مجبور کرتے ہیں الخ۔ میرے مخدوم! جس جگہ طالب صادق دیکھیں اور استخارہ موافق آجائے اور دل بے تکلف متوجہ ہو جائے تو طریقہ بتادیں ورنہ مجبوری نہیں ہے لیکن اگر بعض وسوسے اور اندیشے اس کام میں پیش آئیں اور تو ان سے استغفار ضروری ہے آپ نے ولایت کبریٰ کے کمالات اور نبوت کے خصائص اور قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی ولایت کے خواص میں سے بعض کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے مخدوم ان امور میں سے اکثر حضرت عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات میں واضح اور مشرح ہیں (ان کو) مطالعہ فرمائیں۔[16]

تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں:

ولی کامل صاحبِ ممدوح نور اللہ مرقدہ نے شاہ خواجہ ترمذی کے نام آیت کریمہ اسۡتَجِيبُوا لِرَبِّكُمۡ (الشوریٰ ۴۷) میں ذکر کی ہوئی استجابت کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ بیشک تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں۔

---

[16] مکتوب:123، ص276، 275، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللهِ مَا لَكُم مِنْ مَلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِنْ نَكِيرٍ (الشوریٰ ۴۷)

قبل اس کے کہ ایسا دن آ پہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لوٹانے والا نہیں ہے، تم اپنے رب کا حکم مانو، اس روز نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تمہارے لئے کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہو گا۔

ظاہری استجابت (ماننا) احکام شریعت کے ساتھ آراستہ ہونا اور سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ جو کہ ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں زینت حاصل کرنا ہے اور باطنی استجابت حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا سے انقطاع و بے تعلقی پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ان اسرار و معارف کے ساتھ جن کا تعلق باطن سے ہے آراستگی حاصل کرنا ہے۔ پہلی بات (ظاہری استجابت) شریعت کی صورت ہے اور دوسری بات (باطنی استجابت) شریعت کی حقیقت ہے، پس ظاہری و باطنی کمالات شریعت حقہ کے دائرہ میں داخل ہیں، لہذا شریعت کی صورت اصل ہے اور اس کی حقیقت اس پر مرتب ہونے والا پھل ہے پس یہ (شریعت) كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ (ابراھیم ۲۴) (اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی اصل (جڑ) ثابت (قائم و مضبوط) ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) پس اصل (جڑ) کی قوت کے مطابق پھل اور شاخیں اکثر و اعلیٰ ہونگی پس کمال وصول کی علامت کمال تقویٰ و کمال اتباع شریعت غرّا، دارالغرور (دنیا) سے کنارہ کشی اور دارالقرار (آخرت) کے لئے تیار رہنا ہے۔ اور نبی مختار صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم اور آپ کی آل ابرار اور تمام انبیاءِ کرام و ملائکہ عظام اور تمام صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو جبتک رات اندھیری اور دن روشن ہوتا ہے (یعنی ہمیشہ ہو) آمین۔[17]

---

[17] مکتوب: 126، ص 279، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

تمام کمالات سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع میں منحصر ہیں

صاحِب ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد حکیم ولد قاضی اسلم کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ تمام کمالات سرور کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کے اتباع میں منحصر ہیں اور اس بات کے بیان میں کہ مرشد کے باطن سے فیض حاصل کرنا مرید کی محبت کے اندازے کے مطابق ہے۔

حمد و صلواۃ و تبلیغ دعوت کے بعد شفقت شعار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال و اطوار احمد کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور شریعت پسندیدہ و سنت منورہ مصطفویہ علی مصدرہا الصلواۃ والسلام والتحتیہ کے راستہ پر آپ کی استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔ پس بیشک ظاہری و باطنی کمالات شریعت منورہ کے دائرے میں مندرج اور خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوات والبرکات العلیٰ کے اتباع میں منحصر ہیں پس جذبہ و سلوک (کی) آنحضرت (صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) کے آثار سے امید رکھی جاتی ہے اور فنا و بقا (دونوں) آنحضرت کے طریقوں (سنتوں) میں موجود ہیں اور تینوں ولایتیں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیہا آپ کے سمندروں کے قطرے ہیں اور نبوت و رسالت (دونوں) آنحضرت کے انوار سے ماخوذ ہیں اور مقطعات قرآنیہ آنحضرت کے اسرار کے رموز ہیں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم

گرامی نامہ نے جو کہ آپ نے اس دور افتادہ ناکارہ کے نام موسوم فرمایا تھا پہنچکر مسرور کیا امید ہے کہ آپ اس طریقہ کی نگہداشت رکھیں گے باطنی تعلق کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے جو کہ دعا اور غائبانہ توجہ کا سبب ہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہیں گے کہ یہ سلسلہ اور زیادہ قوی ہو جائے اور کمال کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ فیض پہنچانے والے کے باطن سے برکات جاری

ہونا اس تعلق کی مطابق ہے۔

طالب کا باطن ان انوار سے جس قدر زیادہ روشن ہو گا فیض پہچانے والے کے باطن سے صورت فیضیہ کا ظہور اسی قدر زیادہ ہو گا کسی نے خوب کہا ہے مصرع

بقدر آئینہ حسن تو می نماید روے (تیرا حسن بقدر آئینہ رونما ہوتا ہے)

دوستوں سے سلامتی خاتمہ کی دعا کی امید کی گئی ہے۔[18]

تمام ترکیفیات میں بھی شریعت کی پابندی لازمی ہے

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد ماہ پسر خواجہ عبدالرحمٰن نقشبندی کے نام تعزیت و نصیحت کرنے اور شریعت عالیہ و سنت منورہ اور دوام ذکر پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ و ارسال تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ کیا لکھا جائے کہ ہولناک واقعہ اور وحشت انگیز نمبر کے سننے پر دوستوں کو کس قسم کی مصیبت پہنچی اور کتنا رنج و غم پیش آیا انا للہ و انا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ کے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) لیکن چونکہ مولائے حقیقی جل شانہٗ کی تقدیر و ارادہ سے صبر و رضا کے سوا چارہ و مفر نہیں ہے۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزان تحمل خواری

(اگر تو مجھے آزار پہنچائے تب بھی میں تجھ سے روگردانی نہیں کرونگا کیونکہ عزیزوں کی طرف سے ذلت کو برداشت کرنا اچھا ہوتا ہے۔) آپ کو چاہئے کہ شریعت و طریقت کے راستہ پر قائم رہیں تاکہ حقیقت تک راہ پائیں اور اپنے بزرگوں کے طریقے اور روش کو نہ چھوڑیں تاکہ ان کے فیوض و

---

[18] مکتوب:130،ص284،283،دفتراول،ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03،کراچی

برکات سے بہرہ مند ہوں، دنیاوی زندگی بہت تھوڑی ہے اور آخرت کا معاملہ دائمی وابدی ہے ایسا کام کرنا چاہئے کہ نجات اخروی حاصل ہو جاے اور مالک حقیقی سے سرخروئی نصیب ہو جائے، حق سبحانہٗ نے آدمی کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے اور اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا ہے کہ وہ جو کچھ سمجھ میں آئے کرے اور جس طرح چاہے زندگی بسر کرے اس کو اوامر و نواہی کا پابند بنایا ہے، انسان اس کے سوا چارہ نہیں رکھتا کہ اس (اللہ تعالیٰ) کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرے جس چیز کا اس کو امر کیا گیا ہے اس کو بجالائے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے کنارہ کش ہو جائے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ سرکش بندہ ہو گا اور طرح طرح کی سزاؤں کا مستحق ہو گا۔ ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور اگر ذکر کہنے میں دل کو بیزاری پیدا ہو اور وہ ذکر کہنے سے باز رکھے تو محض وقوف قلبی یا بے کیف توجہ میں مشغول ہو جائیں اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "آرام و جمعیت اس میں ہے کہ دل کی حرکت جس طرح کی ہو اور دل میں کوئی خیال نہ گزرے یہاں تک کہ اسم ذات کے تلفظ کا خیال بھی نہ گزرے جس وقت یہ صفت ظاہر ہوتی ہے تمام چیزوں سے روک دیتی ہے، اس حال میں آرام و جمعیت زیادہ سے زیادہ مشاہدہ کرتا ہے۔" میرے مخدوم! یہ حال عمدہ ہے اور دل کو ماسوا سے جس قدر بھی قطع تعلق حاصل ہو جائے نعمت ہے لیکن بشرطیکہ فرائض وواجبات میں خلل واقع نہ ہو ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے لیکن صفت مذکورہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور ڈرتے اور کانپتے رہیں اور سنت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر مضبوطی سے قائم رہیں راہِ نجات یہی ہے اور اس کے علاوہ بیکار محنت کرنا ہی آپ کی استقامت کیلئے دعا کی گئی ہے۔ **ثبتنا اللہ سبحانہ و ایاکم علی جادۃ الشریعۃ العلیۃ** (اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شریعت عالیہ کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے)۔ [19]

---

[19] مکتوب: 129، ص 206، 205، دفتر سوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقة

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا حسن علی کے نام علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور حضرت محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سنت کو زندہ کرنے پر ترغیب دینے اور دیگر نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلواۃ اور دعائیں دینے کے بعد سعادت آثار برادر عزیز مولانا حسن علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی امیدیں پوری فرمائے کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ (اس طرف کے) احوال حمد کے مستحق ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان ہے اللہ تعالیٰ سے اکابر کے طریقہ پر ثابت قدمی اور استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہی کام کا سرمایہ اور نجات کا مدار ہے اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے، اے بھائی! چونکہ آخری زمانہ کے اوقات ہیں دین کے معاملہ می سستی آگئی ہے اور سنت متروک ہوگئی اور بدعت پھیل گئی ہے (اس لئے) علوم کا حاصل کرنا اور ان کو پھیلانا اس طرح کی ظلمانی دور میں اہم کاموں میں سے ہے، اور سنت محمدیہ علی صاحبھا الصلواۃ والسلام والتحیتہ کو زندہ کرنا اعظم مقاصد میں سے ہے علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور ان کی نشر و اشاعت اور سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلواۃ والسلام والتحیتہ کے زندہ کرنے میں کمر ہمت مضبوط باندھیں اور نامرادی کے گوشے اور جازی و نیستی کی صفت کے ساتھ بارگاہ الٰہی عزّبراہانہ میں دائمی نگرانی (حضوری) کو ترک نہ کریں اور احوال و مواجید کی کچھ فکر نہ کریں کیونکہ ان کا کمال آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ امور جن کے ساتھ صوفیائے وقت خوش ہیں یا وہ **کَسَراب بقیعة یحسبھا الظمان ماء** (جیسا کہ چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت جس کو پیاسا آدمی (دور سے) پانی سمجھتا ہے) کی قسم سے ہیں یا ان کی تسلی کے لئے ہیں، ہزاروں میں سے کسی ایک کے لئے ظاہر کرتے ہیں جس کسی

نے بھی یہ کہا ہے خوب کہا ہے: **تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقة** (یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے) (یہ گھر دنیا) عمل کا گھر ہے، طاعات کی ادائیگی میں مردوں کی طرح رہیں اور خلوت و گوشہ نشینی کو غنیمت جانیں، ظاہری معاش کے کاموں کو حضرت **الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (الذٰریٰت ۵۸)** (نہایت مضبوط قوت والے رزاق یعنی اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دیں اور جمعیت (اطمینان) کو اس کی تدبیر کے ترک میں جانیں کیونکہ تدبیر اور اسباب جمع کرنے کا معاملہ دور و تسلسل کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے کامل جمعیت (اطمینان) کا حاصل ہونا عادۃً محال ہے۔ دیگر یہ کہ آپ کے والد بزرگوار کے لئے فاتحہ پڑھی گئی، **انا للہ و انا الیہ رجعون** (بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت میں شامل فرمائے اور پسماندگان کو اپنی قضا پر رضا نصیب فرمائے (ان کے ایصال ثواب کیلئے) فاتحہ و صدقہ اور (ان کی مغفرت طلب کرنے کے لئے) استغفار سے ہمیشہ ان کو یاد کرتے ہیں۔[20]

الاستقامت فوق الکرامة:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد صدیق کے نام شریعت پر استقامت چاہنے اور مرشد کی محبت پر رہنمائی کرنے کے متعلق اور اس بارے میں حصولِ نسبت اور چیز ہے اور اس کا علم ہونا اور چیز ہے اور اس چیز کی وضاحت میں کہ حال ہو اور اس حال کا علم نہ ہو، تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب پسندیدہ کچھ نیاز (ہدیہ) کے ساتھ یکے بعد دیگرے پہنچا اور اس کے لمبے چوڑے مقدمات واضح ہوئے۔ میرے مخدوم! اس طرف سے کمال صفائی ہے کوئی غبار اپنے دل پر نہ لائیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو، اپنے کام میں کوشش کرتے

[20] مکتوب: 178، ص 347، 346، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

رہیں اور جس حال میں بھی ہوں نیستی کی صفت کی طرف دائمی توجہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور حضرت حق سبحانہ سے استقامت طلب کریں۔ الاستقامة فوق الکرامة (استقامت کرامت سے افضل ہے) آپ نے سنا ہو گا، فقیر بھی آپ کی استقامت کے لئے دعا گو ہے، امید ہے کہ اس کے آثار ظاہر ہوں گے، اگر احوال و مواجید سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو اور شریعت پر اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اور ان کے درویشوں کی محبت پر استقامت حاصل ہو تو کوئی خوف نہیں ہے اور حقیقت سے بے نصیب نہیں ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو استدراج کے سوا کچھ نہیں جاننا چاہیئے، اس تعلق کو مضبوط رکھنا چاہیئے۔ ہمارے بزرگوں کی نسبت بہت بلند اور عقل کے دائرے سے باہر ہے، مشکل ہے کہ ادراک (سمجھ) کا ہاتھ یکایک (یکدم) اس کے دامن تک پہنچے اگرچہ (یہ نسبت) حاصل ہو کیونکہ حصول اور چیز ہے اور اس (حصول) کا علم دوسری چیز ہے یعنی نسبت کے حصول کا علم باطن کے لئے ہے کیونکہ علم التذ ذ اسی کے نصیب ہے اگرچہ ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے چنانچہ باطن کا علم والتذاذ ابتدا میں ہمسائیگی کی وجہ سے ظاہر میں بھی سرایت کرتا ہے اور ظاہر بھی واجد و لذت یافتہ ہو جاتا ہے اور جب کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے (اور) باطن ظاہر سے حصہ لیتا ہے اور اپنے آپ کو خالی اور بے نسبت پاتا ہے بلکہ کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ باطن کے ساتھ کمال بے مناسبتی کی وجہ سے ہدایت یافتہ مبتدی کو جس نے کہ اندراج النهاية فى البداية (ابتدا کا انتہا میں درج ہونا) کے حکم کے مطابق انتہا کی چاشنی پائی ہے اور قلب سے جو کہ جذبہ کا مقام ہے نہیں نکلا ہے۔ اس اس کے مقلب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ نہیں ملا اور ظاہر میں ذوق و وجد کے ساتھ موصوف ہے اپنے آپ سے زیادہ کامل جانتا ہے اور اپنے آپ سے نسبت کی نفی کر کے اس کو صاحبِ نسبت جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ طالب اس قسم کے مبتدی اور متوسط کی صحبت میں بظاہر زیادہ رشد و ہدایت سمجھتا ہے اور وجد والتذاذ زیادہ دیکھتا ہے چونکہ اس کا

مرشد شوق ووجد کے ساتھ لذت پارہاہے اس لئے مرید میں بھی یہ کیفیت پرتو(عکس)ڈالتی ہے۔ شیخ الاسلام (قدس سرہٗ) کے پاس، کیونکہ وہ تمہارے لئے خرقانی سے زیادہ فائدہ مند ہوتے یعنی خرقانی منتہی تھے مرید ان سے کم فائدہ حاصل کرتا۔ راقم کہتا ہے یعنی وہ فائدہ جو کہ وجد و دانش سے تعلق رکھتاہے نہ کہ مطلقاً فائدہ کیونکہ کامل فائدہ وہ ہے جو کہ منتہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، پہلے فائدہ کو اس فائدے کے ساتھ کیا نسبت ہے وہ فائدہ کی صورت ہے اور یہ فائدہ کی حقیقت ہے لیکن چونکہ نہایت بلندی کی وجہ سے اس کی نسبت معروف ادراک سے باہر ہے طالب میں بھی اسی کیفیت کے ساتھ ظہور کرتا ہے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت یہی تھی۔ **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران ٦٠)** (پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو) والسلام۔ [21]

احیائے سنت

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا محمد صدیق کے نام سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے پر ترغیب دینے اور الہام کے ظنی ہونے اور بندگی کے پسندیدہ طریقے کے بیان میں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً اللہ العظیم مصلیا علیٰ رسولہ الکریم

اس وقت میں عہد نبوت کے بعد اور قیامت کے قرب کی وجہ سے بدعت شائع ہوگئی ہے اور اس کی ظلمتوں نے دنیا کا احاطہ کرلیاہے اور سنت اجنبی (ان جانی) ہوگئی ہے اور اس کے انوار پوشیدہ ہوگئے ہیں، متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے اور شرعی علوم کو شائع کرنے میں کمرہمت کو خوب مضبوط باندھیں اور اس امر کو بارگاہ خداوندی جل سلطانہ کی کمال رضامندی کا وسیلہ بنائیں اور بارگاہ محمدی (صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم) کے قرب کو اس عمل کے ذریعہ تلاش کریں، حدیث شریف کا مضمون

---

[21] مکتوب: 179، ص 348، 347، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

ہے کہ جو شخص میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا کہ جس پر عمل متروک ہو چکا ہے تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس پر خود عمل کرے اور اس سنت کے زندہ کرنے کا اعلیٰ درجہ اس کو رواج دینا اور دوسروں سے اس پر عمل کرانے میں کوشش کرنا ہے۔ خاتمہ کے مبہم ہونے کے درد و غم کا اظہار جو آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں بجا ہے، یہ ابہام کمر شکن ہے آج اس درد سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ کوئی شخص خالی نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اپنے بارے میں قبولیت کا کچھ اثر یقین و خرم کے ساتھ مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔" میرے مخدوم! اس قسم کے امور میں جزم و یقین نزول وحی کے زمانہ میں (حاصل رہا ہے اور اس زمانہ کے علاوہ اور وقت میں علامات و آثار و بشارات جو کہ طمانیت قلب کا سبب ہوں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ ابہام (ذو معنٰی ہونے) کا وہم درمیان میں ہے (اس لئے) درد و اضطراب دامنگیر ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ "اپنی عبادات و طاعات کو قبولیت کے لائق نہیں جانتا اس بنا پر بعض اوقات ان کے ادا کرنے سے سستی برتتا ہے۔" میرے مخدوم! اس عالم (دنیا) میں عمل (مطلوب اور ضروری ہے خواہ قبولیت کے قابل جانیں یا نہ جانیں عمل کرنا چاہیے اور اس سے استغفار کرنا چاہیئے گریہ و زاری کے ساتھ اس کی قبولیت طلب کرنی چاہیے تاکہ قبولیت کے لائق ہو جائے اور نورانیت پیدا کرلے اعمل و استغفر (عمل کر اور استغفار کر) بندگی کا طریقہ یہی ہے اور اس کے علاوہ شیطانِ لعین کا بہکانا ہے۔ دیگر جو محبت و دلی توجہ کہ فقیر کو آپ کی جانب ہے اس کا کیا اظہار کرے جو محبت کہ آپ کو ہمارے ساتھ ہے وہ اسی کا اثر ہے فرع میں جو کچھ ہے وہ اصل کی طرف سے آیا ہے، شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے، آیت کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ (المائدۃ ۵۴) (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) اور آیت کریمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِيَ

رَبَّهٗ(البینة ۸)(اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے) میں اپنی محبت ورضا کو ان کی محبت ورضا پر مقدم رکھا ہو اور حدیث قدسی وأنا إلیھم لَاَشَدُّ شَوقاً (یقینًا میں ان کی طرف زیادہ شدت کا شوق رکھتا ہوں) میں اپنے اشد شوق کو ثابت کیا ہے۔[22]

تمام خیر سنت نبویہ میں ہی ہے:

امام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فاعمل یا اخی بالسنة فان الخیر کله فیھا و اللہ یتولی ھداک۔

اے میرے بھائی سنتوں کے مطابق زندگی گزار کہ تمام خیر اسی میں ہے[23]

الخیر فی الاتباع والشر فی الابتداع

قال الإمام أبو القاسم القشیری رحمه اللہ: "لا ینبغی لمرید أن یعاھد اللہ تعالیٰ علی فعل شیء مما لم یکلفه اللہ تعالی به، فإن فی مکروھات الشریعة ما یغنی عن ذلک"۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرید کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عمل کا اس کو مکلف نہیں بنایا وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کرے کیونکہ جو کام شریعت میں مکروہ ہیں ان میں سے بعض کام اس سے بے نیاز کرتے ہیں۔

ثم إنه قد لا یعانُ علی ما عاھد ربه علیه من ذلک، لعدم دخوله تحت شرعه الأصلی، فإنه تعالی ما ضمن المعونة إلا لمن ھو تحت إمره المشروع علی ألسنة رسله، و فی القرآن العظیم "رھبانیة ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم إلا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا" فالخیر کله فی قدم الاتباع الشر فی الابتداع۔

پھر جب وہ کسی کام کا اپنے رب سے وعدہ کرتا ہے تو اس کی مدد نہیں کی جاتی کیونکہ وہ کام شریعت کے

---

[22] مکتوب:228، ص 421،422، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

[23] لواقح الانوار القدسیة فی بیان العھود المحمدیة۔ ص:650 دار الکتب العلمیة

اصل امور میں داخل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کام کی مدد کی ضمانت دیتا ہے جن کا حکم اس نے اپنے رسولوں کی زبان سے دیا ہے اور قرآن مجید میں ہے: وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ "اور وہ راہب بنا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ فرمائی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے بنایا جیسا اس کے بنانے کا حق تھا۔" (الحدید:۲۷)

پس بھلائی مکمل طور پر شریعت کی اتباع میں ہے اور بدعات میں برائی ہے۔[24]

الفقہ فی الدین مفتاح الطریق

ومن هنا قالوا المريد: تفقه فی دینک أولاً ثم تعال ادخل الطريق و ذلک ليقل التفاته إلى غير الطريق، فربما شرع فی مجلس ذكر مثلاً فصار درسه يدعوه إلى مطالعته، والهضور مع الطلبة، و كثرة الجدال، و ذلک يفرق عن المعنى المقصود فی الطريق، من دوام المراقبة لله تعالى وحده، على أن غالب دقائق العلوم يدخلها حظوظ النفس، و مبنى الطريق كلها على مخالفة النفس والله أعلم۔

اسی وجہ سے مشائخ مرید سے کہتے ہیں پہلے اپنے دین کی سمجھ اختیار کرو پھر آکر طریقت میں داخل ہو یہ اس لئے کہ طریقت کے غیر کی طرف اس کی توجہ کم ہو۔ مثلاً بعض اوقات وہ مجلس ذکر میں شروع ہوتا ہے تو اس کا درس اس کو مطالعہ اور طلبہ کے ساتھ حاضری کی دعوت دیتا ہے۔ نیز وہ "مجادلہ" (لڑائی جھگڑے) کی کثرت اختیار کرتا ہے اور اس طرح اس بات سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے جو طریقت میں مقصود ہوتی ہے اور وہ مسلسل اللہ وحدہٗ کی طرف توجہ (مراقبہ) ہے۔ علاوہ ازیں علوم کی غالب باریک باتیں نفس کی خواہشات میں شامل ہو جاتی ہیں جب کہ طریقت کا دار و مدار مکمل طور پر نفس کی مخالفت پر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[25]

---

[24] الانوار القدسية فی معرفة قواعد الصوفية جلد 1

[25] الانوار القدسية فی معرفة قواعد الصوفية جلد 1

شریعت وطریقت سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی نظر میں

شریعت و طریقت، دو راہیں مُتَبَایِن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اِتِباعِ شریعت خدا تک وُصول محال۔ شریعت تمام اَحکامِ جسم وجان وروح و قلب وجملہ عُلُوْمِ اِلٰهِيّه و مَعارِفِ نا مُتَنَاهِيَه کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے، و لہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول (مطرود و نامقبول)، (تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی مِحک ومعیار ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کی کسوٹی۔

شریعت "راہ" کو کہتے ہیں اور شریعتِ محمدیه عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلاۃُوَ التَّحِيَّةُ کا ترجمہ ہے:

"محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی راہ۔"

اور یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکامِ جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر صبر و استقامت کی دُعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (الفاتحه ٦) (ہم کو سیدھا راستہ چلا) ہم کو محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یونہی طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادتِ قرآنِ عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت تک نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل و مردود فرما چکا۔

لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے اسی راہِ روشن کا ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا، طریقتِ حقّہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے) نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضات و مجاہدات بجالائے (کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چِلّہ کشیوں میں وقت گزارا جائے) اس رُتبہ تک پہنچے کہ تکالیفِ شرع (شریعتِ مطہرہ کے فرامین و احکامِ امر و نہی) اس سے ساقط ہو جائیں اور اسے اَسْپ بے لگام و شُتُر بے زمام کر کے چھوڑ دیا جائے۔

(قرآن عظیم میں فرمایا: اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ھود ۵۶) "بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔" اور فرمایا وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام ۱۵۳) شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرماتا ہے: "اور اے محبوب! تم فرما دو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے۔" دیکھو! قرآنِ عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس کا مُنْتَھَا اللہ ہے، اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا۔

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سَنْیَاسیوں کو دیئے جاتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جحیم وعذابِ اَلیم تک پہنچاتے ہیں۔ (مقالِ عرفاء) صوفی وہ ہے کہ اپنے ہَوا (اپنی خواہشوں ، اپنی مرادوں) کو تابعِ شرع کرے (بے اتباعِ شرع کسی خواہش پر نہ لگے) نہ وہ کہ ہَوا (و ہوس اور نفسانی خواہشوں) کی خاطر شرع سے دستبردار ہو (اور اتباعِ شریعت سے آزاد)۔

شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زَوال پائے گی۔

شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر (اور) آنکھ پھوٹ کر نظر (کا باقی رہنا) غیر مُتصَوَّر، (عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مطہرہ میں کب مقبول و معتبر)۔

بعد اَز وصولِ (منزل) اگر اتباعِ شریعت سے بے پروائی ہوتی (اور احکامِ شرع کا اتباع لازم و ضرور نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا) تو سیّد العالمین صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور امام الواصلین علی کَرَّمَ اللّٰہ تَعَالٰی وَجۡہَہٗ اس کے ساتھ احق ہوتے (اور ترکِ بندگی و اتباعِ شرع کے باب میں سب سے مقدم و پیش رَفتُ) نہیں (یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں) بلکہ جس قدر قربِ (حق) زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور زیادہ سخت ہوتی جاتی ہیں (کہ) **حَسنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ** (ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے لیے عیب ہوتی ہیں)

نزدیکاں رابیش بود حیران

(قریب والوں کو حیرت زیادہ ہوتی ہے۔)

اور

جن کے رُتبے ہیں سِوا، ان کو سوا مشکل ہے

آخر نہ دیکھا کہ سیّد المعصومین صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم رات رات بھر عبادات و نوافل میں مشغول اور کارِ اُمّت کے لیے گریاں و ملول رہتے، نمازِ پنجگانہ تو حضور پر فرض تھی ہی، نمازِ تَہَجُّد کا ادا کرنا بھی حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر لازم بلکہ فرض قرار دیا گیا، جب کہ اُمّت کے لیے وہی سنت کی سنت ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ زُعم کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہو گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت! فرمایا: "وہ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔ چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبّات مقرر کر دیئے ہیں بے عذرِ شرعی ان میں کچھ کم نہ کروں۔"

تو خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی نشانِ قدم کی پیروی کرے

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

جس کسی نے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہرگز منزلِ مقصود پر نہ پہنچے گا۔

توہینِ شریعت کفر (اور علمائے دینِ متین کو سب و شتم، آخرت میں فضیحت و رسوائی کا موجب) اور اس کے دائرہ سے خُروج فِسق (و نافرمانی)۔

صوفی (تقویٰ شعار) صادق (العمل) عالِم سُنّی صحیح العقیدہ خدا و رسول کے فرمان (واجب الاذعان کے مطابق) پر ہمیشہ یہ عقیدت رکھتا ہے کہ (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (علمائے شرع مبین وَارِثانِ خاتم النبیین ہیں اور علومِ شریعت کے نگہبان و علمبردار، تو ان کی تعظیم و تکریم صاحبِ شریعت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم و تکریم ہے اور اس پر دین کا مدار) اور عالمِ مُتَدَیِّن خدا طلب (خدا پرست، خدا ترس، خدا آگاہ) ہمیشہ صوفی سے (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (بتواضع و انکسار پیش آئے گا کہ وہ حق آگاہ اور حق کی پناہ میں ہے) اور اسے اپنے سے افضل و اکمل

جانے گا(کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے)جو اعمال اس(صوفی صافی حق پرست وحق آگاہ)کے اس کی نظر میں قانونِ تقویٰ سے باہر نظر آئیں گے (ان سے صرفِ نظر کر کے معاملہ عالم الغیب والشہادة(5) پر چھوڑے گا بمصداق:

ای کہ حمال عیبِ خویشتنید — طعنہ بر عیبِ دیگراں مکنید

(اے اپنے عیبوں کو اُٹھانے والو!دوسروں کے عیب پر طعنہ زنی مت کرو۔)

اے اللہ !سب کو ہدایت اور اس پر ثبات و استقامت(ثابت قدمی)اور اپنے محبوبوں اور سچے پکے عقیدوں پر جہانِ گُزراں سے اُٹھا۔اٰمِیْن یَا اَرْحَمَ الرّاحِمِیْن!

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ اِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ ط وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَ صَلَّی اللہ تَعَالٰی [26]

ہر باطن جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو باطل ہے:

حضرت ابو سعید خزار نے فرمایا:

کل باطن یخالفه ظاهر فهو باطل

ہر باطن جو ظاہر کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔یعنی ہر وہ حقیقت (باطنی احوال)جو شریعت کے مخالف ہو باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔[27]

امام العارفین حضرت سلطان باہو قدس سرہ لکھتے ہیں:

کل باطن مخالف لظاهر فهو باطل۔

ہر وہ باطنی معاملہ جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔[28]

---

[26] اِعْتِقَادُالْاَحْبَابِ فِی الْجَمِیْلِ وَالْمُصْطَفٰی وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ

[27] عوارف المعارف ص:36، حقائق عن التصوف ص ۳۹۰

[28] حق نمائے،(نور الھدیٰ) ص ۵۱

اتباع شریعت کے بغیر وصول الی اللہ ناممکن ہے

حضرت ابوالحسن وراق فرماتے ہیں:

لا یصل العبد الی اللہ الا باللہ و بموافقة حبیبه صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَ أله وَسلَّم فی شرائعه، و من جعل الطریق الی الوصول فی غیر الاقتداء یضل من حیث یظن انه مهتد۔

بندہ اللہ تک صرف اللہ کے ذریعے اور شریعت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی موافقت کے ذریعے پہنچتا ہے جس کسی نے بھی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی پیروی کے بغیر وصول الی اللہ کا راستہ اختیار کیا وہ گمراہ ہو گیا خواہ وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتا رہے۔ (جیسا کہ اس زمانے کے متصوفین کا گمان فاسد ہے)[29]

شیخ عبد اللہ بن ابی بکر قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

ماعندنا طریق الی اللہ تعالیٰ الا الشریعة وهی الاصل و الفرع

ہمارے نزدیک شریعت کے علاوہ وصول الی اللہ کا کوئی راستہ نہیں اس لئے کہ یہی اصل اور یہی فرع ہے۔[30]

شیخ احمد زروق نے فرمایا:

و کل شیخ لم یظهر بالسنة فلا یصح اتباعه لعدم تحقق حاله و ان صح فی نفسه و ظهر علیه ألف کرامة من امره۔

ہر وہ شیخ جو ظاہر میں سنت کو نہ اپناسکا اسکی تابعداری درست نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ اپنے گمان میں خود کو درست تصور کرتا ہو اور خواہ وہ ہزارہا کرامتیں دکھائے۔[31]

---

[29] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۰

[30] عقائد السنیه مصنف عثمان بن عیسیٰ الصدیقی الحنفی ص ۱۰ میر محمد کتب فروش پشاور

[31] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۲، ۳۹۳

اور کہا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ راستہ نہیں بلکہ تصوف شریعت پر عمل پیرا ہونے کا ہی نام ہے۔ اس لئے پہلے شریعت پر کاربند ہونا ضروری ہے پھر تصوف کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اور طریقت و حقیقت اصل میں شریعت ہی کو بام عروج تک پہنچانے کا نام ہے۔[32]

امام ربانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فان ریاضات اھل الباطل (المتصوفین) و مجاھداتھم التی لا توافق الشریعة الغراء (وھو اظھر من الشمس) الایحصل منھا شیء غیر الخسارہ۔

پس بے شک اہل باطل (جاہل صوفی) کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت (جو کہ روشن ہے) کے موافق نہ ہو سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہیں۔[33]

کتب تصوف کے ساتھ کتب فقہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہٗ نے شیخ نظام الدین القانیسری کی طرف خط لکھا جس میں آپ نے فقہ کی کتب کا ذکر و مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

فکما انه یذکر فی مجلسه الشریف من کتب التصوف، کذالک ینبغی ان یذکر فیه من الکتب الفقیھة، و الکتب الفقھیة بالعبارة الفارسیة کثیرة مثل مجموعة خانی و عمدة الاسلام و الکنز الفارسی بل لا ضرر اصلا ان لم یذکر من کتب التصوف فانه یتعلق بالاحوال لا دخل له فی القال و عدم مذاکرة الکتب الفقھیة محتمل للضرر، و زیادة الاطناب موجبة للملال، القلیل یدل علی الکثیر۔ (شعر)

وبشت عندکمن خفی ضمائر
نبذا و خفت سامةمن کثرة

---

32 تصوف کی باتیں ص ۴۳

33 مکتوب ۲۰۶، ص ۳۷۸، جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

پس جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ اور زبان فارسی میں فقہ کی بے شمار کتب موجود ہیں جیسے مجموعہ خانی عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی بلکہ اگر آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ لمبی بات ملال کی موجب ہو گی۔ تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے۔

تیرے سامنے میں نے بہت تھوڑا غمِ دل بیان کیا ہے
مجھے ڈر محسوس ہوا کہ تو دل آرزدہ ہو گیا ورنہ باتیں تو بہت[34]

شریعت کے تین اجزاء:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم ان للشریعة ثلاثة اجزاء العلم و العمل و الاخلاص۔ و ما لم یتحقق کل من هذه الاجزاء الثلاثة لا تتحقق الشریعة۔ و متیٰ تحققت الشریعة فقد تحقق رضا الحق سبحانه و تعالیٰ الذی هو فوق جمیع السعادات الدنیویة و الاخرویة و رضوان من الله اکبر فکانت الشریعةمتکلفةبجمیع السعادات الدنیویه و الاخرویه، ولم یبق مطلب یقع فیه الاحتیاج الی ماوراءالشریعة۔

والطریقة و الحقیقة اللتان امتازت بهما الصوفیة خادمتان للشریعة فی تکمیل جزئها الثالث الذی هو الاخلاص فالمقصود من تحصیل کل منهما تکمیل الشریعة لا امر اخر وراء الشریعة۔

جان لو کہ شریعت کے تین جزء ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص، جب تک یہ تینوں اجزاء نہ

---

[34] المکتوبات الربانیةمکتوب 19، ص ۸۴، دار الکتب العلمیة

پائے جائیں شریعت متحقق نہیں پاتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جو تمام دنیاوی واخروی سعادتوں سے اعلیٰ ہے بھی متحقق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی رضامندی بھی بہت ہے۔ اس لئے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اور کوئی ایسا مطلب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی حاجت ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کے خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء جو کہ اخلاص ہے کی تکمیل ہوتی ان دونوں (طریقت و حقیقت) سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔[35]

امام ربانی قدس سرہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وهذا الاخلاص جزء من اجزاء الشريعة فان للشريعة ثلاثه اجزاء العلم والعمل والاخلاص فالطريقة والحقيقة خادمتان للشريعة فى تكميل جزء الاخلاص وهذاهو حقيقة الامر و لكن لا يدرک فهم کل احد ذالک و اکثر خلق العالم قد اطمانوا بالمنام والخيال واکتفوا بالجوز والموز، فماذايدركون من كمالات الشريعة وانايصلون الى حقيقة الطريقة والحقيقة فيزعمون الشريعة قشرا والحقيقة لبا ولا يدرون ما حقيقة المعاملة بل يغترون بترهات الصوفيه ويفتتنون بالاحوال والمقامات السفليه۔

اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ اس لئے کہ شریعت کے تین جز ہیں:

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

پس طریقت و حقیقت دونوں اس جزء یعنی اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کے خادم ہیں اور یہی حقیقت ہے لیکن ہر شخص اس چیز کا فہم وادراک نہیں رکھتا۔ اکثر مخلوق خواب وخیال میں

---

[35] مکتوب ج ۲ ۳۶، ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیة بیروت

آرام کر رہی ہے۔ اور اکھروٹ وناریل (معمولی چیزوں) پر کفایت کر چکی ہے۔ شریعت کے کمالات کو کیا جانے اور طریقت و حقیقت کی ماہیت کو کیا پائے۔ اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو معزز خیال کرتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بلکہ صوفیاء کی (بحالت سکر میں نکلی ہوئی) باتوں میں آ گئے اور احوال و مقامات سے فتنہ میں آ گئے ہیں۔[36]

معلوم ہوا کہ شریعت علاوہ جس بھی چیز کو انسان اپنی حاجت سمجھتا ہے دراصل وہ اسکی نفسانی خواہش ہے جیسے وہ شریعت پر مقدم رکھتا ہے اور اپنے گمان باطل میں اسے عین شریعت سمجھتا ہے۔

فتدبروا ایها الجهلاء لعلکم تهتدون۔

شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے:

امام ربانی قدس سرہ مکتوب ۸۴ میں لکھتے ہیں:

ان مخالفة الشريعة علامة عدم الوصول الى حقيقة الامر۔

بے شک شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے۔[37]

شریعت و طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ فرید رحمہ اللہ کی طرف خط صادر فرمایا:

فان الطريقة و الشريعة كل منهما عين الاخر لا مخالفة بينهما مقدار شعرة و انما الفرق بينهما بالاجمال و التفصيل و الاستدلال و الكشف و كلما هو مخالف للشريعة فهو مردود و كل حقيقة ردته الشريعة فهو زندیقة و طلب الحقيقة مع الاستقامة فى الشريعة حال اهل الكمال من الرجال۔

---

[36] مکتوب ۴۰ ص 116، جلد 01 دار الکتب العلمیۃ بیروت

[37] مکتوب ۸۴، ص 206، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے۔ جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہو وہ مردود ہے اور ہر حقیقت جیسے شریعت رد کردے وہ زندقہ (باطل) ہے۔ شریعت پر استقامت کے ساتھ حقیقت کو طلب کرنا اہل کمال مردوں کا کام ہے۔[38]

مذکورہ بالا مکتوب میں آپ علیہ الرحمہ نے بالکل واضح جاہل صوفیوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ شریعت کو قائم رکھتے ہو حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے۔

سیدی افضل الدین قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

کل حقیقةشریعةو عکسه۔

تمام حقیقت شریعت اور اس کا عکس (تمام شریعت حقیقت) ہے۔[39]

استدراج:

آپ علیہ رحمہ نے مکتوب ۷۸ میں لکھتے ہیں:

فان حصلت له الاحوال و المواجید فرضاً مع وجود مخالفة الشریعة ولو مقدار شعرة فهی داخلةفی الاستدراج

پس اگر حاصل ہو جائے احوال و مواجید شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی کیوں نہ ہو تو وہ استدراج میں داخل ہے۔[40]

---

[38] مکتوب ۴۳، ص ۱۲۵، جلد 01، دارالکتب العلمیہ بیروت

[39] المیزان الکبریٰ، ص ۵۶، دارالکتب العلمیة

[40] مکتوب ۷۸، ص ۱۹۴، جلد 01، دارالکتب العلمیةبیروت

امام العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اے دوست! شریعت میں محکم ہو جا کہ اس راہ میں نعوذ باللہ استدراج نہیں۔[41]

سراج السالکین مفتاح العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نوراللہ مرقدہ نے فرماتے ہیں:

خارق عادات، معجزہ، استدراج اور سحر ایک ہی امر ہے جب کسی پیغمبر یا مدعی نبوت سے زمانہ جواز نبوت میں کوئی خلاف عادات امر ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہیں گے اور اگر ولی سے جو اوصاف ولایت سے متصف ہو اس کا ظہور ہو یعنی کوئی امر خلاف عادت ظہور میں آئے تو کرامت ہے اور اگر کسی مخالف شریعت سے ایسا عمل صدور میں آئے تو استدراج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)[42]

حصول تصوف سے قبل عقائد کا درست ہونا لازمی ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ولا بد اولا من تصحیح الاعتقاد و تصدیق ما علم من الدین بالضرورۃ۔ ثم العلم و العمل بما تکفل ببیانہ علم الفقہ ایضا ضروری ثم سلوک طریق الصوفیہ ایضا مطلوب۔

اور ضروری ہے اولا عقائد کا درست ہونا اور اس امر کی تصدیق سے جو تواتر و ضرورت دین کے طور پر معلوم ہو (اس کے بغیر) چارہ نہیں پھر علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے اور پھر طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی مطلوب (ضروری) ہے۔[43]

---

41 طرفۃ العین، ص ۱۹، شبیر برادرز

42 ملفوظات محبوب یزدان حضرت سید اشرف جہانگیر سخنانی نور اللہ مرقدہ حصہ اول، لطیفہ پنجم، ص ۱۷۳

43 مکتوب ۲۱۰، ص ۳۹۲، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت

عارف باللہ احمد عرب الشرنوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یجب علی المرید قبل الاشتغال بالذکر و الریاضہ ان یحصل من علم التوحید ما یصح بہ اعتقادہ علی مذھب اھل السنۃ و الجماعۃ۔

مرید پر واجب ہے کہ ذکر اور ریاضت میں مشغول ہونے سے پہلے علم التوحید حاصل کرے جس کے ذریعے اس کے عقائد درست ہوں جو کہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہے۔[44]

طریقت و حقیقت علوم شرعیہ کے خادم ہیں:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یقین ھذا الفقیر ان طریق الصوفیۃ خادم للعلوم الشرعیہ لانہ امر مباین لھا و قد حققت ھذا فی کتبی و رسائلی۔

اس فقیر کا یقین (کامل) ہے کہ صوفیہ کا طریقہ (طریقت و حقیقت) علوم شرعیہ کے خادم ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور امر اور فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں اس معنٰی کی تحقیق کی ہے۔[45]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الاحوال المواجید تابعۃ للاحکام الشرعیۃ و اعتقدوا ان الاذواق و المعارف خادمۃ للعلوم لا یعوضون الجواھر النفیسۃ الشرعیۃ بجوز الوجد و موز الحال مثل الاطفال

اور اس طرح طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شریعہ کے تابع کیا ہے اور اذواق معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ وضقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔[46]

---

[44] تائیۃ السلوک الی ملک الملوک ص ۷۶، دار الکتب العلمیۃ

[45] مکتوب ۲۱۰، ص ۲۹۳، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت

[46] المکتوبات الربانیۃ ج ۱ مکتوب ۲۲۱، ص 421 دار الکتب العلمیۃ

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الا یرون ان الفقیر قد کتب فی کتبہ و رسائلہ ان الطریقہ و الحقیقۃ خادمتان للشریعۃ۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔[47]

ظاہر کو ظاہر شریعت اور باطن کو باطن شریعت سے مزین کرنا:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ شیخ محمد یوسف کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعنی تحلیہ الظاھر بظاھر الشریعۃ و تزیین الباطن بباطنھا الذی ھو عبارۃ عن الحقیقۃ فان الطریقۃ و الحقیقۃ عبارتان عن حقیقۃ الشریعۃ۔ و الطریقۃ ھی نفس تلک الحقیقۃ الشریعۃ امر و الطریقۃ و الحقیقۃ امر ان آخر ان مغایر ان لھا، فان اعتقاد ذالک الحاد و زندقۃ۔

میری مراد یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت شریعت سے عبارت ہیں۔ آراستہ اور مزین رکھیں کیونکہ طریقت و حقیقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہیں اور یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز اور طریقت و حقیقت اور چیز و امر دیگر ہیں اس لئے کہ یہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔[48]

شریعت درخت تو حقیقت اسکا پھل:

سیدی ابراہیم الدسوقی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فالشریعۃ ھی الشجرۃ، و الحقیقۃ ھی الثمرۃ۔

پس شریعت درخت ہے اور حقیقت (اس کا) پھل۔[49]

---

[47] مکتوب ۱۲۱، ج۲ ص۱ 41، دار الکتب العلمیۃ

[48] مکتوب ۵۷، ص ۱۵۲ جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

[49] الطبقات الکبریٰ: ترجمہ سیدی ابراہیم الدسوقی، ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیۃ

اور دوسرے مقام پر فرمایا: **الشریعة کاشجرة والحقیقة ثمرتھا، فلا بد لکل واحدة من الاخریٰ۔** شریعت درخت کی مانند ہے اور حقیقت اس کا پھل ہے پس ضروری ہے ہر ایک کے لئے دوسرا۔ یعنی شریعت و طریقت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔[50]

کشف کب صحیح ہو گا؟

سیدی عارف باللہ عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الکشف الصحیح لا یأتی دائمًا الا موافقا للشریعة۔

کشف کبھی صحیح نہیں ہوتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔[51]

سیدی ممدوح قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ قد اقدر ابلیس کما قال الغزالی وغیرہ علی أن یقیم و لمکاشف صورة المعل الذی یأخذ علمه منه من سماء او عرش او کرسی لو قلم او لوح، فربما ظن المکاشف أن ذالک العلم عن اللہ فأخذ به ضل و اضل، فمن ھنا او جبوا علی المکاشف انه یعرض ما أخذه من العلم من طریق کشفه علی الکتاب و السنة قبل العمل به فان وافق فذاک و الا حرم علیه العمل به۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ابلیس مردود کو قدرت دی ہے جیسے امام غزالی وغیرہ (اکابر صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، قلم، لوح، سے علوم حاصل کرتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ اسے یہ علوم اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوا دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی لییٔ ائمہ اولیاء نے صاحب کشف پر یہ واجب کیا کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر پیش کرو اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل کرنا

---

[50] الاجوبه المرضیة ص ۱۵٦ دار البیروتی

[51] المیزان الکبریٰ للشعرانی، فصل ان قال قائل ان امر اص ۱۷ دار الکتب العلمیة

حرام ہے۔[52]

شریعت وطریقت وحقیقت کی مثال:

الشریعۃان تعبدہ و الطریقۃان تقصدہٗ و الحقیقۃان تشھدۃ

شریعت یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور طریقت یہ ہے کہ اس کا مقصد حاصل کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کیا جائے۔[53]

قیوم الزمان حضرت اخوندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی مبارک شریعت و طریقت کا باہمی تعلق بیان فرماتے ہیں:

شریعت کی مثال درخت کے تنے کی طرح ہے جبکہ طریقت کی مثال شاخوں کی سے ہے۔ اگر کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تو اس پر پھل کیسے آئے گا۔ طریقت اور شریعت ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

صاحب ممدوح قدس سرہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو مثال کے ذریعے واضح فرماتے ہیں کہ:

جیسے جھوٹ بولنا منع ہے اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہو تو یہ شریعت ہے اگر دل سے جھوٹ کا خیال نکل جائے تو یہ طریقت ہے۔ اگر زبان و دل دونوں سے یہ بات نکل جائے تو یہ حقیقت ہے۔[54]

---

[52] المیزان الکبریٰ،فصل ان قال قائل ان احدًا ص ۱۷،دار الکتب العلمیة

[53] الاجوبة المرضیة ص ۱۵۶ دار البیروتی

[54] مناقب امام خراسان ص ،26،27 السیف فاؤنڈیشن

کیا حقیقت شریعت کی مخالفت کا نام ہے؟

سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من ظن ان الحقیقۃ تخالف الشریعۃ او عکسہ فقد جھل، لانہ لیس عند المحققین شریعۃ تخالف حقیقہ ابدا حتی قالوا، شریعۃ بلا حقیقۃ عاطلۃ، و حقیقۃ بلا شریعۃ باطلۃ۔

جس نے گمان کیا کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اس کا عکس (شریعت حقیقت کی مخالفت کا نام ہے) پس یقیناً اس نے جہالت کی (جاہلوں والی بات کی) بیشک محققین کے نزدیک ہمیشہ سے شریعت حقیقت کی مخالف نہیں ہے۔ یہاں تک کہ محققین نے کہا: شریعت بغیر حقیقت کے عاطل ہے (عامل کا بغیر عمل کے عمل کے لئے رونا) اور حقیقت بغیر شریعت کے باطل (مردود) ہے۔[55]

امام عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ نے لکھتے ہیں:

من نظر الی کون الحقیقۃ تخالف الشریعۃ او عکسہ فھو اعور فان الشریعۃ ھی اساس علم الحقیقۃ التی یترقی السالک منھا الی درج الحقیقۃ فلا یصح طلب الحقیقۃ من غیر معرفۃ الشریعۃ لانہ لایدخل الی الحقیقہ الا من باب الشریعۃ۔

جو شخص دیکھے کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اسکا عکس (شریعت حقیقت کے مخالف ہے) تو یہ شخص اندھا ہے اس لئے کہ شریعت علمِ حقیقت کی اساس ہے جس پر سالک حقیقت کے درجات کی طرف ترقی کرتا ہے۔ پس شریعت کی معرفت کے بغیر حقیقت کو طلب کرنا درست نہیں اس لئے کہ شریعت کے دروازے کے بغیر حقیقت میں داخل ہوا نہیں جاسکتا۔[56]

---

[55] الاجوبۃ المرضیۃ ص ۱۵۵ دار البیروتی

[56] الاجوبۃ المرضیۃ ص152، دار البیروتی

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور اتباع سنت:

امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

آخر ماہ رمضان بعد از تراویح کسلے در خود یافتم رفتم بر فراش خود تکیہ کنم وقت اضطجاح از علیہ کسل فراموشم شد کہ پھلوی راست خود را اول بر زمین نھم چنانچہ مسنون است بر پھلوی چپ تکیہ نمودم بعد از دراز کشیدن بیادم آمد کہ ترک سنت شد نفس از کاھلی چناں معقول ساخت کہ از روی سھو و نسیان شدہ لیکن سدا خوف ترک سنت شدی جزم تمام برخواستہ بہ پھلوی راست اضطجاع نمودم متابعت آن عمل از کرم الھی فیوضیات انوارنا متنامی لظھور رسید و ندارد دادند بایں قدر کہ رعایت نمودی ترا در آخرت از ھیچ وجہ عذاب نکنم و بسبب ایں رعایت خادم کہ پائی تو می مالید آن رانیز آمرزیدم۔

یعنی کہ رمضان المبارک کا مہینہ گزر رہا تھا اور آخری عشرہ تھا تو اس میں تھکاوٹ ہو جاتی ہے سارا مہینہ گزر چکا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا تراویح پڑھ کے آیا تو کیا ہوا۔ جس وقت تراویح پڑھ کے آیا تھا تھکا ہوا تھا بستر پر سونا تھا تو خیال نہ رہا۔

سنت یہ تھی کہ پہلے دایاں کندھا بستر پر رکھنا تھا لیکن میرا بایاں کندھا بستر پر لگ گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا خیال نہ رہا اور یوں لیٹ گیا کہ پہلے بایاں کندھا بستر پر لگا پھر دایاں کندھا بستر پر لگا تو مجھے خیال آیا کہ آج پہلی مرتبہ خلاف سنت کام کیا ہے۔ سونے کے لحاظ سے شریعت کا یہ تقاضا تو نہیں تھا۔ تو کہتے ہیں کہ میں لیٹا تھا تو میرا نفس مجھے تاویلیں بیان کرنے لگا

کہ اب جی بھر کے سوگئے ہو اور بائیں سے پلٹ کر دائیں کندھے کی طرف ہو جاؤ۔ تو ایسا ہو جاتا ہے اس طرح کی باتیں میرے نفس میں آنے لگیں۔

بالآخر میں نے اپنے نفس کی وہ کیفیت جو تھی اس کو چھوڑا میں نے کہا کہ جب تک سیدھا کھڑا ہو کے پھر نہ لیٹوں کہ دایاں کندھا پہلے لگے اور بایاں بعد میں اس وقت تک میرے دل کو اطمینان نہیں آئیگا۔[57]

سب سے بڑی دولت:

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

درست عقیدہ احکام شریعت کی رعایت، اخلاص اور حق تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ سب سے بڑی دولت ہے، کوئی ذوق وجدان اس بڑی نعمت کے برابر نہیں۔[58]

حضرت پیر سائیں روزے دھنی بادشاہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت بڑی دولت ہے۔ شریعت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایسی ایک نعمت ہے۔ جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے اندھے صوفیوں پر تعجب ہے جو کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں اختلاف ہے اور بڑا فرق ہے۔ مثلاً اگر کوئی جھوٹا سانا سمجھ بچہ راستے سے ہٹ کر ایسے مقام پر چلا جارہا ہو کہ آگے کنواں ہو اور ددوسرا کوئی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر اس غلط راہ سے ہٹا کر سچے راستہ پر لے آئے۔ تو اس کو اختلاف کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس بچہ کی مخالفت تو یہ ہو گی کہ اس کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے کہ بھلے کنویں میں جا گرے۔ شریعت بھی گمراہوں کو سیدھے

---

[57] عمدۃ المقامات

[58] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۹۶، زاویہ پبلیشرز

راستہ پر لگانے والی ہے۔ پھر شریعت کو طریقت سے مختلف کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔[59]

تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی:

حضرت خواجہ محمد معصوم نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اے بھائی صحبت ناجنس سے پرہیز کر۔ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی۔ جو شخص مسند شخصی پر بیٹھا ہے مگر اس کا عمل سنت رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے مطابق نہیں تو اس سے دور بھاگ بلکہ اس شہر میں بھی نہ رہ مبادا اس کی طرف کبھی دل مائل ہو جائے۔ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سنت کے تارک کو کبھی عارف نہ سمجھو اور اس کی کرامات (یعنی استدراج) و زہد توکل پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ ایسی باتیں یہود و نصاریٰ و جوگیہ سے بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ خوارق کا انحصار ریاضت پر ہے اور معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی پانی پہ چلتا ہے فرمایا: آسان بات ہے، تنکا بھی پانی پر چلتا ہے۔ کسی نے کہا فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے فرمایا: مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ کسی نے کہا کہ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے فرمایا: شیطان ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں۔ مرد وہ ہے جو لوگوں کی مجلس میں رہتا ہے، لین دین کرتا ہے۔ اہل و عیال رکھتا ہے لیکن ایک لحظہ کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتا۔[60]

---

[59] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو)، ص ۲۸۴، سکندریہ پبلیکیشنز

[60] مکتوب ۱۱۰ جلد دوم، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۴۱۷، ۴۱۸، زاویہ پبلشر

طریقت بلا شریعت ممکن نہیں:

حضرت صوفی حافظ غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ نے متابعت شریعت کے بارے میں فرمایا:

(۱) طریقت بلا شریعت ممکن نہیں۔

(۲) حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ میرا طریقہ بالکل شریعت و سنت ہے۔

(۳) مدار کار دو چیزوں پر ہے۔ ایک توجہ مرشد دوسری اتباع سنت۔ [61]

حقائق و معانی کے دروازے کب کھلتے ہیں:

حضرت یوسف ھمدانی قدس سرہ نے اپنے رسالہ در آداب طریقت میں فرمایا:

چوں ارباب مذاھب و علماء سلف صالح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین از وسواس شیطان حذر کردہ اندواز معاصی و مخالفت خود را منزہ داشتہ پندیں ھر ادو در حقائق و معانی و شرح برایشاں کشادہ شد۔

جب ارباب مذاہب اور علماء و سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شیطانی وسوسوں سے اپنے آپ کو بچایا، گناہوں اور مخالفت شریعت سے خود کو پاک کر لیا تو ان پر حقائق و معانی اور ان کی شرح کے دروازے کھل گئے۔ [62]

---

[61] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۴۶، زاویہ پبلیشرز

[62] رسائلِ مشائخ نقشبندیہ، ص ۱۴۳، تنظیم اسلامی پبلیشرز

حضرت خواجہ عبد الخالق قدس سرہ کو اپنے شیخ مکرم امام العصر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کی نصیحت:

چوں خواجہ احمد یسوی بولایت ترکستان سفر کند خلیفہ تو خواہی بودن، زنھار بر جادہ شرع حضرت محمد رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلم) باشی واز حد شرع ذرہ ای تجاوز نکنی وہر کرا بینی کہ مخالفت شرع میکند منع کنی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب خواجہ احمد یسوی ولایت ترکستان کی طرف سفر کر جائیں تو تم خلیفہ ہوگئے۔ خبر دار! حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے جادہ شریعت پر قائم رہنا اور شرعی حدود سے زرہ بھر بھی تجاوز نہ کرنا۔ جس شخص کو تو دیکھے کہ وہ شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، اسے منع کرنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یاد رہے کہ دین ایک ہی ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا تین دین نہیں بلکہ یہ اس ایک ہی کی شاخیں ہیں۔[63]

صوفیاء کے نزدیک شریعت سر کا تاج ہے:

امام العارفین پیر سائیں سید محمد راشد روزہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہل ظاہر کہتے ہیں کہ شریعت ازار (پاجامہ) اور طریقت کرتہ اور حقیقت چادر اور معرفت دستار کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہمارا مذھب اور طریقہ یہ ہے کہ شریعت جس کو اہل ظاہر ازار (پاجامہ) سمجھتے ہیں یہ ہمارے لیئے دستار اور سر کا تاج ہے۔ (یعنی شریعت)[64]

[63] رسائل مشائخ نقشبندیہ، (رسالہ صاحبیہ مصنف خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ) ص ۱۵۱، تنظیم اسلامی پبلشرز

[64] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو) ص ۲۸۲، سکندریہ پبلیکیشنز، جاھل و جعلی و بناوٹی صوفیوں کا رد ص ۲۰۰۔

تمام علوم کا مرکز:

سیدی عارف باللہ ابراہیم الدسوقی القرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الشریعۃ اصل والحقیقۃ فرع فالشریعۃ جامعۃ لکل علم مشروع۔

شریعت اصل ہے اور حقیقت فرع ہے پس شریعت تمام علوم کا مرکز ہے۔[65]

ہر صوفی فقیہ ہوتا ہے:

عارف باللہ امام التصوف سیدی عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قد أجمع القوم علی أنہ لا یصلح للتصور فی طریق اللہ عزوجل الا من تبحر فی علم الشریعۃ وعلم منطوقھا ومفھومھا وخاصھا، وعامھا ناسفھا ونسوفھا وتبحر فی لغۃ العرب حتیٰ عرف مجازات واستعاراتھا، وغیر ذالک فکل صوفی فقیہ ولا عکس۔

یقیناً صوفیاء کرام کی جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ شخص طریقت میں صدر بننے کے لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا سمندر ہو اور اس کے منطوق، مفھوم، خاص، عام، ناسخ، منسوخ کا علم رکھتا ہو اور لغۃ العرب کا ماہر ہو یہاں تک کہ اس کے مجازات اور استعارات وغیرہ جانتا ہو پس ہر صوفی فقیہ ہوتا اور اس کا عکس نہیں۔ (ہر فقیہ صوفی نہیں ہوتا)[66]

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامت:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

علامات المحب للہ عزوجل متابعۃ حبیب اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم فی اخلاقہ و

---

[65] الطبقات الکبریٰ للشعرانی، حضرت ابراھیم الدسوقی، ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیۃ

[66] الطبقات الکبریٰ، مقدمۃ الکتاب، ص ۱۰، دار الکتب العلمیۃ

افعاله و اومره و سننه۔

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کے حبیب صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کے اخلاق مبارکہ افعال حکم اور سنتوں میں آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کی اتباع کرے۔[67]

ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے:

سیدی ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحبری قدس سرہ فرماتے ہیں:

خلاف السنة یابنی فی الظاهر علامة، ریاء فی الباطن۔

اے میرے بیٹے ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے۔[68]

جو شریعت کا امین نہیں وہ طریقت کا بھی امین نہیں ہو سکتا:

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ ایک شخص سے ملاقات کے لیے گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کامل اللہ کا ولی ہے آپ اس کی مسجد میں اس کے آنے کا انتظار فرماتے رہے جب وہ آیا تو اس نے مسجد میں ہی گلا صاف کرکے بلغم مسجد میں پھینک دیا۔ جس پر آپ مبارک نے اس سے سلام تک نہ کیا اور فرمایا: هذا رجل غیر مأمون علی ادب من آداب الشریعة، فکیف یکون أمینا علی اسرار الحق۔ یعنی یہ شخص تو آداب شریعہ میں کسی ایک ادب کا بھی امین نہیں تو یہ کیسے حق کے اسرار کا امین ہو سکتا ہے۔[69]

---

[67] الرسالۃالقشیریۃترجمہابو الفیض ذوالنون المصری ص ۱۱، دارالاسلام

[68] الرسالۃالقشیریہترجمہابو عثمان سعیدبن اسماعیل الجبری ص ۲۴، دارالسلام

[69] الرسالۃالقشیریۃ، باب ولایۃ ص ۱۶۱، دارالسلام۔ عوارف المعارف ص:37

شریعت و طریقت دوراہیں متبائن نہیں:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اھل السنۃ امام احمد رضا خان افغانی ثم بریلوی المختار قدس سرہ لکھتے ہیں: شریعت و طریقت دوراہیں متبائن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباع شریعت خدا تک وھو محال۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے، و لہذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر غرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و قبول ہیں ورنہ مردود۔[70]

طریق صوفیہ دو اصولوں پر ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے میر محمد نعمان کی طرف خط ارسال فرمایا:

هذاالطریق علی اصلین الاستقامة علی الشریعة علی حد لا ینبغی ان یرضی بترک ادنی آدبها و رسوخ محبة شیخ الطریقة و الثبات علیها و الاخلاص علی نهج لا یبقی مجال الاعتراض علیه اصلا بل یکون جمیع و حرکاته و سکناته مستحسنة و محبوبة فی نظر المرید۔

یہ طریق دو اصولوں پر ہے۔ ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی چاہیئے کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کو بھی ترک کرنے پر راضی نہ ہوں، اور دوسرا شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور محبوب ہوں۔[71]

---

[70] اعتقاد الاحباب فی الجمیل و المصطفیٰ و لاٰل و الاصحاب، ص ۱۶۵، مکتبۃ المدینۃ دعوت اسلامی

[71] المکتوبات الربانیۃ مکتوب ۲۲۸، ج ۱ ص ۴۳۳ دار الکتب العلمیۃ

شرعی احکام میں مبتدی و منتہی مساوی ہیں:

سیدی ممدوح قدس سرہ نے شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف خط ارسال فرمایا جس میں آپ نے قرآن کریم کے محکمات اور متشبھات اور علماء راسخین کے کمالات کو بیان فرمایا:

فان کل حکم شرعی ثابت للمبتدی فھو ثابت ایضا للمنتھی و عامة المؤمنین و اخص الخواص من العارفین سواسیة فی ھذا المعنیٰ متساویة الاقدام فیه لا فرق بین شخص و شخص والمتصوفة القاصرون والملاحدة الخائبون فی صدد اخراج رقابھم من ربقة الشریعةمتخیلین بان الحکام الشریعة مخصوصة بالعوام و اما الخواص فھم مکلفون بالمعرفةفقط کما انھم یعتقدون من جھلھم ان الامراءو السلاطین لیسوا مکلفین بغیر العدل والانصاف و یقولون ان المقصود من اتیان الشریعة حصول المعرفة فاذا حصلت المعرفة سقطت التکالیف الشرعیة و یستشھدون فی اثبات مدعاھم بقوله تعالیٰ واعبدربک حتی یاتیک الیقین ای بالله کما قال سھل التستری یعنی انتھاء العبادة حصول معرفة الحق سبحانه۔ و الظاھر ان مرادمن فسر الیقین بکونه باللہ ھو کون انتھاء الکلفةفی العبادةحصول معرفة الحق، جل و علا، لا انتھاء نفس العبادة فان ذالک مفض الی الالحاد والزندقة وھم یزعمون ایضًا ان عبادة العارفین، ریائیة فانھم یعلمون ما یعلمون من الطاعة و العبادة لیقتدیٰ بھم فی ذالک المبتدؤن و اتباعھم لا لکونھم محتاجین الیھا و ینقلون فی تایید ھذا لقول اقوالا عن المشائخ حیث قالوا ما لم یکن الشیخ منافقًا و مرائیًا لا ینتفع به المرید خذلھم اللہ سبحانه ما اجھلھم و احتیاج العارفین الی العبادة علیٰ نھج لیس فی المریدین عشرة فان عروجاتھم مربوطة بالعبادةو ترقیاتھم منوطة باتیان الاحکام الشرعیة و ما یتوقع للعلوم غداً من ثمرات العبادةفھو حاصل للعارفین الیوم فھم اذا احقاءُ بالعبادةو احوج الی ایتان الاحکام الشرعیةعن غیرھم ینبغی ان یعلم ان الشریعةعبارةعن مجموع الصورةو الحقیقةفالصورة ظاھر الشریعةو الحقیقةباطن الشریعةفالقشرو اللب کلاھمامن اجزاءالشریعة۔

پس بے شک تمام حکم شرعی جو ثابت ہیں مبتدی پر وہی ثابت ہیں منتہی پر عام مؤمنین اور اخص الخواص عارفین اس حکم میں مساوی اور برابر ہیں اور (جاہل) صوفی اور بے سر و سامان ملحد اس چیز کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں۔ اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال رکھتے ہیں کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں۔ جیسے کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں۔ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِینُ (الحجر ۹۹) اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے اور یقین کے معنیٰ "اللہ" مراد ہیں۔ جیسے کہ سہل تستری رحمہ اللہ نے کہا۔ یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک وہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنیٰ اللہ سبحانہ کے کئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک پہنچانے والا ہے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت رہائی ہے۔ یعنی عارف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور متبعین ان کی اقتداء کریں۔ نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب تک شیخ منافق اور ریاکار نہ ہو مرید اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

"اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں" عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی منحصر ہیں۔ اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرے اور فائدے جن کی توقع

عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں۔ پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے۔ صورت ظاہر شریعت اور حقیقت باطن شریعت پس قشر ولب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں۔

صاحب ممدوح رحمہ اللہ نے اسی مکتوب شریف میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وبالجملة ان الكمالات الصورية والمعنوية منحصرة عندهؤلاء الاكابر فی الكمالات الشرعية۔

مجملہ تمام ظاہری وباطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالات شرعیہ میں منحصر ہیں۔[72]

از ابتداء تا انتہاء بغیر شریعت چارہ نہیں:

امام ربانی قدس سرہ نے مرزا شمس الدین کی طرف خط ارسال فرمایا کہ اس بیان میں کہ از ابتداء تا انتھاء شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔

ولا یغلطن هنا شخص فيقول انه قد حصل فی هذا الموطن الاستغناء عن صورة الشريعة وحقيقتها ولم يبق الاحتياج الى اتيان الاحكام الشرعية لانا نقول ان الشريعة اصل هذا الامر و أساس هذه المعاملة وكل ما يتعالى الشجر او يتطاول البنيان و يبنى فوقه القصور والايوان لا يستغنيان عن الاصل والاساس ولا يزول عنهما الاحتياج الذاتی فان البيت العلو مثلا كل ما كان أرفع و أعلىٰ لا يكون له بد من البيت السفل ولا يزول احتياجه عنه اصلا فان طرأ الخلل فی السفل فرضاً يؤثر ذالک الخلل فی العلو ايضا و يستلزم زوال السفل زوال العلو فالشريعة لازمة فی جمعيع الحال و جمعيع الوقت و كل شخص محتاج الى اتيان احكامها۔

---

[72] المکتوب نمبر 276، جلد 02، ص 111، ۲۰۱۰ دار الکتب العلمیة

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور کہے کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقت شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہیے کتنا ہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے اور محلات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرے اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور نیچے والے مکان سے اس کی محتاجی زائل نہیں ہو سکتی اور اگر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو تو وہ خرابی اوپر کے مکان میں بھی اثر کرے گی اور نیچے والے کا زوال اوپر والے زوال کا باعث بنے گا۔ بس شرعیت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ (کہ شریعت ہی اصل الاصول ہے)[73]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مثنوی میں ایک حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے: اَلشَّرِیْعَتُ اَقْوَالِیْ والطَّرِیْقَتُ اَفْعَالِیْ وَالْحَقِیْقَتُ اَحْوَالِیْ وَالمَعْرِفَۃُ سِرِّیْ۔ (شریعت میرے اقوال کا نام ہے، طریقت میرے اعمال کا، حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے)

[73] المکتوب 363 جلد ۲ ص ۷۴۴ دار الکتب العلمیة

نیز حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے چوتھے باب میں حدیثِ نبوی صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نقل فرمائی ہے:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَھْلِ تَصَوُّف فَلَایُؤ مِنُ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْغَافِلِیْن۔

یعنی جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور قبول نہ کی تو اللہ کے نزدیک وہ غافلین میں لکھا جاتا ہے۔

بعض حضرات اس قسم کی احادیث کو خبرِ واحد یا خبر آحاد کا نام دے کر زیادہ معتبر قرار نہیں دیتے لیکن اہل اللہ کے نزدیک یہی وہ احادیث ہیں جو حقائق سے لبریز اور معرفت کی جان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث کے بہت راوی ہیں وہ زیادہ تر احکام طہارت، وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، خرید و فروخت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور عوام الناس کے سامنے آنحضرت صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمائیں۔ لیکن اسرار و رموز اور حقائق و معارف کی باتیں آپ نے چیدہ چیدہ اصحاب کے سامنے بیان فرمائیں اس لئے نہ ان کو تواتر نصیب ہوا نہ کثرتِ روایت۔ دراصل اہل معرفت کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی یہی احادیث ہیں جن کو اصول حدیث کی رو سے خبر واحد یا اخبار احاد کہا گیا ہے۔ ان دو احادیث کا بھی یہی حال ہے، روایت کے طور پر ضعیف اور معرفت کے نقطۂ نگاہ سے نہایت بلند۔ علاوہ ازیں کتبِ حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں تصوف کا لفظ تو نہیں آیا لیکن ہیں تصوف اور معرفت کی جان۔ مثلاً ایک حدیث قدسی یہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے کہ جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے ہر کام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اب کوئی شخص جتنا زور لگائے اس حدیث

کے باطنی معنی کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ حدیث بھی علم باطن یا باطنی بصیرت سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف دیکھتا ہوں۔ یہ بھی نظرِ باطن پر دلالت کرتی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندۂ مؤمن کے قلب میں سما سکتا ہوں۔ عبد مؤمن کے قلب کی یہ وسعت صرف اہل تصوف ہی جانتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ علمائے ظاہر کے نزدیک اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اب علمائے ظاہر اس کا کیا مطلب نکال سکتے ہیں۔ ظاہر میں اس کا کوئی مطلب ہی نہیں نکل سکتا۔ یہ سب علم باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ [74]

نفس کی تعریف اور اس کی اقسام قرآن پاک کی روشنی میں

نفس جسم انسانی کے اندر ایک قوت ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بحث بھی رہی ہے کہ روح اور نفس ایک شئے کے دو نام ہیں یا یہ دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ اور حافظ ابن قیم نے اس اختلاف کو اس طرح لکھا ہے کہ نفس اور روح کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں: ایک یہ کہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ روح جوہر لطیف ہے، روح ایک سوار ہے اور بدن اس کی سواری، بدن میں روح کا

---

[74] (روحانیت اسلام، صفحہ ۷۲ تا ۷۴)

سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی یا درخت زیتون میں تیل اور روح فنا بھی نہیں ہوتی۔ ابن زید روح اور نفس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حبیب کا گمان ہے کہ روح اور نفس دو جدا چیزیں ہیں۔

مزید تحقیق کتاب الروح ابن قیم اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی کتاب فلسفہ اخلاق میں دیکھیں۔

اب ہم یہاں نفس کی اقسام کا ذکر کرتے ہیں:

نفسِ امارہ، لوامہ، مطمئنہ ان تینوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ (یوسف ۵۳) بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے۔

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ (القیامۃ ۲) (اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی)

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (۲۸) فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰)

اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

امارہ: نفسِ امارہ کفار، سرکش اور بدبختوں کا ہوتا ہے۔ عالم سفلی کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ نفسِ امارہ برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ و بدکاری پر بار بار حکم کرتا رہتا ہے اور بدکار اس کی بات مانتے رہتے ہیں۔

لوامہ: نفسِ لوامہ یہ مؤمنین اور ایمانداروں کا ہوتا ہے، ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھتا ہے، گناہ کرے تو اس کو رنج و پریشانی ہوتی ہے۔

ادھر غفلت سے کوئی لغزش ہوئی، ادھر توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

مطمئنہ: نفسِ مطمئنہ اطمینان یافتہ، یہ اللہ کے مقبول و محبوب برگزیدہ بندوں کا ہوتا ہے۔ شریعت کی پیروی اور عبادت و معرفت سے اس کو چین اور سکون حاصل ہوتا ہے اور عالم علوی کی طرف مائل رہتا ہے۔ تخیلات سے یہ متزلزل و منتشر نہیں ہوتا۔ یقین و معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہوتا ہے۔[75]

حقیقت نفس

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

أن النفس بطبعها كثيرة الميل إلى الشهوات۔[76]

نفس اپنی طبیعت کے اعتبار سے شہوات کی طرف کثرت سے مائل ہونے والا ہے۔

اور علامہ ابو حفص کا قول نقل کرتے ہیں:

النفس ظلمة كلها وسراجها التوفيق۔[77]

نفس اپنی ذات کے اعتبار سے سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اور نور توفیق الٰہی ہے۔

---

[75] (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۳۲۶ تا ۳۲۷)

[76] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

[77] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۷۸)

شارح مشکوٰۃ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الرُّوحُ لَطِيفٌ رُوحَانِيٌّ، وَالْجَسَدُ كَثِيفٌ ظُلْمَانِيٌّ، وَالنَّفْسُ مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَهُمَا فَهِىَ بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تَكُوْنُ لَطِيْفَةً وبِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ تَكُوْنُ لَطِيْفَةً وبِالْاَعْمَالِ السَّيِّئَةِ تكون كثيفةً۔[78]

جسم کثیف ہے اور روح لطیف ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان ہے پس اعمال صالحہ سے لطیف اور نافرمانیوں سے کثیف ہو جاتا ہے، یعنی اس میں لطافت روحانی اور کثافت جسمانی دونوں قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

تعریفِ نفس

النفس ھی الجوھر البخاری اللطیف الحامل لقوۃ الحیاۃ والحس والحرکۃ الارادیۃ وسماھا الحکماء بالروح الحیوانیۃ فھو جوھر مشرق للبدن فعند الموت ینقطع ضوءہ عن ظاھر البدن وباطنہ واما فی وقت النوم فینقطع عن ظاھر البدن دون باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لان الموت ھو الانقطاع الکلی والنوم ھو الانقطاع الناقص فثبت ان القادر الحکیم دبر تعلق جوھر النفس بالبدن علی ثلاثۃ اضربٍ الاول ان بلغ ضوء النفس الی جمیع اجزاء البدن ظاھرہ وباطنہ فھو الیقظۃ وان انقطع ضوءھا عن ظاھرہ دون باطنہ فھو النوم او بالکلیۃ فھو الموت۔[79]

”نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوت حیات احساس و شعور اور حرکت ارادی کا حامل ہے، اسے حکماء نے روحِ حیوانی کا نام دیا ہے، یہ بدن کو حیات سے منور کرتا ہے، موت کے وقت اس کا یہ

[78](مرقاۃ المفاتیح، ج ا، ص ۲۴۵)

[79](التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، صفحہ ۱۸۰)

نور بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں اس کا یہ نور ظاہر بدن سے منقطع ہوتا ہے نہ کہ باطن سے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند اور موت کی جنس ایک ہی ہے اس لئے کہ موت کلی انقطاع بدن کے ساتھ تین طریقوں سے تدبیر دی ہے:

(۱) نفس کی روشنی بدن کے تمام ظاہری اور باطنی اجزاء میں پہنچے یہ بیداری کی حالت ہے۔

(۲) ظاہر سے منقطع ہو اور باطن سے منقطع نہ ہو، یہ نیند کی حالت ہے۔

(۳) بالکلیہ تعلق ختم ہو جائے، یہ موت ہے۔"

اور دیوبندیوں کا حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے:

النفس ھی المرغوبات الطبعیة غیر شریعة۔

نفس مرغوباتِ طبعیہ غیر شریعہ کا نام ہے۔

قرآن پاک میں نفس کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں:

۱۔ امارہ　　۲۔ لوامہ　　۳۔ مطمئنہ

۴۔ راضیہ　　۵۔ مرضیہ

نفسِ امارہ بالسوء

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

نفس امارہ یعنی کثیر الامر، برائی کی طرف بہت حکم کرنے والا۔ السوّء پر الف لام جنس کا ہے پس قیامت تک جتنی قسمیں برائی کی پیدا ہوں گی اس میں داخل ہیں (کیونکہ جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو)۔

إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف ۵۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ما مصدر یہ ظر یہ زمانیہ ہے۔

ای فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ مطلب یہ ہے کہ نفس کی ذاتی خاصیت یہی ہے کہ وہ برائی کا کثرت سے حکم دینے والا ہے لیکن جن حضرات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کا سایہ ہوتا ہے وہ مستثنیٰ ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ معصوم ہیں۔(از بیان القرآن)

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تحفظ کا سبب

چونکہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا خاص سایہ ہوتا ہے اس لئے وہ نفس کے شرور سے محفوظ رہتے ہیں اور احیاناً صدور خطاء پر ان کو فوراً توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

نفسِ امارہ کی اصلاح کا صحبت اہل اللہ سے خاص تعلق ہے۔

ارشاد امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اہل علم حضرات اللہ والوں سے اپنے نفس کی اصلاح نہیں کراتے ان کا نفس حُبِ جاہ سے پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔ تھانوی صاحب اپنے مواعظ اکثر اکبر الہٰ آبادی کا یہ شعر نہایت وجد سے پڑھا کرتے تھے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا   دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نفسِ لوامہ

نفسِ لوامہ وہ نفس ہے جس کو اپنی خطاؤں پر ندامت اور خود کو ملامت کی توفیق ہو جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ نادم ہو کر پہلے لوامہ نہ ہو۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نفسِ

لوامہ نفسِ امارہ کے اوپر ہے اور نفسِ مطمئنہ سے نیچے ہے اور لوامہ کا نام تائبہ بھی ہے کہ وہ ندامت اور اپنی ملامت کے نور سے اس قابل ہے کہ اب وہ آگے ترقی کرکے نفسِ مطمئنہ ہو سکتا ہے۔ پس نفسِ امارہ کا نفسِ لوامہ ہونا گویا حق تعالیٰ شانہ کی طرف رجوع اور انابت اور حق تعالیٰ کی محبوبیت کا نقطۂ آغاز ہے، لیکن حق تعالیٰ نے اس ابتدائی درجہ انابت کی بھی اس درجہ قدر فرمائی کہ اس کی قسم اٹھائی: وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامۃ ۲) اور اس جان کی قسم جو اپنے اُوپر بہت ملامت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت شکور ہیں۔ جس کی شرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمائی ہے:

الَّذِي يُعْطِي الْأَجْرَ الْجَزِيلَ عَلَى الْعَمل الْقَلِيلِ۔[80]

شکور وہ ہے جو تھوڑے عمل پر کثیر جزاء عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک شکور بھی ہے۔

نفسِ لوامہ وہ ہے جو ندامت کے نورِ قلب سے منور ہو اور جب بھی اس سے خطاء ہوتی ہے تو اپنے اوپر ملامت کرتا ہے اور آہ وزاری اور استغفار و توبہ سے تدارک کرتا ہے۔

اور نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو اخلاقِ رذیلہ سے تزکیہ اور تصفیہ پاکر اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو اور گناہوں کے تقاضوں کی کشمکش سے نجات پاکر سکون و اطمینان کی سانس لے۔ برعکس لوامہ میں نفس اور روح میں جنگ جاری رہتی ہے، جیسا کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

ہے شوق و ضبطِ شوق میں دن رات کشمکش ۔۔۔ دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

---

[80](مرقاۃ،ج۵)

صاحبِ تفسیر مظہری ج،۱۰،۹، ص۲۶۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ اس وقت ہوتا ہے جب اخلاقِ رذیلہ، غصہ، کِبر، شہوت کو مغلوب کیا جائے اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو جائے۔

كما ان الكلب لا يمكن طهارته الا بوقوعه في الملح و فنائه فيها و بقائه بصفات الملح حتى يصير حلالا طيبا۔[81]

جیسا کہ کتا پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ نمک کی کان میں نہ گرے اور پھر مر کر فنا ہو کر نمک نہ ہو جائے اور جب نمک بن جائے گا پھر حلال و طیب ہو جائے گا۔

اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نفس خود را کش جہانے زندہ کن   خواجہ کشتہ است اورا بندہ کن

ترجمہ: اپنے نفس کو مغلوب اور کشتہ کرو، اس فنائے نفس سے تم فناء نہ ہو گے بلکہ اس فنائے نفس کی بدولت ایسی حیات قلبی عطاء ہو گی جس کی برکت سے ایک جہان تمہارے فیضانِ صحبت سے حیاتِ ایمانی سے مشرف ہو گا۔ اس نفس غلام نے اپنے آقا یعنی روح کو غلام بنا رکھا ہے اس کو اپنی حقیقت پر لانے کی ہمت کرو یعنی اس کو غلام بناؤ۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے   اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے

ویرانۂ حیات کی تعمیر کر گئی   رُودادِ زندگی کسی خانہ خراب کی

تیرے ہاتھ سے زیرِ تعمیر ہوں میں   مبارک مجھے میری ویرانیاں ہیں

[81](تفسیر مظھری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

نفسِ لوامہ

جب اپنی خطاؤں پر ندامت سے توبہ کرتا ہے تو مؤمن گنہگار کے استغفار و توبہ اور اس کے آہ و نالوں کا کیا مقام ہے۔

علامہ آلوسی سورۃ القدر کی تفسیر میں یہ حدیث قدسی تحریر فرماتے ہیں:

لأنین المذنبین أحب إلی من زجل المسبحین۔[82]

اس حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کے آہ و نالے اور ان کا گریہ مجھے تسبیح کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

اے جلیل اشک گنہگار کے اک قطرہ کو ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

جب فلک نے مجھ کو محروم گلستاں کر دیا اشتہائے خوں نے مجھ کو گل بداماں کر دیا

تفسیر نفس مطمئنہ

علامہ قرطبی نے ج ۲۰، ص ۵۷ پر اس کی تین تفسیریں کی ہیں:

اول تفسیر

الأمنۃ من عذاب اللہ۔

نفسِ مطمئنہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ گناہوں سے قلب میں عذاب اور بے چینی رہتی ہے۔

---

[82] (تفسیر آلوسی، ج ۲۳، ص ۶۵)

جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

گر گرفتار صفات بد شدی　　　　ہم تو دوزخ ہم عذاب سرمدی

اگر تم کسی گناہ کی عادت میں مبتلا ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری ذات خود جہنم ہے۔

اور ہر نافرمانی کا اثر یہی ہوتا ہے کہ دل پر عذاب اور کلفت کی مار ہوتی ہے، اور یہ دنیا ہی میں دوزخ والی زندگی گزارتا ہے۔

بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے چھوٹوں کو پکڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، پس احکم الحاکمین اپنے نافرمانوں کے اس حصہ سے عذاب کا آغاز فرماتے ہیں جو جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ ہے، یعنی قلب کو بے چین اور پریشان رکھتے ہیں۔ چنانچہ مثال کے لئے ایک واقعہ ہے کہ ایک عشق مجازی کے مریض اور غیر اللہ سے دل لگانے والے نے بیان کیا کہ ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، نیند بھی نہیں آتی، ہر وقت اسی مردار کا خیال ستاتا ہے۔

احقر نے ان کو اپنا یہ شعر سنایا جو عشق مجازی کے انجام کا ترجمان ہے۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز دماغ میں کھونٹے　　　　بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

اس عارضی صورت سے دل لگانا سخت حماقت ہے۔

احقر کا اسی مضمون پر یہ شعر ہے:

ان کے عارض کو لغت میں دیکھو　　　　کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

چہرہ کا جغرافیہ ایک دن بدل جاتا ہے، جس کے ساتھ اہل محبت کی تاریخ بھی بدل جاتی ہے۔

احقر کا ایک عجیب شعر اس حقیقت کا ترجمان ہے:

ادھر جغرافیہ بدلا، ادھر تاریخ بھی بدلی　　　　نہ ان کی ہسٹری باقی، نہ میری ہسٹری باقی

دوسری تفسیر

النفس المطمئنةای العارفةالتي لاتصبر عنه طرفةعين۔[83]

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی معرفت کا وہ مقام عالی عطاء ہو، جس سے حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی شدید محبت (جو کہ لوازم معرفت سے ہے) ہو جائے کہ بدون ان کی یاد کے ایک پل کو چین نہ آئے۔

ملا علی قاری حق تعالیٰ کے عاشقین کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

الذين لا لذة لهم إلا بذكره۔[84]

جن کو کائنات میں ذکر اللہ کے بغیر چین حاصل نہ ہو۔

ترے غم کے سوا ممکن نہیں تھا گزرتے دن مری جان حزیں کے

(اخترؔ)

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

(مجذوبؔ)

تیسری تفسیر

اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ بِذِکْرِ اللہ تعالیٰ وَطَاعَتِہٖ۔

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت ہی سے چین ملتا ہو۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

---

[83] (تفسير القرطبي، ج ٢٠، ص ٥٢)

[84] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٨، ص ٥)

اطمینان کی لغوی تحقیق

علامہ امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب المفردات میں لکھا ہے کہ اطمینان نام ہے سکون وثبات اور استقرار بعد الاضطراب کا۔

یعنی نفسِ امارہ اور لوامہ میں جو بے سکونی اور پریشانی تھی وہ چین اور سکون سے بدل گئی۔ جس طرح قطب نما کی سوئی جب قطب شمالی سے منحرف ہوتی ہے تو بے چین اور متحرک رہتی ہے اور جب رخ صحیح قطب شمالی کی طرف ہو جاتا ہے تو ٹھہر جاتی ہے، اسی کا نام استقرار بعد الاضطراب ہے۔

نفسِ مطمئنہ کی ایک عارفانہ تفسیر

از تفسیر مظہری، ج۱۰، ص۲۶۱: علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کا امام بیہقی فرمایا کرتے تھے اور جو مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں، اپنی تفسیر مظہری میں نفس مطمئنہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ فی ذکر اللہ تعالی و طاعتہ۔[85]

یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو ذکر اللہ میں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اطمینان پائے۔

کماتطمئن السمکۃ فی الماء۔[86]

جیسا کہ مچھلیاں پانی میں اطمینان پاتی ہیں، نہ کہ پانی سے یا پانی کے ساتھ۔

مثلاً اگر کسی مچھلی کا تمام جسم پانی میں ہو صرف سر یا صرف ایک اعشاریہ حصہ جسم کا پانی سے کھلا رہے تو اس کو موت معلوم ہو گی اور اس کی حیات خطرہ میں ہو گی۔ اسی طرح سر سے پیر تک مؤمن

---

[85] (التفسیر المظھری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

[86] (التفسیر المظھری، ج۱۰، ص ۲۶۱)

جب ذکر اللہ کے نور میں غرق ہو گا تو حیات حقیقی اور حیات ایمانی اور حیات روحانی سے مشرف ہو گا۔ اگر ایک عضو بھی ذکر سے غافل یا ایک عضو بھی نافرمانی میں مبتلا ہے تو اس کی حیات ایمانی خطرہ میں ہو گی۔

صاحب تفسیر مظہری أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ٢٨) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بِذِكْرِ الله معنی میں فِیْ ذِكْرِ الله کے ہے یعنی اتنی کثرت سے ذکر کرے کہ ذکر میں غرق ہو جائے۔ اور کثرت ذکر متعدد آیات سے منصوص ہے، وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الأنفال ٤٥) وغیرھا۔

اور قلیل ذکر کو منافقین کی علامت قرار دیا گیا:

وَلَا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء ١٤٢)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ منافقین کے رجسٹر سے اس کا نام خارج ہو جائے تو وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

اسی لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ والے دریائے جلال کی گہرائیوں میں رہنے والی مچھلیاں ہیں۔

ماہیان قعر دریائے جلال

جو مچھلیاں تھوڑے پانی میں رہتی ہیں وہ گرمیوں میں جب سورج کی شعاعوں سے پانی شدید گرم ہو جاتا ہے تو بے ہوش ہو جاتی ہیں اور لوگ ان کو شکار کر کے کھا جاتے ہیں اسی طرح جو لوگ ذکر کم کرتے ہیں اور ان کا دریائے نور گہرا نہیں ہوتا ان کو معاشرے کے زہریلے اثرات تباہ کر دیتے ہیں اور جو مچھلیاں گہرے پانی میں رہتی ہیں تو آفتاب کی گرمی سے جب اوپر کا پانی گرم ہو جاتا ہے تو دریا کی

گہرائی کے ٹھنڈے پانی میں پناہ لے لیتی ہیں،یہی حال ان سالکین کا ہے جو کہ قلبًا قلبًا سراپا اللہ تعالیٰ پر فدا ہیں۔ ان کے سینہ میں دریائے نور بہت گہرا ہوتا ہے، ہر وقت وہ اس کی ٹھنڈک میں پر سکون ہیں۔

وہ گرمیٔ ہجراں وہ تری یاد کی خنکی
جیسے کہ کہیں دھوپ میں سایہ نظر آئے

اور کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

نفسِ مطمئنہ کو وہ راحت قلب میں عطاء ہوتی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب کو یہ نعمت عطاء فرماتے ہیں۔

جیسا کہ روح المعانی میں ہے:

فَاِنَّ السَّکِیْنَۃَ لَاتَنْزِلُ اِلَّا عَلٰی قُلُوْبِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ۔

پس تحقیق کہ سکینہ نازل ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب پر۔

سکینہ کی تعریف

السكينة بنور يستقر في القلب وبه يثبت على التوجه إلى الحق ويتخلص عن الطيش۔[87]

سکینہ ایک نور ہے جو دل میں مستقل ہو جاتا ہے اور اس نور کی برکت سے ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رہتی ہے،اور جمعیت قلب عطاء ہوتی ہے۔[88]

---

[87](روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، المعروف بتفسير الألوسي، ج١٠، ص٣٦٧)
[88] (بحوالۂ کشکول معرفت، ص٥٦٠)

تصوف کی اہمیت اور فرضیت

علماء و صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تصوف کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت و اتباع، خوفِ خدا، اخلاص، احسان، زہد و توکل، شوق و ذوق اور خشوع نصیب ہو جائے۔ تصوف قرآن و حدیث اور اسلام سے الگ چیز نہیں۔ ہم قرآن و حدیث سے تصوف کو ثابت کریں گے۔ تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کا اصل مقصد دین کی تکمیل اور ان کیفیات کو حاصل کرنا ہے جن کو قرآن و سنت نے کمال ایمان و اسلام کی ضروری شرط قرار دیا ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت کے علاوہ انسان کے قلب و باطن میں خاص کیفیات کا ہونا ضروری ہے۔

مثلاً قرآن پاک میں ارشاد موجود ہے:

وَالَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ۔ (البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور جو ایمان والے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے۔"

مؤمن کی محبت اگر کسی سے ہوتی ہے تو وہ بھی صرف اللہ کے لئے۔ حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم و دیگر انبیاء سے ہمیں جو محبت و عقیدت ہے وہ صرف اس لئے کہ یہ محبوبانِ خدا ہیں۔ تمام محبتیں اسی عظیم محبت کے تابع ہیں اور زیر فرمانِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی ہو۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ ایمان کی حلاوت پائے گا جسے خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سب چیزوں سے

زیادہ محبوب ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ کسی آدمی سے محبت صرف خدا کے لئے کرے یعنی دنیا کی کوئی غرض مطلوب نہ ہو۔"[89]

حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں اپنے اولیاء سے تعلق رکھنے والا بنادے اور تیرے عاشق سے محبت رکھیں۔[90]

سرکار صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ بھی دعا فرماتے تھے:

اللھمّ انّی اسئلک حبّک و حب من یحبّک۔

الٰہی! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں۔[91]

یہ معنی بھی ہو سکتا ہے: یا اللہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ محبت کا مقام قلب ہے اور یہ بھی ایک باطنی کیفیت ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (الانفال ۲)

ترجمہ: "سچے ایمان والے بس وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں۔"

---

[89](صحیح مسلم، جلد ۱ ص ۴۹)
[90](سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸)
[91](سنن ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۲۱۹)

اس آیت میں مؤمنین کاملین کی باطنی کیفیات وصفات کا ذکر کیا گیا اور اس کا نام تصوف ہے جس کی صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰتعلیم دیتے ہیں۔ عارفین رحمہم اللہ تعالیٰفرماتے ہیں یہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل اس کی عظمت و جلال کی وجہ سے سہم جاتے ہیں۔ دلوں میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ کامل مؤمنین کی دوسری صفت یہ بتلائی کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ یعنی ایمان کی قوت اور نور میں ترقی ہو جاتی ہے۔ ایسا شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے کہ اعمالِ صالحہ اس کی عادت بن جاتے ہیں۔ جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے ایمان کے اس مقام کو حلاوتِ ایمان کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ تیسری صفت مؤمنین کاملین کی یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضرت عارف باللہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تمہارا ہاتھ بڑے سانپ کے منہ میں بھی ہو تو اللہ پر توکل کرو۔ جب اللہ کے بندے ان صفات عالیہ سے، جن کا ذکر اس آیت میں ہے، متصف ہوتے ہیں تو ان کا ظاہر و باطن درست ہو جاتا ہے۔ دل انوار سے معمور ہوتا ہے۔ یوں کہیئے کہ ان کا ظاہر بھی مطلع انوار ہو جاتا ہے اور باطن بھی بقعہ نور۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (٢) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق ٣)

ترجمہ: ”جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا جو اللہ پر اعتماد رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔“

اور سورۂ الزمر میں ارشاد فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللهِ (الزمر ۲۳)

ترجمہ: "اس قرآن کے پڑھنے سے ان کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔"

یعنی متقی لوگ جب قرآن پڑھتے ہیں تو خشیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے جسم کے بال اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ آیات جن میں دوزخ و عذاب اور رب کی ناراضگی کا ذکر ہے، ایسی آیات کامل مؤمنین جب پڑھتے ہیں تو ان کے دل کانپنے لگتے ہیں اور جب آیاتِ وعدہ پڑھتے ہیں جن میں اللہ کی رضا، رحمت و بخشش کا ذکر ہے تو اس سے ان کے دلوں میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ پھر ان کے جسم و قلب، ظاہر و باطن اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد ان کے بدن، روح، و دل پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ وہ لوگ بڑے بدنصیب ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے متاثر نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ (الزمر: ۲۲)

ترجمہ: "پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکرِ خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔"

سورۃ المزمل میں ارشاد ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل: ۸)

ترجمہ: اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا سب سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ رہو۔

یعنی اللہ کے ذکر کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا کہ اپنے دل کو ماسوا کے خیال سے پاک کر دو اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق ہو جاؤ۔[92]

کسی سے تعلق بھی ہو تو اسی کی رضا کے لئے ہو۔ اگر بظاہر دنیا کے معاملات میں مصروف ہو جاؤ تو قلب و باطن رب کی یاد میں مشغول رہیں۔

بظاہر درمیان بازار باشم　　　　بہ باطن ہمہ رائے آں یار باشم

یعنی اگرچہ میں ظاہری طور پر بازار میں ہوں لیکن در حقیقت باطنی طور پر اپنے محبوب کے ساتھ ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے لکھا کہ حضرت خواجہ شاہ نقشبند بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں نے منیٰ کے مقام پر ایک نیک بندے کو دیکھا جو پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا، مگر اس کا دل ایک لحظہ و گھڑی بھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں تھا۔[93]

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔ (النور:٣٧)

"وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔"

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسئلے "خلوت در انجمن" کی اصل یہیں سے نکلتی ہے۔

ان آیات میں ان اوصاف و کیفیت کو اہل ایمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی عظمت و جلال اور اس کے خوف سے لرزش کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ تلاوت آیات سے ان کے نورِ ایمان میں اضافہ ہو۔ اللہ پر توکل

---

[92] (تفسیر روح المعانی)

[93] (مکتوبات دفتر اول صفحہ ٨٧)

وہ بھروسہ رکھیں ظاہر وباطن اللہ کی طرف اور اس کی یاد کی طرف جھک جاتا ہو ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھیں اس سے غافل نہ ہو۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو، یہی وہ تعلیمات ہیں جن کا نام تصوف ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرة ۱۵۲)

"تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔"

یعنی زبان ودل سے میرا ذکر کرو تو نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی اور شکر خوب ادا کرتے رہو، گناہ اور غفلت میں وقت ضائع کر کے ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے۔یعنی ذاکر بندے کو میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔اس پر میری خاص رحمت برستی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا (التحريم:۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کرو۔"

سچی توبہ وہ ہے جس کا اثر توبہ کرنے والے کے اعمال میں ظاہر ہو اس کی زندگی طاعتوں سے معمور ہو جائے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ (النازعات ۴۰)

ترجمہ: "اور جو ڈرتا رہا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور نفس کو روکتا رہا ہو گا بری خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گا۔"

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (سورة ق ۱۶)

ترجمہ: "ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"

علماء عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک قرب عام ہے وہ ہر مخلوق کے لئے ہے اور ایک قرب خاص ہے، وہ مقبول اولیاء اللہ کے لئے ہے۔

متعدد آیات و احادیث اس پر شاہد ہیں۔ ہجرت کے موقع پر حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

إِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ ۴۰) (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے)

سورۃ العلق میں ہے: "اور سجدہ کرو اور ہمارے قریب ہو جاؤ۔"

اور صحیح بخاری اور مشکوٰۃ میں حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ نفلی عبادات کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، پھر وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔[94]

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ۔ (الحدید: ۴)

ترجمہ: "اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو" یعنی اپنے علم و قدرت اور فضل و رحمت کے ساتھ۔

وَمَا الْحَیوٰۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (آل عمران ۱۸۵)

"اور دنیاوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔"

آخرت کی بقا و پائیداری کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس عارضی و فانی دنیا پر بھروسہ نہ کرو۔ آخرت کی فکر کرو اور صرف دنیا کے طالب نہ بن جاؤ۔

إِنَّ الَّذِینَ لَا یَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَأَنُّوا بِھَا وَالَّذِینَ ھُمْ عَنْ آیَاتِنَا غَافِلُونَ (۷) أُولَٰئِکَ مَأْوَاھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوا یَکْسِبُونَ (یونس ۸)

---

[94] (صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۹۶۳)

”بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس سے جی لگا بیٹھے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں، ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ بسبب ان برے عملوں کے جو وہ کرتے رہے۔“

یہ وہ کوتاہ نظر ہیں جن کے دلوں میں محبتِ الٰہی اور شوقِ وصل کی کوئی چنگاری نہیں۔ دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے۔ مادی دنیاوی زندگی کی رنگینیوں میں ایسے گم ہیں کہ خدا کے پاس جانے کی کچھ فکر ہی نہ رہی۔ آخرت کی بہتری کی تمنا و طلب بھی دل سے مٹ گئی۔ فکر آخرت نصیب ہی نہیں۔ فانی کو جاودانی پر ترجیح دی۔ اس چند روزہ حیات کو مقصود بنالیا۔ ایسے مردہ دل اور گمراہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت ۶۴)

ترجمہ: ”اور دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل تماشا اور عالم آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔“

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور تسلیم کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔ پاک ہے تو محفوظ فرما ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔“

یہاں اہل علم کو کارخانہ قدرت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ جتنا غور و فکر کریں گے اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر ان کا ایمان پختہ ہو گا۔ عقل مند آدمی جس کو معرفت نصیب ہے، وہ جب آسمان وزمین کی پیدائش اور ان کے عجیب وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ منظم سلسلہ قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے، جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے، کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے اور اللہ کے بندے اپنے رب کو ہر حال اور ہر ہئیت کے ساتھ یاد کرتے رہتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کارخانۂ حیات اللہ تعالیٰ نے بیکار پیدا نہیں فرمایا، بڑے بڑے مصالح و مقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ انہی آیات کی روشنی میں صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تبلیغ فرماتے ہیں اور لوگوں کو ذکر اور غور و فکر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حدیث سے تصوف کا ثبوت

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک شخص جس کا لباس بہت سفید تھا اور بال سیاہ تھے، اس کی حالت سے آثارِ سفر بھی ظاہر نہیں ہوتے تھے، ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا، وہ ہمارے لئے اجنبی تھا، وہ آکر حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں کو حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیا اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھے یعنی سرکار کے سامنے اس طرح بیٹھ گیا جیسے نمازی التحیات میں بیٹھتا ہے یا اس طرح جس طرح شاگرد اپنے استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر اس نے عرض کی کہ اے محمد صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم !مجھے اسلام کے متعلق بتایئے۔ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صَلی اللہ تعالیٰ علیہِ وَاٰلہ وَسلَّم)اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان شریف کے روزے رکھو اور اگر توفیق ہے تو حج کرو۔ اس شخص نے عرض کیا آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے سچ فرمایا۔ پھر عرض کی **فاخبرنی عن الایمان** (مجھے ایمان کے متعلق بتایئے)، فرمایا اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت اور تقدیر کو مانو۔ اس نے کہا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہِ وَاٰلہ وَسلَّم نے سچ فرمایا۔ **قال فاخبرنی عن الاحسان** (کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے)، فرمایا **اَن تعبد اللہ کانّک تراہ۔** اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، **فان لم تکن تراہ فانہ یراک** اور اگر تم اس حال کو نہ پاسکو تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[95]

اس حدیث میں اسلام، ایمان اور احسان کا ذکر آیا ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اسلام کی تعریف میں بنیادی ارکان بتلائے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان سب کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا، پھر احسان کا ذکر ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے احسان کے دو مرتبے بیان فرمائے۔ امام المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ حدیث میں احسان کے پہلے مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے دل پر معرفت الٰہیہ کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ مشاہدۂ حق میں اس طرح کھو جائے گویا کہ خدا کو دیکھ رہا ہو۔ اگر اس مقام پر نہ ہو تو دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔[96]

---

[95] (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

[96] (الفتح الباری شرح بخاری ا:۱۲۰)

اور یہ باطنی کیفیت ہے اور اس قسم کی کیفیات کو حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ علامہ قاضی نور الحق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث میں اشارہ ہے مقام مشاہدہ و مراقبہ کی طرف۔ دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کی بینائی پر ہی موقوف نہیں، تجلیات کے مشاہدہ کے لئے کچھ اور قوتیں بھی ہیں۔[97]

صوفی مشاہدہ حق میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ اپنی ہستی بھول جاتا ہے اور محبوب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ محبت و فنا کا عظیم ترین مقام ہے۔ اس مقام پر عارف کا قلب تجلیات الٰہیہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ حدیث تمام وظائف عباداتِ ظاہری و باطنی اور دل کے اخلاص کے بیان پر مشتمل ہے۔[98]

جس بندے کو مقامِ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، اس کے قلب پر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا یقین کامل ہوتا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ بندہ گناہ کے قریب تک نہیں جاتا۔ پیر کامل کی ساری توجہ اسی بات پر ہوتی ہے کہ مرید کے قلب میں یقین و اخلاص پیدا ہو جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دل ٹھیک ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ انسانی جسم میں دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔

ہم آگے قلبِ سلیم و دیگر لطائف کے متعلق تفصیلاً تحریر کریں گے۔ ہم اس موضوع پر دلائل پیش کر رہے تھے کہ باطنی کیفیات کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے، اور اسی کا نام تصوف ہے اور ان باطنی کیفیات کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے۔

---

[97] (تیسیر القاری، شرح بخاری، ۳۵: ۱)

[98] (عمدۃالقاری ۲۸۹: ۱، شرح بخاری)

مزید احادیث اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں:

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم یہ دعا مانگتے تھے:

یامُصَرِّفَ الۡقُلُوۡبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِیۡ عَلٰی طَاعَتِکَ۔

اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھ۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم یہ دعا بھی فرماتے: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے! اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میں تیری پناہ مانگتا ہو سینے کے وسوسوں سے"۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے دعاء فرمائی:

اللھمّ حَبِّبۡ اِلَیۡنَا الۡاِیۡمَانَ وَزَیِّنۡہُ فِیۡ قُلُوۡبِنَا۔

اے ہمارے اللہ! ہمارے لئے ایمان کو محبوب بنادے اور ایمان سے ہمارے دل مزین فرما اور ہمارے دلوں میں کفر، گناہ اور نافرمانی سے نفرت پیدا فرما۔[99]

اللھم تُطَھِّر قَلۡبِی وَتُنَوِّرۡ لِی قَلۡبِی۔[100]

ترجمہ: اے اللہ! پاک کر دے تو میرے دل کو اور روشن کر دے تو میرے دل کو۔

[99] (ابن حبان، مستدرک، امام حاکم)

[100] (مستدرک حاکم)

اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے امت کو یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی: ’’یا اللہ پاک کر دیجئے میرے دل کو خطاؤں سے جیسا پاک صاف کر دیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل سے۔‘‘[101]

اللھمّ مُصَرِّفَ القُلوبِ صَرِّف قُلوبَنا عَلٰی طَاعَتِکَ۔[102]

اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت پر پھیر دے۔

اے اللہ! میں پناہ لیتا ہوں تیری **من قلب لا یخشع** ایسے دل سے جو خشوع سے خالی ہو۔[103]

اے میرے رب! بنا دے مجھے ایسا کہ میں ہو جاؤں تیرے سامنے گریہ زاری کرنے والا اور ہدایت دیجئے میرے دل کو اور کھینچ کر باہر نکال لیجئے میرے سینے کی کدورت کو۔[104]

اللھمّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ۔[105]

(اے اللہ! کھول دے میرے دل کے کان اپنے ذکر کے لئے)۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ بھی دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے۔ یا اللہ! ہم مانگتے ہیں تجھ سے ایسے دل جو نرم اور درد آشنا ہوں اور عاجزی کرنے والے اور تیری طرف رجوع کرنے والے ہوں۔[106]

---

[101](بخاری، ۲:۹۴۳)
[102](مسلم، ۲:۳۳۵)
[103](مسلم، ۲:۳۵)
[104](سنن ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۹۴)
[105](کنز العمال ۱:۱۹۴)
[106](مستدرک ۵۳۳-۱:۴)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری خشیت باطن میں اور ظاہر میں اور کلمہ اخلاص اور تسلیم و رضا کی توفیق دے اور موت کے بعد پرُلطف زندگی عطا فرما۔“

ولذّۃُ النظرِ اِلیٰ وجْھِکَ والشّوقَ اِلیٰ لِقَائِکَ۔[107]

اور مانگتا ہوں تجھ سے لذت دیدار تیرے رخ زیبا کی اور تڑپ و شوق تیری ملاقات کی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! توبہ کے لئے میرے دل کو نرم فرما اور میرے دل کو پتھر کی طرح سخت نہ کر۔[108]

حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے دعا فرمائی:

اللھمّ انی اسئلک نفسًا مطمئنۃ تومن بلقائک۔[109]

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان لائے۔

اے اللہ! شامل کر مجھے ان لوگوں میں جو نیکی کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔[110]

اے اللہ! مجھے برے اخلاق اور نفسانی خواہشات سے دور رکھ۔[111]

اللّھمّ انی اعوذبک من الشّک۔

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں شک سے۔[112]

---

[107](سنن نسائی ۱۳۱ :۱)
[108](حیلہ ابو نعیم، ۲۰ :۲)
[109](کنز العمال، ۳۰۶ :۱)
[110](سنن ابن ماجہ، ۲۷۱)
[111](مستدرک ۵۳۲ :۱)
[112](کنز العمال ۲۰۱ :۱)

یہ تمام دعائیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم خود بھی مانگتے تھے اور ان دعاؤں کی تعلیم و تلقین امت کو بھی فرمائی۔ ان دعاؤں میں جن چیزوں کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہے یہ سب انسان کے باطن اور قلب کی خاص کیفیات ہیں۔ رب کا خوف، رب سے شوقِ ملاقات، یقین صادق، رضا بالقضاء، تسلیم و رضاء، توکل، خشوع، ایمان کا محبوب ہونا، نفس کا مطمئن ہونا، قلب کا نور، دل کی نرمی، شک سے دور ہونا، ظاہر ہے ان چیزوں کا تعلق ظاہری اعمال سے نہیں ہے۔ یہ سب قلبی کیفیات اور احوال ہیں۔ اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ان کا سوال اپنے رب سے کرتے ہیں۔ بس تصوف اصل میں ان باطنی کیفیات کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ جس کی تعلیم اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی باطنی بہتری کے لئے دعائیں موجود ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا۔ (آل عمران، آیت ۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہماری ہدایت فرمائی۔

رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ۔ (طٰہٰ ۲۵)

ترجمہ: اے میرے پروردگار! کشادہ فرما میرے لئے میرا سینہ۔

وَلَا تَجۡعَلۡ فِىۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔ (سورۃ الحشر: آیت ۱۰)

ترجمہ: اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں کینہ اہل ایمان کے لئے۔

تصوف کے متعلق علماء و بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے

بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دل کو پاک کرنا، بہتر اخلاق میں ترقی کرنا، غلط نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، صفاتِ روحانیہ سے ہمکنار ہونا اور علومِ حقیقت سے تعلق پیدا کرنے کا نام تصوف و سلوک ہے۔ صوفیاء تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں

لاتے بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ حضرات تصوف کو محض اس لئے عزیز و محبوب جانتے ہیں کہ یہ اسلام کی خالص ترین پاکیزہ تعبیر ہے۔ سیرتِ طیبہ اور صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگیوں کا نچوڑ ہے اور یہی اسلام کی حقیقی روح ہے۔ تصوف خالص اسلامی فکر ہے۔ غیروں کے کسی فلسفے کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

عارف شیخ ابو النصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک علم ظاہری ہے اور دوسرا باطنی۔ ظاہری علم شریعت کا ہے۔ وضو، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، فرائض، قصاص وغیرہ کا بیان۔ دوسرا علم باطنی ہے اس کو تصوف کہتے ہیں اس کا تعلق باطنی مقامات و احوال قلب و باطن سے ہے۔ اس علم کے ذریعے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ قلوب میں جلاوروشنی پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کا زنگ جو قلب پر جما ہوتا ہے وہ دھل جاتا ہے۔ اسرار غیب منکشف ہو جاتے ہیں۔ پھر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔[113]

عارف امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قرب خداوندی، صفائی قلب، اتباع سنت، حضور قلب سے ذکر کرنا، اپنے احوال کی نگہداشت، اخلاق حسنہ، اللہ کی قضاء پر اعتراض نہ کرنا، کچھ پاس ہو تو ایثار کرنے کا نام تصوف ہے۔[114]

قطب الاقطاب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک علم من اللہ ہے، دوسرا علم مع اللہ ہے، اور تیسرا علم باللہ ہے۔ علم باللہ علم معرفت بود، علم باللہ علمِ معرفت ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اسی علم کے ذریعہ اپنے رب کی معرفت حاصل کی۔ علم مع اللہ طریقِ حق کے مقامات، طریقت سلوک اور حقیقت درجات۔ علم من اللہ یہ علم شریعت ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے

---

[113] (کتاب اللمع، صفحہ ۱۰۵)

[114] (رسالہ قشیریہ ص ۴۳۰)

احکام معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: ایسی معرفت جو بغیر علم شریعت کے ہو مقبول نہیں جسے علم معرفت و تصوف حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کو شریعت کا علم نہیں ہے تو اس کا دل عدم واقفیت کی بنا پر بیمار ہے۔[115]

امامِ ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ م ۱۰۳۴ھ فرماتے ہیں: تصوف و طریقت، شریعت سے جدا نہیں۔ اخلاص کی تکمیل کے لئے طریقت و حقیقت ہے۔ اسی سے صوفیاء متصوفہ ممتاز ہوئے۔ شریعت کے تین حصے ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اخلاص اور مقام رضا حاصل ہو جائے۔ طریقت و حقیقت شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں۔ اور فرماتے ہیں: تصوف و معرفت کی حقیقت یہ بھی ہے کہ نفس امارہ اپنی جبلی اور پیدائشی جہالت کو چھوڑ کر شناسائی حاصل کر کے گرویدہ ہو جائے۔ ایمان کے معنی یقین کرنا اور گرویدہ ہونا ہیں۔ یقین حاصل ہونے کے بعد دل راضی ہو جاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے۔ اور فرماتے ہیں: روح کی ترقی تقویٰ سے وابستہ ہے۔[116]

عارف شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، باطن پاک ہو جاتا ہے اور پھر حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ قلوب کی حیات مشاہدہ سے ہے۔[117]

---

115 (کشف المحجوب فارسی، ص ۱۲)

116 (مکتوبات شریف: ۳۶، ۷۶، ۹۱)

117 (عوارف المعارف، ص ۲۳، ۲۶)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: راہ تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ نفس مغلوب ہو جائے، اخلاق کا معتدل و بہتر رہنا صحت نفس کہلاتا ہے۔ اخلاق کی خرابی اور اس میں اعتدال کا نہ ہونا مرض نفس ہے۔[118]

علم بیج کی مانند ہے عمل کھیتی اور اخلاص پانی کی مانند ہے۔ کھیتی کو پانی نہ ملے تو برباد ہو جاتی ہے۔
صبر کی فضیلت کے باب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کچھ لوگوں سے فرمایا تم مسلمان ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اس پر دلیل پوچھی، انہوں نے عرض کیا ہم نعمت پر شکر اور تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! تم کامل مؤمن ہو!۔"

صبر کا تعلق خاص طور پر انسان کے ساتھ ہے۔ جانوروں کو تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ نہایت ناقص ہیں۔ نہ فرشتوں کو اس کی ضرورت ہے۔ وہ ہر طرح کامل اور ہر خواہش سے پاک ہیں۔[119]

گناہ سے آئینۂ دِل پر اندھیرا و ظلمت چھا جاتی ہے اور ہر عبادت و نیکی کے سبب دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ گناہ کی وجہ سے جو ظلمت پیدا ہوتی ہے توبہ اور نیکی کے انوار اس ظلمتِ قلب کو دور کر دیتے ہیں اور پھر دل اپنی پاکی و صفائی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ میلا کپڑا صابن سے صاف ہوتا ہے اسی طرح میلا دل توبہ، ذکر اور انوارِ عبادت سے پاک ہوتا جاتا ہے۔[120]

---

[118](احیاء العلوم ۹۰:۳)
[119](کیمیائے سعادت، صفحہ ۶۳۱)
[120](کیمیائے سعادت صفحہ ۶۱۹)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ م ۷۲۵ھ فرماتے ہیں: سچی محبت پیروی ہی کا دوسرا نام ہے۔ محبتِ حق دل میں نہ ہو تو بندہ گناہ کرتا ہے۔ جب محبتِ حق قلب میں گھر کر جاتی ہے تو گناہ کرنے کا امکان نہیں رہتا یعنی عاشقِ صادق سے نافرمانی نہیں ہو سکتی۔[121]

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: علومِ شریعہ میں سے علم تصوف بھی ہے۔ سلف میں بڑے بڑے صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے بعد والوں میں یہ تصوف طریقۂ حق وہدایت ہی سمجھا جاتا تھا۔(یہ طریقۂ حق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں موجود تو تھا مگر تصوف کے نام سے دوسری صدی ہجری کے بعد مشہور ہوا) اس کا بنیادی اصول عبادت پر جم جانا اور اللہ سے لو لگانا ہے۔ پھر جب دوسری صدی ہجری کے بعد عام طور پر لوگ دنیا کی طرف زیادہ مائل ہونے لگے اور دنیا کی دلدل میں پھنسنے لگے تو اس وقت عبادت میں مصروف رہنے والوں کو صوفیاء و متصوفہ کہنے لگے۔ تصوف کی منزل کا راہی ایک مقام سے دوسرے مقام تک لگاتار ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ مقامِ معرفت تک پہنچ جاتا ہے۔ ابن خلدون آگے لکھتے ہیں: مدارج و مراحل سے ترقی کر کے آگے بڑھنا ضروری ہے، اور ان تمام کی جڑ اور بنیاد اطاعت و اخلاص ہے۔ ان مراحل سے بطور نتائج و ثمرات کے احوال و صفات پیدا ہوتی ہیں، پھر ان سے دوسرے احوال و صفات پیدا ہوتے ہیں اور مقامِ توحید و عرفان تک یہی جلوہ جاری رہتا ہے۔ اگر وارداتِ قلبیہ میں کوتاہی ہے تو سمجھ لیا جائے کہ ما قبل کے مقابل میں کوتاہی باقی رہ گئی ہے۔ اپنے نفس سے حساب لینا پڑتا ہے کہ کیا کھویا اور کیا پایا کیونکہ اعمال سے حقائق کا حاصل ہونا یقینی ہے۔ اگر نتائج میں خلل ہے تو اعمال میں یقیناً کوتاہی ہے۔

---

[121] (فوائدالفواد، ص ۲۰۹)

صوفی اپنے ذوق سے خلل کو تاڑ لیتاہے اور اپنے نفس سے محاسبہ کرتا ہے۔ یہ ذوقِ تصوف رکھنے والے گنتی ہی کے لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ عوام پر عموماً غفلت چھائی رہتی ہے جو نا آشنا ہیں۔[122]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: **علم الاحسان** اسی کا دوسرا نام تصوف و طریقت ہے۔ باطن میں نور کا پیدا ہونا اور باطن کا اُنس و اِنشراح سے معمور ہونا۔ جب یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو بیہودہ افکار و خیالات سے آدمی نجات پاتا ہے۔ قلق و تشویش کی بجائے سکون اور اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال رہتی ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مزید بر آں جس طرح آفتاب و ماہتاب کے قرص کو شعاعیں گھیرے رکھتی ہیں اسی طرح اس بندے کے گرد بھی انوارِ غیبی کا ایک ہالہ پڑا رہتا ہے۔ پھر ملائکہ مُقربین اور عبادِ صالحین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ ان کو الہام کیا جاتا ہے کہ اس مقرب بندے کے ساتھ بھلائی کریں تو آسمان و زمین میں مقبولیت ہوتی ہے۔[123]

احوالِ قلب میں سے ایک مقامِ سکر ہے۔ عقل و قلب پر جب ایمان کا نور غالب آجاتا ہے تو آدمی دنیا کے نفع و نقصان کو بھول جاتا ہے اور ایسی چیزوں سے محبت کرنے لگ جاتا ہے جن سے لوگ محبت نہیں کرتے مثلاً رب تعالیٰ سے ملنے کے شوق میں موت کو محبوب سمجھتا ہے۔ مرض کو اس کے لئے محبوب سمجھتا ہے کہ اس سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کا بھی یہی حال تھا۔[124]

---

[122] (تاریخ ابن خلدون، مقدمہ، جلد ۲، صفحہ ۲۶۷)
[123] (حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، ص ۳۵۲، ۳۵۹)
[124] (حجۃ اللہ البالغہ، ۴۴۷:۲)

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم شریعت وہ ہے جس میں امور دین، اعتقاد، احکام، عبادت بدنی ومالی و معاملات مالی وبدنی کا بیان ہے۔ علمِ طریقت وتصوف میں اخلاق، نیت، آدابِ عبادت، یقین، مشاہدہ و مکاشفہ، اسرارِ محبت، معیت و قرب، مراتبِ ولایت، حقیقت و معرفت ہے۔[125]

علامہ امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم تصوف جسے علمِ اخلاق و علم القلب کہا جاتا ہے، اس کا سیکھنا ضروری ولازم ہے تاکہ رذائلِ باطنیہ جو باطن کی بیماریاں ہیں، عجب، حسد، غضب، عداوت، بغض، تکبر، لالچ، بخل، طمع اور مداہنت وغیرہ سے اجتناب ہوسکے۔[126]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جس علم کا ذکر کرتے ہیں اس کا حصول ضروری ہے۔ اس کا ثمرہ اور نتیجہ صفائی قلب اور تزکیۂ نفس ہے۔[127]

صوفیاء فرماتے ہیں دل سے خدا کی طرف متوجہ رہو۔ بعض لوگوں نے تو یہ سمجھا ہے کہ توجہ الی اللہ صرف یہ ہے کہ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں، یہ لوگ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے، مگر پھر ان میں کئی یہ سوچتے ہیں کہ نماز وروزہ وحج ہم سب کچھ کر رہے ہیں لیکن نورانیت و لطف و خشوع نہیں پاتے۔ آپ بہت سے نمازیوں اور حاجیوں کو گناہ میں مبتلا پائیں گے۔ سود پر رقم دیں گے، حرام و حلال میں کوئی تمیز نہیں، تکبر و حسد، جھوٹ و غیبت عادت ہے۔ یہ ساری خرابیاں کیوں ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہیں:

در زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

---

[125] (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۲۸)

[126] (ردالمختار شامی ۴۰:۱)

[127] (تفسیر مظہری، ۴:۳۲۴)

بزرگانِ دین فرماتے ہیں: دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمالِ شرعیہ کے پابند رہو۔ طاعات کو بجالاؤ، آنکھ کان وزبان کا استعمال درست ہو۔ اس کے بعد اگر نورانیت و خشوع حاصل نہ ہو تو ہم پر ہنسنا!

چشم بند و لب ببند و گوش بند گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

تصوف کے متعلق اکابرینِ دیوبند کے اقوال

مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں: تصوف و سلوک یہ ہے کہ خصائل رزیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا۔ اگر تم اپنے قلب کو آئینہ بنانا چاہتے ہو تو دس چیزوں کو سینہ سے نکال باہر کرو: حرص، طمع، بخل، حرام، غیبت، جھوٹ، حسد، تکبر، ریاکاری اور کینہ۔ دل سے بدعادات کے دور ہو جانے کے بعد شجاعت، قناعت، سخاوت، پاک دامنی، صبر، رضا بقضاء، توکل وغیرہ جیسی صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔ قلب اور دیگر باطنی لطائف پر ذکرِ الٰہی کرو تا کہ قلب و باطن منور ہو جائے۔ ذکر و مراقبہ سے اللہ کی پاک ذات کے ساتھ قرب اور اُنس میسر ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے انسانی روح عالمِ قُدس کی سیر کرتی ہے۔[128]

مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: تصوف و طریقت شریعت سے جدا نہیں۔ جب قلب میں حکمِ شرع کا داخل ہو کر طبعاً عمل شرع پر ہونے لگے، وہ طریقت ہے۔ دونوں کا حکم قرآن و حدیث سے ہے۔ جب اخلاص و حب حق تعالیٰ دل کے اندر جاری و ساری ہو گئی، طمانیت حاصل ہو گئی یہ بھی

---

[128](صراط مستقیم ۱۲۱)

طریقت ہے۔ ائمۂ مجتہدین بھی صاحبِ طریقت تھے۔ اشغالِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ بطور معالجہ کے ہیں۔ سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔[129]

مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں: علم تصوف شرعی علوم میں داخل ہے۔ مراقبہ اور اس قسم کے اور افعال جو مشائخ کے یہاں تزکیہ نفس اور ریاضت کے سلسلے میں معمول ہیں، ان میں ناجائز چیز شامل نہ ہو تو مباح ہیں۔ اصولاً یہ چیزیں شریعت کے دائرہ کے اندر ہیں۔[130]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: شریعت نام ہے مجموعہ احکام کا، اس میں اعمالِ ظاہری و باطنی سب آگئے۔ اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہری کے احکام کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنی کا نام تصوف ہو گیا۔ اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ باطن کی درستی سے قلب میں جلِا، روشنی و صفائی پیدا ہوتی ہے۔ پھر قلب پر جو حقائق منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحبِ انکشاف کو عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت ہی کے ہیں۔[131]

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ عقائد اور اپنے اعمالِ ظاہری و باطنی کی اصلاح کرے۔ بے شمار آیات و احادیث اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں۔ گو اکثر اہلِ ظاہر بسبب پابندِ ہَوَا و ہَوَس اس سے غافل ہیں۔ باطن کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے، ہر آدمی جانتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اخلاص،

---

[129] (فتاویٰ رشیدیہ ۱۹۶)

[130] (فتاویٰ کفایت المفتی، جلد ۲، صفحہ ۷۹، ۸۱)

[131] (فتاویٰ امدادیہ، ۴:۲۴)

شرحِ صدر و شکر، حُبِ الٰہی، توکل، تسلیم و رضا وغیرہ کی فضیلت کا بیان موجود ہے اور ان کو حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور تکبر، حسد، حب دنیا و حرص وغیرہ کی مذمت بیان کی گئی ہے۔[132]

نفس کا اصل فعل غفلت ہے، نفس مجاہدہ و ریاضت و طاعت سے درست ہوتا ہے۔ نفس میں شان اطاعت پیدا ہو جاتی ہے تو مطمئنہ کہلاتا ہے۔[133]

مولوی محمود حسن گنگوہی لکھتے ہیں: شریعت میں ظاہری عبادات کے احکام ہیں اور تصوف طریقت میں احکام باطنہ، صبر، شکر، رضا و تسلیم، توکل، اخلاص وغیرہ کے احکام بیان کیئے جاتے ہیں۔ شریعت ظاہر کی اصلاح کرتی ہے، طریقت باطن کی اصلاح کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت و رضا مندی حاصل کرنے کے لئے اس راہ میں حائل ہونے والے اخلاقِ رزیلہ و اعمالِ بد کو چھوڑ کر اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنا، مجاہدہ و ریاضت، تزکیہ نفس و اصلاحِ نفس کے لئے شیخ مرشد جو تجویز کریں، اس کو اختیار کرنا تاکہ خدائے پاک کی ذات سے گہرا دائمی تعلق قائم ہو جائے۔[134]

مولانا انور شاہ کشمیری صاحب شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں: تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں: سہروردی، قادری، چشتی، نقشبندی، اور سلسلہ سہروری ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے چلا آرہاہے۔ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگے جانے کا نام طریقت ہے۔ طریقت شریعت سے جدا نہیں۔[135]

---

[132] (التکشف، ص ۲۵٦)
[133] (بوادر النوادر، ص ۵٦۴)
[134] (فتاویٰ محمودیہ، ۱۳۴:۱)
[135] (فیض الباری، شرح بخاری، ۱۴۹:۱)

تصوف وصوفی کا معنی:

استاذ ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں: تصوف صفا سے ہے یعنی خالص پن صاف، اور کسی نے کہا تصوف کا مادہ صوف سے ہے۔ جس کے معنی استواری اور کثرت کے ہیں۔[136]

تصوف کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ تزکیہ نفس اور صفائی قلب و باطن کے لئے ایک مخصوص علم ہے۔

(۱) جو لوگ کدورت و گندی خواہشات سے پاک وصاف کر دیئے گئے، وہ صوفی کہلانے لگے۔

(۲) ان کا لباس عام طور پر صوف، اون، پشمینہ کا ہوتا تھا، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔

(۳) یہ اصحابِ صفہ کے طریقہ کار پر ہیں، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ اصحابِ صفہ کی زندگی طالبانِ طریقت کے لئے درسِ ہدایت ہے۔ آفتابِ نبوت کے گرد پروانہ وار نثار رہتے تھے، ان کی زندگی توکل وصبر اور عشق ومحبت کا ایک تسلسل تھی۔ پھر ان کے باقیاتِ صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ومشہور ہوئے۔

(۴) قرب میں یہ صفِ اول کے لوگ ہیں، اس لئے ان کو صوفی کہا گیا لیکن اس صورت میں صوفی نہیں صفی ہونا چاہیئے تھا۔

(۵) صوفی، باطن کا خیال رکھنے والا۔[137]

(۶) صوفی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو اپنے دل میں کوئی نفسانی وشیطانی خطرہ نہ آنے دے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت پر قائم رہے۔ تصوف وصوفی کے معنی ومآخذ

---

[136] (مذاهب عالم، ص ۸۴۳)

[137] (فیروز اللغات، ص ۳۸۷)

کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، کچھ یہاں لکھ دیئے ہیں۔ تصوف کے لغوی معنی کچھ بھی ہوں مگر در حقیقت اس سے مراد عرفانِ حق ہے اور یہ ایک باطنی علم ہے۔ خشک مولوی سے صوفی الگ شخصیت ہے۔ مولوی قالب ہے اور صوفی قلب ہے۔ مولوی جو چیزیں خواب میں دیکھتا ہے، صوفی عالمِ بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے۔ صوفی غلط نفسانی خواہشات سے اجتناب کرتا ہے۔ طاعات و عبادات کو مقصودِ حیات سمجھتا ہے۔ نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کرتا ہے۔ شبِ بیداری اور سحر خیزی اس کو محبوب ہوتی ہے۔ جب لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے راز و نیاز اور دعا کرتا ہے۔ اس کا قلب و جسم خشوع و انابت کے ساتھ جھکا ہوتا ہے اور تسلیم و رضا کا پیکر ہوتا ہے۔ صوفی کا قلب و باطن روشن و منور ہوتا ہے۔ بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور سمندر سے زیادہ اس کے قلب کی وسعت ہوتی ہے۔ صوفی دوسروں کے عیب نہیں دیکھتا، نہ ان کی تلاش میں رہتا ہے، ہر وقت اس کو اپنے باطن کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے۔ صوفی کی کوئی تعریف کرے تو وہ خوش نہیں ہوتا۔ اگر اس کی کوئی غیبت کرے تو وہ ناراض نہیں ہوتا۔ اس کی صحبت و نصیحت، دعوت و تلقین سے بڑے بڑے سرکش انسان ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ صوفی کی زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظ وہ کام کرتے ہیں جو ہزاروں تقریریں اور لاکھوں شمشیریں نہیں کر سکتیں۔ مولوی جب صوفی کی صحبت میں آجاتا ہے تو پھر وہ خشک مولوی نہیں رہتا بلکہ مولانا عارف روم بن جاتا ہے اور پھر کہتا ہے:

شمس تبریزی کے نور مطلق ست ۔۔۔ مرشد شمس تبریزی تو نور کامل ہیں

نہ خرد کی روشنی نہ جنوں کی آگہی تھی ۔۔۔ تیری رہبری سے پہلے یہ جہاں جہاں نہیں تھا

نظر اور ذوق نظر دینے والے ۔۔۔ عجب شے بنادی ہے یہ زندگانی

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مرا درس حکیماں درد سر داد　　　　کہ من پروردۂ فیض نگاہم

مجھے حکماء کی تعلیم نے سر کے درد کے سوا کچھ نہ دیا۔ میں تو فیض والی نگاہ کا رنگا ہوا ہوں۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　　　سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو　　　　وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے　　　　جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

قلب

اولیاء اللہ، صوفیائے کرام قلب کی درستگی کے لئے خصوصی تاکید و تلقین کرتے ہیں کیونکہ قلب کی بڑی اہمیت ہے۔ بدن انسانی کا بادشاہ ہے۔ زبان تو دل کی ترجمان ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ۸۹)

یعنی "اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے۔"

قیامت کے روز پاک قلب ہی انسان کے لئے مفید ہوگا جو شرک، نفاق اور شک سے پاک ہو۔

(۲) ایمان اور تقویٰ کی جگہ دل ہے۔ محلِ ایمان و تقویٰ ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ　　(الحجرات ۳)

"یہ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر لیا ہے۔"

(۳) وَلَٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ۔ (الحجرات:۷)

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔"

(۴) اَفَمَنْ شَرَحَ اللہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ (الزمر: ۲۲)

''جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔''

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا یارسول اللہ! سینہ کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا: ''جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھلتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے؟ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: دار خلود کی طرف متوجہ ہونا، فکر آخرت اور دنیا سے بے رغبتی اور موت کے لئے اس کے آنے سے قبل آمادہ ہونا، تیاری کرنا۔

(۵) فَمَنْ یُّرِدِ اللہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ ج وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔ (الانعام ۱۲۵)

ترجمہ: ''جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ خوب تنگ رکا ہوا کر دیتا ہے۔''

جس کو ہدایت دے اس کے دل میں روشنی پیدا فرماتا ہے، ایمان کی توفیق دیتا ہے جو منکر ہیں ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے، ان پر یہ تباہی ڈالی جاتی ہے کہ ان کا سینہ تنگ کر دیا جاتا ہے، حق کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

(۶) اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (ق ۳۷)

ترجمہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔''

یعنی ان عبرتناک واقعات سے جن کا ذکر قرآن میں ہے، ان میں غور و فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کرسکتے ہیں جن کے سینے میں سمجھے والا دل ہو۔

حضرت عارف شبلی قدس سرہ نے فرمایا: قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لئے قلب حاضر چاہیئے۔

(۷) دل پر جب مہر لگ جائے تو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (توبہ ۸۷)

"پھر مہر لگ گئی ان کے دلوں پر تو اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔"

جب دل بند اور مسخ ہو جائے تو حقائقِ دین کی فہم جاتی رہے گی اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہے گی۔ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم ٹھیک ہو گیا اور اگر وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو گیا۔ سنو، وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔[138]

دل ٹھیک ہو جائے تو دیگر اعضاء آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں درست ہو جاتے ہیں۔ سوچ بھی ٹھیک ہو جاتی ہے، اعضاء کا استعمال نیکی کی طرف ہوتا ہے۔ اگر قلب میں خرابی ہے تو اعضاء کا استعمال غلط ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے عرض کیا گیا لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا: "ہر سالم دل والا، سچی زبان والا۔" لوگوں نے عرض کیا سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں، سالم دل والا کون ہے؟ فرمایا: وہ ایسا ستھرا ہوتا ہے جس پر نہ گناہ، نہ بغاوت، نہ کینہ اور نہ حسد ہے۔"[139]

---

[138] (بخاری، ۱:۱۳)

[139] (سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

گناہ، کینہ، حسد وغیرہ سے دل میلا ناپاک ہوتا ہے۔ ناپاک لباس والا مسجد میں آنے کے قابل نہیں، ناپاک دل والا قربِ الٰہی کے قابل نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "وہ کامیاب ہو گیا" وَ جَعَلَ قَلۡبَهُ سَلِيۡمًا جس نے اپنے دل کو سلامت رکھا۔[140]

یعنی جس نے اپنے دل کو بد عقیدگیوں اور غفلت کی چیزوں سے محفوظ رکھا وہ کامیاب ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ایمان ترقی کرتا رہتا ہے۔ بندہ کا ایمان جب کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل نورانی ہو جاتا ہے۔[141]

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "انسان کامل کا قلب عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔"[142]

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد سوم میں قلب پر بہت بہتر اور طویل لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: قلب مؤمن نہایت عمیق اور وسیع حقیقت کا نام ہے، اور اس میں خداوند کریم نے فطرتاً یہ قابلیت ودیعت کی ہے کہ وہ لامتناہی حقائق و معارف حاصل کر سکتا ہے مگر مادیات اور ان کے لوازم کے تأثرات کی وجہ سے وہ ان حقائق و معارف کے مشاہدہ سے محجوب رہتا ہے۔ جب مادیات اور ان کے لوازم کے تاثرات سے قلب بے تعلق ہو جاتا ہے تو لوحِ محفوظ پر قلب مؤمن کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں۔[143]

---

[140] (مسند احمد، مشکوٰۃ)

[141] (احیاء العلوم ج۳ ص ۸۹)

[142] (مکتوبات، جلد۳ صفحہ ۱۱)

[143] (احیاء العلوم ج۳)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: لوح محفوظ است پیشِ اولیاء

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لوحِ محفوظ کو دیکھنا اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا بعض اولیاء اللہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔"[144]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملا طاہر لاہوری کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھی ہوئی دیکھی۔[145]

مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے: "عارف مراقبہ میں لوح محفوظ کی سیر کرتا ہے۔"[146]

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: "اولیاء اللہ کشف میں دل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔"[147]

امام المحدثین امام حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مکرم بنائے۔ اس کے نور قلبی میں اضافہ کر کے اس کی باطنی نظر کو قوی بنادے۔ یہ وہ نور ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے عطا فرمادے۔"[148]

حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "حارث صبح کیسی کی؟ عرض کیا: حقیقی مومن ہونے کی حیثیت سے۔ فرمایا: ہر شے کی حقیقت ہوا کرتی ہے۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کی: دنیا کی محبت سے میں نے منہ موڑ لیا ہے۔ ساری رات عبادت میں، دن روزے میں گزرتا ہے اور حالت یہ ہے کہ: کَاَنِّی اَنظر اِلٰی

---

[144] (تفسیر عزیزی، پارہ ۲۹)
[145] (تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۲۴۶)
[146] (صراطِ مستقیم، صفحہ ۱۶۵)
[147] (فیض الباری شرح بخاری، جلد ۱ صفحہ ۱۷)
[148] (فتح الباری شرح بخاری، ۱۲:۳۸۹)

عَرشِ رِبّی بارِزًا گویا عرش الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا ہوں اور اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں۔ پھر سرکار صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: "حارث تونے ٹھیک پہچانا، اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔"[149]

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بھی سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کی: دن کو روزے کی وجہ سے پیاسا رہا، شب کو عشق و سوز سے سویا نہیں اور میری حالت یہ ہے کہ من بینم عـــرش را باعـــرشیاں (میں عرش کو اس کے فرشتوں سمیت دیکھتا ہوں)۔[150]

مؤمن کی فراست کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

اتّقوا فِراسةَ المؤمنِ فإنّہ ینظُرُ بنورِ اللہِ۔

مؤمن کی فراست سے ڈرو، بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔[151]

فراست دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا ہے۔

"کہیں دور ایک آدمی نے آنکھوں کا غلط استعمال کیا، غیر عورت کو دیکھا پھر وہی آدمی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بعض لوگ ہمارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں برائی کا اثر ہوتا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ مؤمن کی فراست ہے۔"[152]

---

[149] (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۸۶)

[150] (مثنوی مولانا روم، دفتر اول حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۲۳، منہج القوی عربی ۱:۶۳۵)

[151] (سنن ترمذی، جلد ۱، ص ۱۷۰، تفسیر خازن ۴:۵۸)

[152] (جامع کرامات نبہانی، ج ۱ ص ۱۵۰، جمال الاولیاء تھانوی ص ۵۹)

اسی نور سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے ہزاروں میل دور شہر نہاوند ایران میں لشکر اسلام اور اس کے سپہ سالار حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کو ہدایت دی اور پھر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے سنا۔[153]

علامہ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں: مؤمن کامل اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں مقرر فرمایا ہے۔ قربِ خداوندی سے فراست حاصل ہوتی ہے۔ جب قرب کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو ادراک و معرفت کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ دل ایک صاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس میں حقائق کے عکس بلاکم وکاست نظر آنے لگتے ہیں۔[154]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: فراست صفائی قلب و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اکثر وجدانی طور پر حقائق و واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ گویا یہ کشف کا ایک شعبہ ہے، حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔[155]

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

صرف آنکھ کی روشنی کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ تو ظاہری چیزوں کو دیکھنے تک محدود ہے۔ تو دل بینا طلب کر ہر شے کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، تجھے عرفان نصیب ہو گا۔

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری　　　　مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

---

153 (مشکوٰۃ، صفحہ ۵۴۶، اسد الغابہ، جلد ۳ صفحہ ۶۵۹، تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۸۹)

154 (کتاب الروح ابن قیم، صفحہ ۲۶۱)

155 (التکشف، ص ۲۸۳)

اعمالِ صالحہ بدنیہ کے بغیر احوال قلبیہ کا حصول محال ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز مکتوب نمبر ۳ اور ۹ میں لکھتے ہیں:

کام کا دارومدار دل پر ہے، اگر دل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو برباد اور برا ہے۔ صرف ظاہری عملوں اور رسمی عبادتوں سے کام نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف توجہ کرنے سے دل کو محفوظ رکھنا اور وہ اعمال صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے یہ دونوں کام درکار ہیں۔ اعمال صالحہ بدنیہ کی ادائیگی کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے جس طرح کہ اس دنیا میں بدن کے بغیر روح کا ہونا متصور نہیں اسی طرح اعمال صالحہ بدنیہ کے بغیر احوال قلبیہ کا حصول محال ہے۔ آج کل بہت سے بے دین لوگ اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مکتوب میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو عبادت کو ظاہری شریعت میں منحصر سمجھتے ہیں اور حضور قلبی و اخلاص عمل کو عبادت میں شمار نہیں کرتے اور اسی طرح ملحد اور بے دین لوگ جو ظاہر شریعت (اعمال بدنیہ) کے بغیر سلامتیٔ قلب کا دعویٰ کرتے ہیں اور عبادات کی ادائیگی کو ضروری نہیں جانتے آپ نے ان کی بھی مذمت فرمائی ہے۔

اعمال و احوال کا دارومدار قلب پر ہے

حقیقت الامر یہ ہے کہ قرآن و سنت سے اعمال ظاہری اور احوال باطنی (دونوں امور) کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔

سلامتیٔ قلب کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

یعنی جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

اور اعمال ظاہری کے متعلق فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الكهف ١٠٧)

بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔

بلکہ اگر اعمال ظاہری میں ریا کا عنصر شامل ہو جائے تو عند الشرع بھی وہ عمل باطل و فاسد ہو جاتا ہے، جس طرح کفر و شرک تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ریا بھی (جو کہ شرک خفی ہے) اعمال صالحہ کے فساد کو مستلزم ہے۔

معلوم ہوا کہ ظاہری اعمال کی قبولیت بھی حضور قلب پر منحصر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔[156]

یعنی حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے مطابق نماز مومن کی معراج اسی صورت میں ہے جب نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اور حضورِ قلب ان لوگوں کا حصہ ہے جو سلیم القلب ہیں اور قلب کی سلامتی ماسویٰ اللہ تعالیٰ گرفتاری سے آزادی کا نام ہے۔

---

156 صاحب تشیید المبانی ص ۴۷ پر رقمطراز ہیں۔ قال المخرّج لم اجده بهذااللفظ انتهىٰ قلت هذاحديث مشهور فى كتب الصوفية۔ اس حدیث کا مفہوم احیاء علوم الدین ص ۱۰۱ ج ا حدیث کے مطابق ہے۔ لا ينظر الله إلى صلاة لا يحضر الرجل فيهاقلبه مع بدنه۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

معلوم ہوا کہ دل کا تقویٰ عند الشرع مطلوب ہے اور اعمال و احوال کی صحت کا نام ہی تقویٰ ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے:

ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب۔[157]

"خبر دار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے جب وہ سدھر تا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سنتے ہو وہ قلب ہے۔"

معلوم ہوا کہ قلب کی اصلاح سے سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جسم عبادات وطاعات پر مستقیم اور راغب ہو جاتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا:

إنّ الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم وفى رواية إلى أجسادكم ولكن ينظر إلى قلوبكم واعمالكم۔[158]

بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا اور روایت میں تمہارے جسموں کی طرف بھی نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا: التقویٰ ھھنا۔[159] تقویٰ یہاں ہے۔(تین مرتبہ دل کی طرف اشارہ فرمایا۔)

---

157 صحیح بخاری ص ۱۳ ج ۱۔

158 صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲۔

159 صحیح بخاری۔

معلوم ہوا کہ دل اور عمل دونوں متلازم ہیں جس سے احوال واعمال کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح "إنما الأعمال بالنيات"[160] سے بھی اعمال کا دارومدار دل پر ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

اقسامِ قلب

۱۔ قلبِ منیب ۲۔ قلبِ شہید ۳۔ قلبِ سلیم

قلبِ منیب

قلبِ منیب وہ ہے جس سے خطراتِ روحی اور نیک کام ظاہر ہوں، مثلاً تقویٰ، مجاہدہ، عبادت اور ریاضت وغیرہ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ (ق ۳۳)

قلبِ شہید

قلبِ شہید وہ ہے کہ جس کو عرش اللہ کہا گیا ہے۔

قلبِ شہید کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق ۳۷)

160 (صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، الحديث: ١، ج ١، ص ٦، دار الكتب العلمية، بيروت)

قلبِ سلیم

قلبِ سلیم وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت سما جائے اور ماسوَیٰ اللہ سے فارغ ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

امراض قلب

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلب کی بیماریاں بھی تین ہی ہیں جن سے سالک کو بچنا چاہیئے قلبِ مریض کو قلبِ سقیم بھی کہتے ہیں۔

حدیثِ نفس

اپنے ارادہ واختیار سے دل میں باتیں کرتے رہنا۔

خطرہ

بغیر ارادہ واختیار کے دل میں باتوں کا گزرتے رہنا۔

نظر بہ غیر

اشیائے متکثرہ کو دیکھنے سے مختلف چیزوں کے علوم وخیالات حاصل ہوتے رہنا۔

خطراتِ قلب

انسان کے دل پر مختلف قسم کے خطابات وارد ہوتے رہتے ہیں جن سے سالک کو آگاہ رہنا چاہیئے۔

وہ چار قسم کے ہیں:

خطرۂ نفسانی

اگر خطاب نفس کی طرف سے وارد ہو تو اس کو خطرۂ نفسانی کہتے ہیں۔اس کو ہوا جس بھی کہا جاتا ہے۔

خطرۂ شیطانی

اگر خطاب شیطان کی جانب سے ہو تو خطرۂ شیطانی کہتے ہیں۔اس کو وسواس بھی کہتے ہیں۔

خطرۂ مَلکی

اگر فرشتے کی جانب سے ہو تو خطرۂ مَلکی یا الہام کہتے ہیں۔

خطرۂ رحمانی

اگر حق تعالیٰ کی جانب سے ہو تو خطرۂ رحمانی کہا جاتا ہے۔

بینہ

خطرۂ نفسانی میں شہوت ولذتِ نفس کا شوق ابھرتا ہے اور یہ دیرپا ہوتا ہے۔ خطرۂ شیطانی میں دل کے اندر معصیت کی خواہش چٹکیاں لیتی ہے۔ یہ جلدی چلا بھی جاتا ہے۔ خطرۂ مَلکی میں اذکار و عبادت کا شوق پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خطرہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ اس کی طرف فوراً عملی رجوع کرے تاکہ غائب نہ ہو جائے۔ خطرۂ رحمانی میں محبتِ الٰہی اور مشاہدہ حق کا شوق پیدا ہوتا ہے یہ خطرۂ مبارکہ سالک کے دل میں مستقل قیام کرلیتا ہے اور جانے کا نام نہیں لیتا اور دل کو غیر کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

لطائف

قلب کے بارے میں تو ہم لکھ چکے ہیں۔ یہاں کچھ دیگر لطائف کے بارے میں تحریر کریں گے اور یہ تحریر عام لوگوں کے لئے نہیں، اسے تو وہی اچھا سمجھ سکتا ہے جو ان کیفیات سے کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ علم تصوف کے کئی شعبے ہیں ان میں سے لطائف کا علم بھی ہے۔ جس کو پتہ نہیں وہ انکار کرے گا مگر اس کا یہ انکار نادانی ہے۔ کیونکہ یہ کوئی اصول تو نہیں کہ جس چیز کا پتہ نہیں اس کا ہم انکار کر دیں۔ ہزاروں علوم اور چیزیں ہیں جن کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔

لِکُلِّ فِنِّ رِجَالٌ۔ (ہر فن اور علم کے لئے لوگ ہوتے ہیں)۔ عام زمیندار ہل چلانے والا فنِ تعمیر کا واقف نہیں ہوتا۔ فن تعمیر کو جاننے والا انجنیئر ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا قانون دان جسمانی امراض کو نہیں جانتا، وہ میڈیکل سائنس سے واقف نہیں ہوتا۔ اس علم کا ماہر ڈاکٹر ہوتا ہے۔ مادیت اور دنیا کے امور میں مستغرق آدمی باطنی لطائف کے حقائق و معارف کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو صحیح طور پر وہی سمجھتا ہے جو صوفی و عارف ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس راہ میں انکار و اعتراض کرنے والوں کے فکر کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ ان کی نظریں ظاہری مصنوعات کے جلوؤں میں محو ہو کر رہ جاتی ہیں۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ صرف پردوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر بے خود ہو جاتے ہیں۔ اس کی جستجو نہیں کرتے اور ان ساری باتوں کا تعلق قال سے نہیں، حال سے ہے۔ یعنی یہ صرف گفتگو سے سمجھانے کا معاملہ نہیں یہ حالت ہو جائے تو پھر سمجھا جاسکتا ہے۔ درد کی کیفیت کا پتہ اسی جسم کو ہوتا ہے جس کو درد لگا ہوا ہو۔

وہی جگہ گرم ہوتی ہے جہاں آگ جل رہی ہو

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چوں من شوی بدانی

عاشق سے کسی نے پوچھا عاشقی کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میاں! سوال کرنے والے تو مجھ جیسا ہو جا پھر سمجھ جائے گا کہ عاشقی کیا ہوتی ہے۔ باہر سے کھڑا ہو کر دیکھنے سے بلڈنگ میں موجود چیزوں کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ان چیزوں کا پورا علم تو اندر داخل ہو کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ دعویٰ تھا کہ زمین گول ہے مگر پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح گول ہے۔ خلائی جہاز وراکٹ میں جب خلانوردوں سائنسدانوں نے پرواز کی، بلندی پر پہنچے تو ان کو زمین گول نظر آئی۔ جیسے چاند، پھر دور بینی کیمرے سے اس کی تصویر لی۔ اگر سائنسدان پرواز نہ کرتے تو پتہ نہ چلتا کہ زمین کس طرح گول ہے۔ اگر آدمی کی اپنی گردن پر داغ و نشان ہو تو وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا اس کو اگر دیکھنا ہو تو دو صاف آئینے لائیں گے۔ ایک پیچھے رکھیں گے دوسرا سامنے پھر نشان نظر آئے گا۔

تو اب سمجھیں کہ عالم قدس کا شہباز پرواز بھی کرے گا اور لطائف کے آئینے بھی صاف ہوں گے تو حقائق وانوار نظر آئیں گے۔

اب ہم لطائف کا تعارف کراتے ہیں کہ لطائف کیا چیز ہیں؟ ایک عالمِ خلق ہے اور ایک عالمِ امر اور امر کا تعلق مجردات لطیفہ کے ساتھ ہے۔[161]

عالم خلق سے مراد عرش و کرسی، زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے، اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں۔ لطائف خمسہ قلب، روح، سِر، خفی، اخفیٰ ہیں جو عرش سے بھی ماورا بالاتر ہیں۔ مگر انسانی نفوس میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جیسے آئینے میں سورج کی شعائیں ہوتی ہیں۔[162]

---

[161] (تفسیر معارف القرآن، ۵۷۵:۳)

[162] (تفسیر مظہری ۳۱۵:۴)

ابن ابی حاتم نے روایت کیا، خلق تو ماتحتِ عرش ہے اور عالم امر مافوق عرش ہے۔ صوفیاء نے جو لطائف کو عالم امر سے کہا ہے اور اس کو فوق العرش بھی کہا ہے اس کی اصل ہے یعنی فوق العرش کی تفسیر یہی ہے کہ وہ مادیات میں سے نہیں۔ اس بنا پر صوفیاء کے ان احکام کی اصل سلف سے بھی معلوم ہوتی ہے۔[163]

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا عالم امر جسے عالم حیرت بھی کہتے ہیں اس کے ستہ (چھ) لطائف ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی بیان کئے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں اکثر مقامات پر لطائف خمسہ (پانچ) کاذکر فرمایا ہے۔ یہ لطائف انسان کے سینہ میں ہیں۔ مرشد کامل اس منزل کے راہی و طالب کو بتاتا ہے کہ یہ لطائف سینے کے کس کس مقام میں ہیں۔ ان لطائف کا مرکز تو عرش کے اوپر ہے۔ سینہ میں اس لئے رکھ دیئے گئے ہیں تاکہ انسان لطائف کے کمالات سے فیض یاب ہو سکے۔ جس طرح بجلی برقی رو کا مرکز پاور ہاؤس جینریٹر ہوتا ہے اور بلب مکان کے کمروں میں روشن ہوتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے یہ لطائف جاری ہوتے ہیں۔ ان کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے انوار و تجلیات نظر آتے ہیں۔ یاد الٰہی کا شوق و ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ ان کے انوار کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ لطائف جمع ہے لطیفہ کی جس کے معنی تصوف کی اصطلاح میں لطیف غیر مادی چیز ہے۔ مثلاً روح نفس وغیرہ مجردات وہ چیزیں ہیں جن کا ظاہری حواس خمسہ کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ادراک سے بالاتر ہے۔ مجردات کا لفظ محسوسات کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

---

[163] (تفسیر بیان القرآن تھانوی، صفحہ ۳۲۶)

قطب الاقطاب حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ عالم امر کے پانچ لطائف ہیں: قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ ان لطائف کا ظہور عرش کے اوپر ہے۔ سالک ان کو ترتیب وار طے کر کے سیر کرتا ہے۔ ان کا عروج دائرہ اسماء شیونات تک ہے۔ پھر فضلِ خداوندی سے ترقی ہو تو ان کے اصول دائرہ میں سیر واقع ہو گی۔ اس دائرہ و منزل کو طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس نورانی ظاہر ہو گی۔ اس کو بھی طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ منزلیں ختم نہیں ہوتیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس باطنی سیر کی نسبت مزید کیا لکھا جائے، درپردہ رہنے کے مناسب ہے۔ اس باطنی سیر کے حاصل ہونے کے لئے پچاس ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت کے آگے کچھ دور نہیں ہے۔ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ و گھڑی میں عطا فرما دے۔[164]

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب **احیاء العلوم جلد سوم** کے شروع میں کچھ لطائف کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: صوفیاء کرام نے ان لطائف کا اثبات کیا ہے اور ان کی تہذیب پر توجہ دی ہے۔ انہوں نے لطائف روح و سر پر زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔ صوفیاء نے تحقیق کی ہے کہ قلب کے دو رُخ ہیں: ایک رُخ جسم اور اعضاء پر نگران رہتا ہے اور دوسرا عالمِ تجرد کی طرف رہتا ہے۔

---

[164] (مکتوبات دفتر اول، ص ۱۶۴، مکتوب ۲۶۰، رسالہ مبدء و معاد صفحہ ۴۷)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: آدمی جب ذکر و فکر کرتا رہتا ہے اور ظاہر و باطن شریعت کے مطابق ہوتا ہے تو ہر ایک لطیفہ پر عبودیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس کی مثال اس درخت کی ہے جو پانی کی کمی کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس کو مناسب طریقہ پر پانی دیا جائے تو پانی اس کے پتہ پتہ میں سرایت کر کے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ وہ پھر سرسبز درخت بن جاتا ہے اور پھل دینے لگتا ہے۔ اسی طرح نور لطائف میں سرایت کر کے اپنا یہ اثر دکھاتا ہے کہ انسانی صفات کو صفات ملکیہ سے بدل دیتا ہے۔[165]

یہ بات اس عبارت سے سمجھ آئی کہ اولیاء اللہ جو کئی کئی روز کھانا نہیں کھاتے اور سوتے نہیں تو ان پر صفاتِ ملکیہ غالب ہوتی ہیں۔

عارف کامل حضرت سیدنا شیخ فضل احمد مجددی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لطائف خمسہ پر مرشد کی تعلیم سے ذکر کریں، انوار و تجلیات اور برکات کا نزول ہو گا۔

ودر مراقبہ ایں فکر کند کہ من ہیچ نیستم ہر چہ ہست اوہست۔[166]

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پنج حس بایکد گر پیوستہ اند   زانکہ ایں ہر پنج زاصلے رستہ بند

یعنی یہ پانچوں باطنی حس باہم ملے ہوئے ہیں، کیونکہ پانچوں ایک جڑ سے پیدا ہوئے ہیں۔

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں: ایک لطیفہ کی غذا دوسرے لطیفہ کے لئے بھی قوت بن جاتی ہے اور یہ لطیفہ باقیوں کو سیراب کرنے لگتا ہے۔ لطائف کی غذا ذکر و نور ہے۔[167]

---

[165] (حجۃاللہ البالغہ، جلد ۲ ص ۴۲۳-۴۱۹)

[166] (روضہ اولیاء فارسی ص ۱۹۷)

[167] (مثنوی رومی، دفتر ۲، ص ۳۰۵)

شرح پنج حس سے لطائف خمسہ مراد ہیں۔ ایک لطیفہ صاف ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے دیگر لطائف بھی صاف ہونے لگتے ہیں۔ لیکن حضرات نقشبندیہ کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر لطیفہ کو علیحدہ علیحدہ پاکیزہ و مصفی کراتے ہیں۔ پہلے ایک کے تصفیہ کی مشق کراتے ہیں پھر دوسرے کی پھر تیسرے کی۔ اسی طرح ترتیب سے پانچوں صاف ہو جاتے ہیں۔

واقف علم حقیقت حضرت عارف شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لطائف عشرہ پنج ازاں از عالم امر ند قلب وروح وسر وخفی واخفیٰ و پنج از عالم خلق ست نفس ، باد، خاک، آب، آتش واز تحت الثریٰ تا عرش عالم خلق ست و بالائے آں عالم امر۔ [168]

لطائف دس ہیں، پانچ ان میں عالم امر کے ہیں: قلب وروح وسر وخفی واخفیٰ اور پانچ ان میں عالم خلق کے ہیں: نفس و ہوا و خاک و پانی و آگ، اور تحت الثری سے عرش تک عالم خلق ہے اور عرش کے اوپر عالم امر ہے۔

اکابرِ دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جسم انسانی میں لطائف کے مقامات انوار و برکتوں سے پُر ہیں۔ جب لطیفہ قلبی کی مشق کامل ہو جائے تو باقی لطائف کی الگ الگ مشق کرنی چاہیئے۔ کلمہ طیبہ کا ذکر کریں۔ [169]

مولوی اسماعیل دہلوی "صراط مستقیم" کے اندر لطائف کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں انہوں نے لکھا کہ پہلے چاہیئے کہ ہم لطائف کو ذکر سے جاری کریں اور ان کو ذاکر بنائیں۔ مرید باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش بیٹھ کر لطائف کی تعلیم حاصل کرے اور ہر لطیفہ کا جداگانہ نور ہے۔ مراقبہ

---

[168] (دار المعارف ص ۲۰)

[169] (ضیاء القلوب، صفحہ ۴۶)

میں آدمی روحانی سیر کرتا ہے۔ اولیاء کرام کی ارواح اور ملائکہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اپنی قوتِ ادراک و استعداد کے مطابق آسمانی عجائبات دیکھتا ہے۔[170]

اور اسی کتاب میں کئی قسم کے مراقبات اور ذکر دوضربی، سہ ضربی اور چہار ضربی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

مفسر علامہ عبد الحق حقانی لکھتے ہیں: قدرت نے انسان کو جس طرح محسوسات کے ادراک کے لئے حواس عطا کئے ہیں اسی طرح عالم روحانی کے ادراک کے لئے لطائف عطا کئے ہیں جو سر سے نیچے سینہ میں ہیں۔ مگر ان کی تعلیم اور ان میں ترقی اور ان کے انوار کی کیفیات روحانی معلم یعنی مرشد کے بغیر میسر نہیں آتیں اور روحانی معلم ہادی بھی ایسا ہو جو انبیائے کرام کے طریق پر ہو۔

ان لطائف سے صدہا ایسی چیزیں بھی نظر آیا کرتی ہیں جو دوربین یا کسی آلہ سے دیکھی نہیں جاتیں۔ اپنی روح کو بھی عیاناً دیکھا جاتا ہے اور عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے بہت سے درجات ہیں۔ صفاتِ باری میں مراقبہ اور ان کے انوار و آثار کی تجلیات کا ظہور روح پر انہی انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ روح کی طاقت اجسام کی طاقت سے بڑھ جاتی ہے بڑے بڑے کام ہونے لگتے ہیں جو ظاہری اسباب پر مبنی نہیں ہوتے جن کو کرامت و خارقِ عادات کہتے ہیں۔[171]

---

[170] (صراط مستقیم ص ۱۶۵-۱۸۳)

[171] (مقدمہ تفسیر حقانی، ص ۲۷)

مولانا محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی لکھتے ہیں: پانچ لطائف عالم امر یعنی ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں قلب روح وغیرہ، اور پانچ عالم خلق سے یعنی ناسوت سے۔ عالم خلق کے لطائف یہ ہیں: نفس اور عناصر اربعہ یعنی ہوا، مٹی، پانی، آگ۔[172]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لطائف پر ایک پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "**القطائف من اللطائف**" ہے۔ اس میں سے ہم چند عبارات نقل کرتے ہیں حکماء وصوفیاء فرماتے ہیں: انسان مرکب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام اجزاء مادی نہیں بلکہ بعض اجزا مادی ہیں اور بعض غیر مادی۔ اس قدر پر تو حکماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔ آگے اختلاف ہے۔ حکماء نفس ناطق کے غیر مادی ہونے کے قائل ہیں اور صوفیاء کے نزدیک اجزائے غیر مادی متعدد اور کئی ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ، انہی اجزاء خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے۔

بعض صوفیاء اس میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور لطائف ستہ (چھ) کہتے ہیں: یہ لطائف حادث ہیں بالذات بھی اور بالزمان بھی۔ ان لطائف کے ذریعے انوار نظر آتے ہیں۔ لطائف ذکر بھی کرتے ہیں، ذاکر وصوفی اس کو سنتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ (اسراء: ۴۴)

ترجمہ: "اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے۔"

لطائف بھی اشیاء ہیں ذکر کر سکتے ہیں، ہر چیز مصروفِ حمد و ثنا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ کھانا تسبیح کرتا تھا۔[173]

---

[172] (مفاح العولم ج ۱ ص ۱۹۰)

[173] (صحیح بخاری)

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر درود و سلام بھیجتا تھا۔[174]

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لکڑی کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر منبر بنا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ جدائی و ہجر میں وہ ستون رویا تو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس پر دست کرم پھیر کر تسلی دی۔[175]

ان احادیث سے جماد کا کلام کرنا اور تسبیح کرنا ثابت ہے مگر اس تسبیح کو عام لوگ نہیں سن سکتے۔

ایک حدیث میں بھی لطائف کے متعلق اشارہ ہے:

ثم وضع يده على ناصية ابی محذورہ ثم أمر على وجهه من بين ثديه الخ۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنا دست مبارک ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر رکھا پھر اپنے دست مبارک کو ان کے چہرے پر لے گئے، پھر سینے پر اور ایک نسخہ میں ہے کہ جگر پر بھی رکھا پھر ناف پر رکھا پھر دعا دی اللہ تجھے برکت دے۔[176]

لطائف کے مقامات پر حضور پُر نور شافع یوم النشور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے برکت دینے کے لئے دست مبارک پھیرا خواہ غرض کچھ بھی تھی، تو ان مقامات کا متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔[177]

---

[174](مسلم)

[175](صحیح بخاری)

[176](سنن ابن ماجہ صفحہ ۵۲)

[177](بوادر النوادر تھانوی، ص ۲۱۱)(بحوالہ رسائل خمسہ تالیف صاحبزادہ خیر محمد بھوروی، ص ۲۷۹ تا ۳۱۴)

ابھی ذکرِ اسمِ ذات لطائف پر کیسے کریں گے؟

صاحبِ مدارج السلوک فرماتے ہیں کہ لطائف عالمِ امر کے پانچ اسباق ہیں: قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ۔ گویا یہ پانچ سیڑھیاں ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد عالمِ خلق کے دو سبق ہیں: لطیفۂ نفس اور لطیفۂ قالبیہ جس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں۔ یہ کل سات لطائف کہلاتے ہیں۔ ان سات لطائف پر سبق کرنے سے انسان سات سیڑھیاں اوپر چڑھ چڑھ جاتا ہے، یعنی اپنے محبوب کے قریب ہو جاتا ہے۔ ہم اس بات کو واضح کرنے کے لئے اپنے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات میں سے کچھ عبارات پڑھتے ہیں تاکہ بات بھی آپ کے دل میں بیٹھ جائے اور مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے ہمیں برکتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

لطائف پر اسمِ ذات کا ذکر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۱۱۳ ہے، اس کو ذرا سنیے گا:

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگالے اور پوری توجہ کے ساتھ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو جائے (یعنی شیخ نے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کیا تھا، اس جگہ پر لطیفہ قلب ہوتا ہے، چونکہ اس کی خاص شکل ہوتی ہے تو اس کو قلب صنوبری کہہ دیا) جو کہ بائیں پہلو میں واقع ہے اور یہ قلبِ صنوبری قلبِ حقیقی کا آشیانہ ہے جو کہ عالمِ امر سے ہے اور اس کو حقیقتِ جامع بھی کہتے ہیں (ہمارا اصل قلب تو عالمِ امر کی چیز ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسانوں کے "بین اصبعین من اصابع الرحمٰن"[178] اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اب دو انگلیوں کے درمیان دل سے مراد یہ لوتھڑا نہیں ہے۔ وہ قلب تو حقیقی قلب ہے، یہ لوتھڑا اس کا سایہ سمجھ لیجئے،

---

178 (مسند احمد: جلد ۲، ۱۷۳۲)

اس کا ظل سمجھ لیجئے، یا اس کا آشیانہ سمجھ لیجئے۔ ہمارے سینے میں گوشت کا لوتھڑا ہے، اصل قلب اس کے اندر روح کی مانند ہے جو حقیقی چیز ہے۔) اور لفظ مبارک ''اللہ'' کو دل میں خیال کے طور پر گزارے اور دل کی زبان سے اس بزرگ لفظ کو دل کی صورت کا تصور کیئے بغیر کہے (یعنی دل کی صورت کا تصور نہیں کرنا کہ دل صنوبری شکل کا ہے، بس بغیر کسی ایسے دھیان کے اللہ کا ذکر کرے) اور سانس کو نہ روکے اور ذکر کہنے میں زبان کو کسی طرح کا دخل نہ دے، سانس حسب معمول آتا رہے اور لفظِ مبارک اللہ سے بے مثل ذات مراد لے اور اس کی کسی صفت کو ملحوظ نہ رکھے تا کہ ذات کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آجائے اور تنزیہ سے تشبیہ کی طرف مائل نہ ہو جائے (کیا عجیب بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس وقت دھیان نہ کرے کیونکہ اس وقت تو ذات کا دھیان ہوتا ہے اور ذات صفات سے بلند ہے، اس لئے فقط ذات کا تصور کر کے اللہ کا مبارک نام اپنے دل سے گزاریں، اس کو مراقبہ کہا جاتا ہے۔)

تو پہلے لطیفۂ قلب پر یہی سبق کرتے ہیں۔ پھر جب شیخ دوسرا سبق دے دیتا ہے تو لطیفۂ روح پر مراقبہ کرتے ہیں، پھر سر۔۔۔ پھر خفی۔۔۔ پھر اخفیٰ۔۔۔ پھر نفس اور قالبیہ۔ یہ سات لطائف ہیں ان کے ذکر کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے، لیکن پہلے کے بعد دوسرا سبق، اسی طرح فنا اور بقا بھی پہلے کے بعد دوسرے کی، پھر تیسرے کی آتی ہے۔

اب اسی کو ایک اور بزرگ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''آپ نے یہ بھی پوچھا ہے کہ ذکرِ اسمِ ذات لطائف میں اپنی فکر اور توجہ سے جاری ہوتا ہے یا متواتر لطائف پر خیال رکھنے سے جاری ہوتا ہے؟ بھائی جان! مقصود بالذات ان ہر دو طریقوں سے

اونچا ہے لیکن اس قدر ضرور ہے کہ ابتدائے سلوک میں ذکر اسمِ ذات ہر لطیفے کے اندر اس وقت جریان کرتا ہے کہ جب سالک کامل توجہ سے ذکر کرتا ہے۔"

یعنی پہلے تو بیٹھنا پڑتا ہے اور بہ تکلف یہ ذکر کرنا پڑتا ہے، بعد میں بے تکلف ہو جاتا ہے، سالک کو اس کی عادت ہو جاتی ہے، اس کو پھر حضور دائمی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ سات قدم ہیں

چونکہ عالمِ امر و خلق کے سات لطائف ہیں، تو ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اللہ رب العزت تک پہنچنے کا راستہ سات قدم ہیں چونکہ سات لطائف ہیں تو ہر لطیفہ اگر ایک قدم ہو تو کل سات قدم ہوئے۔ پھر اگلی سیر اسماء و صفات، شیونات اور ذات میں ہوتی ہے۔ یہ اس سیر سے پہلے کے اسباق ہیں۔ ان سات قدم پر حضرت امامِ ربانی مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی خوبصورت بات لکھی ہے۔ مکتوبات مجدد الف ثانی، جلد اول، مکتوب ۵۸ میں فرماتے ہیں:

میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں، انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق کل سات قدم ہے، دو قدم عالمِ خلق ہیں جو کہ قالب یعنی بدنِ عنصری اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے ہٹانے پڑتے ہیں۔ خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَ ظُلْمَۃٍ "بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں"

اب دیکھیئے! ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث مبارکہ سے اس کی سند پیش کی ہے! یہ حدیثِ قدسی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشکوۃ شریف میں مروی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ

علیہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک طویل حدیث میں بیان کیاہے۔ اب بتائیں کہ محدّثین فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، تو حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ستر ہزار پردے نور یا ظلمت کے ہیں ان کو ہٹانا پڑتا ہے، اب ان ستر ہزار پردوں کو ہم تو نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے مشائخ رحمھم اللہ تعالیٰ کو جنھوں نے حقیقت کو سمجھنا آسان کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک لطیفہ میں فنا حاصل کروگے تو دس ہزار پردے ہٹیں گے، سات لطائف پر فنا نصیب ہو جائے تو یہ سارے پردے ہٹ جائیں گے، پھر تجلی ذات نصیب ہونا شروع ہو جائے گی۔

شش جہات سے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی کیا مراد تھی

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ قلب کی دو جہتیں ہوتی ہیں جب کہ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شش جہات ہوتی ہیں یعنی چھ جہتیں ہوتی ہیں تو اب اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ پہلے مشائخ چونکہ نفس کی اصلاح کے ذریعہ سے سلوک طے کراتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ قلب روح اور نفس کے درمیان کی چیز ہے تو لہذا قلب کی دو جہتیں ہوئیں، ایک جہت اس کی روح والی اور دوسری جہت اس کی نفس والی ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں چونکہ سات لطائف ہیں، ایک قلب ہوا اور باقی چھ ہوئے، تو شش جہات کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر لطیفہ کا قلب کے ساتھ ایک تعلق ہے، لہذا ہمارے مشائخ کے نزدیک قلب شش جہات ہے۔ ہر لطیفہ کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہے۔ جتنے لطائف ہیں آخر ان کا تعلق قلب کے ساتھ بنتا ہے۔

اس لئے تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ:

"اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ"[179]

"بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جاتا ہے"۔

پس حدیث کے مطابق اگر دل سنور گیا تو سارا جسم سنور گیا کہ لطائف کے سنورنے سے تو دل ہی سنورتے ہیں۔ ہمارے مشائخ کی بات کا حدیث پاک سے ثبوت بھی مل گیا۔ الحمدللہ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مبداء و معاد میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہتیں ہوتی ہیں لیکن میرے آئینے کی (یعنی قلب کی) چھ جہتیں ہیں۔ یقیناً آج تک اس بزرگ خاندان کے کسی خلیفہ نے بھی اس کلمۂ قدسیہ کی کوئی تشریح بیان نہیں کی، بلکہ اشارہ اور کنایہ میں بھی کسی نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ اس حقیر اور کم مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسکی شرح و بیان میں لب کشائی کرے اور اس کی توضیح میں زبان کھولے لیکن چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمہ کا راز اس حقیر پر کھول دیا ہے اور اس کی حقیقت کو جیسا کہ چاہیئے واضح فرما دیا ہے لہٰذا دل میں آیا کہ اس چھپے ہوئے نایاب موتی کو بیان کی انگلیوں سے تحریر کی لکیر میں پرودوں اور ترجمانی کی زبان سے معرضِ تقریر میں لے آؤں۔ استخارہ کرنے کے بعد اس بارے میں تحریر کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے استدعاء کرتا ہوں کہ وہ غلطی سے محفوظ رکھے اور بیان کی توفیق عطاء فرمائے۔" (آمین)

---

[179] (بخاری: رقم الحدیث ۵۲)

آگے فرماتے ہیں کہ:

”جاننا چاہیئے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان ایک برزخ ہے۔ (جیسے پہلے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ دل درمیان میں ہے، ایک طرف روح اور دوسری طرف نفس ہے) اور بزرگوں نے آئینے کی دونوں جہتوں سے اس کی روح والی جہت اور نفس والی جہت مراد لی ہے۔ لہٰذا مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو جب مقامِ قلب پر رسائی ہوتی ہے تو اس کی دونوں جہتیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں۔“

برخلاف اس طریقہ کے جس میں حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ خصوصی امتیاز رکھتے ہیں، اور اس مقام میں چونکہ انتہاء ابتداء میں مندرج ہوتی ہے، لہٰذا اس طریقہ میں آئینۂ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہو جاتی ہیں اور اس کی تشریح یہ ہے کہ کارکنانِ قضاو قدر نے اکابرینِ طریقۂ عالیہ پر یہ بات منکشف فرمائی ہے کہ چھ لطائف میں سے جو کچھ افرادِ انسانی کے مجموعے میں موجود اور ثابت ہے، وہ سب تنہا قلب کے اندر بھی متحقق ہے کیونکہ چھ جہتوں سے مراد یہ چھ لطیفے لئے گئے ہیں۔

ہر لطیفہ کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی

شیخ سالک کے جسم میں متعین جگہ پر انگلی رکھ کر ہر لطیفہ کو جاری کرتا ہے، وہ اس کی ظاہر کی جگہ ہے لیکن عالمِ امر میں بھی اس کی جگہ ہے تو گویا ہر لطیفہ کا ظاہر بھی ہوا اور اس کا باطن بھی ہوا۔ مکتوبات مجددیہ، دفتر دوم، مکتوب ۹۳ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بلکہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفے کی ظاہری صورت بھی ہے اور باطنی حقیقت بھی۔ جس طرح عنصرِ خاک ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی، اسی طرح اخفیٰ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی، اور یہ باطن جو کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے روز بروز اعمالِ صالحہ کے توسل سے بلکہ

محض خداوند جل سلطانہ کی بخشش سے اس باطن سے جو کہ اسمِ قیوم کے ساتھ وابستہ ہے، آہستہ آہستہ ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور سوائے ظاہرِ صرف کے جو کچھ بھی ہے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔"

یعنی سالک کا باطن اللہ رب العزت کے اسم القیوم کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، چونکہ القیوم نے ہی تو پوری دنیا کو اپنی جگہ پر تھاما ہوا ہے۔ پس باطن کا تعلق وہاں عالمِ امر میں جڑ جاتا ہے مگر ظاہر یہاں عالمِ خلق میں موجود ہوتا ہے۔

عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطائف کا تعلق

عالمِ خلق کے لطائف کے ساتھ عالمِ امر کے لطائف کا تعلق ہے۔ وہ ایسے کہ عالم امر کے پانچ لطائف ہیں، لیکن عالمِ خلق کے دو لطائف ہیں، لیکن قالبیہ چار عناصر (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) کا مجموعہ ہے۔ اگر ہر ہر عنصر کو الگ الگ کر دیں تو نفس کے ساتھ ملا کر وہ بھی پانچ ہو جاتے ہیں لہٰذا پانچ عالمِ امر کے لطائف اور پانچ عالمِ خلق کے لطائف ہیں، اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہے۔ وہ اس طرح کہ:

- قلب کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔
- روح کا تعلق ہوا کے ساتھ ہے۔
- سِر کا تعلق پانی کے ساتھ ہے۔
- خفی کا تعلق آگ کے ساتھ ہے۔
- اور اخفیٰ کا تعلق خاک کے ساتھ ہے۔

مکتوباتِ معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۴ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"عالمِ خلق کے یہ لطائفِ خمسہ عالمِ امر کے لطائفِ خمسہ کی اصل ہیں۔ لطیفۂ نفس کا معاملہ لطیفۂ قلب کے معاملے کی اصل ہے اور لطیفۂ آب (پانی) کا معاملہ لطیفۂ سِر کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ نار (آگ) کا معاملہ لطیفۂ خفی کے معاملے کی اصل ہے، اور لطیفۂ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفۂ اخفیٰ کے معاملے کی اصل ہے۔"

لطائف کے مختلف رنگ

آگے مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۵۳ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صوفیا کے قول پر قلب کا نور زرد اور روح کا سرخ اور سِر کا نور سفید اور خفی کا نور سیاہ اور اخفیٰ کا سبز ہے۔"

اصل بات تو یہ ہے کہ انوارات کے رنگوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے کہ کونسا رنگ ہے۔ ہمیں رنگوں سے کیا واسطہ؟ مقصود تو فائدہ ہے، رنگ چاہے جو بھی ہو لیکن یہ رنگ کیوں ہوتے ہیں؟ ان کی مثال روشنی کے سات رنگوں کی سی ہے۔ الگ الگ کرنوں سے روشنی کے سات رنگ بنتے ہیں، پھر یہ سب مل کے روشنی کہلاتے ہیں اور یہ وہ روشنی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں۔

اسی طرح ہر لطیفے کے اوپر الگ رنگ کا نور اترتا ہے:

- لطیفۂ قلب کے اوپر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ زرد ہے۔
- لطیفہ روح کے اوپر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سرخ ہے۔
- لطیفہ سِر پر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سفید ہے۔

- لطیفہ خفی پر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سیاہ ہے۔
- لطیفہ اخفیٰ پر جو نور اترتا ہے، اس کا رنگ سبز ہے۔

یہ مختلف انوار مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کشف کی نظر سے دیکھے اور انہوں نے ان کو قلمبند کیا۔ کسی کو نظر آئے تو بھی ٹھیک ہے، کچھ بھی نظر نہ آئے تو بھی ٹھیک ہے، اتنا کافی ہے کہ نور لطیفے کے اوپر اتر جائے۔

یاذکرِ قلبی افضل ہے یا خوارق و کرامات؟

آگے مکتوبات معصومیہ دفتر اوّل مکتوب ۵۰ میں ایک بہت ہی پیاری بحث فرمائی ہے کہ کیا ذکرِ قلبی خوارق و کرامات سے افضل ہے؟ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) "عوارف المعارف" میں خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ: "ان سب خوارق کا مرتبہ قلب کو ذکر کے ساتھ آراستہ کرنے اور ذکرِ ذات کے وجود کے مرتبہ سے بہت نیچے ہے۔"

جو عام مادی قسم کی کرامات صادر ہوتی ہے، ان کی تو شریعت کی نظر میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ ایسے خوارقِ عادات تو جادوگروں سے بھی صادر ہو جاتے ہیں، ہندوؤں کو بھی یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ خوارقِ عادات کا ظاہر ہونا کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، لیکن قلب کا زندہ ہو جانا یہ انوکھی بات ہے۔ یہ فقط اللہ والے ہی کر سکتے ہیں اور اس میں دل کے نور کو دخل ہے، لہٰذا قلب کا جاری ہو جانا باقی تمام کرامتوں سے بڑی کرامت ہے۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خادم تھا، صاحبِ نسبت بھی تھا اور عاشقِ صادق بھی تھا۔ وہ ایک مرتبہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو ملنے کے لئے مسکین پور جا رہا تھا۔ وہ ملتان شہر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا کہ گاڑی کے ذریعے سے سفر طے کروں

گا، لیکن پتہ چلا کہ گاڑی تو چلی گئی۔ اب وہ پریشان کھڑا تھا، ایک اور شخص بھی ساتھ تھا۔ اتنے میں ریلوے لائن پر ایک ٹھیلہ آیا جو ریلوے لائن کی مرمت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، ان کے پاس اپنا انجن ہوتا ہے اور اس کے ساتھ انہوں نے ٹھیلہ لگایا ہوتا ہے، اور وہ چل کے راستے میں دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کہاں لائن ٹھیک ہے اور کہاں مرمت کی ضرورت ہے۔ اب اس نے اس اسٹیشن پر آگے جانا تھا تو وہ دونوں ساتھی انجن والے کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ بھئی! آپ ہمیں بھی ساتھ لے جائیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو کیسے لے جاؤں؟ میں تو سواری کو نہیں لے جاسکتا۔ یہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ انجن چلانے والا ڈرائیور انجن کو چلاتا ہے تو انجن چلتا نہیں۔ کافی دیر کوشش کے باوجود انجن چلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں اس ڈرائیور کو خیال آیا کہ یہ جو شخص پلیٹ فارم پر کھڑا ہے اس سے ہی دعا کروالی جائے۔ تو ڈرائیور نے اس سے کہا کہ آپ دعا کریں یہ انجن چل جائے تو میں آپ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ جب اس نے یہ کہا تو وہ عاشق صادق انجن کے قریب گئے اور زور سے "اللہ" کے نام کی ضرب لگائی: "اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔ اللہ"، تین دفعہ انہوں نے انجن پر توجہ ڈالی اور پھر جب ڈرائیور نے چلایا تو انجن چل پڑا۔ پھر یہ بھی وہاں بیٹھ گئے اور منزل پر پہنچ گئے۔ جب حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے صاحب نے کارگزاری کے طور پہ سنایا کہ حضرت راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور یہ جو ہمارے ساتھی ہیں انہوں نے انجن کو توجہ دی تو وہ چل پڑا، تب ہم یہاں پہنچے۔ ان کی بات سن کر خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پہ ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے کہا کہ ہم نے تمہیں جو نعمت دی تھی یہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے تھی، تم نے اس کو مادہ کے اوپر کیوں استعمال کیا؟

سبحان اللہ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب کا جاری ہونا باقی تمام کرامات سے بڑی کرامت اور نعمت ہے۔

لطائف کے اصول میں سیر

عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں، جبکہ ان کے اصول عالمِ خلق میں ہیں۔ جب سیر ہوتی ہے تو اپنے اصول میں سیر ہوتی ہے۔ مکتوبات مجددیہ دفتر اول، مکتوب ۲۵۷ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے، اس کی سیر کی ابتدا "قلب" سے ہے جو کہ "عالمِ امر" سے ہے اور قلب کی سیر سے گزر کر مراتبِ روح ہیں جو اس سے اوپر ہیں اور روح سے گزرنے کے بعد معاملہ سِر کے ساتھ ہے جو اس سے اوپر ہے اور اسی طرح خفی و اخفٰی کا حال ہے۔ ان لطائفِ پنجگانہ کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ علیحدہ علوم و معارف حاصل کرنے کے بعد اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کے متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہے، سیر واقع ہوتی ہے، کیونکہ جو کچھ بھی عالمِ صغیر میں ہے، اس کی اصل عالمِ کبیر میں موجود ہے۔"

عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے مراد یہ پوری کائنات ہے۔ عالمِ صغیر میں عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں، جو ہمارے سینے میں ہیں اور ان کی اصل ہوا، پانی، آگ اور مٹی، وہ باہر کی کائنات یعنی عالمِ کبیر میں ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ عالمِ صغیر کی سیر پہلے ہوتی ہے، پھر اس کے بعد عالمِ کبیر کی سیر ہوتی ہے۔

جدید سائنس اور لطیفۂ نفس اور قالبیہ

سات لطائف میں آخری لطیفہ سلطان الاذکار کہلاتا ہے اور اس کا اصل نام لطیفۂ قالبیہ ہے۔ قالب پورے جسم کو کہتے ہیں یعنی اس سبق پر انسان کا پورا جسم ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مقام ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے وسطِ سر یعنی سر کے درمیان متعین کیا ہے۔ اللہ کی شان کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کشف کی نظر سے دیکھ کر لطیفۂ نفس کا مقام پیشانی میں رکھا ہے اور اب دماغ کے اوپر ماڈرن ریسرچ میں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انسان کے دماغ کا جو حصہ پیشانی کی طرف ہے، انسان کے تکبر، عجب کا سارا معاملہ اسی جگہ سے وابستہ ہے۔ غور کیجئے کہ سائنس کی دنیا چودہ سو سال کے بعد تجربات کے ذریعہ اس جگہ کو پہچان رہی ہے، اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال سے پہلے کشف کی نظر سے پہچان لیا تھا کہ انسان کے اندر عجب و تکبر کا مبداء سب کا سب پیشانی کے اندر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ لطیفۂ نفس پیشانی میں ہے اور نفس کو ہی توجھکانا تھا، اس لئے فرمایا کہ بندہ میرے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب اپنے سر کو اس نے زمین پر ٹکایا ہوتا ہے، یعنی نفس کو پامال کیا ہوتا ہے۔ بندہ نفس کو پامال کرنے کی انتہاء کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اٹھانے کی انتہاء فرماتا ہے۔ فرمایا:

"اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ"[180]

"نماز مؤمن کی معراج ہے۔"

---

180 (النیسابوری فی تفسیرہ والسیوطی فی شرح ابن ماجہ)

سائنس نے ایک چیز اور بھی بتائی کہ انسان کے دماغ میں جسم سے جتنے مختلف پیغام آتے ہیں، ان کی دائیں طرف کی تاریں (نسیں) بائیں طرف جاتی ہیں، اور بائیں طرف کی دائیں طرف آتی ہیں لیکن سر کے درمیان میں وہ تاریں ایک جگہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ انسان کے دائیں اعضاء کو دماغ کا بایاں حصہ کنٹرول کرتا ہے اور بائیں اعضاء کو دماغ کا دایاں حصہ کنٹرول کرتا ہے تو یہ ساری کی ساری تاریں درمیان میں ایک جگہ اکٹھی ہوتی ہیں اور اسی کو ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے لطیفۂ قالبیہ کہا ہے۔ آج سائنس کی دنیا اس کو ثابت کر رہی ہے، جبکہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کشف کی نظر سے بلکہ اللہ کے فضل سے اور توفیق سے اس کو پہلے دیکھ لیا تھا کہ پورے جسم کے کنٹرول کا مرکز وسطِ سر ہے۔

دیگر سلاسل کے مشائخ نے بھی لطائف کی تصدیق کی

چنانچہ مشائخ "لطیفہ قالبیہ" کے سبق کی نشاندہی سر کے وسط میں انگلی رکھ کر کرتے ہیں اور جب یہ لطیفہ جاری ہو جاتا ہے تو پورا جسم ذکر کرتا ہے۔

"وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ" (بنی اسرائیل: ۴۴)

"اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔"

جو کوئی بھی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔ جب انسان اپنے اوپر محنت کرتا ہے تو اس کا بھی جسم ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے، اللہ اکبر کبیرا! جب یہ ذکر ملتا ہے تو انسان کے روئیں روئیں سے اور انگ انگ سے اللہ اللہ کی آواز آئے صدا آئے۔ یہ بات ہی عجیب ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو سلطان

الاذکار کہا گیا یعنی باقی اذکار کا بھی یہ سردار بن جاتا ہے کہ پورا جسم ہی ذکر کر رہا ہے، سبحان اللہ! سالک سراپا ذکر بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ! پنجابی میں کہتے ہیں:

رانجھا رانجھا کردیاں میں آپ وی رانجھن ہوئی

یہ وہی بات ہے کہ اللہ اللہ کرتے کرتے پورا جسم اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے، سبحان اللہ! ایک زبان سے ہی ذکر نہیں ہوتا بلکہ پورے جسم کا انگ انگ اللہ اللہ کرتا ہے اور یہ وہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس میں بندہ کے اوپر استغراق کی کیفیت آجاتی ہے، ایک بے خودی کی کیفیت ہوتی ہے۔

یہ نعمتیں صرف نقشبندی سلوک کے بزرگوں کو ہی نہیں، بلکہ جتنے مشائخِ سلاسل ہیں ان سب کو نصیب ہوتی ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے بارے میں مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۲۳۱ میں لکھا ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا کہ "ایک روز حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے حقائق و معارف کا ذکر ہو رہا تھا، سلطانِ ذکر کے بارے میں بات چلی تو صدرِ مجلس نے سوال کیا کہ اب تک اس نام کے ساتھ کوئی ذکر سنا نہیں گیا ہے اور کتابوں میں بھی نظر سے نہیں گزرا، کیا یہ بات اولیائے سابقین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے یا ان کی کوئی حالت ہے۔" میرے مخدوم! سلطانِ ذکر ہمارے طریقے میں مشہور و معروف اور عام ہے اور ہم اس کو اپنے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے سنتے آئے ہیں، ہماری اختراع نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے بزرگوں کی طرف سے ہے۔ (قطبِ عالم) حضرت شیخ عبد القدوس (گنگوہی قدس سرہ) جو کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے قریبی زمانے میں ہندوستان کے اکابر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے گزرے ہیں، آخر عمر میں ان پر استغراق و بے خودی

غالب آگئی تھی، چنانچہ اکثر اوقات استغراق میں رہتے تھے۔ نماز کے اوقات میں ان کو بلند آواز سے بیدار کیا جاتا تھا، (آگے پیچھے بے خودی اور جب الصلوۃ! الصلوۃ! کہتے تو ہوش میں آجاتے اور کھڑے ہو کے نماز پڑھتے اور نماز کے بعد پھر وہی بے خودی)۔ لوگوں نے ان سے اس کا راز دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے دل کو ذکر سے بہت کوٹا ہے، اس لئے سلطانِ ذکر ہر وقت غالب رہتا ہے اور مجھ کو اپنے آپ سے بے خود کر دیتا ہے۔ (یعنی میرے اوپر اتنا غالب رہتا ہے کہ مجھ کو مجھ سے چھین لیتا ہے، اللہ!)

لطائف کی حکومت اور احوال کا پیش آنا

ایک یہ بھی کیفیت ہے کہ بسا اوقات سالک کے اوپر تھوڑے وقت کے لئے کچھ کیفیات آتی ہیں، پھر وغائب ہو جاتی ہیں، مستقل نہیں رہتیں۔ مبداء و معاد (مِنہا: ۱۵) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ مختلف لطائف ہیں اور ان کی فنا چلتی ہے تو کبھی انسان پر کوئی کیفیت آتی ہے، کبھی کوئی کیفیت آتی ہے۔ اس لئے وہ کیفیت جس لطیفہ کے فنا کی ہوتی ہے، سب میں وہی رنگ آجاتا ہے۔ باقی لطائف میں بھی وہی کیفیات کچھ وقت کے لئے آجاتی ہیں مگر اس کے بعد پھر وہ اگلے لطیفہ کی فنا ملنے کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ اس لئے کیفیتیں آتی ہیں اور زائل ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکومت اور غلبہ کی مدت جداگانہ ہوتی ہے۔ پھر اگر وارد ہونے والی حالت ان میں سے لطیف ترین پر وارد ہوتی ہے اور کوئی قوی حالت اس پر نزول کرتی ہے تو سالک کی مجموعی کیفیت (کلیت) اسی لطیفہ کے رنگ میں رنگ جاتی ہے اور وہی

حالت تمام لطیفوں میں سرایت کر جاتی ہے اور جتنے عرصے تک اس لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے، یہی حالت باقی رہتی ہے اور جب اس لطیفہ کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے۔"

لطائف خمسہ کا لطیفۂ نفس سے متحد ہونا

حضرت شیخ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو علامہ اشرف علی تھانوی دیوبندی نے تیرھویں صدی کا مجدد لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے خلفاء سے بہت کام لیا۔ ان کے خلفاء کرام مختلف ریاستوں میں چلے گئے تھے اور جو ریاستوں کے نواب تھے، ان کے اوپر محنت کر کے انہوں نے ان سے دین کو قائم کروایا اور اس زمانے میں دین کو زندہ کیا، اس لئے ان کو تیرھویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔ ان کے ملفوظات در المعارف (بروز منگل ۱۰ جمادی الاولی ۱۲۳۱ھ) میں ان کے خلیفہ رؤوف احمد رافت مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لطائف کے ایک ہونے سے مراد ہے، ہر لطیفے کی سیر مکمل ہونا۔ ہر ایک لطیفہ اپنے بعد کے لطیفہ سے اتحاد کرتا ہے، یعنی لطیفہ قلبی کی انتہا لطیفہ روح کی ابتداء سے جڑی ہوئی ہے، اسی طرح باقی کو لطائف کی ترتیب کے لحاظ سے قیاس کرو۔ پس جو سالک ایک لطیفہ کو مکمل کرتا ہے، وہ دوسرے میں قدم رکھتا ہے اور اس کی سیر کو شروع کرتا ہے۔"

یعنی قلب جب جاری ہو جاتا ہے، اس کی جو انتہاء ہے وہ لطیفۂ رُوح کی ابتداء سے جڑی ہوئی ہے، پھر روح شروع ہو جاتا ہے پھر روح میں ترقی ہوتی ہے تو وہ پھر سر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔۔۔ پھر وہ خفی کے ساتھ۔۔ پھر وہ اخفیٰ کے ساتھ۔۔۔ اور وہ نفس کے ساتھ۔ تو گویا یہ پانچوں لطائف بالآخر نفس کے ساتھ متحد ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایک سبق مکمل ہوا تو اگلے کی سیر شروع ہو گئی۔

لطیفہ قلب کی سیر ''توحیدِ وجودی''، لطیفہ نفس کی سیر ''توحیدی شہودی'' ہے

شاہ غلام دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۵ شعبان ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

'' توحیدِ وجودی حالات کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے، یعنی لطیفہ ٔ قلب کی سیر میں، اور توحیدِ شہودی لطیفہ نفس کی سیر میں۔''

یہ ایک بڑی گہری سی بات ہے مگر اتنا ہی بتانا کافی ہے کہ چونکہ پہلے لطیفہ ٔقلب میں مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو بہت کمال حاصل ہوتا تھا تو ان پر ایسی کیفیت ہوتی تھی کہ ان کو ہر طرف اللہ ہی کی نشانیاں نظر آتی تھیں حتیٰ کہ درخت کے پتوں سے ان کو ذکر سنائی دیتا تھا، اللہ کا نام ہر جگہ لکھا نظر آتا تھا۔ میر درد کا شعر ہے:

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
توہی آیا نظر جدھر دیکھا

تو اس کو انہوں نے ''توحیدِ وجودی'' کہہ دیا لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں: ''ہمہ اوست'' کہ سب وہی ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اصل ہے: ''ہمہ از اوست''، کہ سب اسی سے ہے۔ جس چیز کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ خدا نہیں ہے یہ تو مخلوق ہے۔ اس کا نام انہوں نے ''توحیدِ شہودی'' لیا تو اس کی تفصیل میں وہ کہتے ہیں کہ جب لطیفہ ٔقلب کی فنا کی تکمیل ہوتی ہے تو ''توحیدِ وجودی'' کی کیفیت بندے پر آتی ہے، لیکن جب اس کو لطیفہ ٔنفس کی انتہاء اور فنا مل جاتی ہے، تو پھر اس کے اندر ''توحیدِ شہودی'' کی کیفیت آجاتی ہے اور حقیقت اس پر کھل جاتی ہے۔

کون سا لطیفہ فنا اور بقا سے متحقق ہوتا ہے

فنا اور بقا ہر لطیفہ میں ہوتی ہے لیکن ان تمام لطائف میں زیادہ اہمیت لطیفۂ قلب کی ہے اور قلب کی اصل لطیفۂ نفس ہے تو اصل میں فنائیں دو ہی ہیں: لطیفۂ قلب کی فنا اور لطیفۂ نفس کی فنا۔ قلب کی فنا پہ انسان کو ولایتِ صغریٰ ملتی ہے اور لطیفۂ نفس کی فنا پر انسان کو ولایتِ کبریٰ ملتی ہے مگر چونکہ قلب نفس کے ساتھ متعلق ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ اصلِ فنا تو لطیفۂ نفس ہی کی ہے یعنی اصل تو نفس کو ہی مارنا ہے۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ:

بڑے موذی کو مارا، نفس امارہ کو گر مارا

اصل مقصود تو یہی ہے کہ نفسِ امارہ مطمئنہ بن جائے، تو وہ اس طرح ہے کہ لطیفۂ قلب کی فنا ابتداء میں ملتی ہے اور لطیفۂ نفس کی فنا انتہا میں ملتی ہے، لیکن نفس قلب کے ساتھ چونکہ متعلق ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ اصل فنا لطیفۂ نفس کی فنا ہے۔

اس بارے میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۵۳ میں فرماتے ہیں:

"اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف بکثرت ہیں، کیا وہ سب کے سب فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہوتے ہیں یا بعض، پھر وہ بعض کون سے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ وہ لطیفہ جو ان سے متحقق ہوتا ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف قول "انا" سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ پس یہی ابتداء میں برائی کی طرف بلانے والا اور آخر میں مطمئنہ ہو جاتا ہے، ابتدا میں وہ حق جل شانہ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور انتہاء میں حق تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے، اور یہی بروں میں سب سے برا

اور نیکوں میں سب سے زیادہ نیک ہے، اس کی شرارت ابلیس کی شرارت پر سبقت لے گئی اور اس کی نیکی اہلِ تسبیح و تقدیس (ملائکہ) کی نیکی سے بھی بڑھ گئی ہے۔"

سبحان اللہ! بگڑ جائے تو شیطان سے برا اور سنور جائے تو فرشتوں سے بھی اونچا۔ اللہ اکبر کبیرا!

نفس عالمِ امر کا سردار ہو جاتا ہے

مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۹۷ میں ایک عبارت لکھی ہے، بہت دلچسپ ہے:

"نفس جب اوصافِ رذیلہ سے پاک ہو جاتا ہے، تو ہمسری اور انانیت کے دعویٰ سے بری اور تائب ہو جاتا ہے اور مطمئنہ و مقبول ہو جاتا ہے اور آیت کریمہ "رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا" (النساء:۷۵) (اے ہمارے رب! ہمیں اس ظالموں کی بستی سے نکال دے) کے مقتضا کے مطابق اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے اور گناہوں کی زمین سے ہجرت کر جاتا ہے، خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا۔ [181] (تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جب کہ انہوں نے (دین کو) سمجھ لیا ہو") کے مطابق عالمِ امر کے لطائف کا سردار ہو جاتا ہے اور تختِ صدر پر قرار پکڑ کر تسلط قائم کر لیتا ہے، جب اپنی ہستی و انانیت سے غربت و نیستی میں آیا اور خواہشات و تعلقات سے خالی و یکسو ہو گیا اور ان چیزوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دیا اور موت و عدم ہونے کے ساتھ موافقت کر لی تو حق تعالیٰ نے اس کو اس عزت کے ساتھ نوازا اور خلعتِ سلطنت کے ساتھ مشرف فرمایا۔ "فَانْظُرْ اِلٰی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" (الروم:۵۰) (پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد کس

---

181 (بخاری:۳۴۹۲)

طرح زندہ کرتا ہے) اس وقت اوصافِ ذمیمہ و اخلاقِ سیئہ کی بجائے اوصافِ حمیدہ و اخلاقِ حسنہ اس کو عطا ہو جاتے ہیں کہ اس سے نیکی کے سوا اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی اور وہ حق کی طرف بلاتا ہے۔ ”فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِہِمْ حَسَنَاتٍ وَّ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا“ (الفرقان: ۷۰) (وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔)

اب تک ہم یہی سمجھتے رہے کہ صرف گناہ نیکیوں میں بدلتے ہیں، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر نفس جیسے گناہگار کو اچھا بنا کر نیکیوں کا سردار بنا دیتا ہے۔ سبحان اللہ!

نماز کے دوران لطائف کا حال

دستور یہ ہے کہ نماز کے دوران انسان ذکر کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذات کی طرف متوجہ ہو چونکہ ذکر نیچے کا درجہ ہے اور وہ غائب کے لئے کیا جاتا ہے لیکن مشاہدہ حاضر کا ہوتا ہے، اور نماز میں تو مشاہدہ کی کیفیت ہوتی ہے، اس لئے ذکر کے بجائے ذات کی طرف دھیان کی کیفیت ہو لیکن اس میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ جن کے ذمہ فنا اور بقا کا کام مکمل ہو کر لوگوں کی رشد و ہدایت کا کام ہوتا ہے، ان کی جتنی بلندی ہوتی ہے یعنی عروج ہوتا ہے، ان کا اس کے بعد نزول بھی سب سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اتنا نزول ہو جاتا ہے کہ عام بندہ محسوس بھی نہیں کر سکتا کہ یہ عام بندہ ہے یا کوئی خاص اور اس پر وہ دلیل دیتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کا عروج سب سے زیادہ تھا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کا نزول بھی کائنات میں سب سے کامل تھا۔

اس لئے تو کافر کہتے ہیں:

"مَالِ هٰذَاالرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاق"(الفرقان:۷)

"یہ کیسے رسول ہیں؟ کھانا کھاتے ہیں اور راستوں میں چلتے ہیں"

ان کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی زندگی بالکل عام نظر آتی تھی، وہ فرماتے ہیں کہ اصل میں بلندی یہ ہوتی ہے کہ ظاہر بالکل عالمِ اسباب کے مطابق ہو مگر باطن ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا ہو تو وہ کافر لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے، وہ تو ظاہر بین لوگ تھے، وہ صرف ظاہر کو دیکھتے تھے۔ اس لئے باہر سے جو لوگ آتے تھے ان کو پوچھنا پڑتا تھا:

مَنْ مِنْکُمْ مُحَمَّد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم؟

آپ میں سے اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کون ہیں؟

اتنی ظاہر کی زندگی عام زندگی تھی۔ اس کی وجہ کیا تھی کہ جتنا عروج کامل تھا اتنا ہی نزول کامل تھا۔ اب وہ فرماتے ہیں جب اتنا نزول کامل ہو تو پھر ایسے بندہ کی نماز کے وقت توجہ الی اللہ کیسے ہو گی؟ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مبدا ء و معاد (منہا ۸) میں فرماتے ہیں:

"نماز ادا کرتے وقت جو کہ مؤمن کی معراج ہوتی ہے، صاحبِ رجوع کے لطائف کی توجہ بارگاہِ جل سلطانہ کی طرف رہتی ہے، نماز کے فارغ ہونے کے بعد وہ پھر اپنی پوری ذات کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ البتہ فرائض اور سنتوں کو ادا کرتے وقت چھ کے چھ لطائف (عالم امر و نفس) بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور نوافل کو ادا کرتے وقت ان لطائف میں سے صرف وہی لطیفہ متوجہ رہتا ہے جو ان سب میں لطیف تر ہوتا ہے۔"

سب کے سب لطائف کی پرواز اونچی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اوپر نماز کے اندر ایک کیفیت ہوتی ہے جیسے کہ تحریمہ سے پہلے کوئی اور جہاں تھا اور تحریمہ کے بعد کوئی

دوسرا جہاں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفل میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ نفل میں صرف ایک لطیفہ کو عروج ملتا ہے اور اس لطیفہ کو لطیفہ قلب کہتے ہیں مگر ایک لطیفہ کا تو رہتا ہی ہے، اس لئے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم فرمایا کرتے تھے:

قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ فِیَ الصَّلٰوۃِ۔[182]

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"

چونکہ اللہ کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے، مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم فرماتے ہیں کہ رشد و ہدایت کا کام تو اللہ کا حکم ہے، مگر اللہ سے محبت والا بھی معاملہ ہے، اور وہ مشاہدہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے کہ میرے محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

نماز میں لطائف کی پرواز سے متعلق کچھ باتیں تھیں جو اس وقت آپ کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ اللہ رب العزت ہمیں باطن کی یہ نعمتیں عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں صرف قال کے بجائے حال بھی عطا فرمائے۔ آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔[183]

ثبوتِ لطائف

بعض منکرینِ تصوف کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ مواضع جو صوفیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں لطائف سے معبر ہے اور اذکار و مراقبات کے لئے ان لطائف و مواضع کو متعین کئے ہوئے ہیں، تو کیا ان لطائف و مواضع کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے یا نہیں؟

---

182 (نسائی شریف:۱،۶۱)

183 بحوالہ مدارج السلوک

ان لطائف ومواضع کا ثبوت قرآن مجید میں ہے۔

ثبوت لطیفہ قلب

پہلا لطیفہ، لطیفۂ قلب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (الحجرات:۳، پ ۲۶)

"بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا محل جسمِ انسانی کا دل ہے کیونکہ تمام بدن کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُم۔ (الحجرات:۷)

"لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُم (البقرہ:۲۲۵)

"اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں، ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے۔"

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا و جزا کا تعلق لطیفہ قلب سے ہے اس لئے تو بندہ اس قسم پر عند اللہ ماخوذ ہے جو قصد قلب سے ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ (البقرہ ۷)

"اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی"

ارشادی باری تعالیٰ ہے:

بَلْ رَأنَ عَلٰیٰ قُلُوْبِھِم (المطففین ۱۴)

"بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)

"اسے روح الامین لے کر اُترا، تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ"

فثبت من ھذہ الایات ان موضع الجھل و الغفلۃ و العلم ھو القلب لان القلب فی الحقیقۃ مخاطب لانہ موضع موضع التمییز و الاختیار و اما سائر الاعضاء فمسخرۃ لہ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القیٰ السمع و ھو شھید۔

"پس ان آیات سے ثابت ہوا کہ جہل، غفلت اور علم کی جگہ بدن انسانی میں قلب ہے۔ اصل میں مخاطب حقیقی قلب ہے اس لئے کہ یہ تمیز و اختیار کی جگہ ہے اور دیگر اعضاء اس کے قابو میں ہیں۔ اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے متوجہ ہو کہ (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنَّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد ۲۸)

"سن لو، اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء: ۸۹،۸۸)

"جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔"

جس طرح سالم اور بے داغ اللہ نے دیا تھا کہ گناہ کرنے اور شغل دنیاوی کی وجہ دل داغ دار ہوتا ہے کمافی الحدیث۔

فائدہ: ان آیات کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امینِ وحی و نبوت اور خزانۂ اسرارِ الٰہیہ غیبیہ صرف انسان کا دل ہے اور یہ دل تجلیات باری تعالیٰ کا محل ہے جب انسان اپنا دل صاف رکھے تو وہ دل مسکنِ تجلیات بن جاتا ہے اور تمام اخلاقِ رزائل دل سے خارج ہوتے ہیں اور دل اللہ کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔

قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم فی جسد بنی آدم لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب۔

"رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً بنی آدم کے بدن میں ایک لو تھڑا ہے جب وہ صالح (درست) ہوتا ہے تو پورا بدن صالح ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو پورا بدن فاسد ہوتا ہے خبر دار وہ دل ہے۔"[184]

قال الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ: و معلومة ان العقل فی القلب و لان التکلیف مشروطة بالعقل و الفهم قال اللہ تعالیٰ (اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـئُوْلًا (الاسراء ۳۶)) و قرن اللہ تعالیٰ بذکرہ السمع و البصر لانهما آلتان للقلب فی تادیه صور المحسوسات و المسموعات۔

---

184 (رواہ بخاری تفسیر مظہری ص ۳۹۲:۷)

ترجمہ: "امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معلوم بات ہے کہ عقل قلب میں ہوتی ہے، اس لئے تکلیف شرعی بھی عقل و فہم کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی" دِل کے ساتھ سماعت اور بصارت اس لئے پیوست کیا کہ یہ دونوں دل کے آلات ہیں جو محسوسات اور مسموعات کی صورتوں کو دل میں لے آتے ہیں۔"[185]

ثبوت لطیفہ روح

قال اللہ تعالیٰ: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (بنی اسرائیل ۸۵)

"اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں، تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔"

قال اللہ تعالیٰ: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر ۲۸)

"تو جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں۔"

تعریف روح

دل عليه الكتاب و السنة و اجماع الصحابة و ادلة العقل انها جسم مخالف بالماهية لهذا الجسم المحسوس وهو جسم نورانی علوی خفيف حی متحرک ينفذ فی جوهر الاعضاء ويسری فيها سريان الماء فی الورد وسريان الدهن فی الزيتون و النار فی الفحم۔

"کتاب و سنت اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عقلی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ روح ایک جسم ہے جو اس محسوس جسم سے ماہیت میں مخالف ہے، یہ ایک نورانی علوی باریک زندہ

---

185 (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۹۰)

متحرک جسم ہے جو انسانی اعضاء میں اس طرح نفوذ کرتا ہے جیسا کہ ورق گلاب میں پانی اور زیتون کے دانوں میں تیل اور انگاروں میں آگ۔"[186]

وقال قوم هو جسم لطيف يحيى به الانسان وقيل الروح معنى اجتمع فيه النور والطيب والعلم والبقاء الاترى انه اذا كان موجودًا يكون الانسان موصوفا بجميع هذه الصفات واذا خرج منه ذهب الكل۔[187]

ترجمہ: ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ روح ایک لطیف جسم ہے جس سے انسان زندہ رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ معنوی چیز ہے جس میں نور خوشبو علم برتری اور بقاء جمع کئے گئے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب یہ موجود ہوتی ہے تو انسان مذکورہ صفات سے متصف ہوتا ہے اور جب یہ نکل جاتی ہے تو یہ تمام صفات نکل جاتی ہیں۔

سر، خفی اور اخفیٰ کا ثبوت قرآن سے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى (طٰہٰ۷)

"اور اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔"

وقال العلامة العارف بالله تعالىٰ محمد اسماعيل حقى رحمه الله تعالىٰ السر باصطلاح اهل التحقيق لطيفة فوق القلب وهو معدن اسرار الروحانية والخفى لطيفة بين الروح والحضرة الالٰهية وهو مهبة انوار الربوبية وجملتها المشاهدات والمكاشفات وحقائق العلوم الدينية۔[188]

---

186 (روح المعانی ج۱۵ ص۱۵۵)

187 (تفسیر خازن ۳:۱۹۰)

188 (روح البیان)

"علامہ عارف باللہ محمد اسماعیل حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سِر اہل تحقیق کی اصطلاح میں ایک لطیفہ ہے جو قلب کے اوپر ہے، یہ اسرار روحانی کا خزانہ ہے اور خفی روح اور حضرت الہیہ کے درمیان ایک لطیفہ ہے جو انوار ربوبیت کا مہبت (جائے نزول) ہے من جملہ اس میں سے مشاہدات، مکاشفات اور حقائق علوم دینیہ ہیں۔"

دیوبندیوں کے "حکیم الامت" مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھاہے: لطائف چھ ہیں مطلب یہ کہ انسان کے جسم میں چھ جگہیں ایسی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انوار وفیوضات اور برکاتِ کثیرہ کا محل ہیں، پہلا لطیفہ قلب ہے، جو بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے برابر ہے۔ اور عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں: قلب، روح، سِر، خفی اور اخفی۔"

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

وبلسان الاشارۃ بیوت اللہ عبارۃ عمایذکر فیہ الحق من النفس و القلب و الروح و السر و الخفی فذکر بیت النفس الطاعات و ذکر بیت القلب التوحید و المعرفۃ و ذکر بیت الروح الشوق و المحبۃ و ذکر بیت السر المراقبۃ و الشھود و ذکر بیت الخفی بذل الوجود و ترک الموجود۔[189]

"اور اشارات کی زبان میں بیوت اللہ سے مراد یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے یعنی نفس، قلب، روح، سِر اور خفی۔ بیت نفس کا ذکر طاعات ہیں اور بیت قلب کا ذکر توحید اور معرفت ہے، بیت روح کا ذکر شوق و محبت ہے، اور بیت سِر کا ذکر مراقبہ اور شہود ہے، بیت خفی کا ذکر اپنے وجود کو صرف کرنا (نظروں سے محو کرنا) اور موجود کو ترک کرنا۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[189] (المرقات ۱:۲۷۱)

وقد انکشف علی ارباب القلوب من المجردات القلب والروح والسر والخفی والاخفی واللّٰہ تعالیٰ اعلم بخلقه۔[190]

''کہ اربابِ قلوب پر مجردات میں سے قلب، روح، سر، خفی اور اخفی کا انکشاف ہو چکا ہے۔''

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے جان لو۔ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہان میں نیک بخت کر دے کہ پانچ اجزاء عالمِ امر میں سے قلب، روح، سر، خفی اور اخفی ہیں جو کہ عالمِ صغیر انسانی کے اجزاء ہیں مگر اس کے اصول عالمِ کبیر میں ہیں جو کہ عناصر اربعہ کے رنگ میں ہیں۔ یہ انسانی اجزاء ہیں جو کہ عالم کبیر میں اپنے اصول رکھتے ہیں، ان اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو کہ لامکانیت سے موصوف ہیں اسی سے یہ بات نکلی ہے کہ عالم امر کو لامکانیت کہتے ہیں۔[191]

اعلم ان اللّٰہ تعالیٰ خلق فی الانسان ستة لطائف بل عشرة الخمسة منها من عالم الأمر۔ وهی القلب والروح والسر والخفی والاخفی والخمسة من عالم الخلق وهی النفس والعناصر الاربعة واختلفوا فی انها اعتبارات وجهات النفس الناطقة او حقائق علٰیحدة بحيالها ذهب قبلتنا الروحانی المجدد للالف الثانی الی ان اللطائف الستة هی حقائق منفردة بحيالها کما هو ظاهر کلامهٖ وکلام اتباعهٖ وذهب الشیخ ابن العربی الاندلسی الی انها اعتبارات وجهات النفس الناطقة وتبعه کثیر من العلماء ثم لکل لطیفة من هذه اللطائف ارتباط بعضو من الجسد فالقلب تحت الثدی الایسر باصبعین۔ والروح تحت الثدی الایمن بحذاء القلب والسر فوق الثدی الایسر مائلًا الی وسط الصدر والخفی فوق الثدی الایمن مائلًا الی الوسط والاخفی فوق الخفی والسر فی الوسط والنفس فی البطن الاول من الدماغ وتسمیة هذه المواضع باسم اللطائف مجازا من قبیل تسمیة المحل باسم الحال کما فی قوله

---

190 (تفسیر مظہری، ۷-۴۳۳:۱)

191 (مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم، ص ۹۰، ج ۱)

تعالیٰ (وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ(آل عمران ۱۰۷)) الایة۔ ای فی جنة اللّٰہ التی تحل فیها الرحمة۔[192]

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں چھ لطائف پیدا کئے ہیں بلکہ دس ہیں ان میں سے پانچ عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں جو قلب، روح، سِر، خفی، اور اخفیٰ ہیں اور پانچ کا تعلق عالم خلق میں سے ہے، وہ نفس اور عناصرِ اربعہ (باد، خاک، آب، آگ) ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صرف تعبیرات ہیں اور نفس ناطقہ کی مختلف جہتوں کے نام ہیں یا ہر ایک علیحدہ وجود بھی رکھتا ہے تو ہمارے روحانی قبلہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ لطائف ستہ (چھ لطائف) اپنی ذات میں الگ الگ حیثیت کے حامل حقائق ہیں، جیسا کہ یہ بات ان کے کلام سے واضح ہے اور ان کے متبعین کا بھی یہی مذہب ہے اور شیخ ابن عربی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ تعبیرات اور نفس ناطقہ کی مختلف جہات ہیں اور ان کی متابعت بہت سے علماء نے کی ہے۔ ان میں سے ہر لطیفہ کا انسانی اعضاء میں سے کسی ایک کے ساتھ ربط و تعلق ہے۔ قلب بائیں پستان سے دو انگل کے برابر نیچے ہے۔ روح دائیں جانب پستان کے نیچے ہے جو کہ قلب کے متوازی ہے اور سِر بائیں پستان کے اوپر وسط صدر کی جانب مائل ہے اور خفی دائیں پستان کے اوپر وسط صدر کی طرف مائل ہے اور اخفیٰ خفی اور سر کے اوپر وسط صدر میں ہے اور نفس دماغ کے بطن اول میں ہے۔ ان مواضع کا نام لطائف کے نام سے مجازی ہے جو حال کے نام سے محل کو موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور جن کے چہرے سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔“یعنی جنت میں ہوں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت جاری وساری ہو گی۔“

---

192 (قطب الارشاد ج ا ص ۴۳۸، بحوالہ التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، ص ۱۷۸)

لطیفہ نفس کا ثبوت

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہیں:

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ الْاَمَّارَۃَ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (یوسف ۵۳)

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بناتا، بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم کرے میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ۔ (القیامۃ ۲)

”اور جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔“

یَااَیَّتُھَالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃ (۲۷) اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃ (الفجر ۲۸)

”اے اطمینان والی جان، اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی۔“

تعریفِ نفس

النفس ھی الجوھر البخاری اللطیف الحامل لقوۃ الحیاۃ والحس والحرکۃ الارادیۃ وسماھا الحکماء بالروح الحیوانیۃ فھو جوھر مشرق للبدن فعند الموت ینقطع ضوءہ عن ظاھر البدن وباطنہ واما فی وقت النوم فینقطع عن ظاھر البدن دون باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لان الموت ھو الانقطاع الکلی والنوم ھو الانقطاع الناقص فثبت ان القادر الحکیم دبر تعلق جوھر النفس بالبدن علی ثلاثۃ اضربٍ الاول ان بلغ ضوء النفس الی جمیع اجزاء البدن ظاھرہ وباطنہ فھو الیقظۃ وان انقطع ضوءھا عن ظاھرہ دون باطنہ فھو النوم او بالکلیۃ فھو الموت۔

"نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوت حیات احساس وشعور اور حرکت ارادی کا حامل ہے، اسے حکماء نے روحِ حیوانی کا نام دیا ہے، یہ بدن کو حیات سے منور کرتا ہے، موت کے وقت اس کا یہ نور بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں اس کا یہ نور ظاہر بدن سے منقطع ہوتا ہے نہ کہ باطن سے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند اور موت کی جنس ایک ہی ہے اس لئے کہ موت کلی انقطاع بدن کے ساتھ تین طریقوں سے تدبیر دی ہے۔

(۱) نفس کی روشنی بدن کے تمام ظاہری اور باطنی اجزاء میں پہنچے یہ بیداری کی حالت ہے۔(۲) ظاہر سے منقطع ہو اور باطن سے منقطع نہ ہو، یہ نیند کی حالت ہے۔(۳) بالکلیہ تعلق ختم ہو جائے، یہ موت ہے۔"[193]

لطائف کے انوار

لطیفہ قلبی کا نور سرخ اور روحی کا زرد ہوتا ہے اور بعض لوگ اس کے برعکس، یعنی قلبی کا زرد اور روحی کا سرخ بتاتے ہیں۔ لطیفہ سری کا نور سفید ہوتا ہے، اور لطیفہ خفی کا نور سیاہ، لطیفہ اخفٰی کا نور سبز ہوتا ہے جبکہ لطیفہ نفسی کا خاکی ہوتا ہے۔

قطب الارشاد میں ہے:

"ثم لکل لطیفة منها نور یظهر فی عالم المثال عند صفائها و ظهور ذٰلک النور علامة صفائها فنور القلب احمر و نور الروح اصفر و نور السر ابیض و نور الخفی اسود و نور الاخفی اسود غایة السوداء و قیل اخضر و نور النفس علی لون رمادی۔"[194]

---

193 (التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، صفحہ ۱۸۰)

194 (قطب الارشاد ج ا ص ۴۳۸، بحوالہ التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، ص ۱۷۸)

”پھر ہر لطیفہ کا اپنا نور ہے جو اس کی صفائی کی وجہ سے عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے اور اس نور کا ظہور اس کی صفائی کی علامت ہے۔ نورِ قلب سرخ ہے، نورِ روح زرد ہے، نورِ سر سفید ہے، نورِ خفی سیاہ ہے اور اخفیٰ کا نور بہت زیادہ سیاہ ہے، کسی نے کہا ہے کہ سبز ہے اور نفس کا نور خاکی رنگ کا ہے۔“

علمِ باطن اور علمِ تصوف کا حصول فرضِ عین ہے

تمام بڑے ائمہ کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اور صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اس علم کے حصول سے مشرف ہوئے۔ بہت سی احادیث مبارکہ سے بھی علم باطن ثابت ہے، اور اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ علم تصوف نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔(البقرۃ ۱۲۹)

(یعنی نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے باطن کا تزکیہ فرماتے ہیں)۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔(الکھف ۶۵)

ترجمہ: اور ہم نے خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطاء کیا تھا۔

یہی عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احسان سے موسوم تھا۔

جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: بینما نحن جلوس عند رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یریٰ علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا احد حتی جلس الی النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع کفیہ علی فخذیہ و قال یا محمد صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ، اخبرنی عن الاسلام، فقال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم الاسلام ان تشہد ان لا الہ الا اللّٰہ و انّ محمداً رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا، قال: صدقت فعجبنا لہ یسألہ و یصدقہ۔ قال فاخبرنی عن الایمان۔قال: ان تؤمن ب اللّٰہ و ملٰئکتہٖ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ قال صدقت۔ قال فاخبرنی عن الاحسان۔قال: ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نہایت سفید کپڑوں اور بالکل سیاہ بالوں والا آدمی نمودار ہوا کہ جس پر سفر کے اثرات نظر نہیں آتے تھے اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے بیٹھا اور اپنے گھٹنوں کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے گھٹنوں مبارک کے ساتھ کیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے رانوں پر رکھ کر کہا کہ اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مجھے اسلام کے متعلق خبر دیجئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں اور تو نماز پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر، رمضان میں روزہ رکھا کر اور زادِ راہ کی موجودگی میں حج بھی ادا کر تو اس نے کہا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے سچ کہا تو ہم نے تعجب کیا کہ ایک طرف سوال پوچھتا ہے اور دوسری طرف تصدیق کرتا ہے۔اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور کتب خداوندی اور رسولوں پر اور یوم آخرت اور تقدیر خیر و شر

پر یقین رکھے۔ پس اس نے کہا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم نے سچ کہا پھر کہا مجھے احسان کے بارے میں بتائیں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تم اسے دیکھتے ہو، اور اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے۔ الحدیث (امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاربعین میں مذکورہ حدیث بخاری اور ابن ماجہ سے روایت کی ہے)۔[195]

قال العلامة البلخی رحمه الله تعالیٰ ومشکوٰة وغیره فی شرحه: الاحسان راجع الی اتقان العبادات ومراعاة حقوق الله ومراقبة واستحضار عظمته وجلالته حال العبادات۔ وهذا حال اولیاء الله العارفین رحمه الله تعالیٰ الصارفین اوقاتهم لافضل الاعمال واحسن الاحوال من محاسبة النفس و دوام ذکر الله و تصفیة القلب ومراقبة الاعمال ومکاشفة الحضور والاحوال۔

ترجمہ: علامہ بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مذکور کی شرح میں فرمایا ہے کہ احسان عبادات کے اتقان، حقوق اللہ کی مراعات مراقبۃ اللہ تعالیٰ، اللہ کی عظمت اور عبادات کے وقت اللہ تعالیٰ کی جلالت کو پیش نظر کرنا ہے یعنی احسان ان مذکور اشیاء سے عبارت ہے۔ یہ مرتبہ احسان جو حدیث شریف میں ذکر ہوا اولیاء اللہ کا حال ہے جو عارفین رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور اپنے اوقات بہترین احوال و اعمال کیلئے صرف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرکے اور ہر وقت اللہ کا ذکر کرکے اور اپنے دل کو (امراض باطنہ سے) صاف کرتے ہیں اور اعمال حسنہ کے منتظر رہتے ہیں۔

(الی ان قال بعد ذالک فی صفحة ١١) واما العلم اللدنی الذی یسمون اهلها بالصوفیة الکرام رحمه الله تعالیٰ فهو فرض عین لان ثمراتها تصفیة القلب عن اشتغال بغیر الله تعالیٰ واتصافه بدوام الحضور وتزکیة النفس عن رزائل الاخلاق من العجب والکبر والحسد وحب الدنیا والکسل فی الطاعات وغیرها۔ (قال به القاضی ثناء الله الفانی فتی رحمه الله تعالیٰ

[195] (ذکره النووی رحمه الله تعالیٰ فی الاربعین بروایة البخاری وابن ماجه)

فی تفسیر المظھری و ارشاد الطالبین و تصانیفہ الاخریٰ قال بہ الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضا۔ وقال بہ المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الشیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ ایضا۔

ترجمہ: اس کے بعد صفحہ ۱۱ پر رقم طراز ہیں کہ علم لدنی، جس کے حاملین صوفیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں قلب ماسویٰ اللہ سے صاف ہو جاتا ہے اور دوام حضور سے متصف ہو جاتا ہے اور نفس اخلاقِ رزیلہ سے صاف ہوتا ہے جیسا کہ عجب تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی وغیرھا۔ تصوف کی فرضیت پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ مظہری اور ارشاد الطالبین وغیرھما کتابوں میں تصریح فرمائی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی اس پر اقوال موجود ہے۔

وفی کفایۃ الاتقیاء صفحہ ۲۲۱ ورکعۃ من عارف رحمہ اللہ تعالیٰ افضل من الف رکعۃ من عالم غیر عارف ولا عبرۃ لانکار بعض المبتدعۃ لانھم شاھدوا فی انفسھم لم یجدوا احدا متصفا بالکرامۃ والخوارق والمواجید والاحوال لوقوعھم فی الزیغ والضلال فوقعوا فی انکار التصوف واھلہ ویحسبون انھم علی ھدی من ربھم کما ھو داب جمیع الفرق الضالۃ۔

ترجمہ: کفایۃ الاتقیاء کے صفحہ ۲۲۱ پر مذکور ہے کہ عارف رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک رکعت نماز غیر عارف عالم (عالمِ ظاہر) کی ایک ہزار رکعت سے بہتر ہے اور تصوف سے بعض مبتدعین کے انکار کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی بھی کرامت، خوارق اور مواجید و احوال سے متصف نہیں ہے کیونکہ وہ مبتدعین کجروی اور گمراہی میں گھرے ہوئے ہیں تو تصوف اور اہلِ تصوف کا انکار کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی جانب سے ہدایت پر ہیں۔ جیسا تمام گمراہ کن فرقوں کا یہی طریقہ ہے۔

واخذالتصوف کثیر من الثقات کابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ و تصوف الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ من ہبیرۃ البصری رحمہ اللہ تعالیٰ و الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ من بشر الحافی رحمہ اللہ تعالیٰ و الامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ من داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ و الامام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ من حاتم الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کذافی جواھر الغیبی ایضا صفحہ ۲۳۲ ، و اخذ التصوف الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ و الجامی رحمہ اللہ تعالیٰ و النابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ و الشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ و الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ و الدمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ و السید سند الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ و الشیخ عبد الحق الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ و العلامۃ علی القاری المکی رحمہ اللہ تعالیٰ و خلائق اعلام لایحصون من زمن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم الی الاٰن بالتواتر الغیر منقطع۔[196]

ترجمہ: اور علم تصوف بہت سے بزرگان دین نے اخذ کیا ہے جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقت اخذ کی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہبیرہ بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصوف اخذ کیا ہے۔ یہ مسئلہ جواہر غیبی صفحہ ۲۳۲ پر مذکور ہے۔ نیز امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا عبد الرحمن جامی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ شیخ عبد الغنی نابلیسی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ، سید سند جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ ملا علی قاری مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اعلام اور دوسرے بے شمار لوگوں نے تصوف اخذ کیا ہے۔ نبی اکرم صَلَّی

[196] (شرح اربعین للبلخی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۱۰، ۱۱، ۱۲)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے زمانہ مقدسہ سے لیکر آج تک یہ معاملہ تواتر غیر منقطع سے جاری ہے۔

اور یہی علم باطن نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے سینہ مقدسہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو استعدادات کے موافق حاصل ہوتا تھا جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ **ماصب اللہ شیئاً فی صدری الا صببتہ فی صدر ابی بکر۔**[197] تو مذکورہ حدیث شریف سے تصرف باطنی، توجہ، سرایت فیض اور علوم باطنی کی تدریس ثابت ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی علم باطن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں ثابت ہوتا ہے، ارشاد ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفظت من رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم وعائین (ای من العلم) فاما احدھما فبثثتہ فیکم و اما الاٰخر فلو بثثتہ لقطع ھذا البلعوم (ای الحلقوم)۔[198]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے دو اقسام کے علوم سیکھے۔ ایک کو میں نے تم پر ظاہر کر دیا ہے اور دوسرے کو ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔

تو اس حدیث شریف میں بھی علم کی قسم ثانی سے مراد علم باطن اور علم اسرار ہے۔

---

[197] (الحاوی للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

[198] (رواہ البخاری)

جیسا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث مذکور کی شرح میں اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۷۷، ج ۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

"وگفتہ اند کہ مراد بہ اول علم احکام و اخلاق است کہ مشترک است میان خواص و عوام وثانی علم اسرار کہ محفوظ و مصون است از اعیار از جہت باریکی و پوشیدگی آن وعدم وصول فہم ایشان بدان و مخصوص است بہ خواص از علماء باللہ از اھل عرفان رحمہ اللہ تعالیٰ"۔

اور بعض شارحین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم ثانی سے مراد اخبار فتن اور فساد دین وغیرہ مراد لیا ہے لیکن محدث موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ص۱۷۷ پر کچھ آگے فرماتے ہیں:

"پوشیدہ نماند کہ اگر مراد این قائل نفی علم باطن ووجود حقائق واسرار است کہ فہم عوام بدان نرسد و افشائے آن مصلحت وقت نباشد وصلاح روزگار بعض مخاطبان درآن نبود بے شک در دائرہ علم ایں چنین علمہا است پس مکابرہ است۔ و اگر گوید علم حقائق واسرار ثابت است واقع است لیکن در حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشارہ بچیزے دیگر است کہ گفتہ شد نہ بان علم۔ بوجود قرآئن کہ مذکور شد ونیز تخصیص ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدان باوجود دیگران از عظمائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعدم فہم ایشان آنرا و حکم کردن بقتل او خالی از بعدے نیست این سخن دیگر است۔[199]

---

[199] (اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۷۷، ج ۱)

تو معلوم ہوا کہ علم باطن احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حدیث مذکور کی شرح میں **مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۳ جلد ۱** پر رقمطراز ہیں:

فاما احدھما وھو علم الظاھر من الاحکام والاخلاق فبثثتہ ای اظھرتہ بالنقل فیکم واما الاخر وھو علم الباطن فلو بثثتہ (ای نشرتہ وذکرتہ لکم بالتفصیل) قطع ھذا البلعوم بضم الباء ای الحلقوم لان اسرار حقیقۃ التوحید مما یعسر التعبیر عنہ علی وجہ المراد ولذا کل من نطق بہ وقع فی توھم الحلول والالحاد اذ فھم العوام قاصر عن ادراک المرام ومن کلام الصوفیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: صدور الاحرار قبور الاسرار۔

ترجمہ: پس ان دونوں (علوم) میں سے ایک علم ظاہر ہے جو کہ احکام اور اخلاق کا علم ہے میں نے تمہارے درمیان شائع کیا یعنی نقل کے ذریعے تم پر ظاہر کیا اور دوسری قسم کا علم جو کہ علم باطن (اسرار اور دقائق) کا علم ہے اگر میں اسکو بھی شائع کر دوں یعنی اسے نشر کروں اور آپکو تفصیلاً بیان کروں تو میرا حلق کاٹ دیا جائیگا (بلعوم باء کی پیش سے حلقوم کو کہتے ہیں) کیونکہ حقیقت اسرار سے حقیقی مراد پر تعبیر کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے لہٰذا جس کسی نے اس سے تعبیر کیا ہے تفصیلاً تو حلول اور الحاد کے توہم میں واقع ہوا ہے کیونکہ عوام کا فہم مقصود کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ احرار (عارفین رحمہ اللہ تعالیٰ) کے سینے اسرار خداوندی کیلئے قبور ہوتے ہیں۔[200]

---

[200] (مرقات ص ۳۱۳، ج ۱)

یعنی اسرار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ اسماء وصفات کے متعلق علوم و معارف بیان کرتے ہیں اور اسرار کے بیان میں اجمال اور رمز و اشارہ سے کام لیتے ہیں) اگرچہ توجہ کے ذریعے بطریق انعکاس ایک سینہ سے دوسرے سینہ کو منتقل کیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف سے علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ علم باطن کے ثبوت اور تجلیات ربانیہ کے ورود پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جاء الناس الی النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقالوا:یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم انانجد فی نفوسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ فقال: او قد وجدتموہ قالوا نعم قال فذالک من صریح الایمان انتھی و ان سوالھم انما کان فی المعارف الالٰھیۃ و التجلیات الربانیۃ التی یخاف من النطق بھا الوقوع فی الکفر کما اشار الیہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بقولہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم (ذالک من صریح الایمان) و ان سؤالھم لم یکن فی شیءمن مبادی السلوک کاصلاح فرائضھم وسننھم لان ذالک لا یتعاظم فی نفس المؤمن۔السؤال عنہ۔[201]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہم اپنے اندر ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی ایک کو اس پر تکلم کرنا مشکل ہوتا ہے تو رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کیا آپ نے یہ چیزیں پالیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں؛ پس فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔ ان کا یہ سوال معارف الہیہ سے متعلق تھا اور ان تجلیات ربانیہ کے متعلق تھا کہ اس پر تکلم کرنے سے کفر میں واقع ہونے کا ڈر ہوتا تھا جیسا کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ

---

[201](انوار قدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیاء ص ۴۱،۴۰ ج ۱)

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اس قول سے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے اور انکا سوال مبادی سلوک کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ فرائض وسنن کی اصلاح کرنا وغیرہ کیونکہ اس کے متعلق سوال کرنا مؤمن کے نفس میں مشکل نہیں ہوتا۔

اور بعض دیگر شارحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد وسوسہ لیا ہے لیکن یہ بات نہایت ضعیف ہے کیونکہ وسوسہ نفسِ ایمان نہیں ہے تو صریح ایمان کس طرح ہو سکتا ہے جو کہ کامل اور صحیح ایمان ہے) اللھم الا کہ یہ توجیہ کی جائے کہ وسوسہ کو برا ماننا صریح ایمان ہے لیکن معنی اول پر حمل کرنا اولیٰ ہے کما حققه الامام الشعرانی رحمه اللہ تعالیٰ۔

اس کے علاوہ علم باطن کے ثبوت میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اشعة اللمعات ص ۱۵۱ ج ۱ کتاب العلم کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مراد علم دین است کہ متعلق است بکتاب وسنت وآن دو قسم است (۱) مبادی و (۲) مقاصد۔ مبادی علومی کہ موقوف است معرفت کتاب و سنت بر آن مثل لغۃ و نحو، وصرف و جز آن از علوم عربیت و مقاصد آن چہ متعلق است باعمال واخلاق وعقائد۔ واین ھمہ علم معاملہ است۔ وعلم مکاشفہ نوریست کہ بعد از سلوک طریق حق وصدق معاملت در دل افتد کہ بدان معرفت حقائق اشیاء چنانچہ ھست منکشف گردد۔ ومعرفت ذات وصفات و افعال حق سبحانہ وتعالیٰ رونماید واین را علم حقیقت وعلم وراثت خوانند۔ بحکم حدیث (من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم) یعنی ہر چہ عمل کند بآنچہ دانستہ وخواندہ است از علم ظاہر، روزی گرداند وبخشد او راخدای تعالیٰ علم

آنچہ ندانستہ ونہ خواندہ است وآیۃ کریمہ (واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ) نیز اشارت باین معنی است و علم ظاھر و باطن کہ گویند این معنی دارد و نسبت ھر دو بیکدیگر نسبت تن وجان و پوست ومغز است و احادیث و آیات کہ در شان علم و فضیلت آن واقع شدہ شامل ھمہ این اقسام مذکورہ است بر تفاوت درجات آن (کہ مراتب و شرافت اصناف علوم مختلف است)۔[202]

اور علوم کی اقسام کے درمیان تفاوت درجات کو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالہ مبدأ و معاد صفحہ ۵۸ منھا ۳۸ میں بیان فرماتے ہیں:

"شرافت علم باندازۂ شرف و رتبہ معلوم است معلوم ھر چند شریف تر علم آن عالی تر پست علم باطن کہ صوفیاء رحمہ اللہ تعالیٰ بآں ممتاز اند اشرف باشد از علم ظاھر کہ نصیب علماء ظواھر است بر قیاس شرافت علم ظاھر بر علم حیاکت و حجامت۔"[203]

پس یہی علم باطن ہے کہ علم تصوف، طریقت، سلوک، تزکیہ و تصفیہ، احسان اور علم لدنی وغیرھا مختلف ناموں سے مختلف زمانوں میں موسوم کیا جاتا رہا ہے۔

جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے (مالا بدمنہ) میں کتاب الاحسان سے موسوم کر کے مستقل باب باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

این ہمہ کہ گفتہ شد (یعنی اقسام عبادات) صورت اسلام وایمان و شریعت است و مغز و حقیقت او در خدمت درویشان رحمہ اللہ تعالیٰ باید

---

[202] (اشعۃ اللمعات)

[203] (رسالہ مبدا معاد)

جست و خیال نکرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ این سخن جھل و کفر است بلکہ ہمین شریعت است کہ در خدمت درویشان رحمہ اللہ تعالیٰ چون قلب از تعلق علمی وہبی کہ بما سوی اللہ داشت پاک شود ورزائل نفس بر طرف گشتہ نفس مطمئن شود و اخلاص بھم رساند شریعت در حق او باز معنز شد و نماز او عند اللہ تعلق دیگر بھم رساند دو رکعت او بھزار لکھ رکعت دیگران باشد و ہمچنین صوم وصدقہ (ودیگر عبادات)۔[204]

پس معلوم ہوا کہ علم باطن اشرف العلوم اور افضل العلوم ہے جیسا کہ یہ بات (مبدأ و معاد) کی عبارت سے واضح ہے، پس علم باطن احادیث مبارکہ اور آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اور عہدِ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر آج تک متواتر چلا آرہاہے۔

اور علماء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ علم باطن اور کمالاتِ ولایت کا طلب کرنا فرضِ عین ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

ومن ههنا يظهر فرضية اخذ الطريقة الصوفية والتثبت باذيال الفقراء رحمه الله تعالىٰ كفرضية قرأة كتاب الله تعالىٰ وتعلم احكامه۔[205]

اسی طرح مذکور مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر مذکور میں تحت **قوله تعالیٰ (فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (التوبة ١٢٢))** فرماتے ہیں کہ علم تصوف فرض علوم میں سے ہے۔

---

[204] (مالا بدمنه صفحه ١٣٦، كتاب الاحسان)

[205] (تفسیر مظهری، ص ٣٣٣، ج ١)

عبارت ملاحظہ کیجئے:

واما العلم الدنی الذی یسمون اهلها بالصوفیة الکرام رحمه اللّٰہ تعالیٰ فهو فرض عین لان ثمراتها تصفیة القلب عن اشتغال بغیر اللّٰہ تعالیٰ واتصافه بدوام الحضور وتزکیة النفس عن رزائل الاخلاق من العجب والکبر والحسد، وحب الدنیا والکسل فی الطاعات وایثار الشهوات والریاء والسمعة وغیر ذالک وتحلیتها بکرام الاخلاق من التوبة والرضاء بالقضاء والشکر علی النعماء والصبر علی البلاء وغیر ذالک ولا شک ان هذه الامور وفرائض علیٰ کل بشر اشد تحریما من معاصی الجوارح واهم افتراضاً من فرائضها فالصلوٰة والصوم وشیء من العبادات لایعبأ بشیء منها ما لم تقترن بالاخلاص والنیة قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان اللّٰہ لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصاً وابتغی به وجهه رواه النسائی عن ابی امامة وقال علیه الصلوٰة والسلام ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم (رواه مسلم عن ابی هریره رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه)۔ وکل ما یترتب علیه من الفروض الاعیان فهو فرض عین واللّٰہ اعلم۔

ترجمہ: اور علمِ لدنی جس کے حاملین صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مسمی ہیں، کا طلب کرنا فرض عین ہے کیونکہ اس علم کا ثمرہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے اشتغال سے دل صاف ہو جائے اور دوام حضور سے متصف ہو جائے اور نفس بھی اخلاقِ رزیلہ سے صاف ہو جائے، مثلاً عجب، تکبر، حسد، محبتِ دنیا، طاعات میں سستی، شہوات نفسانی کو پسند کرنا، ریاکاری، سمعہ وغیرہا، نیز نفس اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو جائے مثلاً توبہ کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، مصائب پر صبر کرنا وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ اخلاقِ رزیلہ ہر بشر مکلف پر جوارح کے محرمات سے اشد محرمات ہیں اور مذکورہ فرائض ہر بشر مکلف پر جوارح کے فرائض سے اشد ہیں کیونکہ نماز، روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک معتد بھا اور مقبول نہیں ہیں جب تک کہ اخلاصِ دل اور صدق نیت اس کے ساتھ شامل نہ

ہو۔ حضور اقدس صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کے لئے ہو اور اس عمل سے مقصود رضاء خداوندی کا طلب کرنا ہو۔ نیز نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔[206]

اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز پر فرض عین اشیاء مرتب ہوتی ہیں تو وہ مرتب علیہ بھی فرض عین ہے، اسی طرح تحصیل کمالاتِ باطنیہ کی فرضیت اور وجوب کے بارے میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ارشاد الطالبین ۱۴، ۱۳ میں فرماتے ہیں کہ:

"طلبِ طریقت وسعی کردن برائے تحصیل کمالات باطنی واجبست چرا کہ حق تعالیٰ میفرماید یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران ۱۰۲) یعنی ای مسلمانان پرہیز کنید از نامرضیات خدا کمال پرہیزگاری یعنی در ظاہر و باطن چیزی خلاف مرضی خدا تعالیٰ نباشد از عقائد و اخلاق بکمال تقویٰ وامر برائی وجوب میباشد وکمال تقویٰ بدون ولایت صورت نہ بندد چنانچہ ذکر کردہ شد رزائل نفس از حسد و حقد و کبر و ریاء و سمعہ و عجب و منت و غیر آن کہ حرمت آن از کتاب و سنت و اجماع ثابت است تا کہ زائل نشود کمال تقویٰ چگونہ صورت بندد واین متعلق ست بہ فنای نفس و ترک معاصی کہ تقویٰ عبارت ازان است و معبر است بصلاح جد کہ ثمرہ صلاح قلب است چنانچہ در حدیث مذکور شدہ اند وآنرا صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ

[206] (مظہری ج ۴ سورۃ توبہ، ص ۳۲۴)

فنائے قلب گویند ولایت عبارت از فنائے نفس است صوفیان رحمہم اللہ تعالیٰ گفتہ اند کہ راہی کہ مادر صدر آں یم ہمگی ہفت گام است یعنی فنائے لطائف خمسۂ عالم امر قلب، روح، سر، خفی، اخفٰی و فنائے نفس و تصفیۂ لطیفہ قالبیہ، کہ عبارت از صلاح جد است تقویٰ بکثرت نوافل تعلق ندارد و تقویٰ عبارت است از اتیان واجبات، وپرہیز کردن از منہیات ادائے فرائض وواجبات بدون اخلاق ہیچ اعتبار ندارد قال اللہ تعالیٰ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (الزمر ۲) وپرہیز از منہیات بدون فنائے نفس صورت نمی بندد۔ پس تحصیل کمالات ولایت از فرائض آمدہ ۔ پس سعی در ترقی مقامات قرب و تحصیل تقویٰ دائماواجب گشتہ وطلب زیادۂ علم باطن از فرائض آمدہ قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ ۱۱۴) یعنی بگوای محمد صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کہ الٰہی علم من زیادہ کن وقناعت از مراتب قرب حرام است بر کامل چنانچہ حرام ست بر ناقص انتہی۔"

پس حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات انیقہ سے واضح ہوا کہ علم باطن فرض عین ہے اور اسکی طلب بھی ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اسکا عدم طلب حرام اور موجب فسق ہے اور اسکا انکار کفر بواح ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ولایت لطائف سبعہ کی فناء پر موقوف ہے اور اس سے لطائف خمسہ کے اسماء بھی ثابت ہوگئے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جب فناء قلب اور فناء نفس حاصل ہو جائیں تو ولایت محقق ہو جاتی ہے اور فنا اشتغال ماسویٰ اللہ کی نجات سے عبارت ہے اور ماسوی اللہ سے قلب کا تصفیہ حیات قلبی بذکر اللہ پر موقوف ہے اور نفس کی ماسوی اللہ

سے آزادی حیاتِ نفس بذکر اللہ پر موقوف ہے۔ پس جب سالک کے قلب اور دیگر لطائف مذکورہ ذکر اللہ سے زندہ ہو کر فنا فی اللہ ہو جائیں تو سالک ولی اللہ بن جاتا ہے اور لطائف سبعہ کی فناء کے بعد تلقین نفی اثبات کی جاتی ہے اور فیض کے متعدی ہونے کی وجہ سے خلافت سے سرفراز کیا جاتا ہے جیسا کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں یہی معمولِ مشائخِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارے طریقہ مجددیہ سیفیہ میں بھی یہی مذکور چیز بدیھی الوجود ہے۔

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ اس بات کی تصریح کی ہے کہ علم باطن فرض علوم میں داخل ہے۔

اسی طرح قدوۃ المحققین محبوب سبحانی حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ مکتوبات شریف، جلد ۱، مکتوب ۲۱۹ ص ۱۲۸، ۱۲۷ پر رقمطراز ہیں کہ علم باطن کے حکیم حاذق رحمہ اللہ تعالیٰ (کامل مکمل مشائخ) کی صحبت میں برائے کسب کمالات باطنیہ حاضر ہونا فرض عین ہے۔

نیز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق۔

ترجمہ: جس کسی نے علم ظاہری حاصل کیا اور علم تصوف حاصل نہ کیا تو یقیناً فاسق ہو گیا (کیونکہ عمداً فرض عین کا ترک فسق ہے)۔[207]

اسی طرح امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لولا السنتان لهلك النعمان۔

ترجمہ: اگر میرے دو سال حصولِ کمالاتِ باطنیہ میں صَرف نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔[208]

---

[207] (مرقات شرح مشکوۃ ص ۳۱۳، ج ۱)

[208] (کذافی الحاوی، والحدیقه وردالمختار، ص ۴۵، ج ۱، وکتاب قطب الارشاد)

پس ان دو سالوں سے مراد وہ دو سال ہیں جس میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ صدیقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقشبندیہ میں کمالات باطنیہ حاصل کئے اور طریقہ قادریہ علویہ میں حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم باطنی حاصل کیا۔ بعض لوگوں نے ان دو سالوں سے آپ کی عمر مبارک کے آخری دو سال مراد لئے ہیں لیکن یہ غلط محض ہے کیونکہ اس کی بناء پر مسائل اجتہادیہ غیر معتمد ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بلکہ محققین نے فرمایا ہے کہ ان دو سالوں سے مراد قبل الاجتہاد نوجوانی کے دو سال ہیں۔ کہ نور فراست اور کمالات باطنیہ اور علوم ظاہریہ کی تحصیل کے بعد اور مرتبہ اجتہاد مطلق پر فائز ہونے کے بعد حضرت الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط مسائل اجتہادیہ شروع فرما کر ساری امت مسلمہ کیلئے چراغ روشن بن گئے اور حضرت مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمہ اللہ تعالیٰ اویسی فرمایا کرتے تھے کہ لو لا السنتان میں سین کی ضمہ سے پڑھنا راجح ہے یعنی مطلب یہ ہوا کہ اگر دو سنتیں یعنی ثابت بالسنۃ چیزیں نہ ہوتیں کہ ایک علم باطن ہے اور دوسرا علم ظاہر ہے تو حضرت نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ ہلاک ہو جاتے کیونکہ محرماتِ ظاہرہ اور باطنہ سے اجتناب اور فرائضِ ظاہرہ باطنہ پر امتثال ان دو علوم پر مبنی ہے اور ان دو علوم کے بغیر محرمات کا ارتکاب اور فرائض ترک کرنا لازم آتا ہے جو کہ ہلاکت ہے مذکورہ تمام دلائل سے واضح ہوا کہ علمِ باطن کا طلب فرض عین ہے اور عدمِ طلب فسق ہے اور انکار کفر ہے۔

لیکن علم ظاہر اور احکامِ شرعیہ کا علم فنونِ مدونہ پر موقوف نہیں بلکہ اگر فنونِ مدونہ کے ذریعہ حاصل ہو جائے یا صحبتِ علماءِ راسخین میں انکے اقوال سننے سے حاصل ہو جائے یا مشائخِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کے عمل سے فقہ اور علم اخذ کیا جائے تو ان تمام صورتوں میں علم ظاہر سے اتصاف صحیح ہے بلکہ

موخر الذکر دو طریقے خیر القرون اور بالخصوص عہدِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم میں معمول تھے۔

ردالمختار مشہور بفتاویٰ شامی (ص ۴۲ ج ۱) میں ہے:

قوله وعلم القلب ای علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل وكيفية اجتنابها لماعلمت من ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين: فيلزمه ان يتعلم منها ما يرىٰ نفسه محتاجا اليه وازالتها فرض عين: ولا يمكن الا بمعرفة حدودها واسبابها وعلاماتها وعلاجها فان من لم يعرف الشر يقع فيه انتهى ملخصاً۔

ترجمہ: اور علمِ قلب جسے علم الاخلاقِ باطنہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ ایسا علم ہے کہ جس کے توسط سے انواعِ فضائل اور رذائل اور کیفیتِ اکتساب اور اجتناب معلوم ہوتے ہیں۔ پس جب علمِ اخلاص اور عجب اور ریا کا جاننا فرضِ عین ہے تو لازم ہے ان کا حصول بقدرِ اندازہ، اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ جو صفات پہلے ذکر ہو چکی ہیں ان کا ازالہ کرنا فرضِ عین ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے مگر اس کی معرفت ہونے اور اس کے حدود اور اسباب و علامات اور علاج جاننے کے بعد، اس لئے کہ جو شر نہیں جانتے ضرور شر میں مبتلا ہوں گے۔

علامہ سید احمد طحطاوی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرضیتِ علم تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکذالک یفترض علیه علم احوال القلب من التوکل والانابة والخشية والرضیٰ فانه واقع فی جمیع الاحوال وشرف هذا العلم لایخفی علی احدٍ۔[209]

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علمِ قلب کے احوال کا جو کہ عبارت ہے توکل اور انابت اور خشیت اور رضا بر قضاء سے، اسلئے کہ یہ واقع ہوتے ہیں انسان پر جمیع احوال میں اور اس علم کی فضیلت کسی پر مخفی نہیں ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فیجب علیکم ان تحکم احکام الشرع من الاصل والفرع فربما انت مقیم علی کفر و بدعة او علی غفلة مما یفسد علیک طهارتک او صلاتک او یخرجهما عن کونهما علی وفق السنة ثم مدار هذا الشان ایضاً علی العبادات الباطنة التی هی من فروض الاعیان من التوکل والتفویض والتسلیم والرضاء والتوبة والانابة والصبر والشکر والاخلاص فی النیة ونحوها۔[210]

ترجمہ: پس لازم ہے تم پر کہ حکم کو صادر کر لو جو کہ مطابق اور موافق ہو اصل اور فرع کے ساتھ۔ بہت سے اوقات میں تم کفر اور بدعت میں وقت گزارتے ہو، یا غفلت میں جو کہ فاسد کر دیتا ہے طہارت اور نماز اور باقی طرز و طریقہ مسنونہ کو اور شریعت کی اہمیت سے تجھے خارج کر دیتا ہے اور مدار اور اعتبار ان اعمال کا مربوط ہے کہ اوامر پر عمل کیا جائے اور عباداتِ باطنیہ فرض عین کے جملوں سے شمار کیا جاتا ہے جو کہ عبارت ہے توکل اور تفویض، تسلیم اور رضا بر قضاء، توبہ وانابت، صبر وشکر اور اخلاصِ نیت سے اور اس کے مثل باقی اور صفات۔

---

[209] (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ص ۱۳۱، ج ۱)

[210] (شرح عین العلم، ص ۲۹، ج ۱)

وکذالک یفترض علیه علم احوال القلب من التوکل والانابة والخشیة والرضاء فانه واقع فی جمیع الاحوال انتھی لفظہ۔[211]

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے علم احوال قلب، جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، اور رضا سے، کیونکہ یہ واقع ہوتے ہیں انسان پر جمیع احوال میں۔

علامہ عبدالغنی النابلسی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وکذالک یفترض علیه ای علی المسلم علم احوال القلب وما یعتریه من الاخلاق الجمیلة التحرز عن ضدھا بتعلیمھا من التوکل علی اللّٰہ تعالیٰ والانابة ای الرجوع الیه سبحانه والخشیة منه سبحانه والرضاء عنه تعالیٰ فی کل افعاله واحکامه فانه ای ذالک المسلم واقع مدة عمره فی جمیع الاحوال القلبیة المذکورة وقال بعد اسطر فان الکبر والبخل والجبن والاسراف حرام بلا خلاف ولا یمکن التحرز عنھا بطریق الاکتساب الا بعلمھا وعلم ما یضادھا انتھی بلفظہ۔[212]

ترجمہ: اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علمِ احوالِ قلب، اور علم اس چیز کا جو شامل ہو قلب کی طرف اخلاقِ جمیلہ سے اور اپنے آپ کو بچانا اخلاقِ جمیلہ کے ضد سے اور ان سب کے حصول کا سبب توکل علی اللہ اور انابت اور رجوع الی اللہ اور خوف اور خشیت اور رضاء اللہ جل شانہ سے تمام افعال و احکام میں اسلئے کہ مؤمن تمام عمر انہی احوالِ قلبیہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ حدیقۃ الندیہ کے مؤلف چند سطور بعد لکھتے ہیں کہ کبر اور بخل اور بزدلی اور اسراف علماء کے اتفاق سے حرام ہیں مگر اپنے آپ کو بچانا ان سب سے، کسب کے ذریعے ممکن نہیں، سوائے علمِ احوالِ قلب کے حصول کے۔

---

[211] (تعلیم المتعلم ص ۵، الطریقة المحمدیه ص ۹۰)

[212] (الحدیقة الندیة ص ۳۲۳، ج ۱)

الوسیلۃالاحمدیہ میں ہے:

یفترض علیہ علم احوال القلب یعلم ذالک باعتبار حقائقھا و آفاتھا و دوائھا۔[213]

ترجمہ: فرض ہے مؤمن مسلمان پر احوالِ قلب کا علم، جو کہ پہچانا جاتا ہے حقائق کے اعتبار اور آفات اوران کے علاج سے، جو کہ توکل اور انابت اور خشیت کے قبیل سے ہے۔

بریقۃالمحمودیہ میں ہے:

یفترض علم احوال القلب من التوکل و تفویض الامر الی اللہ و الاعتماد علیہ تعالیٰ قیل ھو السکوت تحت اقدار اللہ تعالیٰ و الانابۃ الرجوع الیہ تعالیٰ و الخشیۃ الخوف بسبب المعرفۃ قال صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم انی لاعرفکم باللہ و اشدکم لہ خشیۃ۔

ترجمہ: فرض ہے مسلمان پر احوالِ قلب کا علم جو کہ عبارت ہے توکل سے، اور تمام امور کو اللہ جل شانہ کے سپرد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ توکل سکوت ہے مقدراتِ الٰہی پر مقامِ احوال میں سے انابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، مقامِ خشیت: اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حاصل ہونے والا خوف، جیسے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "میں تم میں سب سے زیادہ اللہ جل شانہ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں"[214]

---

[213] (الوسیلۃالاحمدیہ، شرح الطریقۃالمحمدیہ، ص ۲۵۲، ج ۱)

[214] (بریقۃالمحمودیہ، ص ۲۵۲، ج ۱ اورص ۳۲۱، ج ۱)

سراج العارفین میں لکھا ہے:

واما حکمه فهو الوجوب العینی علی کل مکلف وذالک لانه کما یجب علم مایصلح الظاهر کذالک یجب علم مایصلح الباطن۔[215]

ترجمہ: شارع کی طرف سے تصوف کا حصول وجوب عینی ہے، جیسے کہ مکلف پر علم اصلاح ظاہر واجب ہے، اسی طرح علم اصلاح باطن بھی واجب ہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ پہلے صفحات میں آپ نے علم باطن کو فرضِ عین کہا تھا اور اس عبارت میں وجوب کا درجہ دے رہے ہیں، تو دونوں عبارات میں تضاد آ گیا۔

جواب: یہ بات فقہ کی اور اصول فقہ میں اور اصولِ کلام والوں کے نزدیک مشہور و مسلم ہے کہ وجوبِ عینی کو فرضِ عین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اسی عبارت میں لفظ اصلاحِ باطن آیا ہے، اور اصلاحِ باطن جو پہلے صفحات میں گزر چکا ہے، وہ عبارت ہے خوف اور خشیت اور انابت اور تفویض اور توکل سے، جن کا حصول فرضِ عین تھا تو معلوم ہوا کہ وجوبِ عینی کو فرضِ عین سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایقاظ الهمم میں ہے:

وحکم شارع فیه فقال الغزالی رحمه اللہ تعالیٰ انه فرض عین اذلا یخلو احد من عیب او مرض الا الانبیاء علیهم السلام قال الشاذلی من لم یتشغل فی علمنا هذا مات مصراً علی الکبائر وهو لایشعر وحیث کان فرض عین یجب السفر الی من یأخذه عنه۔ اذا عرف بالتربیة واشتهر الدواء علی یده۔[216]

---

[215](سراج العارفین شرح منهاج العابدین، ص ۱)

[216](الفتوحات الالٰهیه، شرح مباحث اصلیه مشهور به ایقاظ الهمم، ص ۱۲۶، ج ۲)

ترجمہ: شارع کا حکم امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق فرض عین ہے، اس لئے کہ کوئی بھی فرد انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عیوب و امراض باطنیہ سے خالی نہیں ہے۔ امام شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ہمارے علم میں کوشش نہ کرے اور وہ باطنی امراض اور گناہوں پہ اصرار اور استمرار رکھے اور بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے گا، تو یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوگی۔ پس جب علم تصوف فرض عین ہوا تو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا انسان پر واجب ہے اور سفر اس شیخ کی طرف واجب ہے جو کہ تربیت میں اور امراضِ باطن کے دفع کرنے میں مشہور ہو۔

اور اسی صفحہ پر دوسری عبارت ہے:

ان اخذ علم التصوف فرض عين انتهى بلفظه۔

یعنی علمِ تصوف کا اخذ کرنا ہر مسلمان مکلف پر فرضِ عین ہے۔

الحاج فقیر اللہ صاحب نے قطب الارشاد میں لکھا ہے:

ولا شك ان علم عيوب النفس وازالتها الداخل فى علم الاخلاق والتصوف فرض عين فيكون اهم۔[217]

ترجمہ: اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نفس کے عیوب کا علم رکھنا اور انہیں دور کرنا، یہ داخل ہے علم الاخلاق اور تصوف میں جو کہ فرضِ عین ہے اور یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔

اور اسی طرح علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاءِ علوم فرماتے ہیں:

واعلم ان الفرض بعد التوحيد نوعان احدهما مايكون فرضاً على العبد بحكم الاسلام وهو علم المعاملة القلبية واصلاح الباطن لازدياد انوار النفسية وازالة الاخلاق الردية

---

[217](قطب الارشاد، ص ۲۱۷)

واثبات الشمائل المرضية وثانيهما فيهما ماهو فرض عليه عند تجدد الحادثة كدخول وقت الصلوة والصوم والحج والزكوة وغيرها واما العبد اذا اسلم فی وقت لم تجب عليه فيه هذه الاشياء فليس عليه ان يعلمها بفرض ادراک لانه لم يدرک وقتها وانما يكون الفرض عليه حينئذ علم المعاملات القلبية فلو وجد برهة ای وقتاً من الزمان بعد الاسلام وفراغاً و لم يشتغل فی تحصيل علم المعاملة القلبية كان تاركاً للفرض مسئو لاً عنه يوم القيامة۔ [218]

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ، توحید کے بعد فرض دو قسم کے ہیں۔ پہلا فرض مؤمن پر اسلام کے بعد جو فرض ہے وہ عبارت ہے علمِ معاملاتِ قلبی اور اصلاحِ باطن سے تاکہ انوارِ نفسانی زیادہ ہو جائیں اور اخلاقِ ردیہ دور ہو جائیں اور شمائلِ مرضیہ حاصل ہو جائیں۔ دوسرا فرض وہ ہے جو وقت کے تجدد کے ساتھ انسان کے اوپر فرض ہو جاتا ہے، مثلاً نماز کے وقت کا داخل ہونا، رمضان المبارک کے مہینے کا داخل ہونا یا حج کے مہینوں کا داخل ہونا، وغیرہ۔ اگر ایک شخص ایسے وقت اسلام سے مشرف ہوا اور اس کے اوپر یہ چیزیں واجب نہیں تھیں تو اس پر لازم نہیں ہے کہ اس فرض کو حاصل کرلے اس لئے کہ اس نے اس وقت کو پایا نہیں لیکن اس پر اس وقت فرض یہ ہے کہ یہ علمِ معاملاتِ قلبی حاصل کرلے۔ اگر اس کو اسلام لانے کے بعد تھوڑا سا وقت ملا اور فراغت ملی لیکن اس نے اپنے آپ کو مشغول نہ رکھا حصولِ علمِ معاملاتِ قلبی (تصوف) میں، تو یہ آدمی فرض کا تارک ہوا اور روزِ قیامت اس سے پوچھا جائے گا۔

تو اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ علمِ تصوف کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے۔

علامہ شیخ اسمٰعیل الحقی فرماتے ہیں:

---

[218] (اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين ص ۱۳۵، جلد ۱)

والنوع الثانی علم السروهو مایتعلق بالقلب ومساعیه فیفترض علی المؤمن علم احوال القلب من التوکل والانابت والخشیۃ والرضی فانه واقع فی جمیع الاحوال واجتناب الحرص والغضب والکبر والحسد والعجب والریاء وغیر ذالک۔[219]

ترجمہ: علم کی دوسری قسم کو علمِ سِر کہا جاتا ہے جو کہ قلب اور اس کے احوال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور یہ علم فرض ہے ہر مؤمن مسلمان پر جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، رضا بر قضاء اور اپنے آپ کو بچانا ہے حرص، غصہ، تکبر، حسد، عجب اور ریاکاری وغیرہ سے۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی علمِ تصوف کے بارے میں (حدیثِ احسان) کے تحت لکھتے ہیں:

واعلم أن لفظ الِاحسان شامل لجمیع أنواع البر من الأذکار، والاشغال وغیرها والأذکار تقال للأوراد المسنونۃ، وما ذکره المشائخ من الضربات والکیفیات یقال لها الأشغال۔ والنسبۃ فی اصطلاحهم ربط خاص سوی ربط الخالقیۃ والمخلوقیۃ، فمن حصل له ربط سوی الربط العام یقال له صاحب النسبۃ۔ والطرق المشهورۃ فی التصوف أربعۃ السهروردیۃ والقادریۃ، والجشتیۃ، والنقشبندیۃ، والسلسلۃ السهرودیۃ قد تسلسلت فی أجدادنا من عشرۃ متصلۃ ثم ما نقل الینا من الأوامر والنواهی والوعد والوعید سمی شریعۃ۔ والتخلق بها یسمی طریقۃ، وحینئذ تنصبغ الأعمال بصبغ الایمان کما کان فی السلف، أما الیوم فعلم بلا عمل وایمان بلا تصدیق من الجوارح، رب تال للقرآن والقرآن یلعنه، ثم الفوز بالمقصد الأسنی والنیل بالمأرب الأعلی یسمی حقیقۃ۔ ومن ههنا ظهر أن الطریقۃ والشریعۃ لاتتغایران کما زعمه العوام۔[220]

---

[219](تفسیر روح البیان، ص ۵۳۶، ج۳، تفسیر سورۃ توبہ آیۃ ۲۲)

[220](فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۱۵۰، ۱۴۹، ج ۱)

ترجمہ: احسان کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے، خواہ اذکار ہوں یا اشتغالِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ، اذکار کا اطلاق اورادِ مسنونہ پر ہوتا ہے اور مشائخِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو ضربوں اور کیفیتوں کا ذکر کیا ہے انہیں اشتغال کہتے ہیں اور نسبت اصطلاحِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں ایک خاص قسم کے ربط کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحبِ نسبت کہتے ہیں اور تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں۔ سہر وردی، قادری، چشتی اور نقشبندی، اور سلسلہ سہر وردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آرہا ہے۔ پھر جو اوامر و نواہی وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں انہیں شریعت کہتے ہیں اور ان سے متصف ہونا طریقت کہلاتا ہے اور اسی وقت تمام اعمال، ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ سلفِ صالحین کی یہی حالت تھی مگر آج کل علم ہے عمل نہیں، ایمان ہے مگر اعضاء و جوارح سے اس کی تصدیق نہیں، بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ پھر اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنا، اعلیٰ نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے۔ اس کا نام حقیقت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔

الفاظ اور معنی کا تعلق واضح کرتے ہوئے اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

وانی لست ممن یأخذون الدین من الالفاظ بل أولی الأمور عندی توارث الأمة واختیار الأئمة فانهم هداة الدین وأعلامه ولم یصل الدین الینا الا منهم فعلیهم الاعتماد فی هذا الباب فلا نسیء بهم الظن۔ [221]

ترجمہ: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث اور ائمہ کی اختیار کردہ صورت ہے کیونکہ وہی دین

---

[221] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۳۰۴، ج ۱)

کے ہادی اور نشان ہیں، ہمیں دین تو ان ہی کے ذریعے پہنچا ہے، ہم اس بارے میں انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم ان کے متعلق سوءِ ظن نہیں رکھتے۔

ان تمام عبارات اور حوالہ جات سے بلا شک وشبہ ثابت ہوا کہ تصوف یعنی علم طریقت کا حاصل کرنا ہر مؤمن مسلمان پر فرض عین ہے، اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔

(العلماء ورثة الانبياء) جو کہ حدیث مبارک ہے، ان میں وہ علماء شامل ہیں کہ جن کے دل علمِ ظاہر اور علمِ باطن سے منور ہو چکے ہوں کیونکہ شریعت اور طریقت دونوں لازم اور ملزوم ہیں اور ان دونوں کی مثال پرندے کے دو پروں کی طرح ہے جو شخص علمِ ظاہر رکھتا ہو اور علمِ باطن نہ رکھتا ہو وہ کامل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ علمِ طریقت فرضِ عین ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحصیلِ کمالاتِ باطنی کے واسطے طلبِ طریقت اور سعی کرنا واجب ہے۔

اس واسطے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ (آل عمران ۱۰۲)

اے مومنو! پرہیز کرو نامرضیاتِ خدا سے کمالِ پرہیز گاری کے ساتھ۔

یعنی علمِ ظاہر و باطن میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو عقائد و اخلاق سے، ساتھ کمالِ تقویٰ کے اور امر واسطے وجوب کے ہوتا ہے اور کمالِ تقویٰ بغیر ولایت کے حاصل نہیں ہوتا چنانچہ ذکر کیا گیا، رزائلِ نفس حسد و کبر وریا و سمعہ و عجب و منت اور سوائے اس کے کہ اس کی حرمت کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہے جب تک وہ زائل نہ ہوں تقویٰ کا کمال کیونکر درست ہو سکتا ہے، اور یہ فنائے نفس اور ترکِ معاصی کے ساتھ متعلق ہے، اس سے تقویٰ عبارت ہے اور معتبر ہے

ساتھ اصلاحِ جسم کے کہ پھر اصلاحِ دل ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ذکر ہوا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صالح ہو تو تمام بدن صالح ہے اور اگر وہ خراب ہو تو تمام بدن خراب ہے اور وہ دل ہے اور اس کو صوفی فنائے قلب کہتے ہیں۔ ولایت عبارت فنائے نفس سے ہے، صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، ”راہے کہ مادر صدر آنیم ہمگی ہفت گام ست“یعنی فنائے لطائف خمسہ عالمِ امر قلب، روح، سر، خفی، اخفی و فنائے نفس، تصفیہ لطیفۂ قالب کہ عبارت صلاحیتِ بدن سے ہے۔ تقویٰ کثرتِ نوافل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ہے اور تقویٰ عبارت ہے عامل ہونا واجبات کا اور پرہیز کرنا منہیات سے، ادا کرنا فرائض وواجبات کا بغیر خلوص کے اعتبار نہیں رکھتا۔

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ، فَاعْبُدِ اللہَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنُ۔ (الزمر ۲)

ترجمہ: پس خدا کی عبادت کر اس کو شرک سے خالص کر کے۔

”پس تحصیل کمالات ولایت از فرائض آمدہ“ (پس کمالات ولایت کا حاصل کرنا فرض ہوا) چونکہ حاصل کرنا ولایت کا ایک وہبی امر ہے مقدور نہیں ہے یعنی انسان کے قابو اور طاقت سے باہر ہے اور تکلیف بقدرِ طاقت ہے، اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاتَّقُوا اللہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن ۱۶) (تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے) پس حکم کیا گیا، جان تو کہ بذل (یعنی کوشش کرنا) و تبلیغ (یعنی دست دراز کرنا) اس کی تحصیل میں واجب ہے، دوسرے یہ کہ ولایت کے مرتبے بے انتہا ہیں۔ جیسے کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقے و دریا ہمچناں باقی

نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ سعدی کی بات کا ٹھکانا

مریض استسقاء پیاسا مر جائے لیکن دریا باقی رہتا ہے[222]

اسی طرح تقویٰ بھی بے نہایت مرتبے رکھتا ہے، حضرت رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعۡلَمَکُمۡ وَ اَتۡقٰکُمۡ بِاللہ اَنَا۔

تحقیق میں تم سب سے زیادہ عالم و متقی ہوں۔

جس قدر انسان مراتب قرب حق میں ترقی کرتا ہے خوف و خشیت اس پر غالب ہوتی ہے اور متقی زیادہ ہوتا ہے۔

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات ۱۳)

بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

جب تقویٰ کی نہایت نہیں تو سعی ترقی مقاماتِ قرب و تحصیلِ تقویٰ میں ہمیشہ واجب ہوئی اور طلبِ زیادتی علمِ باطن فرض ہوئی۔ قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡماً (طٰہٰ ۱۱۴) اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے) اور قناعت کرنا مراتبِ قُرب میں حرام ہے کامل پر، جیسے کہ حرام ہے ناقص پر، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود　　　　تا جان باقی ست در طلب باید بود

اللہ کی راہ میں تمام آداب پورے کرنے چاہئیں جب تک جان میں جان ہے طلب میں رہنا چاہئے۔

---

[222] (بحوالہ معیار السلوک، صفحہ ۳۰)

دریادریا اگر بکامت ریزند — کم باید کرد و خشک لب باید بود

اگر کئی دریا سے تجھے سیر اب کریں — تب بھی تو کم سمجھ اور خشک ہونٹ رکھ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے برادر بے نہایت در گہیست — ہر چہ بروے می رسی بروے مائیست

اے بھائی بے انتہا درگاہیں ہیں کسی درگاہ پر پہنچنے کو نہایت مت سمجھ اور آگے ترقی کر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

لَا اَبْرَحُ حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُباً۔ (الکھف ٦٠)

میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں چلا (مدتوں چلتا) جاؤں۔

کہ وہ مکان حضرت خضر علیہ السلام بہ تعلیم الٰہی معلوم ہوا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تو فرمایا:

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ (الکھف ٦٦)

کہ متابعت کروں میں تیری اس واسطے کہ سکھائے تو مجھ کو وہ علم کہ خدا نے تجھ کو دیا ہے۔

تمام ہوا کلام قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

جو کچھ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بے شک درست ہے، کیونکہ ہر چیز میں دو جزو ہیں، ایک ظاہر اور ایک باطن، جسم ظاہر کا علاج شریعت اور باطن کا طریقت ہے لیکن علاج باطن کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ جیسے کسی کو فسادِ خون ہو اور فسادِ خون کی وجہ سے پھوڑے پھنسی وغیرہ جسم پر اٹھیں تو زخم کے واسطے مرہم پٹی کی جائے تو یہ فائدہ سے تو خالی نہیں مگر کافی نہ ہو گی بلکہ فسادِ خون کے واسطہ مسہل اور ادویہ مصفیات کار آمد ہوں گی تاکہ مادۂ فاسدہ اندرونی کو دفع کریں اور پھر

ظاہر جسم پر کوئی پھوڑا پھنسی نہ اٹھے، اسی طرح باطن کی خرابیوں کا علاج علمِ باطن ہے تاکہ پھر ظاہر اعضاء آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ میں مادۂ فاسدہ معصیت کا نہ پھوٹے اور جان اور جسم دونوں پاک ہوجائیں۔ اے عزیز! اس جہاں میں ہر چیز کا ظہور پرتو ہے اسماء و صفات الٰہی کا چنانچہ هُوَ الظَّاهِرُ سے جسم ہے هُوَ الْبَاطِنُ سے قلب و روح هُوَ الْبَاطِنُ سے لا اله الا الله، هُوَ الظَّاهِرُ سے محمد رّسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ، هُوَ الظَّاهِرُ سے شکل دوا ہے، هُوَ البَاطِنُ سے اثر و شفا، هُوَ الظَّاهِرُ سے ظہور انبیاء علیہم السلام هُوَ الْبَاطِنُ سے ملائکہ کرام تو جس دوا میں شفا نہیں وہ کس کام کی اور جس جسم میں روح نہیں وہ جسم کس کام کا؟ اور جس دل میں نور تصدیق نہیں وہ دل کس کام کا؟ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں نہ دارد نور دل دل نیست آں — چوں نباشد روح جزو کل نیست آں

جو دل نور باطن سے منور نہ ہو وہ دل نہیں ہے

اور جب روح ہی جسم میں نہیں تو وہ نہ جزو ہے نہ کل

آں زجاجے کہ نہ دارد نورِ جاں — بولِ قارورہ ست قندیلش مخواں

جس شیشہ میں نور و روشنی نہ ہو — وہ قارورہ کی شیشی ہے اس کو قندیل نہ سمجھو

اور جس علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن نہ ہو تو وہ علم خلوص سے معریٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عالمِ خشک کی صحبت سے بھاگو، عالمِ خشک سے وہی علماء مراد ہیں جو علمِ باطن سے بے بہرہ ہیں اسی واسطے قاضی صاحب نے فرمایا علمِ باطن فرض ہے اور طلبِ طریقت واجب ہے اور بیعت ہونا سنت ہے۔

انسان سے متعلقہ وہ احکامِ شرعیہ جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ان کی دو اقسام ہیں:

(۱)وہ احکام جن کا تعلق ظاہری احوال سے ہے۔

(۲)وہ احکام جن کا تعلق باطنی احوال سے ہے۔

بالفاظ دیگر ان دونوں اقسام کو اس طرح بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ ظاہری احوال سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق بدن اور جسم سے ہے، جبکہ باطنی احوال سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق روح اور قلب کے ساتھ ہے۔

جسمانی اعمال کی دو قسمیں ہیں:

(۱)اوامر (۲)نواہی

اوامر الٰہیہ یہ ہیں

نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ، اور نواہی سے مراد قتل، زنا، سرقہ اور شراب خوری وغیرہ ہے۔

اور اسی طرح قلبی اعمال بھی اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔ اوامر سے مراد اللہ تعالیٰ، ملائکہ، اس کی کتب اور رسل پر ایمان لانا ہے۔ اور اخلاص، رضا، صدق، خشوع اور توکل پر ایمان لانا ہے۔ جبکہ نواہی سے مراد کفر، نفاق، تکبر، خود پسندی، ریاء، غرور، کینہ اور حسد ہے۔

یہ دوسری قسم جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے، اس کو شارع علیہ السلام کے نزدیک پہلی قسم سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ باطن، ظاہر کی بنیاد اور اصل ہے اور باطنی اعمال، ظاہری اعمال کی اصل ہیں۔ باطنی اعمال میں خرابی کی وجہ سے ظاہری اعمال کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ یَرْجُوْ الِقَایٔ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَداً (الکھف ۱۱۰)

ترجمہ: ”پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے، اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔“

اسی وجہ سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب کی اصلاح کیلئے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم انہیں ارشاد فرماتے کہ انسان کے درستگی اور اصلاح اس کے دل کی اصلاح اور پوشیدہ امراض و علل کی شفاء پر موقوف ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

الا وان فی الجسد مضغہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ، ألا وھی قلب۔

یعنی: ”خبردار! بے شک انسانی جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار رہو! اور یہ دل ہے!“۔[223]

تشریح

(الاوان فی الجسد) میں جو واؤ ہے وہ جملہ مقدر پر عطف ہے جو یہ ہے: (وھی ان حقیقة الامر)

(مضغة) قلب کو مضغہ سے اس لئے تعبیر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جسم کے مقابلہ میں قلب بہت چھوٹا ہے لیکن قالب کی اصلاح و فساد قلب کے تابع ہے۔

---

[223] (رواہ البخاری فی کتاب الایمان۔ و مسلم فی کتاب المساقاۃ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما)

لان القلب سلطان البدن لما صلح السلطان صلحت الرعية۔

اس لئے کہ قلب جسم کا بادشاہ ہے، جب بادشاہ صحیح ہو گا تو رعیت بھی صحیح ہو گی۔[224]

تشریح از مرقاۃ

(إذا صلحت) ای تنورت بالإیمان و العرفان و الإیقان۔

یعنی جب قلب منور ہو جائے نورِ ایمان، نورِ عرفان اور نورِ ایقان سے۔

صلح الجسد أي أعضاؤه کله بالأعمال و الأخلاق و الأحوال۔

یعنی جسم کے اعضاء سے اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حمیدہ اور احوالِ جمیلہ ظاہر ہوں گے۔

و إذا فسدت أي إذا تلفت و أظلمت بالجحود و الشک و الکفرا۔

یعنی جب قلب برباد ہو جائے ظلمتوں سے بسبب جحود اور شک اور کفر کے۔

فسد الجسد کله أي بالفجور و العصیان فعلی المکلف أن یقبل علیها و یمنعها عن الإنهماک في الشهوات و لا یستعمل جوارحه باقتراف المحرمات۔

یعنی جسم فاسد ہو گا نافرمانی سے اور گناہوں سے۔ پس مکلف پر یعنی ہر شخص پر واجب ہے کہ قلب کی نگرانی رکھے اور اس کو روک کر رکھے خواہشاتِ نفسانیہ میں منہمک ہونے سے اور اس کے جوارح نہ استعمال ہوں ارتکابِ محرمات میں۔

(الا و هی القلب) لان القلب فهو کالملک و الأعضاء کالرعیة۔

اس لئے کہ قلب مثل بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کی رعایا ہیں۔

---

[224] (عمدۃالقاری، ج ۱، ص ۳۰۲)

اصلاحِ باطن کی اہمیت

قال القاری فی المرقاۃ فأھم الأمور مراعاته۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ نہایت اہم امور میں سے ہے قلب کی اصلاح اور نگرانی۔

قلب کا مفہوم

کما قال الشاعر

قد سمی القلب قلباً من تقلبهٖ　　　فاحذر علی القلب من قلب و تحویل

جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے، قلب کا نام قلب اس لئے ہے کہ وہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ پس سخت اہتمام رکھو کہ قلب حق سے باطل کی طرف نہ پھر جائے۔

عن ام سلمۃ قالت کان اکثر دعائهٖ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم یکثر یا مقلب القلوب ثبت قلبي علی دینک۔ (رواہ البخاری)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم اس دعا کو کثرت سے پڑھتے تھے۔ اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو دین پر قائم رکھیے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بفتح القاف و بضم خطا باشد۔ قسطلہ ایک مقام ہے جس کی طرف نسبت ہے۔ غیاث الغیاث) نے قلب کو امیر البدن اور قالب کو اس کی رعیت فرمایا اور رعیت کی صلاح و فساد موقوف ہے امیر کی صلاح و فساد پر، فرماتے ہیں:

و أشرف ما في الإنسان قلبه فإنه العالم باللہ تعالی و الجوارح خدم له۔ [225]

[225] (ارشاد الساری فی شرح البخاری، جواھر البخاری، ص ۵۵)

اس حدیث سے اصلاح قلب پر استدلال

سمی القلب قلبا لتقلبه فی الامور و خص القلب بذلک لأنه أمیر البدن و بصلاح الأمیر تصلح الرعیة و بفساده تفسد و فیه تنبیه علی تعظیم قدر القلب و الحث علی صلاحه۔[226]

قلب کا نام قلب اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ متقلب فی الامور ہوتا ہے اور اس نام کے ساتھ قلب کو خاص کیا گیا کیونکہ قلب امیر البدن ہے۔ امیر کی اِصلاح سے رعایا کی اِصلاح ہوتی ہے اور اس کے فساد سے رعایا کا فساد ہوتا ہے۔

اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اِصلاحِ قلب کا عظیم الشان ثبوت ہے جیسا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا معمول ہے۔ اگر قالب سے گناہ سرزد ہوتے ہیں (مثلاً داڑھی منڈانا، ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا، بدنگاہی کرنا وغیرہ) تو یہ سب قلب کے فساد کی علامت ہے۔ اصلاحِ قالب کے لئے اصلاحِ قلب لازمی ہے اور فسادِ قالب کے لئے فسادِ قلب لازمی ہے۔

کما قال الخواجه الهندی المجذوب رحمة اللّٰه تعالیٰ علیه:

جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں۔

قلب سلیم کی تفسیر

جب قلب صالح ہوجاتا ہے اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔ قلبِ سلیم کی پانچ تفسیریں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی ہیں اس آیت کے ذیل میں:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَ لَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

---

[226] (فتح الباری، ج ۱، ص ۱۲۸)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

(١) الذي ينفق ماله في سبيل البر۔

قلبِ سلیم وہ ہے کہ جو مال خرچ کرے نیک راستہ میں۔

(٢) ألذی یرشد بنیه إلی الحق۔

قلبِ سلیم وہ ہے جو اپنی اولاد کو نیک راستے پر لانے کی کوشش کرے۔

یہ دو تفاسیر يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (الشعراء٨٨) کے پیش نظر اس کے ربط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئیں۔

(٣) الذی یکون خالیاً من العقائد الباطلة ای من الکفر و الشرک و البدعة۔

قلبِ سلیم وہ ہے جو عقائدِ باطلہ یعنی کفر و شرک اور بدعت سے خالی ہو۔

(٤) الذی یکون خالیاً من الشهوات التی تؤدی الی النار۔

قلبِ سلیم وہ ہے جو ان تقاضائے شہوانیہ کے غلبہ سے نجات پا جائے جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔

(٥) قال سفیان۔۔۔۔۔الذی لیس فیه غیر اللہ۔

اور سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں قلب سلیم وہ ہے جس میں ماسویٰ اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔[227]

كما قال الخواجه الهندی رحمة اللہ تعالیٰ علیه:

دل میرا ہو جائے اک میدان ہو — توہی تو ہو توہی تو ہو توہی تو

اور میرے تن میں بجائے آب و گل — دردِ دل ہو دردِ دل ہو دردِ دل

---

[227] (روح المعانی، ج١٩، ص١٠١)

غیر سے بالکل ہی اٹھ جائے نظر　　　　تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر
ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

كما قال الامام الغزالی رحمة الله تعالیٰ عليه: الاسم الاعظم هو الله بشرط ان تقول الله و ليس فی قلبك سوی الله۔

ترجمہ: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے بشرطیکہ اللہ زبان سے نکلے تو قلب غیر اللہ سے خالی ہو۔

گزرتا ہے کبھی دل پر وہ غم جس کی کرامت سے
مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے۔۔۔!

(اخترؔ)

علامہ محی الدین ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے اصلاحِ باطن پر جس کا صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اہتمام کرتے ہیں۔

هذا الحديث التاكيد على السعی فی اصلاح القلب۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اصلاحِ قلب کے حاصل کرنے پر۔[228]

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(بضم القاف والطاء ہے۔ قرطبہ اندلس کا ایک شہر ہے اور اندلس کو اب اسپین کہتے ہیں) اعمال کی صحت و فساد کا مدار قلب کے اصلاح و فساد پر ہے۔

---

[228](شرح مسلم شریف، ج ۲، ص ۲۸: مطبوعه دهلی)

دینِ اسلام میں اس حدیث کی حیثیت

حدیث: الاوان فی الجسد مضغۃ، الخ کو محدثین نے عماد الدین فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

قال النووي رحمه الله اتفق العلماء على عظم موقع هذا الحديث وكثرة فوائده فإنه أحد الأحاديث التي عليها مدار الإسلام قيل هي ثلاث حديث الأعمال بالنيات وحديث من حس إسلام المرء تركه ما لا يعنيه وهذا الحديث۔[229]

عبارت شرح مسلم للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

أجمع العلماء على عظم وقع هذا الحديث وكثرة فوائده وأنه أحد الأحاديث التي عليها مدار الإسلام قال جماعة هو ثلث الإسلام وأن الإسلام يدور عليه وعلى حديث الأعمال بالنية وحديث من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه۔[230]

ترجمہ: علماء کا اجماع ہے کہ یہ حدیث عظیم الشان ہے اور کثیر الفوائد ہے اور یہ حدیث ان تین احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا دارو مدار ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث ثلثِ اسلام ہے (یعنی اس میں تہائی اسلام ہے) وہ تین احادیث جن پر مدار اسلام ہے یہ ہیں:

(۱) الاوان فی الجسد مضغۃ، الخ۔

ترجمہ ہو چکا۔

(۲) انما الاعمال بالنیات، الخ۔

اعمال کی قبولیت کا مدار اخلاص نیت پر ہے۔

---

[229] (مرقاۃ المفاتیح، ج۱، ص ۳۵)

[230] (شرح مسلم للنووی علیہ الرحمۃ، ج۲، ص ۲۸)

(۳) مِنْ حُسْنِ إسلامِ المرءِ تَرْكُهُ ما لا يَعْنِيهِ۔

آدمی کا حسنِ اسلام لایعنی اور فضول باتوں کے ترک کر دینے سے ہے۔[231]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز مکتوب نمبر ۳ اور ۹ میں لکھتے ہیں:

کام کا دارومدار دل پر ہے، اگر دل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو برباد اور برا ہے۔ صرف ظاہری عملوں اور رسمی عبادتوں سے کام نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف توجہ کرنے سے دل کو محفوظ رکھنا اور وہ اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے یہ دونوں کام درکار ہیں۔ اعمالِ صالحہ بدنیہ کی ادائیگی کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے جس طرح کہ اس دنیا میں بدن کے بغیر روح کا ہونا متصور نہیں اسی طرح اعمالِ صالحہ بدنیہ کے بغیر احوالِ قلبیہ کا حصول محال ہے۔ آج کل بہت سے بے دین لوگ اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مکتوب میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو عبادت کو ظاہری شریعت میں منحصر سمجھتے ہیں اور حضورِ قلبی و اخلاص عمل کو عبادت میں شمار نہیں کرتے اور اسی طرح ملحد اور بے دین لوگ جو ظاہر شریعت (اعمالِ بدنیہ) کے بغیر سلامتیٔ قلب کا دعویٰ کرتے ہیں اور عبادات کی ادائیگی کو ضروری نہیں جانتے آپ نے ان کی بھی مذمت فرمائی ہے۔

---

231 (کشکول معرفت، ص۱۳۶ تا ۱۴۲)

اعمال واحوال کا دارومدار قلب پر ہے

حقیقت الامر یہ ہے کہ قرآن و سنت سے اعمال ظاہری اور احوال باطنی (دونوں امور) کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔ سلامتیٔ قلب کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

یعنی جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

اور اعمال ظاہری کے متعلق فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکهف ١٠٧)

بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔

بلکہ اگر اعمال ظاہری میں ریا کا عنصر شامل ہو جائے تو عند الشرع بھی وہ عمل باطل و فاسد ہو جاتا ہے، جس طرح کفر و شرک تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ریا بھی (جو کہ شرک خفی ہے) اعمال صالحہ کے فساد کو مستلزم ہے۔

معلوم ہوا کہ ظاہری اعمال کی قبولیت بھی حضورِ قلب پر منحصر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔[232]

یعنی حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

---

232 صاحب تشیید المبانی ص ۴۷ پر رقمطراز ہیں۔ قال المخرّج لم اجده بهذا اللفظ انتهیٰ قلت هذا حديث مشهور في كتب الصوفية۔ اس حدیث کا مفہوم احیاء علوم الدین ص ۱۰۱ ج ۱ احادیث کے مطابق ہے۔ لا ينظر الله إلى صلاة لا يحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه۔

اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے مطابق نماز مومن کی معراج اسی صورت میں ہے جب نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اور حضورِ قلب ان لوگوں کا حصہ ہے جو سلیم القلب ہیں اور قلب کی سلامتی ماسویٰ اللہ تعالیٰ گرفتاری سے آزادی کا نام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

معلوم ہوا کہ دل کا تقویٰ عند الشرع مطلوب ہے اور اعمال و احوال کی صحت کا نام ہی تقویٰ ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے:

ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب۔[233]

"خبر دار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سُدھر تا ہے پورا جسم سُدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑ تا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سنتے ہو وہ قلب ہے۔"

معلوم ہوا کہ قلب کی اصلاح سے سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جسم عبادات وطاعات پر مستقیم اور راغب ہو جاتا ہے۔

---

233 صحیح بخاری ص ۱۳ ج ۱۔

نیز ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ لا ینظر إلی صورکم وأموالکم وفی روایۃ إلی أجسادکم ولکن ینظر إلی قلوبکم واعمالکم۔[234]

بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتااورروایت میں تمہارے جسموں کی طرف بھی نہیں دیکھتالیکن تمہارے دلوں اوراعمال کو دیکھتا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:**التقویٰ ھھنا۔**[235]تقویٰ یہاں ہے۔(تین مرتبہ دل کی طرف اشارہ فرمایا۔)

معلوم ہوا کہ دل اور عمل دونوں متلازم ہیں جس سے احوال واعمال کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح **"إنما الأعمال بالنیات"**[236]سے بھی اعمال کادارومداردل پر ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

اقسامِ قلب

۱۔ قلبِ منیب ۲۔ قلبِ شہید ۳۔ قلبِ سلیم

قلبِ منیب

قلبِ منیب وہ ہے جس سے خطراتِ روحی اور نیک کام ظاہر ہوں،مثلاً تقویٰ، مجاہدہ، عبادت اورریاضت وغیرہ۔

---

234 صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲۔

235 صحیح بخاری۔

236 (صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، الحديث: ا، ج ا، ص ٦، دار الكتب العلمية، بيروت)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَ جَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ (ق ۳۳)

قلبِ شہید

قلبِ شہید وہ ہے کہ جس کو عرش اللہ کہا گیا ہے۔

قلبِ شہید کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق ۳۷)

قلبِ سلیم

قلبِ سلیم وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت سما جائے اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَ لَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ۸۹)

امراضِ قلب

صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلب کی بیماریاں بھی تین ہی ہیں جن سے سالک کو بچنا چاہیئے قلبِ مریض کو قلبِ سقیم بھی کہتے ہیں۔

حدیثِ نفس

اپنے ارادہ واختیار سے دل میں باتیں کرتے رہنا۔

خطرہ

بغیر ارادہ واختیار کے دل میں باتوں کا گزرتے رہنا۔

نظر بہ غیر

اشیائے متکثرہ کو دیکھنے سے مختلف چیزوں کے علوم وخیالات حاصل ہوتے رہنا۔

خطراتِ قلب

انسان کے دل پر مختلف قسم کے خطابات وارد ہوتے رہتے ہیں جن سے سالک کو آگاہ رہنا چاہیئے۔ وہ چار قسم کے ہیں۔

خطرۂ نفسانی

اگر خطاب نفس کی طرف سے وارد ہو تو اس کو خطرۂ نفسانی کہتے ہیں۔ اس کو ہوا جس بھی کہا جاتا ہے۔

خطرۂ شیطانی

اگر خطاب شیطان کی جانب سے ہو تو خطرۂ شیطانی کہتے ہیں۔ اس کو وسواس بھی کہتے ہیں۔

خطرۂ مَلکی

اگر فرشتے کی جانب سے ہو تو خطرۂ مَلکی یا الہام کہتے ہیں۔

خطرۂ رحمانی

اگر حق تعالیٰ کی جانب سے ہو تو خطرۂ رحمانی کہا جاتا ہے۔

بینہ

خطرۂ نفسانی میں شہوت ولذتِ نفس کا شوق ابھرتا ہے اور یہ دیرپا ہوتا ہے۔ خطرۂ شیطانی میں دل کے اندر معصیت کی خواہش چٹکیاں لیتی ہے۔ یہ جلدی چلا بھی جاتا ہے۔ خطرۂ مَلکی میں اذکارو

عبادت کا شوق پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خطرہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ اس کی طرف فوراً عملی رجوع کرے تاکہ غائب نہ ہو جائے۔ خطرۂ رحمانی میں محبتِ الٰہی اور مشاہدۂ حق کا شوق پیدا ہوتا ہے یہ خطرۂ مبارکہ سالک کے دل میں مستقل قیام کر لیتا ہے اور جانے کا نام نہیں لیتا اور دل کو غیر کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

اور اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم انہیں یہ درس دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے۔

ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہے:

ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔

"اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کی طرف، بلکہ وہ تمہارے دِلوں کی طرف دیکھتا ہے۔"

أخرجہ مسلم فی صحیحہ فی کتاب البر والصلۃ عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

انسان کی اصلاح اس کے دل کی اصلاح سے مربوط ہے جو اس کے ظاہری اعمال کا مصدر و منبع ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صفاتِ مذمومہ سے اپنے آپ کو خالی کرے اور ان افعال حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے تب قلب انسانی صحیح ہو جاتا ہے اور ان صفات کا حامل انسان کامیاب اور نجات پانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ (۸۸) اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ (الشعراء ۸۹)

ترجمہ: "جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حضورِ قلب سلیم لایا۔"

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دل کا علم اور اس کے امراض یعنی حسد، خود پسندی اور ریاء وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق فرضِ عین ہے۔[237]

دل کا تصفیہ اور تہذیبِ نفس اہم ترین فرضِ عین ہے جس کی دلیل قرآن وسنت اور اقوالِ علماء سے ثابت ہے۔

القرآن:

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ۔ (الاعراف:۳۳)

ترجمہ: آپ فرمایئے، بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیاں جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں۔

نیز فرمایا: وَلَاتَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ (الانعام ۱۵۱)

ترجمہ: "اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں۔"

مفسرین کرام رحمھم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فواحشِ باطنہ سے مراد حقد، ریاء، حسد اور نفاق وغیرہ ہیں۔

---

[237] (الاشباہ والنظائر, للسیوطی ص ۵۰۴)

الحدیث:

وہ تمام احادیث جن میں حقد، تکبر، ریاء اور حسد کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے اور اسی طرح وہ تمام احادیث جن میں اخلاق حسنہ اور حسن معاملہ کا حکم ہے، کتب احادیث میں اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

الایمان بضع و سبعون شعبة فاعلاها قول، لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذی عن الطریق، و الحیاء شعبة من الایمان۔[238]

ترجمہ: ”ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سب سے بہترین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے اذیت دینے والی چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔“

ایمان کا کمال ان تمام شعبوں کے کامل ہونے اور ان سے آراستہ و مزین ہونے سے ہے اور ان صفات کی زیادتی سے ایمان میں اضافہ اور ان کی کمی سے ایمان ناقص ہوتا ہے۔ اور یقیناً باطنی امراض انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعمال بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

علماء کے اقوال:

علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قلبی امراض کو ان کبائر میں شمار کیا ہے جن کیلئے مستقل توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب جوہرۃ التوحید فرماتے ہیں:

و امر بعرف و اجتنب نمیمه　　و نمیه و خصله ذمیمه
کالعجب و داء الحسد　　و کالمراء و الجدل فاعتمد

---

[238] (أخرجه البخاری و مسلم فی صحیحیهما فی کتاب الایمان عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه)

ترجمہ: "نیکی کا حکم دو، چغل خوری، غیبت اور بری عادت سے بچو جیسا کہ خود پسندی، تکبر، حسد کی بیماری اور لڑائی جھگڑا اور اسی پر اعتماد کرو۔"

اس کے شارح مصنف کے قول "خصلہ ذمیمہ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی ہر اس عادت سے بچو جو شرعاً مذموم ہو۔ مصنف نے یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا شمار عیوب نفس میں ہوتا ہے، کیونکہ ظاہری اصلاح کے ساتھ ان اشیاء کا باقی رہنا نجاست کے ساتھ آلودہ جسم پر کپڑے پہننے کی طرح۔ انہی صفات ذمیمہ میں سے ایک عجب ہے اور اس سے مراد اپنی عبادت کو بہت زیادہ گمان کرنا، جیسا کہ کوئی عابد اپنی عبادت پر، اور عالم اپنے علم پر فخر و مباہات کرے تو یہ حرام ہے، یہی حکم ریاء کا ہے۔ عجب کی مثل ظلم، بغاوت، تکبر، حسد اور لڑائی جھگڑا صفات مذمومہ ہیں۔[239]

فقیہ اعظم ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں: اخلاص، عجب، حسد اور ریاء کو جاننا فرض عین ہے اور اسی کی مثل دیگر آفات نفس جیسے تکبر، بخل، حقد، دھوکہ دہی، غضب و غصہ، عداوت، بغض، طمع، فخر و تکبر، خیانت، مداہنت، مخلوقِ خدا کو حقیر جاننا، طولِ امل اور ان کے علاوہ دیگر آفات جن کا ذکر "احیاء العلوم" میں مہلکات کے ضمن میں آتا ہے۔

آپ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بشر ان صفات سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ان میں سے ان چیزوں کو سیکھے جو اس کے نفس کیلئے ضروری ہیں اور جن کا ازالہ فرضِ عین ہے اور ان کا ازالہ صرف اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب انسان ان کی تعریفات، اسباب و علامات اور علاج کو جانتا ہو اور جو شخص شر کو نہیں پہچانتا، وہ اس میں واقع ہو جاتا ہے۔[240]

---

[239] (شرح الجوھرۃ للباجوری ص ۱۲۲-۱۲۰ توفی سنۃ ۱۲۷۷ھ)

[240] (حاشیۃ ابن عابدین المسماۃ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار، ج ۱ ص ۳۱)

صاحبِ ہدیہ علائیہ فرماتے ہیں کہ حسد، مسلمانوں کو حقیر جاننا، ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرنا، تکبر، خود پسندی، ریاء، نفاق اور دل سے متعلقہ جملہ اعمال قبیحہ کی حرمت پر اجماع ہے بلکہ سمع و بصر اور دل میں سے ہر ایک سے ان کے اختیاری اعمال کے متعلق باز پرس ہو گی۔[241]

صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں:

"ظاہری طہارت اسی وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب باطنی طہارت میں اخلاص شامل ہو۔ اور وہ کینہ، ملاوٹ اور حقد و حسد سے منزہ ہو اور دل اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی ہر شے سے مبرا ہو۔ اور اس کی عبادت محض اس کی ذات کیلئے ہو، نہ کہ کسی سبب اور علت کیلئے۔ اور اسی کی بارگاہ میں اپنے دامن کو پھیلائے تو وہ اپنے خاص لطف و احسان سے اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔"

اے غافل! اس یکتائے روزگار مالک حقیقی کا بندہ بن جا، اس کے علاوہ کوئی شے تجھے اپنی طرف متوجہ نہ کرے، تیری خواہش نفسانی تجھے اس کی بارگاہ کی چاکری سے نہ روکے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رب مستور سبتة شهوته قد عری من ستره و انهتكا
صاحب الشهوه عبد فاذا ملك الشهوه اضحی ملكا

ترجمہ: "کتنے ہی صاحب پوشاک لوگ ہیں جن کو شہوت نے قیدی بنا رکھا ہے۔ در حقیقت وہ اپنے ستر سے عریاں اور لاغر و ناتواں ہو چکے ہیں۔ نفسانی خواہش میں مبتلا شخص ایک غلام کی مانند ہوتا ہے اور جب اپنی شہوت پر قابو پالے تو وہی شہنشاہ بن جاتا ہے"۔

---

[241] (الهداية العلائية، علاء الدين عابدين ص ۳۱۵)

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کیلئے مخلص ہو جاتا ہے اور ان امور کو بجالاتا ہے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو ہر حال اور ہر وقت عنایاتِ خداوندی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے وہ تمام علوم سکھا دیتا ہے جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّقُوا اللہَ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللہ۔

"اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ۔"[242]

جس طرح انسان کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ نجاست اور گندگی سے آلودہ کپڑوں کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے، اسی طرح یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے دل کو طرح طرح کی پوشیدہ بیماریوں میں مبتلا کر دے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کا محل ہے۔

تطبب جسمک الفانی لیبقی　　　وتشرک قلبک الباقی مریضا

"تو اپنے جسم کا علاج کرتا ہے کہ وہ باقی رہے اور باقی رہنے والے دل کو بیماری کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔"

کیونکہ قلبی امراض اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت سے بُعد اور دوری کا سبب ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر۔

یعنی "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہو گا"[243]

---

[242] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص ۷۱-۷۰)

[243] (رواہ مسلم فی صحیحہ فی کتاب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس سے ثابت ہوا کہ آخرت میں انسان کی سلامتی اس کے دِل کی سلامتی پر موقوف ہے اور اس کی نجات ان مذکورہ امراض سے نجات حاصل کرنے پر ہے۔

کبھی انسان کے نفسانی عیوب پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس کے دل کی بیماریاں بھی انتہائی دقیق ہوتی ہیں، وہ اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ کمال سے کوسوں دور ہوتا ہے تو اس صورتِ حال میں ان امراض اور دل کی دقیق بیماریوں کو پہچاننے کا کونسا طریقہ ہے اور ان امراض کے علاج کا کون سا طریقہ ہوگا کہ انسان ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے؟

یقیناً اس کا حل تصوف ہی ہے جو قلبی امراض اور تزکیۂ نفس اور اس کی گھٹیا صفات سے نجات دلانے کا کامیاب نسخہ ہے۔ ابن ذکوان نے "فائدۃالتصوف" میں فرمایا ہے:

علم بہ تزکیہ البواطن   من کدارت النفس فی المواطن

"تصوف ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے نفس کی مخفی اور پوشیدہ کدورتوں سے باطن کا تصفیہ ہوتا ہے۔"

علامہ منجوری نے اس شعر کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تصوف وہ علم ہے جس کی مدد سے باطن کو نفس کی کدورتوں سے پاک اور صاف کرنے کی کیفیت کو پہچانا جاتا ہے اور کدورتوں سے مراد نفس کے عیوب اور اس کی قابلِ مذمت صفات ہیں۔ مثلاً کینہ، حقد، حسد، دھوکہ دہی، ملاوٹ، خود ستائشی کو پسند کرنا، تکبر، ریاء، غیض وغضب، لالچ، بخل، تعظیم امراء اور تحقیر غرباء کیونکہ علمِ تصوف انسان کو اس کے عیوب اور ان کے علاج کی کیفیت سے آگاہ کرتا ہے اور اسی کے ذریعے نفس کی

رکاوٹوں کو دور اور اس کی قابلِ مذمت عادات اور بری صفات سے پاک کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آراستہ کرنے کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔[244]

صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو وراثت نبوی صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں سے علم و عمل کا وافر حصہ ملا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو توبہ، تقویٰ، استقامت، صدق، اخلاص، زہد، ورع، توکل، رضا، تسلیم، ادب و محبت اور ذکر و مراقبہ جیسی صفات کاملہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتے ہیں۔

قدر فضوا الاثام والعیوب   وطھروا الابدان والقلوب
وبلغوا حقیقه الایمان   وانتھجوا مناھج الاحسان

ترجمہ: (۱) "انہوں نے گناہوں اور عیوب کو ترک کیا، اور اجسام اور قلوب کو پاک کیا"
(۲) "اور ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل کی اور احسان کی راہوں پر گامزن ہوئے"[245]

تصوف نے بدنی اور مالی عبادات کے ساتھ ساتھ اس قلبی پہلو اور عملی طریقہ کی بھی نشاندہی کی ہے جو مسلمان کو ایمان اور اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیتا ہے۔ تصوف محض اوراد پڑھنے اور ذکر کے حلقات قائم کرنے کا نام نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہن سے یہ بات نکل چکی ہے کہ تصوف ایک ایسا عملی نمونہ ہے جو ایک عام اور اللہ تعالیٰ سے دور انسان کو ایک کامل مثالی مسلمان بنا دیتا ہے اور اسی وجہ سے اسے ایمانِ کامل، خالص عبادت، حسن معاملہ اور عمدہ اعلیٰ اخلاق حاصل ہو جاتا ہیں۔

---

[244] (النصرة النبوية للشيخ مصطفىٰ اسماعيل المدنى على هامش سرح الرائية للفاسى ص ٢٦)

[245] (الفتوحات الالٰهية فى شرح المباحث الأصلية للعلامة ابن عجيبة على هامش شرح الحكم لابن عجيبة ج ١ ص ١٠٥)

اس سے تصوف کی اہمیت اور اس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ چیز ہمارے لئے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف ہی روح اسلام اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہے کیونکہ دین فقط ظاہری اعمال اور امور شکلیہ کا نام نہیں جن میں نہ کوئی روح ہو اور نہ کوئی زندگی۔

مسلمان اس درجہ انحطاط اور ضعف کا شکار ہو چکے ہیں کہ انہوں نے روحِ اسلام اور اس کے جوہر کو چھوڑ دیا ہے۔ اب ان میں صرف اسلام کی ظاہری شکل ہی باقی رہ گئی ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ غیور اور باعمل علماء لوگوں کو صوفیاء کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور ان کی بارگاہ کو لازم پکڑنے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ وہ اسلام کی ظاہریت کے ساتھ ساتھ روحِ اسلام سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں اور صفائے قلبی اور اخلاقی بلندی کے معنے و مفہوم کو سمجھ سکیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت کے حصول اور اس کی محبت، مراقبے اور دائمی ذکر میں مشغول ہو جائیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طریقِ تصوف کو جانچنے، اس کے نتائج کے حصول اور اس کے ثمرات کو چکھنے کے بعد فرمایا:

"صوفیاء کرام کی جماعت میں داخل ہونا فرضِ عین ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی عیب سے خالی نہیں"۔[246]

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو ہمارے تصوف میں داخل نہ ہوا، وہ عدم شعور کی حالت میں کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا۔"[247]

[246] ("النصرۃ النبویۃ" علی ھامش سرح الرائیۃ للفاسی ص ۲۶)
[247] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ص۷)

ابن علان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کیونکہ کونسا شخص ہے جو روزے رکھتا ہو اور اپنے روزوں پر فخر نہیں کرتا ہو اور وہ کونسا شخص ہے جو اپنی نماز پر فخر نہیں کرتا، اور یہی حال دوسری عبادات کا ہے۔ اس لئے ایک شیخ کامل ہونا ضروری ہے جو انسان کو ان عیوب سے آگاہ کرتا رہے۔

کیونکہ یہ راستہ ناقص لوگوں کیلئے انتہائی دشوار گزار ہے، اس لئے انسان کو چاہیے کہ بڑے عزم وصبر اور مجاہدہ کے ساتھ اس کو عبور کرے تاکہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کے غضب سے بچالے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”حق کے راستہ کو لازم پکڑو اور اس پر چلنے والوں کی قلت سے نہ گھبراؤ۔ باطل کے راستہ سے بچو اور اس پر چلنے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ اور جب بھی تو تنہائی سے گھبرائے تو اپنے سے سبقت لے جانیوالے ساتھی کو دیکھو اور اس کے ساتھ ملنے کی کوشش کرو، اس کے علاوہ اغیار سے آنکھیں بند کر لو۔ یہ لوگ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ دوران سفر اگر تجھے پکاریں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ جب تو ان کی طرف متوجہ ہو گا تو تجھے پکڑ لیں گے اور سفر سے روک لیں گے۔[248]

---

[248] (المنن الکبریٰ، للشعرانی ج ۱ ص ۴)

باب دوم

تصوف کا عملی طریقہ

گزشتہ باب میں تصوف کی اہمیت اور مومن کامل کی شخصیت کی تکوین و تعمیر میں اسکا مقام واضح ہو چکا ہے اور یہ کہ تصوف، دینِ اسلام کی عملی صورت ہے اور وہ بندہ کی ظاہری اصلاح، باطن کی تعمیر، اسکے اخلاق کی تحسین اور اس کی عبادات کی تصحیح کا اہتمام کرتا ہے۔

صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ محض کلام نظری سے شرع کے احکام اور آداب لوگوں پر واضح کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سالک کا ہاتھ پکڑ کر ترقی کے تمام مراتب میں اسکے ساتھ چلتے ہیں اور سیر الی اللہ کی تمام منازل میں اسکے ساتھ رہتے ہیں، اور اپنی خصوصی عنایات اور مہربانیوں سے نوازتے ہیں اور انکے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں اور اپنے حال و قال اور اپنی علو ہمت اور عظمت و صداقت سے اسے پروان چڑھاتے ہیں۔ اگر وہ ذکر سے غافل ہو جائے تو اسکی توجہ ذکر کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ اگر صراطِ مستقیم سے منحرف ہو تو اسے دوبارہ راہِ راست پر لاتے ہیں۔ اگر وہ مجلس سے غائب ہو جائے تو اسکی خبر گیری کرتے ہیں۔ جب سست پڑے تو اس کی سستی زائل کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ دین کے ارکان یعنی ایمان، اسلام اور احسان تک سالک کی رسائی ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اربابِ اعمال واحوال ہوتے ہیں نہ کہ اربابِ دعویٰ واقوال۔ کلام اور تعلیم تو بہت آسان ہے لیکن اس کے مقابلہ میں عمل اور تطبیق بہت مشکل۔

اس باب میں ہم وہ عملی نصاب بیان کریں گے جس کو صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ رضاءِ الٰہی اور اس کی معرفت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں۔

یہ عملی نصاب کتاب اللہ کی عملی تطبیق اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع واقتداء پر مبنی ہے۔ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کوئی نیا طریقہ اختراع نہیں کیا اور نہ ہی کسی نئے اسلوب کو اپنایا ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے قول، عمل اور اخلاق کے متبع ہیں۔

صحبتِ شیخ

اس عنوان کے تحت درج ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار

(۲) قرآن و سنت سے اس کا ثبوت

(۳) صحبت کی اہمیت کے بارے میں علماء و محدثین اور عارفین کے اقوال و آراء۔

(۱) صحبت کی اہمیت اور فوائد و آثار:

صحبت کا انسان کی شخصیت، طرزِ عمل اور اخلاق پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ صحبت اختیار کرنے والا روحانی اثر اور عملی اتباع سے اپنے صاحب کی صفات کو اخذ کرتا ہے۔ انسان طبعی طور پر معاشرتی واقع ہوا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملے اور ان میں اس کے دوست واحباب ہوں۔ اگر وہ برے اور فاسق و فاجر لوگوں کو دوست بنائے گا تو وہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو گا اور اسکی اچھی صفات بتدریج ناپید ہو جائیں گی لیکن اسے شعور تک بھی نہیں ہو گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دوستوں کی طرح ذلت کی انتہائی پستی میں گر جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کسی صاحبِ ایمان، متقی اور کسی عارف باللہ کی صحبت کو اختیار کیا تو جلد ہی وہ بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے گا۔ اور اس

سے عمدہ اخلاق، پختہ ایمان، صفاتِ عالیہ اور معارفِ الٰہیہ حاصل کرے گا اور اپنے نفس کے عیوب اور برے اخلاق سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی آدمی کے اخلاق کو اس کے دوست و احباب سے پہچانا جاتا ہے۔

اذا کنت فی قوم فصاحب خیارھم   ولا تصحب الاردی فتردی مع الردی
عن المرء لا تسئل وسل عن قرینہ   فکل قرین بالمقارن یقتدی

(۱) جب تو کسی قوم میں ہو، تو ان میں سے بہترین لوگوں کی صحبت اختیار کر، گھٹیا اور خسیس لوگوں کی سنگت اختیار نہ کر، کہ تو بھی ان کے ساتھ ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

(۲) کسی انسان کے متعلق نہ پوچھ، بلکہ اس کے دوست کے متعلق پوچھ، کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ بلند مرتبہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صحبت و ہم نشینی سے حاصل کیا ہے حالانکہ قبل از صحبت جہالت کی تاریکیوں میں تھے۔ اسی طرح تابعین کو جو یہ عظیم شرف ملا ہے یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صحبت اور ملاقات کے ہی طفیل ہے کیونکہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی رسالت عام اور تا قیامت رہنے والی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے علماء و عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ کو اپنا جانشین بنایا ہے اور انہیں اپنے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم سے علم و اخلاق اور ایمان و تقویٰ ورثہ میں ملا ہے اور یہ ہدایت و ارشاد اور دعوت الی اللہ میں اپنے نبی کے نائب ہیں۔ یہ سینۂ نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں تاکہ انسانیت کے لئے ہدایت اور حق کے راستے کو روشن کریں جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے دل میں بھی وہ نور سرایت کر جاتا ہے جو انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے حاصل کیا ہے۔ پس جس نے ان کی نصرت و اعانت کی گویا وہ دین کا

معین و مددگار ہوا اور جس نے اپنی زنجیر کا حلقہ ان پاکباز لوگوں کی زنجیر سے مربوط کیا تو وہ در حقیقت نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک جا پہنچا، گویا کہ چشمہ ٔ نبوت سے فیض یاب اور سیر اب ہوا۔

عارف باللہ حضرت عبد القادر عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب حقائق عن التصوف، جو کہ عربی زبان میں ہے، میں تصوف کے جملہ آداب پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

علم، اعمال کی بنیاد، ان کا پیش رو اور ان کے صحیح ہونے کا ضامن ہے۔ جس طرح علم، بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا، بعینہ عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں دیتا۔

و عالم بعلمه لم يعلمن — معذب من قبل عباد الوثن

اذ كل من بغير علم يعمل — اعماله مردودة لا تقبل

(۱): کتنے ہی عالم ہیں جو اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہوتے، انہیں بتوں کے پجاریوں سے پہلے عذاب دیا جائے گا۔

(۲): کیونکہ جو بغیر علم عمل کرتا ہے اس کے اعمال مردود اور غیر مقبول ہوتے ہیں۔

علم اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ سالک ایمان، معرفتِ الٰہی اور حصولِ رضا کے کسی مقام و منزل میں علم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

سلوک کی ابتدا میں عقائد، عبادات اور معاملات کے علم کا حصول ضروری ہے اور منازلِ سلوک کے وسط میں سالک دل کے احوال، حسنِ اخلاق اور تزکیہ ٔ نفس کے علم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر تصوف کے عملی نصاب میں علم ضروری کے حصول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ تصوف اسلام کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کی عملی تطبیق کا نام ہے۔ ہم یہاں کچھ آیات کریمہ اور

احادیث نبویہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ذکر کرتے ہیں جو علم کی عظمتِ شان اور عُلُوِّ مرتبہ پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن اور فضیلتِ علم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱)إِنَّمَا یَخْشَی اللہ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

ترجمہ: "اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں"۔

(۲):قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر ۹)

ترجمہ: "آپ پوچھئے، کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل"۔

(۳):يَرْفَعِ اللہُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ ۱۱)

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا"۔

خوب غور فرمایئے اس آیت کریمہ میں ایمان والوں کو خطاب ہے اور ایمان والے وہ ہیں جو صحیح عقائد اہلسنت وجماعت رکھتے ہوں اگر سچے صحیح عقائدِ اہلسنت وجماعت کے نہ ہوں پھر علم بھی ہو تو وہ علم بیکار ہے۔اس لئے ایمان کے بعد اہلِ علم کے درجات بلند فرمانے کا ذکر آیا یعنی جو صحیح العقیدہ علماء ہیں اُن کے درجات اللہ تعالیٰ بلند فرماتا ہے پھر مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندئ مراتب اور رفعِ درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔

(معلوم ہوا کہ صرف ایمان بھی درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے) کیونکہ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ اور وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ کے درمیان فصل ہے اور علم سے مراد علمِ دین ہے جس سے عقائد و اعمال درست ہوں۔

حضرت ابو جعفر بن جریر الطبری فرماتے ہیں:

وقوله (إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) يقول تعالى ذكره: إنما يخاف الله فيتقي۔[249]

حضرت علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی فرماتے ہیں:

قال الربيع بن انس من لم يخش الله فليس بعالم۔۔۔فهو احق ان يخشىٰ و يتقى۔

ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی فرماتے ہیں آیت مذکورہ کی تفسیر میں:

وقال مسروق: كفى بخشية الله علمًا و كفى بالاغترار بالله جهلا۔۔۔۔۔فقال الشعبي: إنما العالم من خشي الله عز و جل۔[250]

مفسرِ اعظم صاحبِ جلالین **إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ٢٨)** کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اى ان خشية الله شرطها العلم و المعرفة به فمن اشدت معرفته لربه كان اخشاهم له و لذا ورد فى الحديث انا اخشاكم بالله و اتقاكم۔[251]

پھر فرماتے ہیں:

نسأل الله سبحانه ان يجعلنا عالمين و محققين و فى الخوف و الخشية صادقين و محققين۔[252]

---

[249] (تفسیر طبری، ج٢٠، ص٨٧)

[250] (تفسیر البغوی، ج٣، ص٥٧٠)

[251] (تفسیر جلالینم ص ٣٦٦، طبعه نور محمد کارخانه کراچی و تفسیر جمل، ص ٣٩٣، ج٣، حدیث مذکور و تفسیر صاوی، ص ٢٩٥، ج٣، حدیث مذکور و تفسیر روح البیان، ص ٣٤٤، ج٧، حدیث مذکور)

[252] (ص ٣٤٤)

التفسیر الکبیر للامام الفخر الدین الرازی میں ہے:

الْخَشْيَةُ بِقَدْرِ مَعْرِفَةِ الْمَخْشِيِّ وَالْعَالِمُ يَعْرِفُ اللہ فَيَخَافُهُ وَيَرْجُوهُ وَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْعَالِمَ أَعْلَى دَرَجَةً مِنَ الْعَابِدِ لِأَنَّ اللہ تَعَالَى قَالَ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللہ أَتْقَاكُمْ (الْحُجُرَاتِ ۱۳)[253]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بازارِ مدینہ میں تشریف لے گئے، وہاں ملاحظہ فرمایا کہ ایک غلام یہ کہہ رہاہے کہ جو مجھے خریدے وہ مجھے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے اسے ایک شخص نے خرید لیا پھر وہ غلام بیمار ہو گیا تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کی تیارداری کو تشریف لے گئے، پھر ان کی وفات ہو گئ تو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے دفن میں شریک ہوئے اس پر بعض لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ غلام اور اس پر اتنا انعام اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[254]

یہ ہیں درجات ایماندار اور تقویٰ دار کے۔

تفسیر کبیر میں صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللہ إِشَارَةٌ إِلَى عَمَلِ الْقَلْبِ۔[255]

یعنی مراد صحیح نیت و صحیح عقیدہ ہے۔

إنما الأعمال بالنيات۔ (رواہ البخاری)

نيت المؤمن خير من عمله۔

---

[253] (تفسیر کبیر، ج۲۵، ص ۵۲۱)

[254] (تفسیر نور العرفان)

[255] (تفسیر کبیر، ج۲۵، ص ۲۲)

حضرت مولانا ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی صاحب فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ عزوجل إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کے یہ معنی ہیں، جو اس کو یعنی اللہ تعالیٰ کو قادر و مختار جانتے ہیں وہ اس سے ڈرتے اور اس کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے ہم کو انسان بنایا اور اگر وہ چاہتا تو گدھا بنا دیتا اور انسان بناتا تو لولا لنگڑا بنا دیتا، یا ناسمجھ پیدا کر دیتا اور وہ جو چاہے کر دے۔ پھر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل کرتا ہے۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ میں عمل قلب کی طرف اشارہ ہے جو جمیع حسنات کا اصل الاصول ہے (ص ۷۵) تفسیر حقانی کا بیان ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (فاطر ۲۸)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ عزت والا، بخشنے والا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

المراد بالعلماء العالمون بالله عزّ وجلّ وبما يليق به من صفاته الجليلة وأفعاله الحميدة وسائر شؤونه الجميلة لا العارفون بالنحو والصرف مثلاً فمدار الخشية ذلك العلم لا هذه المعرفة فكل من كان أعلم به تعالى كان أخشى۔[256]

ترجمہ: علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کی ذات و صفات کی عظمتوں سے باخبر ہیں نہ یہ کہ صرف صَرف و نحو کے جاننے والے وغیرہ۔ پس خشیت کا مدار اللہ تعالیٰ کی معرفت کے علم پر ہے جو جتنا ہی عارف باللہ ہوتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

[256] (روح المعانی تفسیر آلوسی، ص ۱۹۱)

جیسا کہ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

أنا أعلمكم بالله و أخشاكم لله۔[257]

یعنی اے لوگو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (فاطر ۲۸)

بے شک اللہ عزت والا، بخشنے والا۔

هذه الاية تعليل لوجوب الخشية۔

یہ آیت وجوب خشیت کی علت بیان کرتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ زبردست طاقت والے ہیں تو ان کو انتقام پر بھی کمال قدرت حاصل ہے اور کمال القدرت سے ڈرنا عین مقتضائے عقل ہے، اور مغفرت و رحمت کا تعلق نہیں قائم ہوتا ہے مگر اس ذات سے جو سزا پر قادر ہو۔ پس عزیز اور غفور کا ربط واضح ہو گیا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور خشیت کے آثار ہر وقت ان کے چہرے پر نمایاں رہتے تھے۔[258]

---

[257] تفسیر روح البیان سورۃ الاحزاب ج۷ ص ۱۳۹ ، تفسیر قشیری سورۃ البقرۃ ۱۳۲ ج ۱ ص ۱۲۷۔

[258] (روح المعانی، ج ۲۲، ص ۱۹۲) (کشکول معرفت، ص ۲۸۵)

حدیث: أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔[259]

ترجمہ: خبر دار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، خبر دار وہ دل ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الانتباہ فی سلاسل الاولیاء میں تفصیل سے حدیث تحریر کی ہے:

قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لکل شئی مصقلة و مصقلة القلب ذکر اللہ۔[260]

ترجمہ: "فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کہ دل کی مثال اس آئینہ کی ہے جسے زنگ لگ گیا ہے، اس کے واسطے صیقل کرنے والا چاہیئے کہ اس کو وہ صیقل کریں اور اگر نہیں تو آئینہ خراب ہو جائے گا، قلب کا صیقل اللہ کا ذکر ہے"۔ (یعنی ذکر اللہ تعالیٰ)

کقولہ تعالیٰ جل جلالہ: الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد۲۸)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

او کما قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال ۲) الخ۔

صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل یعنی ذات و صفات کی آیات سے تو ہیبت الٰہی پیدا ہو اور آیت عذاب سے خوف، آیات رحمت سے

[259] (متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۱۲۴)

[260] (ص ۹۰، والذخائر لاھل البصائر، ص ۴۹)

ذوق و شوق پیدا ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں عشق کی جلوہ گری نہ ہو وہ کامل مؤمن نہیں۔[261]

او کما قال اللہ تعالیٰ: الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الحج ۳۵)

ترجمہ: کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔

اس میں تلاوت قرآن، وعظ، ذکر کے حلقے، تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا سب ہی داخل ہے۔

علامہ امام جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لیس العلم من کثرۃ الحدیث و لکن العلم من الخشیۃ و اخرج ابن المنذر عن یحیی بن ابی کثیر قال العالم من خشی اللہ او اخرج عبد بن حمید عن مسروق قال کفیٰ بالمرء علما ان یخشی اللہ و کفی بالمرء جھلا ان یعجب بعملہ و عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کفیٰ بخشیۃ اللہ علما و کفیٰ باغترار المرء جھلا و عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیس العلم بکثر الروایۃ و لکن العلم الخشیۃ و اخرج ابن ابی شیبۃ و الترمذی و الحاکم عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم العلم علمان علم فی القلب فذاک العلم النافع و علم علی اللسان فذاک حجۃ اللہ علی خلقہ۔[262]

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کثرت حدیث کا نام علم نہیں بلکہ علم تو خشیت الٰہی کا نام ہے۔ اور ابن منذر نے یحیٰی بن ابو کثیر سے روایت نقل کی کہ عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور عبد بن حمید مسروق سے راوی فرماتے ہیں کہ آدمی کے عالم ہونے کے لئے اس کا اللہ سے ڈرنا کافی اور آدمی کی جہالت کے لئے اس کا اپنے علم پر عجب (تکبر) کرنا کافی ہے"۔

---

261 (تفسیر نور العرفان)

262 (تفسیر درمنثور، ج۵، ص ۲۴۹، ۲۵۰، وررواہ الدارمی)

وعن الحسن قال: "العلم علمان فعلم في القلب فذاک العلم النافع وعلم على اللسان فذاک حجة الله عز وجل على ابن آدم"۔[263]

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں قلبی اور لسانی علم نافع کا تعلق تو قلب سے ہے اور زبانی علم ابن آدم پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔[264]

و عن ابی هريرة قال حفظت من رسول الله صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم و عائين فاما احدهما فبثثته فيكم و اما الاخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم يعنى مجرى الطعام۔[265]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے دو قسم کا علم حاصل کیا ہے ان میں سے ایک تو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے لیکن اگر دوسرا بھی پیش کر دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے یعنی کھانا کھانے کی رگیں۔

علم نافع کا تعلق تو قلب سے ہے، وہ نفع یہ ہے:

قال الله تعالیٰ: هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (المائدة ۱۱۹)

ترجمہ: یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے بڑی کامیابی۔

یعنی جو دنیا میں سچے عقیدے، سچے اعمال پر رہے وہ آج نفع میں ہے (باقی تفسیر طویل ہے)۔

---

263 (مشكاة المصابيح، ج ۱، ص ۵۸، باب العلم)

264 (دارمی، مشکوٰۃ، ص ۳۷)

265 (رواه البخاری و مشکوٰۃ، ص ۳۷)

تفسیر نور العرفان میں ہے:

او کما قال اللہ تعالیٰ: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللہ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا اسلامت دل لے کر۔

سلامتیِٔ دِل سے مراد دل کا بد عقیدگیوں سے پاک ہونا ہے، صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلب سلیم وہ ہے جسے محبت و عشقِ الٰہی کے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ عربی میں سلیم سانپ کے ڈسے ہوئے کو کہتے ہیں۔

لا ایمان لمن لا محبۃ لہ۔

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ و مالہ و ولدہ و والدہ و الناس اجمعین او کما قال اللہ تعالیٰ: وَلٰكِنَّ اللہ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ (الحجرات ٧)

ترجمہ: اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا"۔ یعنی دلوں کو منور کر دیا۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللہ يَهْدِ قَلْبَهُ (التغابن ١١)

ترجمہ: اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت فرما دے گا۔

یعنی جس طرح خشیت الٰہی کا مقام دل یعنی قلب ہے، اسی طرح عشق و محبت، ایمان اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز، ہدایت، ادب، تعظیم، معرفت الٰہی اور انوار و تجلیات کا مقام قلب ہے۔

الخشوع فی الصلوٰۃ۔ کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نماز کی حالت میں امتیوں کے دلوں کو دیکھتے ہیں:

أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: (هل ترون قبلتي ههنا و الله ومايخفى علي ركوعكم ولا خشوعكم وإني لأراكم وراء ظهري۔[266]

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا تم دیکھتے ہو کہ میں قبلہ رو ہوں، خدا کی قسم تمہارا رکوع، سجدہ، خشوع مجھ سے پوشیدہ نہیں رہتا میں پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں''

اس لئے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

قال ان تعبداللہ کانک تراہ الخ۔[267]

ترجمہ: یعنی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اس انداز سے عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو''

اس دیکھنے سے مراد دل کی آنکھ ہے نہ کہ سر کی اور دل کی آنکھ ثابت ہے۔

كقوله تعالىٰ: لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج ۴۶)

ترجمہ: تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

---

[266] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۵۹)

[267] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۷)

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله۔[268]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا مؤمن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

مراد اس سے نورِ تقویٰ اور ایمان ہے جس سے مومن کا قلب منور ہے کہ وہ علم نورانی لدنی سے دیکھتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

اس سے علمائے اہلِ شریعت اور اہلِ طریقت دونوں مراد ہیں۔ جس طرح علمِ ظاہر شریعت میں پوچھنے کا حکم ہے، اسی طرح علمِ باطن یعنی علمِ طریقت میں بھی علمِ ظاہر والے علماء اہلِ طریقت سے پوچھتے ہیں اور علمِ معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے علمِ ظاہر کے حصول کے بعد بڑے بڑے اکابر علماء نے اہلِ طریقت بزرگانِ دین سے بیعت کی ہے، علمِ نافع کے لئے علماء اہلِ طریقت کے محتاج ہیں۔

کقولہ تعالیٰ: فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (کهف ٦٥)

ترجمہ: تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا۔

---

[268] (رواہ الترمذی، ج ۲، ص ۱۴۵)

اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دوگے نیک بات جو تمہیں معلوم ہوئی۔ یعنی حضرت خضر علیہ السلام آپ کا نام شریف بلیلا ابن ملکان ابن فالخ ابن عامر ابن شالخ ابن ارفحشد ابن سام ابن نوح ہے آپ کی کنیت ابو العباس اور لقب شریف خضر جو قیامت تک زندہ رہیں گے آپ کا علم بغیر کسی سے پڑھے ہوئے مادر زاد علم ہے اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کا علمِ لدنی ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سارے اولیاء اللہ کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک شاگرد کا استاد کے ساتھ رہنا، دوسرا اس کی خدمت کرنا، تیسرا اس کا ادب کرنا۔[269]

اس واقعہ سے ثابت ہے کہ ایسی چیزوں کا علم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا ان ہی واقعات کا علم حضرت خضر علیہ السلام سے ملا جو علمِ لدنی نورانی سے تھا۔

اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی نے تفسیر ابن کثیر میں: **اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ (الانفال ۴) ترجمہ:** "سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی" فرماتے ہیں:

"حضرت حارث بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ حارث! صبح کیسی گزری؟ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ایک مومن حقیقی کی حیثیت سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا خوب سمجھ کر کہو ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے بتاؤ تو سہی، تو حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ دنیا کی محبت سے میں نے روگردانی کر لی ہے، راتوں کو

---

269 (تفسیر نور العرفان)

جاگ کر عبادت کرتا ہوں، دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں اور اپنے کو یوں پاتا ہوں، گویا میرے سامنے عرش الٰہی کھلا ہوا ہے اور گویا میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو گرفتار بلا دیکھ رہا ہوں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہاں اے حارث! تم حقیقت ایمان تک پہنچ چکے ہو اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ یہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے تین مرتبہ فرمایا"۔[270]

ایک ایسا ہی واقعہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اے حارث! تم نے کس حال میں دن پایا؟ میں نے عرض کی کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا میں گویا عرش الٰہی کو ظاہرًا دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھ رہا ہوں۔

وکأني أنظر إلى عرش ربي بارزا، وکأني انظر إلى أهل الجنة يتزاورون فيها، وکأني أنظر إلى أهل النار يتضاغون فيها۔[271]

---

270 (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۷۳)

271 (جامع کبیر، ج ۱٦، ص ۱۴۵)

اس واقعے کو مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مثنوی شریف میں نقل فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے سامنے ۸ بہشت اور سات دوزخ ایسے ظاہر ہیں، جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں۔ ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے، میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں؟"۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس (چپ رہو)۔ (جاء الحق و فقہ الاکبر، مطبوعہ مراد آباد میں بھی ہے)۔

مولوی قاسم نانوتوی بانی دیوبند نے بھی تحذیر الناس میں تحریر کیا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھ رہا ہوں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک لاکھ پچھتر ہزار بار کلمہ طیبہ نفی اثبات (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ طیبہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔[272]

---

[272] (ص ۶۰)

مولوی سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کی کتاب صراط مستقیم (کشف ارواح وغیرہ کا طریق پہلا افادہ میں ہے) کشفِ ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوحِ محفوظ پر مطلع ہونے کے لیے دورے کا شغل کرے۔ پس زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کرکے وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گزشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی اِصلاح اور مشاورت معلوم ہو جاتی ہے۔[273]

یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ بھیجا تھا اور یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تقویٰ اور کثرتِ عبادت سے ملا تھا۔ جس کو قرآن و حدیث میں حقیقی مومنین حقیقی ایمان دار فرمایا اور یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے علمِ لدنی قلبی نورانی علم تھا جس پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید نے جنت و دوزخ کو دیکھا تھا اور یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی قلبی نورانی ہے جس کی تصدیق قاسم نانوتوی، سید احمد رائے بریلی اور اسمٰعیل دہلوی بھی کرتے ہیں اور یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی ہے جس کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (النساء ۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ یہ وہی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی ہے جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مقام پر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے تو فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ

---

[273] (ص ۱۸۰)

أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، الخ۔ ترجمہ: آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ابتدائے خلقت سے لے کر جنتیوں کے جنت کے مقامات میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کو دوزخ کے مقامات میں داخل ہونے تک کی تمام خبریں ہمارے سامنے بیان فرمادیں۔ جس کو یاد رہا، یاد رہا جس کو بھول گیا، بھول گیا۔[274]

دوسرے حدیث مکمل سند کے ساتھ حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علمِ لدنی نورانی علم۔

حدثنا سلیمان بن احمد حدثنا بکر بن سهل حدثنا نعیم بن حماد حدثنا بقیة عن سعید بن سنان حدثنا ابو الذاهدیة عن کثیر بن مرة عن ابن عمر قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم إِنّ اللهَ عَزّ وَجَلّ رَفعَ لِي الدُّنيا، فَأَنَا أنظُرُ إِلَيها، وَإِلى ما هو كائنٌ فِيها إِلى يوْم الْقِيَامةِ كَمَا أَنظُرُ إِلَى كفِّي هَذهِ۔[275]

ترجمہ: بے شک میرے لئے اللہ تعالٰی نے تمام دنیا کو ظاہر فرمایا تو (جو کچھ اس دنیا میں تھا) میں اس تمام دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں جیسا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا علم جیسا تھا ویسا ہے حیاتِ دنیوی اور حیات بعد الموت میں کوئی فرق نہیں بمع آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سب آداب و تعظیم وغیرہ میں مولوی محمد احتشام الحسن کاندھلوی دیوبندی تجلیات مدینہ میں تحریر ہے کہ جمہور علمائے محققین بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی حیات اور وفات میں

---

274 (رواہ البخاری، ج ۱، ص ۴۵۳، مشکوٰۃ، ص ۵۰۶)

275 (حلیة الأولیاء، ج ۶، ص ۱۰۱، مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۱۹۲، زرقانی، ج ۷، ص ۲۰۴، نسیم الریاض، ج ۲، ص ۲۰۸، جامع الکبیر الجزء الثانی، ص ۲۸۲، تفسیر صاوی، ص ۹۷، ج ۱، حصہ دوم، تفسیر روح البیان، ج ۴، ص ۴۰۱)

کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اب بھی اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں اور ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالوں سے اللہ رب العزت نے آپ کو باخبر کیاہے اور یہ سب امور آپ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے کہ ان میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہی۔[276]

یہ ہے بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علم لدنی نورانی جو ابدالاابد تک باقی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر اصل فارسی میں فرماتے ہیں، ترجمہ یہ ہے: ”حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے نورِ نبوت سے ہر دین دار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجے میں ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیاہے اور کون ساحجاب اس کی ترقی میں مانع ہے۔ پس حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تمہارے گناہوں کو تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے اخلاق و نفاق کو جانتے ہیں لہٰذاان کی گواہی دنیامیں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے“۔[277]

علامہ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

لا فرق بين موته وحياته في مشاهدته لأمته, ومعرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلک عنده جليّ "ظاهر" "لا خفاء به"۔[278]

ترجمہ: حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا اپنی امت کے مشاہدہ کرنے میں موت وحیات کا کوئی فرق نہیں، حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنی امت کے احوال کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح ان کی نیتوں کو عزائم کو اور دل میں موجود خطرات تک سے حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ

---

[276] (ص ۹۰)

[277] (تفسیر عزیزی، ج ا، ص ۲۳۶)

[278] (ج ۲، ص ۳۸۷، علامہ زرقانی، ج ۸، ص ۳۵۰)

وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم واقف ہیں اور یہ تمام امور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے بالکل واضح ہیں، اس میں کوئی اخفاء نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے اکثر علوم لدنی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالٰی سے زیادہ علوم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے لدنی یعنی بغیر کسی پڑھے ہوئے مادرزاد علوم ہیں۔ سراج العلماء حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں بعض اکابر علماء اور بزرگان دین رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا اولیاء رحمہم اللہ تعالٰی کا علم انبیاء علیہم السلام کے علوم کے سامنے ایسے ہے جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علوم حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے ایسے ہیں اور ایسے ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے علوم اللہ تعالٰی جل جلالہٗ کے علوم کے سامنے ہیں۔

اگرچہ بندوں کے علوم کتنے ہی کثیر ہوں لیکن علم حق تعالٰی کے سامنے قلیل ہیں۔ جس درجے کی عقل ہے اس درجے کا علم۔ [279]

احادیث نبویہ:

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو انسان حصولِ علم کیلئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالٰی اس کیلئے جنت کے راستے کو آسان فرما دیتا ہے، ملائکہ اس کے عمل سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا لیتے ہیں، زمین وآسمان کی مخلوق عالم کیلئے استغفار کرتی ہے حتی کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔

---

279 (قندیل نورانی، ص ۲۱ تا ۲۵)

انبیاء درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ پایا۔[280]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! تیرا ایک آیت کو سیکھنا سو رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے اور تیرا علم کے ایک باب کو سیکھنا ہزار رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔[281]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"یشفع یوم القیامة ثلاثة، الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء."[282]

ترجمہ: "قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے، پہلے انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

" إذا أرادَ اللّٰہُ بعبدٍ خيرًا فقَّهَهُ في الدِّينِ وألهمَهُ رشدَهُ۔"[283]

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور رشد و ہدایت کا الہام کرتا ہے۔"

---

[280] (ترمذی و ابو داود و ابن ماجہ فی کتاب العلم)

[281] (ابن ماجہ)

[282] (ابن ماجہ)

[283] (طبرانی، بزاز)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے سنا ہے! عالم بن جاؤ یا متعلم، یا علم کا سامع یا اس سے محبت رکھنے والا، ان چار کے علاوہ پانچواں شخص نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے پانچویں شخص کی وضاحت کی ہے جس کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ علم اور صاحبِ علم کے ساتھ بغض رکھے۔[284]

حصولِ علم کا حکم:

شرعی حکم کے اعتبار سے علم کی تین اقسام ہیں:

(۱): مامور بہ (وہ علم جس کے حصول کا حکم دیا گیا ہو)۔

(۲): منہی عنہ (وہ علم جس سے روکا گیا ہو)　　(۳): مستحب

(۱): مامور بہ: اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): فرض عین　　　(۲): فرض کفایہ

فرض عین وہ ہوتا ہے جو مکلف کے بذاتِ خود ادا کرنے سے اس سے ساقط ہوتا ہے۔ مکلف پر فرض عین علوم کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع کے متعلق بعض بنیادی قواعد ذکر کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: وہ چیز جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو پس وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا وسیلہ اور سبب ہو، وہ فرض ہو گا۔ اور جو واجب کی ادائیگی کا وسیلہ ہو، واجب اور جو سنت کی ادائیگی کا وسیلہ ہو گا وہ سنت ہو گا۔

---

[284](رواہ الطبرانی، وبزار، کذافی "مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۲)

ان قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے ہم بعض ان علوم کو بیان کرتے ہیں جو ہر مکلف پر فرض ہیں۔

(۱): عقائد اہلسنت اور اس کے اجمالی دلائل کو جاننا، تاکہ انسان ملحدین کی تشکیک اور گمراہ کن لوگوں کے مغالطوں سے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(۲): ان مسائل کو جاننا جن کے ذریعہ مکلف فرضی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ادا کر سکے۔

(۳): اور جس شخص کا واسطہ معاملات یعنی خرید و فروخت وغیرہ کے ساتھ ہو اس پر ان احکام کا سیکھنا فرض ہے

جن کے ذریعہ حرام سے بچ سکے اور شرعی حدود کا التزام کر سکے۔

(۴): احوال قلب یعنی توکل، خشیت اور رضا وغیرہ کو جاننا کیونکہ مسلمان کو اپنی زندگی میں ان تمام احوال سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۵): تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننا، تاکہ اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرے۔ اور ان اخلاق کو ترک کرنے کیلئے مجاہدۂ نفس کرے کیونکہ مجاہدہ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب سالک تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے ان تمام طریقوں کو بھی جان لے جن میں صوفیائے کرام مشغول رہے۔

اسی لئے شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے علم یعنی تصوف میں داخل ہوئے بغیر مر گیا، وہ بہت سے کبائر پر اصرار کرتے ہوئے مرا جس کا اسے شعور تک بھی نہ تھا۔

یہ جاننا چاہیئے کہ بعض کبائر اور فواحش ظاہری ہوتے ہیں جیسے زنا، شراب نوشی۔ اور بعض باطنی جیسے تکبر اور نفاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دونوں سے روکا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَاتَقْرَبُو االْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَاوَ مَابَطَنَ۔ (انعام: ۱۵۱)

ترجمہ: ”اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کے جو ظاہر ہو ان سے اور جو چھپی ہوئی ہو۔“

ظاہری فواحش کا مرتکب تو توبہ کر لیتا ہے کیونکہ وہ اس کے گناہ پر متنبہ ہوتا ہے مگر فواحش باطنی کا ارتکاب کرتے ہوئے انسان زندگی گزار لیتا ہے توبہ کی فکر نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کے حکم سے ناواقف ہوتا ہے یا اسے شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔

(۲) دوسری قسم فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ وہ ہوتا ہے جس کو بعض لوگ ادا کر دیں تو دیگر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی ایک نے بھی ادا نہ کیا تو تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ فرض کفایہ عموماً وہ ہوتا ہے جس پر امت کی اصلاح موقوف ہوتی ہے، جیسا کہ علم فقہ میں گہرائی تک جانا اور اسی طرح علم تفسیر، حدیث، اصول فقہ، اصول اعتقاد، علم حساب، علم طب، علم صنعت اور علم اسلحہ سازی وغیرہ۔

(ب) علوم منہیہ:

(ا): وہ علوم جن سے منع کیا گیا ہے گمراہ کن مذاہب، مشکک افکار اور عقائد زامغہ کی گہرائی تک جانا منع ہے۔ لیکن ان کی تردید کیلئے اور ان کے خطرات سے بچنے کیلئے انہیں پڑھنا منع نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی کجی کو دور کرنے کیلئے اور ان کے شبہات کو دور کرنے اور دین کی حفاظت کیلئے ان کو سیکھنا فرض کفایہ ہے۔

(۲): مسروقہ مال، خزانوں کی تلاش اور اسی طرح گمشدہ چیزوں کی تلاش کیلیئے علم نجوم کا سیکھنا جائز نہیں کیونکہ اس کا تعلق کہانت سے ہے اور شرع نے ان لوگوں کی تکذیب کی ہے اور ان کی تصدیق کو حرام قرار دیاہے لیکن علمی تحقیقات، نماز کے اوقات جاننے اور قبلہ شریف کی سمت جاننے میں کوئی حرج نہیں۔ جادو سے بچنے کیلیئے جادو کا علم جائز ہے۔ برائی کا علم برائی سے بچنے کیلیئے ہو، نہ کہ اس پر عمل پیرا ہونے کیلیئے کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(ج)۔علوم مستحبہ:

جسمانی اور قلبی فضائل، سنن ونوافل اور مکروہات اور فرائض کفایہ کو جاننا مستحبات سے ہے۔ اسی طرح علم فقہ اور اس کی فروعات، عقائد اور اس کے تفصیلی دلائل کی معرفت بھی اسی قبیل سے ہے۔

خاتمہ: سابقہ بحث سے دین میں علم کی اہمیت اور حصولِ علم کا حکم، اور یہ بات بھی روزروشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ علم کے متعلق صوفیاء کا موقف بالکل واضح ہے۔ اس کیلیئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ در حقیقت صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہی وہ صاحب علم وعرفان لوگ ہیں جن کے قلوب روشن اور روحیں بالیدہ اور ایمان کامل اور ایمان واسلام اور احسان کے جامع ہوتے ہیں۔ پس صوفی علوم عینیہ کے حصول کے بعد ان کے عملاً نفاذ کیلیئے کوشاں ہوتا ہے اور وہ اصلاحِ قلب اور تزکیۂ نفس کرنے کے بعد سچے دل سے متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا، رضوان، معرفت اور غفران سے نوازتا ہے۔

علمائے حقانی انبیائے کرام علیہم السلام کے ورثاء ہیں اوران کی توہین کرنا کفر ہے

جو شخص بلاوجہ علماء حق پر اعتراض کرتا ہے اور ان کی توہین کرتا ہے تو اس کے متعلق شدید وعیدات آئی ہیں:

ومن أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر ولو صغر الفقیه او العلوی قاصراً الاستخفاف بالدین کفر۔

"جس نے عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے اور اگر کسی نے کسی فقیہ عالم یا علوی کی استخفافِ دین کی نیت سے تصغیر کی (یعنی چھوٹا سمجھا) تو اس نے کفر کیا۔"[285]

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۸۹ میں ہے:

وفی النصاب من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر۔

یعنی نصاب میں ہے جس نے کسی عالم (حق) سے بغیر کسی ظاہری شرعی سبب کے بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

اسی طرح عالمگیری ج ۲ ص ۸۹۰ میں ہے:

ویخاف علیه الکفر اذا شتم عالماً أو فقیهاً من غیر سبب۔

اور اس پر کفر کا خوف ہے جب وہ کسی عالم (حق) یا فقیہہ کو بغیر (شرعی) سبب کے گالی دے یا بُرا بھلا کہے۔

---

[285] (اختلاف، ج ۱ ص ۱۲۴)

اور فتاویٰ بزازیہ ص۱۷۸ میں ہے:

قال فی الاشباہ الاستہزاء بالعلم و العلماء کفر و عن مجموع النوازل اھانۃ علماء الدین کفر و عن المحیط ان شتم عالما فقد کفر فتطلق امرأتہ۔

یعنی "صاحبِ اشباہ نے کہا ہے کہ علم اور علماء کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے اور مجموع النوازل میں ہے کہ علماء دین کی اہانت کرنا کفر ہے اور محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے عالم کو گالی دی تو اس نے کفر کیا، اس کی بیوی مطلقہ ہو گئی۔"

الاستخفاف بالعلماء کفر لکونہ استخفافا بالعلم و العلم صفۃ اللہ تعالیٰ۔

یعنی علماء کی توہین و استخفاف کرنا کفر ہے کیونکہ یہ علم کا استخفاف ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

عالمگیری ج۲ ص۸۹۰ اور الفقہ الاکبر ص۲۱۱ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی بڑے عالم و فقیہہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اس فقیہہ نے حضرت شیخ امام ابی بکر محمد بن فضل کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کر دی تو حضرت شیخ صاحب نے اس بے ادب شخص کو قتل کرنے کا حکم سنایا۔

اسی طرح ابن ضیاء نے اپنی کتاب "شرح کنز" میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے علماء کو توہین کی نظر سے دیکھا یا ایسے الفاظ سے ان کا ذکر کیا کہ اس میں عالم کی توہین ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "عمدۃ الاسلام" میں بھی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "علماء وارثِ انبیاء ہیں۔" اسی طرح روضۃ العلماء میں ہے کہ بے علم (جاہل) کے لئے علماء و طلباء کی محفل میں بیٹھنا جائز نہیں، اگر بیٹھ گیا تو بادشاہِ وقت یا قاضی کو چاہیئے بلکہ واجب ہے کہ اس کو منع کرے کیونکہ اس میں طلباء و علماء کی حقارت ہے۔ اگر کوئی شخص محفل میں عالم سے بلند جگہ پر بیٹھا تو

اگر توہین کی نیت ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر استہزاء کی نیت ہو تو پھر اسے تعزیر (سزا) دینا چاہیئے۔ آئمہ کے نزدیک یہ متفق بات ہے۔[286]

اسی طرح خلاصہ میں ہے کہ جس نے عالم کے ساتھ بغض وحسد رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ علماء کی توہین اور بے ادبی انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔"[287]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار ج۳ ص ۲۰۱ میں لکھا ہے کہ:

"اگر اہلِ علم کی توہین استہزاء کی صورت میں ہو تو اسے تعزیراً سزا دی جائے اور اگر بہ نیتِ توہین وگستاخی کی ہو تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ علماء کی توہین کفر ہے، مختار قول کی بناء پر۔"[288]

یہاں پر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مراد علمائے ربانیین ہیں۔ مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ علماء اہل سنت وجماعت کی اہانت و تحقیر کرنا کفر ہے لہٰذا جو شخص علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اہانت کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ علی الاعلان تجدید ایمان و تجدید نکاح کرے۔

---

[286] (فتاویٰ حامدیہ ج ۱ ص ۱۰۳)

[287] (شرح فقہ اکبر ص ۲۱۳، عالمگیری)

[288] (فتاویٰ بدیعیہ)

علمائے ربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہچان

قال وهب بن منبه: وجدت في أحد وسبعين كتاباً أن الله تعالى لم يعط جميع الناس من بدء الدنيا إلى انقضائها من العقل في جنب عقله صلى الله عليه وسلّم إلا كحبة بين رمال الدنيا۔[289]

”حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر (۷۱) کتابوں میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء تا انتہائے دنیا جتنے عقول لوگوں کو عطا فرمائے ہیں وہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کے عقل کے مقابلے میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ریت کے ایک ذرہ کو دنیائے عالم کے تمام ریت کے ٹیلوں سے ہے۔“

اب دیکھو علوم اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ بغیر کسی سے پڑھے ہوئے جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کے سامنے قطرہ ہے حدیث مبارکہ میں فرمایا: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور اللہ سے دیکھتا ہے۔[290]

أن النفوس الزكية القدسية إذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت بالملأ الأعلى ولم يبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد۔[291]

ترجمہ: حضرت ملا علی قاری حنفی مکی علیہ الرحمہ جو کہ علماء دیوبند کے نزدیک بھی مستند ہیں فرماتے ہیں پاک اور صاف نفوس جب بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کرتے ہوئے ملاءِ اعلیٰ سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہوتا اس لئے وہ تمام اشیاء کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ سامنے ہیں۔

---

289 (تفسیر روح البیان ص ۴۴ ج ۵ ا سورۃ الاسراء ا، شرح الشفاء للملاعلی قاری ج ا ص ۱۷۵)

290 (سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۱۳۸ دار الفکر بیروت ۵ /۸۸، کنز العمال حدیث ۳۰۷۳۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۸۸)

291 (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۶ ج ۲ ص ۷ ج ۲)

علامہ سیدی عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف طبقات الکبریٰ میں ولی کامل کے علم کے متعلق فرماتے ہیں:

اطلعه علی غیبه حتی لاتنبت شجرة و لاتخضر ورقة الا بنظره۔[292]

"اس کو غیب پر مطلع کیاجاتاہے یہاں تک کہ کسی درخت کا اگنا اور اس کے پتوں کا سبز ہونا بھی ولی کے نگاہ کے سامنے ہوتا ہے۔"

قطب زمان حضرت عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الابریز میں فرماتے ہیں:

ماالسموات السبع و الارضون السبع فی نظر العبد المؤمن الا کحلقة ملقاة فی فلاة من الارض۔[293]

"ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کامل مؤمن کی وسعتِ نگاہ میں ایسی ہیں جیسے ایک میدان لق ودق میں ایک چھلا پڑا ہو۔"مشت نمونہ خروار میں، میں نے اہل اللہ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اہل شریعت وطریقت کا بغیر کسی سے پڑھے ہوئے علومِ باطنی لدنی نورانی پیش کیا جس کے حصول کا سبب پابندیٔ شریعت وطریقت ہے ظاہر پر اور باطن میں اللہ تعالیٰ سے شدت سے ڈرنا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے تو اس کی ظاہری علامات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا فرمانبردار وتابعدار رہتا ہے اور کسی بھی وقت ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے غافل نہ رہے۔مالی، بدنی، دینی اور دنیوی ہر طرح شریعت کے دائرہ میں رہتاہے دروغ گوئی، وعدہ خلافی ، دنیاپرست، نفس پرست، لالچی، قوم پرست ، ریاکار، شرپسند، بے غیرتی کرنے والا، چغلی کرنے والا، بہتان باندھنے والا، حرام کھانے والا، ضرر پہنچانے والا اور ظلم

---

[292] (طبقات الکبریٰ ص ۱۴۳ طبعہ مصر)

[293] (ابریز ص ۲۰۵ مطبوعة مصر)

کرنے والانہ ہو یعنی تمام بدکرداریوں، بداخلاقیوں اور بدبختیوں سے پاک ہو یہ ہے معنی **إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)** کا۔ یہ تمام اوصاف صرف اہل شریعت اہل طریقت میں ہیں وہی لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔ دوسرے جو تمام صفات اوراخلاقِ حسنہ ہیں وہ انہی میں موجود ہیں جو صفاتِ تقویٰ ہیں۔ مثلاً ادب، تعظیم، حیاء، غیرت، سخاوت، قناعت، عشق، محبت، صبر، شکر، ترحم، شفقت، خیر خواہی، مداومت برنوافل، ذکر، فکر، تواضع، عاجزی، اخلاص، صداقت، نہ بغض، نہ کینہ، نہ حسد، محبت للہ فللہ، شبِ بیداری، مجاہدۂ نفس، کم خوردن، کم گفتن، کم رفتن، خلوت نشینی، دنیا سے بے رغبتی، سچائی، کثرتِ ذکر اللہ وذکرِ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ، متوکل ذات وصفاتِ الٰہی کا عارف عقیدہ اہلسنت وغیرہ رکھنے والے یہ ہیں۔ **إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)** کی تفسیر و تشریح **إِنَّمَا يَخاف الله فيتقى۔ و فى الحديث: من لم يخش الله فليس بعالم۔ وفى الحديث: وكفى بالمرء علما ان يخشى الله وكفى بالمرء جهلا ان يعجب بعمله۔**

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے صرف بزرگانِ دین صحیح العقیدہ اہلِ شریعت وطریقت مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ مذکورہ جملہ صفات ان میں ہیں خواہ کتابیں بہت ہی کم پڑھی ہیں لیکن ان کے لئے علمِ ظاہر اتنا کافی ہے کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال اور حرام جانتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی بڑے بڑے اکابر علماء نے مریدی کی ہے کیونکہ صرف علمِ ظاہر سے بیعت وطریقت، معرفتِ الٰہی اور مکمل تقویٰ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی تھی، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احد اصاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہبیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، حضرت داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حبیب عجمی

رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اکثر بڑے بڑے اکابر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگوں سے فیوض حاصل کئے ہیں کہ بظاہر علم میں ان سے کم تھے لیکن علمِ باطن میں وہی ظاہر علماء اہل باطن کے شاگرد تھے۔

اس لئے مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت سی معتبر کتب میں "وراثت النبی "کا خطاب موجود ہے وہ یہ ہے:

قال صلى الله عليه وسلم الشيخ في قومه كالنبي في أمته۔[294]

---

[294] (إحياء علوم الدين، ج ١، ص ١٦٠) (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج٣، ص ٢٦٥)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٧، ص ٢١)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٧، ص ٢٢١)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج١٧، ص٣٨٦)(الأصل المعروف بالمبسوط، ج٣، ص٥٧)(أحاديث القصاص، ج ١، ص٨٥)(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، ج ١، ص ١٦٩)(إحياء علوم الدين، ج ١، ص ١٦٠)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ١، ٢٢٩)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج ١، ٣٣٩)(التذكرة في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص ١٩٠)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث، ج ١، ص ١٢١)(الفوائد المجموعة – الشوكاني، ج ١، ص٢٨٦)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة، ج ١، ص ١٩٠)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ج ١، ص ١١٥)(المغني عن حمل الأسفار، ج ١، ص٤٨)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج ١، ص ٩)(تذكرة الموضوعات، ج ١، ص ٢٠)(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، ج ١، ص٢٣٦)(كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس، ج ٢، ص١٧)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ١، ص ٤١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج ١، ص٧٥٧)(الفوائد المجموعة للشوكاني بتحقيق المعلمي، ج ١، ص ١٠٥)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج ١، ص ١٧)(النخبة البيهة في الأحاديث المكذوبة للأمير المالكي، ج ١، ص ١٥)(تنزيه الشريعة المرفوعة، ج ١، ص٢٠٧)(تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق، ج ١، ص ٢٢٨)(تخريج أحاديث إحياء علوم الدين، ج ١، ص ٢٢٩)(اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورة المعروف بـ(التذكرة في الأحاديث المشتهرة)، ج ١، ص ١٩٠)(الدرر المنثور في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص ٢٦)(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص ٢٨٠)(تخريج أحاديث الإحياء، ج ١، ص ٥٠)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج ١، ص٢٨)(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص ١٣٣)(المغني عن حمل الأسفار في الأسفار، في تخريج ما في الإحياء من الأخبار (مطبوع بهامش إحياء علوم الدين)، ج ١، ص ٩٨)(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ج ١، ص ٢٨٦)(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب،

ج ١، ص ١٦٩)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج٢، ص١٧)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج٢، ص٢٤٣)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، ج٢، ص١٨)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، ج٢، ص٢٨٨)(التخريج الصغير والتحبير الكبير (مطبوع ضمن مجموع رسائل ابن عبد الهادي)، ج٣، ص١٠٨)(إحياء علوم الدين، ج١، ص١٦٠)(الأحاديث والاثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج١، ص٢٧)(الدرر المنتشرة في الأحاديث المشتهرة، ج١، ص١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج١، ص٤١٢)(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ج١، ص٧٥٧)(تخريج أحاديث الإحياء، ج١، ص١٨٩)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة، ج١، ص١٩٠)(أحاديث حكم عليها شيخ الإسلام، ج١، ص٣)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث للعامري، ج١، ص٢٦)(الدرر المنثورة في الأحاديث المشتهرة، ج١، ص١٢)(الفوائد المجموعة، ج١، ص٢٨٦)(تذكرة الموضوعات، ج١، ص٩)(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج١، ص٢٠٧)(اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة للزركشي، ج١، ص٥٧)(تذكرة الموضوعات، ج١، ص٢٠)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج١، ٢٢٩)(الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرى، ج١، ٣٣٩)(اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع، ج١، ص١٠٥)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (الموضوعات الصغرى)، ج١، ص١١٥)(الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث، ج١، ص١٢١)(النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية، ج١، ص١٧)(تنزيه الشريعة المرفوعة، ج١، ص٢٠٧)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٧، ص٥٨)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج١٤، ص٢٦٣)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج١٧، ص٤١٠)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٤، ص١٤٩٩)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٨، ص٣١١٥)(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٩، ص٣٩٢٥)(المنهل العذب المورود شرح سنن الإمام أبي داود، ج٣، ص٥٧)(تفسير الفخر الرازى-موافق للمطبوع، ج١، ص٣٥٨)(تفسير الفخر الرازى-موافق للمطبوع، ج١، ص٢٧٤٢)(البحر المديد-موافق للمطبوع، ج٨، ص٤٦)(اللباب في علوم الكتاب، ج١٢، ص٧٦)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج٢، ص١٣٩)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج٣، ص٣٥٣)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج٦، ص١٣٥)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج٦، ص٣٥٧)(تفسير روح البيان-موافق للمطبوع، ج٧، ص١٦٧)(تفسير روح البيان - موافق للمطبوع، ج٨، ص١٣٠)(لطائف الإشارات موافقا للمطبوع، ج٢، ص٢٨٩)(لطائف الإشارات موافقا للمطبوع، ج٣، ص٣٠٤)(مفاتيح الغيب - ترقيم الشاملة موافق للمطبوع، ج٢، ص ٢٠٠)(مفاتيح الغيب - ترقيم الشاملة موافق للمطبوع، ج٢٠، ص٣٨)(البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ج١٢، ص٢١٦)(تفسير ابن عجيبة، ج٦، ص٣٠٨)(مفاتيح الغيب، ج١، ص٥٠٠)(مفاتيح الغيب، ج٩، ص٤٠٢)(تفسير اللباب لابن عادل-موافق للمطبوع، ج١، ص٣٢١٢)(تفسير النيسابوري، ج٧، ص٤٩٦)(تفسير النيسابوري، ج١٠، ص٣٩٩)(مفاتيح الغيب، ج٥، ص٧٤)(تفسير اللباب في علوم الكتاب، ج١٠، ص١٣٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٤٥، ص٤٥)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٣٣٤، ص١٣٨)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٦٣٤، ص٨٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٧٣٤، ص٢٤٩)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٥٥٥،

ص ٢٥٦)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٥٧٦، ص ٢٣)(مفاتيح الغيب ـ نسخة محققة، ج ٢، ص ٢٣٢٤)(مفاتيح الغيب ـ نسخة محققة، ج ٢٠، ص ٢١٩)(لطائف الإشارات، ج ٢، ص ٢٨٩)(لطائف الإشارات، ج٣، ص ٣٠٤)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الأول)، ج٥٤، ص ٥٤)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الثانى)، ج٣٣٤، ص١٣٨)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٣٦٤، ص٨٠)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٣٧٤، ص ٢٤٩)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم، ج٥٥٥، ص ٢٥٦)(الحاوى فى تفسير القرآن الكريم (القسم الثانى)، ج٥٧٦، ص٢٣)(البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ج٧، ص ٣١)(روح البيان، ج ٢، ص ١٧٤)(روح البيان، ج٣، س ٢٦٦٤)(روح البيان، ج٦، ص١٨٥)(روح البيان، ج٦، ص ٤٥١)(روح البيان، ج٧، ص ٢١٦)(روح البيان، ج٨، ص ١٧٣)(روح البيان، ج ٩، ص ٦٩)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٤، ص ٢٦٨)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٥، ص ٢١٨)(لطائف الإشارات = تفسير القشيري، ج ٢، ص ٢٨٩)(لطائف الإشارات = تفسير القشيري، ج٣، ص ٣٠٤)(مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، ج ٢، ص ٢٣٢٤)(مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، ج ٢٠، ص ٢١٩)(اللباب في علوم الكتاب، ج ١٢، ص٧٦)(تفسير القشيري، ج٤، ص١٢٧)(تفسير القشيري، ج٧، ص٨٤)(تفسير النيسابوري، ج٥، ص ٢٩)(تفسير النيسابوري، ج٦، ص ٣٣)(تفسير روح البيان، ج ٢، ص ٤١٦)(تفسير روح البيان، ج٥، ص١٠٣)(تفسير روح البيان، ج ٩، ص ١٨١)(تفسير روح البيان، ج ١٠، ص ٢٢٩)(تفسير روح البيان، ج ١١، ص ١٠٢)(تفسير روح البيان، ج ١٢، ص ٣٧٦)(تفسير روح البيان، ج ١٤، ص٥٧)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٤، ص ٢٦٨)(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج٥، ص ٢١٨)(مفاتيح الغيب (تفسير الرازي)، ج ٢١، ص ٦٦)(كتب فى التوحيد، ج٥٤، ص١٤٦)(دراسات في التصوف، ج ١، ص ٢٤١)(التَّصَوُّف .. المنشَأ وَالمَصَادر، ج ١، ص ٢١٤)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج ١، ص ١٧)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج ١، ١٤)(الحبائک في أخبار الملائک، ج ١، ص ٢١٤)(أولياء الله بين المفهوم الصوفي والمنهج السني السلفي، ج ١، ص٩٨)(إفحام المخالفين بمن عندهم من المعتبرين، ج ١، ص ٣٣٤)(إفحام المخالفين بمن عندهم من المعتبرين، ج ١، ص ٣٤٦)(الأسباب الحقيقية لحرق إحياء علوم الدين من قبل أمير المؤمنين ابن تاشفين، ج ١، ١٠٤)(الأسباب الحقيقية لحرق إحياء علوم الدين من قبل أمير المؤمنين ابن تاشفين، ج ١، ٣٨٧)(التَّـصَوُّف .. المنْشَأ وَالمَصَادِر - إحسان إلهي ظهير، ج ١، ص ٢١٣)(الحبائک في أخبار الملائک، ج ١، ص ٦٤)(المقالات الدمشقية في الدفاع، ج ١، ص ١٧)(المقالات الدمشقية في الدفاع، ج ١، ص ٢٤)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٧، ص٩٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٢٩، ص٢٤٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٣٠، ص٢٤٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٣٧، ص١٤٦)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٨٠، ص١٧)(موسوعة الرد على الصوفية، ج٨٠، ص٢٤)(موسوعة الرد على الصوفية، ص ٢١)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص ١٠٢)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص ١٤٢)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة 1-29 جمع وإعداد الباحث في القرآن والسنة علي بن نايف الشحود، ج٦٥، ص ١٥٠)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج٥٨، ص١٧)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها،

ج۵٨، ص۴٢)(مقالات وبحوث في التصوف، ج١، ص٦٩٨)(موسوعة الفرق المنتسبة للإسلام، ج۷، ص٣٩٩)(الخزنوية .. خداع و تضليل، ج ١، ص١۴٦)(أولياء الله بين المفهوم الصوفي والمنهج السني السلفي، ج ١، ص٩۷)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج ١، ص١۷)(المقالات الدمشقية في الدفاع عن ابن تيمية وكشف الضلالات الحبشية، ج ١، ص۴٢)(أحمد بن حجر العسقلاني، ج٨٨، ص٣٠٠)(أنور الجندي، ج٨۷، ص٢٠٠)(محمد بن علي الشوكاني، ج٣٩، ص٣٠۴)(مجموع الفتاوى، ج١٨، ص٣۷٩)(أحاديث القصاص، ج ١، ص٦٨)(مجموع الفتاوى - ابن تيمية، ج١٨، ص٣۷٩)(مجموع الفتاوى - ابن تيمية، ج١٨، ص٣۷٩)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام ابن تيمية، ج ١، ص١٠)(أحاديث حكم عليها شيخ الإسلام، ج ١، ص٣)(ضعيف أبي داود — الأم، ج ١، ص١١۵)درج بالا کتاب میں حدیث مبارکه صَلی الله تعالیٰ علیه وَآله وَسلّم صفحه نمبر ١١۵ پر دو مرتبه بیان کی گئی ہے۔(الرد على الحبشي في كتابه الدليل الشرعي، ج ١، ص١٣)(موسوعة أهل السنة كاملة -عبد الرحمن دمشقية، ج٣، ص٣٦)(موسوعة أهل السنة كاملة -عبد الرحمن دمشقية، ج٣، ص٦١)(التحذير من بعض الفرق المعاصرة المخالفة، ج٦١، ص۴۵)(القسم العربي من موقع (الإسلام، سؤال وجواب)، ج۴، ص١٣٢)(مجموع الفتاوى، ج١٨، ص٣۷٩)(مجموع فتاوى ابن تيمية، ج۴، ص١۵٣)(الدرر المنثور في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص٢٦)(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ج ١، ص٣٠۴)(تهذيب التهذيب، ج٢٠، ص٣٠٠)(مجموع فتاوى ابن تيمية، ص٦)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج٢، ص٣٢)(المكتبة الشاملة- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، ج ١، ص٢٦)(المكتبة الشاملة - المقاصد الحسنة، ج ١، ص٣١٩)(المكتبة الشاملة - المقاصد الحسنة، ج٢، ص٨۴)(الأحاديث والآثار التي تكلم عليها شيخ الإسلام، ج ١، ص٢٢)(شرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، ج ١، ص١٢٠)(كتب ورسائل وفتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية، ج١٨، ص٣۷٩)(الفوائد المجموعة للشوكاني بتحقيق المعلمي، ج ١، ص١٣١)(المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ج ١، ص١٣)(المغني عن حمل الأسفار في تخريج الإحياء، ج ١، ص١٩)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج ١، ص٢٦)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج٦، ص۷)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج۷، ص١٠)(بحوث في الأحاديث الضعيفة، ج١١، ص٦)(شرح شرح نخبة الفكر، ج ١، ص٣)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج ١، ص۴٢٨)(كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج٢، ص١١۷)(شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، ج ١، ص١٢٠)(مقالات وفوائد حديثية من مجلة المنار، ج ١، ص٢٦)(تهذيب التهذيب، ج۴، ص٢۴١)(تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس، ج ١، ص١٦)(شرح الشفا، ج٢، ص٢۷)(تهذيب التهذيب، ج۵، ص٢٩٠)(تهذيب التهذيب، ج١٣، ص۴١٩)(تهذيب التهذيب، ج۵، ص٢٨٩)(تهذيب التهذيب، ج۵، ص٣٣٢)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج ١، ص٢۵٩)(مقالات مجلة الحكمة، ج ١، ص٢٩)(كتب ومقالات أنور الجندي، ج۷۷، ص٢٠)(إحياء علوم الدين—الغزالي، ج ١، ص٨٣)(اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع، ج ١، ص١٠۵)(كتاب إحياء علوم الدين، ج ١، ص١۵٢)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج ١، ص۴٢٨)(سر العالمين وكشف ما في الدارين، ج ١، ص١٨)(بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج٣، ص٢٦۵)(سر العالمين وكشف ما في الدارين، ج ١، ص٣٣)(ميزان العمل، ج ١،

جو بڑے اکابر علمائے دیوبند کے پیر و مرشد ہیں مثلاً سرفراز خان گجرانوالا، غلام خان پنیڈوی، ملا طاہر پنج پیری، مولوی شیخ الحدیث نصر الدین غرگشتوی، مولوی عبد الہادی شاہ منثور، مولوی عبد اللہ درخواستی، مولوی غلام غوث ہزاروی وغیرہ ان کے پیر و مرشد نے فیوضات حسینی میں تحریر کئے ہیں۔

الحاصل:

نائبین ووارثین انبیاء علیہم السلام وہی مشائخِ طریقت ہیں۔ حاجی امداداللہ پیر و مرشد عرب و عجم اور علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اور مشتاق احمد دیوبندی مرقوماتِ امدادیہ مکتوب ۳۱ پر لکھتے ہیں کہ:

ص ۴۵)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۸، ص ۲۷۸)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۹، ص۸۷)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۳)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۰)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۱)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۱۵)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۱۲، ص۶۳)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۲۳، ص۱۴۸)(موسوعة الكسنزان فيما اصطلح عليه أهل التصوف والعرفان، ج۲۳، ص۱۴۹)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج۲، ص۳۰۸)(دليل الواعظ إلى أدلة المواعظ (موضوعات للخطب بأدلتها من القرآن الكريم والسنة الصحيحة)(مع ما تيسر من الآثار والقصص والأشعار، ج۲، ص۱۱۴)(ميزان العمل، ج۱، ص۳۳۳)(إحياء علوم الدين، ج۱، ص۸۳)(بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية، ج۲، ص۲۲۱)(نزهة المجالس ومنتخب النفائس، ج۲، ص۵۹)(أرشيف منتدى الألوكة – 3، ص ۲۸۳۸۱)(مجلة المنار (كاملة 35 مجلدا)، ج۳، ص۶۵۷)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج۵۸، ص۱۷)(مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، ج۵۸، ص۴۲)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۲۰۳)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۲۸۶)(موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، ج۸۵، ص۳۰۸)(أرشيف ملتقى أهل الحديث – 2، ج۱۲، ص ۲۷۷)(أرشيف المجلس العلمي، ج۲۳۲۴۳، ص ۱)(مجلة المنار (كاملة 35 مجلدا)، ج۳، ص۶۵۷)(موجز دائرة المعارف الإسلامية، ج۲، ص۴۷۸)(شرح شرح نخبة الفكر، ج۱، ص۲)

"محبتِ مرداں عین محبت اللہ ورسول (صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلم)
است کہ نائب او شان است"۔
یعنی مرشدوں کی محبت عین اللہ ورسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم کی محبت ہے کہ ان کے نائب ہیں۔

اسی طرح مولوی شبیر احمد عثمانی نے تفسیر عثمانی میں وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان ۱۵) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ پیغمبر یا مرشد ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اسی کے نائب ہوتے ہیں۔ یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چلو۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (کھف ۲۸) "جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ من مات و ليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية۔ یعنی جس نے عمداً مرشدِ طریقت کی بیعت سے انکار کیا وہ تکبر و حسد اور تعصب کی وجہ سے جاہلیت کی موت پر مرا۔[295]

من لا شيخ له فشيخه شيطان ايضاً۔[296]

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر مفسرین کرام رحمھم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں ۔ تفسیر الحسنات جلد پنجم میں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اول خشیت الٰہی کا ذکر فرمایا جو عمل بالقلب ہے اس کے بعد عمل اللسان اور عمل جوارح ہے پھر عبادت مالی ہے۔[297]

---

295 (صحیح مسلم ج۲ ص۱۲۸)
296 (حسین احمد صدر مدرسین دیوبند فی الشہاب الثاقب)
297 (تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۵۸۰)

علامہ قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی علی أدنا کم ثم تلا ھذہ الآیۃ انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

پھر یہ حدیث فرماتے ہیں:

کفی بخشیۃ اللہ علما و کفی بالاغترار جھلا قال الشعبي العالم من یخشی اللہ۔[298]

حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا:

إنّي لأَتْقاكُمْ لِلّٰہِ، وَأَخْشاكُمْ له۔[299]

"یعنی میں بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔"

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت تقویٰ ہے اور جو متقی ہے وہی عالم ہے اور وہی وارث ہے (اور تقویٰ صرف مشائخ طریقت میں ہے)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

إِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ باتوں کی زیادتی کا نام علم نہیں ہے، علم نام ہے بہ کثرت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ کثرتِ روایات کا نام علم نہیں، علم تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی تفسیر معارف القرآن میں إِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں خاص اولیاء اللہ کا ذکر ہے لفظ الْعُلَمَاءُ سے مراد وہ لوگ

---

298 (تفسیر مظہری ص ۵۴ ج ۸)

299 (مسلم (ت ۲۶۱)، صحیح مسلم ۱۱۰۸ و تفسیر فیوض الرحمن ص ۵۰۸ ج ۲۲)

ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں اور مخلوقاتِ عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات وانعامات پر نظر رکھتے ہیں، صرف عربی زبان یا اس کے صرف ونحو اور فنونِ بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ليس العلم بكثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية۔ "بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔" حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے (معلوم ہوا کہ علم بہ اندازۂ خوف وخشیۃ ہے نہ بہ اندازۂ کثرتِ کتب پڑھنے کا وبہ اندازۂ فنونِ علم ویادداشت۔)

اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیتِ الٰہی کو کثرتِ روایات اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا، بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (معلوم ہوا کہ بغیر خشیت وخوف کے صرف کسی عملِ نیک کا طرز وطریقہ وغیرہ یاد کرنا کوئی چیز نہیں) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت وخوفِ الٰہی نہ ہو وہ عالم نہیں، اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

من لم یخش اللہ فلیس بعالم۔

"جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں وہ عالم نہیں"۔

اور مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے:

انما العالم من خشی اللہ۔

سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ منورہ میں سب سے بڑے فقیہہ کون ہیں ؟ تو فرمایا: **اتقاھم لربہ۔** "جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہو" اگر بغیر خشیتِ الٰہی کے صرف علمِ ظاہری زبانی خواہ کس قدر زیادہ ہو کہ وہی کفر و شرک، گمراہی اور بے دینی سے نجات کا سبب ہوتا تو ابلیس علیہ لعنت، بو علی سینا اور بلعم بن باعور کبھی مشرک، گمراہ اور بے دین نہ گزرتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی:

ان الفقیہ حق الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ و لم یرخص لھم فی معاصی اللہ تعالیٰ و لم یومنھم من عذاب اللہ تعالیٰ و لم یدع القرآن رغبۃ عنہ الی غیرہ انہ لا خیر فی عبادتہ لا علم فیھا و لا خیر فی علم لا فقہ فیہ و لا قراءت لا تدبر فیہ۔

"فقیہ مکمل وہ فقیہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن عظیم الشان کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو (علم سے مراد خشیت ہے) اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو یعنی بے خوف ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو"۔[300]

---

300 (تفسیر معارف القرآن ص ۳۳۶ ج ۷)

خیال رہے۔أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (محمد ۲۴) جاننا چاہیئے کہ اہلِ تدبر بھی وہی اہلِ شریعت ،اہلِ طریقت بزرگانِ دین مفسرین مجتہدین اولیاءاللہ عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں جن کے دلوں میں خشیتِ الٰہی ہے۔

معلوم ہوا سب دلائل سے کہ بغیر خشیت علم ،علم نہیں بلکہ مرکب ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الجمعة ۵)

"ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔"کی تفسیر میں مفسر روح البیان وفیوض الرحمن فرماتے ہیں۔

تعلم یافتی فالجھل عار — ولا یرضی بہ الاحمار

"علم تو تو نے حاصل کر لیا لیکن اس پر عمل نہ کرنے سے تجھ سے جہل کو بھی عار ہے ایسی بیوقوفی و حماقت سے صرف گدھا خوش ہوتا ہے۔"

علم چندانکہ بیشتر خوانی — چوں عمل در تو نیست نادانی

نہ محقق بودنہ دانش مند — چارپائے بروکتابے چند

سبق: اہلِ ظاہر کی نظر تو صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ تو فضیلت وشرافت ، نقش و نگار اور زیب و زینت کو دیتے ہیں انہیں معانی وحقائق کا ادراک کہاں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتابیں اٹھاتا ہے اس پر بوجھ ہوتا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا۔اہلِ دل کے عُلوم انہیں اٹھا کر اونچا کرتے ہیں۔اہلِ تن کا علم ان پر بوجھ ہوتا ہے۔علم دل پر مارو تو مددگار ہوتا ہے۔علم کو جب جسم پر ماریں تو وہ اس کا بوجھ ہوتا ہے۔علم کو دل پر مارو تو اللہ تعالیٰ سے سبق حاصل کروگے اور علم کو جسم پر مارو تو صرف ورق سیاہ کروگے۔

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم　　　　تا غلامے شمس تبریزی نہ شد

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں راپیرِ کامل، کاملاں را راہنما

دلائل تو بسیار ہیں لیکن میں صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں اب میں عرض کرتا ہوں کہ جو علماء اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو ان کا ظاہری جسمانی نشان کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ وہ فربہ یعنی موٹے ہیں اور ان کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ ان کے دل میں خشیتِ الٰہی نہیں ہے وہ نفس پرست برائے نام ملا ہیں ۔ اوکماقال علیه الصلاۃ والسلام ان اللہ یبغض حبر المسلمین۔ "یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے" وکان حبر الیھود سمینافغضب۔[301] حضور صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اگرچہ یہ دلیل مالک بن صیف یہودیوں کے مُلا کو تورات سے بوقت مناظرہ پیش فرمائی تھی لیکن یہ نہیں کہ وہ صرف ان کے لئے تھا اوروں کے لئے نہیں یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر بدعقیدہ موٹا عالم اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیونکہ اس کے دل میں خوفِ الٰہی نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند فرماتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہم سب کو اپنا خوف و خشیت عطا فرمائے اور ہمیں خوش عقیدہ رکھے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

301 (اکیس تفاسیر میں ہے جیسے تفسیر مظہر ص ۲۶۶ ج ۳، تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۶ ج ۲، تفسیر روح المعانی ص ۲۱۹ ج ۷، تفسیر کبیر ص ۷۴ ج ۱۳، تفسیر ص ۵۸۰ ج ۱، تفسیر کنز الایمان ص ۱۹۹ ج ۱، تفسیر نور العرفان سورۃ الانعام آیۃ ۹۱)

علم، عمل اور خوف میں کثرت اخلاص

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان کے علم، عمل اور خوف میں ریاکاری کا دخل نہیں ہوتا اور بہت زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لما خلق اللہ عز و جل جنۃ عدن خلق فیھا ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر قال لھا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون (ثلاثا) ثم قالت انا حرام علی کل بخیل و مراء"[302]

جب اللہ تعالیٰ نے جب عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا فرمائیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے اس (جنت) سے گفتگو کی اور اس نے (تین مرتبہ) کہ مومنوں نے کامیابی پائی پھر اس نے کہا میں ہر بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص عملِ آخرت کے بدلے دنیا طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اُلٹ دیتا ہے اور اس کا نام جہنمیوں کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: کہ "من عمل بما علم کان ولیا للہ حقا" جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سچا ولی ہے۔

---

302 (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۷ صفحہ ۵۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میری والدہ نے مجھ سے فرمایا، اے بیٹے! علم تب سیکھو جب اس پر عمل کی نیت کرو ورنہ وہ (علم) قیامت کے دن تمہارے لئے وبال ہو گا۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکثر اپنے نفس کو ان الفاظ میں جھڑکتے اور تنبیہ کرتے "تو صالحین با ادب اور عابدین کی طرح کلام کرتا ہے اور فاسقوں، منافقوں اور ریاکاروں کی طرح عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ مخلص لوگوں کی صفات نہیں ہیں۔"

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: "جو شخص اپنے اعمال میں جادوگر سے زیادہ دانا نہ ہو وہ ریاکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

حضرت ذوالنورین مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا بندے کو کب علم ہوتا ہے کہ مخلص ہے؟ فرمایا: جب وہ عبادت میں اپنی پوری طاقت خرچ کرتا ہے اور اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاں اس کا مرتبہ گر جائے۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: (صوفیاء) بھائیوں کے نزدیک یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ ان میں سے ایک کا اچھا عمل رات کے وقت ظاہر ہو یہ دن کے عمل سے زیادہ شرف والا ہے کیونکہ دن کے وقت اسے لوگ دیکھتے ہیں اور رات کے وقت یہ تمام جہانوں کے رب کے لئے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے کسی کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل جیسا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو کسی کو ان کی طرح کلام کرتے نہیں دیکھا پس میں ان کے عمل جیسا عمل کرنے والے کو کیسے دیکھتا ان کے وعظ سے دل روتے تھے اور دوسروں کے وعظ سے آنکھوں سے رونا نہیں آتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندہ مخلص کب ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: جب اس کا اخلاص دودھ پیتے بچے کی طرح ہو کہ اس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی اس کی تعریف کر رہا ہے یا مذمت۔

حضرت ابو السائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ تھا کہ قرآن مجید احادیث وغیرہ سنتے وقت انہیں رونا آتا تو وہ اسے تبسم کی طرف پھیر دیتے۔

حضرت ابو عبد اللہ الانطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ ریاکار سے فرمائے گا اپنے عمل کا ثواب اس سے لے جس کو دکھایا کرتا تھا۔

اور ان ہی سے ایک روایت ہے کہ ریاکار آدمی جب قیامت کے دن اپنے عمل کے ثواب کا مطالبہ کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اپنے عمل کا ثواب اس سے لو جس کو دکھایا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اس سے کہا جائے گا کیا لوگوں نے تمہارے عمل اور علم کی وجہ سے تمہارے لئے مجالس میں کشادگی پیدا نہ کی؟ کیا تو اپنی دنیا میں رئیس نہ تھا، کیا تمہارے لئے لوگوں نے تمہاری خرید و فروخت میں ارزانی نہ کی؟ کیا انہوں نے تیری عزت نہ کی؟ کیا فلاں کام نہ کیا؟ اس طرح کی کئی باتیں کہی جائیں گی۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تک بندہ لوگوں سے مانوس رہے گا وہ ریاکاری سے بچ نہیں سکتا۔

اور حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: زینت اختیار کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں:

(۱) علم سے زینت اختیار کرنے والے۔

(۲) عمل کے ساتھ زینت اختیار کرنے والے۔

(۳) ترک زینت کے ساتھ زینت اختیار کرنے والے۔

اور یہ (تیسری صورت) شیطان کو زیادہ پسند ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جائز زینت ترک کرنا بھی ریاکاری ہے ۱۲ہزاروی)

حضرت ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھائی تھے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی پیٹھ پیچھے اس کی تعریف نہ کرتا وہ فرماتے تھے تعریف، جزاء میں شمار ہوتی ہے اور میں لوگوں کے درمیان اپنے بھائی کی تعریف کرکے اس کے ثواب کو کم کرنا نہیں چاہتا۔

اور حضرت ابو عبد اللہ الانطاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص اعمال ظاہرہ میں اخلاص طلب کرتا ہے اور وہ دل میں مخلوق کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ محال چیز کا قصد کر رہا ہے کیونکہ اخلاص دل کا پانی ہے جس کے ذریعے اس (دل) کی حیات ہے اور ریا سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے جب بھی اپنے نفس کا محاسبہ کیا میرے لئے یہی ظاہر ہوا کہ وہ خلاص ریاکار ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جس نے لوگوں کے سامنے اپنے نفس کی مذمت کی اس نے اس کی تعریف کی اور یہ ریا کی علامات میں سے ہے۔

اور حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اگر اپنے علم و عمل پر ریاکاری کرنے والا لوگوں کو اپنے دل کی بات بتا دے تو وہ اس سے نارض ہو جائیں اور اس کو عقلی اعتبار سے بے وقوف قرار دیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: اپنے (مسلمان) بھائی سے اس کے روزوں کے بارے میں نہ پوچھو اگر اس نے کہا میں روزہ دار ہوں تو اس کا نفس اس پر خوش ہو گا اور اگر اس نے کہا میرا روزہ نہیں تو اس کا نفس غمگین ہو جائے گا اور یہ دونوں باتیں ریا میں شامل ہیں اور اس میں اس شخص کی رسوائی ہے جس سے سوال کیا گیا اور پوچھنے والے کی طرف سے اس کے پوشیدہ عمل پر اطلاع ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اہل خراسان کو دکھا رہا تھا ان سے پوچھا گیا کہ کس طرح؟ انہوں نے فرمایا وہ چاہتا تھا کہ اہل خراسان کہیں کہ فلاں شخص مکہ مکرمہ میں طواف اور سعی کر رہا تھا اس کو مبارک ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہم نے لوگوں کو پایا کہ وہ اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے تھے پس اب وہ اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ جو کچھ نہیں کرتے وہ دکھاتے ہیں۔

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب آیت کریمہ "ونبلوا اخبارکم" (محمد ۳۱) یعنی ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے، پڑھتے تو کہتے: یا اللہ! اگر تو نے ہمیں آزمائش

میں ڈالا تو ہمیں ذلیل کرے گا اور ہمارے پر دے پھاڑ دے گا اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے۔ یہ بات بھی ریاکاری میں شامل ہے کہ تم کوئی عمل نہ کرو اور اس عمل کے ذریعے دوسروں پر فخر کرو جو تم نے عمل کے بارے میں لوگوں کے کلام اور اقوال سے یاد کیا ہے کیونکہ جس چیز کے ذریعے تم لوگوں پر فخر کرتے ہو وہ تمہارا عمل نہیں اور نہ ہی تم نے اس کے لئے کوشش کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا ذکر اچھے طریقے سے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی وہ اس کے لئے مخلص ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: نیت کو زیادہ سے زیادہ اچھا کرو کیونکہ ریاکاری نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسلام کا کوئی عمل نیت کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کوئی مومن جب اسلام سے متعلق کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں نیت نہیں کرتا تو اس کے لئے اسلام (لانے) کی نیت کافی ہوتی ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ اس میں فقہ حنفی کی تقویت ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہمارے لئے پیٹھ پر کوڑے مارنا اچھی نیت کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے علم طلب کیا اور اس میں ہماری کوئی نیت نہیں تھی پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہمیں اچھی نیت عطا کر دی کیونکہ علم پورے کا پورا عالم کو اخلاص کی ترغیب دیتا ہے پس وہ اسے تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جنتیوں اور جہنمیوں کا جنت اور جہنم میں داخل ہونا عمل کے باعث ہو گا اور وہاں ہمیشہ رہنا نیتوں کی بنیاد پر ہو گا۔

حضرت ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب کوئی عالم کتاب لکھے تو اس کا مقصد وارادہ دین کی مدد ہونا چاہئے یہ مقصد نہ ہو کہ اچھی تالیف کی وجہ سے ہم عصر لوگوں میں اس کی تعریف کی جائے۔

تورات میں ہے: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جس عمل کو میں قبول کروں وہ زیادہ ہے اگرچہ وہ (بظاہر) کم ہو اور جس عمل کو میں رد کر دوں وہ کم ہے اگرچہ (بظاہر) وہ زیادہ ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب سچے لوگوں مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا تو ہمارے جیسے جھوٹوں کی کیا حالت ہو گی۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ الٹ لباس پہن لیا تو حاضرین نے ان سے کہا کیا آپ اسے بدلتے نہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے پہنا ہے لہٰذا میں اسے بدلتا نہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے ریاکار کی تین نشانیاں ہیں:

(۱): جب تنہا ہو تو سستی اختیار کرتا ہے اور نوافل بیٹھ کر پڑھتا ہے۔

(۲): جب لوگوں کے سامنے ہو تو چست ہوتا ہے۔

(۳): اور جب لوگ اس کی تعریف کریں تو عمل میں اضافہ کرتا ہے جس طرح مذمت کی صورت میں عمل میں کمی کرتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں اپنے جس عمل کی ظاہر کروں اسے شمار میں نہیں لاتا کیونکہ جب لوگ اسے دیکھیں تو ہمارے جیسے لوگ اخلاص سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نوجوانوں کا لباس پہنتے تھے اور کسی شخص کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ علماء میں سے ہیں صرف ان کے شاگردوں (اور دوستوں) کو پتہ ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے مخلص وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں کی طرح اپنی نیکیوں کو بھی چھپاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ایسے علماء بہت کم ہیں جن کا حلقہ درس بڑا ہو اور وہ خود پسندی کا شکار نہ ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے گزرے اور وہ حرم شریف میں ایک بڑے حلقے کو حدیث لکھوا رہے تھے تو وہ ان کے قریب ہوئے اور ان کے کان میں کہا اگر تمہارا نفس تمہیں خود پسندی میں ڈالتا ہے تو اس مجلس سے اٹھ جاؤ پس حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ پر گزرے تو ان کے حلقہ درس کے بڑا ہونے کی وجہ سے ان پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر یہ حلقہ کسی صحابی کا بھی ہوتا تو وہ اپنے نفس پر خود پسندی (تکبر) سے بے خوف نہ ہوتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مجلس میں صرف تین کے قریب افراد کو بیٹھنے دیتے ایک دن آپ کے پاس مجلس قائم ہوئی اور آپ نے دیکھا کہ حلقہ بڑا ہو گیا ہے تو آپ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پکڑے گئے اور ہمیں پتہ بھی نہ چل سکا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے جیسے آدمی کو دیکھتے اور آپ اس مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو وہ اٹھا دیتے اور فرماتے تمہارے جیسا شخص اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث شریف لکھوانے بیٹھتے تو مرعوب اور خوف زدہ بیٹھتے اور آپ کے اوپر سے بادل گزرتا تو خاموش رہتے حتیٰ کہ وہ گزر جاتا اور آپ فرماتے مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں اس میں پتھر ہو اور ہمیں اس کے ساتھ سنگسار کیا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقہ میں ایک شخص ہنسا تو آپ نے اسے جھڑک کر اٹھا دیا اور فرمایا تم وہ علم طلب کرتے ہو جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکلف بنایا ہے اور تم ہنس رہے ہو پھر تقریباً دو مہینے تک اس سے قطع تعلق فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے حدیث بیان نہ کرتا۔

آیت کریمہ یہ ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدَى" (البقرہ ۱۵۹)

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں اور ہدایت سے۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوگوں سے حدیث بیان کرنا ترک کر دیا تو لوگ اس سلسلے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی کہ ان میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے لئے علم طلب کرتا ہے تو میں ہی اس کے گھر کی طرف جاتا اور اسے (اپنے پاس آنے کی تکلیف نے کر) نہ تھکاتا۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ کیا آپ ہم سے حدیث بیان کرنے کے لئے تشریف نہیں رکھتے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہیں اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ تم سے کچھ بیان کروں اور اپنے آپ کو اس بات کا اہل نہیں جانتا کہ تم مجھ سے سنو میری اور تمہاری مثال اس طرح ہے جیسے کسی کہنے والے نے کہا تھا: "وہ رسوا ہوئے پس وہ نیک ہو گئے"

حضرت حاتم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم سکھانے کے لئے مساجد میں وہی بیٹھتا ہے جو دنیا کو جمع کرنے والا ہے یا ان فرائض سے جاہل ہے جو اس کے ذمہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی جلالت علمی کے باوجود جب اپنی تفسیر قرآن سے فارغ ہوتے تو اپنی مجلس کو طلب مغفرت پر ختم کرتے۔

حضرت شداد بن حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس میں یہ تین خصلتیں جمع ہوں وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مجلس اختیار کرے ورنہ بیٹھنا چھوڑ دے:

(۱)(ان لوگوں) کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ اس کا شکر ادا کریں۔

(۲)ان کو ان کے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں اور

(۳)ان کو ان کے دشمن ابلیس کی یاد دلائے تاکہ وہ اس سے بچیں۔

حضرت ابن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ علم میں راسخ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ لوگ جو علم پر عمل کرتے ہیں اور علم سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کیونکہ صاحب علم، اس (علم) کے ذریعے بادشاہوں پر حکم چلاتا ہے۔

حضرت ابن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک "انسان" کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: عمل کرنے والے مخلص علماء۔ پوچھا گیا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا: جو دنیا سے بے رغبت ہوں۔ پوچھا گیا کمینے لوگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ لوگ جو اپنے علم، عمل اور دین کے ذریعے دنیا (کا مال) کھاتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علماء زمانوں کے چراغ ہیں ہر عالم اپنے زمانے کا چراغ ہے اور اس کے زمانے کے لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ہوتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم کی زندگی اس کے بارے میں سوال کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور ان دونوں باتوں کو چھوڑ دینا علم کی موت ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم اسے سکھاؤ جو اس کی قیمت ادا کرے ان سے پوچھا گیا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟

فرمایا: عالم، علم کو اس کے پاس رکھے (اسے سکھائے) جو اس پر عمل کرے۔

حضرت سالم بن جعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ میرے مالک نے مجھے تین سو درہم کے بدلے میں خریدا پس میں علم میں مشغول ہو گیا ایک سال نہیں گزرا تھا کہ خلیفہ ملاقات کے لئے میرے پاس آیا تو میں نے اس کے لئے (دروازہ) نہ کھولا۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: علماء کے ادب سے یہ بات ہے کہ جب سیکھ لیں تو عمل کریں اور جب عمل کریں گے تو اس وجہ سے لوگوں سے دور ہو جائیں گے اور جب لوگوں سے دور ہوں گے تو گم ہو جائیں گے اور جب گم ہوں گے تو تلاش کئے جائیں گے اور جب تلاش کئے جائیں گے تو اپنے دین پر فتنوں کے خوف سے بھاگ جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے:

"اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ"[303]

ترجمہ: عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے عبادت گزار جاہل ہوں گے اور ان کے علماء فاسق ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص مشکلات میں غور و فکر کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس نے اپنے آپ کو جہنم میں داخلے کے لئے پیش کر دیا اور آپ یہ بھی فرماتے تھے: جو شخص لوگوں کے ہر سوال کا جواب دے وہ پاگل ہے۔

---

[303] (مستدرک حاکم، حلیہ ابو نعیم بحوالہ تنبیہ المغترین صفحہ ۲۹ مطبوعہ دار البشائر)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو علماء کا علم جمع کرتے اور اس میں بیو قوفوں کے راستے پر چلتے ہیں۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے: علوم کتنے زیادہ ہیں لیکن سب کے سب نفع بخش نہیں اور علماء کس قدر زیادہ ہیں لیکن تمام علماء راہ راست پر نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم بن عتبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے قیامت کے دن اس عالم کو ندامت زیادہ ہو گی جو اپنے علم کی وجہ سے لوگوں پر بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مجھے اس امت پر اس عالم کا خوف زیادہ ہے جو زبان سے عالم اور دل سے جاہل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم کو عمل کی آواز دو اگر جواب دے تو ٹھیک ورنہ چلے جاؤ۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: انسان اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک اس کا خیال یہ ہو کہ اس کے شہر میں اس سے زیادہ علم والا ہے جب وہ اپنے آپ کو ان سے زیادہ علم والا خیال کرے تو وہ جاہل ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں اس عالم پر روتا ہوں جو دنیا کو دیکھ کر اس سے کھیلتا ہے اگر قرآن وحدیث والے دنیا سے بے رغبتی پر صبر کرتے تو لوگ ان کو (ہاتھ کے) رومال کے طور پر استعمال نہ کرتے۔

کتنی بری بات ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں عالم یا عابد نے فلاں تاجر کے خرچ پر حج کیا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب کوئی عالم دنیا طلب کرے تو اس کی رونق چلی جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علماء کی سزا ان کے دلوں کے مرنے سے ہے اور ان کے دلوں کی موت عمل آخرت کے بدلے میں دنیا طلب کرنا ہے اس طرح وہ دنیا کے بیٹوں (دنیاداروں) کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ امراء کے دروازوں پر خوف زدہ (بیٹھا ہے) تو وہ چور ہے۔

حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات کوئی نہیں کہ کوئی عالم کسی حکمران سے ملاقات کرے (یعنی دنیوی مقاصد کے لئے)

حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: جو شخص قرآن کی قرأت کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اس کے بعد ضروری حاجت کے بغیر کسی امیر کے گھر کی طرف جائے تو ان قدموں کی مقدار وہ جہنم میں غوطہ زن ہو گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے بعض آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو عالم اپنے علم کے بدلے دنیا طلب کرے میں اسے کم از کم سزا یہ دوں گا کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دوں گا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے: کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو اسے اس کے دین میں تہمت لگاؤ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب میں مشغول ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ان زمانوں پر تعجب ہے جو بولتی ہیں اور دل پہچانتے ہیں جبکہ اعمال ان کے مخالف ہوتے ہیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: قیامت کے دن وہ عالم سب سے زیادہ بد بخت ہو گا جس کے علم پر لوگ عمل کریں اور وہ خود عمل نہ کرے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے اپنے قول کو (اپنے) عمل پر پیش کیا تو عمل کو اسے (قول کو) جھٹلانے والا پایا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے کلام میں فصاحت اختیار کی تو غلطی نہ کی اور عمل میں غلطی کی تو فصیح نہ ہوئے۔

حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب الفاظ میں فصاحت آ جاتی ہے تو پڑھنے اور سننے والے (دونوں) سے خشوع چلا جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بات پہنچی ہے وہ فرماتے تھے: جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا وہ اس عورت کی طرح ہے جو پوشیدہ طور پر زنا کرتی ہے اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتی ہے اسی طرح جو شخص اپنے علم پر عمل نہ کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے شرمندہ کرے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آئے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو اور وہ کہے کہ تو دکھاوا کرنے والا ہے تو اسے چاہئے کہ (نماز کو) لمبا کر دے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے لوگوں کے لئے عمل کرنا ریاکاری ہے، لوگوں کے لئے عمل چھوڑنا شرک (شرک خفی ہے) اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں سے بچائے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ لوگوں کے لئے عمل چھوڑنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ عمل کرنا پسند کرے جہاں اس کی تعریف کریں اور اگر کسی تعریف کرنے والے کو نہ پائے تو عمل کو چھوڑ دے اور سستی اختیار کرے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہمارے جیسے لوگوں کے لئے یہ بات بھی مناسب نہیں کہ اپنے اچھے اعمال سے ذرہ بھی ظاہر کریں تو اس کے ان اعمال کا کیا حال ہو گا جن میں ریاکاری شامل ہے پس ہمارے جیسے لوگوں کے لئے (اعمال کو) چھپانا بہتر ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی ایک کے روزے کا دن ہو تو وہ اپنے سر اور داڑھی پر تیل لگائے اور ہونٹوں پر بھی لگائے تاکہ لوگ اسے روزہ دار نہ سمجھیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے بہترین علم و عمل وہ ہے جو لوگوں سے پوشیدہ رہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے میں اس شخص سے زیادہ کم عقل کسی شخص کو نہیں دیکھتا جو برا عمل کرے اور لوگوں کی طرف سے اس بات کو پسند کرے کہ وہ اسے علم اور بھلائی کے ساتھ موصوف سمجھیں۔

مومنوں کے دلوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر کی برائی پر مطلع ہوں اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کانٹا بونے کے بعد اس سے کھجور حاصل کرنے کی طلب کرے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے جب کوئی عالم اپنے علم اور عمل میں ریاکاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے اس شخص کو دیکھو یہ مجھ سے مذاق کرتا ہے اور مجھ سے ڈرتا نہیں حالانکہ میں بہت بڑا جبار ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی شخص کو نماز میں سر جھکائے ہوئے دیکھتے تو اسے درے کے ساتھ مارتے تھے اور اس سے فرماتے تو ہلاک ہو (بد دعا نہیں محض محاورے کے طور پر کہا جاتا ہے) خشوع دل میں ہوتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ سجدے کی حالت میں رو رہا تھا آپ نے فرمایا یہ کام گھر میں ہوتا تو اچھا تھا جہاں تجھے لوگ نہ دیکھتے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص کسی ریاکار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے (تواضع کے طور پر فرماتے تھے)۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک پتھر پر گزرا تو اس پر لکھا ہوا تھا "تو جو کچھ جانتا ہے اس پر عمل نہیں کرتا تو زیادہ علم کیسے طلب کرتا ہے"۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم سے فرمائیں وہ اپنے اعمال کو مخلوق سے چھپائیں میں ان کے لئے ان اعمال کو ظاہر کر دوں گا۔

حضرت ابو عبد الرحمن زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے نفس کو بہت زیادہ جھڑکتے تھے اور اپنی دعا میں کہتے مجھ سے بری حالت والا کون ہو گا میں نے تیرے بندوں سے جلوت میں امانت کا عمل کیا اور خلوت میں تیرے ساتھ خیانت کا عمل کیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص مجھے کسی ایک عابد کی طرف رہنمائی کرے جو رات کو خوب روتا اور دن کے وقت روزہ رکھتا ہے تو میں اس شخص کے لئے دعا کروں گا۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے نیک ولی کے بغیر ظاہری عمل اس پیشاب گاہ کی طرح ہے جس کے ظاہر کو مزین کیا گیا ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر عمل (کے حصول) میں نیت اچھی ہو تو عمل اس سے افضل نہیں ہوتا لیکن تم نے عمل نہ کرنے کے لئے اسے سیکھا اور دنیا کو شکار کرنے کے لئے جال بنایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے ابو علی! مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا اے گروہ علماء! میں تم لوگوں کو کیا نصیحت کروں؟ تم ستارے تھے تمہارے ذریعے جہالت کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل ہوتی تھی لیکن تم خود حیرت بن گئے ہو تم میں سے ایک ان حکمرانوں پر آتا ہے، ان کے بچھونوں پر بیٹھتا ہے، ان کے کھانے کھاتا ہے اور ان کے تحفے قبول کرتا ہے اس کے بعد مسجد میں جا کر کہتا ہے "حدثنا فلان عن فلان عن رسول اللہ بکذا" مجھ سے فلاں نے بیان کیا اس نے فلاں سے روایت کیا اور اس نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے

یوں روایت کیا۔ (یعنی حدیث بیان کرتا ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم! علم اس طرح حاصل نہیں کیا جاتا۔ راوی لکھتے ہیں (یہ سن کر) حضرت سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رو پڑے حتیٰ کہ آنسو ان کے گلے میں جانے لگے اور وہ باہر تشریف لے گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی عالم یا عابد کو دیکھو کہ امراء اور دنیاداروں کے سامنے اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے تو جان لو کہ وہ ریاکار ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ علم پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی دنیا میں رغبت اور خواہش بھی بڑھتی ہے تو اسے تعلیم نہ دو کیونکہ تم اسے تعلیم دے کر جہنم میں جانے پر اس کی مدد کرتے ہو۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے جاہل لوگ علم حاصل کریں گے پھر اس کے ذریعہ امراء کے قریب ہونے کے لئے ڈورے ڈالیں گے جس طرح عورتیں مردوں پر ڈورے ڈالتی ہیں یہ ان کا علم سے حصہ ہے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص علم میں اخلاص کا دعویٰ کرے تو جب لوگ اسے جاہل وریاکار کہیں تو وہ اپنے دعویٰ کو اپنے نفس پر پیش کرے اگر اس کے لئے اس کا سینہ کشادہ ہو تو وہ سچا ہے اور اگر اس سے گھٹن پیدا ہو تو وہ ریاکار ہے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ عالم دنیا کے پاس بیٹھنے سے بچو وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں اور علم کی تعریف سے فتنے میں ڈالے گا اور خود بے عمل ہو گا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے اپنے علم کے ساتھ دکھاوا کرنے والوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کا علم پہاڑ جیسا اور عمل چیونٹی کے برابر ہوتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر عالم علم پر عمل کرے تو وہ اس کی کڑواہٹ کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے اور خوش نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب کچھ تکلیف ہے اور جوں جوں علم بڑھتا ہے تکلیف بڑھتی ہے پس عالم کے لئے مناسب نہیں کہ وہ پل صراط عبور کرنے سے پہلے اپنے علم پر خوش ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم کو عمل کے لئے حاصل کرو مگر لوگ اس سلسلے میں غلطی پر ہیں انہوں نے عمل کے بغیر علم کو نجات کا ذریعہ خیال کیا تو وہ آیات واحادیث کہاں گئیں جن میں ان لوگوں کے عذاب کا ذکر ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: ہم نے لوگوں کو یوں پایا کہ جب ان میں سے کسی کا علم بڑھتا تو دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہوتا اور دنیوی سامان میں کمی واقع ہوتی اور اس دور میں ہم اس طرح دیکھتے ہیں کہ جب ان میں سے کسی کا علم بڑھتا ہے تو دنیا میں اس کی رغبت بڑھتی ہے اور ان کے سامان مثلاً لباس، کھانے، مکان، نکاح، سواری اور خادموں وغیرہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: قرآن پاک کا علم رکھنے والا کس طرح اس پر عامل ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ رات کو سوتا ہے اور دن میں روزہ نہیں رکھتا نیز حرام اور مشتبہ چیزیں لیتا ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اگر یہ قراء (اور علماء) زندہ ہوتے تو حرام کھاتے وقت اپنے پیٹوں میں آگ کی تکلیف محسوس کرتے لیکن یہ لوگ مردہ ہیں یہ مردار اور آگ میں چرتے ہیں۔

حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے: تم لوگ علماء نہیں ہو تم علم سے لذت حاصل کرتے ہو تم میں سے ایک مسئلہ سنتا ہے اور لوگوں سے بیان کر دیتا ہے اگر تم اپنے علم پر عمل کرتے تو کڑوے گھونٹ بھی بھرتے اور تمہارا علم تمہیں پرہیز گاری کی ترغیب دیتا حتیٰ کہ تم میں سے کسی ایک کو روٹی بھی حاصل نہ ہوتی جسے وہ کھاتا۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کسی عالم کے لئے یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے علم میں ریاکاری کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے غیر اللہ کے لئے سیکھا ہے اور یہ (علم) تو اصل سے ہی ضائع ہو گیا تو جو چیز ضائع ہو گئی وہ لوگوں کو کس طرح دکھاتا ہے؟

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب مدرسہ اشرفیہ یا جامع بنو امیہ میں درس دے رہے ہوتے اور اچانک آپ کی بے خبری میں حاکم وہاں آجاتا تو اس سے آپ پریشان ہو جاتے اور جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ خبر پہنچتی کہ اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کسی نے اس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات کا ارادہ کیا ہے تو اس دن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس خوف سے درس نہ دیتے کہ وہ امیر (عالم) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس عظیم محفل درس میں دیکھے گا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے مخلص کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ اس کے اچھے اعمال پر مطلع ہوں تو وہ پریشان ہو جائے جس طرح وہ اپنی برائیوں پر لوگوں کے مطلع ہونے سے پریشان ہوتا ہے کیونکہ اس پر دل کا خوش ہونا گناہ ہے اور بعض اوقات ریا بہت سے گناہوں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے آج کے زمانے میں کسی عالم کا حلال (رزق) سے سیر ہونا قبیح ہے تو حرام کے ساتھ سیر ہونے کی کیا کیفیت ہو گی اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں ایک لقمہ کھاتا اور وہ میرے پیٹ میں ایک کچی اینٹ بن جاتا تو مجھے کافی ہوتا حتیٰ کہ میں مر جاتا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تین سال سے زیادہ (عرصہ) پانی میں ٹھہرے رہے اور وہ فرماتے تھے علماء کا تقویٰ خواہشات کے حصول کو ترک کرنا ہے۔ جہاں تک ظاہری گناہوں کا تعلق ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ ان کو اس خوف سے چھوڑتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت چلی جائے گی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے جو علم کو اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے سیکھیں گے تاکہ وہ ضائع نہ ہو پھر وہ قیامت کے دن ان پر تاوان ہو گا۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے (رسول کرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا)۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ إنَّ اللہَ لَیُؤیِّدُ الدِّینَ بالرَّجلِ الفاجرِ۔[304]

ترجمہ: بے شک اللہ اس دین کی مدد کسی فاجر مرد کے ذریعے بھی کرتا ہے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اپنے علم میں ریاکاری کرنے والے کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگوں کو علم کی ترغیب دیتا ہے اور ان کے لئے اس کے فضائل بیان کرتا

---

[304] (صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۰۶۷ کتاب الجهاد۔ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۱۱ کتاب الایمان)

ہے پھر اس کے ہم عصر علماء میں سے کوئی اس سے اس سلسلے میں مشورہ کرے تو اسے اچھی طرح ترغیب نہیں دیتا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اس زمانے کے علماء پر حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے کا غلبہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے پیٹوں اور شرمگاہوں کی شہوت (خواہش) میں غرق ہو گئے اور انہوں نے اپنے علم کو جال بنا دیا جس کے ذریعے وہ دنیا کا شکار کرتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر قرآن وحدیث کے علماء میں نقص داخل نہ ہوتا تو وہ سب لوگوں سے بہت معزز ہوتے لیکن انہوں نے اپنے علم کو پیشہ اور ذریعہ معاش بنالیا ہے اسی لئے وہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق میں رسوا ہوئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: عقلمند کی عقل میں سے یہ بات ہے کہ وہ علم میں اضافہ کی طلب اس وقت کرے جب سیکھے ہوئے پر عمل کرے اس وقت (مزید) علم حاصل کرے تاکہ اس پر عمل کرے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے علم طلب کرو اس حالت میں کہ تم رو رہے ہو کیونکہ یہ سب کچھ تمہارے رب تعالیٰ کے ہاں تمہارے خلاف دلیل ہو گی۔

اور وہ فرماتے ہیں جب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث لکھوانے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے کہا قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ انہوں نے فرمایا میں کہوں گا اے میرے رب تعالیٰ! تو نے مجھے اس میں اخلاص کا حکم دیا تھا لیکن میں نے اپنے نفس میں اخلاص نہ پایا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: جب تم کسی طالب علم کو دیکھو کہ وہ زیادہ علم کی تلاش میں ہے اور عمل نہیں کرتا تو اسے نہ سکھاؤ کیونکہ جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ اندرائن کے درخت کی طرح ہے۔ جب بھی وہ پانی کے ذریعے بڑھتا ہے اس کی کڑواہٹ میں اضافہ ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم اس کو دیکھو کہ وہ اپنے کھانے، مشروب اور لباس وغیرہ میں ملاوٹ کرے اور پرہیز گاری اختیار نہ کرے تو اس کو سکھانے سے رک جاؤ تاکہ کل (قیامت کے دن) اس کے خلاف حجت میں کمی ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر کوئی بندہ مکمل طور پر علم حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے حتیٰ کہ اس ستون یا اس پرانے مشکیزے کی طرح ہو جائے پھر وہ اس بات کی چھان بین نہ کرے کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ داخل ہوا ہے وہ حلال ہے یا حرام تو اللہ تعالیٰ اس سے عبادت کو قبول نہیں کرے گا۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ وہ کسی شخص کو علم نہیں سکھاتے تھے جب تک کئی سال اس کو نفسیاتی ریاضت میں مبتلا نہ کرتے اور ان کے لئے اس کی نیت کی درستگی ظاہر نہ ہوتی۔

حضرت عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: میں نے بیس سال حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت کی، ان میں سے اٹھارہ سال ادب سیکھنے میں اور دو سال علم حاصل کرنے میں صرف کئے کاش! میں تمام وقت ادب سیکھنے میں لگا دیتا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: علم، روایت کی کثرت کا نام نہیں علم وہ ہے جو نفع دے اور عالم اس پر عمل کرے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے: کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے فرمایا اے محمد! اپنے عمل کو آٹا اور اپنے علم کو نمک بناؤ(عمل زیادہ اور علم کم ہونا چاہئے)۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص قرآن (کا علم) حاصل کرے پھر اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل کود بنایا اور جب حامل قرآن اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے اندر سے قرآن آواز دیتا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے اس لئے یاد نہیں کیا گیا۔ میرا وعظ اور جھڑک کہاں گئی اور میرا ہر حرف تجھے پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اب رب کی نافرمانی نہ کر۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی طالب علم کو دیکھتے کہ وہ رات کو قیام نہیں کرتا تو اسے تعلیم دینے سے رک جاتے۔

ابو عصمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رات ان کے پاس گزاری تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے وضو کے لئے پانی رکھا پھر فجر سے پہلے تشریف لائے تو ان کو سویا ہوا پایا اور پانی بھی اسی طرح موجود تھا آپ نے ان کو جگایا اور پوچھا ابو عصمہ! کیوں آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے امام! میں آپ سے احادیث سیکھنے آیا ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے فرمایا تو کس طرح حدیث حاصل کرے گا جب کہ تو رات کو تہجد نہیں پڑھتا جہاں سے آئے ہو وہیں چلے جاؤ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے: کہ عالم کو چاہئے کہ اس کا اچھا عمل اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان (لوگوں سے) پوشیدہ رہے کیونکہ جو علم اور عمل لوگوں کے سامنے ظاہر

ہوتا ہے آخرت میں اس کا نفع کم ہوتا ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو کسی نے ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے علم کی وجہ سے بخش دیا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے پوچھا گیا علم کی وجہ سے؟ فرمایا ہرگز نہیں علم کی کچھ شرائط اور آفات ہیں ان سے بہت کم لوگ نجات پاتے ہیں۔

کسی نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے وصال کے بعد دیکھا تو ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا یہ اشارات اڑ گئے اور یہ عبادات فنا ہو گئیں ہمیں تو صرف ان چند رکعات نے فائدہ دیا جو ہم سحری کے وقت پڑھتے تھے۔

بعض حضرات نے حضرت ابو سہل صعلوکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو موت کے بعد دیکھا تو پوچھا تمہارے علم نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ فرمایا میں نے تمام دقیق علوم کو پھیلی ہوئی غبار پایا البتہ بعض مسائل (باقی رہے) جو لوگوں نے مجھ سے پوچھے (ان کا فائدہ ہوا)۔

اے بھائی! اپنے علم اور عمل کا جائزہ لو اور جب اس میں ریاکاری اور شہرت طلبی دیکھو جس سے ان بڑے بڑے باعمل مخلص علماء کو روکا گیا ہے تو اپنے آپ پر رونا چاہیئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

كما فى النبراس ومن صدر عنه ما يوجب الكفر حبطت حسناته ووجب اعادة الحج وتجديد النكاح بعد تجديد الايمان ولا يكفيه الايمان بكلمة الشهادة على حسب العادة مالم يقصد تجديد الايمان۔ [305]

---

[305] (نبراس ص ۵۷۱)

جیسا کہ نبراس میں ہے کہ اور جس سے کلماتِ کفر صادر ہو جائیں تو اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور اس پر تجدیدِ ایمان کے بعد تجدیدِ نکاح اور حج کا لوٹانا واجب ہوتا ہے اور عادتاً بغیر ارادے کے کلمہ شہادت پڑھنا تجدید ایمان کے لئے کافی نہیں۔

اسی لیے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

والاحتیاط ان یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاهدین فی کل شهر مرةاو مرتین اذاالخطاءوان لم یصدر من الرجل فهو من النساء کثیر۔[306]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاہل کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ روز اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے اور اپنی بیوی سے دو گواہوں کی موجودگی میں ہر مہینے ایک یا دو مرتبہ تجدیدِ نکاح کرے اگرچہ ایسی (کفریہ باتیں) مردوں سے تو مشکل سے صادر ہوتی ہیں مگر عورتوں سے ان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

درج بالا عبارات آئمہ وفقہاء سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی علماء حق (اہلسنت) کی بے جاء بلاوجہ، بلا سبب عناداً و بعضاً گستاخی یا توہین کرتا ہے یا ایسی باتوں اور افعال کی نسبت انکی طرف کرتا ہے جو ان سے صادر نہیں ہوئے تو اس شخص کا حکم ازروئے شریعت کفر کا ہے لہٰذا ہر گستاخانِ علماء کو چاہیئے کہ اپنے دِل سے تعصب اور حسد کے بادل دور کر کے علماء حق کی پیروی اختیار کرے اور اپنے کئے پر تائب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

---

[306] (شامی ج ۱ ص ۳۴)

اور اسی طرح حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے:

من طعن فی علماء الامّة لا یلو من الا أمّه۔

یعنی جو شخص علماءِ امت پر طعن کرے تو وہ صرف اپنی ماں پر ملامت کرے۔[307]

مجاہدہ اور تزکیۂ نفس

تمہید: اہمیت تصوف کی بحث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ نفس کی بعض صفات ذمیمہ اور خبیثہ ہوتی ہیں ان کا ازالہ فرضِ عین ہے۔ جیسے فقہائے کرام کا موقف ہے لیکن نفس کی صفاتِ رزیلہ محض خواہش اور اس کے حکم کو جان لینے اور تصوف واخلاق کی کتب پڑھنے سے زائل نہیں ہوتیں بلکہ ان اُمور کے ساتھ ساتھ مجاہدہ، عملی تزکیہ اور نفس کو اس کی شدید اور سرکش شہوات سے چھٹکارا دلانا بھی ضروری ہے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے!

النفس کالطفل ان تهمله شب علی　　　　حب الرضاع ان تفطمه تفطم

"انسانی نفس بچہ کی طرح ہوتا ہے، اگر تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے گا تو یہ دودھ کی محبت پر جوان ہو جائے گا اور اگر تو اس کا دودھ چھڑائے گا تو یہ چھوڑ دے گا"۔

مجاہدہ کی تعریف

مجاہدہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کا اصل مادہ یا حروف اصلی "ج"، "ہ" اور "د" ہیں۔ جو کہ مشقت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے عربی میں لسی کو مجھود کہتے ہیں، کیونکہ اس کو بلونا پڑتا ہے۔ پہلے

---

307 (تکملہ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ بیروت، ھدایۃ الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشھادۃ ص ۴۸۹)

دہی بناتے ہیں، پھر دہی کو بلو کر اس میں سے مکھن نکالتے ہیں، تب لسی بنتی ہے۔ چونکہ اتنی مشقت سے گزر کر لسی بنی، اس لئے اسے مجہود کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی سواری کو مشقت میں ڈالتا تھا تو عرب لوگ کہتے تھے، "جَهَدَ دَابَتَهٗ" اس نے اپنے جانور کو مشقت میں ڈال دیا۔

حدیث مبارکہ میں اس کا تذکرہ ہے کہ جب غار حرا میں وحی اتری تو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:

اِقْرَأْ۔

"(اے اللہ کے حبیب ﷺ!) پڑھیے"۔

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

مَااَنَابِقَارِئٍ۔

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

تو نبی ﷺ فرماتے ہیں:

فَأَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ۔

"مجھے انہوں نے پکڑا اور زور سے دبایا، حتیٰ کہ مجھے مشقت محسوس ہونے لگی"۔

چنانچہ اردو زبان میں مشقت کو جہد یعنی مجاہدہ کہتے ہیں۔

اگر انہی حروف اصلی کو باب تفاعل میں لایا جائے، تو "تجاہد" کا معنی بنتا ہے:

بَذْلُ الْوُسْعِ التَّامِّ فِیْ اَمْرٍ۔

"کسی کام کے کرنے میں اپنی تمام ہمت کو خرچ کرنا"۔

جہد کا ایک معنی طاقت بھی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ (التوبة ۷۹)

اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔

مجاہدہ کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں مجاہدہ کا معنی ہے:

محاربة النفس الأمارة بالسوء بتحميلها مايشق عليها مما هو مطلوب في الشرع۔[308]

"جو کام شرع شریف میں مطلوب ہے اور نفس کے اوپر اس کا کرنا بوجھ ہے، نفس کو مجبور کر کے اس کام کے کروا دینے کو مجاہدہ کہتے ہیں"۔

کیونکہ نفس لذت اور آرام چاہتا ہے، عجب و خود پسندی چاہتا ہے۔ جبکہ شریعت کے اوپر عمل کرنے کے لئے جھکنا پڑتا ہے، اپنی میں کو مٹانا پڑتا ہے، لذتیں چھوڑنی پڑتی ہیں، تو یہ سب چیزیں نفس کے اوپر بہت بوجھ ہوتی ہیں۔ اسی لئے نفس کو مجبور کر کے شریعت پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کر دینے کا نام مجاہدہ ہے۔

مجاہدہ کے متعلق علماء کے اقوال

مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

المجاهدة حمل النفس على المشاق البدنية و مخالفة الهوى۔[309]

"مجاہدہ اپنے آپ کو بدنی مشقت اور خواہشات کی مخالفت پر مامور کرنے کا نام ہے"۔

---

308 (التعاریف للمناوی، ص ۶۳۸)

309 (التعاریف للمناوی، ص ۶۳۸)

ایک اور جگہ منقول ہے:

هي بذل المستطاع في أمر المطاع۔[310]

”امر مامور بہ میں اپنی مقدور بھر کوشش کا صرف کرنا مجاہدہ کہلاتا ہے“۔

ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هی كف النفس عن ارادتها من الشغل بغير العبادة۔[311]

”نفس کو عبادت کے علاوہ دوسرے مشاغل کے ارادہ سے روکنے کا نام مجاہدہ ہے“۔

بعض بزرگوں نے یہ بھی فرمایا:

هی منع النفس عن المعاصي و بمنعها من الشبهات و بمنعها من الإكثار من الشهوات المباحة۔[312]

”نفس کو گناہوں سے، مشتبہ چیزوں سے، اور جائز شہوات کی کثرت سے روکنے کا نام مجاہدہ ہے“۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجاہدے کے متعلق لکھا ہے:

الجهاد و المجاهدة استفراغ الوسع في مدافعة العدوّ۔[313]

”جہاد اور مجاہدہ دونوں اپنی ہمت کو دشمن کے مقابلے صرف کرنے کا دوسرا نام ہے“۔

---

310 (نضرة النعيم، ج۸، ص ۳۳۰۵)

311 (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۳۸)

312 (نضرة النعيم، ج۸، ص ۳۳۰۵)

313 (مفردات القرآن للاصفهانی، ص ۱۰۱)

مجاہدہ کی اہمیت

مجاہدہ کی اہمیت کے متعلق بھی علماء نے بہت کچھ لکھا ہے:

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من زين ظاهره بالمجاهدة حسن الله سرائره بالمشاهدة۔[314]

"جو کوئی اپنے ظاہر کو مجاہدے سے آراستہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدے سے نواز دیتے ہیں"۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

من لم يكن له في بدايته قومة، لم يكن له في نهايته جلسة۔[315]

"جس کی ابتداء میں قومہ نہیں ہوتا، اس کی انتہاء میں جلسہ نہیں ہوتا"۔

ایک اور قول ہے:

مَنْ جَاهَدَ شَاهَدَ۔

"جس نے مجاہدہ کیا، اس نے مشاہدہ پالیا"۔

الحسن القزاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

بني هذا الأمر (المجاهدة) على ثلاثة أشياء۔

"یہ معاملہ (مجاہدہ) تین چیزوں پر مشتمل ہے"۔

أن لا تأكل إلا عند الفاقة۔

"تم اس وقت تک نہ کھاؤ، جب تک فاقہ طاری نہ ہو جائے"۔

---

314 (الرسالة القشيرية، ص ۴۷)

315 (الرسالة القشيرية، ص ۴۷)

ولاتنام إلا عند الغلبة۔

''اس وقت تک نہ سوؤ جب تک نیند غالب نہ آجائے''۔

ولاتتکلم إلا عند الضرورة۔[316]

''اور ضرورت کے علاوہ کسی سے بات نہ کرو''۔

مخالفت نفس کا دلچسپ قصہ

ایک روایت میں ایک واقعہ آیا ہے:

أن راهبا اشتهر ببلاد مصر بالمکاشفة فقال عالم من المسلمین لابد من قتله خوفا علی المسلمین أن یفتنهم فقصده بسکین مسمومة، فلما طرق بابه قال اطرح السکین وادخل یا عالم المسلمین، فطرحها ودخل فقال من أین لک فور المکاشفة قال بمخالفة النفس فقال هل لک في الإسلام قال نعم أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله فقال ما حملک علی ذلک قال عرضت الإسلام علی نفسي فأبت فخالفتها۔[317]

ایک راہب مصر کے علاقے میں اپنے کشف کی وجہ سے مشہور ہو گیا، مسلمانوں کے ایک عالم نے کہا کہ اس کے قتل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ کہیں یہ مسلمانوں کو فتنہ میں نہ ڈال دے۔ تو انہوں نے ایک زہر آلود چھری سے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب وہ اس کے دروازے کے پاس پہنچے تو اس راہب نے کہا کہ اے مسلمانوں کے عالم! چھری پھینک دو اور اندر آجاؤ! انہوں نے چھری پھینک دی اور اندر چلے گئے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہیں کشف کیسے ہونے لگا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے۔ تو مسلمان عالم نے پوچھا: کیا تم اسلام لاؤ گے؟ راہب نے کہا: ہاں اور کلمہ پڑھ لیا۔ عالم نے پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں اس پر قائل کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے

---

[316] (الرسالة القشیریة، ص ۴۸)

[317] (نزهة المجالس و منتخب النفائس، ص ۸۹)

اپنے نفس پر اسلام کو پیش کیا تو میرے نفس نے اس کا انکار کیا، چنانچہ میں نے نفس کی مخالفت کی (اور اسلام قبول کر لیا)۔

صالحین کے مقام تک پہنچنے کی شرائط

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَنْ یَّنَالَ الدَّرَجَۃَ الصَّالِحِیْنَ حَتّٰی یُجَاوِزَ سِتَّ عَقَبَاتٍ۔

"کوئی بھی شخص صالحین کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ چھ مرحلے پار نہ کر لے"۔

ان یغلق باب النعمۃ، و تفتح باب الشدّۃ.

"وہ نعمت کا دروازہ بند کر لے اور سختی کا دروازہ کھول لے"۔

و الثانیۃ: تغلق باب العزِّ، و تفتح باب الذلِّ.

"وہ عزت کا دروازہ بند کر لے اور ذلت کا دروازہ کھول لے"۔

و الثالثۃ: تغلق باب الراحۃ، و تفتح باب الجھد.

"وہ آرام کا دروازہ بند کر لے اور مشقت کا دروازہ کھول لے"۔

و الرابعۃ: تغلق باب النوم؛ و تفتح باب السھر.

"وہ نیند کا دروازہ بند کر لے اور بیداری کا دروازہ کھول لے"۔

و الخامسۃ: تغلق باب الغنی، و تفتح باب الفقر.

"وہ غنیٰ کا دروازہ بند کر لے اور فقر کا دروازہ کھول لے"۔

و السادسۃ: تغلق باب الأمل، و تفتح باب الاستعداد للموت۔

"وہ امید کا دروازہ بند کر لے اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول لے"۔[318]

---

[318] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۴۸)

انسان کو تباہ کرنے والی چھ چیزیں

ذوالنون المصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

إنما دخل الفساد على الخلق من ستة أشياء:

"مخلوق میں خرابی چھ چیزوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے"۔

ضعف النية بعمل الآخرة.

"آخرت سے متعلقہ اعمال کرنے میں ارادے کی کمزوری"۔

صارت أبدانهم رهينة لشهواتهم.

"ان کے جسم اپنی شہوتیں پوری کرنے کے تابع ہو گئے"۔

غلبهم طول الأمل مع قرب الأجل.

"موت کے قرب کے باوجود لمبی امیدیں ان پر غالب آجاتی ہیں"۔

آثروا رضا المخلوقين على رضا الخالق.

"وہ مخلوق کے راضی کرنے کو خالق کے راضی کرنے پر ترجیح دیتے ہیں"۔

اتبعوا أهواءهم ونبذوا سنة نبيهم صلى الله عليه وسلم، وراء ظهورهم.

"وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں"۔

جعلوا اقليل زلاّت السلف حجة لأنفسهم، ودفنوا اكثير مناقبهم۔[319]

"وہ سلف صالحین کی معمولی غلطیوں کو اپنے لیے دلیل بنالیتے ہیں اور ان کے کثیر فضائل کو دفن کر دیتے ہیں"۔

---

[319] (الرسالة القشيرية، ص ۴۹، الاعتصام للشاطبی، ص ۶۸)

مجاہدہ احادیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے مجاہدہ کے بارے میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ مثلاً:

ليس عدوک الذي إذا قتلک أدخلک الجنة وإذا قتلته کان لک نورا۔

''تمہارا دشمن وہ نہیں کہ جو اگر تم کو قتل کرے تو تمہارے جنت میں جانے کا سبب بن جائے، اور اگر تم اس کو قتل کرو تو وہ تمہارے لیے نور ہو جائے''۔

ولکن عدوک نفسک التي بين جنبيک۔[320]

''لیکن تیرا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے''۔

کیونکہ وہ تجھے دنیا میں الجھاتا ہے، اور تم اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر آمادہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ آج کا انسان نفس کو پالنے میں مشغول ہے اور نفس اسے جہنم میں دھکیلنے میں مشغول ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا:

عاد نفسک فإنها انتصبت لمعاداتي۔[321]

''اپنے نفس کی دشمنی کرو، اس لئے کہ وہ میری دشمنی سے تھک چکا ہے''۔

إن أخوف ما أتخوف علی أمتي الهوی۔[322]

''مجھے جس چیز کا امت پر سب سے زیادہ خوف ہے، وہ خواہشات نفسانی ہیں''۔

اس امت کو اللہ تعالیٰ رزق کی وسعت دے گا اور یہ خواہشات نفسانی پورا کرنے میں لگ جائے گی، آخرت کو بھول جائے گی۔

---

320 (کشف الخفاء، ج ۲، ص ۱۷۰)

321 (الاحکام للآمدی، ج ۱، ص ۱۹۷)

322 (شعب الایمان، حدیث: ۱۰۱۳۲)

ثلاث مهلکات شح مطاع و ھوی متبع و إعجاب المرء بنفسہ۔[323]

تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں: ایسی کنجوسی جس پر عمل کیا جائے، اور ایسی خواہشات جن کی پیروی کی جائے اور کسی شخص کا اپنے آپ سے خوش ہونا"۔

مَا مِنْ شَيْءٍ يُعْبَدُ تَحتَ ظِلِّ السَّمَآءِ أَبْغَضُ إِلىَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ هَوًى مُتَّبَعٍ۔[324]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان کے سائے کے نیچے کوئی ایسا معبود نہیں جس کی پرستش کی جائے جو ان خواہشات نفسانی سے زیادہ مبغوض ہو"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جہاد اور غزوہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَجَاهِدْهَا وَ ابْدَأْ بِنَفْسِکَ فَاغْزُهَا۔[325]

"تم اپنے نفس سے جہاد کرنے سے ابتداء کرو، اور اپنے نفس سے غزوہ کرنے سے ابتداء کرو"۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

أول ما تنکرون من جهادکم أنفسکم۔[326]

"سب سے پہلے تم جس جہاد سے انکار کروگے، وہ تمہارا اپنے نفس کے خلاف جہاد ہوگا"۔

---

[323] (شعب الایمان، حدیث: ۷۳۱)

[324] (المطالب العالیۃ لابن حجر: حدیث: ۲۹۹۰)

[325] (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۳۸۴)

[326] (جامع العلوم و الحکم: ۱۹۲)

مجاہدے کی اقسام

مجاہدے کی تین قسمیں ہیں:

تلوار کے ساتھ جہاد

جِهَادُ الظَّاهِرِ مَعَ الْكُفَّارِ بِالسَّيْفِ۔

”یہ ظاہری جہاد ہے، جو کافروں کے ساتھ تلوار سے کیا جاتا ہے“۔

كَمَا قَالَ تَعَالىٰ فِيْ حَقِّ عِبَادِهٖ۔

”جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حق میں فرمایا ہے“۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدة ۵۴)

”وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے“۔

علم اور دلیل کے ساتھ جہاد

وَجِهَادٌ مَعَ اَصْحَابِ الْبَاطِلِ بِالْعِلْمِ وَالْحُجَّةِ۔

”اصحاب باطل کے ساتھ جہاد علم کے ذریعے اور دلیلیں قائم کر کے“۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل ۱۲۵)

”اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو“۔

ایک اور جگہ فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان ۵۲)

توکافروں کا کہانہ مان اور اس قرآن سے اُن پر جہاد کر بڑا جہاد۔

اور یہاں بِہٖ میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نفس کے ساتھ جہاد

وَجِهَادٌ مَعَ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ بِالسُّوءِ۔

”اور برائی پر آمادہ کرنے والے نفس سے جہاد“۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت ٦٩)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

نفس کے خلاف مجاہدے کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں:

اَوَّلاً: مُخَالَفَتُهَا فِيْ رَغْبَاتِهَا الْمُبْعِدَةِ عَنِ اللهِ وَمَنْعُهَا عَنِ الشَّهَوَاتِ الْمُحَرَّمَةِ۔

”ان چیزوں کی مخالفت کرنا جن کی طرف نفس کو رغبت ہو اور جو اللہ تعالیٰ سے دور کر دینے والی ہوں اور ناجائز شہوات سے خود کو روکنا“۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (٤٠) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (النازعات ٤١)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

ثَانِيًا: اَلْمُجَاهَدَةُ بِفِعْلِ الطَّاعَاتِ وَاشْتِغَالِ النَّفْسِ بِالصَّالِحَاتِ۔

”اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خود کو نیک کاموں میں مشغول رکھ کر مجاہدہ کرنا“۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله۔[327]

”مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے“۔

ثَالِثًا: مُرَاقَبَةُ اللهِ الدَّائِمَةُ۔

”ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کا استحضار“۔

وَ اَنَّهٗ مَعَهٗ دَائِمًا يَعْلَمُ سِرَّهٗ وَ جَهْرَهٗ وَ هُوَ يَرَاهُ وَ يَسْمَعُهٗ وَ لَا تَخْفىٰ عَلَيْهِ خَافِيَةٌ۔

”اور بے شک وہ اس کے ساتھ ہر وقت ہے، وہ اس کے راز بھی جانتا ہے اور کھلے ہوئے اعمال بھی، اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے، اور اس سے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے“۔

رَابِعًا: مُجَالَسَةُ الصَّالِحِيْنَ وَ الْعُلَمَآءِ الْعَامِلِيْنَ مِمَّا يَجْلُوْ الْقَلْبَ وَ يُضَعِّفُ النَّفْسَ۔

ایسے نیک لوگوں اور با عمل علماء کی مجلس جو دل کو جلا بخشے اور نفس کو کمزور کرے“۔

فَفِيْ ذٰلِكَ عَوْنٌ عَلىٰ اِبْعَادِ النَّفْسِ عَنْ مُشْتَهَيَاتِهَا۔

”چنانچہ اس سے نفس کو اپنی پسند کی چیزوں سے روکنے میں مدد ملتی ہے“۔

خَامِسًا: اَلْاِسْتِعَانَةُ الدَّائِمَةُ بِاللهِ عَزَّ وَ جَلَّ عَلىٰ مُجَاهَدَةِ النَّفْسِ۔

”ہر وقت اللہ تعالیٰ سے نفس کے خلاف مجاہدے میں مدد مانگنا“۔

وَ التَّضَرُّعُ اِلَيْهِ مَعَ الدُّعَاءِ الدَّائِمِ بِاَنْ يُّعِيْنَهٗ عَلىٰ نَفْسِهٖ۔

”اور ہر وقت گریہ و زاری کے ساتھ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نفس کے خلاف اس کے معاون بن جائیں“۔

كَمَا عَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ حِيْنَ اَسْلَمَ اَنْ يَّقُوْلَ۔

”جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین کو سکھایا، جب وہ اسلام لائے کہ وہ یہ کہیں:“

---

[327] (صحيح ابن حبان، حديث: ٤٨٦٢)

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔

”اے اللہ! مجھے ہدایت عطا فرمائیں اور میرے نفس کے شر سے مجھے پناہ عطا فرمائیں“۔

الحاصل:

راغب اصفہانی اپنی کتاب ”مفردات قرآن“ میں فرماتے ہیں:

”الجھاد والمجاھدۃ استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو“

یعنی ”جہاد اور مجاہدہ دشمن کے مقابلہ کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرنے کا نام ہے۔“

جہاد کی تین اقسام ہیں:

(۱): ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد۔

(۲): شیطان کے ساتھ جہاد۔

(۳): نفس کے خلاف جہاد۔

اور یہ تینوں اقسام اس ارشادِ باری تعالیٰ سے مراد ہو سکتی ہیں:

(۱): وَجَاھِدُوْا فِی اللہِ حَقَّ جِھَادِہٖ۔ (حج ۷۸)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر توڑ کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے“

(۲): وَجَاھِدُوْا بِأَمْوَالِکُمْ وَأَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ (توبہ: ۴۱)

ترجمہ: ”اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں“

نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

جاھدوا اھوائکم کماتجاھدون اعدائکم۔

ترجمہ: "اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو"۔[328]

مجاہدۂ نفس سے مراد نفس کی مذموم صفات چھڑانا اور اللہ کی شرع کو اس پر نافذ کرنا ہے۔

کتاب و سنت اور مجاہدۂ نفس:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔" (عنکبوت: ٦٩)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی رکھنے کیلئے ہم ضرور دکھادیں گے اپنے راستے۔"

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: **المجاھد من جاھد نفسه فی اللّٰه** "مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کیلئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے"[329]

---

[328] (المفردات فی غریب القرآن مادة جهد ص ۱۰۱)

[329] (أخرجه الترمذی فی كتاب فضائل الجهاد وقال: حديث حسن صحيح, وزاد البيهقی فی "شعب الايمان" برواية فضالة: "والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله, والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب"۔ "مشكاة المصابيح للتبريزی" كتاب الايمان رقم ۳۴)

مجاہدہ کا حکم:

تزکیۂ نفس فرضِ عین ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اور تزکیۂ نفس، مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح مجاہدہ بھی فرضِ عین ہے کیونکہ جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

شیخ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجاہدۂ نفس عبادت ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں اور یہ ہر مکلف پر فرضِ عین ہے۔[330]

کیا انسانی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے؟

بلاشک وشبہ انسانی ناقص صفات اور مذمومہ عادات کو تبدیل کرنا ممکن ہے کیونکہ اگر ایسا کرنا ناممکن ہوتا، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بعثت کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور نہ ہی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد آنے والے علماء، عاملین، صوفیاء اور صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت تھی۔ جب بہت سے خونخوار درندوں اور پرندوں کو سدھارنا اور ان کی صفات کو تبدیل کرنا ممکن ہے تو وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے احسنِ تقویم کا تاج پہنایا ہے وہ بدرجہ اولی اس کا مستحق ہے۔

مجاہدۂ نفس سے مراد ان صفات کو یکدم جڑ سے اکھاڑ دینا نہیں بلکہ اس سے مراد صفاتِ سیئہ کو آہستہ آہستہ صفاتِ حسنہ میں تبدیل کرنا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اس کو صراطِ مستقیم کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔

---

[330](شرح طریقہ محمدیہ، ج ۱ ص ۳۲۳)

غصہ اس وقت صفتِ مذمومہ ہے جب انسان اپنی ذات کیلئے غصہ میں آئے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کیلئے غصہ میں آئے تو یہی صفت ممدوح ہو جاتی ہے۔ جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس وقت جلال کا اظہار فرماتے، جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کی بے ادبی ہوتی یا حدود اللہ میں سے کسی حد کو معطل کیا جاتا لیکن جب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف دی گئی اور طائف میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ایڑی مبارک کو لہو لہان کر دیا گیا، تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنی ذات کیلئے غصہ نہیں فرمایا، بلکہ اذیت دینے والوں کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی اور ان کیلئے اللہ کی راہ میں عذر خواہ ہوئے اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"[331]

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما وہ میری حقیقت کو نہیں جانتے"۔

اسی طرح تکبر بھی صفت مذمومہ ہے جب کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تکبر کرے، مگر جب ایک مسلمان متکبر کافر کے مقابلہ میں تکبر کرے گا تو یہی صفت ممدوح ہو جائے گی کیونکہ اب یہ اللہ کے راستے اور شرعی حدود کے ضمن میں داخل ہے۔ اسی طرح اکثر صفاتِ مذمومہ مجاہدہ کے ساتھ تبدیل ہو کر ممدوحہ بن جاتی ہیں۔

---

[331](رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب أحادیث الأنبیاء)

مجاہدہ کا طریقہ

مجاہدہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ سالک نفس کی کسی خواہش پر راضی نہ ہو اور اس کے خالق و مالک نے نفس کے بارے میں جو خبر دی ہے اس پر کامل یقین رکھے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ (یوسف:۵۳)

ترجمہ: "بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا"

اور اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ نفس ہی وصول الی اللہ کیلیئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نفس رکاوٹ اس وقت ہوتا ہے جب نفس امارہ ہو اور گناہوں اور حکمِ الٰہی کی مخالفت سے لطف اندوز ہو لیکن مجاہدہ اور تزکیہ کے بعد یہی نفس راضیہ اور مرضیہ بن جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کی ذات سے انس و محبت کے علاوہ اسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔

مؤمن جب اپنے نفسانی عیوب کا سراغ لگالیتا ہے اور ان کے علاج کا سچا ارادہ کرلیتا ہے تو لوگوں کے عیوب میں مشغول ہونے اور ان کی غلطیوں کو شمار کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دوسروں کی غلطیاں شمار کرنے میں مشغول اور اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہے تو جان لو کہ وہ احمق اور جاہل ہے۔ حضرت شیخ ابو مدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لاتلم المرء علی فعله	و انت منسوب الی مثله
من ذم شیئا اتی مثله	فانما دل علی جهله

(۱) تو کسی کو اس کے عمل پر ملامت نہ کر جب کہ تو ہی اس قسم کا عمل کرنے والا ہو۔

(۲) جو کسی عمل کی مذمت کرتا ہے اور پھر اس کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے:

لا تری عیب غیرک مادام فیک عیب   و العبد لا یخلو من عیب ابدا

ترجمہ: "جب تک تجھ میں عیب موجود ہے تو کسی غیر کے عیب کی طرف نہ دیکھ اور بندہ کبھی عیب سے خالی نہیں ہوتا۔"

جب انسان اپنے نفسانی عیوب کو جان لیتا ہے تو پھر اپنے نفس کی ناجائز خواہشات اور بری عادات کو ترک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو عبادات اور طاعات میں مصروف کر لیتا ہے، اپنی رفتار کے مطابق بتدریج مجاہدہ کو جاری رکھتا ہے۔

وہ ابتداءً ان گناہوں کو ترک کر دیتا ہے جن کا تعلق زبان، کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور فرج سے ہوتا ہے۔ پھر ان سات اعضاء کو ان عبادات کے ساتھ مزین و آراستہ کرتا ہے جو ان کے مناسب ہوں۔ یہ سات اعضاء دل کی طرف جانے والے سات راستے ہیں۔ اب انسان چاہے تو اس میں گناہ اور معصیت کی تاریکیوں کو داخل کر کے اس کو آلودہ اور بیمار کر دے چاہے تو اطاعت اور عبادات کر کے اس کو شفاف اور منور کر دے۔

پھر صفاتِ باطنہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ناقص صفات یعنی تکبر، ریا اور غضب وغیرہ کو صفاتِ کاملہ میں تبدیل کرتا ہے کیونکہ مجاہدہ کا راستہ انتہائی دشوار گزار اور پُر پیچ ہے۔ اس لئے مرید کا تنہا اس میں داخل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کسی ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے جو نفس کے عیوب سے باخبر اور اس کے علاج معالجہ کے طریقے جانتا ہو تاکہ مرید اس کی صحبت سے

تزکیۂ نفس اور اس کے مختلف اسالیب کا عملی تجربہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد و شیخ سے روحانی فیض بھی حاصل کرے جو مرید کی شخصیت اور ذات کی تکمیل میں معاون ہو اور اسے برائیوں سے دور کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وہ مرشدِ اوّل اور مزکیٔ اعظم تھے جنھوں صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت کی اور اپنے حال و قال سے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صفات بیان کی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ (الجمعہ ۲)

ترجمہ: "وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کے دلوں کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

اپنے آپ کو مرشد کے سپرد کرنا پھر اس کی صحبت پر استقامت اختیار کرنا ہی مرید کیلئے نفع مند ہے۔ جس طرح مریض اپنے آپ کو طبیب کے سپرد کر دیتا ہے لیکن جب شیطان مرید کے دل میں غرور اور حد سے بڑھ کر خود اعتمادی کی بیماری داخل کر دے اور وہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے لگے اور اپنے شیخ کی صحبت سے مستغنی ہو جائے تو محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس کا سفر وہیں موقوف ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وہ اس سلسلہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے جبکہ اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔

شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر "روح البیان" میں فرماتے ہیں: "درمیانہ طبقے کے بہت سے سالکین کو دورانِ سلوک کثیر آفات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب ان کا نفس کثرتِ مجاہدات اور ریاضات سے اکتا جاتا ہے تو شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ وہ سلوک کی اس منزل تک پہنچ چکے ہیں جہاں شیخ کی صحبت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ اپنے شیخ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کے راستے پر چل نکلتے ہیں اور مختلف قسم کی مشکلات اور شیطان کے پھندہ میں پھنس جاتے ہیں۔[332]

مجاہدہ کے متعلق عارفین اور مشائخ عظام کے اقوال:

ابو العثمان مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! جس نے یہ گمان کیا کہ بغیر مجاہدہ کے اس کو مقام حاصل ہو گیا ہے یا اس پر کوئی چیز منکشف ہوئی ہے تو وہ غلطی پر ہے۔[333]

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: اے گروہِ جوانان! محنت کرو قبل اس کے کہ تم میری عمر کو پہنچ جاؤ اور کمزور ہو جاؤ اور تمہارے اعمال میں کمی آ جائے جیسے میں کمزور ہو گیا ہوں اور میرے اعمال میں کمی واقع ہو گئی ہے حالانکہ اس عمر میں بھی کوئی نوجوان عبادت میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جو انسان اپنے نفس کو اچھا گمان کرتا ہے وہ اپنے نفس کے عیوب کو نہیں پہچان سکتا۔ اپنے نفس کے عیوب کو وہی پہچان سکتا ہے جو تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم کرتا ہے۔

---

[332] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۴۹)

[333] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین وآراستہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ عمدہ بنا دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔"(عنکبوت: ۶۹)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں ضرور دکھا دیں گے اپنے راستے"

جان لو کہ جو شخص آغاز میں صاحبِ مجاہدہ نہ ہو تو اس کا طریقت کے قریب تک سے بھی گزر نہ ہوا۔

امام برکوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے عیب کو نہیں جانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ کفر کے قاصد اور نامہ بر ہوتے ہیں۔[334]

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کی نجات اسی میں ہے کہ بندہ اس کی خواہشات کی مخالفت کرے اور اس کو ان اشیاء پر برانگیختہ کرے جن کا حکم اس کے رب نے دیا ہے۔[335]

امام برکوی فرماتے ہیں کہ مجاہدہ یہ ہے کہ ہر وقت نفس کی مخالفت کی جائے۔ یہ عابدوں کا سرمایہ، زاہدین کا راس المال اور نفوس کی درستگی اور اس کی تذلیل کا دارومدار ہے اور ارواح کی تقویت اور تزکیہ اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے کا سبب اور وسیلہ ہے۔

---

[334] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰-۴۸)

[335] (تعلیقات علیٰ الرسالۃ القشیریۃ)

اے سالک! تجھ پر لازم ہے کہ نفس کو خواہشات سے روکے اور اس کو مجاہدہ میں مشغول کرے، اگر تو اللہ سے ہدایت کا طالب ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱)"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔"(عنکبوت:۶۹)

ترجمہ:"اور جو بلند ہمت مصروفِ جہاد رہتے ہیں ہماری رضا کیلئے ہم انہیں دکھا دیں گے اپنے راستے"

(۲):"وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ۔"(عنکبوت:۶)

ترجمہ:"اور جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کیلئے ہی کوشاں ہے"[336]

ابن عجیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرید کیلئے ابتدائے طریقت میں داخل ہونے کیلئے مجاہدہ، مشقت اور صدق و تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آخری منازل کو ظاہر اور روشن کرتا ہے۔ جس کا آغاز روشن ہو اس کی انتہا بھی روشن ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ طلبِ حق میں اپنی جان، روح اور عزت و مرتبہ کو قربان کر دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ مقامِ عبودیت تک پہنچ جائے اور وظائفِ ربوبیت ادا کرے تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس کی انتہا محبوب تک پہنچنے پر ہو گی اور جب کسی کو دیکھیں کہ وہ اپنے امور میں کوتاہی کرنے والا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔[337]

قال محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (من کتاب "الفتوحات المکیة" الریاضات والخلوات والمجاهدات وأثرها):"ولما رأت عقول أهل الایمان باللہ تعالیٰ أن اللہ تعالیٰ قد طلب منها أن تعرفه بعد أن عرفته بأدلتها النظرية، علمت أن ثمّ علماً آخر باللہ لا تصل إليه من

---

[336] (الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج ۱ ص ۴۵۵)

[337] (ایقاظ الهمم ج ۲ ص ۳۷)

طریق الفکر، فاستعملت الریاضات والخلوات والمجاهدات وقطع العلائق، والانفراد والجلوس مع اللہ بتفریغ المحل، وتقدیس القلب عن شوائب الأفکار؛ إذ کان متعلق الأفکار الأکوان، واتخذت هذه الطریقة من الأنبیاء والرسل، وسمعت أن الحق جل جلاله (حدیث "ینزل اللہ إلی السماء الدنیا...الخ"رواه الدارمی فی باب الصلاة) ینزل الیٰ عباده ویستعطفهم فعلمت أن الطریق إلیه من جهته أقرب إلیه من الطریق من فکرها۔ولا بد لأهل الإیمان وقدعرفوا قوله تعالیٰ (حدیث "اذاتقرب إلی العبد شبراً تقربت إلیه ذراعاً..."رواه البخاری عن أنس وأبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه وأبی عوانة رضی اللہ تعالیٰ عنه والطبرانی رضی اللہ تعالیٰ عنه عن سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنه) "من أتانی یسعیٰ أتیته هرولة" وأن قلبه (أی قلب المؤمن) وسع جلال وعظمته۔فتوجه العقل إلیه تعالیٰ بکله وانقطع من کل ما یأخذ عنه من هذه القویٰ، فعند هذا التوجه (أفاض اللہ علیه من نوره علماً إلهیاً عرفه بأن اللہ تعالیٰ من طریق المشاهدة والتجلی، لا یقلبه کون ولا یرده کون) ولذلک قال اللہ تعالیٰ: {إِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ}[ق:۳۷] یشیر إلیٰ العلم ب اللہ من حیث المشاهدة{لَذِکۡرىٰ لِمَنۡ کَانَ لَهُ قَلۡبٌ}[ق:۳۷] ولم یقل غیر ذلک القوة کقوة وراء طور العقل تصل العبد بالرب۔فإن القلب معلوم بالتقلب فی الأحوال دائماً فهو لا یبقیٰ علیٰ حالة واحدة فکذلک التجلیات الإلهیة، فمن لم یشهد التجلیات بقلبه ینکرها بعقله، فإن العقل یقید غیره من القویٰ إلا القلب فإنه لا یتقید وهو سریع التقلب فی کل حال ولذا قال الشارع: "إن القلب بین أصبعین من أصابع الرحمن یقلبه کیف یشاء"فهو یتقلب بتقلب التجلیات، والعقل لیس کذلک، فالقلب هو القوة التی وراء طور العقل، فلو أراد الحق فی هذه الآیة بالقلب أنه العقل ماقال {لِمَنۡ کَانَ لَهُ قَلۡبٌ}[ق:۳۷] فإن کل إنسان له عقل وما کلّ إنسان یعطیٰ هذه القویٰ التی وراء طور العقل، المسماة قلباً فی هذه الآیة، فلذلک قال {لِمَنۡ کَانَ لَهُ قَلۡبٌ}[ق:۳۷][338]

[338](الفتوحات المکیة ص ۳۴۳)

مجاہدہ کے بارے میں شبہات کا رد

اگر کوئی کہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان لذات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱):"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ" (اعراف ۳۲)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کیلئے اور (کس نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے۔"

(۲): يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (مائدہ ۸۷)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو"۔

تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلال کو حرام نہیں بنایا کیونکہ ان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ تعالیٰ کی شرع کے ساتھ مقید رہنا ہے لیکن جب انہوں نے جان لیا کہ تزکیہ فرضِ عین ہے اور یہ بھی جان لیا کہ نفس کی صفاتِ سیئہ انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں اور مراتب کمال میں ترقی سے روکتی ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ وہ اپنے نفوس کو مہذب اور ان کو خواہشات کی قید سے آزاد کرائیں گے۔

عظیم صوفی حکیم ترمذی اس شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ان آیات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم اس سے کسی چیز کو حرام کرنے کا ارادہ نہیں کرتے، بلکہ ہمارا مقصد تو تادیبِ نفس ہے۔

یہاں تک کہ نفس ادب سے آراستہ ہو جائے اور جان لے کہ اس نے کیسے عمل کرنا ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے:

"اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ" (اعراف ۳۳)

ترجمہ: "بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے۔"

حلال چیزوں میں حد سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اسی طرح فخر و مباہات، ریا اور اسراف حرام ہے۔ سالک کو ان چیزوں سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ اس کے دل میں خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ جب میں نے دیکھا کہ نفس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کو حاصل کرتا ہے اور مباہات کا ارادہ کرتا ہے تو میں نے جان لیا کہ اس نے حرام کو حلال کے ساتھ ملا لیا ہے اور شکر کو ضائع کر دیا ہے۔ اس کو تو رزق اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ کہ کفر۔ جب میں نے اس کا سوئے ادب دیکھا تو اس کو ان چیزوں سے منع کر دیا حتیٰ کہ وہ ذلیل اور تابع ہو گیا اور میرے رب نے جب مجھے اپنی ذات میں مجاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے اپنی راہ میں ہدایت فرمائی۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔" (عنکبوت ۶۹)

ترجمہ: "اور جو بلند ہمت مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنوں کے ساتھ ہے"

میں مجاہدہ کی وجہ سے اس کے نزدیک محسن ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو گئی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے، وہ ایسے گروہ کے ساتھ ہو جاتا ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور ایسے چوکیدار کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں سوتا اور ایسے ہادی کے ساتھ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے جو اسے جلد ہی آخرت کے ثواب کی

طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا!''جب کسی بندہ کے دل میں نور القا کر دیا جائے تو اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے'' عرض کی گئی یار سول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیا اس کی علامت بھی ہے ؟تو فرمایاہاں اس کی علامت دارِ غرور سے پہلو تہی اور دار الخلود کی طرف رجوع اور قبل از وقت اس کی تیاری کرنا ہے۔

دل میں نور آجانے کی وجہ سے سالک فانی دنیا سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس نور کے ذریعہ دنیا کے عیوب، مصائب اور آفات اور فریب کاریوں کو جان لیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل سے بدکاری، ریا، فخر ومباہات اور حسد وتکبر نکل جاتا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس وقت جنم لیتی ہیں جب انسان دنیا کی تعظیم ومحبت اور حلاوت کو دل میں بٹھالے۔ان تمام آفات سے نجات کا ذریعہ صرف اور صرف مجاہدۂ نفس ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔[339]

بعض لوگ جہالت اور جلد بازی سے کام لیتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کے مجاہدات بدھ مت یا ہندو مت سے ماخوذ ہیں اور اس کی اصل نصرانی مذہب کی اس بے راہ روی سے ملتی ہے جس میں جسم کو عذاب دینا روح کی بالیدگی اور ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ تصوف کا تعلق اس رہبانی رجحان سے ہے جو ان تین افراد میں ظاہر ہوا جنہوں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب انہیں بتایا گیا تو شاید انہوں نے اس کو قلیل گمان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں صومِ دہر رکھوں گا، دوسرے نے کہا میں ساری رات قیام میں گزار دوں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے عزلت اختیار کروں گا اور شادی نہیں کروں گا۔

---

[339] (الریاضۃ وأدب النفس للحکیم الترمذی ص ۱۲۴)

جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی بار گاہ میں ان کا معاملہ پیش کیا گیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم نے ان کے افکار کی تصحیح کی، اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی فرمائی۔ ان سب اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ تصوفِ اسلامی کو کسی بھی دَور میں مستقل شریعت اور جدید دین کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کی عملی صورت اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی کامل اتباع کا نام ہے ان معترضین کو یہ شبہ اس وجہ سے لاحق ہوا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ تصوف میں دین حنیف کی حدود اور شرعی بنیادوں پر تزکیۂ نفس اور اس کی تربیت اور مجاہدہ کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پس انہوں نے بغیر کسی سوچ وبچار کے نصرانیوں کی بے راہ روی پر تصوف کو قیاس کیا حالانکہ دینی حدود میں مقید مجاہدہ کے دوران اور دینی غلو، انحراف اور حرام کو حلال کرنے اور تعذیب جسم میں بہت بڑا فرق ہے۔

اور یہ انتہائی ظلم وافتراء ہے کہ جو بھی مجاہدہ اور تزکیۂ نفس کا ارادہ کرے اس پر حکم لگا دیا جائے کہ اس کا رجحان بدھ مت یا ہندو مت کی طرف ہے۔ جس طرح کہ مستشرقین اوران کے متبعین کا خیال ہے یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جائے کہ یہ ان افراد کی پیروی کرتے ہیں جنھوں نے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت کو قلیل گمان کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض جلد باز اور سطحی قسم کے لوگوں کا خیال ہے حالانکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم نے ان تینوں کی اصلاح فرمادی تھی اور وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سنت اور ہدایت پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔

اگر پوری تاریخِ تصوف میں کوئی ایسا شخص پایا جائے جس نے حلال کو حرام کیا ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کیا ہو تو وہ بدعتی ہے اور تصوف سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے تصوف اور صوفی کے درمیان فرق کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی بھی صوفی ذاتی انحرافات

سے مکمل طور پر تصوف کی نمائندگی نہیں کرتا، جس طرح مسلمان اپنے غلط کردار کی وجہ سے اِسلام کی نمائندگی نہیں کرتا۔ معترضین نے صوفی اور تصوف، مسلم اور مسلمان کے درمیان فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھابلکہ ان دونوں کو لازم وملزوم سمجھ کر کاملین کو منحرفین پر قیاس کرتے ہوئے ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

سالکین کے نزدیک سب سے محبوب چیز نفوس کی ترقی ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو اپنے مطلوب ومقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ نفس مجاہدہ اور ریاضت سے ترقی کرتا ہے اور تدریجاً امارہ سے لوامہ، ملہمہ، راضیہ، مرضیہ اور مطمئنہ کی منازل طے کرتا ہے۔ وصول الی اللہ کے تمام مراحل میں سالک کیلئے مجاہدہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان مراحل میں آخری درجہ عصمت کا ہے اور یہ صرف انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا خاصہ ہے۔

اس بحث سے ہمیں ان سالکین کی خطا کا پتہ چلتا ہے جو منازلِ سلوک کی لازمی شرط مجاہدہ نفس میں پختہ نہیں ہوتے۔ پھر اپنے لئے مقامِ محبت کا دعوی کرتے ہیں اور محبین کا کلام گنگناتے رہتے ہیں اور اپنے دعوی کی تائید میں سلطان العاشقین حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام پیش کرتے ہیں:

وعن مذهبی فی الحب مالی مذهب　　　وان ملت یوما عنه فارقت ملتی

''محبت کے متعلق میرا مذہب پوچھنے والو! سن لو محبت میں میرا کوئی مذہب نہیں اور ایک دن بھی محبت سے دور ہو جاؤں تو اپنی ملت سے خارج ہو جاؤں''۔

حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء کیسے کی۔ یہاں ہم ان کا کچھ کلام ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے دورانِ سلوک اپنے مجاہدات کا

ذکر کیاہے اور یہ کلام مجاہدہ کی اہمیت پر دال ہے مگر یہ جاننا چاہئے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مجاہدات کی ابتداء نفسِ لوامہ سے کی ہے نہ کہ نفس امارہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو سالک مجاہدہ میں مشغول نہ ہو، نہ تو اس کے سلوک کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کی محبت کا دعویٰ صحیح۔

فنفسی کانت قبل لوامه متی — اطعها عصت او اعص کانت مطیعتی

فاردتها ما الموت ایسر بعضه — و اتعبتها کیما تکون مریحتی

فعادت و مهما حملته تحملت — به منی و ان خففت عنها تاذت

و اذهبت فی تهذیبها کل لذاه — بابعادها عن عادها فاطمانت

و لم یبق هول دونها ما رکبته — و اشهد نفسی فیه غیر زکیه

(۱) میرا نفس لوامہ تھا جب بھی میں اس کو مطیع بناتا تو نافرمانی کرتا اور جب اس کی بات نہ مانتا تو یہ مطیع ہو جاتا۔

(۲) میں نے اس کو مجاہدات میں داخل کیا لیکن اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا میں نے اس کو تھکایا تاکہ مجھے راحت پہنچائے۔

(۳) پھر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اس پر جو بھی بوجھ ڈالتا وہ اٹھالیتا اور اگر بوجھ کو کم کرتا تو اس کو تکلیف ہوتی۔

(۴) اس کو مہذب بنانے کیلئے اسے ہر لذت سے بچائے رکھا اور اس کو خواہشات سے دور رکھا تو مطمئن ہو گیا۔

(۵) اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جس سے میں دوچار ہوا ہوں اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی کی گواہی نہیں دیتا۔

اسی وجہ سے شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محبت کے ان جھوٹے دعویداروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنھوں نے نہ تو دنیا کو ترک کیا، نہ ہی مجاہدہ کو اپنایا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

رضوا بالامانی وابتلوا بعظوظهم   وخاضوا ابحار الحب دعوی فما ابتلوا

فهم فی السری لم یبرحوا من مکانهم   وما ظعنوا فی الیسر عنه وقد کلوا

(۱) بعض لوگ آرزوؤں سے راضی ہیں اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں۔ محبت کے سمندر میں غوطہ زنی کا دعویٰ ہے لیکن ابھی تک ان کا پہلو بھی تر نہیں۔

(۲) رات کے سفر میں اپنی جگہ سے نہیں ملے نہ ہی کوچ کی تیاری کی حالانکہ تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے۔

مجاہدہ سلوک کے تمام مراحل اور منازل میں بنیادی شرط ہے لیکن منازل میں ترقی کے مطابق سالک کے مجاہدہ کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ اس کی مثال اس طالبِ علم کی سی ہے جو پہلے پرائمری کے درجہ میں داخل ہوتا ہے پھر ترقی کر کے مڈل، ہائی، انٹر اور گریجویشن تک پہنچ جاتا ہے حالانکہ پرائمری اور گریجویشن کے مدارج میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اور اسی طرح برائی کا حکم دینے والے اور خواہش کی طرف مائل ہونے والے نفس اور نفس مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ کے درمیان واضح فرق ہے۔

خلاصہ کلام: مجاہدہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے طریقہ کی اصل ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا ہے۔ جس نے اصل کو اپنایا، اس نے مطلوب کو پالیا اور جس نے اصل کو ترک کر دیا وہ مطلوب سے محروم رہا۔ اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ جس کی ابتداء مجاہدہ سے نہ ہو تو اس کی انتہا روشن اور منور نہیں ہو سکتی کیونکہ ابتداء، انتہاء اور انجام کیلئے دال اور مشید ہوا کرتی ہے۔

ذکر

ابتدائی مقام سے لے کر مقامِ توحید تک تمام مقامات ذکر کا ہی ثمرہ ہیں۔ اسی طرح تمام احوال ومعارف جن کے حصول کیلئے سالک محنت اور کوشش کرتا ہے، وہ اسی کا ثمرہ ہیں۔ ذکر کے شجر سے ہی ان تمام ثمرات کا حصول ممکن ہے اور یہ شجر جتنا بڑا ہو گا اور اس کی جڑیں جتنی مضبوط ہوں گی اتنا ہی زیادہ ثمر بار ہو گا اور یہی شجر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے جس پر ان تمام مقامات کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس طرح بنیاد پر دیوار اور دیوار پر چھت کی تعمیر ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب تک غفلت سے بیدار نہ ہو اس کیلئے ان منازلِ سلوک کا طے کرنا ممکن نہیں جس کیلئے اس کی تخلیق ہوئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۵۶)

ترجمہ: ”اور نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

یعبدون أی: یعرفون۔

انسان ذکر کے ذریعہ ہی غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور غفلت دل کی نیند یا موت کا نام ہے۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنے مولیٰ کے کثرت ذکر کے حکم کی پیروی کر کے اپنی زندگیوں کو فرشتوں کی زندگیوں کی طرح بنا لیا ہے۔ ان کے دلوں میں نہ تو دنیا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی یہ دنیا انہیں محبوب سے دور کر سکتی ہے۔ وہ اپنے رب کی ہم نشینی کی وجہ سے اپنے آپ کو بھول گئے

حتیٰ کہ وہ ما سویٰ اللہ ہر چیز سے ماوریٰ ہو گئے اور جب انہوں نے اس ذات کو پا لیا تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔

ذکرتک لا انی نسیتک لمحة والیسر مافی الذکر ذکر لسانی

"میں نے تجھ کو یاد کیا اس وجہ سے نہیں کہ میں بھول گیا تھا اور سب سے آسان ذکر میری زبان کا ذکر ہے"۔

صوفی ہر لحظہ اپنے رب کو یادرکھتا ہے اور اس کو ذکر کے طفیل انشراح صدر اور بالیدگی روح حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسے اپنے پروردگار کے ساتھ ہم نشینی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

اهل ذکری اهل مجالستی۔

"اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں۔"[340]

عارف وہ ہوتا ہے جو ذکر پر دوام اور ہمیشگی اختیار کرتا ہے اور اس فانی دنیا سے لطف اندوز ہونے سے اپنے دل کو پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام اَحوال کی ذمہ داری اپنے ذمے لے لیتا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جو صبر کرتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور جو بار بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کیلئے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔

---

[340] (من حديث قدسي أخرجه الإمام أحمد في مسنده)

ذکر کے معانی

قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ میں لفظ "ذکر" کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱): کبھی تو اس لفظ سے قرآن کریم مراد ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ" (حجر ۹)

ترجمہ: "بے شک ہم ہی نے اتارا اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں"

(۲): بعض اوقات اس سے نمازِ جمعہ مراد لیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ (جمعہ ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہیں بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف۔

(۳) اور کسی مقام پر لفظ "ذکر" بول کر علیم مراد لیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاسۡئَلُوۡۤا اَھۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (انبیاء ۷)

ترجمہ: "پس (اے منکرو) پوچھو اہلِ علم سے اگر تم (خود حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے"۔

(۴) لیکن اکثر عبادات میں لفظ "ذکر" سے تسبیح و تہلیل، تکبیر اور نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کی ذات پر درود و سلام مراد لیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) "فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ" (نساء ۱۰۳)

ترجمہ: "جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر"

(۲): ”یاأَیُّھاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَالَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَ اذْ کُرُوْ االلّٰہ کَثِیْرًا“ (انفال ۴۵)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے“

(۳): ”وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلا“ (مزمل ۸)

ترجمہ: ”اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو“

اسی طرح درج ذیل احادیث نبویہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں بھی ذکر سے یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

”ان اللّٰہ عز و جل یقول! انا مع عبدی اذا ھو ماذکرنی تحرکت بی شفتاہ۔“[341]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کیلئے ہلتے ہیں“

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اسلام کے احکام کثیر ہیں کوئی ایسی چیز بتایئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں۔

---

[341] (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الأدب وإبن حبان فی صحیحہ والامام أحمد فی مسندہ والحاکم کما فی ”فیض القدیر“ ج ا ص ۳۰۹)

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لا یزال لسانک رطبامن ذکر اللہ۔[342]

ترجمہ: ”توہمیشہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان رہے“

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ ذکر سے مراد حلال و حرام کا علم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ذکر قرآن، صلوٰۃ، علم اور ذکر اللہ میں مشترک ہے اور لفظ مشترک میں اس معنی کا اعتبار ہو گا جو عرف میں غالب استعمال ہو۔ اس کے علاوہ اگر دوسرا معنی مراد لینا ہو تو لفظی یا حالی قرینہ پایا جانا ضروری ہے اور لفظ ذکر کا غالب استعمال ذکر اللہ میں ہی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کبھی کبھی لفظ ذکر سے علم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ“ (اور پوچھ لیا کرو اہلِ علم سے)

اس آیت کریمہ میں ذکر سے علم اس لئے مراد لیا گیا ہے کیونکہ یہاں سوال کا قرینہ موجود ہے۔

کتاب و سنت سے دلائل

بہت سی آیات کریمہ ذکر کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت اپنی لاریب کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱)فَاذْکُرُوْنِیْٓ أَذْکُرکُم۔(بقرہ۱۵۲)

ترجمہ: ”سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“

---

[342](رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات وقال: حدیث حسن)

(۲)"الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِم" (آل عمران ۱۹۱)

"وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر۔"

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلاً۔ (احزاب ۴۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔"

(۴) الذّٰاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيْمًا۔ (احزاب:۳۵)

ترجمہ: "اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم۔"

(۵) "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔" (آل عمران: ۴۱)

"اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت، اور پاکی بیان کرو اس کی صبح وشام"

(۶) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکرِ الٰہی سے، دھیان سے سنو اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔"

(۷) "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا۔" (دھر:۲۵)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح وشام۔"

(۸) "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔" (مزمل:۸)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔"

(۹) "وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَر" (اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے)

(۱۰) فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُم۔ (النساء ۱۰۳)

ترجمہ:"جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)۔"

(۱۱) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعة ۱۰)

ترجمہ:"پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

(۱۲) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ (بقرہ ۱۱۴)

"اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا"۔

(۱۳) فِي بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ (نور: ۳۶)

ترجمہ:"ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ کا نام۔"

(۱۴) يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (المنافقون: ۹)

ترجمہ:"اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ نمازوں کے بعد اور صبح وشام اور نیند سے بیداری کے وقت اور اپنے گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔[343]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ بندہ کثیر ذکر کرنے والوں میں اس وقت شمار ہوگا جب بیٹھتے، اٹھتے، لیٹتے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرے۔[344]

ذکر کے علاوہ تمام عبادات کی صحت کیلئے کچھ شروط ہیں لیکن ذکر، طہارت اور بغیر طہارت، قیام وقعود بلکہ تمام احوال میں جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام نوَوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دل اور زبان کا ذکر ہر بے وضو، جنبی، حیض ونفاس والی عورت کیلئے بھی جائز ہے اور اس ذکر سے تسبیح و تہلیل، تحمید، تکبیر اور درود وسلام اور دعا مراد ہے۔[345]

ذِکر، دِلوں کا صیقل اور فیوضِ ربانی کی چابی اور دِلوں پر تجلیات کے نزول کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ سے انسان صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذِکر سے غفلت کی وجہ سے سالک پر غم وحزن طاری ہو جاتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جائے، تو وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کیونکہ ذکر خوشی ومسرت کی کلید ہے، جس طرح غفلت، غم وحزن کی کلید ہے۔

---

[343] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ا ص ١٠٩-١٠٦)

[344] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ا ص ١٠٩-١٠٦)

[345] (الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، ج ا ص ١٠٩-١٠٦)

سنت

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت۔[346]

"اپنے رب کا ذکر کرنے والے نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہوئے اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ کے ذکر میں پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو نِدا دیتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ فرمایا وہ فرشتے اس مجلس کو اپنے پروں کے ساتھ آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا ان کا رب عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جاننے والا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں تیری عظمت وبزرگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ عبادت وعظمت اور بزرگی کا اظہار کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں قسم بخدا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے! کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا

---

[346](رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الدعوات)

حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس کے طالب اور رغبت رکھنے والے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جہنم کی آگ سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ اس سے بھاگتے اور خوفزدہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ ایک فرشتہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ فلاں آدمی تو ان میں سے نہیں ہے وہ تو اپنے کسی کام کیلئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان اہلِ مجلس کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہو سکتا۔[347]

اس حدیث پاک میں مجالسِ ذکر، اہلِ ذکر اور ذکر کیلئے اجتماع کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ ذکر کا ہم نشین بھی ان نوازشات میں شامل ہوتا ہے جن کو رب کریم اہلِ مجالس پر نازل فرماتا ہے۔ اگرچہ وہ اصل ذکر میں شامل نہ ہو لیکن اہلِ ذکر کی ہم نشینی کے باعث وہ خوش بخت بن جاتا ہے کیونکہ جو کسی کی معیت اختیار کرتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت صحیح ہو تو اس کا شمار بھی انہیں میں ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

---

[347] (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الدعوات)

"اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا يا رسول اللہ صَلّٰی اللّٰہُ تعالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم ما رياض الجنة؟قال حلق الذکر۔"

"آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا جب تم باغاتِ جنت کے قریب سے گزرو، تو اس میں سے کچھ کھالیا کرو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم باغاتِ جنت سے کیا مراد ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا محافلِ ذکر۔"[348]

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا:

"ليبعثن اللہ اقواما يوم القيامة فی وجوههم النور على منابر اللؤلؤ يغبطهم الناس ليسوا بانبياء ولا شهداء قال فجثى اعرابی على ركبتيه فقال يا رسول اللہ صَلّٰی اللّٰہُ تعالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم حلهم لنا نعرفهم قال هم المتحابون فی اللہ من قبائل شتى وبلاد شتى يجتمعون على ذکر اللہ يذكرونه۔

"آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور وہ موتیوں کے منبروں پر براجمان ہوں گے۔ لوگ ان پر رشک کریں گے۔ یہ نہ تو انبیاء ہوں گے نہ ہی شہداء" راوی فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کے ایک بدو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور عرض کی۔ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ ہمیں ان کا حلیہ بیان کیجئے تاکہ ہم ان کو پہچان لیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو

[348](أخرجه الترمذی فی كتاب الدعوات وحسنه)

اللہ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مختلف قبائل اور علاقوں سے جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔[349]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مکہ کے کسی راستہ سے گزر رہے تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا گزر جمدان پہاڑ کے قریب سے ہوا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا یہ جمدان پہاڑ ہے مفردون سبقت لے گئے عرض کی گئی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مفردون کون ہیں؟ فرمایا اللہ سے محبت کرنے والے۔ اللہ کا ذکر ان کے بوجھوں (گناہوں) کو اتار دے گا اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔[350]

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ذکر کے انتہائی حریص اور مشتاق ہوتے ہیں۔ اس پر مواظبت اختیار کرتے ہیں۔ انہیں جو کچھ بھی کہا جائے یا ان سے جو کچھ بھی سلوک کیا جائے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

الا انبئکم بخیر اعمالکم و ازکاھا عند ملیککم و ارفعھا فی درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب و الورق و خیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم؟ قالوا بلی قال ذکر اللہ فقال معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ ما شیٔ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

---

[349](رواہ الطبرانی بإسناد حسن کمافی "الترغیب والترھیب ۲/۴۰۶)

[350](مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ: "آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے افضل ترین عمل کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں جو تمہارے رب کے نزدیک زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجات کو بلند کرنے والا ہے اور تمہارے سونا اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے اور اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی ہاں ضرور بتایئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا یہ عمل اللہ کا ذکر ہے"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر عذابِ خداوندی سے بچانے والی کوئی چیز نہیں۔[351]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرته فی ملاءٍ خیر منهم وان تقرب الی شبرا شبرا تقربت الیه ذراعا وان تقرب الی ذراعاتقربت الیه باعاوان اتانی یمشی اتیته هرولة۔

"میں اپنے بندہ سے ویسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو اسے میری معیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرے تو میں بھی اسی طرح اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ذراع اس سے قریب ہوتا ہوں۔

[351](رواہ الترمذی فی کتاب الدعاء باب ماجاء فی فضل الذکر۔ ورواہ ابن ماجہ فی "الأدب" باب فضل الذکر)

اگر وہ ایک ذراع میرے قریب آئے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میری رحمت دوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے"[352]

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال! یقول اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ سیعلم اھل الجمع من اھل الکرم فقیل ومن اھل الکرم یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ! قال اھل مجالس الذکر فی المساجد۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ آج تمام لوگ جان جائیں گے کہ اہلِ کرم کون ہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اہلِ کرم کون لوگ ہیں؟ تو ارشاد فرمایا مسجدوں میں محافلِ ذکر کا انعقاد کرنے والے۔"[353]

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال! مامن قوم اجتمعوا یذکرون اللہ عزوجل لا یریدون بذلک الا وجھہ الا ناداہ منادمن السماء ان قوموا مغفوراً لکم وقد بدلت سیئاتکم حسنات۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے جمع ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا تو آسمان سے ایک منادی ایک ندا دیتا ہے کہ تم اس مجلس سے اس حال میں اٹھو کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔"[354]

---

[352] (مسلم: کتاب الذکر، بخاری: کتاب التوحید، ترمذی کتاب الدعوات، نسائی، ابن ماجہ)

[353] (مسند امام احمد: ابو یعلی: ابن حبان فی صحیحہ: وال بیھقی وغیرھم...الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۴۰۴)

[354] (مسند امام احمد بن حنبل: مجمع الزوائد: ج: ۱۰ :ص: ۷۶)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یقول الرب تبارک وتعالی! من شغلہ قراءۃ القرآن و ذکری عن مسئالتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے! جس شخص کو تلاوتِ قرآن اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا تو اس کو میں سوال کرنے والوں سے بھی زیادہ عطا کرتا ہوں“[355]

مثل الذی یذکر و الذی لا یذکر مثل الحیّ و المیت۔

ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ کی مانند ہے۔

عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم: مثل الذی یذکر ربّہ و الذی لا یذکر ربّہ مثل الحی و المیت۔

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“[356]

عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: مثل البیت الذی یذکر اللہ فیہ و البیت الذی لا یذکر اللہ فیہ مثل الحیّ و المیّت۔

---

[355] (ترمذی فی کتاب فضائل القرآن و قال حدیث حسن، دارمی و بیهقی)

[356] (بخاری، الصحیح ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۶، رقم ۲۳۰۳، عسقلانی، فتح الباری، ۱۱:۲۱۰، رقم:۶۰۴۴)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“[357]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول اللہ تعالیٰ: انا عند ظن عبدی بی و أنا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم و ان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا و ان أتانی یمشی أتیتہ ھرولۃ۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکر خفی) کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر

[357] (مسلم، الصحیح ۹۳۵:۱، رقم: ۷۷۹، ابن حبان، الصحیح ۱۳۵:۳، رقم ۸۵۴، ابو یعلی، المسند ۲۹۱-۲۹۲:۱۳ رقم: ۷۳۰۶، رویانی، المسند، ۳۱۷:۱، رقم: ۳۴۳، ابو نعیم، المسند المستخرج علی الصحیح المسلم، ۳۷۲:۲، رقم: ۱۷۷۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱۴۳:۴، رقم: ۶۴۴۲، بیھقی، شعب الایمان، ۴۰۱:۱، رقم ۵۳۶، منذری، الترغیب والترھیب، ۱۷۰:۱، رقم: ۶۳۵، نووی شرح صحیح مسلم ۶۸:۶، مبارک پوری تحفۃ الاحوذی ۴۳۷:۲، عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۲۵۸:۲، رقم: ۲۲۶۵)

میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"[358]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول اللہ تعالیٰ عز وجل: أنا عند ظن عبدبی و أنا معه حین یذکرنی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأهم خیر منهم و ان تقرب منی شبرا اقتربت الیه ذراعا و ان تقرب الی ذراعا تقربت منه باعا و ان أتانی یمشی أتیته هرولة۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ دل میں میرا ذکر کرے تو میں دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں ان کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے میرے قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔"[359]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول اللہ تعالیٰ: أنا عند ظن عبد و أنا معه حین یذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی

---

[358] (بخاری، الصحیح ۲۶۹۴:۶، رقم: ۶۹۷۰، ابو نعیم حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۲۷:۹، منذری، الترغیب والترهیب، ۲۵۲:۲، رقم: ۲۲۸۶، صنعانی، سبل الاسلام ۲۱۳:۴، عسقلانی فتح الباری، ۲۰۹:۱۱)

[359] (مسلم، الصحیح ۲۰۶۱:۴، رقم: ۲۶۷۵، نسائی، السنن الکبریٰ، ۴۱۲:۴، رقم: ۷۷۳۰، احمد بن حنبل، المسند، ۴۱۳:۲، رقم: ۹۳۴۰)

نفسي و ان ذکرني في ملاء ذکرته في ملاء خير منه و ان اقترب الی شبرا تقربت اليه ذراعا و ان اقترب الی ذراعا اقتربت اليه باعا و ان أتاني يمشي أتيته هرولة۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے، پس اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک آئے تو میں دو ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔“[360]

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن أبيه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: قال اللہ تعالیٰ لا يذکرني عبدي في نفسه الا ذکرته في ملأ من ملائکتي و لا يذکرني في ملأ الا ذکرته في الرفيق الأعلی۔

”حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب بھی بندہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب وہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں رفیقِ اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔“[361]

---

[360] (مسلم، الصحيح ۲۰۶۷:۴، رقم:۲۶۷۵، ترمذی، الجامع الصحيح ۵:۵۸۱، رقم ۳۶۰۳، ابن ماجه، السنن ۲:۱۲۵۵، رقم:۳۸۲۲، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۵۱، رقم:۷۴۱۶)

[361] (طبرانی، المعجم الکبير، ۲۰: ۱۸۲، رقم: ۳۹۱، هيثمی، مجمع الزوائد ۱۰:۷۸، منذری، الترغيب و الترهيب، ۲:۲۵۲، رقم ۲۲۸۷، هندی، کنز العمال، ۱:۴۲۰، رقم: ۱۷۹۶، ۲۰، ۱:۴۳۲، رقم:۱۸۶۷، سيوطی، الدرر المنثور، ۱۰:۱۴۹)

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَ آله وَ سلَّم فیما یحکی عن اللّٰہ د قال الکبریاء ردائی و العظمة ازاری فمن نازعنی فی واحدة منهما قذفته فی النار ومن اقتربت منه باعا ومن جاءنی یمشی جئته اهرول ومن جاءنی یهرول جئته اسعی ومن ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملأ أکثر منهم وأطیب۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بڑائی میری کملی ہے اور بزرگی میری چادر ہے، پس جو کوئی ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑا کرے گا تو میں اسے آگ میں پھینک دوں گا جو ایک بالشت میرے قریب ہوا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دو بازو پھیلانے کے برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آئے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو دِل میں میرا ذکر کرے میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو جماعت میں میرا ذِکر کرے میں اس کی جماعت سے زیادہ بڑی اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔“[362]

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: قال اللّٰہ عز وجل عبدی عند ظنه بی وأنا معه اذا دعانی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم وأطیب وان تقرب منی شبرا اقتربت منه ذراعا وان تقرب ذراعا تقربت باعا وان أتانی یمشی اتیته هرولة۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ اپنے گمان کے مطابق میرے ساتھ ہوتا ہے، اور

[362] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۶، رقم:۳۲۸، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۵۴، رقم:۸۶۳۵، ۲:۴۰۵، ۹۲۴۳، ابن أبی شیبه، المصنف، ۶:۶۱، رقم:۲۹۴۷۹)

میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، پس اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرے تو میں بھی اس کی جماعت سے بہتر اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب میرا بندہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔"[363]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ان الله عز وجل: يقول: انا عند ظن عبدی بی و أنا معه حين يذکرنی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خير من ملئه الذی يذکرنی فيه وان تقرب العبد منی شبرا تقربت منه ذراعا وان تقرب منی ذراعا تقربت منه باعا واذا جاءنی يمشی جئته اهرول له المن والفضل۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی اس جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، کہ جس میں اس نے میرا ذکر کیا ہوتا ہے اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے

[363] احمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۸۰، رقم: ۱۰۲۲۹)

نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آئے تو میں فضل واحسان کے ساتھ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔‘‘[364]

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: قال اللہ جل و علا عبدی عند ظنه بی و أنا معه اذا دعانی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه و اطیب۔

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ میرے گمان کے مطابق ہوتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کی جماعت سے بہتر اور زیادہ پاکیزہ جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔‘‘[365]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم : قال اللہ تبارک و تعالیٰ: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه حیث یذکرنی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم و ان تقرب منی ذراعا تقربت منه باعا و ان أتانی یمشی أتیته هرولة۔

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوتا ہوں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں کہیں وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر

[364] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۸۲، رقم: ۱۰۲۵۸)
[365] (ابن حبان، الصحیح ۳:۹۵، رقم: ۸۱۲)

جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے قریب ہو تا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔"[366]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: قال اللہ تعالیٰ عبدی اذا ذکرتنی خالیا ذکرتک خالیا، وان ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر منھم وأکثر۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندے! جب تو تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی تنہائی میں تیرا ذکر کرتا ہوں اور اگر تو جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر اور بڑی جماعت میں تمہارا ذکر کرتا ہوں۔"[367]

عن ثابت: قال: قال أبو عثمان النهدی أنی لأعلم حین یذکرنی ربی۔ قالوا: وکیف ذالک؟ قال: ان اللہ یقول: فاذکرونی أذکرکم، فاذا ذکرت ذکرنی۔

"حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو عثمان نہدی نے کہا کہ مجھے معلوم ہے جس وقت میرا رب میرا ذکر کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، پس جب میں اس کا ذکر کرتا ہوں وہ میرا ذکر کرتا ہے۔"[368]

---

[366] (ابن حبان، الصحیح ۳:۹۳، رقم: ۸۱۱)

[367] (بیھقی، شعب الایمان ۱:۴۰۶، رقم: ۵۵۱، منذری الترغیب والترھیب ۲:۲۵۲، رقم: ۲۲۸۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

[368] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۲۰۶، رقم: ۳۵۳۶۷، بیھقی، شعب الایمان، ۲:۵۱، رقم: ۱۱۳۸، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء ۲:۳۲۴، مزی، تھذیب الکمال ۱۷:۴۲۸، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۷:۹۸)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج معاویۃ علی حلقۃ فی المسجد فقال۔۔۔ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم خرج علی حلقۃ من أصحابہٖ فقال: ما أجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ و نحمدہ علی ما ھدانا للاسلام و منّ بہ علینا قال: اللہ ما أجلسکم الا ذاک قالوا: و اللہ ما أجلسنا الا ذاک، قال: أما انی لم استحلفکم تھمۃ لکم و لکنہ أتانی جبریل فأخبرنی أن اللہ تعالیٰ یباھی بکم الملائکۃ۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں ایک حلقے کے پاس آئے اور کہا:۔۔۔رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آپ کس لئے بیٹھے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہم اللہ کا ذکر کرنے اور اس نے جو ہمیں اسلام کی ہدایت عطا فرما کر احسان فرمایا ہے، اس پر اس کا شکر بجالانے کے لئے بیٹھے ہیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: حلفاً کہتے ہو کہ تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہمیں صرف اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میں نے تم سے کسی شبہ کی بناپر حلف نہیں لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جبریل نے آکر مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرمارہا ہے۔"[369]

عن محمد بن کعب أن نفرا کانوا فی عھد معاویۃ یشھدون الفجر و یجلسون عند قاص الجماعۃ فاذا سلم تحولوا الی ناحیۃ المسجد فیذکرون اللہ و یتلونا کتاب اللہ حتی یتعالی النھار فأخبر معاویۃ بھم فجاء یھرول أو یسعی فی مشیتہ حتی وقف علیھم فقال جئت ابشرکم ببشری اللہ فیما رزقکم أن نفرا علی عھد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم أحسبہ قال کانوا یصنعون نحوا مما تصنعون فأقبل رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

---

[369] (مسلم، الصحیح ۴:۲۰۷۵، رقم: ۲۷۰۱، ترمذی السنن ۵:۴۶۰۰، رقم: ۳۳۷۹، نسائی السنن ۸:۴۲۹، رقم: ۵۴۲۶، احمد بن حنبل، المسند ۴:۹۲، ابن حبان، الصحیح ۳:۹۵، رقم: ۸۱۳، ابن ابی شیبہ المصنف ۶:۵۹، رقم: ۲۹۴۶۹، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹:۳۱۱، رقم: ۷۰۱، منذری، الترغیب و الترھیب ۲:۲۵۹، رقم: ۲۳۱۷)

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کأنی أحکیه فی مشیته حتی وقف علیهم فقال أبشروا والذی نفسی بیده ان اللّٰہ تعالیٰ یباهی بکم الملائکة۔

”حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں کچھ لوگ نمازِ فجر میں حاضر ہوتے اور جماعت کے ایک طرف بیٹھ جاتے۔ جب امام سلام پھیرتا تو یہ مسجد کے کونے میں چلے جاتے اور اللہ کا ذکر اور کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بارے میں بتایا گیا (پس) وہ دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میں تمہیں اس چیز کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارزانی فرمائی ہے۔ عہدِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں کچھ لوگ آپ کی طرح عمل کرتے تھے پس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تشریف لائے اور ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا: خوش ہو جاؤ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ملائکہ کے سامنے فخر فرما رہا ہے!“[370]

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال صلینا مع رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم المغرب فرجع من رجع وعقب من عقب فجاء رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مسرعا قد حفزه النفس وقد حسر عن رکبتیه فقال أبشروا هذا ربکم قد فتح بابا من أبواب السماء یباهی بکم الملائکة یقول انظروا الی عبادی قد قضوا فریضة وهم ینتظرون أخری۔

”حضرت عبد اللہ بن عَمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، جو جانے والے تھے چلے گئے، جو بیٹھنے والے تھے وہ بیٹھ

[370](طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۳۴۰، رقم: ۷۸۸)

گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس تیزی سے تشریف لائے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا سانس مبارک پھولا ہوا تھا اور گھٹنہ مبارک سے کپڑا ذرا اونچا تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: خوش ہو جاؤ! یہ تمہارا رب ہے! اس نے آسمان کا ایک دروازہ کھول دیا ہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے اور فرما رہا ہے: میرے بندوں کو دیکھو ایک فرض (نماز) ادا کرنے کے بعد دوسرے فرض کا انتظار کر رہے ہیں۔"[371]

حسن بن موسی حدثنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص و أنا أحدثک عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم صلینا مع النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ذات لیلة فعقب من عقب و رجع من رجع فجاء رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قبل ان یثوب الناس بصلاة العشاء فجاء و قد حفزه النفس رافعا أصبعه هکذا و عقد تسعا و عشرین و أشار بأصبعه السبابة الی السماء و هو یقول أبشروا معشر المسلمین هذا ربکم قد فتح بابا من أبواب السماء یباهی بکم الملائکة یقول یا ملائکتی انظروا الی عبادی هؤلاء أدوا فریضة و هم ینتظرون أخری۔

"حضرت حسن بن موسیٰ نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن عَمَر اور میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک رات نماز ادا کی۔ جس نے بیٹھنا تھا وہ بیٹھ گیا اور جسے جانا تھا وہ چلا گیا۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لوگوں کی نمازِ عشاء کے لئے واپسی سے پہلے تشریف لائے۔ آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا سانس مبارک پھولا ہوا تھا اور اپنی انگلی کو اس طرح اٹھائے ہوئے تھے۔۔۔ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مسلمانوں کی

---

[371] (ابن ماجه، ۲۶۲:۱، رقم ۸۰۱، ابو نعیم حلیة الاولیاء، ۶:۵۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۱۷۲، رقم ۶۴۶، کنانی، مصباح الزجاجه، ۱:۹۰۲، رقم ۳۰۳، شوکانی، نیل الاوطار، ۲:۵۴)

جماعت خوش ہو جاؤ، یہ تمہارارب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرمارہاہے اور فرمارہاہے: اے میرے ملائکہ! میرے ان بندوں کی طرف دیکھو جنہوں نے ایک فریضہ ادا کرلیاہے اور وہ دوسرے فریضے کے انتظار میں ہیں۔"[372]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلینا مع رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم ذات لیلة فرجع من رجع وعقب من عقب فجاء رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم قبل أن یثوب العشاء فقال أبشروا أبشروا اھذا ربکم تبارک وتعالیٰ قد فتح بابا من ابواب السماء یباھی بکم الملائکة یقول انظروا الی عبادی قضوا فریضة وھم ینتظرون اخری۔

"حضرت عبد اللہ بن عَمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ نماز پڑھی، جسے جانا تھا وہ چلا گیا اور جس نے بیٹھنا تھا وہ بیٹھ گیا۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وقتِ عشاء سے پہلے تشریف لائے اور فرمایا: خوش ہو جاؤ! خوش ہو جاؤ! یہ تمہارارب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیاہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرمارہاہے اور ارشاد فرمارہاہے کہ دیکھو! یہ میرے بندے ہیں جنہوں نے ایک فریضہ مکمل کرلیاہے اور دوسرے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔"[373]

عن أبی أیوب: أن نوفا وعبد اللہ بن عمرو یعنی ابن العاص اجتمعا فقال نوف: لو ان السماوات والأرض وما فیھا وضع فی کفة المیزان ووضعت لا الہ الا اللہ فی الکفة الأخری لرجحت بھن ولو أن السماوات والأرض وما فیھن کن طبقا من حدید فقال رجل لا الہ الا اللہ لخرقتھن حتی تنتھی الی اللہ تعالیٰ فقال عبد اللہ بن عمرو صلینا مع رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

---

[372] (احمد بن حنبل، المسند، ۲۰۸:۲)

[373] (بزار، المسند، ۳۵۷:۶، رقم: ۳۳۶۵)

عَلَيۡهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم المغرب فعقب من عقب ورجع من رجع فجاء صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم وقد كاد يحسر ثيابه عن ركبتيه فقال أبشروا معشر المسلمين هذا ربكم قدفتح بابا من أبواب السماء يباهي بكم الملائكة يقول هؤلاء عبادی قضوا فريضة وهم ينتظرون اخرىٰ۔

”حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نوف اور حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکٹھے ہوئے، حضرت نوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اگر آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ رکھ دیا جائے تو دوسرا پلڑا ان سب سے بھاری ہو جائے گا اور اگر آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے یہ سب لوہے کے طبق ہوتے اور بندہ لا الہ الا اللہ کہتا تو یہ ان سب کو پھاڑ کر اللہ تک پہنچ جاتا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ سَلَّم کے ساتھ نماز مغرب ادا کی پس جس نے بیٹھنا تھا بیٹھ گیا اور جسے جانا تھا چلا گیا۔ پھر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ سَلَّم تشریف لائے اس حال میں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَ سلَّم کے دونوں گھٹنوں کا کپڑا ذرا اونچا تھا۔ پس آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَ سلَّم نے فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت خوش ہو جاؤ، یہ تمہارا رب ہے جس نے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا ہے اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کر رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ یہ میرے بندے ہیں جنہوں نے ایک فریضہ مکمل کر لیا ہے اور دوسرے کے انتظار میں ہیں۔“[374]

عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم ان اللہ يباهي باهل عرفات أهل السماء فيقول لهم أنظروا الى عبادی جاءونی شعثا غبرا۔

---

[374](احمد بن حنبل، المسند ۲:۱۸۶، رقم: ۶۷۵۰، ابن خزیمہ الصحیح، ۲۶۳:۴، رقم: ۲۸۳۹)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ آسمان والوں کے سامنے عرفات میں جمع ہونے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کی طرف دیکھو کہ وہ میرے پاس پراگندہ اور غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں۔“[375]

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: اذا کان یوم عرفة ان اللہ ینزل الی السماء فیباھی بھم الملائکة فیقول انظروا الی عبادی أتونی شعثا غبرا ضاحین من کل فج عمیق أشھدکم انی قد غفرت لھم فتقول له الملائکة ای رب فیھم فلان یزھو و فلان و فلان قال یقول اللہ قد غفرت لھم قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: فما من یوم أکثر عتیقا من النار من یوم عرفة۔

”حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: عرفہ والے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے: میرے ان بندوں کو ذرا دیکھو کہ میری طرف پراگندہ حال اور غبار آلود بال لئے ہوئے صبح کے وقت مختلف گہری گھاٹیوں سے آئے ہیں۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں: باری تعالیٰ! ان میں تو فلاں فلاں متکبر شخص بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: یوم عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں جس دن اتنے زیادہ لوگ آگ سے آزاد کئے جاتے ہوں۔“[376]

---

[375](ابن خزیمہ الصحیح ۲۶۳:۴، رقم: ۲۸۳۹)

[376](ابن خزیمہ، الصحیح، ۲۶۳:۴، رقم: ۲۸۴۰)

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان للہ ملائكة یطوفون فی الطرق یلتمسون أهل الذكر، فاذا وجدوا قوما یذكرون اللہ، تنادوا: هلموا الی حاجتكم۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔“[377]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ تبارك وتعالیٰ ملائكة سیارة فضلا یتبعون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فیه ذكر قعدوا معهم۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔“[378]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أو عن أبی سعید قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان للہ ملائكة سیاحین فی الأرض، فضلا عن كتاب الناس، فاذا وجدوا أقواما یذكرون اللہ تنادوا: هلموا الی بغیتكم۔الخ۔

---

[377] (بخاری، الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح ۳:۱۳۹، رقم: ۸۵۷، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۸، رقم: ۲۳۱۶)

[378] (مسلم الصحیح، ۴:۲۶۸۹، احمد بن حنبل المسند، ۲:۲۵۲، رقم: ۷۴۲۰، ۲:۳۸۲، رقم: ۸۹۶۰، منذری الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۹، رقم: ۲۳۱۶، ۴:۲۴۴، رقم: ۵۵۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ"۔[379]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ ملائکة سیارة و فضلاء یلتمسون مجالس الذکر فی الأرض الخ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں، زمین پر مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔"[380]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان للہ ملائکة سیارة فضلا یلتمسون مجالس الذکر۔۔۔الی آخر الحدیث۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ زمین میں گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔ الخ۔"[381]

عن أنس عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ الملائکة یطلبون حلق الذکر۔۔۔الی آخر الحدیث۔

---

[379] (ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۵۷۹، رقم: ۳۶۰۰)
[380] (حاکم المستدرک ۱:۶۷۲، رقم: ۱۸۲۱)
[381] (طیالسی، المسند، ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے حلقاتِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔۔۔ الخ۔“[382]

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه و ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: انهما شهدا علی النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم انه قال: لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ تعالیٰ الا حفتهم الملائکة وغشیتهم الرحمة و نزلت علیهم السکینة و ذکرهم اللّٰہ فی من عنده۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں فرماتا ہے۔“[383]

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان للّٰہ ملائکة یطوفون فی الطرق یلتمسون أهل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللّٰہ، تنادوا: هلموا الی حاجتکم، قال: فیحفونهم بأجنحتهم الی السماء الدنیا ۔۔۔ الی آخر الحدیث۔

---

[382] (هیثمی مجمع الزوائد، ۱۰:۷۷، منذری، الترغیب والترهیب ۲:۲۶۰، رقم: ۲۳۲۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۶)

[383] (مسلم، الصحیح ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰، ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۴۵۹، رقم: ۳۳۷۸، بن ماجه، السنن، ۲:۱۲۴۵، رقم: ۳۷۹۱، ابن ابی شیبه، المصنف، ۶:۶۰، رقم: ۲۹۴۷۵، طبرانی المعجم الاوسط، ۲:۱۳۷، رقم: ۱۵۰۰، احمد بن حنبل، المسند ۳:۹۲، رقم: ۱۱۸۹۳، طیالسی، المسند، ۱:۲۹۵، رقم: ۲۲۳۳، ۱:۳۱۴، رقم: ۲۳۸۶، ابویعلی، المسند، ۲:۴۴۴، رقم: ۱۲۵۲، ۱۱:۲۰، رقم: ۶۱۵۹، ۱۱:۲۱، رقم: ۶۱۶۰، عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۷۲، رقم: ۸۶۱، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۰، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۶۲، رقم: ۲۳۲۸)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہلِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ ارشاد فرمایا: پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔“[384]

عن أبی هريرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للّٰہ تبارک و تعالیٰ ملائکة سيارة فضلا يتبعون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم، و حف بعضهم بعضا بأجنحتهم حتى يملؤا ما بينهم و بين السماء الدنيا۔۔۔ الی آخر الحديث۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور بعض فرشتے اپنے پروں سے دوسرے فرشتوں کو ڈھانپ لیتے ہیں حتیٰ کہ زمین سے لے کر آسمانِ دنیا تک کی جگہ بھر جاتی ہے۔“[385]

عن أبی هريرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أو عن أبی سعيد رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان للّٰہ ملائكة سياحين فی الأرض، فضلا عن كتاب

---

[384] (بخاری، الصحیح ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح ۳:۱۳۹، رقم:۸۵۷، بیهقی شعب الایمان ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، منذری الترغیب والترهیب ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۶)

[385] (مسلم الصحیح ۴:۲۰۵۹، رقم: ۲۶۸۹، احمد بن حنبل المسند ۲:۲۵۲، رقم: ۷۴۲۰، ۲:۳۸۲، رقم: ۸۹۶۰، منذری الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۹، رقم:۲۳۱۶، ۴:۲۴۴، رقم:۵۵۲۳)

الناس، فاذا وجدوا اقواما یذکرون اللہ تنادوا: ھلموا الی بغیتکم فیجیون فیحفون بھم الی سماءالدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ چنانچہ وہ آتے ہیں اور اہل مجلس کو آسمان دنیا تک ڈھانپ لیتے تھے۔“[386]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ ملائکۃ سیارۃ و فضلاء یلتمسون مجالس الذکر فی الأرض، فاذا أتوا علی مجلس ذکر حف بعضھم بعضا بأجنحتھم الی السماء۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ (ایک خاص مقصد کے لئے) گھومتے رہتے ہیں (اور) زمین پر مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب وہ کسی محفلِ ذکر میں آتے ہیں تو ایک دوسرے کو پروں کے ذریعے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔“[387]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ان للہ ملائکۃ سیارۃ فضلا یلتمسون مجالس الذکر، فاذا اتوا علی قوم یذکرون اللہ تعالیٰ جلسوا افاظلوھم باجنحتھم ما بینھم و بین السماء الدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

---

[386](ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۵۷۹، رقم: ۳۶۰۰)

[387](حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۲، رقم: ۱۸۲۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس آتے ہیں تو وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اوپر آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔“[388]

عن أنس عن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ الہ وَ سلّم قال: ان للہ المائکۃ یطلبون حلق الذکر فاذا حفوا علیھم۔۔الی آخر الحدیث۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے حلقاتِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں، جب وہ ان کے پاس آتے ہیں تو انہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔“[389]

عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان للہ ملائکۃ فضلا عن کتاب الناس یمشون فی الطرق یلتمسون الذکر فاذا راوا اقواما یذکرون اللہ تبارک وتعالیٰ تنادوا اھلموا الی حاجاتکم فیحفون باجنحتھم الی السماء فیسالھم ربّھم جل وعلا وھو اعلم بھم فیقول عبادی مایقولون فیقولون کیف لوراونی فیقولون لوراوک لکانوا اشد تسبیحا وتمجیدا وتکبیرا وتمحیدا فیقول ماذا یسالون فیقولون یسالونک یا رب الجنۃ فیقول لھم ھل راوھا فیقوون لا فیقول کیف لو راوھا فیقولون لو قدراوھا کانوا اشد طلبا واشد حرصا فیقول فمم یتعوذون فیقولون یتعوذون بک من النار فیقول فھل راوھا

---

[388] (طیالسی، المسند: ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

[389] (ھیثمی، مجمع الزوائد، ۷۷:۱۰، منذری، الترغیب والترھیب، ۲۶۰:۲، رقم: ۲۳۲۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۳۴۶:۱)

فیقولون لا فیقول کیف لو راوھا فیقولون لو قد راوھا کانوا اشد تعوذا فیقول فانی اشھد کم انی قدغفرت لھم۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: لوگوں کے اعمال لکھنے پر مامور کئے گئے (کراماً کاتبین) کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو راستوں میں چلتے ہیں اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں جب وہ اہل ذکر کو دیکھتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ پھر وہ آسمان تک ان پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ پھر ان سے انکارب پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے، ”میرے بندے کیا کہتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ آپ کی پاکی اور آپ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟“ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کی حالت کیا ہو؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی بہت زیادہ تسبیح کریں اور بزرگی اور بڑائی اور تعریف کریں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”وہ کیا مانگتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی شدید طلب اور حرص کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟“ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ کی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ”کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟“ وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے: ”اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟“ تو

وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو وہ بہت زیادہ پناہ مانگیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔"[390]

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أو عن أبی سعید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان للّٰہ ملائکة سیاحین فی الأرض، فضلا عن کتاب الناس، فاذا وجدوا اقواما یذکرون اللّٰہ تنادوا: هلموا الی بغیتکم فیجیئون فیحفون بهم الی سماء الدنیاء فیقول اللّٰہ: أی شیٔ ترکتم عبادی یصنعون؟ فیقولون: ترکناهم یحمدونک ومجدونک ویذکرونک قال: فیقول: فهل رأونی؟ فیقولون: لا، فیقول: فکیف لو رأونی؟ قال: فیقولون: لو رأوک لکانوا أشد تحمیدا وأشد تمجیدا وأشد لک ذکرا، قال: فیقول: وأی شیٔ یطلبون؟ قال: فیقولون: یطلبون الجنة، قال: فیقول: وهل رأوها؟ قال: فیقولون: لا، فیقول لو رأوها؟ قال: فیقولون: لو راؤها لکانوا أشد لها طلبا، قال فیقول: فمن أی شیٔ یتعوذون؟ قالوا: یتعوذون من النار، قال: فیقول، وهل رأوها؟ فیقولون: لا، فیقول: فکیف لو رأوها؟ فیقولون: لو رأوها لکانوا منها أشد هربا، وأشد منها خوفا، وأشد منها تعوذا، قال: فیقول: فانی أشهدکم انی قد غفرت لهم، فیقولون: ان فیهم فلانا الخطاء، لم یردهم انما جاء هم لحاجة، فیقول: هم القوم لا یشقی لهم جلیس۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو کراماً کاتبین کے علاوہ زمین میں پھرتے ہیں، جب کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آؤ۔ چنانچہ وہ آتے ہیں اور اہل مجلس کو آسمانِ دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں کو کس حالت پر چھوڑ

[390](ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۷، ۱۳۸، رقم: ۸۵۶)

آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم نے آپ کے بندوں کو اس حال پر چھوڑا کہ وہ آپ کی حمد اور پاکیزگی بیان کر رہے تھے اور آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو کہیں زیادہ آپ کی تعریف اور بزرگی اور کہیں زیادہ آپ کا ذکر کریں۔ اللہ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جنت مانگتے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی شدید طلب اور حرص کرتے۔ حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ بھاگتے، ڈرتے، اور پناہ مانگتے۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ وہ عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں آدمی بہت گناہ گار ہے۔ وہ ذکر سننے کے لئے نہیں بلکہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بھی محروم و بد بخت نہیں رہتا۔"[391]

[391](ترمذی، الجامع الصحیح ۵:۵۷۹، رقم: ۳۶۰۰)

عن أبی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار، ویجتمعون فی صلاۃ الفجر وصلاۃ العصر، ثم یعرج الذین یأتوا فیکم فیسألھم ربھم وھو أعلم بھم: کیف ترکتم عبادی؟ فیقولون: وھم یصلون، وأتیناھم وھم یصلون۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: ”رات اور دن کے فرشتے تم میں باری باری آتے ہیں اور نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں، پھر جو تمہارے پاس آئے تھے وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان کے حال کو خوب جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“[392]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا: ھلموا الی حاجتکم قال: فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا قال: فیسألھم ربھم وھو اعلم منھم ما یقول عبادی؟ قال: تقول: یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجدونک، قال: فیقول: ھل رأونی؟ قال فیقولون: لا واللہ ما رأوک، قال فیقول: وکیف لو رأنی؟ قال: یقولون لو رأوک کانوا اشد لک عبادۃ وأشد لک تمجیدا واکثر تسبیحا، قال: یقول: فما یسألونی؟ قال: یسألونک الجنۃ، قال: یقول: وھل رأوھا؟ قال: یقولون: لا واللہ یارب ما رأوھا، قال یقول: فکیف لو أنھم رأوھا؟ قال یقولون: لو أنھم رأوھا کانوا اشد علیھا حرصا واشد لھا طلبا واعظم فیھا رغبۃ قال: فمم یتعوذون؟ قال: یقولون: من النار، یقول: وھل رأوھا؟ قال: یقولون: لا واللہ یارب ما رأوھا، قال یقول: فکیف لو رأوھا؟ قال: یقولون: لو رأوھا

---

[392] (بخاری، الصحیح، ۲۰۳:۱، رقم: ۵۳۰، مسلم، الصحیح، ۴۳۹:۱، رقم: ۶۳۲)

كانوا اشد منها فرارا وأشد لها مخافة، قال: فيقول: فأشهدكم اني قد غفرت لهم، قال: يقول ملک من الملائكة: فيهم فلان ليس منهم انما جاء لحاجة، قال: هم الجلساء لا يشقى بهم جليسهم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہل ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ ارشاد فرمایا کہ پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں، پھر ان سے ان کارب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ وہ تیری پاکی، بڑائی، تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: خدا کی قسم! آپ کو تو انہوں نے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کی کیا حالت ہو گی؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی بہت زیادہ عبادت کریں، آپ کی بہت زیادہ بزرگی بیان کریں، اور آپ کی بہت زیادہ تسبیح کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں، وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: اے پروردگار! خدا کی قسم انہوں نے اسے بھی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کی بہت زیادہ حرص، بہت زیادہ طلب اور بہت زیادہ رغبت رکھتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: دوزخ سے۔ وہ فرماتا ہے: کیا

انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: خدا کی قسم، انہوں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ فرماتا ہے: اگر اسے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر انہوں نے اسے دیکھا ہوتا تو اور زیادہ بھاگتے اور زیادہ ڈرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: گواہ رہنا میں نے انہیں بخش دیا۔ کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں شخص ایسا بھی تھا جو (محض) اپنے کسی کام سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ان کے پاس تو بیٹھا ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے محروم نہیں رہتے۔‘‘[393]

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ان للّٰہ تبارک و تعالیٰ ملائکۃ سیارۃ فضلا یتبعون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیہ ذکر قعدوا معھم و حف بعضھم بعضا بأجنحتھم حتی یملؤا ما بینھم و بین السماء الدنیا۔ فاذا تفرقوا عرجوا و صعدوا الی السماء قال: فیسألھم اللّٰہ عز و جل و ھو أعلم بھم: من أین جئتم؟ فیقولون: جئنا من عند عباد لک فی الارض، یسبحونک ویکبرونک ویھللونک ویحمدونک ویسئلونک قال: وما ذا یسألونی؟ قالوا: یسألونک جنتک قال: وھل رأوا جنتی؟ قالوا: لا أی رب! قال: فکیف لو رأوا جنتی؟ قالوا: ویستجیرونک، قال: ومم یسجیرونی؟ قالوا: من نارک یا رب! قال: وھل رأوا ناری؟ قالوا: لا، قال: فکیف لو رأوا ناری؟ قالوا: ویستغفرونک، قال: فیقول، قد غفرت لھم فأعطیتھم ما سألوا وأجرتھم مما استجاروا۔ قال: فیقولون: رب! فیھم فلان، عبد خطاء، انما مر مجلس معھم قال: فیقول: ولہ غفرت ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو مجالسِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ان مجالسِ ذکر کو پالیتے ہیں تو اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور پھر وہ آسمانِ دنیا

---

[393] (بخاری، الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۵، ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۹، رقم:۸۵۷، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم:۵۳۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۶)

تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں حتی کہ زمین سے لے کر آسمانِ دنیا تک کی جگہ بھر جاتی ہے۔ جب وہ مجلسِ ذکر سے اٹھ جاتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں، پھر ان سے ان کا رب پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم زمین پر آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں، جو آپ کی تسبیح کر رہے تھے، آپ کی کبریائی بیان کر رہے تھے، آپ کی تہلیل کر رہے تھے اور آپ کی حمد بیان کر رہے تھے اور آپ سے مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ سے آپ کی جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، اے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ میری جنت کو دیکھ لیں تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اور وہ آپ کی پناہ طلب کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے میری پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! آپ کی دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ سے مغفرت طلب کر رہے تھے۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ان کو بخش دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا وہ میں نے ان کو عطا کر دیا اور جس چیز سے انہوں نے پناہ مانگی ہے اس سے میں نے ان کو پناہ دے دی۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں فلاں گنہگار شخص بھی تھا، وہ اس مجلس کے پاس سے گزر رہا تھا اور ان کے ساتھ ویسے ہی بیٹھ گیا تھا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اس کو بھی بخش دیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں کیا جاتا۔"[394]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ ملائکة سیارة فضلاء یلتمسون مجالس الذکر فی الأرض فاذا أتوا علی مجلس ذکر حف بعضهم بعضا بأجنحتهم الی السماء فیقول تبارک وتعالیٰ: من این جئتم؟ وهو اعلم، فیقولون: ربنا جئنا من عند عبادک یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویهللونک ویسألونک ویستجیرونک، فیقول: ما یسألوننی وهو أعلم فیقولون ربنا یسألونک الجنة فیقول وهل روأوها فیقولون لا یا رب فیقول کیف لو رأوها فیقول ومم یستجروننی وهو اعلم فیقولون من النار فیقول هل رأوها فیقولون لا فیقول فکیف لو رأوها ثم یقول اشهدوا انی قد غفرت لهم واعطیتهم ما سالونی واجرتهم مما استجارونی فیقولون ربنا ان فیهم عبدا خطاء جلس الیهم ولیس معهم فیقول وهو ایضا قد غفرت له هم القوم لا یشقی بهم جلیسهم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: "اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں زمین پر، مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب وہ کسی مجلسِ ذکر میں آتے ہیں تو ایک دوسرے کو پروں کے ذریعے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ اس کو ان سے زیادہ علم ہے، کہاں سے آرہے ہو؟ تو ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح، تکبیر، تحمید اور تہلیل کر

---

[394] (مسلم الصحیح، ۲۰۶۹:۴، رقم: ۲۶۸۹، احمدبن حنبل، المسند، ۲۵۲:۲، رقم: ۷۴۲۰، ۳۸۲:۲، رقم: ۸۹۶۰، منذری الترغیب والترهیب، ۲۵۹:۲، رقم: ۲۳۱۶، ۲۴۴:۴، رقم: ۵۵۲۳)

رہے تھے اور آپ سے سوال کر رہے تھے اور آپ کی پناہ مانگ رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! وہ آپ سے جنت کا سوال کر رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! نہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے: اور وہ کس چیز سے میری پناہ مانگ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: (دوزخ کی) آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: گواہ رہو کہ میں نے ان کی بخشش فرمادی، اور جس چیز کا انہوں نے مجھ سے سوال کیا تھا میں نے انہیں عطا فرمادی اور انہوں نے جس چیز کے شر سے میری پناہ مانگی میں نے انہین اس چیز سے پناہ دی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! ان میں ایک بہت گناہ گار بندہ بھی تھا جو ان کے ساتھ جا بیٹھا تھا حالانکہ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا بھی محروم اور بدبخت نہیں ہوتا۔"[395]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّم ان لله ملائكة سيارة فضلا يلتمسون مجالس الذكر فاذا اتوا على قوم يذكرون الله عزوجل جلسوا فاظلوهم باجنحتهم ما بينهم وبين السماء الدنيا فاذا قاموا عرجوا الى ربهم فيقول تبارک وتعالیٰ وهو اعلم من اين جئتم فيقولون جئنا من عند عباد لک يسبحونک ويمجدونک ويحمدونک ويهللونک ويكبرونک ويستجيرونک من عذابک

---

[395](حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۲، رقم: ۱۸۲۱)

ویسألونک جنتک فیقول تبارک وتعالیٰ وھل راوا جنتي وناری فیقولون لا فیقول فکیف لو رأوھما قال فیقول اشھد کم فقد اجرتھم مما استجاروا واعطیتھم ما سالوا فیقال ان فیھم رجلامربھم فقعدمعھم فیقول ولہ قدغفرت انھم قوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو امور پر مقرر کیے گئے ملائکہ کے علاوہ ہیں، وہ گھومتے رہتے ہیں مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب وہ اہل ذکر کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اوپر آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ جب اہل ذکر اٹھتے ہیں تو ملائکہ اپنے رب کے پاس واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے فرماتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے، تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح، بزرگی، تعریف، تہلیل اور تکبیر میں مصروف تھے اور آپ کے عذاب سے آپ کی پناہ مانگ رہے تھے اور آپ سے آپ کی جنت کا سوال کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اور کیا انہوں نے میری جنت و دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ انہوں نے جس چیز سے میری پناہ مانگی تھی میں نے انہیں اس سے پناہ دے دی اور جس چیز کا سوال کیا تھا وہ بھی انہیں عطا فرما دی۔ کچھ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو وہاں سے گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ وہ ایسے (بابرکت) لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم اور بدبخت نہیں رہتا۔“[396]

---

[396](طیالسی، المسند: ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ سئل: أی العباد أفضل درجة عند اللہ یوم القیامة؟ قال: الذاکرون اللہ کثیرا و الذاکرات۔ قلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! و من الغازی فی سبیل اللہ؟ قال: لو ضرب بسیفه فی الکفار و المشرکین حتی ینکسر، و یختضب دما لکان الذاکرون اللہ أفضل۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ کون لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں افضل ہوں گے؟ آپ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں ہیں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی؟ آپ صَلَّى اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں پر اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں افضل ہیں۔“[397]

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ما عمل ابن آدم عملا أنجی له من النار من ذکر اللہ۔ قالوا: یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم و لا الجهاد فی سبیل اللہ؟ قال: و لا الجهاد فی سبیل اللہ عملا بسیفک حتی ینقطع، ثم عملا بسیفک من ینقطع، ثم عملا به حتی ینقطع۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے زیادہ آگ سے نجات دینے والا نہیں۔ لوگوں

---

[397] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۸، رقم: ۳۳۷۶، احمد بن حنبل، المسند ۳:۷۵، رقم: ۱۱۷۳۸، ابو یعلی، المسند، ۲:۵۳۰، رقم: ۱۴۰۱، ابن رجب، جامع العلوم و الحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۴، منذری الترغیب و الترهیب ۲:۲۵۴، رقم: ۲۲۹۶، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۴۸۹)

نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جہاد فی سبیل اللہ بھی؟ فرمایا: اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں اگرچہ تو اس حد تک قتال کرے کہ تیری تلوار ٹوٹ جائے، پھر تو اپنی تلوار کے ساتھ قتال کرے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے، تو پھر یہی عمل کرے یہاں تک کہ تیری تلوار ٹوٹ جائے۔"[398]

عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: ما عمل آدمی عملاً أنجی لہ من عذاب اللّٰہ من ذکر اللّٰہ۔ قالوا: یا أبا عبد الرحمٰن! ولا الجہاد فی سبیل اللّٰہ تعالیٰ؟ قال: ولا الی أن یضرب بسیفہ حتی ینقطع لأن اللّٰہ تعالیٰ یقول فی کتابہ: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

ترجمہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں۔ لوگوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی؟ فرمایا: نہیں اگرچہ وہ اپنی تلوار اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔"[399]

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: ذکر اللّٰہ الغداوۃ و العشی أعظم من حطم السیوف فی سبیل اللّٰہ و اعطاء المال سحا۔

حضرت عبد الرحمن بن عَمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "صبح و شام اللہ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواروں کے توڑنے اور مال کے بے دریغ خرچ کرنے سے زیادہ عظیم ہے۔"[400]

---

[398] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ج٦ ص ٥٧، رقم ٢٩٤٥٢، ابن ابی شیبہ، المصنف، ج٧ ص ١٦٩، رقم٣٥٠٤٦، عبد بن حمید، المسند، ج ١ ص ٤٣، رقم:١٢٧، ابن عبدالبر، التمہید، ج٦ ص٥٧)

[399] (القرآن، عنکبوت، ٢٩:٤٥)(ابن ابی عاصم، کتاب الزھد، ١:١٨٤، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ١:٢٣٥، ابن عبدالبر، التمہید، ٦:٥٧، ذھبی، سیر الاعلام النبلاء، ١:٤٥٥)

[400] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ٦:٥٨، رقم: ٢٩٤٥٦، ٧:١٧٠، رقم: ٣٥٠٤٧، ابن المبارک، الزھد، ١:٣٩٤، رقم:١١١٦، ابن عبدالبر، التمہید، ٦:٥٩)

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لذکر اللہ فی الغداوۃ و العشی خیر من حطم السیوف فی سبیل اللہ۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صبح و شام اللہ کا ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلوار کے توڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔“[401]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ سئل: أی العباد أفضل درجۃ عند اللہ یوم القیامۃ؟ قال: الذاکرون اللہ کثیرا و الذاکرات۔ قلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! و من الغازی فی سبیل اللہ؟ قال: لو ضرب بسیفہ فی الکفار و المشرکین حتی ینکسر، و یختضب دما لکان الذاکرون اللہ أفضل۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ کون لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں افضل ہوں گے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: ”جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں ہیں۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی تلوار کافروں اور مشرکوں پر اس قدر چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے درجہ میں افضل ہیں۔“[402]

---

[401] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۴۵۴، رقم: ۵۴۰۲)

[402] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۸، رقم: ۳۳۷۶، احمد بن حنبل، المسند ۳:۷۵، رقم: ۱۱۷۳۸، ابویعلی، المسند، ۲:۵۳۰، رقم: ۱۴۰۱، ابن رجب، جامع العلوم و الحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۴، منذری الترغیب و الترھیب ۲:۲۵۴، رقم: ۲۲۹۶، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۴۸۹)

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: ”لو أن رجلین یحمل أحدھما علی الجھاد فی سبیل اللہ، و الآخر یذکر اللہ لکان أفضل أو أعظم أجر الذاکر۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: اگر دو شخص ہوں اور ان میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور دوسرا اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ کا ذکر کرنے والے کا اجر و ثواب اس سے زیادہ ہے۔“[403]

قال عبد اللہ: لو أن رجلا بات یحمل علی الجھاد فی سبیل اللہ و بات رجل یتلو کتاب اللہ لکان ذاکر اللہ أفضلھما۔

حضرت عبد اللہ نے فرمایا: ”اگر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے رات گھوڑے پر گزارے اور دوسرا اللہ کا ذکر و تلاوت کرتا رہے تو ان میں ذکر کرنے والا زیادہ افضل ہے۔“[404]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: ألا أنبئکم بخیر أعمالکم و أزکاھا عند ملیککم، و أرفعھا فی درجاتکم، و خیر لکم من انفاق الذھب و الورق و خیر لکم من أن تلقوا عدو کم، فتضربوا أعناقھم و یضربوا أعناقکم؟ قالوا: بلیٰ۔ قال: ذکر اللہ، قال معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما شئ أنجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

---

[403] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۵۸ رقم۲۹۴۶۲، ۷:۱۷۰ رقم۳۵۰۵۶، سیوطی، الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور ۱:۱۵۰)

[404] (ابن ابی شیبہ المصنف، ۶:۱۳۴، رقم:۳۰۰۸۹، احمد بن حنبل، المسند ۵:۱۹۵، رقم:۲۱۷۵۰، حاکم للمستدرک ۱:۶۷۳، رقم: ۱۸۲۵، بیہقی، شعب الایمان ۱:۳۹۴، رقم: ۵۱۹، منذری، الترغیب و الترھیب ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۴، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۳)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سب سے اچھا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور پاکیزہ ہے، تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے، تمہارے سونے اور چاندی کی خیرات سے بھی افضل ہے، اور تمہارے دشمن کا سامنا کرنے یعنی جہاد سے بھی بہتر ہے در آنحالیکہ تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: کیوں نہیں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات دلانے والی ہو۔"

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: الذکر یفضل علی النفقة فی سبیل اللہ مائة ضعف۔[405]

ترجمہ: "حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ذکر کو انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے) پر سو گنا فضیلت حاصل ہے۔"

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان الذکر فی سبیل اللہ یضعف فوق النفقة بسبع مائة ضعف۔

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک ذکر انفاق فی سبیل اللہ پر سات سو گنا فضیلت رکھتا ہے۔"[406]

---

[405] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰:۱۸۵، رقم: ۴۰۴)

[406] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۳۸، طبرانی المعجم الکبیر، ۲۰:۱۸۶، رقم: ۴۰۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۲۴۹، رقم: ۳۱۷۱)

عن معاذ بن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان الصلاۃ و الصیام و الذکر یضعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ بسبع مائۃ ضعف۔

"حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک نماز، روزے، اور اللہ کے ذکر کا اجر انفاق فی سبیل اللہ پر سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔"[407]

عن أبی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لو أن رجلا فی حجرہ دراھم یقسمھا و آخر یذکر اللہ کان الذاکر للہ أفضل۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اگر ایک آدمی کے دامن میں درہم ہوں اور وہ انہیں تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا اللہ کا ذکر کر رہا ہو تو اللہ کا ذکر کرنے والا افضل ہو گا۔"[408]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: الذکر خیر من الصدقۃ۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ذکر صدقہ سے افضل ہے۔"[409]

---

[407] (حاکم، المستدرک، ۲:۸۸، رقم:۲۴۱۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب ۲:۴۰۶، رقم:۳۸۰۷، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۱۷۱، رقم:۱۹۷۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم ۱:۳۵۱، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۳۱۸)

[408] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۶:۱۱۶، رقم: ۵۹۶۹، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۷، رقم:۲۳۱۰، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۸، ھیثمی مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴، مناوی، فیض القدیر، ۵:۳۰۹)

[409] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۲۱۴، رقم:۴۶۱۶، مناوی، فیض القدیر، ۳:۵۶۹، رقم:۲۹۷)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: اکثروا ذکر اللہ تعالیٰ، حتی یقولوا مجنون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔“[410]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم أذکروا اللہ ذکرا، یقول المنافقون: انکم تراؤون۔

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔“[411]

عن أبی جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

---

[410] (احمدبن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، المسند ۳:۶۸، رقم: ۱۱۶۷۱، احمدبن حنبل، المسند، ۳:۷۱، رقم: ۱۱۶۹۲، ابن حبان، الصحی، ۳:۹۹، رقم: ۸۱۷، ابو یعلی، المسند، ۲:۵۲۱، رقم: ۱۳۷۶، عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۸۹، رقم: ۹۲۵، حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۷، رقم: ۱۸۳۹، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۷، رقم: ۵۲۶، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱:۷۲، رقم: ۲۱۲، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۶، رقم: ۲۳۰۴، مزی، تہذیب الکمال، ۸:۴۷۹، قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، ۲:۱۹۷، ابن معین، التاریخ، ۴:۴۱۳، رقم: ۵۰۳۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۵، عجلونی، کشف الخفاء، ۱:۱۸۷، رقم: ۴۹۷، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۱۴:۱۹۷، رقم: ۴۱۳۳، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۴۹۶)

[411] (طبرانی، المعجم الکبیر ۱۲:۱۶۹، رقم: ۱۲۷۸۶، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۳:۸۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۴، ۴۴۸، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳:۴۹۶، مناوی، فیض القدیر، ۱:۴۵۶)

”حضرت ابو جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔“[412]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: اذکروا اللہ ذکرا حتی یقول المنافقون: انکم مراؤون۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار خیال کریں۔“[413]

عن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال موسیٰ: أی رب! أقریب أنت فأناجیک أم بعید فأنادیک؟ قال: یاموسیٰ! أنا جلیس من ذکرنی۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:
”اے رب! کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے سرگوشی کروں یا تو دور ہے کہ تجھے پکاروں (ندا دوں)۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔“[414]

عن ثوبان مولی النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال موسیٰ: یارب أقریب انت أناجیک؟ ام بعید أنادیک، فانی احس حس صوتک ولا أراک فأین أنت؟ فقال اللہ تعالیٰ: خلفک وامامک وعن یمینک وعن شمالک، یا موسی! انی جلیس عبدی حین یذکرنی وأنا معہ اذا دعانی۔

---

[412] (بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۷، رقم:۵۲۷، مناوی، فیض القدیر، ۲:۸۵، عجلونی، کشف الحنفاء ۱:۱۸۷، رقم:۴۸۷)

[413] (ہیثمی، مجمع الزوائد ۱۰:۷۶، منذری، الترغیب والترہیب ۲:۲۵۶ رقم ۲۳۰۵)

[414] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱:۱۰۸، رقم:۱۲۲۴، ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۷۳، رقم:۳۴۲۸۷، احمد ابن حنبل، الزہد، ۱:۵۷، رقم:۱۱۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۱، رقم: ۶۸۰، سیوطی، الجامع الصغیر، ۱:۳۰۴، قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۴:۳۱۱، مناوی، فیض القدیر، ۵:۲۱۴، قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، ۱:۳۹۸، عجلونی، کشف الحنفاء، ۱:۲۳۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”اے اللہ! کیا تو قریب ہے کہ میں تیرے ساتھ سرگوشی کروں یا تو بعید ہے کہ میں تجھے ندا دوں، بے شک کہ میں تیری آواز محسوس کرتا ہوں لیکن تجھے دیکھ نہیں سکتا“ تو کہاں ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے پیچھے، تیرے سامنے، تیرے دائیں، تیرے بائیں! اے موسیٰ! جس وقت میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔“[415]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: ان اللہ تعالیٰ یقول: أنا مع عبدی اذا هو ذکرنی و تحرکت بی شفتاه۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرے ذکر کے لئے حرکت کرتے ہیں۔“[416]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم: یقول اللہ تعالیٰ: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه حین یذکرنی۔

---

[415] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۹۲، رقم:۴۵۳۳)

[416] (ابن ماجه، السنن، ۲:۱۲۴۶، رقم:۳۷۹۲، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۵۴۰، رقم: ۱۰۸۸۱، ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۷، رقم:۸۱۵، الحاکم للمستدرک، ۱:۵۷۳، رقم:۱۸۲۴ (حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے)، هیثمی، موارد الظمآن، ۱:۵۷۶، طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۳۲۰، رقم:۵۶۲، ۱:۳۱۹، رقم:۱۴۱۷، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۱، رقم:۵۰۹، ابن مبارک، الزهد، ۱:۳۳۹، رقم:۹۵۶، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۸۹، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۸۶، رقم:۴۵۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔“[417]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: یقول اللہ تعالیٰ: أنا عند ظن عبدی بی و أنا معه اذا دعانی۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“[418]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان اللہ قال اذا تلقانی عبدی بشبر تلقیته بذراع و اذا تلقانی بذراع تلقیته بباع و اذا تلقانی بباع جئته أتیته بأسرع۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی جانب بڑھتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ میری جانب بڑھتا ہے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کی جانب بڑھتا ہوں۔“[419]

---

[417] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۱، رقم:۲۶۷۵، ۴:۲۰۶۷، رقم:۲۶۷۵، ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۸۱، رقم:۳۶۰۲، ابن ماجه السنن، ۲:۱۲۵۵، رقم: ۳۸۲۲، نسائی، السنن الکبری، ۴:۴۱۲، رقم: ۷۷۳۰، احمد بن حنبل رحمه اللہ تعالیٰ، المسند، ۲:۲۵۱، رقم:۷۴۱۶، ۲:۴۱۳، رقم: ۹۳۴۰، ۲:۴۸۲، رقم:۱۰۲۵۹، ۲:۵۱۷، رقم:۱۰۷۱۵، ۲:۵۳۴، رقم:۱۰۹۲۲، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۶، رقم:۵۵۰، ۲:۸، رقم:۱۰۱۳)

[418] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۲۱۰، رقم:۱۳۲۱۵، ۳:۲۷۷، رقم:۱۳۹۶۹، ابویعلی، المسند، ۶:۱۲، رقم:۳۲۳۲، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۴۸، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱:۲۱۹)

[419] (مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۶۱، رقم:۲۶۷۵، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۱۶، رقم:۸۱۷۸)

٦٧۔ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان للہ تعالیٰ سیارۃ من الملائکۃ، یبتغون حلق الذکر، فاذا مروا بحلق الذکر قال بعضھم لبعض: اقعدوا فاذا دعا القوم أمنوا علی دعائھم فاذا صلوا علی النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم صلوا معھم حتی یفرغوا، ثم یقول بعضھم لبعض: طوبی لھم لا یرجعون الا مغفورا لھم۔[420]

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ گھومنے پھرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کے حلقوں کی تلاش میں رہتے ہیں، جب وہ ذکر کی مجالس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں: بیٹھ جاؤ۔ جب لوگ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی دعاء پر آمین کہتے ہیں، جب وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجتے ہیں تو یہ بھی ان کے ساتھ درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ ذکر کرنے والے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے ایک دوسرے کو کہتے ہیں: انہیں مبارک ہو کہ ان میں سے کوئی بھی بخشش کا پروانہ حاصل کئے بغیر نہیں لوٹ رہا۔''

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مر النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بعبد اللہ بن رواحۃ الأنصاری، وھو یذکر أصحابہ، فقال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: أما انکم الملأ الذین أمرنی اللہ أن أصبر نفسی معکم ثم تلا ھذہ الآیۃ: {وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاوۃِ وَالْعَشِیِّ} الی قولہ {وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا} أما انہ ما جلس عدتکم الا جلس معھم عدتھم من الملائکۃ ان سبحوا اللہ سبحوہ، وان حمدوا اللہ حمدوہ، وان کبروا اللہ کبروہ، ثم یصعدون الی الرب، وھو أعلم منھم، فیقولون: یاربنا عبادک سبحوک فسبحنا، وکبروک فکبرنا، وحمدوک فحمدنا، فیقول ربنا: یا ملائکتی!

---

[420] (ھندی، کنز العمال، ۴۳۴: ۱، رقم: ۱۸۷۶)

أشهدكم انى قد غفرت لهم۔ فيقولون: فيهم فلان و فلان الخطاء فيقول: هم القوم لا يشقى علي جليسهم۔[421]

ترجمہ: ”حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو نصیحت کر رہے ہیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: آگاہ رہو کہ تم وہ جماعت ہو جس کے ساتھ مجھے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے آیت مبارکہ ”اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کریں جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں“ سے لے کر ”اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے“ تک تلاوت فرمائی۔ (پھر فرمایا) تم میں سے جتنی تعداد میں لوگ بیٹھتے ہیں اتنی ہی تعداد میں فرشتے بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں تو یہ بھی ان ہی کی طرح تسبیح کرتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں تو یہ بھی اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کریں تو یہ بھی اس کی کبریائی بیان کرتے ہیں، پھر وہ اللہ رب العزت کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسبت اپنے بندوں کے احوال کو زیادہ جانتا ہے پھر بھی وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تیرے بندوں نے تیری تسبیح بیان کی تو ہم نے بھی تیری تسبیح بیان کی، انہوں نے تیری کبریائی بیان کی تو ہم نے بھی تیری کبریائی بیان کی، انہوں نے تیری حمد بیان کی تو ہم نے بھی تیری حمد بیان کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں:

---

[421] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲:۲۲۷، ۲۲۸، رقم:۱۰۷۴، ضبی، کتاب الدعا: ۲۸۳، رقم:۱۰۴، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۵:۱۱۷، ۵:۱۱۸، منذری، الترغیب والترھیب ۲:۲۶۰، ۲۶۱، رقم:۲۳۲۳ قال رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر، ہیثمی، مجمع الزوائد ۱۰:۷۶، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۵:۳۸۱، ۳۸۲، ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر ۲۸:۸۸)

ان میں فلاں فلاں خطاکار بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم مجلس بدبخت نہیں رہ سکتا۔"

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ان للّٰہ تبارک و تعالیٰ ملائکة سیارة فضلا یتبعون مجالس الذکر فاذا وجدوا مجلسا فیه ذکر قعدوا معهم۔۔الی آخر الحدیث۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کی مجالس ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان اہل ذکر کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔"[422]

قال جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنهما: خرج علینا النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم فقال: یا أیها الناس! ان للّٰہ سرایا من الملائکة تحل وتقف علی مجالس الذکر فی الأرض، فارتعوا فی ریاض الجنة، قالوا: وأین ریاض الجنة؟ قال: مجالس الذکر، فاغدوا وروحوا فی ذکر اللّٰہ ذکروه أنفسکم من کان یحب أن یعلم منزلته عند اللّٰہ فلینظر کیف منزلة اللّٰہ عنده فان اللّٰہ ینزل العبد منه حیث أنزله من نفسه۔

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے لشکر ہیں جو ذکر کی محافل میں آتے ہیں اور وہاں رک جاتے ہیں، لہٰذا تم جنت کے باغیچوں سے خوب

---

[422] (مسلم، الصحیح، ۲۰۶۹:۴، رقم: ۲۰۸۹، احمد بن حنبل، المسند، ۳۸۲:۲، منذری الترغیب والترهیب، ۲۵۹:۲، رقم: ۲۳۱۶، نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۷:۱۴، مبارک پوری، تحفة الاحوذی ۴۲:۱۰، خطیب تبریزی، مشکوة المصابیح ۱۳:۲، رقم: ۲۲۶۷)

کھاؤ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: جنت کے باغیچے کہاں ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: ذکر کی محافل لہٰذا تم صبح وشام اللہ کا ذکر کرو اور خود کو اس کی یاد دلاتے رہو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ دیکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ دیکھے کہ اس کے ہاں اللہ تعالیٰ کا کیا مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے ہاں اس مقام پر رکھتا ہے جہاں بندہ اسے اپنے ہاں رکھتا ہے۔"[423]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صَلّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: ان لله تعالیٰ ملائكة فضلا يتبعون مجالس الذكر يجتمعون عند الذكر، فاذا مروا بمجلس علا بعضهم علی بعج حتی يبلغوا العرش۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو صرف مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ پس جب وہ کسی مجلسِ ذکر کے پاس سے گزرتے ہیں تو تہہ در تہہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔"[424]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صَلّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: من اغتسل يوم الجمعة۔۔۔فاذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر۔

---

[423] (حاکم لل مستدرک، ۲۷۲، ۱:۶۷۱، رقم:۱۸۲۰ قال: اسنادہ صحیح، ابو یعلی، المسند ۳:۳۹۰، رقم:۱۸۶۵، ۴:۱۰۶، رقم:۲۱۳۸)

[424] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۵۸، ۳۵۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو غسل کے بعد جمعہ کے لئے روانہ ہوتا ہے۔۔۔ جب امام آجاتا ہے تو فرشتے بھی حاضر ہو کر ذکر سنتے ہیں۔“[425]

عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صَلی اللّٰه تعالیٰ علیه وَاٰله وَسلّم قال: اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی أبواب المسجد فیکتبون الأول فالأول ۔۔۔ فاذا خرج الامام وقعد علی المنبر طووا صحفهم وجلسوا یستمعون الذکر۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: جب جمعہ کا روز ہو تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہلے آنے والے کا نام سب سے پہلے لکھتے ہیں۔۔۔ جب امام خطبہ و نماز کے لئے آجاتا ہے تو فرشتے اپنے اپنے رجسٹر بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور ذکر و نصیحت غور سے سننے لگ جاتے ہیں۔“[426]

عن عمرو بن عبسة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم یقول: عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیه یمین رجال لیسوا بأنبیاء ولا شهداء یغشی بیاض وجوههم نظر الناظرین، یغبطهم النبیون والشهداء بمقعدهم وقربهم من اللّٰه

---

[425] (بخاری، الصحیح ۱۰۳:۱، رقم: ۸۴۱، مسلم، الصحیح، ۵۸۲:۲، رقم: ۸۵۰، ترمذی الجامع الصحیح ۳۷۲:۲، رقم: ۴۹۹، رواہ عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وعن سمرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، وعن ابو هریرة حسن صحیحٌ، نسائی، السنن، ۹۹:۳، رقم: ۱۳۸۸، نسائی، السنن الکبریٰ، ۵۲۶:۱، رقم: ۱۶۹۶، مالک، الموطا، ۱۰۱:۱، رقم: ۲۲۷، احمد بن حنبل کی المسند (۴۶۰:۲) میں راویت کردہ حدیث میں حضرت کی جگہ أقبلت کے الفاظ مذکور ہیں، شافعی، المسند، ۶۲، شافعی، السنن الماثورہ، ۲۲۷، رقم: ۱۲۵)

[426] (احمد بن حنبل، المسند، ۵۰۵:۲، بخاری، الصحیح، ۳۱۴:۱، رقم: ۸۸۷، شافعی، السنن الماثورہ، ۲۲۶، رقم: ۱۲۴، عبدالرزاق کی ”المصنف“ ۲۵۷:۳، ۲۵۸، رقم: ۵۵۲۴ میں ”طووا صحفهم“ کے بعد ”وقعدوا من الناس“ بھی ہے یعنی لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں، بیهقی، السنن الکبریٰ ۲۲۶:۳، ابن جوزی، التحقیق فی احادیث الخلاف، ۱۶۲:۲، منذری نے ’الترغیب والترہیب‘ میں کہا ہے کہ اس سے ملتی جلتی روایت ابن خزیمہ نے ’الصحیح‘ میں بیان کی ہے، سیوطی، تنویر الحوالک، ۹۳:۱)

تعالیٰ، قیل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! من ھم؟ قال: ھم جماع من نوازع القبائل، یجتمعون علی ذکر اللہ فینتقون أطایب الکلام کما ینتقی آکل التمر أطایبه۔

ترجمہ: ”حضرت عَمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمٰن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے نہ شہید۔ ان کے چہروں کا نور سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہوگا، ان کی مسندوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مجالس میں جمع ہوا کرتے تھے اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ اس طرح انتخاب کرتے تھے جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔“

ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجمع الزوائد (۱۰:۷۷) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، منذری نے الترغیب والترھیب (۲:۲۶۱، رقم:۲۳۲۶) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کنز العمال (۱۰:۲۴۸، رقم:۲۹۳۲۶)، میں کہا ہے کہ اسے طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمرہ بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔[427]

---

[427] سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، الدرر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱:۳۶۸)

عن ابن سابط، قال: أنبئت أن عن یمین الرحمٰن، و کلتا یدیه یمین، قوم علی منابر من نور، وجوههم نور، علیهم ثیاب خضر تغشی أبصار الناظرین، لیسوا بأنبیاء و لا شهدا، قوم تحابوا فی جلال اللہ حین عُصِیَ اللہ فی الأرض۔[428]

ترجمہ: ''ابن سابط روایت کرتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اللہ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں، کچھ لوگ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے، ان کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ سبز لباس زیب تن کئے ہوئے ہوں گے، وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چندھیا دیں گے، وہ نہ تو انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء، بلکہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی جب زمین پر اس کی نافرمانی ہو رہی تھی۔''

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان للہ جلساء یوم القیامة عن یمین العرش، و کلتا یدی اللہ یمین، علی منابر من نور، وجوههم من نور، لیسوا بأنبیاء و لا شهداء و لا صدیقین، قیل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! من هم؟ قال: المتحابون بجلال اللہ تعالیٰ۔[429]

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: بے شک روزِ قیامت کچھ لوگ اللہ کے عرش کے دائیں طرف حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ ان کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ نہ تو انبیاء ہوں گے، نہ شہداء ہوں گے، اور نہ صدیقین۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صَلی

---

[428] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۴۵، رقم:۳۴۰۹۵، ابن مبارک، الزهد، ۱:۵۲۲، رقم:۱۴۸۳، هناد، الزهد، ۱:۲۷۲، رقم:۴۷۴)

[429] (طبرانی، لامعجم الکبیر، ۱۲:۱۰۴، ۱۰۵، رقم:۱۲۶۸۶)

اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔"

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم : لیبعثن اللہ أقواما یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللؤلؤ، یغبطھم الناس لیسوا بأنبیاء ولا شھداء، قال: فجثی أعرابی علی رکبتیہ، فقال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! حلھم لنا نعرفھم۔ قال: ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ۔

"حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن کے چہرے پُر نور ہوں گے، وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے، لوگ انہیں دیکھ کر رشک کریں گے، نہ وہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، ابو درداء کہتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم ان کا حلیہ ہمارے سامنے بیان فرمائیں تاکہ ہم انہیں معلوم کرلیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم نے فرمایا: یہ وہ ہیں جو مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔"

(ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷۷:۱۰) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، منذری نے الترغیب والترھیب ۲:۲۶۲، رقم:۲۳۲۷؛ ۴:۱۲، رقم:۴۵۸۳ میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، سیوطی نے 'الدر المنثور فی

التفسیر بالماثور (۱:۳۶۸) میں کہاہے کہ اسے طبرانی نے حضرت ابو دردارضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے)

عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان للہ عبادا یجلسھم اللہ یوم القیامة علی منابر من نور ویغشی وجوھھم النور حتی یفرغ من حساب الخلائق۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نور کے منبروں پر بٹھائے گا اور ان کے چہروں کو نور سے ڈھانپے رکھے گا جب تک مخلوق کے حساب سے فارغ نہیں ہو جاتا۔“[430]

عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان للہ عبادا یجلسھم یوم القیامة علی منابر من نور، یغشی وجوھھم النور، ویلقی عنھم السیئات حتی یفرغ من حساب الخلائق۔ قیل: من ھم؟ قال: المتاحبون فی اللہ۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نور کے منبروں پر بٹھائے گا، ان چہروں کو نور ڈھانپ لے گا، اور ان سے گناہوں کو دور کر دے گا یہاں تک کہ مخلوق کے حساب سے فارغ ہو جائیگا۔ عرض کیا گیا: وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے۔“

[430](طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۱۲، رقم:۷۵۲۷)

(طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۱۰، رقم:۸۲۶، منذری نے الترغیب والترھیب ۴:۱۲، رقم: ۴۵۸۱، میں کہاہے کہ طبرانی نے جید اسناد کے ساتھ اسے روایت کیاہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد۲۷۷: ۱۰، میں کہاہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیاہے اور اس کی اسناد جید ہیں)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم : ان من عباد اللہ لیسوا بأنبیاء یغبطھم الأنبیاء والشھداء۔ قیل: من ھم لعلنا نحبھم؟ قال: ھم قوم تحابوا بنور اللہ من غیر أرحام ولا انتساب، وجوھھم نور علی منابر من نور، لا یخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس، ثم قرأ: أَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیا نہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وَسلَّم سے عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ ایسے بندے ہیں جو آپس میں بغیر کسی قرابت داری اور رشتہ کے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں، ان کے چہروں پر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ انہیں اس وقت کوئی خوف نہ ہو گا جب لوگ خوف زدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہ ہو گا جب لوگ غمزدہ ہونگے۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”خبر دار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ وغمگین ہوں گے۔“[431]

[431] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۳۲، ۳۳۳، رقم:۵۷۳، نسائی، النسن الکبریٰ، ۶:۳۶۲، رقم:۱۱۲۳۶، ابویعلیٰ، المسند، ۱۰:۴۹۵، رقم:۶۱۱۰، بیھقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۵، رقم:۸۹۹۷، منذری نے الترغیب والترھیب ۴:۱۲ میں کہاہے کہ اسے نسائی نے روایت کیاہے اور ابن حبان نے الصحیح میں روایت کیاہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰:۲۷۷) میں کہاہے کہ اسے بزار نے روایت کیاہے جبکہ میں اس کے راویوں کو نہیں جانتا، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۱، رقم:۲۵۰۸، طبری نے یہ حدیث جامع

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم يقول: عن يمين الرحمٰن وكلتا يديه يمين رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء يغشى بياض وجوههم نظر الناظرين، يغبطهم النبيون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله تعالىٰ، قيل: يا رسول الله صلى الله عليک وآلک وسلم! من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل، يجتمعون على ذكر الله، فينتقون أطايب الكلام كما ينتقى آكل التمر أطايبه۔

”حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے نہ شہید۔ ان کے چہروں کا نور سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہو گا، ان کی مسندوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ کا اس طرح انتخاب کرتے ہیں جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔“[432]

البیان فی تفسیر القرآن (۱۱:۱۳۲) میں ابن حبان کی بیان کردہ روایت کی سند کے ساتھ نقل کی ہے، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲:۴۲۲، سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۴:۳۷۲) میں کہا ہے کہ یہ حدیث ابن ابی دنیا، ابن جریر، ابن منذر، ابو شیخ، ابن مردویہ، اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے)

[432] (ہیثمی نے مجمع الزوائد ۷۷:۱۰ میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، منذری نے الترغیب والترہیب (۲:۲۶۱، رقم: ۲۳۲۶) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، ہندی نے کنز العمال (۱۰:۲۴۸، رقم: ۲۹۳۲۶) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال: النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم ان من عباد اللہ لأناسا ماھم بأنبیاء ولا شھداء یغبطھم الأبیاء والشھداء یوم القیامۃ بمکانھم من اللہ، قالوا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! تخبرنا من ھم؟ قال: ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر أرحام بینھم ولا أموال یتعاطونھا فو اللہ ان وجوھھم لنور وانھم لعلی نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرأ ھذہ الآیۃ۔ {أَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ}

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ شہداء، قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کے اللہ کی طرف سے عطا کردہ مقام پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! آپ ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے پُر نور ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہوگا، جب لوگ غم زدہ ہوں گے۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "خبر دار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔"[433]

433 (ابوداؤد، السنن ۲۸۸:۳، رقم ۳۵۲۷، ہناد، الزہد ۲۷۲:۱، رقم ۴۷۵، بیہقی، شعب الایمان ۶:۴۸۶، رقم: ۸۹۹۸، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۵:۱، میں یہ حدیث جید اسناد کے ساتھ روایت کی ہے)

عن أبی مالک الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت عند النبی صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فنزلت ھذہ الآیۃ: {لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ} قال: فنحن نسألہ اذا قال: ان للہ عبادا لیسوا بأنبیاء ولا شھداء یغبطھم النبیون والشھداء بقربھم ومقعدھم من اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ۔ قال: وفی ناحیۃ القوم أعرابی، فقام فجثا علی رکبتیہ ورمی بیدیہ، ثم قال: حدثنا یا رسول اللہ عنھم من ھم؟ قال: فرأیت وجہ النبی صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ینتشر، فقال النبی صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: عباد من عباد اللہ من بلدان شتی وقبائل من شعوب أرحام القبائل لم یکن بینھم أرحام یتواصلون نورا، یجعلم لھم منابر من لؤلؤ قدام الرحمٰن تعالیٰ، یفزع الناس ولا یفزعون ویخاف الناس ولا یخافون۔

”حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ہم نے اس کے متعلق آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم سے پوچھا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ انبیاء اور شہداء روزِ قیامت ان کے اللہ تعالیٰ سے قرب اور ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مسندوں پر رشک کریں گے۔ محفل کے ایک طرف ایک دیہاتی بیٹھا تھا، وہ کھڑا ہوا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے دونوں ہاتھ مارے اور کہا: یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم! ہمیں ان کے بارے میں بتایئے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کے وہ بندے ہیں جو مختلف علاقوں، قبائل اور مختلف خاندانوں سے ہیں، جن کے درمیان کوئی خونی رشتہ داریاں بھی نہیں مگر وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں، صرف اللہ کے لئے، دنیا کے لئے نہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ وہ صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ ان کے چہروں کو منور کر دے گا، ان کے لئے خدائے رحمان کے سامنے

موتیوں کے منبر بچھائے جائیں گے۔ اس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہ ہو گا، اور لوگ غمگین ہوں گے مگر انہیں کوئی غم نہ ہو گا۔"[434]

عن أبی مسلم الخولانی، قال: قلت لمعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ: و اللہ! انی لأحبک لغیر دنیا أرجو أن أصیبھا منک، ولا قرابۃ بینی وبینک، قال: فلأی شیٔ؟ قلت: للہ۔ فجذب حبوتی، ثم قال: أبشر ان کنت صادقا، فانی سمعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یقول: المتحابون فی اللہ فی ظل العرش یوم لا ظل الا ظلہ، یغبطھم بمکانھم النبییون و الشھداء، ثم قال: فخرجت فأتیت عبادۃ بن الصامت، فحدثتہ بحدیث معاذ، فقال عبادۃ بن الصامت: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یقول عن ربہ تبارک و تعالیٰ: حقت محبتی علی المتحابین فیّ، و حقت محبتی علی المتناصحین فیّ، و حقت محبتی علی المتزاورین فیّ، و حقت محبتی علی المتباذلین فیّ، و ھم علی منابر من نور، یغبطھم النبییون و الصدیقون بمکانھم۔

ترجمہ: "ابو مسلم خولانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خدا کی قسم! میں بغیر کسی دنیاوی مقصد کے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجھ سے محبت رکھیں جبکہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے۔ معاذ بن

434 (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۹۰:۳، ۳۴۳۳،۳۴۳۳، احمد بن حنبل نے المسند ۳۴۳:۵ میں طویل حدیث روایت کی ہے اور ۳۴۱:۵ میں مختصراً بیان کی ہے، ہیثمی نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طویل روایت کو مجمع الزوائد ۲۷۶:۱۰ میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ طبرانی نے بھی اس جیسی حدیث روایت کی ہے۔ ہیثمی نے اس حدیث کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے، ہیثمی نے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ ایک اور روایت مجمع الزوائد ۲۷۷:۱۰ میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، ابن مبارک، الزہد:۲۴۸، معمر بن راشد، الجامع، ۲۰۱:۱۱، ۲۰۲، حارث، المسند، ۹۹۳:۲، رقم:۱۱۰۹، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادث الرسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ۸۲:۴، بیہقی، شعب الایمان، ۴۸۷:۶، ۴۸۸، رقم:۹۰۰۱، منذری، الترغیب والترہیب، ۱۳:۴، رقم:۴۵۸۵، بغوی، معالم التنزیل، ۳۵۹:۲، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲۰۹:۳، ۲۷۳:۴، شوکانی نے فتح القدیر (۴۵۸:۲) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حاکم نے یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً لی ہے۔)

جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر کیوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ کے لئے: پس انہوں نے میرا کپڑا کھینچا پھر کہا: میں خوشخبری سناتا ہوں کہ اگر تم سچے ہو تو بے شک میں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے سنا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اس دن یعنی قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا، ان کے اس مرتبہ پر انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔ پھر کہا: میں وہاں سے نکلا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آیا اور ان سے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی گفتگو بیان کی۔ پس عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو سنا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کیا: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت پکڑنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، انبیاء و صدیقین ان کے درجات پر رشک کریں گے۔"[435]

---

[435] (ابن حبان، الصحیح، ۳۳۸:۲، رقم:۵۷۷، احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۳۹، ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۴۵، رقم:۳۴۱۰۰، قرشی، الاخوان، ۱۵:رقم:۹، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ۵:۱۲۲، مقدسی نے الاحادث المختارہ (۸:۳۱۲، رقم:۳۷۵) میں اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ھے۔ ابن عبد البر، التمھید، ۲۱:۱۳۱، منذری نے الترغیب والترھیب ۴:۱۱،رقم:۴۵۷۵ میں کھا ھے کہ اسے ابن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم:۲۵۱۰، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۲۷۸، ۲۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۹۳، ثعالبی، جواھر الحسان فی تفسیر قرآن، ۴:۱۳۳)

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول: قال اللہ تعالیٰ: المتحابون فی جلالی لهم منابر من نور یغبطهم النبیون والشهداء۔

ترجمہ: ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عظمت و جلالت کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کے لئے نور کے منبر ہوں گے، ان پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔''[436]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان من عباد اللہ لأناسا ماهم بأنبیاء ولا شهداء یغبطهم الأنبیاء والشهداء یوم القیامة بمکانهم من اللہ، قالوا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! تخبرنا من هم؟ یتعاطونها، فو اللہ ان وجوههم لنور وانهم لعلی نور، لا یخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس، وقرأ هذه الآیة: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

ترجمہ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مقام پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وَسَلَّم ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ صَلَّی اللہ

[436] (ترمزی، الجامع الصحیح، ۴:۵۹۷، رقم: ۲۳۹۰، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲:۱۳۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۴:۱۱، رقم: ۴۵۷۶، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم: ۲۵۱۰، ابن قیم، حاشیہ علی سنن ابی داؤد، ۱۴:۲۱، مزی، تہذیب الکمال، ۳۴:۲۹۲، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۸۵، مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۷:۵۶)

تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے پُرنور ہوں گے، اور وہ نور پر ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہوگا جب لوگ غم زدہ ہوں گے۔ پھر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ''خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔''[437]

عن أبی هريرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صَلّٰی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان من عباد اللّٰہ عبادا ليسوا بأنبياء يغبطهم الأنبياء والشهداء۔ قيل: من هم لعلنا نحبهم؟ قال: هم قوم تحابوا بنور اللّٰہ من غير أرحام ولا انتساب، وجوههم نور على منابر من نور، لا يخافون اذا خاف الناس، ولا يحزنون اذا حزن الناس، ثم قرأ: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں ہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے عرض کیا گیا: وہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ ایسے بندے ہیں جو آپس میں بغیر کسی قرابت داری اور واسطہ

[437] (ابو داؤد، السنن، ۳:۲۸۸، رقم:۳۵۲۷، هناد، الزهد، ۱:۲۷۲، رقم: ۴۷۵، بیهقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۶، رقم:۸۹۹۸، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء (۱:۵) میں یہ حدیث جید اسناد کے ساتھ روایت کی ہے، حاکم نے المستدرک (۴:۱۸۸، رقم:۷۳۱۸) میں یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ ذهبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے، ابن عبد البر، التمهید، ۱۷:۴۳۶، ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ۶:۱۹۶۳، ۱۹۶۴، رقم:۱۰۴۵۳، ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۴:۴۳، ابو سعود، ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم، ۴:۱۵۹، سیوطی نے الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۴:۳۷۲) میں کہا ہے کہ اسے ابو داؤد، هناد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مرویہ کے علاوہ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء اور بیهقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، ثعالبی، جواهر الحسان فی تفسیر القرآن، ۲:۱۸۴)

کے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے پُر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ انہیں اس وقت کوئی خوف نہ ہو گا جب لوگ خوف زدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہو گا جب لوگ غمزدہ ہوں گے۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔“[438]

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول: عن یمین الرحمٰن و کلتا یدیہ یمین رجال لیسوا بأنبیاء و لا شہداء یغشی بیاض وجوھھم نظر الناظرین، یغبطھم النبیون و الشہداء بمقعدھم و قربھم من اللہ تعالیٰ قیل: یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! من ھم؟ قال: ھم جماع من نوازع القبائل، یجتمعون علی ذکر اللہ، فینتقون أطایب الکلام کما ینتقی آکل التمر أطایبہ۔

ترجمہ: ”حضرت عَمرَبن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رحمن کے دائیں طرف حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، ان کے چہروں کا نور سب لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہا ہو گا، ان کی مسندوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے قرب کی وجہ سے انبیاء اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ مختلف قبیلوں سے آکر اکٹھے ہونے والے وہ

[438] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۳۲، ۳۳۳، رقم: ۵۷۳، نسائی، السنن الکبریٰ، ۶:۳۶۲، رقم: ۱۱۲۳۶، ابویعلیٰ، المسند، ۱۰:۴۹۵، رقم: ۶۱۱۰، بیھقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۵، رقم: ۸۹۹۷، منذری نے الترغیب والترھیب ۴:۱۲ میں کھا ھے کہ اسے نسائی نے روایت کیا اور بن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، ھیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷ میں کھا ھے کہ اسے بزار نے روایت کیا ھے جبکہ میں اس کے راویوں کو نھیں جانتا، ھیثمی موارد الظمآن، ۶۲۱، رقم: ۲۵۰۸، طبری نے یہ حدیث جامع البیان فی تفسیر القرآن ۱۱:۱۳۲ میں ابن حبان کی بیان کردہ روایت کی سند کے ساتھ نقل کی ھے، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲:۴۲۲، سیوطی نے الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۴:۳۷۲ میں کھا ھے کہ یہ حدیث ابن ابی دنیا، ابن جریر، ابن منذر، ابو شیخ، ابن مردویہ، اور بیھقی نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ھے)

لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے لئے خوبصورت الفاظ کا اس طرح انتخاب کرتے ہیں جیسے کھجوریں کھانے والا اچھی اچھی کھجوروں کا انتخاب کرتا ہے۔"[439]

عن أبی مالک الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، قال: کنت عند النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فنزلت ھذہ الآیۃ: {لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ} قال: فنحن نسألہ اذ قال: ان للہ عبادا لیسوا بأنبیاء و لا شھداء یغبطھم النبیون و الشھداء بقربھم و مقعدھم من اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ۔ قال: و فی ناحیۃ القوم أعرابی، فقام فجثا علی رکبتیہ و رمی بیدیہ، ثم قال: حدثنا یا رسول اللہ عنھم من ھم؟ قال: فرأیت وجہ النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ینتشر، فقال النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم : عباد من عباد اللہ من بلدان شتی و قبائل من شعوب أرحام القبائل لم یکن بینھم أرحام یتواصلون بھا للہ لا دنیا، یتباذلون بھا تیحابون بروح اللہ تعالیٰ یجعل اللہ وجوھھم نورا یجعل لھم منابر من لؤلؤ قدام الرحمٰن تعالیٰ، یفزع الناس و لا یفزعون و یخاف الناس و لا یخافون۔

ترجمہ:"حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء۔ انبیاء اور شہداء روزِ قیامت ان کے اللہ تعالیٰ سے قرب اور ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مسندوں پر رشک کریں گے۔ لوگوں کے ایک طرف دیہاتی بیٹھا تھا، وہ کھڑا ہوا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے دونوں ہاتھ مارے اور کہا: یارسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم ! ہمیں ان کے بارے میں بتائیے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا چہرہ خوشی

---

[439] (ھیثمی نے مجمع الزوائد ۷۷:۱۰ میں کہا ھے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ھے اور اس کے رجال ثقہ ھیں، منذری نے الترغیب والترھیب ۲:۲۶۱، رقم: ۲۳۲۶، میں کہا ھے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ھے، ھندی نے کنز العمال ۲۴۸:۱۰ رقم: ۲۹۳۲۶ میں کہا ھے کہ اسے طبرانی نے عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ھے، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر المأثور، ۳۶۸:۱)

سے کِھل اٹھا، آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ وَسلَّم نے فرمایا: اللہ کے وہ بندے ہیں جو مختلف علاقوں اور مختلف قبائل کے مختلف خاندانوں سے ہیں، جن کے درمیان کوئی رشتہ داریاں بھی نہیں مگر وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں، صرف اللہ کے لئے، دنیا کے لئے نہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں، وہ صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ ان کے چہروں کو منور کردے گا، ان کے لئے خدائے رحمان کے سامنے موتیوں کے منبر بچھائے جائیں گے۔ اس روز لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا، اور لوگ غمگین ہوں گے مگر انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔"[440]

عن أبی مسلم الخولانی، قال: قلت لمعاذ بن جبل: واللہ! انی لأحبک لغیر دنیا أرجو أن أصیبها منک، ولا قرابة بینی وبینک، قال: فلأی شیٔ؟ قلت: للہ۔ قال: فجذب حبوتی، ثم قال: أبشر ان کنت صادقا، فانی سمعت رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول: المتحابون فی اللہ فی ظل العرش یوم لا ظل الا ظله، یغبطهم بمکانهم النبیون والشهداء، ثم قال: فخرجت فأتیت عبدة بن الصامتص فحدثته بحدیث معاذ، فقال عبادة بن الصامت: سمعت رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم، یقوم عن ربه تبارک وتعالی: حقت محبتی علی المتحابین فیّ، وحقت محبتی علی المتناصحین فیّ،

---

[440] (احمد بن حنبل نے المسند ۵:۳۴۳ میں طویل حدیث روایت کی ہے اور ۵:۳۴۱ میں یہ حدیث مختصراً بیان کی ہے، احمد بن حبنل کی بیان کردہ طویل روایت ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۶ میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ طبرانی نے بھی اس جیسی حدیث روایت کی ہے۔ ہیثمی نے اس حدیث کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ہیثمی نے ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ ایک اور روایت مجمع الزوائد ۱۰:۲۷۷ میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، ابن مبارک، الزھد، ۲۴۸، معمر بن راشد، الجامع، ۱۱:۲۰۱، ۲۰۲، حارث، المسند، ۲:۹۹۳، رقم: ۱۱۰۹، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم، ۴:۸۲، بیہقی، شعب الایمان، ۶:۴۸۷، ۴۸۸، رقم: ۹۰۰۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۴:۱۳، رقم: ۴۵۸۵، بغوی، معالم التنزیل، ۲:۳۵۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۲۰۹، ۴:۳۷۲، شوکانی نے فتح القدیر ۲:۴۵۸ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حاکم نے یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً لی ہے۔)

وحقت محبتی علی المتزاورین فیّ، وحقت محبتی علی المتباذلین فیّ، وهم علی منابر من نور، یغبطهم النبیون والصدیقون بمکانهم۔

ترجمہ: ''ابو مسلم خولانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خدا کی قسم! میں بغیر کسی دنیاوی مقصد کے آپ سے محبت کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی مجھ سے محبت رکھیں، میرے اور آپ کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر کیوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ کے لئے، پس انہوں نے میرا کپڑا کھینچا پھر کہا: میں خوشخبری سناتا ہوں کہ اگر تم سچے ہو تو بے شک میں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم فرماتے ہیں: اللہ کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اس دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان کے اس مرتبہ پر انبیاء وشہداء رشک کریں گے، پھر کہا: میں وہاں سے نکلا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی گفتگو بیان کی۔ پس عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو سنا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کیا: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت واجب ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے سے نصیحت پکڑنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے

پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت لازم ہو گئی اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، انبیاء علیہم السلام و صدیقین رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے درجات پر رشک کریں گے۔"[441]

عن سعید بن المسیب، قال: للمتحابین فی اللّٰہ تعالیٰ منابر من نور یغبطھم بھا الشھداء۔

ترجمہ: "حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے نور کے منبر ہوں گے جن پر شہداء رشک کریں گے۔"[442]

عن أبی مالک الأشعری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم: عباد اللّٰہ توضع لھم منابر من نور یوم القیامة، لیسوا بأنبیاء و لا شھداء یغبطھم النبیون و الشھداء۔ قالوا: فمن ھم؟ قال: المتحابون فی اللّٰہ۔[443]

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوں گے جن کے لئے بروزِ قیامت نور کے منبر بچھائے جائیں گے، نہ تو وہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء، لیکن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہیں۔"

---

[441] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۳۳۸، رقم:۵۷۷، احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۳۹، ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۴۵، رقم:۳۴۱۰۰، قرشی، الاخوان: ۱۵، رقم:۹، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۵:۱۲۲، مقدسی نے الاحادیث المختارہ ۸:۳۱۲، رقم:۳۷۵ میں اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ھے، ابن عبدالبر، التمھید، ۲۱:۱۳۱، منذری نے الترغیب والترھیب (۴:۱۱ رقم:۴۵۷۵) میں کھا ھے کہ اسے ابن حبان نے الصحیح میں روایت کیا ھے، ھیثمی، موارد الظمان، ۶۲۲، رقم:۲۵۱۰، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۲۷۸، ۲۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۹۳، ثعالبی، جواھر الحسان فی تفسیر القرآن، ۴:۱۳۳)

[442] (ابن مبارک، الزھد، ۱:۵۲۲، رقم:۱۴۸۲)

[443] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۲۹۰، ۲۹۱، رقم:۳۴۳۴)

عن العلاء بن زياد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن نبی اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: عباد من عباد اللہ لیسوا بأنبیاء ولا شھداء، یغبطھم الأنبیاء والشھداء یوم القیامۃ بقربھم من اللہ علی منابر من نور۔ یقول الأنبیاء والشھداء: من ھؤلاء؟ فیقولون: ھؤلاء کانوا یتحابون فی اللہ علی غیر أموال تعاطوھا ولا أرحام کانت بینھم۔[444]

ترجمہ: ”علاء بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بندگانِ خدا میں سے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی شہداء۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قرب اور نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہونے کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ انبیاء اور شہداء پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ پس وہ کہیں گے: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں کسی مالی لین دین یا قرابت داری کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔“

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن نبی اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ان رجالا لیسوا بأنبیاء ولا شھداء یوضع لھم یوم القیامۃ منابر من نور، وجوھھم من نور، یأمنون یوم القیامۃ من الفزع الأکبر، فقال رجل: یا نبی اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم! ومن اولئک؟ قال: ھم نزاع القبائل یتحابون فی اللہ۔[445]

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: بے شک کچھ لوگوں کے لئے روزِ قیامت نور کے منبر بچھائے جائیں گے، وہ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء، وہ قیامت کے دن کی بہت بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ ایک آدمی نے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ

---

[444] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵:۴۵۷، رقم: ۳۴۰۹۶، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۴:۳۷۳)

[445] (طبرانی، المعجم الکبیر ۱۸:۲۰۰، رقم ۳۵۸)

ہوں گے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ قبائل کے پڑوس میں رہنے والے اجنبی لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔"

عن أبن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وفد موسی علیہ السلام الی طور سیناء، قال: یارب! أی عبادک أحب الیک؟ قال: الذی یذکرنی ولا ینسانی۔

ترجمہ: "حضرت (عبد اللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: جب حضرت موسی علیہ السلام طورِ سینا پر تشریف لے گئے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا: وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرتا رہتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں۔"[446]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال موسی ن حین کلم ربہ: أی رب! أی عبادک أحب الیک؟ قال أکثرھم لی ذکراً۔ قال: أی عبادک أغنی؟ قال: اراضی بما أعطیتہ۔ قال: أی رب! أی عبادک أحکم؟ قال: الذی یحکم علی نفسہ بما یحکم علی الناس۔

ترجمہ: "حضرت (عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمارہا تھا، آپؑ نے عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا نام کثرت سے لیتا رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! تیرا کون سا بندہ سب سے زیادہ غنی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میری عطا پر راضی ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تیرا کون سا بندہ بہتر فیصلہ کرنے

---

[446] (بیہقی، شعب الایمان، ۱۴۵۱:۱، رقم: ۶۸۱، ابو بکر بغدادی، الرحلہ فی طلب الحدیث: ۱۰۳، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۵:۲۷۷، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۹۷، طبری تاریخ الامم والملوک، ۱:۲۲۳)

والا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا: جو اپنے لئے ویسا ہی فیصلہ کرتا ہے جیسا کہ دوسرے لوگوں کے لئے کرتا ہے۔"[447]

عن میثم قال: لما قرب اللہ موسیٰ علیہ السلام نجیًا بطور سیناء قال: أی عبادک أحب الیک؟قال: أکثرھم ذکرا۔

ترجمہ: "میثم سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلامکو طورِ سینا پر ہم کلامی کے لئے بلایا تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے تجھے سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا ذکر سب سے زیادہ کرنے والا ہے۔"[448]

عن أبی عمرو الشیبانی، قال موسیٰ علیہ السلام لربہ عز و جل: یا رب! أی عبادک أحب الیک؟ قال: أکثرھم لی ذکرا۔ قال: فأی عبادک أغنی؟ قال: أقنعھم بما أعطیتہ۔ قال: فأی عباد أعدل؟ قال: من أدان نفسہ من نفسہ۔[449]

ترجمہ: "ابو عَمَر شیبانی سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے پروردگار! تجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرا ذکر سب سے زیادہ کرتا ہے۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ غنی کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ میری عطاء پر قناعت کرنے والا ہے۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عادل کون ہے؟ فرمایا: جو خود اپنے خلاف بھی فیصلہ کرے۔"

---

[447] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۷۲، رقم:۳۴۲۸۶، ابو خیثمہ، کتاب العلم، ۲۲،رقم:۸۶، بیھقی، شعب الایمان، ۷:۲۹۱،رقم:۱۰۳۴۸)

[448] (ضمی، کتاب الدعاء، ۱:۲۸۲،رقم:۱۰۳،ھناد، الزھد، ۲:۶۰۸،رقم:۱۳۰۱)

[449] (ھناد، الزھد، ۱:۲۷۷،رقم:۴۸۹)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم : سأل موسیٰ ربہ : یارب! أنبئنی أی عبادک أتقی؟ قال: الذی یذکرنی ولا ینسانی۔ قال: أی عبادک أعلم؟ قال: عالم لا یشبع من العلم، قال: الذی یجمع علم الناس الی علمہ۔ قال: فأی عبادک أعزّ؟ قال: الذی اذا قدر غفر۔

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے رب! مجھے بتا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ہر وقت میرا ذکر کرے اور مجھے بھولے نہیں۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو کبھی علم سے سیر نہ ہو، (پھر) فرمایا: وہ جو اپنے علم میں لوگوں کا علم جمع کرلے۔ عرض کیا: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: وہ جو غالب آئے تو معاف کردے۔“[450]

عن محمد بن کعب القرظی، قال: قال موسیٰ: یارب! أی خلقک أکرم علیک؟ قال: الذی لا یزال لسانہ رطبا من ذکری۔ قال: یا رب! أی خلقک أعلم؟ قال: الذی یلتمس الی علمہ علم غیرہ۔ قال: یارب فأی خلقک أعدل؟ قال: الذی یقضی علی نفسہ کما یقضی علی الناس۔ قال: یارب! فأی خلقک أعظم ذنبا؟ قال: الذی یتھمنی۔ قال: یارب! وھل یتھمک احد؟ قال: الذی یستخیرنی ثم لا یرضی بقضائی۔

ترجمہ: ”محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! تیری مخلوق میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کی زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! تیری مخلوق میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے علم کے ساتھ دوسروں کے علم کا طالب ہو۔ عرض کیا: اے رب!

---

[450] (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۱۴، رقم: ۳۴۱۹)

تیری مخلوق میں سب سے بڑا عادل کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنے نفس کے خلاف بھی ویسے ہی فیصلہ کرے جیسے دوسروں کے خلاف کرتا ہے۔ عرض کیا: اے پروردگار! تیری مخلوق میں سب سے بڑا گنہگار کون ہے؟ فرمایا: جو مجھ پر تہمت لگاتا ہے۔ عرض کیا: باری تعالیٰ! کوئی بھلا تجھ پر بھی تہمت لگاتا ہے؟ فرمایا: وہ جو مجھ سے خیر طلب کرے اور پھر میرے فیصلے پر راضی نہ ہو۔"[451]

عن عبد اللہ بن الحرث، قال أوحی اللہ الی داؤد علیہ السلام أن احبنی و أحب أحبائی و حببنی الی عبادی، قال: یا رب أحبک و أحب أحبائک فیکہ أحببک الی عبادک، قال: اذکرنی لھم فانھم لن یذکرمنی الا خیرا۔

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن حرث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مجھ سے اور مجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرو اور میرے بندوں میں مجھے محبوب بناؤ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! میں آپ سے اور آپ سے محبت کرنے والوں سے محبت کروں گا لیکن آپ کو آپ کے بندوں میں کیسے محبوب بناؤں؟ فرمایا: ان کے سامنے میرا ذکر (کثرت سے) کیا کرو کہ بے شک میرا ذکر ہی ان کے لئے خیر کا باعث ہو گا۔"[452]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یقول: علامۃ حبّ اللہ حبّ ذکر اللہ، و علامۃ بغض اللہ بغض ذکر اللہ۔

---

[451] (بیهقی، شعب الایمان، ۱۵۱:۱، رقم:۲۸۲)

[452] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶۸:۷، رقم:۳۴۲۵۴)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ سے محبت کی علامت اللہ کے ذکر سے محبت کرنا ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اللہ کے ذکر سے بغض رکھنا ہے۔“[453]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أنّ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان داؤد علیہ السلام قال فیہ یخاطب ربہ ل: یا رب! أی عبادک أحب الیک أحبہ بحبک؟ قال: یا داؤد! أحب عبادی الی نقیّ القلب نقی الکفین، لا یأتی الی أحد سوء ولا یمشی بالنمیمۃ تزول الجبال ولا یزول، وأحبنی وأحب من یحبنی وحببنی الی عبادی۔ قال: یا رب! انک لتعلم أنی أحبک وأحب من یحبک، فکیف أحببک الی عبادک؟ قال: ذکرھم بآیاتی وبلائی ونعمائی یا داؤد! انہ لیس من عبد یعین مظلوما أو یمشی معہ فی مظلمتہ الی أثبت قدمیہ یوم تزل الأقدام۔

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کی: اے رب! آپ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے تاکہ میں آپ کی محبت کی وجہ سے ان سے محبت کروں؟ فرمایا: اے داؤد! مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کا دل اور دونوں ہتھیلیاں پاک و صاف ہوں، کسی سے برائی کرے نہ کسی کی چغلی کھائے اور اس پر ثابت قدم رہے۔ مجھ سے اور مجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرے، اور میرے بندوں کو میری محبت سکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے اور تجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرتا ہوں لیکن تیرے بندوں کو تیری محبت کیسے سکھاؤں؟ اللہ تعالیٰ

---

[453] (بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۶۷، رقم: ۴۱۰۹، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۵۴، رقم: ۴۱۴۱، ہندی، کنز العمال، ۱:۴۱۷،۴۱۸، رقم: ۱۷۷۶)

نے فرمایا: انہیں میری نشانیاں، میری آفات اور میری نعمتیں (کثرتِ ذکر سے) یاد دلاؤ۔ اے داؤد! میرا جو بندہ بھی مظلوم کی مدد کرے گا یا اس کی دادرسی کے لئے اس کے ساتھ چلے گا، میں اسے اس دن ضرور ثابت قدم رکھوں گا جس دن قدم پھسل جائیں گے۔''[454]

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: سأل موسی ربه عن ست خصال كان يظن أنها له خالصة والسابعة لا يكن موسی يحبها۔ قال: يارب! أی عبادک أتقی؟ قال: الذی يذكر ولا ينسی، قال: فأی عبادک أهدی؟ قال: الذی يتبع الهدی، قال: فأی عبادک أحكم؟ قال: الذی يحكم للناس كما يحكم لنفسه۔ قال: فأی عبادک أعلم؟ قال: عالم لا يشبع من العلم، يجمع علم الناس الی علمه، قال: فأی عبادک أعز؟ قال: الذی اذا قدر غفر۔ قال: فأی عبادک أغنی؟ قال: الذی يرضی بما يؤتی۔ قال فأی عبادک أفقر؟ قال: صاحب منقوص۔ قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم: ليس الغنی عن ظهر، انما الغنی غنی النفس، و اذا أراد اللہ بعبد خيرا، جعل غناه فی نفسه، و تقاه فی قلبه، و اذا أراد اللہ بعبد شرا، جعل فقره بين عينيه۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے چھ خصائل کے بارے میں سوال کیا: ان کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ ان میں بتمام و کمال پائے جاتے ہیں اور ساتویں خصلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پسند نہ تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے رب! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی کون ہے؟ فرمایا: وہ جو ہر وقت میرا ذکر کرے اور مجھے بھولے نہیں۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ کون ہے؟ فرمایا: وہ جو ہدایت کی پیروی

[454] (بیھقی، شعب الایمان، ۶:۱۱۹، رقم:۷۶۶۸، دیلمی، الفردوس، بماثور الخطاب، ۳:۱۹۵، رقم:۴۵۴۳، مناوی، الاتحافات السنیہ بالاحادیث القدسیہ، ۱۱۳، ۱۱۲، رقم:۲۵۸، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۱۲)

کرے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا حاکم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو لوگوں کے لئے وہی فیصلہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو علم سے سیر نہ ہو اور لوگوں کا علم بھی اپنے علم میں جمع کرے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ فرمایا: وہ جو غالب آئے تو معاف کر دے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے زیادہ غنی کون ہے؟ فرمایا: جو جتنا ملے اس پر راضی ہو جائے۔ عرض کی: تیرے بندوں میں سب سے بڑا فقیر کون ہے؟ فرمایا: وہ جس کا غنا کم ہو۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: غنا مال کا غنا نہیں ہے بلکہ دل کا غنی ہونا مراد ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں غنا پیدا فرما دیتا ہے اور اس کے دل میں تقویٰ ڈال دیتا ہے اور جب کسی بندے کو اس کے شر کی سزا دینا چاہتا ہے تو اس کا فقر اس کے سامنے کر دیتا ہے۔"[455]

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: ثلاثه لا یرد الله دعاءهم: الذاکر لله کثیرا و دعوة المظلوم و الامام المقسط۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا: کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے، مظلوم، اور عادل حکمران۔"[456]

عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم يقول: من اوی الی فراشه طاهرا يذكر الله حتی يدركه النعاس لم يتقلب ساعة من الليل سأل الله من خير الدنيا و الاخرة الا اعطاه اياه۔

[455] (ابن حبان، الصحیح، ۱۰۱:۱۴، رقم: ۶۲۱۷، هيثمی، موارد الظمان، ۵۰، رقم: ۸۶)

[456] (بیهقی، شعب الایمان ۴۱۹:۱ رقم ۵۸۸، ۱۱:۲ رقم ۷۳۵۸، عجلونی، كشف الخفاء ۳۹۰:۱، رقم: ۱۰۴۵)

”حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو پاکیزگی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بستر پر دراز ہوا تورات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزری یہاں تک کہ اسے اونگھ آگئی، کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کی ہو اور اس نے اسے عطانہ کی ہو۔“[457]

عن معاذ أن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم قال من آوی الی فراشه طاهرا یذکر الله تعالیٰ حتی تغلبه عیناه فتعار من اللیل لم یسأل الله خیرا من خیر الدنیا و الاخرة الا اعطاه۔

”حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو کوئی پاکیزگی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بستر پر دراز ہوا یہاں تک کہ اسے نیند محسوس ہونے لگی لیکن اس نے رات حالتِ بیداری میں گزاردی تو دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہیں کہ جس کا وہ سوال کرے اور وہ اسے عطانہ کرے۔“[458]

عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال: من بات ذاکرا طاهرا ثم تعار من اللیل لم یسأل الله حاجة للدنیا و الآخرة الا اعطاه الله۔

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے حالتِ طہارت میں ذکر کرتے ہوئے رات گزاری اور پھر بیدار رہا تو دنیا و آخرت کی جو حاجت بھی وہ پیش کرے گا اللہ تعالیٰ پوری فرمائے گا۔“[459]

---

[457] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۴۰، رقم: ۳۵۲۶، طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۲۵، رقم: ۷۵۶۸، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۲۳۱، رقم: ۸۸۰، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۵۱، مبارک پوری، تحفة الاحوذی، ۹:۳۶۰، رقم: ۱۰۲)

[458] (نسائی، السنن الکبریٰ، ۶:۲۰۱، رقم: ۱۰۶۴۱، نسائی، عمل الیوم واللیلة، ۱:۴۶۹، رقم: ۸۰۵)

[459] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۱:۱۱۱، رقم: ۱۲۶۵)

عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال رسول الله صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم مامن رجل نام طاهرا علی ذکر فتعار من اللیل یسأل خیر الدنیا و الآخرة الا اعطاه۔[460]

ترجمہ: ”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو کہ حالت پاکیزگی میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے پھر بیدار ہو، وہ دنیا و آخرت کی جس بھلائی کا بھی طلب گار ہوتا ہے، اسے عطا کی جاتی ہے۔“

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم مامن رجل نام طاهرا علی ذکر فتعار من اللیل یدعو الله حثیما الا اعطاه۔[461]

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو کوئی حالتِ پاکیزگی میں ذکر کرتے ہوئے لیٹے اور رات بھر جاگتا رہے تو وہ اللہ سے جو بھی مانگے گا عطا ہو گا۔“

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: یقول اللہ تعالیٰ: من شغله ذکری عن مسألتی أعطیته أفضل ما أعطی السائلین۔

ترجمہ: ”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے زیادہ دوں گا۔“[462]

---

[460] (رویانی، المسند، ۲:۳۰۲، رقم: ۱۲۴۹)

[461] (بخاری، الکنیٰ: ۴۷، رقم: ۴۰۹)

[462] (بخاری، التاریخ الکبیر، ۲:۱۱۵، رقم: ۱۸۷۹، بخاری، خلق افعال العباد: ۱۰۹، حکیم ترمذی، نوارد الاصول فی احادیث الرسول صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَاٰله وَسلَّم ۳:۲۶۴، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۳، رقم: ۵۷۲، ۳:۴۶۷، رقم: ۴۰۸۰، بیھقی، فضائل الاوقات: ۳۷۳، ابن عبد البر، التمھید، ۶:۴۵، ۴۶، ابن قیسرانی، تذکرۃ الحفاظ، ۳:۹۹۶، رقم: ۹۲۶، مزی، تھذیب الکمال، ۴:۲۴۸، رقم: ۷۶۷، ۱۳:۱۹۶، رقم: ۲۸۸۴، عسقلانی، فتح الباری، ۱۱:۱۴۷، ۱۳:۴۸۹، زرقانی، شرح الموطاء، ۲:۴۴، ۵۳، مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۱۰:۳۳، مناوی، فیض القدیر، ۲:۳۴،

عن مالک بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:یقول اللہ تعالیٰ من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ فوق ما أعطی السائلین۔

ترجمہ:''حضرت مالک بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا، میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے بڑھ کر دوں گا۔''[463]

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یرویہ عن ربہ تبارک و تعالیٰ، قال ل:من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ أفضل ما أعطی السائلین۔

ترجمہ:''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے ربّ سے روایت فرماتے ہیں کہ: جو میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگ نہ سکا، میں اسے مانگنے والوں پر کی جانے والی عطا سے بہتر دوں گا۔''[464]

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم، قال اللہ تعالیٰ: من شغلہ ذکری عن مسألتی أعطیتہ قبل أن یسألنی۔

۳:۵۳۶، ۱۲۰:۵ مناوی نے 'الاتحافات السنیہ بالاحادیث القدسیہ (ص ۶۶، رقم ۱۴۸) میں کھا ھے کہ اسے بخاری، بزار اور بیھقی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ھے، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۵۴۸، آلوسی، روح المعانی ۱۵:۵۲، ۲۵، ۳۷)

[463] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۳۴، رقم: ۲۹۲۷۱، ابن ابی شیبہ نے المصنف (۶:۳۴، رقم:۲۹۲۷۳) میں اسے مرفوعا عمرو بن مرہ سے بھی روایت کیا ھے، قضاعی، مسند الشھاب، ۲:۳۲۶، رقم: ۸۸۹، بیھقی، فضائل الاوقات، ۳۷۰)

[464] (قضاعی، مسند الشھاب، ۱:۳۴۰، رقم:۵۸۴، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۳، ۴۱۴، رقم:۵۷۳، بیھقی نے 'فضائل الاوقات' (ص ۳۷۰) میں، اور ابنِ تیمیہ نے 'دقائق التفسیر (۲:۳۶۲) میں، یہ حدیث مالک بن حویرث سے روایت کی ھے)

”حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جسے میرے ذکر میں مشغول رہنے کے باعث مجھ سے مانگنے کی فرصت نہ ملی، میں اسے سوال کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیتا ہوں۔“[465]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قال: یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! ماغنیمۃ مجالس الذکر؟ قال: غنیمۃ مجالس الذکر الجنۃ۔

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عَمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مجالس ذکر کی غنیمت کیا ہے؟ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مجالسِ ذکر کی غنیمت جنت ہے۔“[466]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: لیذکرن اللہ قوما فی الدنیا علی الفرش الممھدۃ یدخلھم الدرجات العلی۔[467]

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: دنیا میں کچھ لوگ بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، وہ انہیں (جنت کے) بلند درجات میں داخل کر دے گا۔“

---

[465] (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷:۳۱۳، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۶۸، قم: ۴۴۴۶، سیوطی نے ’الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (۶:۴۱۸) میں کہا ھے کہ ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے ’دلائل النبوہ‘ میں یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ھے۔)

[466] (احمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۹۰، رقم: ۶۷۷۷، ۲:۱۷۷، رقم: ۶۶۵۱، طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۲۷۳، رقم: ۱۳۲۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۱، رقم: ۲۳۲۴، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۷)

[467] (ابن حبان، الصحیح، ۲:۱۲۴، رقم: ۳۹۸، ابویعلی، المسند، ۲:۳۵۹، رقم: ۱۱۱۰، ۲:۵۲۷، رقم: ۱۳۹۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۶، رقم: ۲۳۰۲، ھیثمی، موارد الظمآن، رقم: ۲۳۱۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

عن أبی الدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٗ قال: ان الذین لا تزال ألسنتھم رطبة من ذکر اللہ یدخلون الجنة وھم یضحکون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کی زبانیں ذکر اللہ سے ہمیشہ تَر رہتی ہیں، وہ مسکراتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔“[468]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا ٗ قالوا: وما ریاض الجنة؟ قال: حلق الذکر۔

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو خوب کھایا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔“[469]

عن الأسود بن ھلال المحاربی، قال: قال: لی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اجلس بنا نؤمن ساعة یعنی نذکر اللہ تعالیٰ۔

---

[468] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۱۱۱، رقم:۳۴۵۸۷، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۲، ابن مبارک، الزهد، ۱:۳۹۷، ابن ابی عاصم، الزهد، ۱:۱۳۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۵، ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۱:۲۱۹، ۵:۱۳۳، ابن جوزی، صفة الصوفة، ۱:۶۳۹، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۶)

[469] (ترمذی، السنن، ۵:۵۳۲، رقم:۳۵۱۰، احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵۰، رقم:۱۲۵۴۵، ابو یعلیٰ، المسند، ۶:۱۵۵، رقم:۳۴۳۲، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۸، رقم:۵۲۹، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۶۲، رقم:۲۳۲۹، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۶)

ترجمہ: ''اسود بن ہلال محاربی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا: ہمارے ساتھ بیٹھو کہ ہم ایک گھڑی کے لئے ایمان لائیں یعنی مل کر اللہ کا ذکر کریں۔''[470]

كان عبد الله بن رواحة يأخذ بيد النفر من أصحابه، فيقول: تعالوا نؤمن ساعة، تعالوا فلنذكر الله ونزدد ايمانا، تعالوا نذكره بطاعته، لعله يذكرنا بمغفرته۔

ترجمہ: ''حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: آؤ ایک گھڑی کے لئے مؤمن بن جائیں، آؤ ہم مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور ایمان میں اضافہ کریں، آؤ ہم اس کا ذکر اس کی اطاعت کے ساتھ کریں شاید کہ وہ اپنی شانِ مغفرت کے ساتھ ہمارا ذکر کرے۔''[471]

عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: ان أهل السماء ليرون بيوت أهل الذكر تضيئ لهم كما تضيئ الكواكب لأهل الأرض۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آسمان والے اللہ کا ذکر کرنے والوں کے گھروں کو ایسے روشن دیکھتے ہیں جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔''[472]

---

[470] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱۶۴:۶، رقم:۳۰۳۶۳، ۱۲۶:۷، رقم:۳۴۶۹۸، عبد اللہ بن احمد، السنہ، ۳۷۹:۱، رقم:۸۲۳، عسقلانی، فتح الباری، ۴۸:۱، عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۲۱:۲)

[471] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱۷۰:۶، رقم:۳۰۴۲۶)

[472] (ابن ابی شیبہ المصنف ۱۷۰:۷، رقم: ۳۵۰۵۵، ابن حبان، طبقات المحدثین، ۲۸۲:۴، رقم:۶۶۸، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳۶۷:۱)

عن سابط رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ان البیت الذی یذکر فیہ لیضئ لأھل السماء کما تضئ النجوم لأھل الأرض۔

ترجمہ: ”وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ آسمان والوں کے لئے اس طرح روشن ہوتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے روشن ہوتے ہیں۔“[473]

عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: یقول اللہ جل و علا: سیعلم أھل الجمع الیوم من أھل الکرم؟ فقیل: من أھل الکرم، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک و سلم؟ قال: أھل مجالس الذکر فی المساجد۔

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قیامت کے دن اکٹھا ہونے والوں کو پتہ چلے گا کہ بزرگی اور سخاوت والے کون ہیں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیک وآلک وسلم، بزرگی والے کون لوگ ہیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مساجد میں مجالسِ ذکر منعقد کرنے والے۔“[474]

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ : أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: لیذکرن اللہ قومٌ فی الدنیا علی الفرش الممھدۃ یدخلھم الدرجات العلی۔

---

[473] (ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ۳:۳، مناوی، فیض القدیر، ۲:۳۲۵)

[474] (ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۸، رقم:۸۱۶، احمد بن حنبل، ۳:۶۸، رقم:۱۱۶۷۰، ۳:۷۶، رقم:۱۱۷۴۰، ابو یعلی، المسند، ۳:۷۶، رقم:۱۰۴۶، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۱، رقم:۵۳۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۵۳، رقم:۸۱۰۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۹، رقم:۲۳۱۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۶، ھیثمی، موارد الظمآن، ۱:۵۷۶، رقم:۲۳۲۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: دنیا میں کچھ لوگ بچھے ہوئے پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، وہ انہیں بزرگی والے درجات میں داخل کر دے گا۔“[475]

عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللہ تعالیٰ عنه عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: يجمع الناس فی صعيد واحد ينفذهم البصر ويسمعهم الداعی، فينادی مناد: سيعلم أهل الجمع لمن الكرم اليوم ثلاث مرات، ثم يقول: أين الذين كانت {تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ} (السجده، ١٦:٣٢) ثم يقول: أين الذين كانوا {لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ} (النور، ٣٧:٢٤) الی آخر الآية، ثم ينادی مناد: سيعلم الجمع لمن الكرم اليوم؟ ثم يقول: أين الحمادون الذين كانوا يحمدون ربهم۔

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ روزِ محشر تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا جہاں ہر آنکھ انہیں دیکھ سکے گی اور ہر پکارنے والا انہیں سنا سکے گا۔ روزِ محشر ایک منادی ندا دے گا: عنقریب جان لیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو اکرام کون ہیں؟ یہ جملہ تین بار دہرایا جائے گا، پھر کہے گا: کہاں ہیں وہ جن کے پہلو اُن کے بستر سے جدا رہتے تھے اور کہاں ہیں وہ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی؟ پھر وہ ندا دے گا: اہلِ محشر عنقریب جان لیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو اکرام کون ہیں؟ پھر کہے گا: کہاں ہیں اپنے رب کی بہت زیادہ حمد کرنے والے۔“[476]

---

[475](ابن حبان، الصحيح، ٢:١٢٤، رقم: ٣٩٨، ابويعلی، المسند، ٢:٣٥٩، رقم: ١١١٠، ٢:٥٢٧، رقم: ١٣٩١، منذری، الترغيب والترهيب، ٢:٢٥٦، رقم: ٢٣٠٢، هيثمی، موارد الظمآن، ٥٧٦، رقم: ٢٣١٩، هيثمی، مجمع الزوائد، ١٠:٧٨)

[476](هيثمی، مجمع الزوائد، ١٠:٧٨، حاكم، المستدرك، ٢:٤٣٣)

عن أسماء بنت يزيد رضى الله عنها، قالت: قال رسول الله صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم : یبعث اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ منادیا ینادی: سیعلم أهل الجمع الیوم من أولی بالکرم، أین الذین {لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ} فیقومون فیدخلون الجنة، ثم یرجع المنادی، فیقول: سیعلم أهل الجمع من أولی بالکرم أین الذی {تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ} فیدخلون الجنة، ثم یرجع المنادی، فیقول: سیعلم أهل الجمع من أولی بالکرم، فیقول: أین الحمادون اللہ علی کل شیٔ، وهم أکثر من الصنفین الأولین فیدخلون الجنة۔

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک منادی کو کھڑا کرے گا جو ندا دے گا: اہلِ محشر عنقریب جان لیں گے کہ صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں؟ کہاں ہیں وہ ”جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی“؟ پس وہ کھڑے ہوں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ منادی لوٹ آئے گا اور کہے گا اہل محشر عنقریب جان جائیں گے کہ آج صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں۔ کہاں ہیں وہ جن کے پہلو ان کے بستر سے جدا رہتے تھے؟“ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ منادی واپس آ کر پھر ندا دے گا اہل محشر عنقریب جان لیں گے کہ صاحبانِ سخاو کرم کون ہیں؟ پھر وہ کہے گا: کہاں ہیں ہر حال میں اللہ کا زیادہ حمد کے ساتھ ذکر کرنے والے؟ اور وہ پہلی دونوں قسموں سے زیادہ ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔“[477]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه: عن رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ لا یریدون بذلک الا وجهه الا ناداهم مناد من السماء: ان قوموا مغفورا لکم، قد بدلت سیئاتکم حسنات۔

---

[477] (عبد بن حمید، المسند، ۴۵۷:۱)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب کچھ لوگ محض اللہ کی رضاجوئی کی خاطر اجتماعی طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے: کھڑے ہو جاؤ! تمہیں بخش دیا گیا ہے، تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے گئے ہیں۔“[478]

عن سهيل بن حنظلة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم ما جلس قوم مجلسا يذكرون الله تعالیٰ فيه فيقومون حتى يقال لهم: قوموا! قد غفر لكم ذنوبكم و بدلت سيئاتكم حسنات۔

ترجمہ: ”حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب کچھ لوگ مجلسِ ذکر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اٹھتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے: کھڑے ہو جاؤ! تمہیں بخش دیا گیا ہے، تمہارے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے گئے ہیں“۔[479]

عن عبد الله بن بسر رضی الله تعالیٰ عنه: أن رجلا قال: يا رسول الله صلى الله عليک وآلک وسلم! ان شرائع الاسلام قد كثرت على فأخبرنى بشئ اتثبت به، قال: لا يزال لسانک رطبا من ذكر الله۔

---

[478] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۴۲، رقم:۱۲۴۷۶، ابو یعلی، المسند، ۹:۱٦۷، رقم: ۴۱۴۱، بیهقی نے ’شعب الایمان‘ (۱:۴۰۱، رقم:۵۳۴)میں حضرت عبد بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنه سے روایت لی هے، (ابو نعیم، حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ۳:۱۰۸، مقدسی، الاحادیث المختاره، ۷:۲۳۵، رقم:۲٦۷۷، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲٦۰، رقم:۲۳۲۰، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷٦)

[479] (طبرانی، المعجم الکبیر، ٦:۲۱۲، رقم:٦۰۳۹، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۴، رقم:٦۹۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲٦۰، رقم:۲۳۲۱، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷٦)

ترجمہ:"حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! شرعی احکام میری استطاعت سے زیادہ ہیں، لہٰذا آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس پر میں ثابت قدم رہوں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔"[480]

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، قال: سألت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم: أی الأعمال أحب الی اللہ؟ قال: أن تموت ولسانک رطب من ذکر اللہ۔

ترجمہ:"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: جب تجھے موت آئے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔"[481]

---

[480] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۸، رقم:۳۳۷۵، ابن ماجه، السنن، ۲:۱۲۴۶، رقم:۳۷۹۳، احمد بن حنبل، المسند، ۴:۱۹۰، ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۶، رقم:۸۱۴، ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۳، حاکم، المستدرک، ۱:۶۷۲، رقم:۱۸۲۲، طبرانی، المعجم الاوسط، ۲:۱۱۹، رقم:۱۴۴۱، بیهقی، السنن الکبریٰ، ۳:۳۷۱، رقم:۶۳۱۷، مقدسی، الاحادیث المختاره، ۹:۸۵، رقم:۶۸، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۰، ابن قانع، معجم الصحابه، ۲:۸۱)

[481] (ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۹، رقم:۸۱۸، بخاری، خلق افعال العباد: ۷۲، طبرانی، المسند الشامیین، ۱:۱۲۲، رقم:۱۹۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰:۹۳، رقم:۱۸۱، ۲۰:۱۰۷، رقم:۲۱۲، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۳، رقم:۵۱۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۶۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۱۲۵۳، رقم:۲۲۹۱، هیثمی، موارد الظمآن، ۵۷۶، رقم:۲۳۱۸، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴، حسینی، البیان والتعریف، ۱:۳۰، رقم:۵۳)

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان الذین لا تزال ألسنتھم رطبة من ذکر اللہ یدخلون الجنة وھم یضحکون۔

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہتی ہیں وہ جنت میں مسکراتے ہوئے داخل ہوں گے۔“[482]

عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سئل النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: أی الأعمال أفضل؟ قال: أن تموت یوم تموت ولسانک رطب من ذکر اللہ۔[483]

ترجمہ: ”حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا: اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: جس دن تجھے موت آئے، اس وقت تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔“

عن أبی المخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: مررت لیلة أسری بی برجل مغیب فی نور العرش، فقلت: من ھذا، أملک؟ قیل: لا، قلت: أنبی؟ قیل: لا، قلت: من ھو: قال: ھذا رجل کان لسانہ رطب من ذکر اللہ وقلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط۔

ترجمہ: ”حضرت ابو مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: معراج کی رات میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا، وہ عرش کے انوار میں مستور تھا۔ میں نے کہا: یہ کون شخص ہے؟ کیا یہ فرشتہ ہے؟ کہا گیا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا یہ کوئی نبی

---

[482] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱۱۱:۷، رقم:۳۴۵۸۷، ۷: ۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۲، ابن مبارک، الزھد، ۳۹۷:۱، ابن ابی عاصم، الزھد، ۱۳۶:۱، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۵:۱، ابو نعیم، حلیة الاولیاء، ۲۱۹:۱، ۱۳۳:۵، ابن جوزی، صفة الصفوہ، ۶۳۹:۱، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳۶۲:۱)

[483] (ابن مبارک، الزھد، ۴۰۱:۱)

ہے؟ کہا گیا نہیں۔ میں نے کہا: تو پھر یہ کون ہے؟ کہا: یہ وہ ذاکر ہے جس کی زبان اللہ کے ذکر سے ہر وقت تَر رہتی تھی اور اس کا دل مسجدوں میں معلق رہتا تھا اور اس نے کبھی اپنے والدین کو گالی نہیں دی۔"[484]

عن عبد اللّٰہ بن بسر المازنی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال جاء أعرابی الی النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقال: یا رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! أی الناس خیر؟ قال: طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔ قال: یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک وآلک وسلم! أی الأعمال أفضل؟ قال: أن تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللّٰہ۔

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کون سے لوگ افضل ہیں؟ فرمایا: مبارک ہو اس کو جس نے نیک عمل کے ساتھ لمبی عمر پائی۔ دیہاتی نے عرض کیا: کون سے اعمال افضل ہیں؟ ارشاد فرمایا: تیرا دل دنیا سے کٹ جائے اور تیری زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے۔"[485]

عن عبد اللّٰہ بن بسر المازنی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: جاء أعرابیان الی النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ وَسلَّم فقال احدھما: یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک وآلک وسلم! أی الناس خیر؟ فقال: طوبی لمن طال عمرہ وحسن عملہ۔ فقال الآخر: أی العمل خیر؟ قال: أن تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللّٰہ تعالیٰ۔ قال: یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک وآلک وسلم! ویکفینی، قال: نعم، ویفضل عنک۔[486]

---

[484] (ابن ابی الدنیا، الاولیاء، ۳۸: ۱، رقم: ۹۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲۵۳: ۲، رقم: ۲۲۹۲)
[485] (ابن جعد، المسند، ۲۹۴: ۱، رقم: ۳۴۳۱)
[486] (شیبانی، الآحاد والمثانی، ۵۱: ۳)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ اقدس میں دو دیہاتی حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! کون سے لوگ افضل ہیں؟ فرمایا: مبارک ہو جس نے نیک عمل کے ساتھ لمبی عمر پائی۔ دوسرے اعرابی نے عرض کیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تیرا دنیا کی محبت سے الگ ہونا اور تیری زبان کا اللہ کے ذکر سے تر رہنا۔ اس نے عرض کیا: کیا یہ میرے لئے کافی ہے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمای: ہاں، بلکہ یہ زیادہ بھی ہو جائے گا۔“

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: مامن بقعۃ یذکر اللہ أو بذکر الا استبشرت بذلک الی منتھاھا من سبع أرضین وفخرت علی ماحولھا من البقاع، ومامن عبد یقوم بفلاۃ من الأرض یرید الصلوۃ الا تزخرفت لہ الأرض۔

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: زمین کا ہر وہ خطہ جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ اس ذکر کی وجہ سے ساتوں زمینوں کی انتہا تک خوشی مناتا ہے اور اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور جب بھی بندہ بنجر زمین پر کھڑا ہو کر نماز کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر زمین فخر کرتی ہے۔“[487]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم: مامن بقعۃ یذکر اللہ الا فخرت علی ما حولھا من البقاع واستبشرت بذکر اللہ منتھاھا الی سبع أرضین۔

[487] (ابو یعلی، المسند، ۱۴۳:۷، رقم: ۴۱۱۰، ابن مبارک، الزھد، ۱:۱۱۵، رقم: ۳۳۹، قزوینی، التدوین فی اخبارِ قزوین، ۴:۱۶، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۶۲، رقم: ۵۹۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۸)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس خطہ ارضی پر اللہ کا ذکر کیا جائے وہ اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور اللہ کے ذکر کی وجہ سے ساتوں زمینوں کی انتہاء تک خوشی مناتا ہے۔[488]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ما من بقعة یذکر اللہ الا فخرت علی ما حولها من البقاع، وما من عبد یقوم بفلاة من الأرض الا استبشرت لذکر اللہ الی منتهاها الی سبع أرضین۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس خطۂ ارضی پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور بنجر زمین کا وہ خطہ جس پر کوئی شخص نماز ادا کرتا ہے اپنے ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے اور اللہ کے ذکر سے ساتوں زمینوں کی انتہا تک خوشی مناتا ہے۔"[489]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ما من بقعة یذکر اسم اللہ وذکر الا استشرف بذکر اللہ الی منتهاها من سبع أرضین الا فخرت علی ما حولها من البقاع۔

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: زمین کے جس خطہ پر اسم الٰہی کا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے وہ ساتوں زمینوں کی انتہاء تک شرف والا ہو جاتا ہے اور ارد گرد کے خطوں پر فخر کرتا ہے۔"[490]

---

[488] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱:۱۹۳، رقم: ۱۱۴۷۰)
[489] (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹)
[490] (ابن حیان، العظمه، ۵:۱۷۱۲، ۱۷۱۳)

قال عبد الله بن مسعود رضی الله عنهما: ان الجبل لینادی الجبل باسمه: أی فلان! هل مر بک أحد ذکر الله؟فاذاقال: نعم، استبشر۔

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پکارتا ہے: اے فلاں (پہاڑ)! کیا تیرے پاس سے کوئی اللہ کا ذاکر گزرا ہے؟ پس جب وہ پہاڑ ”ہاں“ میں جواب دیتا ہے تو وہ خوشی مناتا ہے۔“[491]

قال أبو الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه اذکرو الله کل حجیرة وشجیرة لعلها تأتی یوم القیامةتشهدلکم۔

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہر حجر و شجر کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ قیامت کے دن وہ تمہارے حق میں گواہی دے۔“[492]

عن أسماء بنت یزید رضی الله عنها: أنها سمعت رسول الله صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم یقول: ألا أنبئکم بخیارکم؟قالوا: بلی، یارسول الله صلی الله علیک وآلک وسلم! قال: خیارکم الذین اذارؤوا ذکر الله۔

”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم میں سے سب سے بہتر کے بارے میں تمہیں خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم!

---

[491] (طبرانی، المعجم الکبیر ۱۰۳: ۹، رقم: ۸۵۴۳، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۲، رقم: ۵۳۸، ۴۵۳: ۱، رقم: ۶۹۱، ابو نعیم، حلیة الأولیاء، ۴:۴۲، ابن حیان، العظمه، ۵:۱۷۱۷، رقم: ۱۱۷۶۲ ۲۶۱۱، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۱۴۰)

[492] (طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۳۸۸، رقم: ۶۷۱، ابن حیان، العظمه، ۵:۱۷۱۳، عجلونی، کشف الخفاء، ومزیل الالباس، ۲:۱۸، رقم: ۱۵۶۶)

کیوں نہیں۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں کہ جنہیں دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔"[493]

عن أسماء بنت يزيد رضى الله عنها: أن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم قال: ألا أخبركم بخياركم؟ قالوا: بلى، يا رسول الله صلى الله عليك و آلک وسلم! قال: الذين اذا رؤوا ذكر الله۔

"حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا میں تم میں سے بہتر کے بارے میں تمہیں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کیوں نہیں۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکر الٰہی کا باعث ہو جائے۔"[494]

عن عبد الرحمن ابن غنم، يبلغ به النبى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم : خيار عباد الله الذين اذا رؤوا ذكر الله۔[495]

"حضرت عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں: اللہ کے سب سے بہترین بندے وہ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔"

---

[493] (ابن ماجه، السنن، ۹۷ ۱۳ : ۲، رقم: ۴۱۰۹)

[494] (احمد بن حنبل، المسند، ۶:۴۵۹، رقم: ۲۷۶۴۰، بخاری، الادب المفرد، ۱:۱۱۹، رقم: ۳۲۳، ابن راهويه، المسند، ۱۸۰، رقم: ۲۴، ابن حميد، المسند، ۱:۴۵۷، رقم: ۱۵۸۰، طبرانی، المعجم الكبير، ۲۴:۱۶۷، رقم: ۴۲۴، بيهقی، شعب الايمان، ۷:۴۹۴، رقم: ۱۱۱۰۸، ديلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۷۱، رقم: ۳۶۵۷، هيثمی، مجمع الزوائد، ۸:۹۳، ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۴:۴۰۵)

[495] (احمد بن حنبل، المسند، ۴:۲۲۷، بزار، المسند، ۷:۱۵۸، رقم: ۲۷۱۰، منذری، الترغيب والترهيب، ۳:۳۲۵، رقم: ۲۴۷۶، ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۴:۴۰۵)

عن عبادة بن ال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان خیار أمتی الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبادہ بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[496]

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان من الناس مفاتیح لذکر اللہ اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بعض لوگ اللہ کے ذکر کی چابیاں ہیں کہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث بنتا ہے۔“[497]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم أنہ قال: خیارکم الذین اذا رؤوا ذکر اللہ بھم۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو۔“[498]

---

[496] (بزار، المسند، ۱۵۸:۷، رقم: ۲۷۱۹)

[497] (طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰۵:۱۰، رقم: ۱۰۴۷۶، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۷۸:۱۰، ابن ابی دنیا، الاولیاء، ۱۷:۱، رقم: ۲۶، بیھقی، شعب الایمان، ۴۵۵:۱، رقم: ۶۹۹، شیبانی، العلل ومعرفۃ الرجال، ۱۷۱:۳، رقم: ۴۷۶۰، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۳۱:۱۱، ابوزکریا، تاریخ ابن معین، ۴۱۴:۳، رقم: ۲۰۲۵)

[498] (بیھقی، شعب الایمان، ۲۹۷:۵، رقم: ۶۷۰۸)

عن سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال: سئل رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم عن أولیاء اللہ فقال: الذین اذا رؤوا ذکر اللہ تعالیٰ۔

”حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے اولیاء اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[499]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رجل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! من أولیاء اللہ؟ قال: الذین اذا رؤوا ذکر اللہ۔

”حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کون ہیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ جنہیں محض دیکھنا ہی ذکرِ الٰہی کا باعث ہو جائے۔“[500]

عن خالد بن معدان، قال: ان اللہ یتصدق کل یوم بصدقۃ فما تصدق علی عبدہ بشئ أفضل من ذکرہ۔

خالد بن معدان سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ روزانہ خیرات عطا کرتا ہے پس بندے کو اپنے ذکر سے افضل کوئی خیرات عطا نہیں کرتا۔[501]

---

[499] (طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۳۱: ۱۱، ۱۳۲، ابن مبارک، الزھد، ۷۲: ۱، رقم: ۲۱۷، ابن ابی دنیا، الاولیاء، ۱۸: ۱، رقم: ۲۷)

[500] (ھیثمی، مجمع الزوائد، ۷۸: ۱۰، ابن مبارک، الزھد، ۷۲: ۱، رقم: ۲۱۸، حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم ۸۰: ۴، ۸۶، مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۱۰۸: ۱۰، ۱۰۹، رقم: ۱۰۶، ۱۰۵، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴۲۳: ۲، حسینی، البیان والتعریف، ۳۰۸: ۱، رقم: ۸۲۷)

[501] (ابن ابی شیبہ، المصنف ۶۱: ۶، رقم: ۲۹۴۸۱، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۳۶۳: ۱)

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ما من یوم و لا لیلۃ و لا ساعۃ الا و اللہ تعالیٰ فیھا صدقۃ، یمنّ بھا علی من یشاء من عبادہ، و ما منّ علی عبد بمثل أن یلھمہ ذکرہ۔

"حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ہر دن اور رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے خیرات سے نوازتا ہے اور کسی بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کی توفیق سے بڑھ کر کسی خیرات سے نہیں نوازا۔"[502]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: ان اللہ تبارک و تعالیٰ یقول: یا ابن آدم! انک اذا ذکرتنی شکرتنی، و اذا نسیتنی کفرتنی۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! جب تونے میرا ذکر کیا تو میرا شکر ادا کیا، اور جب تو میرے ذکر سے غافل ہوا تو میری ناشکری کی۔"[503]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم یقول: ألا! ان الدنیا ملعونۃ، ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ، و ما والاہ و عالم أو متعلم۔

---

[502] (بزار، المسند، ۹:۳۳٦، رقم:۳۸۹۰، شیبانی، الآحاد والمثانی، ۲:۲۳۱، رقم:۲۸۹، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۷، رقم: ۲۳۰۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۲:۲۳۷، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۹:۳۴۷، سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳٦۳)

[503] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۷:۲۰۰، رقم:۷۲٦۵، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳:۱۸۱، رقم:۴۴۹۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۴، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴:۳۳۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۹، مناوی، فیض القدیر، ۴:۴۸۰)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خبر دار! بے شک دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر اور اس چیز کے جو ذکر میں مدد دے، اور عالم اور متعلم۔“

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیہا الا عالم أو متعلم و ذکر اللہ و ما والاہ۔

حضرت (عبد اللہ) بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب ملعون ہے سوائے عالم، متعلم، ذکرِ الٰہی اور اس کے مددگار کے۔[504]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ و ما أدی ذکر اللہ و العالم و المتعلم فی الأمر سواء و سائر الناس ھمج لا خیر فیھم۔

”حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی اور اس کے جو ذکرِ الٰہی میں مددگار ثابت ہو اور عالم اور متعلم کے، ان کا حکم ایک جیسا ہے اور (ذکرِ الٰہی سے غافل) تمام لوگ رذیل ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں۔“[505]

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل عن الفارین و ذاکر اللہ فی الغافلین کالمصباح فی البیت المظلم، و ذاکر اللہ فی اللہ مقعدہ و لا یعذب بعدہ و ذاکر اللہ فی الغافلین لہ من الأجر

---

[504] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۲۳۶، رقم:۴۰۷۲، طبرانی، المسند الشامیین، ۱:۱۰۷، رقم:۱۶۳، ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۲)

[505] (ابن ابی عاصم، کتاب الزھد، ۱:۱۳۷، ابن مبارک، الزھد، ۱:۱۹۲، رقم:۵۴۳، بیہقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱:۲۶۹، رقم:۳۸۳، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۶:۴۱۵)

بعدد کل فصیح فی السوق واعجمی، وذاکر اللہ فی الغافلین ینظر اللہ الیہ نظرۃ لا یعذبہ اللہ بعدھا أبدا وذاکر اللہ فی السوق لہ بکل شعرۃ نور یوم القیامۃ۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: غافلین میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے بعد برسرپیکار رہنے والے کی مانند ہے۔ غافلین میں ذکر کرنے والا تاریک گھر میں چراغ کی مانند ہے۔ غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی ہی میں جنت میں اس کا مقام دکھا دیتا ہے اور غافلین میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو تمام ناطق و غیر ناطق افراد کی تعداد کے برابر اجر دیا جاتا ہے اور غافلین میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ایسی نظر فرماتا ہے کہ اس کے بعد اسے کبھی عذاب نہیں دے گا اور بازار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کے ہر بال پر قیامت کے دن نور ہو گا۔“[506]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما، عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ذاکر اللہ فی الغافلین بمنزلۃ الصابر فی الفارین۔

حضرت (عبد اللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا (میدان جنگ سے) بھاگنے والوں کے درمیان ثابت قدم رہنے والے کے درجہ میں ہے۔“[507]

---

[506] (بیہقی، شعب الایمان، ۲:۴۱۲، رقم:۵۶۷، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۳۳۷، رقم:۲۶۲۲، ابن مبارک، الزھد، ۱:۱۲۲، رقم:۳۵۷، بزار، المسند، ۵:۱۲۶، رقم:۱۷۵۹)

[507] (طبرانی، المعجم الاوسط، ۱:۹۰، رقم:۲۷۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰:۱۶، رقم:۹۷۹۷، منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۳۳۸، رقم:۲۶۲۳، دیلمی، الفردوس بالماثور الخطاب، ۲:۲۴۲، رقم:۳۱۳۹، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۴:۲۶۸، مناوی، فیض القدیر، ۳:۵۵۸)

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم : ذاکر فی الغافلین مثل الذی یقاتل عن الفارین، و ذاکر اللہ فی الغافلین مثل الشجرة الخضراء فی وسط الشجر، الذی قد تحات یعنی من الضریب، ذاکر اللہ فی الغافلین یعرفہ اللہ تعالیٰ مقعدہ فی الجنة۔

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: غافلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کی مثال میدانِ جنگ میں راہِ فرار اختیار کرنے والوں میں سے لڑنے والے کی طرح ہے اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال خزاں رسیدہ درختوں کے درمیان سبز درخت کی طرح ہے اور غافلوں میں ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا مقام دکھا دیتا ہے۔"[508]

"حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے! اہلِ ذکر اور اہلِ غفلت کی مثال روشنی اور تاریکی کی سی ہے۔"

عن عمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: فقلت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! فهل من دعوة أقرب من أخرى أو ساعة؟ قال: نعم، ان أقرب ما یکون الرب من العبد جوف اللیل الآخر، فان استطعت أن تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعة فکن۔

حضرت عَمَر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! کیا کوئی دعا یا گھڑی کسی دوسری دعا یا گھڑی سے بڑھ کر اللہ کا قرب بخشنے والی ہے؟ آقا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم

---

[508] (بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۱، رقم:۵۶۵، ابو نعیم، حلیة الالیاء و طبقات الاصفیاء، ۶:۱۸۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۲۴۲، رقم: ۳۱۴۰، ذهبی، میزان الاعتدال، ۵:۲۹۵، رقم:۶۳۱۷، عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الالباس، ۱:۵۰۵، رقم:۱۳۴۶)

نے فرمایا: ہاں، بے شک اللہ رب اللہ العزت رات کے آخری پہر میں بندے کے انتہائی قریب ہوتا ہے، اگر تم سے ہو سکے تم اس گھڑی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔[509]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم بعث بعثا قبل نجد فغنموا غنائم کثیرۃ فأسرعوا الرجعة، فقال رجل ممن لم یخرج ما راینا بعثا اسرع رجعة ولا أفضل غنیمة من ھذا البعث، فقال صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم: ألا أدلکم علی قوم أفضل غنیمة وأسرع رجعة؟ قوم شھدوا صلوٰۃ الصبح، ثم جلسوا یذکرون اللہ حتی طلعت علیھم الشمس فأولٰئک أسرع رجعة وأفضل غنیمة۔

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے نجد کی طرف لشکر بھیجا۔ انہوں نے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا اور بہت جلد واپس آ گئے جو لوگ اس لشکر میں نہیں تھے ان میں سے ایک نے کہا: ہم نے اس لشکر سے زیادہ کسی لشکر کو اتنی جلدی واپس آتے اور اتنا مالِ غنیمت لاتے نہیں دیکھا۔ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی قوم نہ بتاؤں جو مالِ غنیمت حاصل کرنے میں اس سے بھی بہتر ہے اور واپسی کے لحاظ سے اس سے تیز ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں، پھر طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت جلد واپس ہونے والے اور بہتر غنیمت حاصل کرنے والے ہیں۔“[510]

---

[509] (ابن خزیمہ، الصحیح، ۲:۱۸۲، رقم:۱۱۴۷، حاکم، المستدرک، ۱:۴۵۳، رقم:۱۱۶۲، نسائی، السنن، ۱:۲۷۹، رقم:۵۷۹، نسائی، السنن الکبریٰ، ۱:۴۸۲، رقم:۱۵۴۴، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳:۴، رقم:۴۴۳۹، طبرانی، المسند، ۱:۳۴۹، رقم:۲۰۵، عبدالبر، التمہید، ۲۲:۴۴)

[510] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۵۹، رم:۳۵۶۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۹، رقم:۶۷۶، ابن قیم، اعلام الموقیف، ۴:۳۰۷)

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: من صلی صلاة الصبح ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس وجبت له الجنة۔

”حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر ذکرِ الٰہی میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا تو اس پر جنت واجب ہو گئی۔“[511]

عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم : من صلی صلاة الغداة فی جماعة ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم قام فصلی رکعتین انقلب بأجر حجة وعمرة۔

”حضرت ابو عمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے طلوع آفتاب تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہا پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز (اشراق) ادا کی اسے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔“[512]

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَسَلَّم قال سبعة یظلهم اللہ فی ظله یوم لا ظل الا ظله الامام العادل، وشاب نشا فی عبادة ربه، ورجل قلبه معلق فی المساجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیه وتفرقا علیه، ورجل طلبته امراة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق اخفی حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناه۔

---

[511](ابویعلی، المسند، ۳:۶۲، رقم:۱۴۹۵، ۳:۶۱، رقم:۱۴۸۷، هیثمی، لمجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۱۷۸، رقم:۶۶۹، مناوی، فیض القدیر، ۶:۱۶۵، خطیب بغدادی، موضح اوهام الجمع والتفریق، ۲:۹۰)

[512](طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۷۸، رقم:۷۷۴۱، طبرانی، مسند الشامیین، ۲:۴۲، رقم:۸۸۵، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۷۰، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۱۷۹، رقم:۶۷۲، هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۴)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا: عادل حکمران اور ایسا جوان جو اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھا ہو اور ایسا شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا (معلق) رہتا ہو اور ایسے دو اشخاص جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور اللہ کے لئے اکٹھے ہوں اور اسی کے لئے جدا ہوں اور ایسا شخص جس کو صاحبِ منصب و جمال عورت برائی کی دعوت دے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایسا شخص جو کہ ایسے چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا علم نہ ہو اور ایسا شخص جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے۔“[513]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم ان اللہ یقول یوم القیامۃ این المتحابون بجلالی؟ الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت و جلالت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے آج کہاں ہیں؟ میں انہیں اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا کروں گا کہ جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔“[514]

---

[513] (بخاری، الصحیح، ۲۳۴:۱، رقم: ۶۲۹، بخاری، الصحیح، ۵۱۷:۲، رقم: ۱۳۵۷، مسلم، الصحیح ۷۱۵:۲، رقم: ۱۰۳۱، ترمذی، الجامع الصحیح، ۵۹۸:۴، رقم: ۲۳۹۱، احمد بن حنبل، المسند، ۴۳۹:۲، مالک، الموطا، ۹۵۲:۲، رقم: ۱۷۰۹، ابن حبان، الصحیح، ۳۳۲:۱۶، رقم: ۷۳۳۸، بیھقی، شعب الایمان، رقم: ۳۴۳۹)

[514] (مسلم، الصحیح، ۱۹۸۸:۴، رقم: ۲۵۶۶، مالک، الموطا، ۹۵۲:۲، رقم: ۱۷۰۸، احمد، المسند، ۳۷۰:۲، دارمی، السنن، ۴۰۳:۲، رقم: ۲۷۵۷، ابن مبارک، الزھد، ۲۴۷:۱، رقم: ۷۱۱، ابن حبان، الصحیح، ۳۳۴:۲، رقم: ۵۷۴، طیالسی، المسند، ۳۰۷، رقم: ۲۳۳۵، بیھقی، السنن الکبریٰ، ۲۳۲:۱۰، بیھقی، شعب الایمان، ۴۸۲:۶، رقم: ۸۹۹۰)

عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم أن رجلا سأل فقال: أی الجهاد أعظم أجرا؟ قال: أكثرهم للّٰه تبارک و تعالیٰ ذكرا۔ قال: فأی الصائمين أعظم أجرا؟ قال: أكثرهم للّٰه تبارک وتعالیٰ ذكرا، ثم ذكر لنا الصلاة والزكاة والحج والصدقة، كل ذلک رسول الله صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم يقول: أكثرهم للّٰه تبارک وتعالیٰ ذكرا۔ فقال أبو بكر رضی اللہ تعالیٰ عنه لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه: يا أبا حفص! ذهب الذاكرون بكل خير، فقال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: أجل۔

”حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے سوال کیا کہ کون سا جہاد اجر میں سب سے افضل ہے؟ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ اس نے عرض کی: روزہ داروں میں سے کس کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہے، پھر سائل نے ہمارے سامنے نماز، زکوۃ، حج اور صدقے سے متعلق پوچھا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر ایک کے بارے میں یہی فرماتے رہے: جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہو اس کا اجر زیادہ ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے ابو حفص! اللہ کا ذکر کرنے والے تمام نیکیاں لے گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بالکل۔“[515]

[515] (احمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۳۸، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰:۱۸۶، رقم:۴۰۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۱۷۱، رقم:۱۹۷۹، ۲:۲۵۷، رقم: ۲۳۰۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴ حسینی، البیان والتعریف، ۱:۱۳۲، رقم:۳۴۸، اس حدیث کی اسناد حسن ھیں)

عن أم حبيبة رضی اللہ عنہا زوج النبی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم عن النبی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم قال: کل کلام ابن آدم علیہ لا له الا أمر بمعروف او نهی عن منکر، او ذکر اللہ۔

”ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے اور اللہ کا ذکر کرنے کے علاوہ ابن آدم کا کوئی بھی کلام اس کے لئے فائدہ مند نہیں۔“[516]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذکر اللہ شفاء القلوب۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کا ذکر دلوں کے لئے شفاء ہے۔“[517]

عن عون ابن عبد اللہ قال: مجالس الذکر شفاء القلوب۔

”حضرت عون بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: مجالسِ ذکر دلوں کے لئے شفاء ہیں۔“[518]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم: لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعة من ولد اسماعیل، ولان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ العصر الی ان تغرب الشمس أحب الی من أن أعتق أربعة۔

---

[516] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۴۰۸:۴، رقم: ۲۴۱۲، حاکم، المستدرک، ۲:۵۵۷، رقم: ۳۸۹۲، ابو یعلی، المسند، ۱۳:۵۶، رقم: ۲۱۳۲، عبد بن حمید، المسند، ۱:۴۴۸، رقم: ۱۵۵۴، قضاعی، مسند الشھاب، ۱:۲۰۲، رقم: ۳۰۵، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۳، رقم: ۵۱۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۳:۳۴۵، رقم: ۴۳۶۷، ابن عبد البر، التمھید، ۲۰۲۲، فاکھی، اخبار مکہ، ۳:۳۲۹)

[517] (عجلونی، کشف الخفاء، ۱:۵۰۵)

[518] (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ۴:۲۴۱)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: نمازِ فجر سے طلوعِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے اولادِ اسماعیل میں سے چار غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، اور نمازِ عصر سے غروبِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“[519]

عن أنسِ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم: لان اجلس مع قوم یذکرون اللہ بعد صلاۃ الصبح الی ان تطلع الشمس أحب الی مما طلعت علیہ الشمس، ولان اجلس مع قوم یذکرون اللہ بعد العصر الی ان تغیب الشمس أحب الی من ان أعتق ثمانیۃ من ولد اسماعیل دیۃ کل رجل منھم اثنا عشر ألفا۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: نمازِ فجر سے طلوعِ شمس تک اللہ کا ذکر کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے اور وہ لوگ جو نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں ان کے ساتھ بیٹھنا مجھے اولادِ اسماعیل میں سے آٹھ آدمیوں کو آزاد کرانے سے زیادہ محبوب ہے جن میں سے ہر ایک کی دیت بارہ ہزار ہے۔“[520]

---

[519] (ابو داؤد، السنن، ۳:۳۲۴، رقم: ۳۶۶۷، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۱۹، رقم:۳۳۹۲، طبرانی، المعجم الاوسط، ۶:۱۳۷، رقم:۶۰۲۲، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۹، رقم:۵۶۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۱:۱۷۸، رقم:۶۶۸، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۰۵)

[520] (بیھقی، السنن الکبریٰ، ۸:۳۸، ابو یعلی، المسند، ۷:۱۵۴، رقم:۴۱۲۶-۴۱۲۵، حارث، المسند، ۲:۹۵۰، رقم:۱۰۴۸، بیھقی، السنن الکبریٰ، ۸:۷۹، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۹، رقم:۵۶۰، ۱:۴۱۰، رقم:۵۶۲، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۸۱)

عن سالم قال: قیل لأبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه: ان أبا سعد بن منبه جعل فی ماله مائة محررة، فقال: ان مائة محررة فی مال رجل لکثیر، ألا أخبرکم بأفضل من ذلک ایمان ملزوم باللیل والنهار ولا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ۔

''حضرت سالم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ ابو سعد بن منبہ نے اپنے مال سے سو غلاموں کو آزاد کیا ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آدمی کا اپنے مال سے سو غلام آزاد کرنا بہت بڑی بات ہے لیکن کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ فضیلت والی بات نہ بتاؤں؟ وہ ہے دن رات ایمان پر قائم رہنا اور تیری زبان کا ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا۔''[521]

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: یقول اللہ تعالیٰ أخرجوا من النار من ذکرنی یوما أو خافنی فی مقام۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا یا کسی مقام پر بھی مجھ سے ڈرا اسے آگ سے نکال دو۔''[522]

---

[521] (ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲:۵۹، رقم:۲۹۴۶۴، ۷:۱۷۰، رقم:۳۵۰۵۷، ضبی، کتاب الدعاء ۱:۲۶۸، رقم:۹۱، ابن ابی عاصم، الزهد، ۱:۱۳۶، ابو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱:۲۱۹، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۳۵، رقم:۶۲۷، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۳۸، ۱:۴۴۵، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۳، رقم:۲۲۹۳، سیوطی، الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱:۳۶۲)

[522] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۶:۷۱۲، رقم:۲۵۹۴، ابن ابی عاصم، السنه، ۲:۴۰۰، رقم:۸۳۳، ابن ابی عاصم، کتاب الزهد، ۱:۳۶۹، حاکم، المستدرک، ۱:۱۴۱، رقم:۲۳۴، بیهقی، الاعتقاد، ۱:۲۰۱، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۷۰، رقم:۷۴۰، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۴۴، رقم:۸۰۸۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۴:۱۳۰، رقم:۵۱۰۸، ابن حیان، طبقات المحدثین باصبهان، ۳:۱۶، رقم:۲۴۲)

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: من ذکر اللہ ففاضت عیناہ من خشیۃ اللہ حتی یصیب الأرض من دموعہ لم یعذبہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے خشیت کی وجہ سے آنسو جاری ہوگئے یہاں تک کہ اس کا ایک آنسو زمین پر گر پڑا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کوئی عذاب نہیں دے گا۔“[523]

عن أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم قال: اذا ذھب ثلثا اللیل قام، فقال: یاأیھا الناس اذکروا اللہ جاءت الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ جاء الموت بما فیہ جاء الموت بما فیہ۔

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کھڑے ہوگئے اور فرمایا: اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، الہ کا ذکر کرو، ہلا دینے والی آگئی، اس کے بعد پیچھے آنے والی۔ موت اپنی سختی کے ساتھ آگئی، موت اپنی سختی کے ساتھ آگئی۔“[524]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما، قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم : یصاح برجل من أمتی یوم القیامۃ علی رؤس الخلائق فینشر لہ تسعۃ و

---

[523] (حاکم، المستدرک، ۴:۲۸۹، رقم:۷۶۶۸، طبرانی، المعجم الاوسط، ۶:۱۹۶، رقم:۶۱۷۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۴:۱۱۳، رقم:۵۰۲۳)

[524] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۴:۶۳۶، رقم:۲۴۵۷، عبدبن حمید، المسند، ۱:۸۹، رقم:۱۷۰، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۴، رقم:۵۱۷، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۴، رقم:۵۱۷، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۲۷۲، رقم:۸۱۶۰، ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۱:۲۵۶، مقدسی، الاحادیث المختارۃ، ۳:۳۸۹، رقم:۱۱۸۴، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۳۲۷، رقم:۲۵۷۷)

تسعون سجلا، کل سجل مد البصر، ثم یقول اللہ تعالیٰ: ھل تنکر من ھذا شیئا؟فیقول: لا، یارب! فیقول: أظلمتک کتبتی الحافظون؟ثم یقول ألک عن ذلک حسنة فیھاب الرجل، فیقول: لا فیقول بلی ان لک عندنا حسنات و انه لا ظلم علیک الیوم فتخرج له بطاقة، فیھا اشھد ان لا اله الا اللہ و أن محمدا عبدہ و رسوله، قال فیقول: یا رب، ما ھذہ البطاقة مع ھذہ السجلات؟ فیقول انک لا تظلم فتوضع السجلات فی کفة، و البطاقة فی کفة، فطاشت السجلات، و ثقلت البطاقة۔

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر پھیلا دیئے جائیں گے۔ ہر رجسٹر حد نظر تک پہنچ رہا ہو گا پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کر سکتا ہے؟ آدمی کہے گا: اے رب! نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ کیا اس حوالے سے تیرے پاس کوئی نیکی ہے؟ آدمی خوفزدہ ہو جائے گا، جواباً کہے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس تیری نیکیاں ہیں اور بے شک آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر اس کے لئے ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں ہو گا: **أشھد أن لا الہ الا اللہ و أشھد أن محمد عبدہ ورسوله۔** حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ آدمی کہے گا: اے پروردگار، یہ پرچہ ان رجسٹروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: بے شک تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا، پھر رجسٹروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور پرچے کو دوسرے پلڑے میں، رجسٹر اوپر اٹھ جائیں گے اور پرچہ بھاری ہو جائے گا۔“[525]

[525](ابن ماجه، السنن، ۴۳۰۰:۲، رقم:۱۴۳۷، حاکم، المستدرک، ۷۱۰:۱، رقم:۱۹۳۷، کنانی، جزءالبطاقه، ۳۴:۱، ذهبی، معجم المحدثین، ۴۸:۱، ابن قیم، حاشیه علی سنن ابی داؤد، ۷۰:۱۳)

عن أنسِ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: ان الشیطان واضع خطمه علی قلب ابن آدم، فان ذکر اللہ خنس وان نسی التقم قلبه۔

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: شیطان نے اپنا منہ ابن آدم کے دل پر رکھا ہوا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے۔“[526]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا سها وغفل وسوس واذا ذکر اللہ خنس۔

”حضرت (عبد اللہ) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: شیطان ہر وقت بندے کے دل پر سوار رہتا ہے، اگر وہ بھول جائے یا غافل ہو جائے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔“[527]

عن عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ما من آدمی الا لقلبه بیتان: فی أحدهما الملک وفی الآخر الشیطان، فاذا ذکر اللہ خنس واذا لم یذکر اللہ وضع الشیطان منقره فی قلبه ووسوس۔[528]

---

[526] (ابو یعلی، المسند، ۷:۲۷۸، رقم: ۴۳۰۱، بیهقی، شعب الایمان، ۱:۴۰۳، رقم: ۵۴۰، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۷۹، رقم: ۳۶۹۱، منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۲۵۷، رقم: ۲۳۰۷، هیثمی، مجمع الزوائد، ۷:۱۴۹، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۸۶)

[527] (ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۱۳۵، رقم: ۳۴۷۷۴، مقدسی، الاحادیث المختاره، ۱۰:۳۶۷، رقم: ۳۹۳، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۷۶-۵۷۶، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۳۰:۳۵۵، مناوی، فیض القدیر، ۲:۳۵۸، عسقلانی، فتح الباری، ۸:۹)

[528] (حصن حصین، ۶۹)

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ہر آدمی کے دل میں دو مکان ہیں: ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور دوسرے میں شیطان، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ لیتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے۔"

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مامن مولود الا علی قلبہ الوساوس، فان ذکر اللہ خنس وان غفل وسوس۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی مولود ایسا نہیں جس کے دل پر وسوسہ اندازی کرنے والا نہ ہو، پس اگر وہ بندہ اللہ کا ذکر کرے تو وسوسہ اندازی کرنے والا پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ اس سے غافل ہو جائے تو وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔"[529]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم قال: یقعد الشیطان علی فاقیۃ رأس أحدکم اذا ھو نام ثلاث عقد، یضرب کل عقدۃ، علیک لیل طویل فارقد، فان استیقظ فذکر اللہ انحلت عقدۃ، فان توضأ انحلت عقدۃ فان صلی انحلت عقدۃ فأصبح نشیطا طیب النفس و الا أصبح خبیث النفس کسلان۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تم میں کوئی سوتا رہے تو شیطان اس کی گُدی پر تین گرہ لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کے وقت تھپکی دیتا ہے: ابھی لمبی رات باقی ہے، سو یارہ۔ اب اگر وہ جاگ گیا اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک

---

[529](حاکم، المستدرک، ۲:۵۹۰، رقم: ۳۹۹۱، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۴۵۹، رقم: ۲۸۶، ابن عبدالبر، التمہید، ۱۸، ۳۰۷، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۳۰:۳۵۵، عسقلانی، فتح الباری، ۸:۷۴۱، عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۴:۳۸۱)

گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرے تو اور گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر نماز پڑھ لے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے۔ تو وہ ہشاش بشاش، خوش و خرم صبح کرتا ہے ورنہ وہ خبیث النفس سست رہتا ہے۔"[530]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم: قال ابلیس: یا رب! کل خلقک قد سبت أرزاقهم، فما رزقی؟ قال: کل مالم یذکر اسمی علیه۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ابلیس نے کہا: یارب! تونے جو چیز پیدا کی اس کا رزق بھی عطا کیا، پس میرا رزق بھی معین کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر وہ شے جس پر میرا نام نہ لیا جائے، وہ تیرا رزق ہے۔[531]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم من عجز منکم عن اللیل أن یکابده و بخل بالمال أن ینفقه و جبن عن العدو أن یجاهده فلیکثر من ذکر اللہ۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: تم میں سے جو کوئی رات کو عبادت کرنے کی مشقت سے عاجز ہو اور مال خرچ

---

[530] (بخاری، الصحیح، ۳۸۳:۱، رقم: ۱۰۹۱، ۳:۱۱۹۳، رقم:۳۰۹۶، مسلم، الصحیح، ۵۳۸:۱، رقم:۷۷۶، نسائی، السنن، ۳:۲۰۳، رقم:۱۶۰۷، ابو داؤد، السنن، ۲:۳۲، رقم:۱۳۰۶، ابن ماجه، السنن، ۱:۴۲۱، رقم:۱۳۲۹، مالک، الموطا، ۱:۱۷۶، رقم:۴۲۴، احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۴۳، رقم:۷۳۰۲، ابو یعلی، المسند، ۱۱:۱۲۷، رقم:۶۲۷۸، ابو عوانه، المسند، ۲:۲۹۵،۲۹۶، حمیدی، المسند، ۲:۴۲۶،رقم: ۹۶۰، بیهقی، ۲:۵۰۱، رقم:۴۴۱۸، ۳:۱۵، رقم:۴۵۰۳، بیهقی، السنن الصغریٰ، ۱:۴۷۲، رقم:۸۲۷، ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۲:۳۷۱، رقم: ۱۷۶۸، دیلیمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵:۵۱۵، رقم:۸۹۳۴، منذری، الترغیب والترهیب، ۱:۲۳۸، رقم:۹۰۴، ۱:۲۵۱، رقم:۹۵۵)

[531] (ابن حیان، الاحادیث المختاره، ۱۰:۳۶۱، رقم:۳۸۵، ابو نعیم، حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ۸:۱۲۹)

کرنے میں بخیل ہو اور دشمن کے مقابلہ کرنے میں بزدل ہو اسے چاہیئے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔"[532]

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم انه قال: غطوا الاناء وأوكوا السقاء واغلقوا الباب، وأطفئوا السراج، فان الشيطان لا يحلق سقاء، ولا يفتح بابا، ولا يكشف اناء فان لم يجد أحدكم الا أن يعرض على انائه عودا، ويذكر اسم الله، فليفعل فان الفويسقة تضرم على أهل البيت بيتهم۔

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ دو، مشکیزوں کا منہ بند کر دو، دروازے بند کر دو، چراغ بجھا دو کیونکہ شیطان مشک نہیں کھولتا، دروازہ نہیں کھولتا اورنہ ہی برتن کھولتا ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو برتن کوڈھانپنے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو وہ برتن کے عرض پر ایک لکڑی رکھ دے اور بسم اللہ پڑھے کیونکہ چوہالوگوں کے گھر جلا دیتا ہے۔"[533]

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سبق المفردون قالوا: وما المفردون یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلک وسلم! قال: المستھترون فی ذکر اللہ یضع الذکر عنھم أثقالھم، فیأتون یوم القیامۃ خفافا۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا

---

[532] (بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۱، رقم:۵۰۸، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱:۸۴، رقم:۱۱۱۲۱، عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۱۵، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۴، رقم:۲۲۹۷، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۷۴)

[533] (مسلم، الصحیح، ۳:۱۵۹۴، رقم:۲۰۱۳، ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۱۲۹، رقم:۳۴۱۰، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۷۸، رقم:۲۲۵۸، ابو عوانہ، المسند، ۵:۱۴۲، رقم:۸۱۵۲، بیھقی، السنن الکبری، ۱:۲۵۶، رقم:۱۱۴۳، بیھقی، شعب الایمان، ۵:۱۲۷، رقم:۶۰۶۱، طبرانی، المعجم الاوسط، ۹:۳۵، رقم:۹۰۶۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جنہیں ذکر الٰہی کے نشہ نے فریفتہ اور دیوانہ بنادیا ہے، ذکر ان کے بوجھ اتار دے گا اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔"[534]

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا مع رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلّم فی سفر فقال: سبق المفردون۔ قالوا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! وماالمفردون؟قال: المفردون بذکر اللہ وضع الذکر عنھم أثقالھم، فیأتون یوم القیامۃ خفافا۔

"حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ تھے۔ پس آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: مفردون وہ لوگ ہیں جنہیں ذکرِ الٰہی کے نشے نے فریفتہ اور دیوانہ بنا دیا ہے، ذکر ان کے بوجھ اتار دے گا، پس وہ قیامت کے دن اللہ کے پاس ہلکے پھلکے ہو کر آئیں گے۔"[535]

---

[534] (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۵۷۷، رقم:۳۵۹۶، بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۰، رقم:۵۰۶، بخاری، التاریخ الکبیر، ۸:۴۴۹، رقم: ۳۶۵۱، دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۳۰۹، رقم:۳۳۹۷، حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی احادیث الرسول، ۴:۱۰۶، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۴۴۳، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۶، رقم:۲۳۰۶، سیوطی، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، ۶:۲۵۵)

[535] (ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰:۵۸، سیوطی، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، ۶:۴۵۵)

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ان رجلا یرفع صوتہ بالذکر فقال رجل لو ان ھذا خفض من صوتہ فقال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم فانہ آواہ قال فمات فرای رجل نارا فی قبرہ فاتاہ فاذا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم فیہ وھو یقول ھلموا الی صاحبکم فاذاھو الرجل الذی کان یرفع صوتہ بالذکر۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، ایک آدمی نے کہا: اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا)۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ بہت آہیں کرنے والا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وہاں (پہلے سے) موجود تھے، اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔“[536]

عن جابر بن عبد اللہ قال رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم فی القبر واذا ھو یقول ناولونی صاحبکم واذا ھو الرجل الأواہ الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبر میں روشنی دیکھی اور اس کے قریب آئے۔ چنانچہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قبر میں موجود تھے۔ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: اپنا ساتھی مجھے پکڑا دو اور یہ وہ بہت آہیں کرنے والا آدمی تھا جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔“[537]

---

[536] (حاکم، المستدرک، ۱:۵۲۲، رقم:۱۳۶۱، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۸، رقم:۵۸۵، مناوی، فیض القدیر، ۱:۴۵۷)

[537] (حاکم، المستدرک، ۲:۳۷۵، رقم:۳۳۱۸، بیھقی، السنن الکبری، ۴:۵۳، رقم:۶۸۳۶، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۸، رقم:۵۸۴)

عن جابر بن عبداللہ قد رای ناس نارا فی المقبرۃ فاتوھا فاذا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فی القبر و اذاھو یقول ناولونی صاحبکم فاذاھو الرجل الذی یرفع صوتہ بالذکر۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے قبرستان میں روشنی دیکھی تو وہاں گئے۔ دیکھا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایک قبر میں کھڑے فرمارہے تھے، مجھے اپنا ساتھی پکڑاؤ۔ وہ ایسا شخص تھا جو بلند آواز سے ذکر الٰہی کیا کرتا تھا۔“[538]

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال لرجل، یقال لہ ذو البجادین: انہ أواہ، وذلک أنہ کان رجلا کثیرا الذکر اللہ تعالیٰ فی القرآن، ویرفع صوتہ فی الدعاء۔

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک شخص کے بارے میں بتایا جسے **ذو البجادین** کہا جاتا تھا، کہ وہ بہت آہیں کرنے والا ہے کیونکہ وہ تلاوتِ قرآن کی صورت میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہے اور دعا میں اپنی آواز بلند کرتا تھا۔[539]

---

[538] (ابو داؤد، السنن، ۳:۲۰۱، رقم:۳۱۶۴، بیھقی، السنن الکبریٰ، ۴:۳۱، رقم:۶۷۰۱، طبرانی، المعجم الکبیر، ۲:۱۸۲، رقم:۱۷۴۳، ابو نعیم، حلیۃالاولیاء، ۳:۳۵۱، زیلعی، نصب الرایۃ، ۲:۳۰۶، اندلسی، تحفۃالمحتاج، ۲:۲۸، رقم:۸۸۱، شوکانی، نیل الاوطار، ۴:۱۳۷، مبارکپوری، تحفۃالاحوذی، ۴:۱۲۵، ۴:۱۳۹)

[539] (احمد بن حنبل، المسند، ۹:۱۵۹، رویانی، المسند، ۱:۱۷۰، رقم:۲۱۰، طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷:۲۹۵، رقم:۸۱۳، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۴۱۶، رقم:۵۸۰، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۹:۳۶۹، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۱:۵۲)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یسیر فی طریق مکۃ فمر علی جبل یقال لہ: جمدان فقال: سیرو ھذا جمدان سبق المفردون قالو وما المفردون یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم، قال: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مکہ کے راستہ پر تشریف لے جارہے تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کا گزر جمدان نامی پہاڑ سے ہوا۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: چلو چلو! یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مفردون کون ہیں؟ فرمایا: اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔“[540]

اس کے علاوہ بھی ذکر کی فضیلت اور اس کیلئے اجتماع اور ذکر جہری وسری کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

ذِکر کی فضیلت میں علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی عبادت کو فرض کیا تو اس کی ایک معلوم حد متعین کردی اور حالت عذر میں معذوروں کو رخصت دی سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے کہ اس کی نہ کوئی حد متعین کی اور نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا سوائے مجنون کے۔ اس کے علاوہ اپنے بندوں کو تمام احوال میں ذکر کرنے کا حکم دیا۔

540 (مسلم، الصحیح، ۲۰۶۲:۴، رقم:۲۶۷۶، ابن حبان، الصحیح، ۱۴۰:۳، رقم:۸۵۸، بیھقی، شعب الایمان، ۳۸۹:۱، رقم:۵۰۳، ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۴۴۳:۱، منذری، الترغیب والترھیب، ۲۵۶:۲، رقم:۲۳۰۶)

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

فَاذْكُرُوا اللهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُم۔ (نساء:۱۰۳)

"ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)"

اور فرمایا:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ (احزاب:۴۱)

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے"

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو دن اور رات میں، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، غنا اور فقر میں، صحت اور بیماری میں، پوشیدہ اور علانیہ طور پر۔ اور حتیٰ کہ ہر حال میں۔ [541]

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نسیان اور غفلت سے چھٹکارا بھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ کے اسم ذاتی یا اس کی کسی صفت کو بار بار دہرانے کا نام ہے۔ اسی طرح اس کے کسی حکم، فعل یا اس کے علاوہ دوسرے امور جو قربِ الٰہی کے باعث ہوں۔ یہ تمام ذکر میں شامل ہیں۔ [542]

---

[541] (نور التحقیق: ص:۱۴۷)

[542] (مفتاح الفلاح: ص:۴)

امام ابو قاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کا منشور، وصال کا منارہ، راہ سلوک پر چلنے کی علامت اور منزل تک پہنچنے کی دلیل ہے۔ ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ تمام خصائل حمیدہ جو ذکر کی طرف ہی راجع ہیں تمام کا منبع ذکر ہی ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف طریقت میں بہت قوی رکن ہے، بلکہ سب سے عمدہ طریقہ ہے، اور کوئی فرد اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچا سوائے دائمی ذکر کے ذریعے۔[543]

ابن قیم الجوزیہ:

ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں! "بلا شک وریب چاندی اور تانبے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اس کی صفائی ذکر سے ممکن ہے۔ ذکرِ الٰہی دل کو چمکتے ہوئے آئینہ کی مانند کر دیتا ہے۔ اور جب ذکر ترک کر دیا جاتا ہے تو دل پھر زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جبکہ زنگ لگنے کے دو سبب ہیں:

(۱): غفلت۔ (۲): گناہ۔

اور اس کی صفائی بھی دو چیزوں سے ہوتی ہے۔

(۱): استغفار۔ (۲): ذکر۔

کثرتِ غفلت سے قلب انسانی پر دبیز تہہ جم جاتی ہے اور جب قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے تو معلومات کی حقیقی تصاویر اس میں منعکس نہیں ہوتیں۔ نتیجتاً اس کے نزدیک حق وباطل میں تمیز نہیں رہتی۔ اور وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے کیونکہ جب اس کے دل پر زنگ تہہ در تہہ جم جاتا ہے تو اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حقائق کی اصلی تصاویر ظاہر نہیں ہوتیں۔ پھر مزید سیاہ ہو کر اس پر رین (زنگ) جم جاتا ہے۔ اس کا تصور اور ادراک فاسد ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ

[543] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۱۰)

سے نہ تو وہ حق کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی باطل کا انکار کرتا ہے اور یہ دل کیلئے سخت ترین سزا ہے اور اس کا سبب غفلت اور خواہشاتِ نفسانیہ ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں نورِ دل کو مٹا کر بصیرت کو اندھا کر دیتی ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا" (الکهف ۲۸)

ترجمہ: "اور نہ پیروی کیجئے اس (بد نصیب) کی غافل کر دیا ہے جس کے دل کو اپنی یاد سے ہم نے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے۔"[544]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں آیت "للّٰہ الاسماء الحسنی" کے تحت فرماتے ہیں:

"جہنم میں داخل ہونے کا سبب ذکر اللہ سے غفلت ہے اور عذابِ جہنم سے چھٹکارا ذکر اللہ سے ہی ممکن ہے" اصحابِ ذوق و محبت فرماتے ہیں! "جب قلب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے اور دنیا اور اس کی خواہشات کی طرف متوجہ ہو کر حرص و حرمان میں واقع ہو جاتا ہے اور پھر ایک رغبت سے دوسری رغبت کی طرف، اور ایک طلب سے دوسری طلب کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ تاریکیوں میں گر جاتا ہے اور جب اس کے دل پر اللہ کے ذکر اور معرفت کا دروازہ کھلتا ہے تو ان تمام آفات اور مصائب سے چھٹکارا حاصل کر کے اسے رب تعالیٰ کی معرفت کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔[545]

---

[544](کهف:۲۸)(الوابل الصیب:ص:۵۲:ابن قیم)

[545](تفسیر کبیر:امام رازی:ج:۴:ص:۲۷۴)

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اقوال، افعال اور اعیان کے خواص ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں لیکن ذکر کے خواص ان سب سے بڑھ کر واضح ہیں اور کوئی عمل، ذکر اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی دواؤں اور معجونوں کے خواص مقرر کئے ہیں۔ جس طرح طبیب ہر مریض کو اس کی طبیعت کے موافق دوائی دیتا ہے۔ اسی طرح شیخ بھی مرید کی ضرورت کے مطابق وظائف واوراد مختص کرتا ہے۔[546]

شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت ہی مقام رضا تک رسائی حاصل کرتا ہے جب وہ سلوک کے ابتدائی تین مراحل کو عبور کرے۔

(۱): وہ اسم جلالت (اللہ) کے ذکر میں مستغرق ہو۔

(یہ اسی کیلئے ممکن ہے جسے مرشد کامل سے ذکر کی اجازت ہو)۔

(۲): اسے ذاکرین کی صحبت میسر ہو۔

(۳): وہ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰت والتسلیمات، پر سختی سے کاربند ہو۔[547]

خلاصہ بحث:

تمام صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کو منازلِ سلوک طے کرنے کیلئے ذکر کی نصیحت کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا تک پہنچنے کا عملی طریقہ تمام

---

[546](قواعد تصوف: احمد ذورق: ص: ۳۷)

[547](تخریج شرح الاجرومیہ: ابن عجیبہ، ص ۲۹)

احوال میں کثرتِ ذکر اور صحبتِ ذاکرین ہے کیونکہ ان کی صحبت نفسِ امارہ کی شہوات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی مختلف اقسام ہیں:

ذکر سری وجہری:

ذکرِ الٰہی یقیناً مشروع ہے خواہ سرًا ہو یا جہرًا اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں قسموں کی طرف رغبت دلائی ہے لیکن علمائے شریعت فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت افضل ہے جب وہ ریا اور نمازی، قاریٔ قرآن اور سونے والے کی اذیت سے خالی ہو اور انہوں نے اپنے موقف پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم: یقول اللہ! انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاذکرتہ فی ملا خیر منھم۔

ترجمہ: ''میرا اپنے بندے کے ساتھ برتاؤ ویسا ہوتا ہے جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے تو میں اپنی شان کے مطابق اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرے تو میں اس سے افضل جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔''[548]

اس حدیث پاک میں جماعت میں ذکر کا تذکرہ آیا ہے اور یہ ذکر، ذکر بالجہر ہی ہو سکتا ہے۔

---

[548] (أخرجه بخاری فی صحیحه، والترمذی والنسائی وابن ماجه)

(۲)قال ابن الادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ انطلقت مع النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لیلۃفمر بر جل فی المسجدیر فع صوتہ قلت یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم عسی ان یکون مر ائیا قال لا و لکنہ اواہ۔

''حضرت ابن ادرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک رات میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ تھا۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا گزر ایک ایسے آدمی سے ہوا جو مسجد میں با آواز بلند ذکر کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ممکن ہے کہ یہ شخص ریاکار ہو۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا نہیں بلکہ وہ تو انتہائی مخلص اور رقیق القلب ہے''[549]

(۳)عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ۔قال ابن عباس: کنت اعلم اذا انصرفوا بذلک اذا سمعتہ۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں فرضی نمازوں کے بعد ذکر بالجہر معروف تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کی آواز سنتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ لوگ نماز سے واپس آرہے ہیں''[550]

(۴)عن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: جائنی جبریل قال مر اصحابک یر فعوا اصواتہم بالتکبیر۔

---

[549] (رواہ البیہقی کمافی الحاوی للفتاویح ۱ ص ۳۹۱)

[550] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ، والمعنیٰ کنت أعلم انصرافہم بسماع الذکر، کما قال صاحب الفتح الحافظ ابن حجر العسقلانی ج ۲ ص ۲۵۹)

" حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور عرض کی کہ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دو کہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہیں "[551]

(۵) قال شداد بن حاکم: انا لعند النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اذ قال: ارفعوا ایدیکم فقولوا: لا الہ الا اللہ ففعلنا فقال: اللّٰھم انک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وامرتنی بھا ووعدتنی بھا الجنۃ انک لاتخلف المیعاد ثم قال: ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔

"حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو "لا الہ الا اللہ" ہم نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی تعمیل کی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کا مجھے حکم دیا اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا یقیناً تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرمادی "[552]

ان کے علاوہ اور بھی احادیث کثیرہ ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے پچیس احادیث کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "نتیجۃ الفکر فی الجھر فی الذکر" میں رقم کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں اور سلام ہو اس

---

[551] (رواہ الامام أحمد وأبو داؤد والترمذی وصححہ السیوطی فی کتابہ، "الحاوی للفتاویٰ" ج ۱ ص ۳۸۹)

[552] (الحاکم کمافی مصدر السابق ج ۱ ص ۳۹۱)

کے منتخب بندوں پر، اللہ تعالیٰ تجھے عزت سے نوازے، تو نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مروجہ حلقات ذکر اور مساجد میں ذکر بالجہر کے متعلق سوال کیا ہے کہ کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں کیونکہ بہت سی ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جو ذکر بالجہر کے استحباب کی مقتضی ہیں اور اسی طرح ایسی احادیث بھی ہیں جو ذکرِ سری کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ ان ہر دو اقسام میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ذکر کا حکم حالات اور اشخاص کے تبدیل ہونے سے بدلتا رہتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے وہ تمام احادیث ذکر فرمائیں جو ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہیں پھر آخر میں فرماتے ہیں: "ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں کچھ کراہت نہیں بلکہ بعض احادیث تو اس کے استحباب پر صراحۃً یا کنایۃً دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے اور حدیث "خیر الذکر الخفی" ذکر بالجہر کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تو اسی طرح ہے، جس طرح کہ بعض احادیث میں بلند آواز سے اور بعض میں پست آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح کی ہے کہ ذکر سری اس وقت افضل ہے جب ذاکر کو ریا کا خوف ہو یا اس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو۔ اور اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل کثیر ہوتا ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے۔ ذکر کرنے والے کو بیدار رکھتا ہے اور اس کے کانوں کو ذکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نیند دور کرتا ہے۔ اور نشاط میں اضافہ کرتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے!

"تلاوت کا کچھ حصہ سرًا اور کچھ جہرًا ہونا چاہئے کیونکہ سرًا تلاوت کرنے والا کبھی اکتا جاتا ہے۔ اسے

چاہئے کہ وہ جہر سے انس حاصل کرے اور اسی طرح ذکر بالجہر کرنے والا جب اکتا جائے تو اسے چاہئے کہ ذکر سری سے راحت حاصل کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ (اعراف: ۲۰۵)

"اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر۔"

میرے نزدیک اس کے تین جوابات ہیں:

جواب نمبر ا: یہ آیت مکی ہے جس طرح کہ سورۂ اسراء میں ہے:

"وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا" (اسراء: ۱۱۰)

"اور نہ تم بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو"۔

یہ آیت مکی ہے۔ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم بلند آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے اور مشرکین مکہ اس کو سن کر قرآن اور صاحبِ قرآن کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو سد ذرائع کے طور پر با آواز بلند تلاوت سے روک دیا گیا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے بتوں کو گالی دینے سے روکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا م بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (انعام: ۱۰۸)

"اور گالی مت دو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کہ وہ بھی گالی دینے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔"

لیکن اب یہ علت ختم ہو چکی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جواب نمبر ۲: بہت سے مفسرین جن میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم جو کہ امام مالک کے شیخ ہیں اور ابن جدیر وغیرہ نے فرمایاہے! اس آیت میں قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت ذاکر کو پست آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیاہے اور یہ حکم قرآن کریم کی تلاوت کی تعظیم کی وجہ سے ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت ذکر کی آواز اس سے بلند نہیں ہونی چاہئے۔ان دونوں آیات کا متصل ہونا اس احتمال کو مزید تقویت دیتاہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا" (الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: "اور جب پڑھا جائے قرآن مجید تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ"

میں کہتا ہوں کہ مکلف کو جب بوقتِ تلاوت قرآن خاموشی کا حکم دیا گیا تو خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ اس خاموشی پر دوام اختیار نہ کر جائے۔

اس لئے اسے تنبیہ کی گئی کہ اگرچہ اسے زبان کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم ہے لیکن قلبی ذکر کی صورت تو باقی ہے حتیٰ کہ وہ کسی حالت میں بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔اسی وجہ سے اس قول کے ساتھ آیت کو ختم کیا گیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ" (الاعراف ۲۰۵)

مت ہونا غافلوں میں سے۔

جواب نمبر ۳: صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ اس آیت کا حکم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ، جو کہ کامل و مکمل تھے، خاص تھا لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے علاوہ دوسرے لوگ جو مختلف وساوس اور ناپسندیدہ خواطر قلبیہ سے دو

چاررہتے ہیں تو انہیں ذکر بالجہر کا حکم ہے کیونکہ یہ طریقہ ان کو وساوس سے نجات دلانے میں انتہائی مؤثر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت بزاز کی معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ حدیث بھی اسی مفہوم کی مؤید ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

من صلی منکم باللیل فلیجھر بقرائته۔فان الملائکة تصلی بصلوته و تسمع بقرائته و ان مومنی الجن الذین یکونون فی الھواء و جیرانه معه فی مسکنه یصلون بصلوته و یستمعون قراته و انه ینطرد بجھره بقرائته عن داره و عن الدور التی حوله فساق الجن و مردہ الشیاطین۔

یعنی "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! تم میں سے جو رات کو نماز پڑھے اسے بلند آواز سے قرأت کرنی چاہیے کیونکہ فرشتے اس کے ساتھ نماز پڑھتے اور اس کی قرأت سنتے ہیں اور اسی طرح مؤمن جن جو کہ ہوا میں رہتے ہیں اور اس کے پڑوس میں رہتے ہیں وہ بھی اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت سنتے ہیں اور اس کی بلند قرأت سے اس کے گھر اور اس کے اردگرد کے گھروں کے فاسق جن اور سرکش شیطان بھاگ جاتے ہیں"

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

"اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً طاِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ" (اعراف:۵۵)

"پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔"

اور اعتداء کی تفسیر بلند آواز سے کی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس کی راجح تفسیر یہ ہے کہ دعا مانگنے والا مامور بہ سے تجاوز کرے یا ایسی دعا مانگے جس کی شرع میں کوئی اصل نہ ہو اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو نعامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو سنا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے: اے اللہ! تیری بارگاہ میں جنت کے دائیں طرف سفید محل کا طالب ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعا کرنے میں حد درجہ بڑھ جائیں گے۔ (الحدیث)

تو یہ صحابی کی تفسیر ہے اور وہی معنیٰ کو بہتر جانتے ہیں۔

(۲) اگر ہم اس آیت کے ظاہری معنیٰ کو تسلیم کر لیں تو بھی یہ آیت کریمہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دعا میں افضل اسرار ہے کیونکہ وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

اسی لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اِذْنَادٰی رَبَّہٗ نِدَاءً خَفِیًّا“ (مریم:۳)

”جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے“

اسی وجہ سے نماز میں بالاتفاق سرًا پڑھنا مستحب ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا میرے خیال کے مطابق تم لوگ بدعتی ہو حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس اثر کی سند کی تحقیق ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ کن کن محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔ بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ ان بہت سی احادیث کے معارض ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے اور تعارض کے وقت یہ احادیث صحیحہ ان پر مقدم ہیں۔ پھر میں نے ایسی روایت بھی دیکھی ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کے برعکس ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابو وائل سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں! یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر سے روکا کرتے تھے حالانکہ جس مجلس میں مجھے ان کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ وہ ذکر اللہ ضرور کرتے تھے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کتاب الزہد" میں ثابت بنانی سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہلِ ذکر جب اللہ کے ذکر کیلئے بیٹھتے ہیں ان پر پہاڑوں کی مثل گناہ ہوتے ہیں اور جب وہ اللہ کے ذکر سے اٹھتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔[553]

علامہ شیخ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت "وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى" (طٰہٰ۷) کے تحت فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے منع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" (الاعراف ۲۰۵) اس کی دلیل ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا سے منع اپنے اطلاق پر نہیں۔ امام نووی اپنے فتاوی میں ذکر کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر شرعًا ممنوع نہیں ہے بلکہ مشروع اور مستحب ہے۔ امام شافعی

---

[553] (الحاوی للفتاوی: ج: ۱: ص: ۳۹۴: امام جلال الدین سیوطی)

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں اخفاء سے افضل ہے اور یہی امام حنبل کا ظاہر مذہب، اور امام مالک سے ایک روایت میں مروی ہے جس کو حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں نقل کیا ہے۔ اور یہی قول قاضی خان کا ہے۔ وہ اپنے فتاوی کے باب "غسل المیت" میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ ذکر کی آواز بلند کرنا مکروہ ہے پھر فرماتے ہیں یہ اس شخص کیلئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو۔ جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے۔ مطلقاً ذکر کی آواز کو بلند کرنا مکروہ نہیں۔ شیخ آلوسی فرماتے ہیں کہ دون الجھر سے مراد ضرورت سے زائد آواز کو بلند کرنا ہے۔ اس وجہ سے معتدل جہر اور بقدر ضرورت جہر مامور بہ میں داخل ہے کیونکہ بیس سے زائد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اکثر وبیشتر ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الاعلی، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل"

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔۔۔ الی آخرہ" (الحدیث)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں دو عظیم رسالے لکھے ہیں۔ پہلے کا نام **"نشر الزھر فی الذکر بالجھر"** اور دوسرا رسالہ **"اتحاف المنیب الاواہ بفضل الجھر بذکر اللہ"** ہے۔[554]

ذکر بالجہر کی افضلیت:

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراقی الفلاح پر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ ذکر خفی افضل ہے یا ذکر جہر؟ کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد پاک ہے:

"خیر الذکر خفی و خیر الرزق ما یکفی"

"بہترین ذکر، ذکر خفی ہی، اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے"

کیونکہ ذکر خفی میں زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے اور یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ذکر جہر افضل ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و لہ الحمد و ھو علی کل شئ قدیر۔ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"[555]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم مسجد میں قرآن پڑھنے والے کو بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے کا حکم فرماتے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قاری کو حکم دیتے کہ وہ بلند آواز

---

[554] (روح المعانی ۱۴۸-۱۴۷:۱۶)

[555] (مسلم کتاب المساجد، ترمذی کتاب الصلاۃ)

سے قرآن پاک پڑھے تاکہ وہ اور ان کے ساتھی اسے سنیں کیونکہ یہ زیادہ ثواب کا باعث اور قرآنی آیات میں تدبر کا موئثر ذریعہ ہے۔ پھر غافلین کے دلوں کو بیدار کرنے کیلئے بھی نفع مند ہے۔

ان احادیث میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ اشخاص اور احوال کے مطابق اس کا حکم تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جس شخص کو ریا کا خوف ہو یا اس کی بلند آواز سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کیلئے ذکر سری افضل ہے اور جس شخص کو ان اشیاء کا خطرہ نہ ہو اس کیلئے ذکر بالجہر افضل ہے۔ فتاوی قاضی خان میں ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زمرہ میں نہ آجائیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ (بقرہ:۱۱۴)

یعنی "اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کا نام"

اور اسی طرح فتاوی بزازیہ میں ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! "علمائے خلف وسلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں حلقے کی صورت میں ذکر کرنا مستحب ہے مگر جب ذکر سونے والوں، نمازیوں اور تلاوتِ قرآن کرنے والوں کیلئے تشویش کا باعث بنے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس چیز کا ثبوت ہے۔"[556]

---

[556](حاشیہ طحطاوی:ص:۲۰۸)

حضرت علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ فتاوی خیریہ کے "باب الكراهية والاحسان" میں منقول ہے کہ بہت سی احادیث ذکر بالجہر کی مقتضی ہیں جیسے:

"ان ذكرني في ملاذكرته في ملاخير منه"۔

"اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرتا ہے تو میں اس سے کہیں بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔" (الحديث)

اس کے علاوہ بعض احادیث ایسی ہیں جو ذکر سری کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان دونوں کے مابین تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ یہ حکم اشخاص اور احوال کے تبدیل ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح کہ ان احادیث میں تطبیق کی گئی ہے جن میں بلند اور پست آواز سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ذکر بالجہر کے معارض یہ حدیث: "خير الذكر خفي" نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت کا اندیشہ ہو۔ ان صورتوں کے علاوہ اہلِ علم کے نزدیک ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس سے سامعین بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اور ذاکر کے دل کو بیدار اور اس کی قوت سماعت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نیند کو دور اور نشاط میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح "حاشية الحموی" میں امام شعرانی سے منقول ہے:

"علمائے خلف وسلف کا مساجد میں اجتماعی ذکر کے استحباب پر اجماع ہے۔ جبکہ ان کی بلند آواز سونے والوں، نمازیوں اور تلاوت قرآن والوں کیلئے تشویش کا باعث نہ ہو۔"[557]

[557](حاشیہ ابن عابدین: ج:۵: ص:۲۶۳)

(ب): دل اور زبان کا ذکر:

شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ذکر باللسان اکابر اور اصاغر سب کیلئے مشروع ہے کیونکہ حجاب عظمت کسی کیلئے بھی منکشف نہیں ہوا، حتیٰ کہ انبیاء کیلئے بھی یہ حجاب ہوتا ہے لیکن انتہائی رقیق ہوتا ہے۔[558]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ بے وضو، جنبی اور حیض و نفاس والی عورتوں کیلئے قلبی اور لسانی ذکر جائز ہے اور یہ ذکر تسبیح و تہلیل اور تکبیر، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود و دعا کی صورت میں ہو سکتا ہے۔[559]

اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکر قلب کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور زبان سے بھی لیکن افضل ذکر یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے ایک ساتھ کیا جائے۔ ان دونوں میں سے افضل قلبی ذکر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے والا اپنا مطلوب و مقصود رضائے خداوندی رکھے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا شمار ہوتا ہے۔ اگر انسان اعمالِ خیر میں لوگوں کی فضول تانک جھانک اور ظنون باطلہ میں الجھ جائے تو بہت سی نیکیوں سے محروم ہو جائے اور بہت سے اہم دینی امور کو ترک کر دے اور یہ عارفین کا طریقہ نہیں۔[560]

---

[558] (المیزان: ج: ا: ص: ۱۲۰: عبدالوھاب شعرانی)

[559] (الفتوحات الربانیۃ، ج ا ص ۱۰۹-۱۰۶)

[560] (فتوحات ربانیہ، ج ا ص ۱۲۷)

غافل کے دل پر ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ذکر اور دیگر عبادات میں لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

"لا خیر فی ذکر مافی قلب غافل ساہ"

غافل اور غیر حاضر دل کے ساتھ ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حالت غفلت میں ذکر کو ترک کر دے بلکہ بلند ہمت انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے اور بار بار اپنے دل کی نگرانی کرے یہاں تک کہ وہ حالتِ غفلت سے حالتِ حضور میں منتقل ہو جائے اور یہ اس تیر انداز کی طرح ہے جو پہلی مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کوشش کرنے سے ہدف تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح انسان اپنے دل کے ساتھ ذکر میں بار بار کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل عادی اور اللہ کی بارگاہ میں اسے حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ بصیرت پر یہ بات منکشف ہوئی ہے کہ اعمال میں سب سے افضل ذکر ہے لیکن اس کے تین غلاف ہیں ان تین غلافوں کے بعد اصل مغز ہے لیکن ان غلافوں کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ یہ اس اصل تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

(۱) صرف لسانی ذکر۔

(۲) قلبی ذکر۔ جبکہ دل کو اس کی موافقت کی ضرورت ہو۔ یہاں تک کہ وہ ذکر کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر دل کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ افکار کی وادیوں میں گم ہو جائے۔

(۳)دل میں ذکر اس قدر پختہ اور غالب ہو جائے کہ اس کو کسی غیر کی طرف متوجہ کرنے کیلئے تکلف کی ضرورت ہو جس طرح کہ دوسری صورت میں دل کو ذکر کی طرف متوجہ کرنے کیلئے تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ ان تینوں صورتوں کا لبِ لباب اور حاصل ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مذکور دل میں گھر کر جائے اور ذکر مخفی ہو جائے اور اس کا اثر زائل ہو جائے۔یہی اصل مقصود ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ذاکر نہ ذکر کی طرف متوجہ ہو اور نہ دل کی طرف بلکہ مذکور میں مستغرق ہو جائے۔اسی اثناء میں اگر ذاکر کی توجہ ذکر کی طرف ہو جائے تو یہ حجاب متصور ہو گا۔عارفین کے نزدیک یہ فنا فی اللہ کا مقام ہے۔پھر آپ فرماتے ہیں یہی اس ذکر کا حاصل اور ثمرہ ہے۔اس کی ابتداء لسانی ذکر سے پھر تکلفاً ذکر قلب سے پھر طبعاً ذکر قلبی سے ہوتی ہے پھر آخر میں مذکور دل میں متمکن ہو جاتا ہے اور دل سے ذکر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔[561]

انفرادی اور اجتماعی ذکر:

اجتماعی عبادت انفرادی عبادت کے مقابلہ میں افضل واعلیٰ ہے کیونکہ اجتماعی عبادت میں مختلف قلوب باہم ملتے ہیں، باہمی تعاون کی فضا ساز گار ہوتی ہے، ضعیف قوی سے، تاریک روشن سے، کثیف لطیف سے اور جاہل عالم سے استفادہ کرتا ہے۔

حدیث پاک ہے:

"عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا: وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر"

---

[561](کتاب الاربعین فی اصول الدین: ص: ۵۲/۵۵: امام غزالی)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو۔ عرض کی گئی کہ جنت کے باغ کون سے ہیں؟ فرمایا! وہ ذکر کے حلقات ہیں“[562]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے چل پھر کر زمین میں مجالسِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں اور جب کسی مجلس ذکر کو پالیں تو آسمان تک اس مجلس ذکر کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو تیری تسبیح و تحمید بیان کرتے تھے، تیری بارگاہ میں دامنِ طلب دراز کرتے تھے اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ کس چیز کا سوال کرتے تھے؟ حالانکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں: اے مولیٰ! وہ تجھ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں یارب: تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ جبکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں! آگ سے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے! کیا نہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں۔ وہ فرماتا ہے: اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان کو بخش دیا اور ان کو میں نے عطا کر دیا جس کا انہوں نے سوال کیا اور ان کو پناہ دی جس سے انہوں نے پناہ مانگی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: یا باری تعالی: ان میں ایک گناہ گار آدمی تھا جو ان کے ساتھ بیٹھ گیا، جبکہ ان میں سے

---

[562] (الترمذی: کتاب الدعوات)

نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اسے بھی معاف کر دیا کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین کبھی بد بخت نہیں ہو سکتا۔ "[563]

اور حدیثِ پاک ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مَامِن قَوْمٌ یَذْکُرُونَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اِلّا حَفَّتْھُمُ المَلائِکَۃُ، وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحمَۃُ، وَنَزَلَتْ علیھمِ السَّکِینَۃُ، وَذَکَرَھُمُ اللہُ فِیمَن عِنْدَہُ۔

ترجمہ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! ذکر کرنے والے لوگوں کو اللہ کے فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں، اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے، اطمینان وسکون ان پر نازل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں میں کرتا ہے "[564]

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خرج علی حلقۃ اصحابہ فقال مایجلسکم قالوا جلسنانذکر اللہ ونحمدہ فقال! انہ اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکۃ۔

ترجمہ: "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور فرمایا: تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کی: ہم یہاں بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

[563] (صحیح مسلم، کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات، والحاکم)

[564] (مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے۔"[565]

حدیث پاک ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان للہ سیارۃ للملائکۃ یطلبون حلق الذکر فاذا اتوا علیھم حفوا بھم۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اہلِ ذکر کے حلقات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اصحابِ ذکر کی محفل ملنے پر اسے ڈھانپ لیتے ہیں۔"[566]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: إذا مررتم بریاضِ الجنّۃِ فارتعوا قالوا وما ریاضُ الجنّۃِ؟ قال حِلَقُ الذِّکرِ۔

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو خوب کھایا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔"[567]

علامہ ابن عابدین اجتماعی ذکر کی بحث کے ضمن میں اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انفرادی اور اجتماعی ذکر کو تنہا اذان اور بہت سے اذان دینے والوں سے

---

[565] (مسلم کتاب الذکر، ترمذی کتاب الدعوات)

[566] (رواہ البزار، وقال الهيثمي: إسناده حسن)

[567] (ترمذی، السنن، ۵:۵۳۲، رقم: ۳۵۱۰، احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵۰، رقم: ۱۲۵۴۵، ابو یعلی، المسند، ۶:۱۵۵، رقم: ۳۴۳۲، بیھقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۸، رقم: ۵۲۹، منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۶۲، رقم: ۲۳۲۹، ھیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۲۶)

تشبیہ دی ہے۔ کثیر اذانیں دینے والوں کی آواز ہوا کا سینہ چیر کر دور دراز تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح اجتماعی ذکر رفع حجابات کیلئے بڑا موئثر ذریعہ ہے۔[568]

قال العلامة ابن علان شارح الأذکار فی معنیٰ ھذا الحدیث : (والمعنیٰ: إذا مررتم بجماعة یذکرون اللہ فاذکروا موافقة لھم، أو اسمعوا أذکارھم، فإنھم فی ریاض من الجنة حالاً أو مالاً۔ قال تعالیٰ: {وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ} [الرحمٰن: ۴۶][569]

وقال العلامة ابن عابدین فی حاشیته فی معرض ذکر اللہ تعالیٰ مع الجماعة: (وقد شبه الإمام الغزالی ذکر الإنسان وحده وذکر الجماعة بأذان المنفرد وأذان الجماعة، قال: فکما أن أصوات المؤذنین جماعة تقطع جرم الھواء أکثر من صوت المؤذن الواحد، کذلک ذکر الجماعة علیٰ قلب واحد أکثر تأثیراً فی رفع الحجب الکثیفة من ذکر شخص واحد)۔[570]

وقال الطحطاوی فی حاشیة: ونص الشعرانی : أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرھا من غیر نکیر، إلا أن یشوش جھرھم بالذکر علیٰ نائم أو مصلّ أو قاریء قرآن، کما ھو مقرر فی کتب الفقه۔[571]

انفرادی ذکر دل کی صفائی، اس کو بیدار کرنے، اپنے رب کے ساتھ انسیت کا عادی بنانے، اس سے مناجات میں مشغولیت اور اس کے قرب کا انتہائی موئثر ذریعہ ہے۔

مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ خلوت میں ذکر کیلئے اپنا وقت مختص کرے اور قبل از ذکر اپنے نفس کا محاسبہ اور اپنے عیوب اور خطایا میں غور و فکر کرے۔ اگر اسے کوئی گناہ نظر آئے تو توبہ کرے اور اگر کوئی عیب نظر آئے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

---

[568] (حاشیہ ابن عابدین: ج:۵: ص:۲۶۳)
[569] (الفتوحات الربانیة، ج ۱ ص ۹۴)
[570] (حاشیة ابن عابدین ج ۵ ص ۲۶۳)
[571] (حاشیة طحطاوی ص ۲۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کے سائے کے نیچے پناہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا اور ان میں سے ایک وہ آدمی ہو گا جس نے تنہائی میں اللہ کا ذکر کیا تو اس کے آنسو بہہ نکلے۔[572]

انفرادی ذکر کے آداب

ذاکر کو چاہیئے کہ صفاتِ کاملہ کا جامع ہو۔ اگر وہ بیٹھ کر ذکر کر رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ قبلہ جانب منہ کرے۔ اپنے سر کو جھکا کر بڑے سکون وو قار کے ساتھ بحالت عاجزی وانکساری ذکر کرے۔ اگر اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں ذکر کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور کوئی کراہت نہیں لیکن بلا عذر اس حالت کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ اسی طرح مجلسِ ذکر صاف اور شور و غل سے خالی ہو۔ کیونکہ یہی ذکر اور مذکور کے احترام کیلئے موزوں ہے۔ اسی وجہ سے مساجد اور بابرکت مقامات میں ذکر کی مدح کی گئی ہے۔ اسی طرح ذاکر کا منہ بھی صاف ہونا چاہیئے۔ جب اس کی ظاہری صفائی ونظافت مستحب ہے تو دل جو کہ رب کی نظر کا محل ہے اس کی صفائی زیادہ اہم ہے۔ دل کا حقد وحسد، بخل، تکبر، ریا اور دنیاوی روابط ومشاغل اور اغیار جیسی نجاسات سے پاک ہونا ضروری ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ کی ہم نشینی کا اہل ہو سکے اور فیوضات ربانیہ سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔

ذکر تمام احوال میں محبوب وپسندیدہ ہے اور ذکر سے مراد حضور قلب ہے ذاکر کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے اور ذکر کے معانی میں غور وفکر کرے۔ اگر وہ استغفار کر رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ قلبی طور پر اللہ تعالیٰ سے توبہ ومغفرت کا طالب ہو اور اگر وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

[572] (صحیح بخاری کتاب أبواب صلاۃ الجماعۃ، مسلم کتاب الزکاۃ)

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر دورد پاک پڑھ رہاہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلب میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عظمت کو اجاگر کرے اور اگر وہ نفی واثبات (یعنی لا الہ الا اللہ) کا ذکر کر رہاہے تو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہر شیٔ کی نفی کرے۔ بہر حال ذاکر کو چاہئے کہ عدمِ حضورِ قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی زبان کے ساتھ ذکر اللہ کر تارہے اگرچہ دل غافل ہی ہو کیونکہ ذکر سے انسان کا غافل ہونا اللہ تعالیٰ سے کلیۃً اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ زبان کو ذکر میں مشغول کرنا اطاعتِ خداوندی میں مصروف رکھنا ہے اور اگر لسانی ذکر کو بھی ترک کر دیا جائے تو زبان غیبت، چغل خوری اور اس طرح کی دیگر معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ابنِ عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ذکر اللہ میں حضورِ قلبی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ تیرا اس کے ذکر سے کلیۃً غافل ہونا اس کے ذکر میں عدمِ حضورِ قلب سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت والے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف اور بیداری کے ذکر سے حضورِ قلب کی طرف اور پھر حضورِ قلب سے ایسے ذکر کی طرف منتقل کر دے جس میں اللہ کے سوا کسی اور چیز کا تصور تک نہ ہو اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل نہیں ہے۔[573]

المختصر یہ کہ انسان لسانی ذکر کو جاری رکھے یہاں تک کہ اس کا دل کھل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری حاصل ہو جائے۔

---

[573] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۷۹، ابن عجیبہ)

اجتماعی ذکر بالجہر کے آداب

ذکر بالجہر کے تین آداب ہیں:

(۱): آدابِ سابقہ۔ (۲): آدابِ مقارنہ۔ (۳): آدابِ لاحقہ۔

ان تین قسموں میں سے ہر ایک کے دو حصے ہیں:

(۱): ظاہری۔ (۲): باطنی۔

(۱): قبل از ذکر ظاہری آداب: یہ درج ذیل ہیں:

(۱) کپڑے پاک ہوں۔ (۲): باوضو ہو۔ (۳): خوشبو وغیرہ لگائے۔

(۴): حرام کی غذا اور کمائی سے محفوظ ہو۔

(۲) قبل از ذکر باطنی آداب:

یہ بھی مختلف قسم کے آداب ہیں:

(۱): سچی توبہ کے ساتھ اپنے دل کو پاک کرے۔

(۲): تمام امراض قلبیہ سے نجات حاصل کرے۔

(۳): اپنی قوت پر بھروسہ نہ کرے۔

(۴): انتہائی عاجزی وانکساری سے اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر بھروسہ کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو۔

(۳) دورانِ ذکر ظاہری آداب

اگر لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں تو جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے اور اگر کھڑے ہوں تو ان کے پیچھے کھڑے کھڑے ذکر میں مشغول ہو جائے حتیٰ کہ اس کے قریب والے ساتھی اس کیلئے

حلقے میں وسعت پیدا کر دیں تا کہ وہ ان کے درمیان داخل ہو کر نظم وضبط سے ذکر کر سکے اور اگر بسبب عذر حلقہ ذکر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں اطراف سے ذاکرین کو ملا دے تا کہ حلقہ ذکر میں انقطاع نہ ہو۔ ذاکر کو چاہیئے کہ اپنے اصحابِ ذکر کے ساتھ موافقت کرے نہ کہ ان کی مخالفت۔ ان کی آوازوں میں اپنی آواز کو مخفی کرنے کی کوشش کرے تا کہ ان کے ساتھ گھل مل جائے اور اپنی آنکھوں کو بند رکھے تا کہ بارگاہِ خداوندی میں حضورِ قلب کیلئے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

(۴) دورانِ ذکر باطنی آداب

شیطانی وساوس اور نفسانی خواطر کو دور کرنے کیلئے مجاہدہ کرے۔ اپنے دل کو امورِ دنیا میں مشغول نہ کرے۔ اپنے دل کی ہمت کے ساتھ ذکر میں حضوری کی کوشش کرے بارگاہِ ایزدی سے حاصل ہونے والے انوار و تجلیات کیلئے ہمہ تن تیار ہو جائے۔

(۵) بعد از ذکر ظاہری آداب

ذکر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت، پند ونصائح اور ارشاداتِ شیخ کو غور سے سنے اور شیخ کی نصیحت اور فرمان اور اس کی تفصیل کی طرف توجہ کرے اور جب تک مجلسِ ذکر میں موجود رہے تو کسی قسم کی دنیاوی گفتگو نہ کرے۔ خلافِ آداب ہر عمل سے پرہیز کرے اور وہ بعد از اختتامِ محفلِ ذکر و دعا، اپنے شیخ اور پیر بھائیوں سے مصافحہ یا ہاتھ چوم کر سلام کرے۔

(٦)بعد از ذکر باطنی آداب

ذکر کے بعد باطنی آداب درج ذیل ہیں:

اس کا دل مختلف خواطر سے الگ اور التفات غیر سے محفوظ رہے اور وہ عطائے خداوندی کا انتظار کرتا رہے۔ پھر کمرِ ہمت باندھ کر پختہ ارادہ اور عزم مصمم کرلے کہ وہ اس کے مع بعد کی مجلس میں ضرور جائے گا۔

ذکر مقید اور ذکر مطلق

ذکر مقید: وہ ذکر ہے جس کا وقت اور جگہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے متعین کر دی ہو جیسا کہ بعد از نماز تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر، سفر، کھانے پینے اور نکاح کے اذکار ،مصائب وآفات کو دور کرنے والا ذکر، مرض موت اور ان دونوں کے متعلقہ امراض ،بعد از نمازِ جمعہ، جمعرات، رویتِ ہلال، افطار، صوم اور حج کے متعلق مختلف اذکار، اذکار صبح وشام ،سونے جاگنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے اذکار اور اس کے علاوہ بہت سے متفرق اذکار ہیں، مرغ کی آذان، گدھے کی آواز سنتے وقت مخصوص دعائیں، مرض میں مبتلا کسی شخص کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا وغیرہ۔ یہ اذکارِ مقیدہ کی چند ایک صورتیں ہیں اور اس کا تفصیلی بیان اذکار کی تفصیلی کتب میں موجود ہے۔

ذکرِ مطلق: یہ وہ ذکر ہوتا ہے جو کسی زمان و مکان وقت وحال قیام و قعود سے بالاتر ہوتا ہے۔

مؤمن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرتا رہے اور اس کی زبان اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے تَر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کثیر مقامات پر ذکر کا حکم دیا ہے۔

ارشاداتِ خداوندی

(۱): فَاذْكُرُونِیۡ أَذْكُرۡكُم (بقرہ:۱۵۲) "سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا"۔

(۲): يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (انبیاء:۲۰) "وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں صبح وشام اکتاتے نہیں"۔

(۳) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (۴۱) وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (الأحزاب ۴۲)

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی کیا کرو صبح وشام۔"

(۴) "الذَّاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا" (احزاب:۳۵)

"اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم"۔

ان آیات بینات کے علاوہ اور بھی کثیر آیات ہیں جو مطلق ذکر اللہ کی کثرت کی داعی ہیں اور ان میں زمان ومکان کی کوئی قید نہیں۔ جس طرح کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے تمام احوال واوقات میں ذکر کا حکم فرمایا ہے۔

احادیثِ نبویہ سے ثبوت

فقد روی عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشیء اتشبث بہ قال لا یزال لسانک رطبا من ذکرک۔

"حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم

اسلام کے کثیر احکام ہیں مجھے کوئی ایسا حکم بتائیں جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں۔ فرمایا! تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے"[574]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔[575]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں مختلف قسم کے اذکار کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جب بھی کوئی عبادت مقرر کی تو اس کی ایک حد مقرر کر دی پھر حالتِ عذر میں معذورین کو رخصت دی لیکن ذکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کی نہ تو کوئی حد مقرر کی نہ ہی اس کے ترک کرنے میں کسی کو معذور جانا سوائے مجنون کے اور اپنے بندوں کو ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱)"فَاذْكُرُوْا اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ"(نساء:۱۰۳)

"ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر۔"

(۲)"يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا"(احزاب:۴۱)

"اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔"

[574](ترمذی کتاب الدعوات وقال: حدیث حسن)

[575] (أخرجه مسلم فی كتاب الطهارة وكتاب الفضائل، والترمذی فی كتاب الدعوات، وأبو داؤد وابن ماجه فی كتاب الطهارة)

یعنی دن میں رات میں خشکی وتری سفر وحضر غناوفقر صحت ومرض ظاہر ومخفی گویا کہ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرو۔[576]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے تمام احوال واطوار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض ذکر زمانہ کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور بعض مطلق۔ اسی طرح بعض ذکر خاص تعداد کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور بعض اس سے مختلف۔ ہر نماز کے بعد تسبیح وتحمید تکبیر وتہلیل کی ایک خاص تعداد مقرر ہے۔

حدیث پاک ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا۔ ان کو جمع کرنے سے ۹۹ کا ہندسہ بنتا ہے اور ۱۰۰ مکمل کرنے کیلئے کہا۔ ”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر“ تو اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔[577]

عن سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کُنّا عِنْدَ رَسولِ اللہِ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ، فقالَ: أَیَعْجِزُ أَحَدُکُمْ أَنْ یَکْسِبَ کُلَّ یومٍ أَلْفَ حَسَنَۃٍ؟ فَسَأَلَہُ سائِلٌ مِن جُلَسائِہِ: کیفَ یَکْسِبُ أَحَدُنا أَلْفَ حَسَنَۃٍ؟ قالَ: یُسَبِّحُ مِائَۃَ تَسْبِیحَۃٍ، فیُکْتَبُ لہ أَلْفُ حَسَنَۃٍ، أَوْ یُحَطُّ عنہ أَلْفُ خَطِیئَۃٍ۔

”حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے

---

[576] (نور تحقیق ص ۱۴۷)
[577] (مسلم، کتاب المساجد)

فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک روزانہ ہزار نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ صحابہ میں سے ایک صحابی نے عرض کی کہ ہم ہزار نیکیاں کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟ فرمایا! جو سو مرتبہ تسبیح پڑھے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی یا ہزار گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔"[578]

عن الأغر المزني أبي مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ توبوا إلی اللہ، فإني أتوب إلیہ کلّ یَوْمٍ مِائۃَ مَرَّۃٍ۔

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں۔"[579]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا جس نے دن میں سو مرتبہ پڑھا **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر** تو اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، سو گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، اس دن شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوتا مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ اس کلمے کا ورد کرے۔[580]

ابن علان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: سو کا عدد ذکر کرنا اور ان اذکار کا اس میں محصور کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس ثواب کی غایت اور حد ہے اور پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد فرمانا کہ جس نے سو سے زیادہ مرتبہ

---

[578](مسلم کتاب الذکر والدعاء)

[579](مسلم کتاب الذکر والدعاء)

[580](بخاری کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذکر)

اس کاورد کیااس کوزیادہ ثواب سے نوازاجائے گا تاکہ کہیں یہ گمان نہ ہوکہ مقررہ عدد سے تجاوز کرنا منع ہے اور زیادتی کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا جس طرح کہ سنتوں کی مقررہ رکعات سے تجاوز کرنا اور اعضاء وضو کو مقررہ تعداد سے زیادہ دھونا منع ہے اس کے برعکس بعض علماء کا خیال ہے کہ مقررہ عدد سے تجاوز کرنا ٹھیک نہیں ہے اور یہ مخصوص ثواب مقررہ عدد پر موقوف ہے۔ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! یہ قول بعید از صواب اور قابلِ التفات نہیں ہے بلکہ صحیح یہی ہے کہ کوئی شخص جتنازیادہ عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اتنازیادہ اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمادے گا۔

وبالغ آخرون فقالوا: إن الثواب الموعود به موقوف علیٰ العدد المذکور۔قال ابن الجوزی:وھذاغلط ظاھر،وقول لایلتفت إلیہ،بل الصواب أنہ کماقال الشاعر:ومن زادزاد اللّٰہ فی حسناتہ۔[581]

ذکر مطلق: وہ ذکر جس میں کسی خاص عدد کی قید نہ ہو اور اس سے مراد وہ ذکر ہے جس کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ نے بلا تخصیص عدد دیاہے۔

جس طرح ارشادِباری تعالیٰ ہے:

یَاأَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااذْکُرُوْ اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔(احزاب: ۴۱)

”اے ایمان والو! یاد کیاکرو اللہ کو کثرت سے“

جوں جوں مؤمن کی ہمت بلند ہوتی ہے اور اللہ کے ساتھ اس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے کیونکہ ”عن عائشۃ أم المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا مَن أَحبَّ شیئًا أَکْثَرَ من ذِکْرِہ“ جوکسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ بکثرت اس کا ذکر کرتا ہے۔(الحدیث)

---

[581](الفتوحات الربانیۃ،ج ۱ ص ۲۰۹)

شیخ کا اپنے مرید کیلیئے ذکر کی تعداد کو متعین و مقرر کر دینا باعثِ حرج نہیں ہے۔ اس طرح شیخ اپنے مرید کی ہمت کو بڑھاتا اور اس کے عزم وارادہ کو پختہ کرتا ہے اور اس سے سستی و کاہلی کو دور کرتا ہے حتیٰ کہ اس کا شمار بکثرت ذکر کرنے والوں میں ہو جاتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کے مختلف کلمات: ذکرِ الٰہی کے مختلف کلمات قلبی امراض اور نفسانی بیماریوں کیلیئے دواء کا کام کرتے ہیں اور ان اذکار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً **لا الہ الا اللہ**، درود بر نبی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم، بعض اسماءِ حسنیٰ اور لفظ اللہ کا ورد، یہ تمام دوائیں قرآن وحدیث کے روحانی شفاخانے سے ہی دستیاب ہیں۔

کیونکہ ذکر کے مختلف کلمات ہیں اور ہر کلمے کا دل پر ایک خاص اثر و تاثیر ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو کہ دلوں کے طبیب اور تعلیم و تربیت میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کے نائب ہوتے ہیں وہ اپنے مریدوں کو خاص اور معین ذکر کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ ذکر ان کے احوال اور ضروریات کے مناسب ہوتا ہے اور منازلِ سلوک کو طے کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح جسمانی طبیب مریض کیلیئے مختلف قسم کی دوائیں تجویز کرتا ہے جو اس طبیعت اور مزاج کے موافق ہوتی ہیں۔ پھر صحتِ مریض کے مطابق دوا میں تبدیلی لاتا رہتا ہے۔ اسی طرح سالک کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رکھے اور وقتاً فوقتاً اس سے مشورہ کرتا رہے اور دورانِ ذکر جو روحانی فوائد اور فیوض وبرکات حاصل ہوں وہ اپنے شیخ کو بتائے۔ اس طرح وہ منازلِ سلوک میں ترقی کرتا جائے گا اور آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرے گا۔

صرف لفظ "اللہ" کے ذکر کا حکم

صرف لفظ "اللہ" کا ذکر جائز ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً" (مزمل:۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلاً۔ (دھر:۲۵)

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔"

ارشاداتِ نبویہ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) سے ثبوت

ارشادِ نبوی (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) ہے:

"عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم قال لاتقومُ السّاعةُ حتّى لا يُقالَ في الأرضِ اللهُ اللهُ"

"نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا! جب تک روئے زمین پر "اللہ اللہ" کا ذکر رہے گا تو اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی"[582]

اس حدیث میں لفظ اللہ کا ذکر مکرر آیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم لاتقوم الساعة على احد يقول "اللہ اللہ"۔

[582] (مسلم کتاب الایمان، ترمذی کتاب الفتن، وقال: حدیث حسن، والامام احمد فی مسندہ)

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! کسی "اللہ اللہ "کاورد کرنے والے پر قیامت قائم نہیں ہوگی"[583]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب اللہ کا ذکر نہیں کیا جائے گا تو لوگوں کی بقا کی حکمت مفقود ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی بقا علماء عاملین، اولیاء صالحین اور عام مؤمنین کی برکت سے ہے اور امام طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی مراد ہے۔ وہ اس حدیث پاک کا یہ معنی بیان کرتے ہیں! "**حتی لا یذکر اسم اللہ و لا یعبد**" حتیٰ کہ نہ اللہ کے اسم کا ذکر ہوگا اور نہ ہی اس کی عبادت کی جائے گی۔

اس کے علاوہ وہ آیات کریمہ اور احادیث طیبہ جو ذکر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں عام اور مطلق ہیں کسی معین ذکر کی تخصیص نہیں کرتیں اور نہ کوئی ایسا حکم وارد ہوا ہے جس نے لفظ "**اللہ**" کے ذکر کو حرام قرار دیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جلد باز لوگ غلطی پر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مفرد ذکر پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کی حجت یہ ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآن و سنت سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر صرف لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو جملہ مفیدہ نہیں بنتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ مفرد کے ساتھ ذاکر کسی مخلوق کے ساتھ گفتگو نہیں کر رہا اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا کلام مکمل جملہ مفیدہ ہو کیونکہ وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے جو اس کے دل کے اسرار سے بھی آگاہ ہے۔ جمہور علماء نے لفظ اللہ کے ذکر کے جواز کی تصریح کی ہے۔ یہاں بعض اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[583] (مرقاۃ المفاتیح، ج۵ ص ۲۲۶)

علامہ ابن عابدین اپنے مشہور حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔ امام طحاوی اور کثیر علماء وصوفیاء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے حتیٰ کہ وہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ مقام کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔[584]

علامہ الخادمی لکھتے ہیں کہ لفظ اللہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الکسائی، الشعبی، اسماعیل بن اسحاق، ابو حفص اور جمہور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسم اعظم ہے اور یہی عقیدہ صوفیائے کرام اور مشائخ کا ہے اور ان کے نزدیک صاحبِ مقام کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم سے ارشاد فرماتا ہے:

"قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ"(الانعام ۹۱)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث قدسی " أنامع عَبدي ما ذكَرَني وتحَرَّكتْ بي شَفَتاهُ"[585] کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جو دل کے ساتھ رب کا ذکر کرتا ہے اسے اس کی معیت حاصل ہوتی ہے اور جو زبان کے ساتھ اس کا ذکر کرے اسے بھی اس کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کی محبت اور ذکر جب بندے کی روح اور دل پر چھا جاتا ہے تو اسے اپنے رب کی معیت اور ہم نشینی حاصل ہوتی ہے اور ذکر کی تین اقسام ہیں۔ عوام الناس کا ذکر زبان سے، اور خواص کا دل سے ہوتا ہے اور خواص الخواص کا ذکر اپنی ذات کو ذکر میں فنا کرنے اور مذکور کے مشاہدہ میں مستغرق رہنے سے ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ہر حال میں مشاہدۂ حق میں گم رہتے ہیں۔

---

[584] (حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۵)

[585] (تخريج المسند ١٠٩٧٦، المعجم الأوسط ٦/٣٦٣، مسند، مستدرک، ابن حبان)

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منازلِ سلوک طے کرنے والے کیلئے لفظ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی نفع مند ذکر نہیں۔ یہ ذکر دل سے محبت غیر کو نکال دیتا ہے۔ ذکر کی حقیقت اور اس کے آثار انوار و تجلیات کے بارے میں عارفین کے اقوال کو اہلِ ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔[586]

شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! لفظ اللہ کا ذاکر اپنی ذات سے بے خبر اور اپنے رب کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔ وہ احکامِ الٰہی پر سختی سے کاربند اور دل کے ساتھ اس کے مشاہدہ میں مشغول رہتا ہے حتیٰ کہ مشاہدہ کے انوار و تجلیات اس کی بشری صفات کو جلا کر رکھ دیتے ہیں۔[587]

سید ابو العباس موسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اے سالک! تجھے اللہ اللہ کا ذکر کرنا چاہئے کیونکہ یہ اسم تمام اسماء کا سلطان ہے اس کا آغاز علم اور انتہاء نور ہے لیکن یہ نور بالذات مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصود وہ کشف اور مشاہدہ ہے جو ذاکر کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے اسی اسم کا ذکر بکثرت کرنا چاہئے باقی تمام اذکار پر اسے ترجیح دینی چاہئے کیونکہ یہ ذکر کلمہ توحید میں موجود تمام عقائد، علوم، آداب اور حقائق کو شامل ہے۔[588]

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! لفظ اللہ سلطان الاسماء اور اسمِ اعظم ہے ذاکر زبان کے ساتھ اس ذکر میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ یہ ذکر اس کے گوشت اور خون میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کے انوار ذاکر کے کلیات و جزئیات میں سرایت کر جاتے ہیں اور پھر ذکر

---

[586] (فیض القدیر ج ۲ ص ۳۰۹)
[587] (نور التحقیق ص ۱۷۴)
[588] (نور التحقیق، ص ۱۷۴)

زبان سے دل کی طرف اور دل سے روح کی طرف اور روح سے سر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس وقت زبان ساکت وصامت ہو جاتی ہے اور ذاکر کو وصال اور مشاہدۂ حق حاصل ہو تا ہے۔[589]

مصنف فرماتے ہیں: اے مرید صادق! لفظ اللہ کے ذکر پر ثابت قدم رہ جبکہ تجھے اس کی کسی مرشد کامل نے اجازت دی ہو کیونکہ یہ ذکر خواہشات نفسانیہ کو ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیتا ہے اور بعض اوقات مرید کو ابتداء میں اس ذکر کی وجہ سے حرارت اور تنگی محسوس ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس اس ذکر کا عادی نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذکر دل سے عالم خلق کو زائل کر دیتا ہے اور اسے کائنات سے خالی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ ابتداء میں اپنے مریدین کو لا الہ الا اللہ کے ذکر کا حکم دیتے ہیں۔ جب ان کے دلوں میں نفی واثبات پختہ ہو جاتی ہے تو انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں اور اس پر دوام اور اس کی تلخی برداشت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر مرید ابتداءً اس تلخی پر صبر نہ کر سکے اور اس ذکر کو ترک کر دے تو منازلِ سلوک میں آگے ترقی نہیں کر سکتا اور اپنی کم ہمتی کی وجہ سے خیر کثیر سے محروم ہو جاتا ہے مگر جو مریدِ صادق اس ذکر کا پختہ ارادہ کر کے صبر واستقامت سے کام لیتا ہے تو یہ اسم اس کے دل میں نقش اور کندہ ہو جاتا ہے۔ غفلت اور کاہلی دور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ مبارک اسم اس کی رگوں میں سرایت کر کے اس کی روح کے ساتھ مل جاتا ہے۔ پھر مذکور (ذاتِ باری تعالیٰ) ہمیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ جب لوگ غفلت کریں تو وہ غافل نہیں ہوتا۔ اس وقت وہ مقامِ احسان پر فائز ہو جاتا ہے جس کی طرف نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنی اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے! "الإحسانُ أنْ تعبُدَ اللهَ كَأنّكَ تَراهُ۔"

---

[589] (تجرید ابن عجیبہ علیٰ شرح الأجرومیة، ص ۱۵)

ترکِ ذکر پر تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی زبان مبارک کے ذریعے تارکینِ ذکر کو تنبیہ فرمائی ہے جس طرح کہ مشائخِ عظام نے بھی اپنے مریدین کو ترکِ ذکر پر خبردار کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَمَنۡ یَعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمَنِ نُقَیِّضۡ لَہُ شَیۡطَانًا فَھُوَ لَہُ قَرِینٌ (۳۶) وَإِنَّھُمۡ لَیَصُدُّونَھُمۡ عَنِ السَّبِیلِ وَیَحۡسَبُونَ أَنَّھُمۡ مُھۡتَدُونَ (الزخرف ۳۷)

"اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمٰن کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہِ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

(۲) وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیۡفَةً دُوۡنَ الۡجَھۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَاتَکُنۡ مِّنَ الۡغَافِلِیۡنَ (اعراف:۲۰۵)

"اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یادِ الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔" منافقین کی مذمت میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَایَذۡکُرُوۡنَ اللہَ إِلَّا قَلِیۡلاً۔ (نساء:۱۴۲)

اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت تھوڑا۔

احادیث رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

عن أبي هريرة ما من قومٍ يقومون من مجلسٍ لا يذكرون اللهَ فيه إلّا قاموا عن مثلِ جيفةِ حمارٍ و كان عليهم حسرةً يومَ القيامةِ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! جب کوئی قوم اللہ کے ذکر کے بغیر مجلس سے اٹھتی ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسے مردار گدھے سے اٹھتے ہیں اور قیامت کے دن انہیں حسرت ہوگی۔"[590]

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ من اللہ ترۃ۔ و من اضطجع مضطجعا لا یذکر اللہ فیہ کان علیہ من اللہ ترۃ۔ و ما مشی احد ممشی لا یذکر اللہ فیہ الا کان علیہ من اللہ ترۃ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ مجلس اس پر حسرت ہوگی اور جو شخص کسی بستر پر لیٹا اور اللہ کا ذکر نہ کیا، اسے اس پر حسرت رہے گی اور جو شخص کسی راستے پر چلا، اور اللہ کا ذکر نہ کیا تو اسے بھی اس پر حسرت رہے گی۔"[591]

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ما جلس قوم مجلسا لم یذکر اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیھم الا کان علیھم ترۃ فان شاء عذبھم و ان شاء غفر لھم۔

---

[590] (اخرجہ أبو داؤد و الحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم کما فی الترغیب ص ۴۱۰)

[591] (رواہ أبو داود فی سننه و الامام أحمد و ابن ابی الدنیا و النسائی ابن حبان فی صحیحه و اللفظ لأبی داود, و الترۃ: النقص و التبعة و الحسرۃ و الندامة)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھی اور اس نے نہ تو اللہ کا ذکر کیا اور نہ ہی اپنے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجا انہیں اس پر حسرت وندامت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے، اور اگر چاہے تو اُنہیں بخش دے۔"[592]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے!"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اہلِ جنت ان اوقات پر حسرت کریں گے جن میں انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔" (طبرانی وبیہقی)

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ما اعلم معصیۃ اقبح من ترک ذکر ھذا الرب۔

"رب کا ذکر ترک کرنے سے زیادہ قبیح معصیت کا مجھے علم نہیں"

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: زبان پر ذکر کا بوجھل ہونا نفاق کی علامت ہے۔۔۔ اے سالک! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا کہ وہ ذکر کو تیری زبان پر خفیف کر دے۔ انہوں نے یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اخذ کیا ہے جس میں منافقین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔[593]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج وَإِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يَرَأُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا قَلِيْلاً (النساء ۱۴۲)

---

[592] (رواه الترمذی فی کتاب الدعوات: وقال: حدیث حسن، وأبو داؤد فی سننه)

[593] (روضۃ الناظرین ص ۴۴)

ترجمہ ”بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر لوگوں کو دکھانے کیلئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالی کا مگر تھوڑی دیر“

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شی کی سزا اور عقوبت ہوتی ہے اور عارف کی عقوبت ترک ذکر ہے۔ عقلمند کو چاہئے کہ وہ غفلت سے بیدار ہو اور ذکرِ خداوندی سے اپنے دل کو بیدار کرنے میں سنجیدگی سے کوشاں اور ذکرِ کثیر کرنے والے مؤمنین کی صفات سے متصف ہو اور قلیل الذکر منافقین کی صفات سے نہ ہو۔

دورانِ ذکر جذب ووجد

ذکر میں حرکت امر مستحسن ہے کیونکہ یہ بدن کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے اور اس کی دلیل امام احمد اور حافظ مقدسی کی روایت کردہ حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشی لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے رقص کر رہے تھے اور اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں: ”محمد صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نیک بندے ہیں“ آپ صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہے تھے عرض کی گئی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ کے صالح بندے ہیں۔ جب آپ صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو ناپسند نہیں فرمایا: اور ان کے اس فعل کو ثابت رکھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ احکام شرعیہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے قول فعل اور تقریر سے ماخوذ ہیں جب آپ صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان کے فعل کو ثابت رکھا اور اس کو ناپسند نہ کیا تو ثابت یہ ہوا کہ یہ فعل جائز ہے۔ اس حدیث پاک میں جھوم جھوم کر نعت رسول صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ

وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پڑھنے کی دلیل ہے۔ حرکت ذکر کو رقص کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ جسم کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے اور دورانِ ذکر حضوریٔ قلب کا باعث ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بندے کی نیت صحیح ہو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔

حضرت ابو اراکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ دائیں طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر بیٹھے رہے۔ آپ کے چہرے پر رنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر جب سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہوا تو دو رکعتیں ادا کیں اور اپنے ہاتھوں کو ملنے لگے پھر ارشاد فرمایا:

"و اللہ لقد رأیت اصحاب محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم فما اری الیوم شیئا بشبھھم لقد کانوا یصبحون صفرا شعثا غبرا بین ایدیھم کامثال رکب المعزی، قدباتوا اللہ سجدا و قیاما یتلون کتاب اللہ ، یتراوحون بین جباھم و اقدمھم فاذا اصبحوا فذکروا اللہ مادوا کمایمید الشجر فی یوم الریح و ھملت اعینھم حتی تتبل و اللہ ثیابھم"[594]

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی بھی ان کی مثل نظر نہیں آتا۔ بوقت صبح ان کے رنگ پیلے اور بال بکھرے اور گرد آلود ہوتے، رات بھر اللہ کے حضور سجود و قیام میں رہتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور سجود و قیام سے تسکین اور راحت حاصل کرتے۔ علی الصبح ذکرِ الٰہی کرتے اور اس طرح حرکت کرتے جیسے ہوا میں درخت حرکت کرتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو رواں ہوتے کہ قسم بخدا ان کے کپڑے تر ہو جاتے۔"

---

[594] (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸، الحلیۃ ج ۱ ص ۷٦)

اس ساری عبارت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ "مادوا کما یمید الشجر فی یوم الریح، وھملت اعینھم حتی تتبل و اللہ ثیابھم" قابلِ توجہ ہے کیونکہ یہ دورانِ ذکر جذب و حرکت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے اور جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ دورانِ ذکر حرکت کرنا بدعت محرمہ ہے ان کے دعوی کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے اپنے ایک رسالے میں دورانِ ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دورانِ ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نہ تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور نہ ہی اس کا قصد لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن ان کا صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے حلقاتِ ذکر کے جمال کو مسخ کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سی بدعات ضالہ اور ایسے ناپسندیدہ افعال اس میں داخل کر دیئے ہیں جو شرع مطہرہ کے نزدیک حرام ہیں۔ ان کی محافل گانے بجانے کے آلات نوخیز لڑکوں اور آلات موسیقی سے مزین ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی محافل تصفیۂ قلب اور وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ غافلین کیلئے فرحت و سرور اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے بھرپور مواقع ہوتے ہیں۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مدعیانِ علم مطلقاً حلقاتِ ذکر کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جعلی صوفیوں اور حقیقی مشائخ میں فرق نہیں کرتے۔ حقیقی مشائخ اللہ سے ہی سنتے ہیں اسی کے مشتاق رہتے ہیں، اگر اس کا ذکر کریں تو ان پر آہ و بکا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اس کا شکر کریں تو

ان کے احوال ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اس کو پالیں تو نعرہ مستانہ لگاتے ہیں، اگر مشاہدہ حق حاصل ہو جائے تو سکون وراحت میں ہو جاتے ہیں۔ جب ان پر کیفیت وجد غلبہ پذیر ہوتی ہے تو شرابِ عشق ومستی کے جام نوش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن کے دل پر خوف اور ہیبت کی چوٹ زنی ہوتی ہے تو عالم مدہوشی میں گر جاتے ہیں اور واصل بحق ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں پر لطف وکرم کی کرن درخشاں ہوتی ہے تو وہ عالم فرحت وسرور میں جھومنے لگتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو مقامِ قرب سے پیام محبت ملتا ہے تو وہ مدہوشی کے عالم میں اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور میرے نزدیک مذکورہ سوال کا یہی جواب ہے۔ **واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔**

پھر فرماتے ہیں ہمیں ان لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں جو ان مخلص مشائخ کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے مشرب سے مستفید اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان پر خداوند کریم کی محبت اور شوق غالب آجاتا ہے بلکہ ہمارا اعتراض ان فاسق وفاجر لوگوں پر ہے جو صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے لبادہ میں لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔[595]

ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام سے ظاہر ہوا کہ ذکر میں جذب ووجد جائز ہے اور آپ کا فتویٰ بھی اس کے جواز پر ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے **ردالمختار** کی تیسری جلد میں ان اشیاء کو ممنوع قرار دیا ہے تو یہ ان حلقاتِ ذکر پر محمول ہو گا جن میں خلافِ شرع افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے یعنی وہ لوگ اس میں مختلف قسم کے آلاتِ موسیقی استعمال کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ابن عابدین رحمۃ

---

[595] (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ص: ۱۷۲، ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ علیہ کی اس کلام سے جذب ووجد کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ آپ کے "مجموعہ رسائل" تک رسائی نہیں کر سکے۔ اگر وہ مجموعہ رسائل کو پڑھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے حقیقی صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اور لبادہ تصوف اوڑھنے والوں میں فرق کیا ہے اور حقیقی صوفیاء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے تواجد کو مباح قرار دیا ہے۔ تواجد جو حقیقی وجد نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تکلف اور تصنع ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں جب ذاکر کی نیت صحیح ہو۔ جیسا کہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

مافی التواجدان حققت من حرج　　　　ولا لتمایل ان اخلصت من باس

"اگر تو حقیقت سے آشنا ہے تو تیرے تواجد میں کوئی حرج نہیں اور اگر تو مخلص ہے تو تیرا جھومنا بھی قابلِ اعتراض نہیں"۔

جب تواجد شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے تو وجد بدرجہ اولی جائز ہو گا۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا وجد اور تواجد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مختلف احوال سے ماخوذ ہے۔ مکہ مکرمہ کے شافعی المذہب مفتی اور عظیم سکالر شیخ احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب "سیرۃ نبویہ" میں اسی قسم کے ایک واقعہ کی منظر کشی کرتے ہیں فرمایا: فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے سولہ مسلمان حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے قیام فرمایا، اور جب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ان سے ملے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور

پھر ارشاد فرمایا: ما ادری بایھما افرح بفتح خیبر ام بقدوم جعفر۔ وقال لجعفر: اشبھت خلقی وخلقی۔ ”رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتحِ خیبر کی یا آمدِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا: تو شکل وصورت میں اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو اس خطاب کی لذت میں رقص کرنے لگے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس پر انکار نہ کیا اور یہی صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے رقص کی اصل ہے۔“[596]

علامہ آلوسی، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”اَلّذِینَ یَذۡکُرونَ اللہ قِیَامًا وّقعُودًا“ (آل عمران ۱۹۱) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھ بہت سے لوگ عید کے دن نماز عید کیلئے نکلے تو راستے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اَلّذِینَ یَذۡکُرونَ اللہ قِیَامًا وّقعُودًا“ (آل عمران ۱۹۱) نہیں سنا تو وہ کھڑے ہو کر ذکر کرنے لگے اور اس سے ان کا مقصد اس آیت کریمہ کے مطابق عمل کرنا تھا۔[597]

شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وقل للذی ینھی عن الوجد اھلہ   اذا لم تذق معنی شراب الھوی دعنا
اذا اھتزت الارواح شوقا الی اللقا   نعم ترقص الاشباح یا جاھل المعنی

---

[596] (السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیۃ ج ۲ ص ۲۵۲)
[597] (روح المعانی، ج ۴ ص ۱۴۰)

(۱) کہہ دو اس آدمی کو جو اہلِ وجد کو وجد کرنے سے منع کرتا ہے۔ اگر تو نے شرابِ محبت کا ذائقہ نہیں چکھا تو ہمیں اپنی حالت پر چھوڑ دو۔

(۲) جب روحیں ملاقات کیلئے بے قرار ہوتی ہیں۔ اے ناواقفِ اسرار! تو جسم بھی محورِ قص ہو جاتا ہے۔

خلاصہ ٔبحث: یہ ہے کہ ذکر میں جذب ووجد شرعًا مباح ہے۔ مزید براں یہ کہ ذکر کا حکم مطلق ہے اور تمام احوال کو شامل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، چلتے ہوئے، جھومتے ہوئے اور بحالت سکون کیا، وہ امرِ الٰہی کو بجالایا اور جو شخص دورانِ ذکر وجد وجذب کی حرمت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے کیونکہ وہ مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال مسلمان کا مطمحِ نظر یہی ہونا چاہیئے کہ وہ حلقاتِ ذکر میں داخل ہو کر عبادت وذکر میں مشغول رہے کیونکہ یہ وجد وغیرہ ذکر کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ یہ تو اس عبادت میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور اگر نیت صحیح ہو تو اہلِ وجد کے ساتھ مشابہت بھی فائدہ مند ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

فتشبهوا ان لم تكونوا مثلهم ان التشبه بالكرام فلاح

اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو ان سے مشابہت کر لو کیونکہ شرفاء کی مشابہت اختیار کرنے میں کامیابی ہے۔

مسجد میں سماع اور اشعار کا حکم

حدیث پاک ہے:

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ان من الشعر حکمۃ۔

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! بعض اشعار میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔"[598]

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم کان ینقل اللبن مع القوم فی بناء المسجد وھم یرتجزون ویقولون: اللّٰھم لا عیش الا عیش الاخرۃ فانصر الانصار والمھاجرۃ۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم مسجد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی تعمیر کے لئے اینٹیں اٹھا رہے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رجز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے پس تو انصار و مہاجرین کی مدد فرما"[599]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی معیت میں خیبر کی طرف رات کا سفر کر رہے تھے تو کسی نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ ہمیں اپنے اشعار سنائیں۔ حضرت عامر

---

[598] (بخاری کتاب الأدب، مسلم کتاب الجهاد)

[599] (صحیح بخاری فی کتاب الأدب، صحیح مسلم فی کتاب الجهاد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر تھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سورای سے اترے اور حدی خوانی شروع کر دی۔
آپ نے ارشاد فرمایا:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا　　　و لا تصدقنا و لا صلینا
فاغفر فداء لک ما اقتضینا　　　و ثبت الاقدام ان لاقینا
و القین سکینۃ علینا　　　انا اذا صیح بنا اتینا

اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ حاصل کرتے اور نہ ہی صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، تو اپنی مہربانی سے ہمارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اگر ہم دشمن پر حملہ کریں، ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما۔ دشمن نے جب ہمیں پکارا تو ہم آ گئے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ حدی خواں کون ہے؟ عرض کی عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کی شہادت لازم ہو گئی۔ کاش کہ آپ ہمیں کچھ دیر لطف اندوز ہونے دیتے۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔[600]

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے قریب سے گزرے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھے اشعار پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بھر پور نظر سے دیکھا تو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے میں تو مسجد میں اس وقت بھی اشعار پڑھتا تھا

---

[600] (صحیح بخاری فی کتاب الأدب، صحیح مسلم فی کتاب الجهاد)

جب اس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہستی (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم) موجود تھی۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کہ تم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنا: اجب عنی اللہ تعالیٰ ایدہ بروح القدس قال نعم ”اے حسان تم میری طرف سے انہیں جواب دے دواوراے میرے پروردگارتو روح القدس سے اس کی تائید فرما۔“ حضرت ابوہریرہ کہنے لگے۔ہاں سنا ہے۔“[601]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے مفاخر بیان فرماتے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے:

ان اللہ یؤید حسانَ بروح القدس ما نافخ أو فاخر عن رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلّم۔

”کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضرت حسان کی تائید فرماتا ہے۔جب تک وہ مفاخر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بیان کرتے رہتے ہیں۔“[602]

---

[601] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الصلاۃ وأول الحدیث ”یا حسان أحب عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلّم اللھم أیدہ بروح القدس“ ورواہ مسلم فی صحیحہ فی باب فضائل حسان بن ثابت)

[602] (رواہ مسلم فی صحیح فی کتاب فضائل صحابۃ)

علامہ سفارینی فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن انباری کی روایت میں ہے کہ کعب بن زہیر جب توبہ کر کے حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا اور جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسیف یستجاء بہ مہند من سیوف الھند مسلول

ترجمہ: "بے شک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہندی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔"

تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے خوش ہو کر انہیں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار درہم سے اس چادر کو خریدنا چاہا تو کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی چادر کو کسی صورت میں بھی نہیں بیچ سکتا۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خرید لی۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے سامنے قصیدہ پڑھنے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم کا انہیں چادر مبارک عطا کرنے سے چند سنتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) شعر پڑھنے کا جواز۔

(۲) مسجد میں اشعار کا سننا۔

(۳) شاعر کو انعام واکرام سے نوازنا۔[603]

---

[603] (غذاء الألباب ص ۱۵۵)

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "**الاعتصام**" میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابو الحسن القرافی حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نماز سے فارغ ہونے کے بعد شعر پڑھنے لگتے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ کون ہیں؟ عرض کی گئی کہ فلاں شخص ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا چلو اس کے پاس چلتے ہیں کیونکہ اگر ہم نے اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو وہ اس معاملے کو سمجھ جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں اس آدمی کے پاس تشریف لائے۔ اس آدمی نے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کیا اور عرض کی یا امیر المؤمنین! کس کام اور غرض کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تشریف لائے ہیں؟ اگر ہمارے ساتھ کام تھا تو ہمارا زیادہ حق بنتا تھا کہ ہم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اگر دین کا کام تھا تب بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے خلیفہ کی تعظیم ہمارے لئے فرض ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہارے متعلق مجھے قابلِ اعتراض بات پہنچی۔ اس نے عرض کی وہ کیا ہے یا امیر المؤمنین آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم نماز کے بعد اشعار پڑھتے ہو۔ اس نے عرض کی نہیں یا امیر المؤمنین یہ تو نصیحت ہے جو میں اپنے نفس کو کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان اشعار کو پڑھو اگر تو اچھا کلام ہوا تو میں تمہارے ساتھ پڑھوں گا اور اگر قبیح ہوئی تو میں تمہیں روک دوں گا۔

اشعار یہ ہیں:

وفؤادی کلماعاتبته　　فی مری الھجران یبغی تعبی

لااراہ الدھر الالاھیا　　فی تمادیه فقدبرح بی

یاقرین السوءماھٰذاالصبیا　　فنی العمر کذافی اللعب

وشباب بان عنی فمضی　　قبل ان اقضی منی اربی

ماارجی بعدہ الاالفنا　　ضیق الشیب علی مطلبی

ویح نفسی لااراھاابدا　　فی جمیل لاولافی ادب

میں نے اپنے دل کو جب بھی ہجر کے بارے میں جھڑ کا تو مجھے تنگ کرتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ وہ ہر وقت اپنی سرکشی میں غافل ہے حتیٰ کہ اس نے مجھے پریشان کر دیا، اے بُرے ساتھی! یہ کیا بچپنا ہے کہ اسی طرح عمر کھیل کود میں ضائع ہو گئی، جوانی مجھ سے جدا ہو گئی اور کوچ کر گئی قبل اس کے کہ میں اس سے کوئی حاجت پوری کر لیتا، اس کے بعد اب مجھے فنا کی امید ہے بڑھاپے نے میرے مطلوب ومقصود کو مشکل کر دیا، ہلاکت ہو میرے نفس کی میں نے اسے کبھی نیکی کے کام میں اور نہ ہی ادب کے کام میں دیکھا ہے۔

اس کلام کا آخری شعر یہ ہے جب امام صاحب نے یہ شعر پڑھا:

نفس لاکنت ولاکان الھوی　　راقبی مولاہ وخافی وارھبی

اے نفس! نہ تو رہے اور نہ تیری خواہشات، اپنے مولیٰ کا خیال رکھ اس سے خوف کھا اور اسی سے ڈر۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ شعر پڑھنے لگے اور فرمایا جو شعر پڑھنا چاہے تو اسی قسم کے اشعار پڑھے۔[604]

[604](الاعتصام للامام الشاطبی ج ۱ ص ۲۲۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شعر عام گفتگو کی طرح ہے اس میں معیاری اور اچھے اشعار کو اچھا تصور کیا جائے گا اور قبیح کو قبیح۔[605]

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لا باس بانشاد الشعر فی المسجد اذا کان مدحا للنبوۃ او الاسلام او کان حکمہ او فی مکارم الاخلاق او الزھد و نحو ذٰلک من انواع الخیر"

مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی نعت ہو یا اسلام کی مدح، یا حکمت کا ذکر ہو یا مکارمِ اخلاق کا زہد ہو یا دیگر افعالِ خیر۔[606]

ابو بکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں:

لا بأس بإنشاد الشعر فی المسجد إذا کان فی مدح الدین و إقامۃ الشرع۔

مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اشعار دین اور احکام شرع کی تعریف میں ہوں۔[607]

حدیٰ خوانی

اس کے متعلق حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں حدی خوانی عام تھی اور حدی خوانی سے مراد وہ اشعار ہیں جو خاص طرز پر خوبصورت آواز میں پڑھے جاتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔[608]

---

[605] (فتح الباری شرح صحیح البخاری لإبن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ج۴۴۳:۱۰)

[606] (شرح صحیح مسلم: ج:۱۶: ص:۴۵)

[607] (تحفۃ الأحوذی شرح سنن ترمذی ۲۷۶:۲)

[608] (احیاء العلوم: ج:۲: ص:۲۴۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایک سفر میں جارہے تھے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا ایک غلام انجشہ، عورتوں کی سواریوں کو ہانک رہا تھا اور ساتھ ساتھ حدی خوانی کر رہا تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اے انجشہ! سواریوں کو آہستہ ہانکو۔ یہ عورتیں آبگینوں کی مانند ہوتی ہیں۔[609]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا انجشہ نامی غلام حدی خوانی کیا کرتا تھا۔ اس کی آواز انتہائی خوبصورت تھی۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اسے فرمایا! اے انجشہ ذرا آہستہ کہیں آبگینوں کو توڑ نہ دینا۔[610]

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں ابن بطال سے نقل کرتے ہیں کہ آبگینوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اونٹوں پر سوار تھیں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حدی خوان کو آہستہ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ پھر اس کی حدی خوانی سے اونٹ تیز تیز چلتے تھے جس سے عورتوں کے گرنے کا خدشہ تھا۔ آخر میں ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں کہ حدی خوانی کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ بعض حنابلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن یہ اختلاف صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کی واضح دلیل ہے۔

حاجیوں کو حج کا شوق دلانے کیلئے کعبہ شریف اور دیگر مقامات کے متعلق پڑھے جانے والے اشعار اور اسی طرح مجاہدین کو جہاد پر برانگیختہ کرنے والے ترانے بھی اسی کے ضمن میں آتے ہیں۔

[609](رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب، ومسلم فی کتاب فضائل الصحابۃ)

[610](رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب)

شیخ امام طبری، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے حدی خوانی، شعر اور غنا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں جب تک ان میں فحش کلام نہ ہو۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ وہ اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی عظمت ووحدانیت اس کی طاعت وانقیاد کا ذکر ہو وہ اچھے اور قابلِ توجہ ہیں اور اس حدیث "ان من الشعر حکمة" سے اسی قسم کے اشعار مراد ہیں اور اسی طرح وہ اشعار جن میں کذب اور بے ہودگی پائی جائے جائز نہیں اور قابل التفات نہیں۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی موجودگی میں حدی خوانی ہوتی تھی اور بعض اوقات آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم خود بھی اس کا حکم فرماتے تھے اور حدی خوانی میں بھی اشعار خاص طرز پر پڑھے جاتے ہیں۔[611]

علامہ سفارینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الاقناع وغیرہ میں ہے کہ وہ حدی خوانی جس کے ساتھ اونٹوں کو ہانکا جاتا ہے اور بدّوؤں کے ترانے مباح ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق حدی خوانی بلا کراہت مباح ہے کیونکہ احادیث وآثار میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے۔[612]

علامہ الفقیہہ خلیل الخلاوی اپنی کتاب الحظر والاباحۃ میں فتاویٰ خیریہ سے نقل کرتے ہیں کہ صاحبِ فتاویٰ خیریہ مسئلہ سماع میں علماء کے اقوال اور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

---

[611] (فتح الباری شرح صحیح البخاری لإمام ابن حجر العسقلانی، ج ۱۰ ص ۴۴۲)

[612] (غذاء الألباب شرح منظومة الآداب، للعلامة السفارینی ج ۱ ص ۱۴۵)

جہاں تک صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰکے اختلاف کا تعلق ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ اس سماع کو مستحب کادرجہ حاصل ہے۔[613]

جیسا کہ کثیر محققین نے اس کاذکر کیاہے کہ سماع کااصلی مقصد وعظ ونصیحت اور ارشاد وہدایت ہے کیونکہ سماع فطری طور پر انسانی جذبات ابھارتا ہے۔اس سے بارگاہِ قدسی سے انس اور انوارِ محمدی تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا سماع لہو ولعب اور فضول امور سے خالی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا حال عام لوگوں سے کہیں مختلف ہوتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں عوام الناس کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ان کا سماع اچھے احوال میں اضافے کاباعث ہوتاہے۔یہ وجد کو ظاہر کرتاہے اور دِل کو متحرک کرتاہے کیونکہ ان کے دلوں کا اپنے رب سے گہرا تعلق اور ربط اور اس کی بارگاہ میں حضوری اور قرب حاصل ہوتاہے تو یہ سماع ان کی ارواح کو سیراب کرتاہے اور منازلِ سلوک کو جلد طے کرنے کا سبب بنتاہے لیکن کمینے اور گھٹیالوگوں کا سماع اس کے برعکس ہوتاہے۔وہ لہو ولعب اور آلاتِ موسیقی سے آراستہ محافل کا اہتمام کرتے ہیں۔یہ چیز ان کے قلبی فسق وفجور کو ظاہر کردیتی ہے اور فرائض وواجبات کو بھلادیتی ہے تو کیاان فاسقوں اور فاجروں پر اولیائے صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کو قیاس کرنا ممکن اور مناسب ہے؟

[613](الدرر المباحۃفی الحظر والإباحۃللفقیۃالشیخ خلیل بن عبدالقادر الشیبانی الشہیر بالنحلاوی ص ۹۳)

سماع اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

حضرت مسلم عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! کہ ہمارے پاس صالح مری، عتبہ الغلام، عبد الواحد بن زید اور مسلم سواری رحمہم اللہ تعالیٰ تشریف لائے۔ ایک رات وہ ساحل پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان کیلئے کھانا تیار کر کے انہیں دعوت دی۔ وہ تشریف لائے تو میں نے کھانا ان کے سامنے رکھا تو کسی نے یہ شعر پڑھا:

وتلهيک عن دار الخلود مطاعم — و لذة نفس غيها غير نافع

(تجھے جنت سے غافل کر دیا ہے ماکولات اور نفس کی لذت نے جس کی گمراہی فائدہ مند نہیں۔)

جب انہوں نے یہ شعر سنا تو عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور باقی لوگ گریہ کناں ہو گئے اور قسم بخدا کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ چکھا۔[614]

حضرت ابو عثمان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ حضرت الحارث محاسبی کے سامنے کسی قوال نے یہ اشعار پڑھے:

انا في الغربة ابكي — ما بكت عين غريب

لم اكن يوم خروجي — من بلادي بمصيب

عجبًا لي و لتركي — وطنا فيه حبيبي

"میں بحالت سفر روتا ہوں، جیسا کہ ایک اجنبی کی آنکھ روتی ہے۔ میرا اپنے وطن سے نکلنے کا فیصلہ درست نہ تھا اور تعجب ہے میرے لئے کہ میں اس وطن کا تارک ہو گیا، جہاں میرا محبوب رہتا

---

[614] (الإحياء ج ٢ ص ١٥٢)

تھا۔" آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ اشعار سنے تو وجد میں آ گئے اور رونے لگے حتیٰ کہ تمام حاضرین آپ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ترس کھانے لگے۔[615]

جب ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد تشریف لائے تو بعض صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے قوال لے آئے اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تو اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

صغير هواک عذبنی　　　فكيف به اذا احتنكا
و انت جمعت فی قلبی　　　هوی قد كان مشتر كا
اما ترثی لمكتئب　　　اذا ضحک الخلی بكی

تیری چھوٹی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال دیا جب یہ پختہ ہو جائے گی تو کیا حال ہو گا؟ تو نے میرے دل میں اس محبت کو جمع کر دیا جو مشترک تھی۔ کیا تجھے اس شکستہ خاطر پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جب فارغ البال ہنستا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار سنے تو آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے کھڑے ہوئے پھر منہ کے بل گر پڑے۔[616]

مروی ہے کہ ابوالحسن نوری ایک دعوت میں شریک تھے وہاں ایک علمی مسئلہ میں بحث شروع ہو گئی۔ آپ پہلے خاموش رہے پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا سر اٹھایا یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: کتنی ہی فاختائیں ہیں جو بوقت چاشت ٹہنیوں میں غمگین گانا گاتی ہیں انہوں نے مجھے میرا محبوب اور گزرا ہوا اچھا زمانہ یاد دلا دیا۔ وہ غم سے روئی اور میرے غم میں اضافہ کر دیا۔ کبھی میرے

---

[615] (طبقات الصوفية لأبی عبدالرحمن السلمی بتحقيق نور الدين شريبة ص ٢٠)

[616] (الإحياء ج ٢ ص ٢٥٠)

رونے نے اسے اور کبھی اس کے رونے نے مجھے بیدار رکھا۔ میں شکوہ کرتا تو اسے نہ سمجھا سکتا اور اگر وہ شکوہ کرتی تو مجھے نہ سمجھا سکتی لیکن دردِ دروں کی وجہ سے میں اسے پہچانتا تھا اور وہ مجھے اس درد کی وجہ سے۔

فرماتے ہیں! جب حاضرین نے یہ اشعار سنے تو کھڑے ہو گئے اور ان پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ یہ وجد کی کیفیت اس علمی بحث کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی جس میں وہ مصروف تھے۔ اگرچہ یہ علم حق وصواب ہے۔[617]

شیخ سفارینی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ سماع دل کے پوشیدہ جذبات کو ابھارتا ہے اور حرکت دیتا ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دل اللہ کے ذکر سے معمور اور نفسانی خواہشات سے پاک اور محبتِ الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں اور ان میں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ شوق وجد ہیجان اور اضطراب ان کے دلوں میں اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے جس طرح آگ اور یہ چیزیں اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب دل پر کوئی مناسب چوٹ لگتی ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سماع کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ دورانِ سماع ان کے دل پر اچانک چوٹ لگتی ہے چوٹ کی شدت سے ان کے دل کی قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے اس وجہ سے ان سے بعض حرکات چیخ وپکار صادر ہوتے ہیں حتی کہ بعض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ سماع ان کے دلوں میں پوشیدہ جذبات کو ابھار دیتا ہے نہ کہ دلوں میں کوئی نئی چیز پیدا کرتا ہے۔

اسی وجہ سے شیخ ابو القاسم جنید قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دلوں میں پہلے جو کچھ موجود ہوتا ہے اسی کو حرکت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیائے عظام پر

---

[617] (الإحیاء ج ۲ ص ۲۶۳)

وجد کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ کلام شاعر کی وجہ سے کیونکہ وہ کلام کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

حضرت ابو حکمان صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ اسی طرف مشیر ہے آپ نے بیچنے والے کو سنا کہ وہ آواز لگا رہا ہے یا معتر بری آپ غش کھا کر گر پڑے جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو افاقہ ہوا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے وجد کی حرکت ان کے دِل میں پوشیدہ اسرار کی وجہ سے تھی نہ کہ قائل کی ظاہری آواز سے۔

اسی طرح بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے انہوں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "الخیار عشرۃ بحبه" (ایک پیسے کے دس کھیرے) تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذا کان الخیار عشرۃ بحبه فما قیمۃ الاشرار؟" (جب نیکوکار کی قیمت دس پیسے ہیں تو بدکاروں کی قیمت کیا ہو گی)

محبتِ الٰہی میں مستغرق کثیف الفاظ سے لطیف معانی سمجھ لیتا ہے کیونکہ وہ ظاہری صورت اور ترنم کی جانب ملتفت نہیں ہوتا اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ سماع عمدہ معانی اور خوبصورت ترنم کا نام ہے تو وہ حقیقت سے بہت دور ہے بزرگ فرماتے ہیں سماع حقیقتِ ربانیہ اور لطائفِ روحانیہ ہے جب یہ سماع قلوب میں سرایت کرتا ہے تو ماسِوی اللہ ہر چیز کو مٹا دیتا ہے اور یہی سماع حق ہے۔

مشائخ کا بیان ہے کہ کیفیت وجد طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ صاحبِ وجد میں واردات برداشت کرنے کی قوت نہیں ہوتی کیونکہ جب اس کے دل پر انوار و لطائف کی کثرت ہوتی ہے تو اس

پر وحشت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے کبھی وہ چیخنے لگتا ہے اور کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور یہ حالت عموماً سلوک کے ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے لیکن کاملین پر یہ وجد کی کیفیت طاری نہیں ہوتی بلکہ ان پر سکون وطمانیت غالب ہوتی ہے کیونکہ ان کے قلوب اور سینوں میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ ان تمام چیزوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر پر سکون نظر آتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر جذبات وہیجانات کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ شیخ ابو القاسم جنید سے عرض کی گئی کہ کیا وجہ ہے کہ دورانِ سماعت حرکت میں نہیں آتے۔ فرمایا: "وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ النمل" یعنی اور دیکھیں گے آپ پہاڑوں کو تو گمان کریں گے ٹھوس جبکہ وہ بادلوں کی مانند چلتے ہیں![618]

ذکر کے اجمالی فوائد

(ا):عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قالا: قال! رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم مامن قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اَصحَابِهٖ وَ سَلَّم نے ارشاد فرمایا کوئی قوم اللہ کا ذکر نہیں کرتی مگر فرشتے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ سکون واطمینان ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے"[619]

---

[618](غداء الألباب، ج ا ص ۱۳۷)

[619](أخرجه مسلم فی کتاب الذکر، والترمذی فی کتاب الدعاء وقال: حسن صحیح)

(۲): عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول الرب تبارک وتعالی من شغلہ قرأۃ القرآن وذکری عن مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے جو آدمی مجھ سے سوال کرنے کی بجائے تلاوتِ قرآن اور میرے ذکر میں مشغول رہا اس کو میں سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں"۔[620]

(۳): عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: یقول الرب یوم القیامۃ سیعلم اھل الجمع الیوم من اھل الکرم؟ فقیل ومن اھل الکرم یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال اھل مجالس الذکر فی المساجد۔

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ارشاد فرمائے گا کہ آج سب لوگ جان لیں گے کہ اہلِ کرم کون ہیں؟ عرض کی گئی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ اہلِ کرم کون ہیں؟ فرمایا مساجد میں محافلِ ذکر منعقد کرنے والے"[621]

(۴): عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خرج علی حلقۃ من اصحابہ فقال ما اجلسکم؟ قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ فقال اتانی جبرائیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکۃ۔

---

[620] (أخرجہ الترمذی وحسنہ، والدارمی والبیھقی، کما مر فی ص ۱۲۱)

[621] (رواہ الإمام أحمد وأبو یعلیٰ والبیھقی وابن حبان فی صحیحہ، کما مر فی ص ۱۲۰)

ترجمہ: ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا عرض کی ہم بیٹھے اللہ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء کر رہے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آیا اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تم پر فخر کرتا ہے“[622]

(۵): ”عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ الا ناداھم مناد من السماء قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم حسنات“

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی قوم ذکر اللہ کیلئے جمع ہوتی ہے تو آسمان سے منادی ندا دیتا ہے جب تم اس ذکر سے کھڑے ہو گے تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔“[623]

(۶): ”عن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان سلمان فی عصابۃ یذکرون اللہ فمر النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فکفوا فقال: ما کنتم تقولون؟ قلنا نذکر اللہ قال: انی رأیت الرحمۃ تنزل فاحببت ان اشارککم فیھا ثم قال الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معھم۔

[622] (أخرجه مسلم من حديث طويل في كتاب الذكر، والترمذي في كتاب الدعاء)

[623] (أخرجه أحمد وغيره، ومرّ عزوه في ص ۱۲۱)

"حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت میں ذکر کر رہے تھے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم خاموش ہو گئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کی کہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا میں نے دیکھا کہ رحمت نازل ہو رہی ہے میں نے بھی چاہا کہ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ پھر فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں۔"[624]

ذکر کے فوائد

ابن قیم لکھتے ہیں کہ ذکر کے سو (۱۰۰) سے زائد فائدے ہیں:

(۱): شیطان کو بھگاتا ہے اور اس کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

(۲): ذکر سے رب راضی ہو جاتا ہے۔

(۳): دل سے غم و حزن کو دور کر دیتا ہے۔

(۴): دل کی مسرت و فرحت کا باعث ہے۔

(۵): چہرے اور دل کو منور کرتا ہے۔

(۶): دل و بدن کو قوی کرتا ہے۔

(۷): وسعتِ رزق کا باعث ہے۔

---

[624] (أخرجه الإمام أحمد والحاكم وصححه)

(۸): ذاکر کو رعب و دبدبہ اور تازگی عطا کرتا ہے۔

(۹): اس محبت کا سبب ہے جو روح اسلام ہے اور دین کا مرکز ہے اور سعادت و نجات کا جس پر دارومدار ہے۔

(۱۰): اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہے اور دائمی ذکر کو اپنی محبت کا سبب بنایا ہے۔ جو اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور ذکر ہی محبت کا دروازہ ہے اور اس کی سب سے بڑی علامت اور مضبوط راستہ ہے۔

وہ ذاکر کو مراقبہ کا اہل بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اسے مقامِ احسان تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل کبھی بھی مقام احسان کو حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طرح آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر گھر نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۱): اور اللہ کی بارگاہ میں بکثرت رجوع کا سبب ہے اور جو شخص ذکر کے ساتھ اس کی بارگاہ میں بکثرت رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام احوال میں اس کے دل کو اپنی طرف مائل کر دیتا ہے اور مصائب وآلام میں اس کے دل کا قبلہ و کعبہ اور ملجأ و ماؤی خداوند قدوس کی ذات ہی ہوتی ہے۔

(۱۲): یہ رب قدوس کے قرب کا اہل بنا دیتا ہے اور جس قدر وہ اس کا ذکر کرتا ہے اس قدر اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۳): اس پر معرفت کا عظیم دروازہ کھل جاتا ہے جس قدر زیادہ ذکر کرتا ہے اسی قدر اسے معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴): ذاکر پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال طاری رہتی ہے بخلاف غافل کے کہ اس کے دل پر حجاب ہوتا ہے۔

(۱۵): اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ یاد کرنے لگ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے! فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرة ۱۵۲) اور اگر ذکر کا یہی ایک فائدہ ہوتا تو یہ عظمت و شرف کے اعتبار سے خالی نہ ہوتا۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر افضل گروہ میں کرتا ہوں۔[625]

(۱۶): اور یہ حیات قلب کا باعث ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دل کیلئے ذکر ایسے ہے جیسے مچھلی کیلئے پانی اور مچھلی جب پانی سے جدا ہو تو اس کی کیا حالت ہو گی۔

(۱۷): دل کے زنگ کو دور کرتا ہے ہر چیز کو زنگ لگتا ہے اور دل کا زنگ غفلت اور خواہشاتِ نفسانیہ ہیں۔ ذکر توبہ اور استغفار سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔

(۱۸): خطا کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ نیکیاں خطاؤں کو ختم کر دیتی ہیں اور ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔

(۱۹): یہ ذکر بندہ ورب کے درمیان اجنبیت کو زائل کر دیتا ہے کیونکہ بندہ اور رب کے درمیان اجنبیت صرف ذکر سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

(۲۰): جب بندہ خوشحالی کے دنوں میں رب قدوس کو یاد رکھتا ہے تو تنگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ اس کی خبر گیری کرتا ہے۔ ایک اثر روایت کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ذکر کرنے والے بندے کو جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے یا بارگاہِ الٰہی میں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار! یہ تو معروف بندے کی جانی پہچانی آواز ہے جب غافل اور

---

[625] (من حديث أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب التوحيد عن أبي هريرة رضي الله عنه، ومرّ في ص ۱۲۰ و ۱۲۵)

ذکر اللہ سے اعراض کرنے والا دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کسی اجنبی بندے کی نامانوس آواز ہے۔

(۲۱): اللہ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں۔[626]

(۲۲): یہ ذکر نزولِ رحمت اور سکون واطمینان کا سبب ہے ذاکر کو اللہ کے فرشتے گھیر لیتے ہیں جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث گزر چکی ہے۔[627]

(۲۳): زبان کو غیبت، چغل خوری، جھوٹ، فحش اور باطل کلام سے محفوظ کرنے کا سبب ہے کیونکہ بندہ کلام اور گفتگو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر اللہ کا ذکر نہیں کرے گا۔ اس کی زبان ان لغویات میں مشغول ہو جائے گی۔ زبان کو ان سے محفوظ کرنے کا طریقہ صرف اللہ کا ذکر ہے۔ یہ آزمودہ چیز ہے کہ جس نے اپنی زبان کو اللہ کے ذکر کا عادی کر لیا اس نے اس کو باطل اور لغو کلام سے محفوظ کر لیا اور جس کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول نہ ہوئی وہ باطل اور لغو کلام میں واقع ہو گئی۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

(۲۴): بے شک محافل ذکر، اللہ کے فرشتوں کی محافل ہیں۔ لغو اور باطل امور کی مجالس شیطان کی مجالس ہیں۔ بندے کو ان دونوں سے جو اچھی لگے اسے اختیار کر لے۔ وہ دنیا وآخرت میں اپنی اختیار کردہ محفل کے ساتھ رہے گا۔

---

[626] (رواہ الترمذی فی کتاب الدعاء ومرّ فی ص ۱۲۰)

[627] (انظر صفحة ۱۷۳ الحديث الأول)

(۲۵): ذکر، ذاکر اور اس کے ہم نشین کی سعادت مندی کا باعث ہے وہ جہاں بھی ہو گا اللہ کی رحمتوں کے نزول کا مرکز ہو گا۔ اللہ کے ذکر سے غفلت غافل اور اس کے ہم نشین کی بد بختی کا سبب ہے۔

(۲۶): ذکر قیامت کے دن بندے کو ندامت اور حسرت سے بچاتا ہے کیونکہ ہر وہ مجلس جس میں بندہ اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا وہ اس کیلئے بروزِ قیامت حسرت کا باعث ہو گی۔

(۲۷): دورانِ ذکر خلوت میں رونا، یومِ محشر ظلِّ الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

(۲۸): مشغولیتِ ذکر، اللہ تعالیٰ کے جود و کرم میں اضافے کا ذریعہ ہے جیسا کہ گزشتہ بحث میں حدیث گزری ہے۔

(۲۹): ذکر افضل ترین عبادت ہونے کے باوجود آسان ترین عبادت ہے کیونکہ حرکت لسان باقی اعضاء کی حرکت سے ہلکی اور سہل ترین ہے ایک دن میں زبان کی حرکت کی مقدار کوئی دوسرا عضو حرکت کرے تو اس کیلئے انتہائی دشوار ہے بلکہ یہ ناممکن ہے۔

(۳۰): ذکر جنت کا پودا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم الخلیل فقال یا محمد اقری امتک السلام و اخبرھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ عذبۃ الماء و انھا قیعان و ان غراسھا سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اسراء کی رات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملا۔ انہوں نے فرمایا! اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم!

اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی بڑی عمدہ اور پانی بڑا میٹھا ہے اور یہ خالی میدان ہے اور اس کے پودے سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں۔"

(۳۱): ذکر پر مرتب ہونے والا فضل واحسان ہر عمل سے بڑھ کر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جس نے دل میں سو مرتبہ کہا: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر" اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور ۱۰۰ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ شام تک شیطان سے محفوظ ہو جائے گا اور اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ جس نے اس کلمہ کا زیادہ ذکر کیا اور جس نے دل میں سو مرتبہ کہا: "سبحان اللہ وبحمدہ" اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی مانند ہوں۔

(۳۲): بندہ دائمی ذکر سے اپنے رب کو بھولنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھولنا اس کیلئے دنیا وآخرت میں بدبختی کا سبب ہے۔ کیونکہ وہ اپنے رب کو بھول جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کی متعلقہ تمام مصلحتوں کو بھول جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولٰئک ھم الفاسقون" (حشر: ۱۹)

ترجمہ: "ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے انہیں خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں"۔

(۳۳): ذکر بندے کے عمل کو جاری رکھتا ہے خواہ اپنے بستر میں ہو یا سفر میں حالتِ صحت میں ہو یا بیماری میں۔ کوئی عبادت ذکر کی مثل نہیں جو تمام اوقات اور احوال کو شامل ہو حتیٰ کہ وہ بندے

کے رفتارِ عمل کو جاری رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے بستر پر سویا ہوتا ہے۔ لیکن غافل جاگنے والے سے سبقت لے جاتا ہے۔ "ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔"

حکایت ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ کسی کے پاس بطورِ مہمان ٹھہرا۔ بندۂ خدا ساری رات عبادت میں مصروف رہا۔ اور میزبان اپنے بستر پر لیٹا رہا۔ صبح ہوئی تو عابد نے اسے کہا قافلہ تجھ سے آگے نکل گیا۔ اس نے جواب دیا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں کہ انسان ساری رات سفر میں رہے اور علی الصبح قافلے کے ساتھ مل جائے تو مزہ تو تب ہے کہ ساری رات بستر پر سویا رہے اور صبح قافلہ سے آگے ہو۔

اس قسم کے واقعات کی صحیح توجیہ بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ جس نے یہ گمان کیا کہ آرام سے سونے والا شب بھر عبادت کرنے والے سے سبقت لے جاتا ہے، اس کا یہ گمان باطل ہے اور اس کی یہ بات اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب بستر پر سونے والے نے اپنے دل کا تعلق اپنے رب سے ملا لیا ہو اور اپنے سویدۂ قلب کو عرشِ الٰہی سے ملا دیا ہو اور اس کا دل ساری رات فرشتوں کے ساتھ طوافِ عرشِ الٰہی میں مصروف رہا ہو اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا ہو اور وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے قیامِ لیل سے محروم ہو گیا ہو اور بستر پر لیٹے لیٹے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو شب بھر تو نماز اور تلاوت میں مشغول رہا اور اس کے دل میں ریا، تکبر، طلبِ جاہ اور دیگر آفات تھیں یا اس کا بدن عبادت میں مصروف تھا لیکن اس کا دل غافل تھا تو اس قسم کی عبادت کرنے والے سے اپنے بستر پر لیٹ کر عبادت کرنے والا کئی درجے بہتر ہے۔

(۳۴): ذکر اصولِ طریقت کی بنیاد اور طریقۂ صوفیاء ہے، جسے ذکر کی توفیق میسر آ جائے اس کیلئے بارگاہِ خداوندی میں حضوری کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پاک صاف ہو کر اسے رب کی بارگاہ میں

حاضر ہونا چاہیئے تا کہ اس کو ہر مراد مل جائے کیونکہ جس نے اپنے رب کو پالیا۔اس نے ہر چیز کو پالیا اور جو اپنے پروردگار تک رسائی حاصل نہ کرسکا وہ ہر چیز سے محروم ہے۔

(۳۵): ذکر کے درخت کا ثمرہ معارف اور احوال ہیں جس کے حصول کے لئے سالکین کوشاں رہتے ہیں۔ ان ثمرات کے حصول کا واحد ذریعہ ذکر کا درخت ہے اور یہ درخت جتنا بڑا اور اس کی جڑیں جتنی گہری ہوں گی اتنا ہی اس کا ثمرہ عظیم ہو گا۔ ابتداء سے لے کر مقامِ توحید تک تمام مقامات ذکر کا ثمر ہیں اور ذکر تمام مقامات کی اصل اور بنیاد ہے جس طرح دیوار بنیادوں پر اور چھت اس دیوار پر تعمیر ہوتی ہے۔ بندہ جب خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہو تو منازلِ سلوک طے کرنا اس کیلئے ممکن نہیں ہے اور بندہ ذکر سے ہی بیدار ہو سکتا ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے اور غفلت دل کی نیند اور موت کا سبب ہوتی ہے۔

(۳۶): ذاکر مذکور کے قریب ہوتا ہے اور مذکور اس کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ معیت خاص ہوتی ہے اور یہ معیت قرب، ولایت، محبت نصرت اور توفیق کی معیت ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (نحل:۱۲۸)

وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (انفال:٦٦)

وِ إِنّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْن۔ (عنکبوت:٦٩)

لَاتَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (توبہ:۴۰)

”یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مت غمگین ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے“

ذاکر کو اس معیت سے وافر حصہ ملتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: "میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کیلئے حرکت کرتے ہیں"۔[628]

دوسری حدیث (قدسی) میں ہے: "اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں اور میرا شکر کرنے والے میرے فضل واحسان کے اہل ہیں اور میری اطاعت کرنے والے میری جود وسخا کے قابل ہیں اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتا، اگر وہ توبہ کریں تو میں ان کا حبیب ہوں کیونکہ میں توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں کو پسند کرتا ہوں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ہی ان کا طبیب ہوں۔ ان کو مصائب وآلام میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کردوں۔"[629]

ذاکر کو حاصل ہونے والی معیت کسی دوسری چیز کے مشابہ نہیں ہوسکتی اور یہ محسن اور متقی سے حاصل ہونے والی معیت سے خاص ہے۔ یہ وہ معیت ہے جس کو الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس کو سمجھنا ذوق پر ہی منحصر ہے۔

(۳۷): اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ متقی ہے جس کی زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہے۔ کیونکہ وہ اس کے اوامر ونواہی سے ڈرتا ہے اور اس کے ذکر کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو یہ تقویٰ اس کو جنت میں داخل کردیتا ہے اور جہنم سے نجات دیتا ہے یہ اجر وثواب تو اسے ملے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذکر قربِ الٰہی کا باعث بھی ہے اور مؤمن کا یہی مقصود ہے۔

(۳۸): ذکر قساوتِ قلبی کا خاتمہ کردیتا ہے بندے کو چاہئے کہ ذکرِ الٰہی سے اپنے دل کی سختی کا علاج کرے۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے دل کی سختی کا شکوہ کیا۔

---

[628](رواہ الإمام أحمد وابن ماجہ والحاکم وابن حبان وصححہ۔ کما فی "فیض القدیر" ج ۱ ص ۳۰۹)

[629](أخرجہ الإمام أحمد فی مسندہ)

آپ نے فرمایا! ذکرِ الٰہی سے اسے نرم کرو کیونکہ قساوتِ قلبی کا سبب غفلت ہے۔ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو قساوت اس طرح پگھل جاتی ہے جس طرح سیسہ۔

(۳۹): ذکر دل کیلئے شفاء اور علاج ہے اور غفلت اس کی بیماری پس بیمار دلوں کی شفا اللہ کا ذکر ہے۔ "قال مکحول! ذکر اللہ تعالی شفاء و ذکر الناس داء" شیخ مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ کے ذکر میں شفا ہے اور لوگوں کا ذکر بیماری کا باعث ہے۔

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم ونترک الذکر احیانا فننتکس

"جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو تمہارے ذکر کے ساتھ علاج کرتے ہیں اور جب کبھی ذکر کو ترک کر دیں تو پھر بیمار ہو جاتے ہیں"[630]

(۴۰): ذکر، محبتِ الٰہی کی بنیاد ہے اور غفلت عداوتِ پروردگار کی اصل ہے بندہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ ربِ کریم اسے محبت عطا کر کے اپنا دوست بنالیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ اپنے رب سے غافل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر اسے اپنا دشمن قرار دے دیتا ہے۔ بندے کی اپنے رب سے سخت ترین دشمنی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے ذکر کو ناپسند اور اس کے ذاکر کو برا جانتا ہے۔ اس کا سبب غفلت ہے اور بندہ اسی غفلت کی وجہ سے ذکر اور ذاکرین کو ناپسند کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اسے اپنا دشمن بنالیتا ہے جس طرح کہ ذکر کرنے والے کو اپنا ولی بنالیتا ہے۔

---

[630] (رواہ البیھقی عن مکحول مرسلاً بلفظ: (إن ذکر اللہ)۔ کما فی "کشف الخفا" للعجلونی ج ۱ ص ۴۱۹)

(۴۱): دائمی ذکر کرنے والا مسکراتا ہوا جنت میں داخل ہو گا جس طرح ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ان الذین لا تزال ألسنتهم رطبة من ذکر الله یدخلون الجنة وهم یضحکون۔

"بے شک جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہیں، وہ مسکراتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔"

(۴۲): ذکر بندے اور جہنم کے درمیان رکاوٹ ہے۔ جب بندہ اپنے کسی عمل کی وجہ سے جہنم کے راستے کی طرف جائے گا تو ذکر اس کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ذکر جس قدر دائمی اور کامل ہو گا اسی قدر رکاوٹ مضبوط اور محکم ہو گی کہ اس میں سے کوئی چیز گزر نہ سکے گی۔

(۴۳): تمام اعمال کا حکم ذکرِ الٰہی کو قائم کرنے کیلئے ہی دیا گیا ہے کیونکہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی ہے جیسا کہ ارشادِ رب العلیٰ ہے:

"وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِی" (طٰہٰ: ۱۴)

میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو۔[631]

ذکر کے متعلق تفصیلی معلومات درج ذیل کتب سے مل سکتی ہیں۔

کتاب الاذکار: امام نووی، مفتاح الفلاح: ابن عطاء اللہ سکندری، عمل الیوم واللیله: امام نسائی: امام جلال الدین سیوطی وغیرہ۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احوال میں ذکرِ الٰہی پر مواظبت اختیار فرمائی اور ذکر کے فوائد کو محسوس کیا اور پھر یقینی تجربہ کی بنیاد پر اس کے بارے میں گفتگو فرمائی اور دوسرے لوگوں کو بکثرت ذکر کرنے کی نصیحت فرمائی کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد

---

[631] (الوابل الصیب من الکلم الطیب لابن قیم الجوزیة)

ہے: **لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔** ''تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہ چیز پسند کرے جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہے''[632]

تابعین کے امام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اللہ جل و علی کے نزدیک پسندیدہ ترین وہ شخص ہے جو اس کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا اور ڈرنے والا ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کا مزہ اس کے ذکر میں اور آخرت کا مزہ اس کے عفو ودرگزر میں اور جنت کا مزہ اس کے دیدار میں ہے''

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواح کو اپنے ذکر اور قرب کی لذت سے اور بدنوں کو اپنی مفید اور عمدہ نعمتوں سے نوازا اور انہیں ہر شئی کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ ان کی جسمانی زندگی اہلِ جنت کی مثل اور روحانی حیات ربانیین جیسی ہے۔[633]

عوام اور خواص کے ذکر میں فرق

عوام کا ذکر اجر وثواب کیلئے ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ریا تکبر و غرور خود پسندی جیسی صفات مذمومہ اس میں موجود رہتی ہیں۔

خواص کا ذکر حضورِ قلب سے ہوتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ مخصوص اذکار کو کسی خاص طریقہ سے کرے اور اس کا مقصود اصلی معرفتِ الٰہی ہو۔ علاوہ ازیں اپنے نفس کو صفاتِ مذمومہ سے پاک کرکے خصائلِ حمیدہ سے مزین کرے تاکہ جسمانی تاریکی سے نکل کر روحانی اسرار وانوار میں

---

632 (أخرجه البخاری ومسلم فی کتاب الإیمان عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والنسائی فی کتاب الإیمان، والترمذی فی کتاب صفة القیامة)

633 (حلیة الأولیاء، لأبی نعیم ج ۱ ص ۲۴۷)

داخل ہو جائے بہتر ہے کہ اوراد واذکار کو شمار کرنے کیلئے تسبیح رکھے کیونکہ اس کے بغیر اوراد کا شمار مشکل ہوتا ہے۔

پس ذکر سالکین کے دلوں کو صاف کرنے کا ذریعہ اور بابِ فیوضات کی کنجی ہے اور قلوب پر تجلیات کے وارد ہونے کا راستہ ہے اور اسی کے ساتھ ایک انسان اپنی ذات کو اخلاق محمدیہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے مزین کر سکتا ہے۔

اورادِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اور قرآن و سنت

مصباح اللغات میں ورد کا معنی یوں ہے: قرآن کریم یا کسی دوسرے ذکر کی وہ معین مقدار جو انسان اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے، اس کی جمع اوراد ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے مراد وہ اذکار ہیں جن کا حکم ایک شیخ اپنے مرید کو دیتا ہے عموماً اس کا وقت نماز فجر اور مغرب کے بعد مقرر کیا جاتا ہے۔

وارد: لغت میں وارد دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ فیوض وبرکات اور انوار و تجلیات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب پر نازل کرتا ہے۔ اس سے ان میں انتہائی قوت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مدہوش اور اپنی ذات سے بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اچانک پیدا ہوتی ہے اور جلد ہی زائل ہو جاتی ہے۔

ورد عموماً تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ تینوں شرعاً مطلوب اور قرآن و سنت کے عین مطابق ہیں۔

الاستغفار: اولاً گزشتہ لغزشوں پر محاسبہ کرے اور پھر سو دفعہ استغفر اللہ کہے تاکہ اس کا نامۂ اعمال صاف ستھرا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں استغفار کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡم" (مزمل: ٢٠)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم تعلیم امت کیلئے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! میں روزانہ ستر سے زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[634]

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا خوشخبری ہے اس آدمی کیلئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں کثیر استغفار پایا۔

أخرجه ابن ماجه في كتاب الأدب وقال في الزوائد: إسناده صحيح ورجاله ثقات۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر سو مرتبہ درج ذیل درود پڑھنا

"اللّٰھم صل علی سیدنا محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی اله وصحبه وسلم"۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی عظمت اور صفات وشمائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذوق وشوق سے درود پاک پڑھے اور اس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔" (احزاب: ٥٦)

---

[634] (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الدعوات)

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر اے ایمان والو! تم بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجا کرو اور بڑے ادب سے اور محبت سے سلام عرض کیا کرو۔"

اس طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بھی بکثرت درود وسلام کے پڑھنے کی رغبت دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔ "من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا" جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔[635]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! جس نے مجھے پر ایک دفعہ درود پاک پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس خطائیں معاف کرتا ہے اور دس درجے بلند کرتا ہے۔[636]

ارشادِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے! بروزِ قیامت کثرت سے مجھ پر درود پاک پڑھنے والا میرے قریب ترین ہو گا۔[637]

---

[635](مسلم فی کتاب الصلاۃ، نسائی فی کتاب الإفتاح)

[636](أخرجه النسائی فی کتاب الافتاح)

[637](رواہ الترمذی فی کتاب أبواب الصلاۃ وقال: حدیث حسن)

۳۔ کلمۂ توحید کا ورد

بندہ ۱۰۰ مرتبہ یہ کلمہ پڑھے "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شئ قدیر یا صرف لا الہ الا اللہ" سو دفعہ پڑھے۔

دورانِ ذکر ذہن میں یہ تصور رکھے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی رازق نفع دینے والا ہے نہ نقصان۔ تنگی دینے والا ہے نہ خوشحالی۔ علاوہ ازیں دل سے حبِ دنیا، نفسانی شہوت، شیطانی وساوس اور علائقِ دنیوی کو دور کرے حتیٰ کہ دل اللہ کیلئے خاص ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں توحید خالص کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

"فاعلم انہ لا الہ الا اللہ" (محمد: ۱۹)

"پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے"

اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بکثرت کلمۂ توحید کے ذکر کی رغبت دلائی اور اس کی فضیلت اور ثواب کو بیان فرمایا۔ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ یعنی سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔"[638]

علامہ ابن علان اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ کلمۂ توحید دل کو اوصافِ ذمیمہ سے پاک کرنے میں حیرت انگیز تاثیر رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لا الہ تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ اس ذات یکتا کا اثبات کرتا ہے جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اس کلمہ کے دائمی ورد سے ذکر زبان سے دل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس میں متمکن ہو کر اسے

[638] (رواہ الترمذی فی کتاب الدعوات و قال: حدیث حسن)

منور کر دیتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے اور پھر تمام اعضاء ظاہری کی اصلاح و درستگی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مریدین کو بکثرت اس کلمہ کے ورد کا حکم دیا جاتا ہے۔[639]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہمارے ایمان کی تجدید کیسے ہو سکتی ہے؟ فرمایا بکثرت لا الہ الا اللہ کا ورد کیا کرو۔

قرآن عظیم الشان میں ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (النساء۱۰۳)

(اے ایمان والو!) پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو۔

اس آیت میں مطلقًا فرمایا گیا کہ نماز کو جب پورا کرو گے تو اللہ کا ذکر کرو، اس میں یہ نہیں فرمایا کہ آہستہ ذکر کرو بلکہ آہستہ اور جہر دونوں کے لئے نص قطعی ہے۔

دوسری آیت میں ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ (البقرۃ۱۱۴)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لیے جانے سے۔

روکنا جہر سے کیا جاتا ہے جو آہستہ ذکر کرے اس کو تو کوئی سنتا نہیں تو روکے گا کس طرح۔ ذکر بالجہر میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر پورا رسالہ لکھ دیا ہے اور وہ الحاوی للفتاوی کی پہلی جلد میں ہے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ ذکر جہر جائز بلکہ

---

[639] (الفتوحات الربانیۃ علی الأذکار النواویۃ، ج ۱ ص ۲۱۳)

مستحب ہے۔ مولانا نجم الدین المعروف بہ ھڈے صاحب نے ذکر بالجہر پر ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس کا نام **بیان الاذکار فی الجھر و الاسرار** ہے۔

مولانا عبد الحیٔ صاحب نے **سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر** نامی رسالہ مرتب کیا ہے۔

شیخ محمد تھانوی جو رشید احمد گنگوہی کا استاد ہے نے نسائی شریف کا حاشیہ بھی مرتب کیا ہے۔ شیخ محمد تھانوی نے **دلائل الاذکار فی الجھر و الاسرار** تقریباً سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے اور اس کتاب پر تقریظ رشید احمد گنگوہی کی ہے۔

حضرت اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد الطالبین میں ذکر نماز کے بعد کے متعلق لکھتے ہیں:

سُئِلَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ الَّذِیْنَ یَمْنَعُوْنَ عَنِ الْکَلِمَۃِ الطَّیِّبَۃِ بَعْدَ اَدَاءِ الْمَکْتُوْبَۃِ فَقَالَ ھُمُ الرَّوَافِضُ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم قَدْ کَانَ یَجْھَرُ مَعَ الصَّحَابَۃِ الْکَلِمَۃِ الطَّیِّبَۃِ بَعْدَ اَدَاءِ الصَّلوٰۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ مُتَّصِلًا۔[640]

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا ان لوگوں کے متعلق جو نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا منع کرتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ روافض ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کے ساتھ نماز کے بعد فوراً جہر سے کلمہ پڑھتے تھے۔

پھر مزید وضاحت کر کے لکھتے ہیں:

وَفِیْ شَرْحِ النَّوَازِلِ الْبُرْھَانِیْ مِنْ بَابِ الْاَذْکَارِ سُئِلَ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یَقُوْلُ الْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ بَعْدَ اَدَاءِ الْمَکْتُوْبَۃِ مُتَّصِلًا قَالَ بِمَرَّۃٍ یَغْفِرَ اللہُ ذُنُوْبَہٗ وَبِمَرَّۃِ الثَّانِیَۃِ اَعْطَاہُ اللہُ تَعَالیٰ ثَوَابَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَبِمَرَّۃِ الثَّالِثَۃِ اَعْطَاہُ اللہُ ثَوَابَ الْمَلَائِکَۃِ۔

---

[640] ارشاد الطالبین، ص ۲۰۴

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جو فرض نماز کے بعد متصل کلمہ شریف پڑھتا ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا جب ایک بار پڑھا جب دوبارہ پڑھا اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے برابر یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش نیکیاں اس کے لئے اجر دے گا۔[641]

وقالہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایضاً: من قال لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علیٰ کل شیء قدیر؛ فی یوم مائۃ مرۃ کانت لہ عدل عشر رقاب، وکتبت لہ مائۃ حسنۃ، ومحیت عنہ مائۃ سیئۃ، وکانت لہ حرزاً من الشیطان یومہ ذلک حتیٰ یمسی، ولم یأت أحد بأفضل مما جاء بہ إلا رجل عمل أکثر منہ۔

جس نے دن میں سو مرتبہ کہا: لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علیٰ کل شیء قدیر، تو اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا ہوگا، اور اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور اس کے سو گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور یہ (کلمات) اس دن اس کے لئے رات تک شیطان کے خلاف ڈھال بن جائیں گے، اور کوئی بھی اس شخص سے بہتر عمل نہیں کر سکتا سوائے اُس کے جو اِس سے بھی زیادہ (ان کلمات کو ادا) کرے۔[642]

واضح رہے کہ یہ ذکر صبح و شام خلوت میں ہو۔ اس طرح سالک کے دن کی ابتداء ذکر اللہ سے اور انتہاء اس کے ذکر و طاعت پر ہوتی ہے اس طرح ممکن ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جائے جن کے متعلق ارشادِ رب المجد والعلی ہے: الذَّاکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّأَجۡرًا عَظِیۡمًا۔ (احزاب: ۳۵) "اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر

641 (اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۲۰۰ تا ۲۰۲)

642 (رواہ البخاری والترمذی فی کتاب الدعوات، ومسلم فی کتاب الذکر)

رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے اجر عظیم" سالک کو چاہئے کہ اپنے اس ورد کو مذکورہ تعداد پر محصور نہ کرے بلکہ اسے بکثرت ذکر کرنا چاہئے کیونکہ ابتداء میں سالک کا دل چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے جس طرح بچے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوراک بڑھا دی جاتی ہے اسی طرح سالک کے ذکر کی مقدار بھی بڑھتی رہتی ہے کیونکہ ذکر اس کے دل کی غذا اور زندگی بن جاتا ہے۔

چونکہ ورد وصول الی اللہ کا راستہ ہے اس لئے شیطان اس راستے پر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف حیلے بہانوں سے ذکر سے روکتا رہتا ہے۔ بعض مریدین کثرت عمل اور عدم فراغت کی وجہ سے اپنے اوراد کو ترک کر بیٹھتے ہیں کیونکہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ یہ عذر مقبول ہے۔ جب فرصت ملے گی تو ذکر کر لیں گے لیکن صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے مریدین کو اس سستی و کاہلی اور فارغ اوقات کے انتظار پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمر انتہائی تیزی سے گزر جاتی ہے اور انسان ہر روز نئی نئی مصروفیات میں مشغول رہتا ہے اس لئے فارغ وقت کا انتظار حماقت ہے۔

ابن عطاء اللہ سکندری "حکم" میں فرماتے ہیں کہ اپنے اعمال کو فارغ اوقات کیلئے مؤخر کرنا نفس کی رعونت ہے۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر ضروری رکاوٹوں کو دور کرے اور اپنے نفس کی مخالفت کرے اپنے مولیٰ کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ کسی دوسرے وقت کا انتظار نہ کرتا رہے کیونکہ صوفی کے نزدیک وقت کی بڑی اہمیت ہے۔[643]

بعض سالکین ذکر کو اس لئے ترک کر دیتے ہیں کہ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ تمہارا ذکر خیالات سے خالی نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حقیقی ذکر تو وہی ہوتا ہے جو

[643] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۴۹:۱)

حضورِ قلب سے کیا جائے لیکن مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کو اس شیطانی جال سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

ابن عطاء اللہ سکندری فرماتے ہیں: عدمِ حضورِ قلب کی وجہ سے ذکر کو ترک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے غفلت کے ذکر سے بیداری کے ذکر کی طرف منتقل کر دے اور بیداری کے ذکر سے تجھے حضورِ قلب کے ذکر کی طرف بلند کر دے اور حضورِ قلب سے وہ مقام عطا کر دے کہ ذاکر ماسوی اللہ سے بے خود اور بے خبر ہو جائے۔

بعض سالکین وارد پر اکتفا کرتے ہوئے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ ذکر تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے انتہائی اعلیٰ مقامات پر فائز ہونے کے باوجود بھی ذکر کو ترک نہیں کیا۔[644]

شیخ ابو الحسن الدراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ایک دن شیخ جنید بغداری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ معرفت کا ذکر فرمارہے تھے اور فرمایا: یہ لوگ انتہائی اعلیٰ مدارج پر متمکن ہونے کے باوجود اپنے اوراد کو ترک نہیں کرتے تھے۔ پھر فرمایا: عارفین کی عبادت شہنشاہ کے تاج سے بھی بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر عرض کی کہ آپ انتہائی کمالِ مرتبت کے باوجود تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ وسیلہ ہے جس نے ہمیں ان مراتب تک پہنچایا ہے اس لئے ہم ان کو ترک نہیں کرتے۔[645]

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ورد کو جاہل ہی حقیر سمجھتا ہے کیونکہ وارد تو آخرت میں بھی پایا جاتا ہے لیکن ورد کا تعلق اس دارِ فانی کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس چیز کا

---

[644] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۷۹:۱)

[645] (ایقاظ الھمم ۴۹:۱، وراجع ھذا الخبر فی ص ۱۸۴)

زیادہ خیال رکھنا چاہیئے جس کا کوئی بدل نہ ہو۔ورد سالک سے مطلوب ہوتا ہے جبکہ وارد کو سالک طلب کرتا ہے اور مطلوب کا مقام طالب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔[646]

جب مرید کسی وجہ سے اپنے ورد کو ترک کردے تو پھر اس غفلت سے بیدار ہو کر دوبارہ اس میں مشغول ہو جائے تو اسے اپنی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کیلیئے ضرورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور جو اوراد رہ گئے ہیں ان کی قضا کرے کیونکہ دوسری عبادات کی طرح ان کی بھی قضا ہوتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے دن یارات کے کسی وقت میں یا نماز کے بعد کوئی وظیفہ مقرر کیا ہو اور پھر کسی وجہ سے اس وظیفہ کو ادا نہ کرسکا تو اسے چاہیئے جونہی وقت ملے اسے ادا کرے اور اس میں سستی نہ کرے کیونکہ جب وہ اس وظیفہ کا عادی ہو جائے گا تو اس کو ترک نہیں کرے گا لیکن اگر اس نے اس کی قضا میں سستی کی تو اس کے وقت میں ادا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔[647]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا!جو شخص وظیفہ کرنے سے پہلے سو گیا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد سو گیا پھر اس نے نماز فجر اور ظہر کے درمیان اسے پڑھ لیا تو گویا کہ اس نے رات کو ہی پڑھا ہے۔[648]

---

[646] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ۱:۱۶۰)

[647] (کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

[648] (الأذکار للنووی ص ۱۳)

مذاکرہ

مذاکرہ سے مراد مرید کا اپنے شیخ کامل کے ارشادات اور تجربات سے استفادہ کرنا ہے یعنی مرید کو چاہیئے کہ وہ عقائد، عبادات اور معاملات کے بارے میں شرعی مسائل کو شیخ کی بارگاہ میں پیش کرے تاکہ شیخ کے ملفوظات سے مستفید ہو۔ اس طرح اسے چاہیئے کہ وہ اپنے دل کے حالات نفسانی اور شیطانی خواطر سے بھی اپنے شیخ کو آگاہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ چیزیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوں جس کی وجہ سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر حیران وپریشان ہو جائے اور اسی طرح اسے چاہیئے کہ وہ اپنے قلبی امراض جیسے تکبر، حسد، نفاق، حب جاہ اور اسی طرح رعونت نفسی جیسے اپنی کرامات کا چرچا کرنا شہرت اور تعریف کیلئے اور ریاکاری وغیرہ کا اپنے شیخ سے ذکر کرے تاکہ وہ ان چیزوں سے چھٹکارے کیلئے راہنمائی فرمائے۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ وہ راہ سلوک میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے شیخ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔

کبھی مرید اپنے اعلی احوال ومقامات اور روح کے بارگاہِ الٰہی میں مشتاق ہونے اور دل پر وارد ہونے والے رحمانی اور ملکوتی واردات اور قرآنی مفاہیم اور علم لدنی کو اپنے شیخ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو ان چیزوں کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے۔ تاکہ راہ سلوک کی ہر منزل کو یقین کے ساتھ طے کرسکے۔

مذاکرہ کو راہِ سلوک میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ راہِ سلوک کے پانچ ارکان سے ایک اہم رکن ہے اور یہ پانچ ارکان درج ذیل ہیں۔

(۱): ذکر (۲): مذاکرہ (۳): مجاہدۂ نفس (۴): علم (۵): محبت

مرید کا اپنے شیخ سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسا مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ کہ وہ ڈاکٹر کو اپنی مرض کے تمام احوال سے آگاہ کر دیتا ہے اس کے علاوہ مذاکرہ مرید اور شیخ کے تعلق کو قوی کرتا ہے اس طرح محبت بڑھتی ہے اور باہمی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ مرید اس کے ذریعہ شیخ سے علم حال اور معرفت کا استفادہ کرتا ہے کیونکہ علم اس روح کا نام ہے جو کسی جسم میں پھونک دی جائے نہ کہ نقل شدہ چند مسائل۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذاکرہ آداب شرعیہ کی عملی تشکیل ہے اور اسلامی اخلاق کا بنیادی جز ہے اور اس سے مراد وہ شوری ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدح فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ" (شوری:٣٨)

"اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں"

اسی طرح نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے اپنے اس ارشاد میں شوری کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، ارشاد فرمایا: المستشار مؤتمن یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔[649]

شوری سے مراد زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین کے تجربات سے استفادہ کرنا ہے جس طرح کہ مریض ڈاکٹر کے معمار انجینئر کے اور مظلوم اور بے گناہ وکیل کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح مرید شرعی احکام کے عملی نفاذ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کے تجربات سے استفادہ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے استفادہ کی اہمیت کو اپنے اس ارشاد میں واضح فرمایا ہے۔

---

[649] (رواه الترمذی عن أبی هريرة فی كتاب الأدب وقال: حديث حسن۔ والبخاری فی "الأدب المفرد" فی باب المستشار مؤتمن)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن" (نحل:۴۳)

"پس دریافت کرلو اہلِ علم سے اگر تم خود نہیں جانتے"

دوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

"أَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا" (فرقان:۵۹)

"وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال کے بارے میں۔"

مذاکرہ اور نصاریٰ کے اعتراف میں فرق

بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ مرید کا اپنے شیخ سے مذاکرہ اور نصاریٰ کا اپنے پادریوں کے پاس اپنے گناہوں کے اعتراف میں مشابہت پائی جاتی ہے لیکن عقلمند اور انصاف پسند آدمی اس فیصلہ میں جلدی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی بغیر سوچے سمجھے بے تکی باتیں کرتا ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں میں واضح فرق ہے کیونکہ عیسائی پادری کے سامنے اپنے گناہ اور جرائم کا اعتراف اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کی بخشش ہو سکے۔ اس کے مقابلہ میں مرید شیخ کو اپنے قلبی امراض اور احوال سے اس لئے آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ اسے بچاؤ کا کوئی طریقہ بتائے جس طرح کہ مریض اپنے مرض کی حالت ڈاکٹر کے سامنے بیان کر دیتا ہے اگرچہ وہ کسی پوشیدہ مرض میں ہی مبتلا ہو کیونکہ اس کے بغیر بیماری کی تشخیص اور اس کیلئے نفع مند دوائی تجویز کرنا ممکن نہیں۔

مذاکرہ اور اعلانیہ معصیت کے درمیان فرق

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مرید کا شیخ کو اپنے قلبی امراض اور نفسانی احوال یعنی معاصی وغیرہ سے آگاہ کرنا اعلانیہ معصیت کے مترادف ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس شخص میں جو گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد لوگوں کو بڑے فخر اور لذت سے اس کو بیان کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس میں جو اپنے گناہ پر شرمندہ ہے اور اس سے بچنے کے علاج اور معرفت میں حیران وپریشان ہے، واضح فرق نظر آتا ہے۔ وہ اپنے مرشد کے پاس اس کے تجربات سے استفادہ کیلئے آتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک "کل امتی معافاۃ الا المجاھرین" کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اجہار کا معنی یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی کام کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے پھر دن کو کہے: اے فلاں! میں نے رات کو ایسا ایسا کام کیا ہے حالانکہ اس کے رب نے تورات کو اس گناہ پر پردہ ڈال دیا اور وہ خود صبح کے وقت اس پردے کو ظاہر کر دیتا ہے۔"[650]

اس کی شرح بیان کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کیلئے کسی دوسرے کو اطلاع دینا مکروہ ہے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور فوراً اس گناہ کو ترک کر کے اپنے گزشتہ گناہ پر شرمندگی کا اظہار کرے اور یہ عزم کرے کہ دوبارہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ یہی توبہ کے تین ارکان ہیں ان کے بغیر توبہ متحقق نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس نے اپنی معصیت کا اپنے شیخ یا کسی ایسے شخص کو بتایا جس سے امید ہو کہ وہ اسے اس معصیت سے بچنے کا طریقہ بتائے گا یا اس قسم کی معصیت سے سلامتی کا طریقہ

---

[650] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب، ومسلم فی کتاب الزھد والرقاق)

سکھائے گا یا اسے وہ سبب بتائے گا جس کی وجہ سے اس نے معصیت کا ارتکاب کیا، یا اس کیلئے دعا کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ اچھا ہے کیونکہ غیر کو بتانا اس وقت مکروہ ہے کہ جب اس میں مصلحت نہ پائی جائے۔[651]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنی معصیت سے آگاہ کرنا اس وقت مذموم ہوتا ہے جب وہ ایسا استہزاءً کرے مگر جب وہ سوال کے طور پر یا شرعی مسئلہ سے آگاہی کیلئے ایسا کرے گا تو مذموم نہیں ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں صحابی نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرلی ہے تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس مسئلے کا شرعی حل بیان فرمادیا۔[652]

خلوت

شیخ احمد زورق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "قواعد تصوف" میں فرماتے ہیں:

"الخلوۃ اخص من العزلۃ"

یعنی خلوت عزلت نشینی سے خاص ہے۔

اور یہ در حقیقت اعتکاف کی ایک صورت ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اعتکاف مسجد کے ساتھ خاص ہے اور یہ مسجد کے باہر بھی ممکن ہے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی

---

651 (الأذکار للنووی ص ۳۲۷)

652 (روی ھذا الخبر البخاری فی صحیحہ فی کتاب الصوم، ومسلم فی کتاب الصیام، والترمذی فی کتاب الصوم باب ما جاء فی کفارۃ الفطر فی رمضان)

حد نہیں ہے لیکن چالیس دن کی خلوت اشارۃً سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کی خلوت فرمائی تھی در حقیقت انہوں نے تیس دن کی خلوت کا ارادہ کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے دس دن زیادہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے غارِ حرا میں ایک مہینہ کی خلوت نشینی اختیار فرمائی اور اسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے مہینہ بھر اپنی ازواج مطہرات سے عزلت نشینی کی۔[653]

اسی طرح روزوں کیلئے بھی ایک مہینہ مقرر فرمایا۔ اس کی کم سے کم مدت دس دن ہے۔ کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور یہ کامل کیلئے اس کے حال میں زیادتی کا باعث بنتی ہے اور ناقص کیلئے ترقی کا باعث ہے اور اس کا مقصد میل کچیل سے دل کو پاک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے دل کو خاص کرنا ہے لیکن کسی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر خلوت خطرات سے خالی نہیں ہوتی اور شیخ کی راہنمائی میں خلوت سے کثیر فیوض وبرکات حاصل ہوتی ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ خلوت جن کیلئے موافق نہیں ہوتی اس لئے ہر انسان کو اپنی طبیعت کے مطابق خلوت اختیار کرنی چاہیئے۔[654]

المختصر یہ کہ خلوت محدود وقت کیلئے مخلوق سے منقطع ہونے اور دنیاوی امور ترک کرنے کا نام ہے تاکہ دل زندگی کے نہ ختم ہونے والے غم وحزن سے خالی ہو جائے اور فکر غم روزگار سے آزاد ہو کر راحت پائے اور پھر حضور قلبی کے ساتھ اللہ کا ذکر ہو اور اس کی ان گنت نعمتوں میں غور وفکر کرے اور اس میں شیخ کامل کی راہنمائی ضروری ہے جو اسے ان اسرار ورموز سے آشنا کرے جن سے

---

[653] (أخرج مسلم فی صحیحه فی کتاب الإیمان عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال: قال رسول الله صَلی الله تعالیٰ علیه وَاٰله وَسلَّم: "جاورت بحراء شهراً، فلما قضیت جواری نزلت فاستبطنت بطن الوادی")

[654] (قواعد التصوف ص ۹۳ لأبی العباس الشیخ أحمد الفاسی المشهور بزروق توفی سنة ۸۹۹ھ فی طرابلس الغرب)

وہ ناواقف ہے جب وہ ذکر سے غافل ہو تو اس کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائے اور جب وہ سستی کرے تو اس کی سستی کا ازالہ کرے اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات کو دور کرنے میں مددگار ہو۔

خلوت کا طریقہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلوت کا طریقہ اور اس کے مراحل اور مقامات کو بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: "شیخ کو چاہیئے کہ وہ مرید کو خلوت کا حکم دے اور اس پر ایسے شخص کو مقرر کرے جو بقدر ضرورت رزق حلال مہیا کرے کیونکہ رزق حلال ہی دین کی اصل ہے۔ پھر اسے مخصوص اذکار کی اجازت فرمائے کہ اس کی زبان اور دل ذکر کرنے میں مشغول ہو جائے۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی زبان پر اللہ اللہ یا سبحان اللہ کا ورد جاری رہے اور اس ذکر پر مواظبت اختیار کرے یہاں تک کہ اس کا اثر زبان سے دل میں سرایت کر جائے اور ان الفاظ کی صورت دل میں نقش ہو جائے۔ پھر اسی طرح ذکر جاری رہے حتیٰ کہ الفاظ کی صورت دل سے مٹ جائے اور اس کے معنیٰ کی حقیقت اس کے دل میں جاگزیں ہو کر اس پر غالب ہو جائے کیونکہ دل جب کسی چیز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے علاوہ ہر شئے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب دل ذکرِ الٰہی میں، جو کہ مقصود حقیقی ہے، مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذاکر کو چاہیئے کہ وہ اپنے قلبی وساوس اور دنیا کے متعلقہ خواطر پر نگاہ رکھے اور اپنے گزشتہ احوال یا کسی دوسرے کے احوال کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ اگر وہ ایک لمحہ کیلئے بھی ذکر سے غافل ہو گیا تو اس لمحہ اس کا دل ذکر سے خالی ہو جائے گا اور یہ اس کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے اس لئے اسے ان وساوس سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ذاکر ان وساوس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو

اس کا نفس اس کو اس ذکر کے متعلق وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کلمہ (لفظ اللہ) کیا ہے؟ اس کا کیا معنی ہے؟ کس اعتبار سے اللہ تعالیٰ الٰہ اور معبود ہے؟ اور اس طرح اس کے دل پر مختلف قسم کے خیالات وارد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سوچ وبچار میں مشغول ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اسے ایسے وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے جن کا شمار کفر اور بدعت میں ہوتا ہے لیکن ذاکر جب ان وساوس کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو اپنے دل سے دور کرنے میں کوشاں ہو جائے گا تو یہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

وساوس کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ

(الف) عموماً یہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شیطان ہی اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے ڈال دیتا ہے۔ سالک کو یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ومبرہ ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے اور گڑگڑا کر اس کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ ان وساوس کو دور کر دے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ إِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (اعراف: ۲۰۱، ۲۰۰)

ترجمہ: "اور اگر شیطان تجھے ناچ نچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ، بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں"۔

(ب) کبھی سالک کے دل میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کو ان تمام احوال سے آگاہ کرے اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔ [655]

خلوت کی شرعی حیثیت

خلوت صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی پیروی ہے۔ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم غارِ حرا میں خلوت میں عبادت کرتے تھے اور اس خلوت کے دوران آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

قرآن وحدیث سے خلوت کا ثبوت:

قرآن کریم سے دلیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ إِلَیْهِ تَبْتِیْلاًO (مزمل:۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"

علامہ ابو سعود اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو خواہ تسبیح و تہلیل ہو یا تحمید۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوق سے منہ موڑ کر پوری توجہ اور ہمت سے اس کی بارگاہ میں حضوری کیلئے مراقبہ میں مشغول ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مراقبہ میں مستغرق ہونے سے مانع تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے اور اس ذات کے سوا ہر چیز سے منہ موڑ لیا جائے۔ [656]

---

[655] (الإحیاء للغزالی ج۳ ص ۲۶)

[656] (تفسیر العلامہ ابی سعود علی ھامش تفسیر فخر الدین رازی ج۸ ص ۳۳۸)

اور یہ حکم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام امت اس حکم میں شامل ہے۔

حدیث پاک سے ثبوت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب رات کو دیکھتے اس کی تعبیر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔ پھر آپ کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ غارِ حرا میں خلوت کیلئے تشریف لے جاتے۔ آپ کچھ راتیں وہاں عبادت کرتے اور پھر اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آتے اور کھانے پینے کا معمولی سامان لے کر پھر غارِ حرا میں واپس لوٹ جاتے حتیٰ کہ غارِ حرا میں ہی آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ [657]

حضرت ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ خلوت انسان کیلئے عبادت اور اصلاح میں مددگار ہے کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جب لوگوں کو چھوڑ کر خلوت میں تشریف لے گئے تو آپ پر خیر عظیم کا نزول ہوا اور جو سالک بھی آپ کی پیروی میں خلوت اختیار کرے گا۔ اس کو اس کی قسمت کے مطابق مقامِ ولایت حاصل ہو گا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مبتدین کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ سالک کی ابتداء اور انتہاء دونوں برابر نہیں ہوتیں کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی۔ پھر ان درجات میں ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ فرشتہ بیداری کی حالت میں وحی لے کر نازل ہوا اور پھر یہ ترقی کا سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ آپ

---

[657] (رواہ البخاری فی صحیحہ باب کیف کان بدء الروحی الیٰ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم)

قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ۹) کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوئے۔ انبیاء اور رسل علیہم السلام جس طرح ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انتہائی بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں لیکن نبی اور امتی میں فرق یہ ہے کہ امتی مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے مقامات کو حاصل کر لیتا ہے لیکن مقامِ نبوت تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ترقی کرتے کرتے معرفت اور رضا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور یہی مقاماتِ ولایت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک مقام حاصل کر لیا پھر ادب کے ساتھ اس پر قائم رہا وہ اس سے اعلیٰ مقام میں ترقی کر جاتا ہے کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ابتداء میں خلوت کو اختیار کیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے مقامِ نبوت کو پہنچے اور پھر مقاماتِ نبوت میں ترقی کرتے ہوئے قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ۹) کے مقام پر فائز ہوئے اور یہی حال آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے امتیوں کا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا جو امتی کسی مقام پر فائز ہوتا ہے اور پھر ادب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے تو اس کو اس سے اعلیٰ مقامات پر ترقی دے دی جاتی ہے اور اس طرح وہ مقامِ نبوت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو جاتا ہے۔[658]

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس میں عزلت نشینی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ یہ دل کو دنیا کی مصروفیات سے راحت دیتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کر دیتی ہے پھر اس سے حکمت کے سرچشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلوت کا مفہوم

---

[658] ("بهجة النفوس" شرح مختصر البخاری للإمام الحافظ أبی محمد عبدالله الأندلسی المتوفی ۶۹۹ھ ج ۱ ص ۱۱-۱۰)

صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں سے قطع تعلقی کرکے تنہائی میں بیٹھ جانا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی لگن میں اپنی ذات کو بھی بھول جائے اور جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر کہیں اس کا ظاہری جسم علوم غیبیہ کیلئے گزر گاہ اور اس کا دل ان کیلئے قرار گاہ کے قابل ہوتا ہے۔[659]

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ غارِ حرا کی خلوت بعثت سے پہلے تھی حالانکہ حکمِ شرعی تو بعثت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وحی کی ابتداء خواب سے ہوئی اور پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا دل خلوت کی طرف مائل ہو گیا اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلوت کا حکم وحی پر مرتب ہے یعنی پہلے وحی آئی اور پھر خلوت کیونکہ "ثم" کا کلمہ ترتیب کیلئے آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خلوت کا تعلق دین سے نہ ہوتا تو بعد میں اس سے روک دیا جاتا بلکہ یہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر ظہورِ حق کا ذریعہ ہے اور اسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے امتیوں کے لئے بھی لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کا ذکر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں کیا ہے۔[660]

علمائے دیوبند کے مشہور شیخ الحدیثمحدثِ کشمیری صاحب حدیثِ پاک کے اس حصہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے مجاہدات اور خلوت نشینی اس حدیث پاک سے ثابت

---

[659] (ارشادالساری لشرح صحیح البخاری ۶۲:۱ للقسطلانی المتوفی سنۃ ۹۲۳ھ)

[660] ("ارشادالساری لشرح صحیح البخاری" للقسطلانی ج ۱ ص ۶۲)

ہوتی ہے پھر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اعتکاف اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خلوت نشینی دونوں برابر ہیں۔[661]

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ لوگوں نے اعتکاف کو کیسے چھوڑ دیا، حالانکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بعض اعمال کرتے اور پھر ترک کر دیتے لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اعتکاف کو ترک نہیں کیا۔[662]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ خلوت نشینی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس میں بندہ کا دل ہر قسم کی مصروفیات سے خالی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غور و فکر کا بھی سبب ہے اور اس کی وجہ سے انسان اپنی محبوب چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔[663]

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک خلوت کے محبوب ہونے میں راز یہ تھا کہ اس میں دل ہر قسم کے شواغل سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کی خلوت کی مدت ایک ماہ تھی اور وہ رمضان کا مہینہ تھا۔[664]

---

[661] (فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳)

[662] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۶۳۴)

[663] (صحیح مسلم بشرح الإمام النووی ج ۲ ص ۱۹۸)

[664] (فتح الباری شرح صحیح البخاری للعسقلانی ج ۱ ص ۱۸)

علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ خلوت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک کیوں محبوب تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلوت میں دل ہر قسم کے شواغل سے پاک ہوتا ہے اور یہ غور و فکر کرنے میں بھی معاون ہے اور انسان کی طبیعت بہت زیادہ ریاضت سے تبدیل ہوتی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خلوت اس لئے محبوب ہو گئی تھی تاکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم عام لوگوں کے میل جول سے منقطع ہو جائیں اور اپنے روز مرہ کے معمولات کو بھول جائیں۔ [665]

امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان اور عارفین کا طریقہ ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو خلوت اس لئے محبوب تھی کیونکہ اس سے دل کو فراغت میسر آتی ہے اور انسان دل جمعی کے ساتھ عبادت کر سکتا ہے اور انسان اپنے بشری تقاضوں کو ترک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے۔ [666]

یہ محدثین اور شارحین کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے اقوال ہیں جن میں خلوت کی تعریف اس کا شرعی حکم اور اس کے فوائد اور اس کے بارے میں سلفِ صالحین کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ان علماء و محدثین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کے سامنے معترضین جو چاہیں کہتے رہیں۔ ان کے ان اقوال کی کوئی حقیقت نہیں ہو گی۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الف النسک و العبادۃ و الخلاوۃ   طفلا و ھکذا النجباء

---

[665] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی المتوفی سنۃ ۸۵۵ھ جـ ا ص ۶۰)

[666] (شرح صحیح البخاری للعلامۃ الکرمانی ج ا ص ۳۲)

"آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو بچپن میں ہی زہد عبادت اور خلوت مالوف ہو گئی اور اچھے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے"۔

محمد بن احمد بنیس اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق اور دوسرے محدثین روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت فرماتے تھے اور اس میں عبادت میں مشغول رہتے۔

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نزدیک خلوت اور عزلت نشینی محبوب تھی، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خلوت کو پسند فرماتے حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال اور مال سے کلیتہً روگردانی کرتے ذکرواذکار کے بحر میں مستغرق ہو گئے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ان علائق سے منقطع ہوئے تو حصولِ مراد کی طرف متوجہ ہو گئے پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو خلوت میں انس حاصل ہونے لگا اور اس سے خلوت کا تصور آیا۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا یہ انس بڑھتا گیا اور آئینہ قلب میں صفائی اور چمک میں مزید نکھار پیدا ہو گیا یہاں تک کہ انتہائی درجہ کمال تک پہنچ گیا تو اس میں نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے تو یہ روشن اور منور ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے وہ بڑی فصیح وبلیغ زبان میں کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ۔"[667]

سلیمان الجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت یہ تھی کہ آپ ہر سال ایک ماہ کیلئے غارِ حرا میں خلوت نشینی فرماتے اور ایک ماہ مکمل ہونے کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے طواف بیت اللہ کرتے۔ غارِ حرا میں آپ

---

[667] (لوامع الکوکب الدری فی شرح الھمزیۃ للبوصیری ص ۴۹-۴۸)

ذکر وفکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ غارِ حرا کے علاوہ آپ دوسرے مقامات میں بھی خلوت نشینی فرماتے۔[668]

غارِ حرا سے ہی نزولِ وحی کا نور پھوٹا اور بعثت کی سہانی صبح طلوع ہوئی۔ اور تصوف اسلامی کی ابتداء ہوئی غارِ حرا کے بعد بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خلوت کو ترک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ رمضان کے آخری عشرہ میں خلوت فرماتے۔ فقہاء نے اسے اعتکاف سے موسوم کیا۔

خلوت کی اہمیت اور اس کے فوائد کے بارے میں علماء کے اقوال

خلوت کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان کو وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے اس کی حلاوت کو چکھا ہو۔ یہ نفس کو مہذب بنا کر اس کا تزکیہ کرتی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا عادی اور اس کی بارگاہ میں حاضری کا انس پیدا کرتی ہے کیونکہ نفسِ امارہ کی صفت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مجلس اور لہو ولہب کو پسند کرتا ہے۔ خلوت نشینی اور اپنی لغزشوں اور خطاؤں کے محاسبہ سے نفرت کرتا ہے۔ ابتداء میں جب ہم اس کو خلوت کیلئے مجبور کریں گے تو یہ تنگی محسوس کرے گا، لیکن بہت جلد طاعت کی طرف مائل ہو جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور مناجات کی حلاوت چکھ لے گا۔ خصوصًا جب مادے کی قیود سے آزاد ہو کر عالمِ ملکوت کی سیاحت میں مشغول ہو جائے۔

شاہین انسانی آبادی سے دور پہاڑ کی بلند وبالا چوٹیوں پر بسیرا کرتا ہے پھر جب اس کو شکار کر کے گھر میں قید کر دیا جاتا ہے اور گوشت پر اس کی پرورش کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تو وہ اپنے مالک سے مانوس ومالوف ہو جاتا ہے اور پھر جب اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ اس کی آواز پر

---

[668](الفتوحات لأحمدية بالمنح المحمدية علىٰ شرح الهمزية ص ٢١)

لبیک کہتا ہے اور پھر جب وہ اس کو شکار کیلئے چھوڑ تا ہے تو شکار کر کے اپنے مالک کی رضا و خوشنودی کے لئے واپس آ جاتا ہے اور اپنے مالک کی خواہش کو اپنے نفس کی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے۔

کیا ایک مؤمن کیلئے یہ بات قابلِ عبرت نہیں ہے کہ ایک پرندہ تو اپنے مالک کی آواز سنے اور اس کی طاعت کرے لیکن بندہ مؤمن اپنے خالق کی طرف متوجہ نہ ہو۔

خلوت، دل، فکر اور عقل کو دنیاوی مشاغل اور غموں سے راحت پہنچاتی ہے حتیٰ کہ بندہ مؤمن اس کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پالیتا ہے اور اسے ایمان اور سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

اب ہم خلوت کے متعلق بعض علماء و صلحاء کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فیروز آبادی صاحب القاموس

علامہ فیروز آبادی نزولِ وحی سے پہلے نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب نزولِ وحی کے ایام قریب آئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم خلوت اور عزلت نشینی کو پسند کرنے لگے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم حرا کے پہاڑ پر تشریف لے جاتے۔ یہ پہاڑ کعبہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار واقع ہے جو تقریباً چار ہاتھ لمبی اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑی ہے آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس غار کو اپنی خلوت کیلئے منتخب فرمایا۔ خلوت میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی عبادت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی عبادت غور و فکر پر مشتمل تھی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم وہاں ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور یہی قول صحیح ہے۔ پہلا قول قابلِ التفات نہیں کیونکہ طالبین حق کی خلوت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱): ان کی خلوت حق باری تعالیٰ سے مزید علمِ یقین کی طلب میں ہو اور یہ نظر و فکر سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص اپنی خلوت میں کائنات کی کسی چیز سے مخاطب ہوتا ہے یا اس میں غور و فکر کرتا ہے وہ در حقیقت خلوت میں نہیں ہے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے عرض کی کہ جب آپ خلوت میں اپنے رب کے قریب ہوں گے تو ہمیں بھی یاد رکھنا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس وقت آپ کو یاد کروں تو پھر میں خلوت میں نہیں ہوں گا اور اس سے نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے اس حدیث قدسی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

أنا جليسُ مَن ذَكَرَني۔ [669]

یعنی "میں ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوتا ہوں"۔

اور اس خلوت کی شرط یہ ہے کہ دل اور روح کے ساتھ ذکر کیا جائے نہ کہ زبان کے ساتھ۔

(۲): خلوت کی دوسری قسم صفائے فکر کیلئے ہوتی ہے تاکہ معلومات کے حصول میں ان کی نظر و فکر صحیح ہو جائے تو یہ خلوت وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو عقل کے میزان سے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ میزان انتہائی لطیف ہوتا ہے معمولی لغزش سے بھی وہ راہِ راست سے ہٹ سکتا ہے۔ طالبِ حق اس قسم کی خلوت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان کی خلوت خالصۃً ذکرِ الٰہی سے معمور ہوتی ہے۔ نظر و فکر کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ صاحبِ خلوت اگر ذکر و نظر میں مشغول ہو جائے تو وہ اہلِ خلوت سے خارج ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مخلص طالبِ حق نہیں تھا کیونکہ اگر وہ اپنی طلب میں مخلص ہوتا تو عنایت ربانی اسے اس ہلاکت سے بچا لیتی۔

---

669 السمهودي (ت ٩١٢)، الغماز على اللماز ٤٢• محمد جار الله الصعدي (ت ١١٨١)، النوافح العطرة ٥٨• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج سير أعلام النبلاء ١٦/٥١٠•

(۳) یہ وہ خلوت ہے جسے بعض اہلِ دنیا اس وقت اختیار کرتے ہیں جب لوگ کسی وجہ سے انہیں چھوڑ جاتے ہیں وہ دل کو بہلانے کیلئے عزلت نشینی کو اختیار کرتے ہیں۔

(۴) یہ وہ خلوت ہے جو خلوت میں پائی جانے والی لذت کی مزید طلب کے لئے کی جاتی ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خلوت کا تعلق قسم اول سے تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر قسم کے مشاغل سے دور تھے حتیٰ کہ مال ودولت اور اہل وعیال کی محبت کو دل سے نکال کر قلبی اذکار کے بحر میں مستغرق رہتے۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق منقطع کر لیا تو آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اس خلوت کی وجہ سے انس اور خلوت عطا ہوئی یہ انس کی کیفیت اسی طرح جاری رہی اور قلب مبارک میں مزید صفائی اور نور پیدا ہو گیا حتیٰ کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے انتہائی درجہ کمال پالیا۔[670]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بند دروازہ کو کھول دے اور اسے علم عطا فرمائے اسے چاہئے کہ وہ خلوت اور قلتِ طعام کو اختیار کرے، سُفَہاء کی مجلس سے اجتناب کرے اور ان اہلِ علم کی صحبت سے بھی بچے جن میں انصاف اور عدل کی کمی ہوتی ہے۔[671]

---

[670] (کتاب سفر السعادة للفیروز أبادی، ص ۴-۳)

[671] (بستان العارفین للإمام الفقیه الحافظ أبی زکریا محی الدین النووی ص ۴۷)

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنی سمع وبصر کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں دل کی دہلیز ہیں اور دل ایک حوض کی طرح ہے، انسانی حواسِ ظاہری کی نہریں اس میں آلودہ پانی جمع کرتی ہیں۔ خلوت کا مقصد حوض کو اس آلودہ پانی سے خالی کرنا اور اس کے اثرات سے پاک کرنا ہے تاکہ حوض کے اندر سے ہی حکمت کا چشمہ پھوٹے جس سے پاکیزہ اور صاف پانی نکلے اور جب تک یہ نہریں کھلی ہیں حوض کی صفائی کیسے ممکن ہے کیونکہ اس سے جتنا زیادہ آلودہ پانی نکالا جائے گا اس سے زیادہ اس میں داخل ہو جائے گا اس لئے حواسِ ظاہری کی حفاظت ضروری ہے اور یہ خلوت کے بغیر ممکن نہیں۔[672]

جب انسان اپنے نفسانی امراض، فضول مصروفیات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے انوار و تجلیات اور علمِ لدنی کا مستحق ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان خلوتوں کے درمیان مجھ پر کچھ ایسے امور منکشف ہوئے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں لیکن پھر بھی فائدے کیلئے چند چیزوں کو ذکر کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا گروہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والا ہے۔ ان کی سیرت بہترین اور طریقہ صحیح ترین اور ان کے اِخلاق پاکیزہ اور عمدہ ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور شرعی اسرار ورموز سے واقف علماء کے علم کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کے اخلاق اور سیرت کو تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی ظاہری اور باطنی تمام حرکات وسکنات

---

[672](الإحياء للغزالي ج٣ص ٢٦)

مشکوٰۃِ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں اور روئے زمین پر نورِ نبوت سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جا سکتی ہو۔[673]

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسرار و رموز اور مزید انوارِ الٰہیہ کا طالب جب خلوت اور ذکر کو لازم پکڑتا ہے اور اپنے دل کو نظر و فکر سے پاک کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار کے در کا فقیر بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم و اسرار اور معارفِ ربانیہ عطا کر دیتا ہے جو اس نے اپنے خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کئے تھے اور آپ علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (کھف: ۶۵)

"تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم۔"

درج ذیل آیات بھی انہی علوم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں:

(۱) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ (بقرہ: ۲۸۲)

"اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ"

(۲) إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ (انفال: ۲۹)

"اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت۔"

(۳) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ۔ (حدید: ۲۸)

"اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے"۔

---

[673] (المنقذ من الضلال ص ۱۳۲-۱۳۱)

حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی کہ آپ نے یہ تمام مراتب ومنازل کیسے حاصل کئے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا! میں یہاں بیٹھ کر تیس سال تک علم حاصل کرتا رہا۔

حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تم نے علم ان راویوں سے حاصل کیا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ہمارا علم اس ذات سے ماخوذ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں صاحبِ ہمت کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علوم عطا ہوتے ہیں جن تک علماء اور حکماء کی رسائی نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی صاحبِ نظر وفکر اس کیفیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔[674]

الشیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ سفیرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ "منظومۃ الآداب" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثیر صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے خلوت کی تعریف کی ہے اور سالک کو لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔

أنست بوحدتی ولزمت بیتی فدام الانس لی ونما السرور

"میں اپنی تنہائی سے مانوس ہو گیا اور میں نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا تو انس میرا ساتھی بن گیا اور سرور میں اضافہ ہو گیا"[675]

[674](الفتوحات المکیۃ ج ا ص ۳۱)

[675](غذاء الألباب شرح منظومۃ الآداب للشیخ الإمام محمد السفارینی الحنبلی ج ۲ ص ۳۸۸)

ڈاکٹر مصطفی السباعی

ڈاکٹر مصطفی السباعی فرماتے ہیں کہ مبلغ اور عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت کیلئے کچھ اوقات خاص کرے جن میں اس کی روح کا اتصال ذاتِ باری تعالیٰ سے ہو اور اس کا نفس اخلاقِ مذمومہ کی کدورت سے صاف ہو جائے اور اس قسم کی خلوت محاسبۂ نفس کی داعی ہوتی ہے۔ جب بھی نفس کسی نیکی کے کام میں کوتاہی کرتا ہے یا صراطِ مستقیم اور حکمت کے راستہ سے بھٹکتا ہے یا لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف ہوتا ہے تو خلوت میں محاسبۂ نفس اس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مانوس اور آخرت جنت اور دوزخ موت اور اس کے مصائب و آلام کو یاد دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے تہجد اور قیام اللیل نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر فرض تھا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کیلئے مستحب، اسی لئے علماء و مبلغین کو نماز تہجد کا زیادہ حریص ہونا چاہیئے۔

خلوت اور رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے میں جو لذت ہے اس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم نوازی فرمائی ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز تہجد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: **نحن فی لذۃ لو عرفھا الملوک لقاتلونا علیھا۔** یعنی "نماز تہجد میں ہمیں ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ہمارے ساتھ جنگ و جدل پر اتر آئیں۔"[676]

---

[676] (مذاکرات فی فقہ السیرۃ للدکتور مصطفیٰ السباعی ص ۱۸)

عماد الدین الواسطی

شیخ الامام عماد الدین الواسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہم سب کیلئے شب وروز میں ایک ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں ہم اپنے رب کی بارگاہ میں خلوت میں حاضر ہوں اور اپنے تمام غموں کو اس کی بارگاہ میں پیش کریں۔ دنیا کے مشاغل کو اپنے دل سے نکال دیں اور ماسوٰی اللہ ہر چیز کو بھول جائیں۔ اس کے ذریعہ انسان پروردگار کے ساتھ اپنے حال کو پہچانتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح اپنے رب کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے عزائم پختہ ہو جاتے ہیں اور اس کا دل حقیقی محبت اور تعظیم کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر وہ بارگاہِ الٰہی میں آہوں اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور خلوت کی یہ گھڑی دراصل قبر میں بندے کی حالت کا نمونہ ہے جبکہ وہ اپنے مال واولاد کو چھوڑ کر اس میں قیام پذیر ہوگا اور جو شخص پریشان کن دنیاوی غم واحزان میں اللہ تعالیٰ کیلئے ایک گھڑی نہیں نکال سکتا اسے جان لینا چاہئے کہ اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے اور محبت ومحبوبیت اس کے نصیب میں نہیں ہے اسے اپنی اس حالت پر رونا چاہئے اور ہمیشہ اپنے اوقات کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کیلئے خاص کرنا چاہئے اگر اس نے اللہ کیلئے کچھ وقت خاص کر دیا تو اس کی برکت سے نماز کی پابندی بھی ہو جائے گی اور اس میں خشوع وخضوع بھی پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں شبانہ روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت اپنے پروردگار کیلئے نکالنا چاہئے تاکہ اس وقت میں یکسوئی سے اس کی عبادت کر سکیں اور پھر اس طریقہ پر نماز ادا کرنے کی کوشش کریں۔[677]

---

[677] (غذاءالألباب ج ا ص ۴۷)

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابن عطاء اللہ سکندری کے اس قول "مانع القلب شئ مثل عزلہ یدخل بھا میدان فکرۃ" (اس عزلت سے بڑھ کر دل کیلئے فائدہ مند کوئی شئے نہیں جس کے ساتھ سالک میدان فکر میں داخل ہوتا ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عزلت کے معنی دل کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالی کرنا ہے۔ کبھی عزلت سے مراد وہ خلوت ہوتی ہے جس میں انسان لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے دل اسی وقت خالی ہو گا جب اسے خلوت میسر آئے گی۔

اور فکر سے مراد دل کا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کی طرف متوجہ ہونا ہے، اور اس کی دو اقسام ہیں:

(۱) تصدیق وایمان میں غور و فکر کرنا۔

(۲) مشاہدہ ربانی کیلئے غور و فکر کرنا۔

اور دل کیلئے اس عزلت نشینی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شئے نہیں جس میں فکر و تدبر پائی جائے کیونکہ عزلت نشینی پرہیز کی مثل ہے اور فکر و تدبر دوا کے مثل اور دوا بغیر پرہیز کے فائدہ نہیں دیتی۔ اسی طرح بغیر دوا پرہیز میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی عزلت نشینی میں کوئی فائدہ نہیں جس میں فکر و تدبر نہ ہو اور اسی طرح بغیر عزلت نشینی کے فکر و تدبر بار آور نہیں ہوتا کیونکہ عزلت نشینی کا مقصد حقیقی دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنا ہے اور دل کو مشاغل دنیا سے خالی کرنے کا مقصد اس کو بارگاہِ الٰہی کی طرف متوجہ کرنا اور فکر و تدبر میں مصروف کرنا ہے اور فکر و تدبر میں مشغول ہونے سے علمِ لدنی حاصل ہوتا ہے اور وہ دل میں متمکن ہو جاتا ہے اور اس علمِ لدنی کا

حاصل ہونا ہی دل کی دوا اور صحت یابی ہے اور یہی وہ دل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قلب سلیم سے موسوم کیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ o إلاَّ مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ o" (شعراء: ۸۹-۸۸)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلبِ سلیم"۔

بزرگوں کا فرمان ہے کہ دِل معدے کی مثل ہے اور معدہ میں جب اخلاط کی کثرت ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے اور اس وقت پرہیز کے علاوہ اسے کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی اور یہ پرہیز کثرت اخلاط اور غذا کی مقدار کو کم کرنا ہے۔ کہتے ہیں: "المعدة بیت الداء و الحمیة رأس الدواء" معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز دوا کی اصل ہے اور اسی طرح دل پر جب شیطانی وساوس اور مادیت کا غلبہ ہو جائے تو یہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس حالت میں پرہیز کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں یعنی لوگوں سے عزلت نشینی اختیار کرے اور فکر و تدبر سے کام لے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا تو اس کا دل صحت یاب اور مستقیم ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو یہ بیمار رہے گا حتیٰ کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیمار دل لے کر حاضر ہو گا جو شکوک وشبہات اور بُرے خیالات سے بھرا ہوا ہو گا۔ نسأل اللہ العافیة۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر آخرت کے بارے میں ساری رات کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ساعت غور و فکر اسی ۸۰ سال کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر ساٹھ ۶۰ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی غور و فکر ہے کہ جن کو صوفیاء کرام مراقبہ کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بہترین مجلس وہ ہے جس میں انسان بحر توحید میں فکر و تدبر کرتا ہے۔

خلوت اور مرید کے لئے پہلی شرط

من شرط المريد اذا كان يذكر الله تعالىٰ فى خلوة و ظهر له شيء من الصور ان يذكر ذلک لشيخه لا سيما إذا قال له انا الله لا اله الا انا او سبحاني و نحو ذلک، و ليحذر ان يكتمه عن شيخه و يميل اليه انه يهلک فى ذمته، و ليقل آمنت بالله سبحانه من ليس كمثله ثم يتغافل عن شهود تلک الصورة و يتلهى عنها بالذكر ما امكن حتى يتجلى له سر من اسرار مذكوره فيغنيه عن الذكر به۔ و من شرطه ان لا يعلق همته ما دام فى الخلوة بحصول كرامة و لا يستند فى خلوته ابداً الى جدار و لا غيره بل يذكر ربه امتثالاً لأمره مطرقاً رأسه مغمضاً عينيه من حين يفتح المجلس الى ان يفرغ منه، ملاحظاً لقوله تعالىٰ فى الحديث القدسي: "ان جليس من ذكرني" و من شرطه ان يثبت اذا ترادفت عليه الخواطر الرديّة و ليحذر من قوله فى نفسه ما كان لى حاجة بهذه الطريق و لا بهذه الخلوة، فانه لا بد للسالک من رادف الخواطر الردية عليه او ائل دخوله الطريق و فى الخلوة لكون ابليس يجيّش عليه و يركب عليه يحاربه بخيله و رجله، لكونه رآه عازماً على ان يكون من جلساء الحق جل و علا۔ و هو حسود لله تعالىٰ، و لكل من راى عنده طلب تقريب من حضرة الحق تعالىٰ فهو يحرص على ان يغير نيته و يرده ناكستاً على عقبيه فلا يحب لنا خيراً قط، و لكن يجب على المريد الاستغاثة بشيخه كلما عرض له عارض من جهة النفس او الشيطان فانه ببركة استناده الى شيخه تندفع عنه العوارض ان شاء الله تعالىٰ۔

مرید کی شرط سے یہ بات ہے کہ جب وہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس کے لئے کوئی صورت ظاہر ہو تو وہ اپنے شیخ سے ذکر کرے۔ خاص طور پر جب وہ اسے کہے میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں یا میں پاک ہوں یا اس طرح کی کوئی دوسری بات کہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اسے اپنے

شیخ سے چھپائے اور اس کی طرف مائل ہونے سے گریز کرے وہ اس کے ذمہ میں ہلاک ہو گا (یعنی وہ مرشد کی حفاظت و ذمہ میں آ چکا ہے) اور چاہئے کہ کہے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا وہ پاک ہے اس کی مثل کوئی نہیں۔ پھر اس صورت کو سامنے لانے سے غافل ہو کر ذکر میں مصروف ہو جائے جس قدر ممکن ہو حتیٰ کہ اس کے لئے اس کے ذکر کے اسرار میں سے کوئی سر (راز) روشن ہو جائے اور وہ اسے اس (صورت) کے ذکر سے بے نیاز کر دے۔

دوسری شرط

اور یہ بھی شرط ہے کہ جب تک وہ خلوت میں ہے اپنی ہمت کو کسی کرامت کے حصول سے متعلق نہ کرے اور خلوت کے دوران کسی دیوار وغیرہ کا سہارا ہر گز نہ لے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا ذکر کرے اپنے سر کو جھکائے رکھے اور آنکھوں کو بند رکھے مجلس کے آغاز سے آخر تک اسی طرح کرے اور اس سلسلے میں حدیث قدسی میں بیان ارشاد خداوندی کو سامنے رکھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا جلیس من ذکرنی۔

جو شخص میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔

تیسری شرط

اور اس خلوت کی ایک شرط یہ ہے کہ جب اسے برے خیالات آئیں تو ثابت قدم رہے اور دل میں ایسے خیالات سے بچے کہ مجھے اس طریقت کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس خلوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سالک کے ابتدائی مراحل میں برے خیالات لازمًا آتے ہیں اور خلوت میں بھی آتے ہیں

کیونکہ شیطان اس کے خلاف لشکر کشی کرتا ہے اور اس پر سوار ہو جاتا ہے اور اپنے گھڑ سواروں اور پیدل دستوں کے ساتھ اس سے لڑتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے ہم نشینوں میں شامل ہونے کا عزم کر رہا ہے اور شیطان اللہ تعالیٰ سے حسد کرنے والوں میں سے ہے اور وہ جس شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کی نیت کو بدلنے اور اسے الٹے پاؤں پھیرنے کی حرص رکھتا ہے۔

لہٰذا وہ ہمارے لئے بھلائی کبھی نہیں چاہتا لیکن مرید پر واجب ہے کہ اسے جب بھی اس کے نفس یا شیطان کی طرف سے کوئی بات پیش آئے تو وہ اپنے شیخ کے ذریعے مدد طلب کرے ان شاء اللہ وہ عوارض دور ہو جائیں گے۔

و من شرطه ان يعود نفسه قلة الكلام و قلة الاكل قبل دخوله ليحب العزلة و يقل كلامه و يكثر سهره۔

چوتھی شرط

خلوت کی شرط یہ بھی ہے کہ وہ خلوت میں جانے سے پہلے اپنے نفس کو کم بولنے اور کم کھانے کا عادی بنائے تا کہ وہ گوشہ نشینی کو اختیار کر سکے اور اس کا کلام کم اور بیداری زیادہ ہو۔

و من شرطه ان يخلص النية في دخوله الخلوة بإذن الشيخ، و لا يجوز له دخولها بنية غير صالحة و لا بغير اذن من الشيخ۔ و ينبغي له ان يقصد بها تهذيب اخلاقه ليستريح الناس من شره، فإن في الحديث مرفوعا: شر الناس من تركه الناس اتقاء فحشه۔ و من شرطه ان يدخل الخلوة بالهيبة كما يدخل المسجد من حيث انه حضرة الله الخاصة و يستعيذ بالله من شر نفسه كلما دخلها و ينقطع عما سواه من زوجة و اولاد و مال، فلا يكاد يخطر على باله شيء من ذلك، لان خطور ذلك من علامات الالتفات الى وراء، و قد أجمعوا على انه لا يصل الى مطلوبه من كان عنده التفات الى ورائه۔ و من شرطه ان لا يدخل في الخلوة حتى يدخلها شيخه

قبله و یصلی فیھا رکعتین بحضور و ھمۃ و جمعیۃ قلب مع اللہ تعالیٰ ثم یفیض ذلک فی قلب المرید لیقرب علیہ طریق الفتح۔

پانچویں شرط

اس کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مرشد کی اجازت کے ساتھ خلوت میں داخل ہونے کے لئے خالص نیت کرے اور اس کے لئے اچھی نیت اور شیخ کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں اور اسے چاہئے کہ وہ اس سے اپنے اخلاق کو مہذب بنانے کا ارادہ کرے تاکہ لوگ اس کے شر سے آرام پائیں۔

ایک مرفوع حدیث شریف میں ہے:

شر الناس من ترکہ الناس اتّقاء فحشہ۔

لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی سے بچنے کے لئے چھوڑ دیں۔

چھٹی شرط

خلوت کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ خلوت میں خوف کے ساتھ داخل ہو جس طرح مسجد میں داخل ہوتا ہے اس لئے کہ یہ خاص بارگاہ خداوندی ہے اور اپنے نفس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے جب بھی داخل ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز یعنی بیوی، اولاد اور مال سے قطع تعلق کرے پس اس کے دل میں ان میں سے کسی کا خیال نہ آئے۔ کیونکہ ان کا خیال پیچھے کی طرف توجہ کی علامت ہے۔

اس بات پر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ جس شخص کی توجہ پیچھے کی طرف ہو وہ اپنے مطلوب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ایک شرط یہ ہے کہ وہ خلوت میں داخل نہ ہو جب

تک اس کا شیخ اس سے پہلے داخل نہ ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے قلبی حضوری اور دلجمعی کے ساتھ دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔ پھر وہ مرید کے دل میں اس کا فیضان ڈالے تاکہ اس پر فتح کا راستہ کھل جائے۔

مزید شرائط

ومن شرطه ان لا يلتفت الى ما يقع له من الكرامات بل يقبل ذلک أدباً مع الله تعالىٰ لشكره عليه من غير وقوف معه، فمن وقف مع شيء من ذلک فاته خير الدنيا والآخرة۔ و كذلک الكرامات للرجل بمثابة الحيض للنساء، ومن قوى يقينه بالله تعالىٰ لا يحتاج الى كرامة تثبته في دينه۔

اس کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کے لئے جو کرامات واقع ہوں ان کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے ساتھ ادب کے طور پر قبول کرے۔ اور اسے اس پر آگاہی نہ ہو اور اگر اسے اس پر آگاہی ہو تو یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ اسی طرح مرد کے لئے کرامات عورتوں کے لئے حیض کی طرح ہیں۔ پس جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین مضبوط ہوتا ہے وہ کسی کرامت کا محتاج نہیں ہوتا جو اسے اس کے دین میں ثابت قدم رکھے۔

ومن شرطه ان يرى روحانية شيخه متصلة به لا ينحجب عنه شيخه لاتصال روحه بمريد آخر، بل روحانية الشيخ تمد مريديه كلهم ولو كانوا مائة الف الف مثلاً۔ وليحذر ان يرفض واسطة شيخه له و يتوجه الى الله بلا واسطة فانه يتمزق ولا يحصل على طائل لجهله بالله عزوجل۔

اس کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی روحانیت کو اپنے ساتھ متصل خیال کرے اور اس سے اس کا شیخ کسی دوسرے مرید کی روح سے متصل ہونے کی وجہ سے پردے میں نہ ہو بلکہ شیخ کی روحانیت اپنے تمام مریدین کی مدد کرتی ہے اگرچہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں۔

مرید کو اپنے شیخ کے واسطہ کو چھوڑنے سے بچنا چاہئے اور وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ

ہو ورنہ وہ بکھر جائے گا اور اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

ومن شرطه ان يكون دائم المراقبة لينظر الله تعالیٰ اليه فلا يغفل عن هذا المشهد لحظة فمن غفل عن ربه كذلك ردته الغفلة الى أنقص من حاله الذی كان له قبل دخوله الخلوة۔

اور اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ہمیشہ مراقبہ میں رہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر فرمائے اور یہ ایک لحظہ کے لئے بھی اس حاضری سے غافل نہ ہو پس جو شخص اپنے رب سے اس طرح غافل ہوتا ہے تو غفلت اسے خلوت میں داخل ہونے سے پہلے والی حالت سے بھی کم تر حالت کی طرف لوٹا دیتی ہے۔

ومن شرطه ان يكون صائماً مدة الخلوة و ذلك لان الجوع يحلل من الاجزاء الترابية والمائية بقدر مايكون فيصفو القلب۔

یہ بھی شرط ہے کہ خلوت کی مدت میں روزہ دار رہے اس لئے کہ بھوک مٹی اور پانی کے اجزاء میں اترتی ہے وہ جس قدر بھی ہو پس دل صاف ہو جاتا ہے۔

ومن شرطه ان لا يخلی إلا فی خلوة مظلمة لا يدخلها شعاع شمس ولا ضوئ نهار و ذلك ليسد عن نفسه طرق الحواس الظاهرة، فانها شرط لفتح حواس القلب۔

یہ بھی شرط ہے کہ وہ خلوت میں تاریک جگہ میں ہو جس میں سورج کی شعاع یا دن کی روشنی داخل نہ ہو تا کہ وہ اپنے نفس سے ظاہری حواس کے راستوں کو بند کر دے کیونکہ قلبی حواس کے کھلنے کے لئے یہ شرط ہے۔

ومن شرطه دوام الطهارة فلا يمكث لحظة واحدة محدثاً بل يبادر للطهارة كلما احدث و ذلك لتلألؤ الأنوار فی قلبه۔

ہمیشہ پاک رہنا بھی اس کی شرائط میں سے ہے لہٰذا ایک لحظہ کبھی بے وضو نہ رہے بلکہ جب بھی بے وضو ہو وضو کرنے میں جلدی کرے تا کہ اس کے دل میں انوار چمکیں۔

ومن شرطه ان لا يتكلم الا بكلام مشروع و يسد باب كلام اللغو جملة، فان الانوار الربانية تخرج من قلب العبد اذا تكلم بلغو و يصير قلبه مظلماً خالياً من النور الحاصل بالخلوة، و لا يضره الكلام مع شيخه في وقائعه و لا لخادمه الذى جعله خادماً له مدة الخلوة لكن يكون ذلک بقدر الضرورة۔

یہ بھی شرط ہے کہ صرف جائز کلام کرے اور فضول کلام کا دروازہ بالکل بند کر دے کیونکہ جب بندہ فضول کلام کرتا ہے تو بندے کے دل سے ربانی انوار نکل جاتے ہیں اور اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے اور وہ اس نور سے خالی ہو جاتا ہے جو خلوت کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔

البتہ اپنے واقعات کے بارے میں اپنے شیخ سے کلام کرنے اور اس خادم سے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے خلوت کے زمانے کے لئے خادم بنایا لیکن یہ بھی بقدر ضرورت ہوتا ہے۔

ومن شرطه ان تكون الخلوة التي يمكث فيها بعيدة عن سماع كلام الناس، لان سماع كلام الناس يؤثر في القلب ظلمة بخلاف الكلام المشروع كما مر۔

اس کی ایک شرط یہ ہے کہ جس خلوت میں وہ ٹھہرا ہوا ہے وہ لوگوں کے کلام سے دور ہو۔ کیونکہ لوگوں کا کلام دل میں تاریکی پیدا کرتا ہے بخلاف شرعی کلام کے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے (یعنی وہاں لوگوں کی آواز نہ پہنچے)۔

ومن شرطه ان يخرج للوضوء و الصلاة مطرقاً رأسه غير ناظر الى احد مغطياً رأسه و رقبته بشيء، لانه ربما حصل له عرق في الخلوة فلفحه الهواء لما خرج فضعف و انقطع عن آداب الخلوة، و ليحذر من ملاحظة الناس له و رؤيتهم له بالتعظيم اذا خرج للوضؤ و الصلاة، فان ذلک سم قاتل۔

یہ بھی شرط ہے کہ وضو اور نماز کے لئے جائے تو سر کو جھکائے ہوئے ہو کسی شخص کی طرف نہ

دیکھے اور نہ سر اور گردن کو ڈھانپے ہوئے ہو کیونکہ بعض اوقات اسے خلوت میں پسینہ آتا ہے پس جب وہ نکلتا ہے تو اسے ہوا نقصان پہنچاتی ہے اور وہ کمزور ہو جاتا ہے اور (یوں) وہ خلوت کے آداب سے کٹ جاتا ہے۔

اور اس بات سے بچنا چاہئے کہ وہ لوگوں کو دیکھے یا وہ لوگ تعظیم کے ساتھ دیکھیں جب وہ وضو اور نماز کے لئے نکلے کیونکہ یہ قاتل زہر ہے۔

ومن شرطه ان لا یصلی منفرداً بل فی جماعة، فقد قالوا ما حصل لاحد خبل فی عقله اذا اختلی إلا من ترکه الصلاة فی جماعة، ولیحذر من الشبع وکثرة شرب الماء فان ذلک یقسی القلب ویورث الحجاب ویظلم القلب ویورث الکسل والبطالة وجلب النوم۔

خلوت کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ تنہا نماز نہ پڑھے بلکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے سیر ہو کر کھانے اور زیادہ پانی پینے سے بھی بچے کیونکہ یہ دل کو سخت کر دیتا ہے اور حجاب پیدا کرتا ہے نیز دل کو تاریک کرتا ہے اور سستی، بے کاری پیدا کرتا ہے اور اس سے نیند آتی ہے۔

ومن شرطه السهر الدائم، فان ذلک یذیب الأرکان الأربعة و یحللها وهی الماء والتراب والهواء والنار وهناک ینظر الی عالم الملکوت فیشتاق الی مرضاة ربه وینفر من کل شیء یغضب ربه۔

ایک شرط یہ ہے کہ ہمیشہ شب بیداری اختیار کرے کیونکہ یہ چار عناصر پانی، مٹی، ہوا اور آگ کو پگھلاتی اور کھول دیتی ہے اس وقت وہ عالم ملکوت کو دیکھتا ہے اور اپنے رب کی رضا کا مشتاق ہوتا ہے ہر ایسی چیز سے نفرت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔

ومن شرطه ان لا یتسلسل فی خاطر ولا فی التعقل فی فهم آیة او حدیث فضلاً عن غیر ذلک، لان الخلوة لیست تحل لمثل ذلک۔

ایک شرط یہ ہے کہ کسی آیت یا حدیث کو خیال میں لانے یا سمجھنے میں تسلسل اختیار نہ کرے چہ جائیکہ کوئی دوسری بات ہو کیونکہ خلوت ایسے کاموں کے لئے مناسب نہیں۔

ومن شرطه ان ال یفتح باب خلوته لأحدٍ غیر شیخه، ولما اختلی ﷺ فی غار حراء کان لا یصحب أحداً معه۔

یہ بھی شرط ہے کہ وہ خلوت کا دروازہ اپنے شیخ کے علاوہ کسی کے لئے نہ کھولے کیونکہ جب رسول اکرم ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار کی تو آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور نہیں تھا۔

ومن شرطه عدم الغفلة عن الذکر الذی أمره به شیخه لانه مرسوم الولایة اذا کان مع ربط القلب بالشیخ۔

یہ شرط بھی ہے کہ اس ذکر سے جس کا حکم اسے اس کے شیخ نے دیا، غفلت اختیار نہ کرے یہ ولایت کی رسم ہے جب اس کا دل شیخ سے وابستہ ہو۔

ومن شرطه ان لا یعین للخلوة مدة اذا بلغها خرج فمن عین اربعین یوماً مثلاً وحدث نفسه بالخروج اذا مضت، خرج من الخلوة فی أول یوم بهذا الخاطر، لأنه یورث الشتات والتفرقة للقلب مدة الخلوة، فیجب علی المختلی ان یجعل الخلوة قبره لا یخرج منها إلا یوم القیامة۔ ذکره الشیخ نجم الدین البکری وقال انه أمر دقیق لا ینتبه له غالب الفقراء، انتهی۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ خلوت کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کرے کہ جب وہ مدت پوری ہو گی تو وہ نکل جائے گا مثلاً جس شخص نے چالیس دن مقرر کئے اور دل میں خیال کیا کہ جب یہ مدت پوری ہو گی تو وہ نکل جائے گا تو وہ اس خیال کی وجہ سے پہلے دن ہی خلوت سے نکل گیا کیونکہ اس سے خلوت کے دنوں میں دل جمعی نہیں ہو گی پس خلوت نشین پر واجب ہے کہ خلوت کو اپنی قبر قرار دے کہ اس سے وہ صرف قیامت کے دن نکلے گا۔

یہ بات حضرت شیخ نجم الدین الکبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی اور فرمایا: یہ باریک بات ہے اکثر فقراء اس سے آگاہ نہیں ہیں۔

وسمعت سیدی علیاً المرصفی رحمه الله یقول: من أحكم معنى الخلوة (بالخاء المعجمة) صار الوجود له (جلوة بالجيم) وصار يخاطب سر الحق تعالیٰ، ومن قلوب الخلق ما لا يتحجب عن ربها بحجاب إلا حجاب العظمة، انتهى۔

اور میں (مصنف) نے حضرت علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: جس نے خلوت (خاء نقطے والی) کے معنیٰ کو مستحکم کیا اس کے لئے وجود جلوت (جیم کے ساتھ) ہو گیا اور وہ حق تعالیٰ کے رازوں کو مخاطب کرتا ہے۔

اور مخلوق کے دلوں میں سے بعض اپنے رب سے صرف عظمت کے پردے میں ہوتے ہیں۔

خلوت کے فوائد

واما ثمرات الخلوة التي لا ينبغي لشيخ أن يدخل المريد الخلوة إلا إن علم من طريق كشفه حصولها له فهي خمسة وعشرون من انواع الكشف وقد أجمعوا على ان حصولها من علامات صحة الفتح، وان من لم تحصل له فاشتغاله بالعلم والكسب والصنايع والحرف افضل له من دخول الخلوة، فيقال لمن اختلى ما ذا حصل لک من الكشوفات والعلوم؟ فان رأيناه كاشفا بهذه الخمسة وعشرين كشفاً صدقناه والا أعرضنا عنه۔

خلوت کے وہ فوائد کہ جب تک شیخ کو کشف کے طریقے پر ان کے حصول کا علم نہ ہو جائے اس کے لئے مرید کو خلوت میں داخل کرنا درست نہیں وہ کشف کی انواع سے پچیس ہیں۔

اور اس پر اتفاق ہے کہ ان کا حصول (انوار الٰہی کے) صحیح طور پر کھلنے کی علامت ہے اور جس شخص کو یہ حاصل نہ ہوں اس کا علم، کسب اور صنعت و حرفت میں مشغول ہونا خلوت میں داخل ہونے سے افضل ہے جو شخص خلوت میں جاتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے تمہیں کشف اور علوم میں سے کیا حاصل ہوا؟ اگر ہم اسے

دیکھیں کہ وہ ہمارے سامنے ان پچیس فوائد کو واضح کرتا ہے تو ہم اس کی تصدیق کریں گے ورنہ اس سے منہ پھیر لیں گے۔

فأول الكشوفات التی تحصل للمختلی ان یکشف له عن عالم الحشر الغائب عنه فلا یحجبه ظلمة ولا جدار عما یفعله الناس فی قعور بیوتها، لکن یجب علیه التوبة من هذا الکشف فوراً لأنه کشف سلطانی، و ینبغی له ان یسأل اللّٰه تعالیٰ ان یخلق باسلمه الستار۔ والفرق بین الکشف الحسّی والخیالی ان یغمض العبد عینیه عند رؤیة شخص او عند رؤیة فعل، فإن بقی له الکشف فهو خیالی، وان زال فلیعلم ان الادراک قد تعلق بمکان مخصوص۔

ا۔ خلوت نشین کے لئے پہلا کشف یہ ہے کہ عالم حشر جو اس سے غائب ہوتا ہے اس سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور لوگ اپنے گھروں کے اندر جو کام کرتے ہیں اس کے سامنے کوئی تاریکی اور دیواران سے آڑ نہیں بنتی لیکن اسے خصوصًا اس سے توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ کشف سلطانی ہے۔

اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم مبارک "الستار" کے ظہور کا سوال کرے۔ "کشف حسی" اور "کشف خیالی" میں یہ فرق ہے کہ بندہ کسی شخص یا کسی فعل کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کرے پھر بھی کشف باقی رہے تو یہ خیالی ہے اور اگر وہ زائل ہو جائے تو وہ جان لے کہ ادراک کا تعلق کسی مخصوص مکان سے ہے۔

ثانیها: ان تنزل علیه المعانی العقلیة فی الصور الحسیّة فلا یصیر بعد ذلک یحتاج الی اتعاب فکر فی تحصیل شیء مما طریقه العقل۔

۲۔ "عقلی معانی" اس پر حسی صورتوں میں اتریں اور اس کے بعد وہ اپنے فکر کو تھکانے کا محتاج نہ ہو اس چیز کو حاصل کرنے کیلئے جس کا طریقہ عقل (غور و فکر) ہے۔

ثالثها: ان يؤتى بأوانى فيها شراب فينبغى له ان يشرب اللبن منها، وإلا فاللبن ثم العسل، وان جمع بين اللبن والعسل فهو افضل، وليحذر من شرب الخمر فانه يورث الشطح، فان كان الخمر ممزوجاً بماء المطر فليشربه دون الممزوج بماء الانهار والآبار والعيون، وعليه بالذكر حتى يرتفع عنه عالم الخيال ويتجلى له عالم المعانى المجردة عن المواد۔

۳۔ کچھ برتن لائے جائیں جن میں مختلف مشروب ہوں تو اسے چاہئے کہ ان میں سے دودھ کو پی لے اگر ایسا نہ ہو تو پہلے دودھ پھر شہد پئے اور اگر دودھ اور شہد جمع ہوں تو یہ افضل ہے۔ شراب پینے سے بچے اس سے نفسانی خواہشات کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اگر شراب بارش کے پانی میں ملی ہوئی ہو تو اسے پی لے اور جو نہروں، کنوؤں اور چشموں کے پانی سے ملی ہو اسے نہ پئے اور اس پر ذکر لازم ہے۔ حتیٰ کہ اس سے عالم خیال چلا جائے اور عالم معانی جو مادہ سے خالی ہے روشن ہو جائے۔

رابعها: ان يتجلى له المذكور ويغنى عن الذكر فى حضرة المشاهدة۔

۴۔ اس کے لئے مذکورہ بالا حالت ظاہر ہو اور مشاہدہ کی حضوری میں ذکر سے بے نیاز ہو جائے۔

خامسها: ان يعرض عليه الحق تعالىٰ مراتب المملكة كلها فلاينبغى له الالتفات إليها۔

۵۔ اللہ تعالیٰ مملکت کے تمام مراتب اس پر پیش کرے تو اسے ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔

سادسها: ان يكشف له عن اسرار الاحجار المعدنية وغيرها فيعرف سر كل حجر و خاصيته فى المضار والمنافع و يعرف عمل الكيمياء الصحيحة التى لا تتغير على مرور الازمان فلاينبغى الالتفات الى شيء من ذلك۔

۶۔ اس کے سامنے معدنی پتھروں وغیرہ کے اسرار ظاہر ہوں اور وہ ہر پتھر کے راز اور نقصان کے اعتبار سے اس کی خاصیت کو جان لے اور صحیح کیمیاء کا عمل معلوم ہو جائے جس میں زمانوں کے گزرنے سے تبدیلی نہ آئے تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہو۔

سابعها: ان یکشف له عن اسرار النبات حتی تنادیه کل عشبة و تخبره بما فیها من الخواص، ولا ینبغی له الالتفات الی ذلک، فمن التفت الی ذلک طرد، ولیکن غذاؤه عند حصول هذا الکشف بما کثرت رطوبته و حرارته۔

۷۔ اس کے لئے سبزیوں کے اسرار کھل جائیں حتیٰ کہ ہر سبزی اسے آواز دے اور اپنے اندر کے خواص کی خبر دے لیکن اس کے لئے اس کی طرف توجہ کرنا مناسب نہیں جو اس کی طرف توجہ کرے اسے دور کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کشف کے حصول کے وقت اس کی غذا وہ چیز ہونی چاہئے جس کی رطوبت اور حرارت زیادہ ہو۔

ثامنها: ان یکشف له عن اسرار الحیوان کله حتی الحشرات و یسلم علیها و تعرفه بما اودعه الله فیها من الخواص النافعة والضارة و بما تعبدالله تعالیٰ به من انواع التسبیح والتمجید۔ وهنا نکتة جلیلة وهو ان المختلی إن رأى العوالم مشتغلة بالذکر الذی هو علیه فی الخلوة فلیعلم انه کشف خیالی لا حقیقی فان خیاله هو الذی اقیم له فی الموجودات، وان رآها شتغلة بأنواع اذکارها عم فهو کشف حقیقی۔

۸۔ اس کے لئے تمام حیوانات کے اسرار ظاہر ہو جائیں حتیٰ کہ کیڑوں، مکوڑوں کے بھی اور وہ اسے سلام کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں جو خاصیات رکھی ہیں وہ نفع بخش ہوں یا نقصان دہ وہ جانور اسے ان خاصیات کی خبر دیں اور یہ بھی بتائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تسبیح و تحمید کی مختلف اقسام کے ذریعے کرتے ہیں۔

اور یہاں ایک بڑا نکتہ ہے وہ یہ کہ خلوت نشین اگر ان جہانوں کو اللہ تعالیٰ سے اس ذکر میں مشغول دیکھے جو خلوت میں اس پر لازم ہے تو جان لے کہ یہ "کشف خیالی" ہے حقیقی نہیں بے شک اس کا خیال ہی موجودات میں قائم کیا گیا ہے اور اگر وہ ان کو مختلف قسم کے اذکار میں مشغول دیکھے تو یہ "کشف حقیقی" ہے۔

تاسعها: ان یکشف به عن سریان عالم الحیاة التی هی سبب الاحیاء وما تعطیه من الاثر فی کل ذات و کیف تندرج العبادات فی هذا السریان فیعرف نشأة الصلاة الحیة من المیتة۔

۹۔ اس کے ذریعے عالم حیات کے سفر کا راز کھل جائے جو زندگی کا سبب ہے اور ہر ذات میں جو اس کا اثر ہے واضح ہو جائے نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس سفر میں عبادات کس طرح شامل ہیں پس وہ زندہ نماز کو مردہ نماز سے ممتاز کر سکے۔

عاشرها: ان یکشف له عن اللوایح اللوحیة و یخاطب بالمخاوف و تتنوع علیه الحالات و یقام له دولاب یعاین فیه صور الاستحالات و کیف یصیر الکثیف لطیفاً و عکسه۔

۱۰۔ یہ کہ اس کے لئے مختلف جسمانی شکلیں ظاہر ہوں اور خوف میں ڈالنے والے امور کے ساتھ اسے مخاطب کیا جائے مختلف حالات کا شکار ہو اور اس کے لئے (گھومنے والی چیزیں) قائم کی جائیں جن میں وہ تبدیلیوں کی صورتوں کو دیکھے اور کس طرح کثیف چیز لطیف اور لطیف چیز کثیف بن جاتی ہے۔

حادی عشرها: ان یکشف له عن نور نظائر السر حتی یطلب التستر منه فلیقدم علی الذکر و لا یخف فانه ینقطع عنه و یندفع۔

۱۱۔ اس کے لئے باطن کی مثالوں کا نور ظاہر ہو حتیٰ کہ اس سے پردہ طلب کرے پس چاہئے کہ ذکر کو مقدم کرے اور خوف نہ کھائے۔ کیونکہ یہ چیز اس سے کٹ جائے گی اور دور ہو جائے گی۔

ثانی عشرها: ان یکشف له عن نور الطوالع و صوره التراکیب الکلیة و تعرف آداب الدخول الی الحضرة الإلهیة و آداب الوقوف بین یدی الحق جل و علا، و أدب الخروج من عنده الی الخلق، و هناک یعرف ان کل شیء نقص من الظاهر زید فی الباطن و الذات واحدة و ماثم نقص حقیقة۔

۱۲۔ اس کے لئے طوالع کا نور اور تمام تراکیب کی صورت کا ظہور ہو اور وہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے آداب اور حق جل جلالہ کے سامنے ٹھہرنے کے آداب نیز وہاں سے مخلوق کی طرف نکلنے کے آداب کی پہچان حاصل کر لے یہاں سے اسے اس بات کی پہچان حاصل ہو جائے گی کہ جو چیز ظاہر میں کم ہو رہی ہے وہ باطن میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور ذات ایک ہے اور وہاں حقیقت میں کمی نہیں ہے۔

ثالث عشرها: ان یکشف له عن مراتب العلوم النظریة و یعرف صور المغالیط التی تطرأ علی الافهام و سریان السرّ الالهی فی العالم۔

۱۳۔ "علوم نظریہ" (غور و فکر والے علوم) کے مراتب اس کے لئے ظاہر ہو جائیں اور اسے ان مغالطہ میں ڈالنے والی باتوں کا علم ہو جائے جو ذہنوں پر وارد ہوتی ہیں اور اس بات کا علم کہ سر الٰہی کائنات میں کس طرح جاری ہے۔

رابع عشرها: أن یکشف له عن عالم التصویر و الحسّ و الخیال و یمده کل شیء فی الوجود بما عنده۔

۱۴۔ اس کے سامنے صورت، محسوسات اور خیال کا عالم ظاہر ہو اور جو کچھ اس کے پاس ہو اس کے وجود میں مددگار ہو۔

خامس عشرها: ان یکشف له عن مراتب القطبیة و عوالمها و کل ما شاهده قبل ذلک فهو من عالم اللسان، و هناک یعطی عالم الرموز و الاجمال و الوهب۔

۱۵۔ اس کے سامنے "قطبیت" کے مراتب اور ان کی علامات ظاہر ہوں اس سے پہلے اس نے جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے وہ عالم لسان ہے اس جگہ اسے اشارات، اجمال اور وہب کے عالم عطا کئے جاتے ہیں۔

سادس عشرها: ان يكشف عن عالم العزّة فيعرف جميع الأدلة السليمة و الشرائع المستقيمة المنزلة من عندالله بو اسطة محمد ﷺ على أتم و جوهها و يميز قول الله من قول خلقه ولو حكاه تعالىٰ عنهم و يتأيده عنده الاحاديث التى قيل بضعيفها بالكشف، و يعرف ايضاً جميع المقامات و مراتبها فى الحضرة الإلهية و تقابله كلها بالتوقير و التعظيم۔

۱۶۔ اس کے لئے "عالم عزت" کھول دیا جائے اور اسے تمام "سلیم دلائل" اور "مستقیم احکام" جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے واسطہ سے نازل ہوئے ہیں کی معرفت کے طریقے سے حاصل ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قول اور مخلوق کے قول میں امتیاز کر سکے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ اس قول کو بندوں کی طرف سے نقل کرے اور اس کے ہاں ان احادیث کی کشف کے ذریعے تائید ہو جائے جن کو "ضعیف" کہا گیا ہے۔ نیز اس سے بارگاہ خداوندی کے تمام مقامات و مراتب کی پہچان حاصل ہو جائے نیز جو ان کے مقابل ہیں توقیر اور تعظیم کے ساتھ۔

سابع عشرها: ان يكشف له عن غامضات الاسرار۔

۱۷۔ اس کے لئے اسرار کے گہرے مقامات کھل جائیں۔

ثامن عشرها: ان يكشف له عن عالم الحيرة و القصور و العجز و خزائن الاعمال وهى من الجنان عليون فقط۔

۱۸۔ اس کے لئے حیرت، قصور، عجز اور اعمال کے خزانوں کا عالم واضح ہو اور یہ جنت میں بلند مرتبہ ہیں۔ فقط۔

تاسع عشرها: ان يكشف له عن جميع الجنان و مراتب أهلها كلهم وهو واقف على طريق ضيق، ثم عن جهنم و دركاتها و مراتب اهلها، و هناك يعرف كشفاً و يقيناً الاعمال الموصلة الى كل من الدارين۔

۱۹۔ تمام جنسیں اور تمام جنتی اور ان سب کے مراتب اس کے لئے واضح ہو جائیں اور وہ تنگ راستے پر کھڑا ہو پھر جہنم اس کے طبقات اور اہل جہنم کے مراتب واضح ہوں اس وقت وہ کشف اور یقین کے ساتھ ان اعمال کو پہچان لے گا جو دونوں گھروں (جنت و جہنم) تک پہنچانے والے ہیں۔

العشرون: ان یکشف له عن ارواح اهل محبة الله عزوجل فیراهم حیاری سکاری قد غلب علیهم سلطان الوجل۔

۲۰۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی ارواح کھل جائیں وہ ان کو حیران اور نشے میں دیکھے کیونکہ ان پر خوف کا سلطان غالب آگیا۔

حادی عشرینها: ان یکشل له عن نور لا یری فیه غیر نفسه فیأخذه فیه وجد وهیمان و یتمایل کتمایل السراج ویجدفی نفسه لذة لا یقدر یقدرها۔

۲۱۔ اس کے سامنے ایسا نور واضح ہو جس میں وہ اپنے آپ کے علاوہ کسی کو نہ دیکھے اور اسے وجد اور حیرانگی پکڑ لے اور چراغ کی طرح ادھر ادھر جھکے اور نفس میں ایسی لذت پائے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

ثانی عشرینها: ان یکشف له عن اسرار الرحمانیة فیعرف عاقبة أمره و منزلته من حضرات الاسماء۔

۲۲۔ اس کے سامنے انسانوں کی صورتوں کی طرح صورتیں ظاہر ہوں اور کچھ پردے جن کو دور کیا جائے اور کچھ سفید پردے اور وہ تسبیح کر رہی ہوں جو عقل کو حیران کر دے جب وہ ان میں اپنی صورت کو دیکھے تو اسے حیرانگی نہ ہو۔

۲۳۔ اس کے لئے رحمانی اسرار ظاہر ہوں پس وہ اپنے کام کا انجام اور اسماء الٰہیہ میں اس کے مرتبہ کی پہچان حاصل کرے۔

رابع عشرينها: ان يعرف منازع جميع احوال المجتهدين من الكتاب و السنة و يخرج من الخلوة و قد نحی نفسه من ديوان الفقراء الصادقين، و اما من يخرج منها و هو يری انه خير من أقرانه فهو ممقوت باجماع اهل الطريق، إذ هو وقت اللبس الذی اخرج به آدم من حضرة الله كما مر قبيل هذه الخاتمة۔

۲۴۔ وہ کتاب و سنت میں اجتہاد کرنے والوں کے تمام احوال کے مقامات، اختلاف کی پہچان حاصل کرلے اور خلوت سے باہر آجائے اور اس نے سچے فقراء کے دیوان سے اپنے نفس کو الگ کر لیا۔

اور جو شخص خلوت سے نکل کر اپنے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو دوسرے ساتھیوں سے اچھا سمجھے تو تمام اہل طریقت کا اتفاق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے کیونکہ یہ وقت ان (شیطانی) وسوسوں کا ہے جن کی وجہ سے آدم علیہ السلام بارگاہ خداوندی سے باہر نکلے جس طرح اس خاتمہ سے کچھ پہلے گزر چکا ہے۔

خامس عشرينها: ان يعطيه الله تعالىٰ المشی علی الهواء و الماء و يصير يتصرف بهمته فی الكون باذن الله تعالىٰ، و تطوی له الارض و يخلع عليه هناک من الخلع مالم يخطر علی باله۔ فهذه ثمرات الخلوة و الحمد لله رب العالمين۔

۲۵۔ اللہ تعالیٰ اسے ہوا اور پانی پر چلنے کی طاقت دے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اپنی ہمت کے ساتھ تصرف کرنے لگے اور اس کے لئے زمین لپیٹ دی جائے اور اس وقت اسے وہ قیمتی جوڑا پہنایا جاتا ہے جس کے بارے میں اس کے دل میں کبھی خیال بھی نہ ہو گا۔

یہ خلوت کے فوائد و نتائج ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

وكان أخی ابو العباس الحرينی يختلی الاربعين و اكثر و يقول كل خلوة لا تمنح صاحبها هذه المعلوم فهی عبث ناقص الاستعداد، و هی:

میرے بھائی حضرت عباس حرینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چالیس دن یا اس سے زیادہ دن خلوت نشینی اختیار کرتے اور فرماتے: جس خلوت سے "خلوت نشین" کو یہ علوم حاصل نہ ہوں وہ بے کار ہے اس کی استعداد ناقص ہے۔

وہ علوم یہ ہیں:

علم حضرة الجمع الاکبر، و علم مزلات الاقدام، و اسباب السعادة و الشقاء، و علم الفرق بین الکرامة و الاستدراج فی سائر الاحوال، و علم جمیع مراتب العالم عنداللہ تعالیٰ علی اختلاف طبقات الخلق و معرفة انساب جمیع الحیوانات الی ابیھا الأول۔

جمع اکبر کی حضوری کا علم قدموں کے پھیلنے کا علم، خوش بختی اور بد بختی کے اسباب، اور تمام احوال میں کرامت اور استدراج میں فرق کا علم، مخلوق کے مختلف طبقات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ہاں عالم کے مراتب کا علم، اور تمام حیوانات کے ان کے پہلے باپ تک نسب کی پہچان۔

و منھا علم التجلیات الالھیة و علم بطون عالم الشھادة فی عالم الغیب و عکسه، و من ھذا العلم زل بعض اھل الکشف فقال بعدم حشر الاجساد حین رأی ارواحاً تتحول فی أی صورة شاء صاحبھا، و غاب عنه ان الاجساد تنطوی فی الارواح فی الآخرة عکس حالھا فی الدنیا۔

تجلیات الٰہیہ کا علم، عالم غیب میں عالم شہادت کے بطون کا علم، اور اس کے برعکس (کا علم)۔

اور اس علم کی وجہ سے بعض اہل کشف پھسل گئے اور انہوں نے جسموں کا حشر نہ ہونے کا قول کیا۔ (یعنی میدان محشر میں جسم جمع نہیں ہوں گے) جب انہوں نے دیکھا کہ ارواح ہر صورت میں چلی جاتی ہیں جس کے بارے صاحب روح چاہتا ہے۔

لیکن ایسے شخص سے یہ بات غائب ہو گئی کہ آخرت میں ارواح میں جسم لپیٹے جائیں گے اور یہ دنیوی حالت کے برعکس ہو گا۔

ومنها علم جواهر القرآن كلها في مقام الاسلام و في مقام الايمان و في مقام الإحسان و في مقام الايقان۔

مقام اسلام، مقام ایمان، مقام احسان اور مقام ایقان میں قرآن مجید کے تمام جواہر کا علم ہو۔

ومنها علم مراتب الملائكة في الدار الآخرة على التفصيل و على الجمع بين الضدين وادخال الواسع في الضيق، وطي الزمان و شهود الجسم الواحد في مكانين فاكثر من مكانين فأكثر في آن واحد۔

ان علوم میں سے ایک علم یہ ہے کہ آخرت میں فرشتوں کے مراتب کا تفصیلی علم ہو۔ دو ضدوں کا جمع ہونا، کشادگی والے کو تنگی میں داخل کرنا، زمانے کا لپیٹ دیا جانا، ایک جسم کا ایک ہی وقت میں دو یا زیادہ جگہوں میں حاضر ہونا (اس کا بھی علم ہو)۔

ومنها علم كلام الحيوانات من حيث تسبيحها بحمد ربها حال صلاتها و معرفة الأداة المتعلقة بملائكة الارض و ملائكة الهواء بين السموات كلها، و علم البرازخ۔

ان ہی علوم سے حیوانات کے کلام کا علم ہے کہ وہ اپنی نماز کی حالت میں اپنے رب کی حمد کے ساتھ کس طرح اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں زمینی فرشتوں اور تمام آسمانوں کے درمیان ہوا کے فرشتوں سے متعلق آلات کا علم اور عالم برزخ کا علم ہے۔

و منها علم ابراز الغيوب من خلق الحجب، و علم الظلالات القدسية و علم كيفية الحروف المسطرة في اللوح المحفوظ، و علم طول العالم و عرجه من الجهات الست۔

ان علوم میں سے ایک علم یہ ہے کہ حجابات کی تخلیق سے جو چیزیں غیب میں ہیں ان کو ظاہر کرنے کا علم، قدسی سایوں کا علم جو حروف لوح محفوظ میں لکھے گئے ان کی کیفیت کا علم اور چھ جہتوں (شمال، جنوب، مشرق، مغرب، اوپر اور نیچے) سے کائنات کے طول و عرض کا علم۔

ومنها علم حضرات الفردانية والصمدانية و عدتها سبعون الف حضرة و معرفة الاحكام المتعلقة بأهل كل حضرة بحيث يصير يمليها كلها من قلبه۔

ان ہی میں سے "فردانیت" (یکتا ہونا) اور "صمدانیت" (اللہ کا بے نیاز ہونا) کے قرب کا علم اور یہ مقامات قرب ستر ہزار ہیں۔ اور ہر قرب کے اہل کے متعلق احکام کا علم، اس طرح حاصل ہو کہ ان سب کو دل سے املاء کرائے۔

ومنها علوم فتق الرتق بالعروق و فصل الوصل بالختوق و علم الاسباب التی من اجلها اتخذت الاصنام والاوثان ارباباً من دون الله، وما شبهة كل صاحب ملة و نحلة فی مخالفته شريعة نبيه۔

ان میں سے لوگوں کی پھٹن کو جوڑنے اور جوڑوں کو پھاڑنے کے ذریعے جدا کرنے کے علوم ہیں اور ان اسباب کا علم جن کی وجہ سے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ رب بنالیا گیا اور جن لوگوں نے اپنے نبی کی شریعت کے خلاف اپنا دین بنایا ان کا شبہ کیا تھا۔

ومنها علم حضرات الرجوع ولما ذا يرجع كلام البارى جل و علا، هل هو لذاته، او لصفة قائمة زائدة عليها، أو لعلمه او نسبه خاصة، و ما محل الاعجاز من جميع الآيات۔

ان علوم میں سے مقامات رجوع کا علم اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں رجوع کیوں ہے وہ ذاتی طور پر ہے یا ایسی صفت کی وجہ سے جو اس کے ساتھ قائم ہے لیکن اس سے زائد ہے یا اس کے علم یا نسبت خاص کی وجہ سے ہے اور تمام آیات میں محل اعجاز کیا ہے۔

ومنها علم تطورات الحروف ملائكة حال النطق بها بحيث يصير صاحب هذا الكشف يرى الجو كله ملائكة من كلام الخلق۔

ان میں سے حروف کا بولنے کی حالت میں فرشتوں کی شکل میں ہونے کا علم ہے اس طرح کہ صاحب کشف مخلوق کے کلام کو تمام فضاء میں فرشتوں کی شکل میں دیکھتا ہے۔

و منها علم ملاقات من مسه الشقاء من العصاة و تمییزہ عمن لا حظ له فی الشقاء اصلاً برؤیة جبهته، و علم التضمیر فی نحو قوله تعالیٰ: و سارعوا الی مغفرہ من ربکم، و معلوم أنه لا یسارع الی المغفرة إلا بالوقوع فی الذنوب و قد ثبت النهی عنها و هو علم شریف۔

ان میں سے نافرمان لوگوں میں سے ان لوگوں کی علامات کا علم جن کو بد بختی چھوتی ہے اور ان کو ان لوگوں سے الگ کرنا جن کا بد بختی میں کوئی حصہ نہیں ان کی پیشانی دیکھ کر جان لینا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول جیسے ارشادات میں جو باتیں پوشیدہ ہیں ارشاد خداوندی ہے:

(وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ) اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ مغفرت کی طرف اس وقت جلدی کرے گا جب گناہ میں واقع ہو اور گناہ سے ممانعت آئی ہے،

و منها علم الغیب الذی انفرد به الحق جل و علا، و الغیب الذی یطلع خواص عبادہ علیه، و هل بین کل ارض و أرض سماء فیها ملائکة ام لا۔

اور یہ علم عظمت والا علم ہے ان علوم میں وہ علم غیب ہے جو حق جل وعلا کے ساتھ خاص ہے (یعنی اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا) اور وہ غیب بھی جس پر اس کے خاص بندے مطلع ہوتے ہیں اور کیا ہر دو زمینوں کے درمیان آسمان ہے جس میں فرشتے ہیں؟

ومنها علم الشرائع المبثوثة فی جمیع العالم و علم جمیع المعجزات و الکرامات و استخراجها کلها من مقام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ومنها علم مظاهر الآیات البرزخیة و الکرامات الکونیة، وعلم ما خص اللہ تعالیٰ به اصحاب الکهف من العلوم و الاسرار، و علم الانفهامات القدسیة و الالهامات الملکیة و الصحف الفردوسیة و حضرة الدیمومیة۔

ان ہی میں سے تمام عالم میں ثابت شدہ احکام شریعت کا علم ہے نیز تمام معجزات و کرامات کا علم اور ان کو مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالنا۔ ان میں سے آیات برزخیہ اور کائناتی کرامات کے مظاہر کا علم ہے اور ان علوم واسرار کا علم جن کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے ساتھ خاص کیا۔ ان میں ابھامات قدسیہ، الہامات ملکیہ، صحف فردوسیہ اور حضرت یمومیہ کا علم ہے۔

ومنها علم الآداب التی تجب علی أتباع کل امة و مستحباتها عن غیرها۔

ان میں سے علم ادب ہے جس کی اتباع پوری امت پر واجب ہے۔

ومنها علم الکنوز و معرفة حلّ طلسمات جمیع الکنوز بأی حرف شاء من حروف الهجاء علی عدد مخصوص و حال مخصوص و یتصرف فی جمیع کنوز الدنیا بما شاء لکنه یترک ذلک اقتداء بجمهور الانبیاء و الاولیاء۔

اور ان میں سے "علم کنوز" (خزانوں کا علم) اور تمام خزانوں کے طلسمات کو کھولنا حروف تہجی میں سے جس حرف کے ساتھ چاہے مخصوص عدد اور مخصوص حال پر، اور دنیا کے تمام خزانوں میں جیسے چاہے تصرف کرے کیونکہ وہ جمہور انبیاء اور اولیاء کی اقتداء میں اسے چھوڑ دے۔

ومنا علم ضم المعانی بعضها علی بعض کالالفاظ و هو علم غریب لان المعانی لا توجد الا مع الالفاظ، و تجرّد المعانی من الالفاظ محال فی العقل۔

ان میں سے بعض معانی کو بعض کے ساتھ ملانے کا علم ہے جس طرح الفاظ کو ملایا جاتا ہے یہ علم غریب ہے (نادر ہے) کیونکہ معانی الفاظ کے بغیر نہیں پائے جاتے اور معانی کا الفاظ سے الگ ہونا عقلاً محال ہے۔

ومنها علم فک المعمی من الاسرار و تفهم مراتب الایمان و ایضاح السر و علم التفاضل بین الانبیاء و الاولیاء علی التعیین کما هم فی حضرة اللہ تعالیٰ۔

ان ہی میں معانی کو اسرار سے الگ کرنا یا مراتب ایمان کو سمجھنا رازوں کی وضاحت اور متعین طریقے پر انبیاء اور اولیاء کے درمیان باہم فضیلت جس طرح وہ بارگاہ خداوندی میں ہے کا علم ہے۔

ومنھا علم حضرۃ الحجب الشھوانیۃ فی الدنیا والآخرۃ وما یحجب العبد منھا عن اللہ وما لا یحجبہ۔

ان ہی میں سے دنیا اور آخرت میں خواہشات کے پردوں اور جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے پردے میں ہو جاتا ہے اور جن سے پردے میں نہیں ہوتا کا علم ہے۔

ومنھا علم توالد الأدلۃ والبراھین ومنہ یعلم ان کل ما ولدہ العقل فی باب معرفۃ اللہ تعالیٰ فھو مردود علی صاحبہ، قال تعالیٰ: لم یلد ولم یولد، فافھم۔

ومنھا علم الطبائع ومنہ یعلم الانسان انہ قابل لجمیع المحامد والمذام من حیث چینتہ، وانہ ما خرج عن المذام سوی الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام، وصاحب ھذا العلم لا یصیر یفرح بالمدح ولا یحزن بالذم لانہ لم یرد علیہ شیء غریب وھو من اشرف علوم الکشف۔

ان ہی علوم میں سے دلائل وبراہین کے پیدا ہونے کا علم ہے اور اس سے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سلسلے میں جو کچھ عقل پیدا کرتی ہے وہ اس شخص پر رد کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (الاخلاص 3) نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس بات کو سمجھو! ان ہی علوم میں سے طبیعتوں کا علم ہے اور اس علم سے انسان اس بات کو جانتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تمام تعریفوں اور مذمتوں کے قابل ہے اور مذمت سے صرف انبیاء کرام علیہم السلام خارج ہیں۔ اس علم والا مدح پر خوش اور مذمت پر غمگین نہیں ہوتا کیونکہ اس پر کوئی عجیب چیز وارد نہیں ہوتی اور یہ علم، تمام علوم سے زیادہ معزز ہے۔

ومنها علم تمییز الحق من الباطل فی سائر القوال و الافعال و العقائد، و ادراک الباطل میتاً لا روح فیه، و الحق حیاً، کما یدرک الحب الیابس من الاخضر من غیر اقامة دلیل علی ذلک من الکتاب و السنة لو فقدا و العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ان ہی علوم میں سے تمام اقوال، افعال اور عقائد میں حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کا علم ہے اور باطل کو مردہ سمجھنا جس میں روح نہیں ہے اور یہ کہ حق زندہ ہے جس طرح خشک اور تازہ دانے میں امتیاز ہوتا ہے اور اس پر قرآن و سنت سے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اگر وہ دلائل نہ پائے جائیں۔ العیاذ باللہ۔

ومنها علم القبض و البسط، و منه یشهد صاحب هذا المقام بسط الحق تعالیٰ فی حال قبضه و قبضه فی حال بسطه و هکذا من حیث انه تعالیٰ جامع للاضداد الا ما اخرجته النصوص الشرعیة من ذلک، کما هو معروف عند اهل اللہ تعالیٰ۔

ومنها علم جمیع الطرق التی یدخل منها ابلیس علی جمیع السالکین و معرفة الامور التی تسد جمیع طرقه عنهم و هو من اشرف العلوم۔

ان ہی علوم میں قبض و بسط کا علم ہے اور اس کی وجہ سے اس مقام والا شخص اللہ تعالیٰ کے بسط کو حالتِ قبض اور قبض کی حالت کو بسط میں دیکھتا ہے۔ اور اسی طرح سے کیوں کہ اللہ تعالیٰ میں متضاد صفات جمع ہیں۔ (مثلاً رزق کشادہ کرنا (بسط) اور تنگ کرنا (قبض) دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات نصوص شرعیہ کی وجہ سے اس بات سے خارج ہوں جس طرح اللہ والوں کے ہاں معروف ہے۔

ان ہی علوم میں سے ان تمام راستوں کا علم ہے جن سے شیطان، تمام سالکین پر داخل ہوتا ہے اور ان امور کی معرفت ہے جن سے ان راستوں کو بند کیا جاتا ہے اور یہ تمام علوم میں سے زیادہ شرف اور بزرگی والا ہے۔

ومنها علم الصفات والاحكام التى كانت للأرواح قبل دخولها فى هذا الجسم والصفات التى تكون عليها بعد دخولها, ومنه يعرف السالک الوجه الذى حصل من اجتماعات حتى کان العذاب علیهما جمیعاً فان لکل واحد منهما علی افراده غیر مکلف، انتهى۔

فهذا بعض علوم الخلوة التی ذکرها أخی أفضل الدین رحمه اللہ۔

ان ہی علوم میں سے ان صفات واحکام کا علم ہے جو روح کے لئے اللہ کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے تھے اور وہ صفات جو اس کے داخل ہونے کے بعد کی ہیں۔

اور اس علم کی وجہ سے سالک کو اس وجہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے جو اجتماعات سے حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ عذاب دونوں (روح اور جسم) کو ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مکلف نہیں ہیں۔ (کلام مکمل ہوا) یہ (مذکورہ بالا) خلوت سے حاصل ہونے والے علوم ہیں جن کو میرے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

چوبیس علوم اور خلوت نشینی

و کان سیدی علی المرصفی رضی اللہ عنہ یقول: کل خلوة لا یطلع صاحبها اذا خرج منها علی هذه العلوم فلا ثمرة لها وهی غیر مشروعة بل هی الی الریاء اقرب، فاولها: ان یکشف له عن علم آداب ردی الحجب و عدتها سبعون الف حجاب و ذلک لیرفع عنه اذا دخل فی الصلاة، و ان یعطی علم آداب المشاهدات العانیة والمکالمات البیانیة۔

سیدی علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: وہ خلوت جس سے فارغ ہونے کے بعد خلوت نشین کو ان (درج ذیل) علوم پر اطلاع نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ شرعی (خلوت) نہیں بلکہ ریاکاری کے زیادہ قریب ہے۔

۱۔ ان میں سے پہلا علم یہ ہے کہ اس کے لئے ہلاکت کے طریقے کے علم سے پردے اٹھ جائیں

اور یہ ستر ہزار پردے ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ جب وہ نماز میں داخل ہو تو پردے اٹھ جائیں اور یہ کہ اسے "مشاھدات عیانیه" اور "مکالمات بیانیه" کے آداب کا علم دیا جائے۔

ثانیھا: ان یعطیه اللّٰہ تعالیٰ معرفة اھل الجنة و معرفة من یدخل الدار من الموحدین ممن لا یدخلھا۔

۲۔ دوسرا علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت کی معرفت عطا کرے اور اس میں داخل ہونے والے موحدین اور ان میں داخل نہ ہونے والوں کی پہچان حاصل ہو جائے۔

ثالثھا: ان یعطیه اللّٰہ تعالیٰ علم جمیع ما احصاہ اللّٰہ تعالیٰ فی الامام المبین من العلوم و عدتھا ما یحصل من ضرب ثلاث مائة و ستین الفا فی مثلھا تسع مرات و ثلث۔

۳۔ تیسرا علم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ان تمام چیزوں کا علم عطا کرے جو "امام مبین" (قرآن مجید) میں شمار کئے گئے ہیں اور ان کی تعداد یوں ہے کہ ساٹھ ہزار تین سو کو اس کی مثل میں نو اور تین بار ضرب دی جائے۔

رابعھا: ان یعطیه اللّٰہ تعالیٰ معرفة احکام الکتاب و السنة فی مقام الاسلام و مقام الایمان و مقام الاحسان و مقام الایقان و یصیر یعرف شروط کل عبادة و ارکانھا و سننھا و آدابھا فی کل مقام من ھذہ الاربعة مقامات و ھو علم عزیز۔

۴۔ چوتھا علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقام اسلام، مقام ایمان، مقام احسان اور مقام ایقان میں کتاب و سنت کے احکام کی معرفت عطا کرے اور اس کی حالت اس طرح ہو جائے کہ وہ ہر عبادت کی شرائط اس کے ارکان، سنتوں اور آداب کو ان چاروں مقامات میں سے ہر مقام میں پہچان لے یہ نادر علم ہے۔

خامسھا: ان یعطیه اللّٰہ تعالیٰ علم فک رموز الحقائق و حل معمیات الدقائق۔

۵۔ پانچواں علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے حقائق کے رموز کھولنے اور دقائق کے پوشیدہ مقامات

کھولنے کا علم عطا فرمائے۔

سادسها: ان يعطيه الله تعالىٰ علم آداب الدخول الى حضرة الله الخاصة بالصلاة، وامهاتها عشرة آلاف ادب وامافروعها فلاتنحصر، وماقدروا الله حق قدره۔

٦۔چھٹا علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نماز کے ذریعے اپنی خاص بارگاہ میں داخل ہونے کے آداب کا علم عطا فرمائے اور اس کے بنیادی آداب دس ہزار ہیں اور فروع بے شمار ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کا حق ہے۔

سابعها: ان يعطيه الله تعالىٰ علم استخراج جميع الكتب المنزلة من القرآن العظيم و تمييز جميع الشرائع عن بعضها وماتزيد كل شيرعةاوتنقص عن الاخرى۔

وكان سيدى ابراهيم المتبولى يقول: لما دخلت الخلوة أطلعنى الله تعالىٰ على رجوع جميع الكتب المنزلة الى القرآن ورجوع القرآن كله من حيث معانيه الى الفاتحة ورجوع الفاتحة الى الباء ورجوع الباء الى النقطة، وصرت أستخرج جميع مذاهب المجتهدين من أى حرف شئت من حروف الهجاء۔

۷۔ساتواں علم اللہ تعالیٰ اسے ایسا علم عطا کرے کہ وہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں میں امتیاز کر سکے اور تمام شریعتوں کے درمیان بھی امتیاز کر سکے کہ ہر شریعت میں دوسری شریعت کے مقابلے میں زائد کیا ہے اور کم کیا ہے؟

سیدی ابراہیم المتبولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

جب میں نے خلوت نشینی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر مطلع فرمایا کہ میں تمام آسمانی کتابوں کو قرآن مجید کی طرف لوٹاؤں اور تمام قرآن کو معانی کے اعتبار سے سورہ فاتحہ کی طرف اور فاتحہ کو بسم اللہ کی باء کی طرف اور باء کو نقطہ کی طرف لوٹاؤں۔اور میں حروف تہجی میں سے جس حرف سے چاہتا تھا مجتہدین کے مذاہب کو نکالنے کے قابل ہو گیا۔

ثامنها: ان يعطيه الله علم حضرات الاسماء و معرفة اسناد كل قول فى الشريعة الى اسم الهى۔

۸۔ آٹھواں علم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اسماء کی حاضری کا علم عطا فرمائے اور شریعت میں ہر قول کو اسم الٰہی کی طرف نسبت کر سکے۔

تاسعها: ان يعطيه الله تعالىٰ علم كل علامات الساعة و امهاتها الف علامة لا تقع كل واحدة الا بعد سنة، و يصير يعرف الامور المبرمة و الامور المعلقة و يخفف فى المبرمة لئلا يعارض فيما اخبر به الشارع۔

۹۔ نواں علم یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی علامات کا علم عطا کرے اور اس کی اصولی علامات ایک ہزار ہیں ہر علامت ایک سال بعد واقع ہوتی ہے وہ تقدیر مبرم کے امور کی معرفت حاصل کر لینا ہے نیز وہ امور جو ممنوع کاموں سے متعلق ہیں وہ ان کو معلق تقدیر کے ساتھ مضبوط کرتا ہے اور مبرم میں مخفیف کرتا ہے تاکہ اس کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو جس کی شارع علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

عاشرها: أن يعطيه الله تعالىٰ معرفة سائر الألسن الخاصة بالإنس و الجن فلا يخفى عليه فهم كلام احد منهم و لو تشكل فى غير صورته الأصلية۔

۱۰۔ دسواں علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ان تمام زبانوں کی معرفت عطا کرے جو انسانوں اور جنوں کے ساتھ خاص ہیں پس ان میں سے کسی ایک کا کلام سمجھنا پوشیدہ نہ ہو اگرچہ وہ اپنی اصلی شکل کے علاوہ شکل اختیار کرے۔

حادى عشرها: ان يعطيه الله تعالىٰ علم سر القدر الذى طوى علمه عن الخلائق ما عدا محمد ﷺ و من ورثه فى المقام من طريق الكشف۔

۱۱۔ گیارہواں علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسرار کا اس قدر علم عطا فرمائے کہ جو رسول اکرم ﷺ اور کشف کے طریق میں اس مقام میں آپ ﷺ کے وارث ہوں، کے علاوہ مخلوق کے علم

کو لپیٹ لے۔

ثانی عشرھا: ان یعطیه اللہ تعالیٰ ماینطوی علیه کل انسان من الخیر و الشر بمجرد رؤیه أنفه۔

۱۲۔بارھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرے جسے ہر انسان صرف اس کی ابتداء دیکھ کر حاصل کرے وہ خیر ہو یا شر۔

ثالث عشرھا: ان یعطیه اللہ تعالیٰ معرفة غسالات الخطایا فی الماء الذی یتطهر الناس منه فیصیر یمیز بین غسالة الکبائر و الصغائر و المکروھات و خلاف الاولی برؤیة ذلک الماء فلا یخطیء۔

۱۳۔تیرھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے خطاؤں کو اس پانی سے دھونے کی معرفت عطا کرے جس سے لوگ طہارت حاصل کرتے ہیں۔ پس وہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں نیز مکروہات اور خلاف اولیٰ کاموں میں اس پانی کو دیکھتے ہی امتیاز کر سکے پس وہ خطاء نہ کرے۔

رابع عشرھا: ان یعطیه اللہ علم الطبائع و معرفة ما یقبل الانتقال عن طبعه و ما لا یقبل من سائر الحیوانات۔

۱۴۔چودھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے طبیعتوں کا علم عطا فرمائے اور اس چیز کی معرفت جو تمام حیوانات میں سے اس کی طبیعت سے انتقال کو قبول کرتی ہے اور جو قبول نہیں کرتی۔

خامس عشرھا: ان یعطیه اللہ معرفة العلوم التی یختص بها الانسان، و العلوم التی یختص بها الملک، و العلوم التی تختص بها البهائم، و ما یدخل مع الانسان قبرہ من العلوم و یدوم معه إلی الآخرة، و ما ینقطع حکمه بالموت۔

۱۵۔پندرھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے ان علوم کی معرفت عطا کرے جو انسان کے ساتھ خاص ہیں اور وہ علوم جو فرشتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ نیز وہ علوم جو جانوروں کے ساتھ خاص ہیں اور وہ علوم

جو بندے کے ساتھ قبر میں جاتے ہیں اور آخرت تک اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور وہ جن کا حکم موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

سادس عشرها: أن يعطيه الله تعالیٰ معرفة ترتيب الأسماء الإلهية فی الظهور وما اول اسم ظهر وماهو الذی تلاه فی الظهور وهكذا، وماهو الاسم المهيمن علی سائر الاسلماء۔

۱۶۔ سولھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے ان اسمائے الٰہیہ کی معرفت عطا کرے جو ظاہر ہیں نیز کون سا اسم پہلے ظاہر ہوا اور کون سا اسم ظہور میں اس سے متصل ہے اسی طرح سلسلہ جاری رکھے۔ اور تمام اسماء میں کونسا اسم سلب کا محافظ ہے۔

سابع عشرها: ان يعطيه الله تعالیٰ معرفة الآداب التی تختص بالبعث والنشور والحشر الی دخول الجنة، ومعرفة الآداب التی تكون فی الجنة، وهل هی مستنبطة من آداب الشريعة ام يوحی بها الله الی اهل الجنة، فان الادب مع الله لا يختص بمكان بل هو واجب علی الدوام۔

۱۷۔ سترھواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے ادب کی معرفت عطا کرتا ہے جو (قیامت کے دن) اٹھنے، اور حشر و نشر سے جنت میں داخل ہونے تک کے ساتھ خاص ہے اور اس ادب کی معرفت جو جنت میں ہو گا۔

اور کیا یہ شریعت کے آداب سے اخذ کیا گیا یا اللہ تعالیٰ اہل جنت کی طرف الہام فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے واجب ہے۔

ثامن عشرها: ان يعطيه الله تعالیٰ علم نسبته جميع الامور الی الله تعالیٰ والی الخلق، ومنه يعرف حقيقة مسألة خلق الافعال التی عجزت عقول العلماء عن تحقيقها۔

۱۸۔ اٹھارہواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی معرفت عطا کرتا ہے کہ وہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی طرف منسوب کر سکتا ہے اور اسی سے وہ افعال کی تخلیق کے مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے جن افعال کی حقیقت سے علماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

تاسع عشرها: ان یعطیه اللہ تعالیٰ معرفة الجمع بین اقوال جمیع المجتهدین و أتباعهم و رجوعها کلها الی عین الشریعة من غیر ترجیح قول علی آخر کشفاً و یقیناً لا ظناً و تخمیناً۔

١٩۔ انیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی معرفت عطا کرتا ہے کہ وہ تمام مجتہدین اور ان کی اتباع کرنے والوں کے اقوال کو جمع کر سکتا ہے اور ان کو عین شریعت کی طرف یوں لوٹاتا کہ کسی ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح نہ دے اور یہ بات کشف اور یقین کے ساتھ ہوتی ہے محض اندازے سے نہیں۔

عشرونها: ان یعطیه اللہ تعالیٰ معرفة أسرار القرآن و السنة المسمی بعلم الحقیقة، و یطابق بینها و بین الشریعة و یراها حقیقة واحدة لها مرتبتان: علیا و سفلی۔

٢٠۔ بیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے قرآن و سنت کے اسرار کی معرفت عطا کرتا ہے جسے "علم حقیقت" کہا جاتا ہے وہ اس کے اور شریعت کے درمیان مطابقت پیدا کرتا ہے اور دونوں کے لئے ایک ہی حقیقت قرار دیتا ہے جس کے دو مرتبے ہیں ایک اوپر والا اور دوسرا نیچے والا۔

حادی عشرینها: ان یعطیه اللہ تعالیٰ معرفة جمیع العلوم حتی یهلک صاحبها فی عین ما یظن سعادته بها کعلوم البراهمة و نحوها۔

٢١۔ اکیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے تمام علوم کی معرفت عطا کرتا ہے حتیٰ کہ ایسا شخص جس چیز کو عین سعادت سمجھتا ہے اس میں ہلاک ہو جاتا ہے جیسا کہ براہمہ کے علوم۔

ثانی عشرینها: ان یعطیه اللہ تعالیٰ تطورات الاقوال و الافعال و الاغراض و معرفة ما تطورت منه تلک الصور علی اختلاف اجناسها بمجرد رؤیتها۔

٢٢۔ بائیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے اقوال وافعال اور اغراض کے طور طریقے بتائے اور اس چیز کی معرفت حاصل ہو جس سے ان صورتوں کی حالت محض دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہو حالانکہ ان کی جنس مختلف ہے۔

ثالث عشرينها: ان يعطيه الله تعالیٰ وزن الرجال و معرفة مقام كل انسان برؤية تدوير فمه أو باصر عينه۔

۲۳۔ تئیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے مردوں کے مقام اور ہر انسان کے مقام کی معرفت عطا کرتا ہے یا تو اس کے منہ کی گولائی کو دیکھ کر یا آنکھ کی پتلی (آنکھ کا وہ حصہ جس سے دیکھتا ہے) دیکھ کر معلوم ہو جائے۔

رابع عشرينها: ان يعطيه الله تعالیٰ معرفة تفاصيل الآيات والصور و جميع الانبياء على اختلاف طبقاتهم و ما فضل الله به كل واحد عن بقية اجناسه۔

۲۴۔ چوبیسواں علم۔ اللہ تعالیٰ اسے آیات اور سورتوں کی تفصیل اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی معرفت عطا کرتا ہے باوجود ان کے طبقات کے مختلف ہونے کے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی جنس کے دوسرے افراد پر فضیلت دی ہے۔

فهذه أربعة و عشرون علماً من ثمرات الخلوة في يوم و ليلة، و ما زاد فبحاسبه الى أربعين يوماً انتهى كلام سيدى على المرصفي رحمه الله۔

تو یہ دن اور رات کی خلوت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے چوبیس علوم ہیں جو زیادہ کرے تو اس کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے چالیس دن تک۔ (سیدی علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

مرید کو خلوت میں داخل کرنا

اور مرید کو خلوت میں داخل کرنے والے کے لئے شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کشف صحیح کے ذریعے مطلع کر دے کہ یہ مرید خلوت کی تمام شرائط کو پورا کر سکتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی خلل نہیں ہو گا یہ اس لئے کہ اسے خلوت کا فائدہ حاصل ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے اس بات پر بھی مطلع

فرماتا ہے کہ مرید کو خلوت کے تمام فائدے حاصل ہو چکے ہیں تا کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور معرفت کے ساتھ داخل کرے۔

کیونکہ جو شخص خلوت کے آداب کو قائم نہیں کرتا اور نہ ہی اسے اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ سچا مرید نہیں ہے۔

جس طرح ہر وہ شیخ جسے اللہ تعالیٰ خلوت کے فوائد پر مطلع نہ فرمائے وہ سچا شیخ نہیں ہے وہ حقیقت میں اپنے نفس کے ذریعے ہلاک کیا جاتا ہے۔ اور وہ اہل طریقت کا مذاق اڑانے والے لوگوں میں سے ہے۔

اس کا حکم ایسے مسخرے کی طرح ہے کہ جب وہ کسی قاضی یا امیر کے دروازے سے نکلے تو ماں بچے اس پر ہنستے ہیں اور بندے کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

فکر

صفات ذات، نعمہائے الٰہیہ، عینیت اور حق کی نسبت میں فکر کرنا نہ کہ ذات میں جیسا کہ ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے:

لاتتفکروا فی ذات اللّٰہ وفکروا فی صفات اللّٰہ و نعماء اللّٰہ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو بلکہ اس کی صفات اور نعمتوں میں غور کرو۔

فکر کرنا بھی عبادت ہے۔

تفکر کا لغوی معنی: تفکر فکر سے باب تفعل ہے۔ ألفِكْرُ اور ألفَكْرُ کا معنی ہے: "اعمال الخاطر فی الشیء" یعنی کسی چیز کے اندر کھٹکا یا تردد پیدا ہونا۔"[678]

فکر دراصل "فرک" سے مقلوب ہے جس کا معنی ملنا، رگڑنا اور کھرچنا ہے۔ کیونکہ جس معنی میں یہ مستعمل ہے وہ "فرک الامور و البحث" ہے۔ یعنی طلب حقیقت و تلاشِ معرفت۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الفکر" دراصل "الفرک" تھا۔ جو کثرت استعمال سے الفکر بن گیا۔ اور الفرک کے معنی ہیں: دلک الشیء حتی ینقطع قشرہ عن لبہ کالجوز۔ "کسی شیء کو اتنا رگڑنا کہ اس کا چھلکا اس کے گودے سے الگ ہو جائے جیسے اخروٹ۔"

تفکر کا اصطلاحی مفہوم: شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "تصرف القلب فی معانی الأشیاء لدرک المطلوب" یعنی "مطلوب کو پانے کے لئے دل کو اشیاء کی حقیقت و معنی کی تلاش میں استعمال کرنا۔"

فکر کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

سراج القلب یریٰ بہ خیرہ و شرہ و منافعہ و مضارہ و کل قلب لا تفکر فیہ فھو فی ظلمات یتخبط۔

"فکر دل کا چراغ ہے جس سے اس کے لئے بھلائی و شر اور منافع و نقصان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ہر وہ دل جس کو فکر کی عادت نہ ہو وہ اندھیروں میں ہے جو اس کو دیوانہ کر دیں گے۔"

اور کہا گیا ہے:

الفکر مصباح الاعتبار و مفتاح الاختیار۔

یعنی فکر عقل کا چراغ اور حقائق کی چابی ہے۔

---

[678] (ابن منظور افریقی، لسان العرب، باب الفاء ص ۲۹۳، دار الاخیار، ریاض)

فکر کو طائرِ حکمت کا جال بھی قرار دیا گیا ہے چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

الفکر شبکۃ طائر الحکمۃ۔ [679]

تدبر کا لغوی مفہوم

التدبر التفکر فیہ۔

یعنی کسی شیء میں کچھ جاننے یا پانے کی کوشش کرنا۔ [680]

جیسا کہ کہا جاتا ہے:

فلان ما یدری قبال الامر من دبارہ۔

یعنی "وہ شخص اس کام کے آگے اور پیچھے سے واقف نہیں (یعنی آداب و اصول اور نتائج سے آگاہ نہیں)۔"

تدبر کا اصطلاحی مفہوم

التدبر عبارۃ عن النظر فی عواقب الامور۔

یعنی تدبر دراصل زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے اثرات اور نتائج و ثمرات سے آگاہی حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ [681]

تفکر وہ قوت ہے جو کسی کام کو انجام دینے سے پہلے کوئی دلیل تلاش کرنے میں عقل اور دل کی راہنمائی کرے، جبکہ تدبر وہ صلاحیت ہے جو اپنی قوت قاہرہ سے اس کام کی انجام دہی کے بعد پیدا ہونے والے اثرات اور مرتب ہونے والے نتائج سے دل و دماغ کو خبر دے۔

---

[679] (السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد بن علی، باب التاء، ص ٦٧، دار الکتب العلمیہ، الحسنی الجرجانی الحنفی متوفی ٨١٦ھ، بیروت طبع اولیٰ ١٤٢١ھ ٢٠٠٠م)

[680] (لسان العرب باب الدال ص ٢٧٧)

[681] (التعریفات باب التاء۔ ص ٥٨)

چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

أن التفکر تصرف القلب بالنظر فی الدلیل و التدبر تعرفه بالنظر فی العواقب۔

یعنی تفکر دل کو دلیل کی تلاش میں راہنمائی فراہم کرتا ہے اور تدبر اس کے قائم ہونے سے اس کے نتائج و اثرات کے جاننے میں مدد کرتا ہے۔"[682]

علامہ اللہ بخش اویسی فرماتے ہیں: تفکر کا لغوی معنی غور کرنا ہے اور اصطلاح منطق میں دو معلوم شدہ تصورات کو ملا کر ایک مجہول شی کا حاصل کرنا تفکر کہلاتا ہے۔ جیسے حیوان اور ناطق دو معلوم شدہ تصورات کو ملایا تو ہمیں ایک مجہول شئ انسان کا علم ہوا۔ دوسرے لفظوں میں امورِ معلوم کو ترتیب دے کر امورِ مجہولہ کے حاسل کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔

جبکہ امورِ مجہولہ کے حصول کے بعد اس پر عمل کرنے سے خطرناک نتائج کا ڈر ہو، دل متردد ہو تو یہ تردد، شک اور شبہہ کی قوت متحرکہ جو علم کی جستجو اور نتائج و عواقب اور اثرات و ثمرات کی طلب و تڑپ میں کود کر معلوم شئے تک آنا چاہتی ہے یہ تدبر ہے جو فکر پہ سوار ہوتا ہے اور فکر کی قوت حسبِ عقل و نظر اسے آگے بڑھاتی ہے تاکہ وہ آئندہ مرتب ہونے والے اثرات سے آگاہ ہو سکے۔ لہٰذا فکر کے لئے مطلوبہ شی کا تصور و تصویر کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ کی ذات کی بجائے صفات میں تامل و نظر کرو۔ مختصر یہ کہ تفکر سواری ہے اور تدبر سوار ہے۔[683]

تفکر ساعة خیر من عبادة الثقلین۔[684]

ایک گھڑی کا تفکر انس و جن کی عبادت سے بہتر ہے۔

---

[682] (تعریفات باب التاء ص ۵۸)

[683] (علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراهیم البغدادی (متوفی ۷۲۵ھ) تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیه بیروت طبع اولیٰ ۱۴۲۵ھ)

[684] روح البیان ج ۹ ص ۱۳۷۔

فکر کی کئی قسمیں ہیں کہ سالک یہ غور و فکر کرے کہ کس معاملہ میں شریعت کی مخالفت ہے اور کس امر میں نہیں۔ دوسرے یہ غور کرے کہ حق کے حقوق کی ادائیگی سے سالک عاجز ہے اس لئے کہ اس کے احسانات بندوں پر بے شمار ہوں، تیسرے یہ کہ **جَفَّ القلمُ بِماھوَ کائنٌ۔**[685] (قلم اس چیز کے لکھنے سے خشک ہو گیا جو لکھی جا چکی ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت) پر غور کرے کہ لکھنے والا ان میں ہی جلوہ گر ہو گا۔ چوتھے یہ کہ مِلکی اور مَلَکی کاریگریوں وغیرہ پر غور کرے۔ اس تفکر سے عظمت و کبریائی کا غلبہ اس کے دل پر ہوتا ہے۔[686]

حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، عزلت نشینی کے چار بڑے فوائد ہیں:

(۱): حجابات منکشف ہو جاتے ہیں　　(۲): رحمتوں کا نزول ہوتا ہے

(۳): محبت حاصل ہو جاتی ہے۔　　(۴): انسان سچائی کا عادی ہو جاتا ہے

خلوت کے دس فوائد

پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلوت کے دس فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱): انسان زبان کی آفات سے بچ جاتا ہے کیونکہ جو انسان خلوت میں ہو گا تو کسی سے گفتگو نہیں کر سکے گا اور زبان کی آفات سے غالبًا وہی بچ سکتا ہے جو خلوت کو جلوت پر ترجیح دیتا ہے۔

---

[685] روح البیان ج۳ص ۳۰۶۔الهيثمي (ت ۸۰۷)، مجمع الزوائد ۱۹۶/۷• البيهقي (ت ٤٥٨)، الاعتقاد للبيهقي ١٤٧• عبد الحق الإشبيلي (ت ٥٨١)، الأحكام الشرعية الكبرى ٣/٣٣٣• القرطبي المفسر (ت ٦٧١)، تفسير القرطبي ٨/٣٣٥• الذهبي (ت ٧٤٨)، ميزان الاعتدال ٢/٦٧٠• ابن رجب (ت ٧٩٥)، نور الاقتباس ٣/٩١• ابن رجب (ت ٧٩٥)، جامع العلوم والحكم ١/٤٥٩• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، موافقة الخبر الخبر ١/٣٢٨• السخاوي (ت ٩٠٢)، المقاصد الحسنة ١٨٨• محمد بن محمد الغزي (ت ١٠٦١)، إتقان ما يحسن ١/٢٠٠• الزرقاني (ت ١١٢٢)، مختصر المقاصد ٣٤٣• العجلوني (ت ١١٦٢)، كشف الخفاء ١/٣٦٦•

[686] مقالاتِ اربعین ص ۳۹۲۔

(۲): نظر کی آفات سے بھی بچ جاتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کو چھوڑ کر کنج تنہائی میں بیٹھ جائے گا اس کی نظر دنیا کی ظاہری زیب وزینت سے محفوظ رہے گی۔ حکماء کا قول ہے جو شخص زیادہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اس کی حسرت بڑھ جاتی ہے۔

(۳): اس کا دِل ریاکاری اور اس قسم کے دوسرے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴): وہ شخص دنیا میں زہد و قناعت اختیار کرتا ہے اور اسی میں انسان کی عظمت اور اس کا کمال ہے۔

(۵) وہ بُرے اور گھٹیا لوگوں کی صحبت سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی صحبت میں بڑے خطرات ہوتے ہیں۔

(۶): وہ عبادت اور ذکر کیلئے فارغ ہوتا ہے اور تقویٰ و نیکی پر عزمِ مصمم کرتا ہے۔

(۷): اسے عبادت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے اور اس فراغت اور تنہائی میں مناجات کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ مرید اس وقت صادق ہوتا ہے جب وہ خلوت میں ایسی حلاوت قوت اور نشاط پاتا ہے جو جلوت میں نہیں پاتا۔

(۸): دل اور بدن کو راحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ اختلاط دِل کی تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

(۹): انسانی نفس اور اس کا دین ان خطرات اور برائیوں سے بچ جاتا ہے جو لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۰): خلوت میں انسان غور وفکر کی عبادت کو بخوبی ادا کر سکتا ہے اور خلوت کا یہی مقصودِ اعظم ہوتا ہے۔

یہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلوت کے بارے میں چند اقوال ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خلوت وہ عملی طریقہ ہے جس کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے لوگوں کیلئے سنت بنا دیا ہے تاکہ ان کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جائے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ ہو جائے اور ان کی ارواح بلند پرواز کی متحمل اور ان کے دل پاکیزہ ہو جائیں تاکہ وہ تجلیاتِ الٰہیہ کے قابل ہو جائیں۔

کیا نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ عملی نمونہ خالقِ سموات والارض کی معرفت کا سبب نہیں ہے؟ کیا یہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اذواق جذب ووجد کی اساس اور کشف فیضِ الٰہی انوار و تجلیات اور صفائے قلبی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو اپنے سایہ تلے جگہ دے گا اور ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔[687]

کیا یہ حدیثِ پاک ذکرِ الٰہی کیلئے خلوت کے جائز ہونے کیلئے دلیل قاطع نہیں ہے؟ یہی وہ خلوت ہے جس میں صوفی تنہائی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر انوار و تجلیات کی بارش کر دیتا ہے اور اسے اپنی بارگاہ میں شرف باریابی عطا فرماتا ہے۔

---

[687] (ایقاظ الھمم، ج ۱ ص ۳۰)

حدیث قدسی ہے:

أهل ذكري اهل مجالستي۔

یعنی اہلِ ذکر میرے ہم نشین ہیں۔[688]

اور جب وہ تنہائی میں اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو کوئی چیز بھی اس کو اس ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس بارگاہ کی حضوری میں اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔

شیخ ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حالت کو کیا خوب بیان فرمایا ہے:

ولقد خلوت مع الحبيب وبيننا　　　سر ارق من النسيم اذا سرى

فدهشت بين جماله وجلاله　　　وغدا لسان الحال عني مخبرا

(۱): مجھے محبوب کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارے درمیان چلتی ہوئی بادِ نسیم سے بھی زیادہ رقیق راز تھا۔

(۲): میں اس کے جمال و جلال میں مدہوش ہو گیا تو زبان حال نے میری مخبری کر دی۔

یعنی جب اسے معرفتِ الٰہی حاصل ہوئی تو خوشی میں آنسو نکل آئے۔

ولي الله ليس له انيس　　　سوى الرحمان فهو له جليس

فيذكره ويذكره فيبكي　　　وحيد الدهر جوهره نفيس

ترجمہ: ولی اللہ کیلئے اللہ کے سوا کوئی انیس نہیں اور وہ اسی کا ہم نشین ہوتا ہے۔ وہ اسے یاد کرتے کرتے رو پڑتا ہے وہ یکتائے روزگار، اس کا جوہر نفیس ہے۔

گناہ گار بندہ جب ان اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی صف میں شامل ہونا چاہتا ہے تو پہلے نفسِ امارہ کے ساتھ خلوت نشین ہو جاتا ہے اور اس کی زجر و توبیخ کرتا ہے اور اپنے اس ارادہ میں مخلص ہو

---

[688] (أخرجه الإمام أحمد في مسنده من حديث طويل)

جاتاہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اس افسوس میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ اس کی زندگی لہو و لہب میں ضائع ہو گئی ہے۔بقولِ شاعر!

علی نفسہ فلیبک من ضاع عمرہ　　　　ولیس لہ فیھا نصیب ولا سھم

جس نے اپنی عمر ضائع کر دی اسے اپنے آپ پر رونا چاہیئے اب اس کا نہ کوئی حصہ بچا ہے نہ نصیب۔

اور پھر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور رحمت کی امید کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا عہد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی توبہ پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور اس کی رحمت اس گناہ گار بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے:

وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا واذا تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا واذا اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔

"اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف بڑھے تو میں ایک ذراع اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ذراع میری طرف بڑھے تو میں دو ذراع اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری بارگاہ میں چل کر آئے تو میری رحمت دوڑ کر اسے اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔"

اور وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس بشارت کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت گرمی میں اسے اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا اور اس وقت لوگ جھلسا دینے والے سورج کی گرمی میں کھڑے ہوں گے۔

قرآن وحدیث کے واضح دلائل اور علمائے کرام کے اقوال سے خلوت کی مشروعیت ثابت ہوئی ہے یہ کوئی بدعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ غایت مقصودہ ہے۔بلکہ یہ تو ایک وسیلہ ہے تاکہ دل بیماریوں سے صحت یاب ہو جائے اور بروزِ قیامت باعثِ نجات ہو۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩)

"جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ کے حضور قلبِ سلیم"۔

خلوت سے مراد نہ ہی تو دائمی عزلت نشینی ہے اور نہ ہی لوگوں سے سراسر منقطع ہونا ہے بلکہ جس طرح ایک مریض کو ایک مدت کیلئے ہسپتال داخل کیا جاتا ہے تاکہ وہ جسمانی بیماریوں سے نجات پائے اور پھر صحت مند قوی وتوانا ہو کر اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح مؤمن ایک مخصوص وقت خلوت میں گزارتا ہے اور پھر عملی زندگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس خلوت کی برکت سے اس کا اپنے رب سے تعلق مضبوط اور اس کا دل ایمان اور یقین کی دولت سے معمور ہو جاتا ہے اور پھر بڑی جوانمردی کے ساتھ دنیاوی مکروفریب کا مقابلہ کرتا ہے، خصوصاً جب وہ اس فانی زندگی کی حقیقت کو جان لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بخوبی سمجھ لیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" (الرحمن:٢٦)

جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔

ہم اپنے ارد گرد کے ماحول میں بہت سے لوگ دیکھتے ہیں جو اپنے فانی جسم کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اس کی صحت کے اسباب مہیا کرتے ہیں اس کو راحت وسکون پہنچانے کیلئے کثیر وقت نکال لیتے ہیں لیکن جب ان کو روحانی بیماریوں کی طرف متوجہ کیا جائے تو اِن کو بہت عجیب سمجھتے ہیں اور اس سے اِعراض کرتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں وقت کا ضیاع ہے اور یہ بدعت ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔ ایسے لوگوں پر شاعر کا قول صادق آتا ہے۔

تطيب جسمك الفاني ليقبى — وتترك قلبك الباقي مريضا

اپنے فانی جسم کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ باقی رہے اور تو اپنے باقی رہنے والے دل کو بیمار چھوڑ دیتا ہے۔

اگر یہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیتا کہ اسلام بدن کے ساتھ ساتھ دل کی اصلاح کا حکم دیتا ہے تو اپنے دل کا خیال کرتا۔ جس طرح وہ اپنے بدن کا خیال رکھتا ہے۔ بقولِ شاعر۔

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمته — اتطلب الربح مما فیه خسران
لقبل علی النفس و استکمل فضائلها — فانت بالروح لا بالجسم انسان

اے جسم کے خادم تو اس کی خدمت کیلئے کس قدر دوڑ دھوپ کرتا ہے کیا تو اس چیز سے نفع چاہتا ہے جس میں سراسر گھاٹا ہے۔ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جا اور اس کے فضائل کو مکمل کر کیونکہ تو روح کی وجہ سے انسان کہلاتا ہے نہ کہ جسم کی وجہ سے۔ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً خلوت نشینی اختیار کرکے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

صاحبِ حقائق عن التصوف شیخ المشائخ حضرت عبد القادر عیسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میرے شیخ و مرشد محمد ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کو خلوت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ مریدین کیلئے ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ اور دنیا کے شور و غوغا سے دور کسی مقام پر خلوت نشین ہوں پھر شیخ انہیں لفظ اللہ کے ذکر کی تلقین کرے تاکہ وہ شب و روز اس ذکر میں مستغرق رہیں اور صرف نماز کھانے اور سونے کے وقت ذکر میں مشغول نہ ہوں اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوں بلکہ ہمیشہ اسی ذکر میں محو رہیں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (مزمل: ۸)

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔"

مرید اپنے دل کی طرف متوجہ ہو کر اور اس میں آنے والے وساوس اور خواطر کو دور کرتے ہوئے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور اپنے شیخ کے تجربات معارف و احوال اور ارشادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منازلِ سلوک طے کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ذکر اس کے سویدہ قلب میں سرایت کر جاتا ہے

اور لفظ "اللہ" اس میں نقش ہو جاتا ہے۔ غفلت ختم ہو جاتی ہے اجنبیت زائل ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور انس کی حلاوت محسوس کرتا ہے اور پھر اسی طرح سلوک کی منازل طے ہوتی جاتی ہیں کہ جن کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

خلاصہ کلام

خلوت کی دو اقسام ہیں: (۱) عام خلوت۔ (۲) خاص خلوت۔

عام خلوت: وہ ہے جس میں مؤمن ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یا تلاوتِ قرآن حکیم محاسبۂ نفس اور زمین و آسمان کی تخلیق میں فکر و تدبر کرتا ہے۔

خاص خلوت: وہ ہے جس کو سالک مراتب احسان اور معرفت کے منازل طے کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور یہ خلوت کسی شیخ کامل کی نگرانی میں ہوتی ہے وہ سالک کو ایک معین ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ دائمی رابطہ رکھتا ہے تا کہ اس کے شکوک و شبہات کو دور کر کے اسے معرفت کی حدود میں داخل کر دے۔ اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسے اور وہم کو دور کرے اور اس کو ایک منزل سے دوسری طرف منتقل کرتا رہے۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ سلوک کی آخری منزل ہے بلکہ یہ تو راہِ سلوک کا پہلا قدم ہے اس کے بعد ضروری ہے کہ سالک طویل مجاہدات سے گزرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا مرشد سے قوی رابطہ ہو۔ صبح شام اور فارغ وقت میں اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرے تا کہ اسے دائمی قرب و وصال حاصل ہو جائے۔ اس طرح وہ احسان کے دونوں مراتب یعنی مراقبہ اور مشاہدہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

جن کی طرف نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنی حدیثِ پاک میں اشارہ فرمایاہے:

"الاحسان ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

باب سوم

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ

گزشتہ باب میں ہم نے تصوف کے عملی دستور کو بیان کیا ہے جس کو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت سے اخذ کیا ہے۔ اس میں ہم نے صحبت، علم، ذکر اور خلوت وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ یہ تمام اعمال اپنے ظاہر کے اعتبار سے بدنی اور روح اور جوہر کے اعتبار سے قلبی ہیں اس لئے اب ضروری تھا کہ ہم راستہ کو بیان کریں جس کا تعلق دل کے احوال اور نفس کی صفات سے ہے یعنی وہ راستہ جس کا تعلق روحانی پہلو سے ہے کیونکہ تصوف کا اصل مقصد دل کی اصلاح اور اس کی بیماریوں کا علاج اور پھر اس کو صفاتِ کمال سے آراستہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچے کے راستہ سے مراد وہ مقامات ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے جیسے توبہ، محاسبہ، خوف ورجا اور مراقبہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس میں صدق، اخلاص اور صبر جیسی اخلاقی صفات کو بھی بیان کیا جائے گا۔ ان سے آراستہ ہو کر سالک معرفتِ الٰہی کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اس مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے جس کے مراتب کی کوئی انتہاء نہیں۔

یہاں وصال سے عام معنی ومفہوم مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان کی حدود سے منزہ وبرتر ہے۔ اس لئے ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وصولک الی اللہ وصولک الی العلم بہ والا فحل ربنا ان یتصل بہ شئ او یتصل ھو بشئ۔

اللہ تک پہنچنے میں تیرا مقصد یہ ہے کہ تجھے اس کی معرفت تک رسائی حاصل ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بزرگ وبرتر ہے کہ کوئی چیز اس کے ساتھ متصل ہو یا وہ خود کسی چیز کے ساتھ متصل ہو۔[689]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں وصال کا معنی یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنے دل کی آنکھ سے اس کا مشاہدہ کرے اور آخرت میں اپنے سر کی آنکھوں سے اور وصال سے مراد ایک ذات کا دوسری ذات سے متصل ہونا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے بلند وبرتر ہے۔[690]

اللہ تعالیٰ کے وصال کی شاہراہ پر گامزن ہونا مؤمنین اور صالحین کی صفت ہے۔ اسی لئے انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ علماء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور ان سب کا مقصد صرف یہی ہے کہ انسان مادہ پرستی اور حیوانیت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر انسانیت اور مَلکیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو کر قربِ الٰہی کی لذت سے آشنا ہو سکے۔

تصوف میں بظاہر کثیر سلاسل ہیں لیکن حقیقت میں ان سب کی منزل مراد ایک ہی ہے۔ اگرچہ وقت اور مکان کے تبدیل ہونے اور اپنے اجتہاد کی وجہ سے انہوں نے اس منزل تک پہنچنے کیلئے مختلف راستے اختیار کئے ہیں۔

اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ابن قیم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱): اعلیٰ درجہ کے لوگ۔ (۲): گھٹیا درجہ کے لوگ۔

---

[689] (ایقاظ الھمم ج ۲ ص ۲۹۵)

[690] (روض الطالبین للغزالی ص ۱۵۰)

اعلیٰ درجہ کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب تک پہنچنے کے راستہ کو پہچان لیا۔ پھر اس تک پہنچنے کیلئے اس پر رواں دواں ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز ہیں اور گھٹیا درجہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تک پہنچنے کے راستہ کو نہ پہچانا اور نہ ہی اس کیلئے کوشش کی۔ یہی وہ فرمایہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ" (الحج:۱۸)

"اور جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے"

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا درحقیقت ایک ہی راستہ ہے لیکن بعض علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے طبائع اور استعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہ طریقے بنا دیئے ہیں اور یہ ہمارے اس قول کے منافی نہیں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے اور وہ راستہ ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو رضائے الٰہی کا باعث ہو اور وہ اشیاء جو رضائے الٰہی کی باعث ہیں وہ مختلف اور متعدد ہیں تو گویا منزل تو ایک ہی ہے کہ اس کی رضا حاصل ہو جائے لیکن اس کی رضا کے حصول کے تبدیل ہونے سے بدلتے رہتے ہیں اور یہ تمام طریقے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حکمت کی وجہ سے ان کو مختلف انواع میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی طبیعت کے مطابق ان پر عمل پیرا ہو سکے اور اگر اللہ تعالیٰ ان تمام کو ایک ہی نوع بنا دیتا تو اس پر بہت کم لوگ چل سکتے کیونکہ لوگوں کے ذہن، عقل اور قوتِ استعداد مختلف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو مختلف انواع میں تقسیم کر دیا

تا کہ ہر شخص اپنی طبعیت اور استعداد کے مطابق اس پر چل کر اپنی منزل تک پہنچ سکے۔ اسی سے ہم انبیاء سابقین کی شریعتوں کے اختلاف کو سمجھ سکتے ہیں حالانکہ سب کا دین اور معبود ایک ہی ہے۔[691]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصوف کی منازل، مقامات اور راہِ سلوک کو طے کرنے کے طریقوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا۔ حضرت ابو بکر کتانی اور حضرت ابو الحسن رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی کہ ہمیں وصول الی اللہ کی پہلی منزل کے بارے میں بتائیے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: راہِ سلوک کی پہلی منزل توبہ ہے، پھر آپ نے رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرائط بیان فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ مقامِ توبہ سے سالک مقامِ خوف کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر مقامِ خوف سے رجاء کی طرف اور رجاء سے صالحین کے مقام کی طرف اور مقامِ صالحین سے مقام مریدین کی طرف اور مقامِ مریدین سے مقامِ مطیعین کی طرف اور یہاں سے مقامِ مشتاقین مقامِ اولیاء کو طے کرتا ہوا مقامِ مقربین تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہر مقام کو طے کرنے کیلئے دس شرائط ذکر کی ہیں جب سالک سختی سے ان شرائط پر کاربند ہو جاتا ہے اور اس کا دل اس وادی سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے اکرام واحسان میں غور و فکر کرتا ہے اور وہ ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی روح ملکوت کی سیر کرتے ہوئے بحرِ معرفت میں غوطہ زن ہو کر حریمِ قدس تک رسائی کر لیتی ہے۔

سالکین جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو انہیں اس قدر قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے کہ انہیں دوری کا تصور تک نہیں رہتا اور وہ ایسے بلند مقامات پر فائز ہوتے ہیں کہ انہیں پستی کا خوف نہیں ہوتا۔ پھر ان کی باطنی نگاہ روشن کر دی جاتی ہے تا کہ وہ زمین پر بیٹھ کر جنت کا نظارہ اور سیر کریں۔ اس مقام

---

[691] (طریق الھجرتین لابن قیم الجوزیۃ ص ۲۲۳-۲۲۵)

پر پہنچ کر اپنے معبود کی محبت میں گم ہو جاتے ہیں اور کسی غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ وہ اس مقامِ قرب کو چھوڑ کر کہاں جائیں جس میں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ سب ان کے مولا کا احسان اور ان کے نیک اعمال کی جزاء ہے پس عاملین کو اسی طریقہ پر گامزن ہونا چاہیئے۔[692]

منازلِ سلوک طے کرنے کیلئے ضروری ہے کہ سالک مجاہدۂ نفس کرے اور ذکر پر دوام کے ساتھ ساتھ مراقبہ، محاسبہ اور عزلت نشینی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا وصال محض خواہشات اور آرزوؤں سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کیلئے ایمان، تقویٰ، پختہ ارادہ اور انتہائی خلوص کی ضرورت ہے۔ جب یہ تمام شرائط پائی جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ سالک کو اپنی معرفت کاملہ اور حقیقی سعادت سے نوازتا ہے۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک کی منازل طے کرنے کیلئے ایمان اور تقویٰ بنیادی عناصر ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (طلاق:۳-۲)

"اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کا راستہ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔"

آپ فرماتے ہیں کہ رزق کی دو قسمیں ہیں: (۱): روحانی، (۲): جسمانی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ (بقرہ:۲۸۲)

"اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ"

---

[692] (حلیۃ الأولیاء، ج۱۰ ص ۲۴۹-۲۴۸)

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان سے تمہیں وہ علوم عطا فرمائے گا جن کو تم دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں کر سکتے۔[693]

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قربِ الٰہی کے حصول کیلئے ایمانِ کامل اور صحیح عقیدہ شرطِ اول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حدود، شرعی احکام کی پابندی اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور جو شخص گھٹیا خواہشات اور نفسانی رعونات سے اپنے دامن کو نہیں بچاتا اس کا منزل تک پہنچنا بہت مشکل ہے بلکہ ایسا شخص تو دورانِ سفر ہی قافلہ سے بچھڑ کر گمراہ اور بدبخت ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات واکرامات سے پردہ ہٹا دیا جائے تو بندہ کا دل اس کی محبت سے پگھل جائے۔ قلوب کو ان کے مشاہدہ سے محجوب کر دیا گیا ہے تاکہ عالمِ اسباب کی طرف مائل رہیں اور یہ حکیم ودانا اللہ تعالیٰ کی ذات کا فیصلہ ہے کیونکہ جو دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی حلاوت چکھ لیتا ہے پھر اس کا کسی غیر کی طرف مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جس نے معرفتِ الٰہی کا ذائقہ چکھ کر اور منازلِ سلوک کو جان کر پھر اسے ترک کر دیا اور اپنے نفس کی خواہشات اور لذات میں مشغول ہو گیا تو یقیناً وہ ہلاکتوں کی راہ پر چل نکلا اور اس کے دل کو ظلمات اور تاریکیوں میں مبتلا کر کے اس کو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ کائنات میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا گیا۔

---

[693] (النصرۃ النبویۃ للشیخ مصطفی المدنیص ۸۴ بتصرف)

پھر غم و حزن اس کی زندگی کا جز بن جاتا ہے اور اس کی موت حسرت اور اس کی آخرت افسوس اور ندامت سے عبارت ہوتی ہے۔ حجاب کی آگ اس کے دل کو جلا دیتی ہے۔ جب وہ اپنے رب سے منہ موڑتا ہے تو ساری کائنات اس سے روٹھ جاتی ہے اور اس طرح وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ زمین پر چلتے ہوئے مردہ کی مثل ہوتا ہے۔ اس کی روح جسم میں خوف اور وحشت محسوس کرتی ہے اور دل زندگی سے تنگ آجاتا ہے۔

فاصبح کالبازی کالمنتف ریشه یری حسرات کلما طار طائر

و قد کان دهرا فی الریاض منعما علی کل ما یهوی من الصید قادر

الی ان اصابته من الدهر نکبة اذا هو مقصوص الجناحین حاسر[694]

(۱) وہ اس باز کی طرح ہو جاتا ہے جس کے پر اکھڑ گئے ہوں جب بھی کوئی پرندہ اڑتا ہے وہ بڑی حسرت سے اسے دیکھتا ہے۔ (۲) وہ بھی کسی زمانہ میں باغوں میں خوش و خرم تھا اور اپنے پسندیدہ شکار پر قادر تھا۔ (۳) حتیٰ کہ زمانہ نے اسے اس مصیبت میں مبتلا کر دیا اب اس کے پر ٹوٹے ہوئے ہیں اور سراپا حسرت بن چکا ہے۔

منازلِ سلوک کے دوران انقطاع بہت بڑی آزمائش اور عظیم خسارہ ہے اور اس کا سبب سالک کا اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی، مقامات اور مکاشفات کی خواہش اور اپنے مقصودِ حقیقی سے اعراض ہے کیونکہ مخلص سالک مقامات، مراتب اور کرامات کا طالب نہیں ہوتا۔ یہ تو محض منازل ہیں جن کو طے کرتے ہوئے اپنے مقصودِ حقیقی کو پالیتا ہے اور اپنے اس سفر میں دائیں بائیں ملتفت نہیں ہوتا۔

[694] (طریق الھجرتین ابن القیم ص ۲۳۰-۲۲۷)

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

ما ارادت همة سالک ان تقف عند ما کشفت لها الا و نادته هو اتف الحقيقة الذی تطلب۔

امام کسالک کی ہمت جب بھی مکاشفات پر اکتفا کرنا چاہتی ہے تو اسے ہاتفِ غیبی سے ندا آتی ہے کہ جس کا تو طالب ہے وہ آگے ہے۔[695]

جس طرح عام راستہ میں خطرات، رکاوٹیں اور ڈاکو ہوتے ہیں اسی طرح روحانی اور قلبی راستہ میں بھی نشیب و فراز اور رکاوٹیں ہوتی ہیں جن سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے اس راستہ میں راہنما اور مرشد کی ضرورت ہے جو سالک کا ہاتھ پکڑ کر اسے خطرات اور ہلاکتوں سے بچائے کیونکہ یہ راہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ اس لئے شیوخ اور مرشدین سالکین کو اس کی پیچیدگیوں سے متنبہ کرتے رہتے ہیں۔ اس سفر کو مسلسل جاری رکھنے اور پے در پے کوشش اور ہمت سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی منزل مراد قربِ الٰہی کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

ابن قیم فرماتے ہیں کہ راہِ حق کا مسافر جب راہِ سلوک اور منازل کو دیکھتا ہے اور اس میں پیش آنیوالے نشیب و فراز اور دشوار گزار راستہ کو دیکھتا ہے تو نصف کامیابی اور سعادت کو پالیتا ہے۔ اور بقیہ نصف کیلئے ضروری ہے کہ مکمل تیاری کر کے سفر کا آغاز کر دے اور یکے بعد دیگرے تمام منازل کو طے کرتا جائے اور جب بھی کسی ایک منزل کو طے کر چکے تو دوسری منزل کیلئے ہمہ تن تیار ہو جائے اور اپنی منزل کو قریب ہی محسوس کرے۔ اس طرح سفر کی مشقت اس پر آسان ہو جائے گی اور جب بھی اس کا نفس سفر کی صعوبتوں سے اکتائے تو قربِ وصال سے اسے دلاسا دے۔ اس طرح اس

---

[695] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۵۱)

میں از سرِ نو نشاط فرحت اور منزل مقصود تک پہنچنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی اور اسے کہے اے نفس! تجھے خوشخبری ہو کہ منزل قریب آگئی۔ اب جلد ہی محبوب سے ملاقات ہو گی اور منزل مراد کو پانے سے پہلے ہی راہ میں بھٹک نہ جانا کہ یہ چیزیں تیرے اور تیرے محبوب کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔ اگر تو نے صبر کیا اور اس سفر کو جاری رکھا تو عنقریب ہی اپنی منزل تک پہنچ جائے گا اور پھر تجھے محبوب مختلف قسم کے تحفے تحائف اور انعام واکرام سے نوازیں گے۔ تیرے اور تیری منزل کے درمیان ایک گھڑی صبر کا فاصلہ ہے کیونکہ یہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک گھڑی کی مثل ہے۔ اللہ کو یاد کر، اس صحرا میں کہیں گم نہ ہو جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اگر نفس پھر بھی بات نہ مانے تو اسے آگاہ کرو کہ سامنے محبوب انعام واکرام کے ساتھ انتظار میں ہے اور پیچھے دشمن کثیر مصائب وآلام لئے کھڑا ہے۔ اگر تو واپس لوٹا تو دشمنوں سے تیرا پالا پڑے گا اور اگر آگے بڑھا تو محبوب سے ملاقات ہو گی اور اگر راستہ میں ٹھہر گیا تو دشمن تجھے پکڑ لیں گے کیونکہ وہ تیری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت نہیں۔ اب جو دل چاہے ان میں سے اختیار کرلے۔ محبوب کی یاد کو دل میں بسالے اور اس کے ارشادات اور نور عرفان کو اپنا ہادی ورہبر بنالے اور اس کی محبت اور سچی لگن کو اپنی غذا اور دوا بنالے اور راستہ کی تنہائی سے نہ گھبرائے اور دورانِ سفر پیچھے رہ جانے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ اگر وہ اپنی منزل مقصود کو نہ پا سکا تو اس میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے اور اگر منزل کو پالیا تو قرب ووصال کی سعادتوں سے وہی بہرہ ور ہو گا۔ اس لئے اسے دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے۔ پھر یہ گھبراہٹ اور تنہائی بھی عارضی ہوتی ہے کیونکہ جو اپنے سفر کو مسلسل جاری رکھتا ہے اسے جلد ہی اپنے محبوب کے خیموں کے نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پھر محبوب سلامتی سے پہنچنے کی مبارک باد

دیتے ہوئے اسے گلے لگا لیتا ہے۔ اس وقت اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ وہ اسی خوشی میں یہ نعرہ مستانہ بلند کرتا ہے۔

یَالَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ○ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ○ (یٰسٓ: ۲۷-۲۶)

ترجمہ: "کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔"[696]

راہِ سلوک طے کرنے والوں کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے ذوق اور مشاہدہ کے اعتبار سے وحدتِ افعال کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے اپنے افعال کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان پر صادق آتا ہے۔

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (انفال: ۱۷)

اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشتِ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

یہ بھی منزل کو پانے کا ایک مرتبہ ہے۔

ان میں سے بعض اپنے ذوق اور مشاہدہ کے اعتبار سے وحدتِ صفات کی راہ کو اپناتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد اور حدیثِ قدسی کے مصداق ہوتے ہیں۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ (دھر: ۳۰)

اور اے لوگو! تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بغیر اس کے کہ اللہ خود چاہے۔

---

[696] (طریق الھجرتین لابن القیم ص ۲۳۳-۲۳۲)

حدیث قدسی ہے:

فاذااحببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به۔

جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتاہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتاہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔[697]

اور یہ بھی وصال کا ایک مرتبہ ہے۔

اور ان میں بعض وہ ہیں جو فنا فی الذات کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذاتِ باری تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ ان پر یہ ارشادِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم صادق آتا ہے: اصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید الا کل شئ ما خلا الله باطل۔ یعنی سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہے وہ لبید کا ہے، اس کا قول ہے غور سے سنو، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب المناقب عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ولامراد بالبطلان الفناء ای كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (٢٦) وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّکَ ذُوْ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام(الرحمٰن ٢٧)[698]

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے راہِ طریقت میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ذات منبعِ رشد وہدایت ہے اور انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے طریقہ کو

---

[697] (أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الرقاق عن أبی هریرة رضی الله عنه)

[698] (الرحمٰن: ٢٧-٢٦) کمافی هدایة الباری لترتیب أحادیث البخاری ٢: ٩١)

اختیار کیا ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بت پرستی اور وہاں کے ماحول کی آلودگی اور کدورت کو ترک کر کے غارِ حراء میں تشریف لے جاتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّآاَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًاوَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًااِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًامُّنِیْرًا (احزاب ۴۶)

”اے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہم نے بھیجا ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور برے وقت سے ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔“

پس صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اخلاق وعادات اور تمام احوال میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔(آل عمران ۳۱)

ترجمہ: ”(اے محبوب صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ۔“

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی کامل اتباع کرتے ہیں اور غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اسی طرح درج ذیل ارشادات عالیہ سن کر ان پر عمل کرتے ہیں۔ دنیا اپنی زیبائش وآرائش سے انہیں دھوکہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

(۱): وَأَنَّ هٰذَاصِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًافَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام۱۵۳)

ترجمہ: "اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کردیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے۔"

(۲): وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات:۵۶)

اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اور وہ جب ہاتف غیبی کی یہ ندا سنتے ہیں:

(۳): أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ أَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ٥ (مومنون:۱۱۵)

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

تو وہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جو عنقریب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اپنے سفر کو محنت اور کوشش سے جاری رکھتے ہیں حتیٰ کہ نعمتِ وصالِ الٰہی سے سرفراز ہوتے ہیں۔

اب ہم ان بعض مقامات کی وضاحت کرتے ہیں جن کو سالک وصول الی اللہ کے سفر میں طے کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا مقام توبہ ہے کیونکہ جس کی توبہ نہ ہو اسے اس سفر کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ وصول الی اللہ کے سفر کی پہلی سیڑھی ہے۔

توبہ

توبہ سے مراد یہ ہے کہ سالک شرعی طور پر مذموم امور سے رجوع کر کے محمود امور کو اپنا لے۔یہ سالکین کے راستہ کی ابتدا مریدین کی سعادت کی کلید اور منازلِ سلوک کے سفر کی شرط اول ہے۔اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر اس کا حکم دیاہے اور اسے دنیاوآخرت کی فلاح کاسبب قرار دیاہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱):وَتُوْبُوْا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نور: ۳۱)

اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ۔

(۲):اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا إِلَيْهِ (هود: ۵۲)

مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل وجان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔

(۳):"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا" (تحريم:۸)

اے ایمان والو اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتے۔اس کا مقصد تعلیمِ امت ہوتا تھا۔

عن الاغر بن يسار المزنى رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ياايها الناس توبوا الى الله واستغفروه فانى اتوب اليه فى اليوم مائة مرة۔

"حضرت اغر بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اے لوگو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو، میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔"[699]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"التوبۃ واجبۃ من کل ذنب"۔

ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے۔

پھر اگر معصیت ایسی ہو جس کا تعلق بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اور کسی آدمی کے حق کے متعلق نہ ہو تو اس سے توبہ کیلئے تین شرائط ہیں:

(۱) اس معصیت کو ترک کرے

(۲) یہ پختہ عزم کرے کہ دوبارہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا،

(۳) اس پر ندامت کا اظہار کرے۔

اگر تین شرطوں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اس کی توبہ صحیح نہیں ہو گی اور اگر وہ معصیت کسی آدمی کے حق کے متعلق ہے تو اس کیلئے چار شرطیں ہیں۔ تین یہی مذکورہ شرطیں ہیں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صاحبِ حق سے برأت حاصل کرے۔ اگر تو وہ مال وغیرہ ہے جس کو اس نے غصب یا چوری کیا ہے تو اسے واپس کرے اور اگر اس نے کسی پر تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس سے بھی معافی

---

[699] (رواہ مسلم فی صحیحہ فی کتاب الذکر)

طلب کرے اور اگر غیبت کی ہے تو اس سے بھی معافی کا خواستگار ہو۔ الغرض تمام گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔ [700]

توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ وہ برے اور فاسق لوگوں کی صحبت کو ترک کرے جو اس کیلئے معصیت کو مزین کرتے ہیں اور عبادت سے نفرت دلاتے ہیں۔ پھر نیک اور مخلص لوگوں کی صحبت کو اختیار کرے تاکہ یہ صحبت معافی میں معاون اور گناہوں کی طرف لوٹنے میں رکاوٹ بن جائے۔ ہمارے لئے وہ صحیح اور مشہور حدیث بڑی سبق آموز ہے جس میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس نے سو افراد کو قتل کر دیا تھا تو اس زمانہ کے ایک عالم ربانی نے اسے آگاہ کیا کہ اللہ توبہ قبول کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس بُرے ماحول کو ترک کر دو جس کی وجہ سے تم نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے ایک اچھے ماحول اور علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا جس میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بستے تھے تاکہ وہ ان لوگوں سے محبت کرے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔ [701]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کسی گناہ کے چھوٹا یا حقیر ہونے کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رب کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انکم لتعلمون اعمالا ھی ادق فی اعینکم من الشعر انا کنا نعدھا علی عھد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم من المھلکات۔

---

[700] (ریاض الصالحین، ص ۱۰)

[701] (رواہ مسلم فی صحیحہ کتاب التوبۃ وعن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

”تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے عہد میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔“[702]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ صرف معاصی سے توبہ پر اکتفاء نہیں کرتے کیونکہ یہ عوام کی توبہ ہے بلکہ وہ ہر اس چیز سے توبہ کرتے ہیں جو ان کو اپنے رب کی یاد سے غافل کر دے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب توبہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

توبۃالعوام من الذنوب و توبۃالخواص من الغفلۃ۔

”عوام الناس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے۔“[703]

حضرت عبداللہ تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! توبہ کرنے والوں کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو گناہوں اور سیئات سے توبہ کرتے ہیں اور بعض لوگ غفلت اور لغزشات سے اور بعض لوگ تو صرف اس لئے توبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی عبادات اور نیکیوں کو زیادہ نہ سمجھنے لگیں۔

سالک کو جب عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے تو اعمال کی کثرت سے اس کی توبہ میں دقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس کا دِل گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے اور اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے تو اس پر دل کی پوشیدہ بیماریاں مخفی نہیں رہتیں۔ اس لئے جب بھی اس کا دل کسی لغزش کی طرف مائل ہوتا ہے تو فوراً اپنے پروردگار سے حیاء کرتے ہوئے توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ کے بعد سالک دن رات کثرت سے استغفار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسے حقیقی عبودیت کا شعور حاصل

---

[702] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الرقاق عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

[703] (رسالہ قشیریہ، باب توبہ، ص ۴۷)

ہوتا ہے پھر وہ اپنے مولیٰ کے حق میں اپنی تقصیر اور کوتاہی محسوس کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی عبودیت کا اعتراف اور اپنے مولیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے۔

پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہے:

(۱): فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (۱۰) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (۱۱) وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح ۱۲)

پس میں نے کہا معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے موسلا دھار بارش اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔

(۲): إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۵) اٰخِذِيْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ (۱۶) كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (۱۷) وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (ذاریات ۱۸)

"البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکو کار تھے یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے۔"

جب وہ یہ آیات پڑھتا ہے تو اپنی کوتاہیوں اور احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کے افسوس اور حسرت میں اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ پھر تزکیۂ نفس میں مصروف ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے نیکیوں کی کثرت کرتا ہے۔

کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایاہے:

"واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا" (ترمذی)

برائی کے بعد نیکی کر یہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی۔

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مدعی کے دعوی کا دارومدار اس کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نتیجہ ظاہر ہو جائے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جاتا ہے ورنہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ پس ایسی توبہ جس کے نتیجہ میں تقویٰ حاصل نہ ہو وہ باطل ہے اور ایسا تقویٰ جس سے استقامت حاصل نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔ اسی طرح اگر استقامت سے ورع حاصل نہ ہو تو وہ نامکمل ہوتی ہے اور اگر ورع سے زہد میسر نہ آئے تو وہ بھی قاصر ہے اور وہ زہد جو توکل کا سبب نہ بنے تو وہ محض خشک زہد ہے اور وہ توکل جس سے یکسوئی حاصل نہ ہو اس کی حقیقت نہیں۔

توبہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان محرمات سے اجتناب کرے اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ وہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے احوال سے مطلع ہے اور استقامت کی نشانی یہ ہے کہ وہ بدعات سے بچ کر اپنے اوراد کی پابندی کرے اور ورع کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے اگر تو وہ اسے ترک کر دے تو وہ صاحبِ ورع ہے ورنہ ورع سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔[704]

محاسبہ

محاسبہ سے مراد ذہن میں ایسا شعور پیدا کرنا ہے جو اس کو برائیوں سے روکے اور اس کی اس طرح تربیت کرنا ہے کہ اس میں ملامت کی صفت اجاگر ہو جائے جو اس کو ان تمام معاصی سے روک

---

[704] (قواعدِ تصوف، شیخ احمد زروق رحمہ اللہ تعالیٰ، ص ۷۴)

دے جو محبت ایثار اور اخلاص کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ صوفیائے کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ کو اس میں کافی درک حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت میں وہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت و العاجز من اتبع نفسه هو اها وتمنی علی الله الامانی۔

یعنی "عقلمند اور داناوہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور آخرت کیلئے عمل کیا اور عاجز وہ ہے جس نے خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کی (اور عمل کی بجائے) تمنا اور آرزو پر اکتفا کیا۔"[705]

جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ اسے لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع نہیں دیتا بلکہ اسے عبادت اور طاعت میں مصروف رکھتا ہے۔ جب وہ کوئی سستی یا کوتاہی کرتا ہے تو خوفِ خدا کی وجہ سے فوراً اس کو ملامت کرتا ہے۔ اس طرح اس کے نفس کو لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع کیسے مل سکتا ہے؟

شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ خشیتِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے اور محاسبہ سے مقامِ مراقبہ حاصل ہوتا ہے اور مراقبہ سے سالک دائمی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔[706]

محاسبہ میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہیں کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم بھی اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روحانی تربیت کرنے کیلئے انہیں باطنی ملامت کی تربیت دیا کرتے تھے۔

---

[705] (رواه الترمذی فی کتاب صفة القیامة عن شداد بن أوس رضی الله تعالیٰ عنه وقال: حدیث حسن۔ الکیس: العاقل: ۔دان نفسه: حاسبها)

[706] (البرهان المؤید، ص ٥٦)

مروی ہے کہ ایک دن حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے نورِ نبوت سے جان لیا کہ ان دونوں کی بھی یہی حالت ہے اور ان کے پاس بھی پیٹ بھرنے کیلئے کوئی چیز نہیں۔ پھر ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مؤمنانہ فراست سے اس معاملہ کو جان لیا اور عرض کی میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ضیافت کرنا چاہتا ہوں۔ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے دونوں اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ انصاری کے گھر پہنچے اور کھجوریں اور ٹھنڈا پانی نوش فرمایا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اس نعمت کے بارے میں آپ سے سوال کیا جائے گا۔[707]

ان چند کھجوروں اور ٹھنڈے پانی کے چند گھونٹ کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توجہ مبذول کرانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ اس نعمت کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا تاکہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہوں۔

محاسبہ خالق و مخلوق کے بارے میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے اور اسی طرح نفسِ انسانی میں بھی شعور پیدا کرتا ہے جس کو احکام شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے۔ محاسبہ سے انسان میں یہ احساس پیدا

---

[707] (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۴۵ موجزاً)

ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق عبث نہیں بلکہ ضرور ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوگا حتیٰ کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پس جب وہ اپنے دائیں طرف متوجہ ہوگا تو اسے اپنے اعمالِ صالحہ نظر آئیں گے اور بائیں طرف اپنے بُرے اعمال دیکھے گا اوراس کے منہ کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا! آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو پھر پاکیزہ کلام سے۔[708]

محاسبہ سے سالک کے دل میں توبۃ النصوح کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خالق سے دور کرنے والی ہر فانی شئے کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَفِرُّوۡا إِلَى اللهِ إِنِّي لَكُمۡ مِنۡهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ" (ذاریات: ۵۰)

پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

سالک یہ ارشاد باری تعالیٰ سن کر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقدس گروہ میں شامل ہو کر منازلِ سلوک طے کرنے لگتا ہے کیونکہ اس کے پیشِ نظر یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (توبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

---

[708] (رواہ مسلم فی کتاب الزکاۃ عن عدی بن حاتم ص، والترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ)

و انما القوم مسافرون　　　　　لحضرة الحق و ظاعنون

یہ لوگ راہِ حق کے مسافر ہیں اور ابھی کوچ کرنے والے ہیں۔

یہ مسافر منازل طے کرتے ہوئے حریم قدس میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ان پر قرب ووصال کی وہ نوازشات ہوتی ہیں، جس کا ہر محب طالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ ○ (قمر: ۵۵)

"بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔"

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ سے غفلت نفس کی بربادی کا باعث ہے کیونکہ جب انسان اپنے نفس پر نرمی کرتا ہے تو وہ اس سے خوش رہتا ہے، اور جب اس پر تنگی کرتا ہے تو اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر نرمی کرنا اس کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان واضح امور کو ترک نہ کرے۔ مخفی اور پوشیدہ امور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو ہمیشہ مدِ نظر رکھے: من لم یکن یومہ خیرا من امسہ فھو مغبون و من لم یکن فی زیادۃ فھو فی نقصان یعنی جس کا آج کا دن کل کے دن سے بہتر نہ ہو وہ فریب خوردہ ہے اور جو ترقی نہ کرے وہ گھاٹے میں ہے۔ اپنے معمولات پر ثابت قدم رہنا ہی ترقی کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص وصول الی اللہ کی منازل ایک سال تک طے کرتا رہے اور پھر ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے اعراض کرے تو اسکی سال بھر کی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔[709]

---

[709] (قواعد التصوف للشیخ أحمد زروق، ص ۵۷)

خوف

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے دل میں جو الم وحزن اور جلن پیدا ہوتی ہے اسے "خوف" کہتے ہیں اور یہ خوف کبھی تو گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی معرفت سے جو خوف کا سبب بنتی ہیں۔ خوف کی یہ قسم اکمل واتم ہے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے تو یقیناً اس میں خوف کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (فاطر:۲۸)

"اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔"[710]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف اسی سے ڈریں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ (بقرہ:۴۰)

"اور صرف مجھی سے ڈرا کرو۔"

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدح فرمائی ہے اور انہیں خوف کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِم۔ (نحل:۵۰) ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے۔

وَخَافُوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن۔ (آل عمران:۱۷۵) مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مؤمن ہو۔

---

[710] (الأربعين في أصول الدين ص ۱۹۶)

اور اس شخص کو دو جنتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے یعنی دنیا میں علوم و معارف اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی جنت۔

ارشاد فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَان۔ (رحمان: ۴۶)

اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔

اور اسی طرح اس کیلئے جنت الماویٰ کا وعدہ بھی فرمایا جیسا کہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (نازعات: ۴۰)

"اور جو ڈرتا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہو گا (ہر بری) خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔"

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں کہ خشیتِ الٰہی کا وجود عمل پر برانگیختہ کرتا ہے اور خشیتِ الٰہی سے مراد دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و وقار کا پیدا ہونا ہے اور خدا کے انتقام سے دل کے سہم جانے کو خوف کہتے ہیں۔[711]

خوف اس شخص میں پیدا ہوتا ہے جو آئندہ پیش آنے والے خطرات کو بھانپ لیتا ہے۔ پھر احکامِ الٰہیہ کی پابندی کرتا ہے اور کسی حالت میں بھی فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس وقت خوف ظاہری جسم سے روح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں عارف پر آہ و بکا کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ اس کا ادراک اہلِ صفا ہی کر سکتے ہیں۔

---

[711] (قواعد التصوف ص ۴۷)

شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو یہ مقام حاصل تھا کیونکہ ان پر اکثر آہ وبکا اور حزن کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا جب بھی نارِ جہنم کا ذکر سنتیں تو پہروں آپ پر غشی طاری رہتی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کی سجدہ گاہ آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے چھوٹے سے حوض کی شکل اختیار کر گئی تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ نارِ جہنم کی تخلیق صرف آپ کیلئے ہے، در حقیقت آپ پر یہ کیفیت خشیتِ الٰہی کی وجہ سے طاری رہتی اور آپ کو یہ پختہ یقین تھا کہ نارِ جہنم کے علاوہ ہر چیز آسان ہے اور اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری کے علاوہ ہر مصیبت سہل ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محب کو جامِ محبت اسی وقت پلایا جاتا ہے۔ جب اس کا دِل خوف کی بھٹی سے گزر کر پختہ ہو جائے اور جس کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو وہ آہ وبکا کی قدر وقیمت نہیں جان سکتا۔ جس نے جمال یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ نہ کیا ہو، وہ یعقوب علیہ السلام کے غم وحزن کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

بزرگ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خائف وہ نہیں جو رونے کے بعد اپنے آنسوؤں کو صاف کرلے بلکہ حقیقت میں خائف وہ ہے جو ہر اس چیز کو ترک کر دے جس سے عذاب کا خوف ہو۔

حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مافارق الخوف قلبا الا خرب۔

خوف جونہی دل سے جدا ہو تو وہ برباد ہو جاتا ہے۔[712]

---

[712] (رسالہ قشیریہ ص ٦٠)

تمام خائفین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ خوف کے مختلف مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ ابن عجیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے تین مراتب بیان فرماتے ہیں:

(۱) عوام کا خوف: جو عقاب و عذاب اور ثواب سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲) خواص کا خوف: یہ عتابِ الٰہی اور قرب کی سعادت سے محروم ہونے سے ڈرتے ہیں۔

(۳): خاص لاخواص کا خوف: یہ صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ سوءِادب کی وجہ سے دیدار کی لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں۔ [713]

رجاء

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر اعتماد کرنے سے دل میں جو سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے رجاء کہتے ہیں لیکن رجاء کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے کیونکہ عمل کے بغیر رجاء خود فریبی ہے۔ [714]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رجاء کی ترغیب دی ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم (زمر: ۵۳)

"آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلا شبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے"

[713] (معراج التشوف إلیٰ حقائق التصوف ص ۶)

[714] قواعدِ تصوف ص ۴۷۔

اور اپنی وسعت رحمت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیئٍ۔ (اعراف: ١٥٦)

میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر۔

اور اس کی بارگاہ سے رحمت کی امید رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہ أُوْلٰئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللہ (بقره٢١٨)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں تو یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی۔

احادیث طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا بیان ہوا ہے:

(١) **عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنه قال: قال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم والذی نفسی بیده لو لم تذنبوا الذهب اللہ بکم وجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ تعالی فیغفر لهم۔**[715]

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہوں کا ارتکاب نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایک نئی قوم لے آئے جو گناہ کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے۔“

---

[715] (أخرجه مسلم فی کتاب التوبة)

(۲) عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال یجیئنی یوم القیامة ناس من المسلمین بذنوب امثال الجبال یغفرھا اللہ لھم ویضعھاعلی الیھود والنصاری۔[716]

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان گناہوں کو یہود و نصاری پر رکھ دے گا۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے انتہائی قریب کرے گا اور اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، اسے کہے گا: "تم اپنے فلاں فلاں گناہ کو جانتے ہو؟" بندہ کہے گا: "ہاں، یارب!" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "میں نے دنیا میں تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی اور آج تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔" پھر اس کو نیکیوں کا نامۂ اعمال عطا کر دیا جائے گا۔[717]

رجاء اور تمنا میں بہت فرق ہے کیونکہ راجی رضائے الٰہی کا خواہشمند ہونے کے ساتھ ساتھ عبادات اور طاعات کو ترک نہیں کرتا جبکہ تمنا کرنے والا عبادات اور مجاہدات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا منتظر ہوتا ہے۔

---

[716] (أخرجہ مسلم فی کتاب التوبة)

[717] (أخرجہ مسلم فی کتاب التوبة، والبخاری فی صحیحہ فی کتاب الرقاق۔ کنفہ: سترہ ورحمتہ)

اسی کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایاہے کہ جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے تمنااور آرزو پر اکتفا کیاوہ عاجز ہے۔[718]

کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رجاء کا طالب ہو اسے چاہئے کہ اخلاص کے ساتھ محنت اور کوشش کرے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود کو پالے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایاہے:

فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا(کھف ۱۱۰)

ترجمہ: "پس جو شخص امید رکھتاہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔"

جب بندہ عروج شباب میں گناہوں میں مستغرق، نفسانی خواہشات میں گھرا ہوا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جانب خوف کو رجاء پر غالب رکھے لیکن بڑھاپے میں جانب رجاء ہی غالب ہونے چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ایساہی سلوک کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق گمان رکھتاہے۔[719]

[718] (رواہ الترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ وقال: حدیث حسن، وابن ماجہ فی کتاب الزھد۔ کلاھما عن شداد بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

[719] (بخاری کتاب التوحید)

اس طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں:

لَا یَمُوتَنَّ أَحَدُکُمْ إِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ بِاللّٰہِ الظَّنَّ۔ [720]

ترجمہ: "آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا ہو۔"

سالک جب قربِ الٰہی کے حصول کیلئے راہِ سلوک کی منازل طے کر رہا ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خوف ورجاء دونوں کو مدِ نظر رکھے نہ خوف، رجاء پر غالب ہو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے اور نہ ہی رجاء، خوف پر غالب ہو کہ وہ معاصی اور گناہوں میں مستغرق ہو جائے بلکہ اسے چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان محوِ پرواز رہے، حتیٰ کہ قربِ الٰہی کی سعادتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی کیفیت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُونَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ (السجدہ: ۱۶)

ترجمہ: "دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے"

یعنی وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے خوف سے اور جنت کے طمع میں اس سے دوری کے خوف سے اور اس کے قرب کی خواہش میں اس کی بے رخی کے خوف سے اور اس کی رجا کی خواہش میں۔

[720] (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب الأمر بحسن الظن باللہ تعالیٰ)

اہلِ رجاء کے مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ ابن عجیبہ رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: عوام کی رجاء یہ ہے کہ وہ حصولِ ثواب کے ساتھ حسنِ خاتمہ کے امیدوار ہوتے ہیں اور خواص، رضاءِ الٰہی اور اس کے قرب کے طالب ہوتے ہیں اور خاص الخواص مشاہدہ حق میں تمکین اور اسرارِ خداوندی میں ترقی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ [721]

صدق

وصول الی اللہ اور نجات کے راستہ پر گامزن سالک کا تین اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے:

(۱): صدق (۲): اخلاص (۳): صبر

کیونکہ انسان تمام صفاتِ کمال سے اسی صورت آراستہ ہو سکتا ہے جب وہ ان تین صفات سے متصف ہو گا اور اسی طرح تمام اعمال کی قبولیت انہیں پر موقوف ہے اور جب اعمال ان صفات سے خالی ہوں تو وہ درجۂ مقبولیت تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ صدق مدارج کمال میں ترقی اور اعمالِ صالحہ کا باعث ہے۔ اس لئے ابتداءً اس کے متعلق گفتگو کریں گے، پھر اخلاص، اور پھر اس کے بعد صبر۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صدق کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ صدق چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱): گفتگو اور کلام میں صدق: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کلام اور گفتگو میں سچ کو اختیار کرے۔ ایفائے عہد اور وعدہ خلافی اسی میں داخل ہے۔

---

[721] (معراج التشوف ص ٦)

(۲): **ارادہ اور نیت میں صدق:** اس کا تعلق اخلاق سے ہے، یعنی اس کی تمام حرکات وسکنات خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہونی چاہیئے ہیں۔

(۳): **عزم میں صدق:** اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام اعمال صالحہ کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو۔

(۴): **عزم کی تکمیل میں صدق:** اس سے مراد ہے کہ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو آسانیوں میں بدلنے کا عزم مصمم کرے۔

(۵): **عمل میں صدق:** ظاہری اور باطنی اعمال میں مخلص ہو۔

(٦): **تمام مقاماتِ دین میں صدق:** مقاماتِ دین سے مراد خوف، رجاء، تعظیم، زہد، رضا، توکل اور حبِ الٰہی ہے۔[722]

قاضی زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صدق سے مراد وہ حکم ہے جو واقع کے مطابق ہو اور اس کے تین مقام ہیں: زبان، قلب اور افعال۔ زبان سے مراد یہ ہے کہ انسان واقعہ کی صحیح خبر بیان کرے۔ قلب سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر کو پختہ ارادہ سے بیان کرے۔ افعال سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر بیان کرنے میں سستی نہ کرے۔

صدق کا سبب یہ ہے کہ صادق کو خبر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ سچ بولنے والا خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابلِ ستائش ہوتا ہے۔[723]

---

[722] (إحياء علوم الدين، ج۴ ص ۳۳۴)

[723] (رسالہ قشیریہ ص ۹۷)

عوام الناس کا صدق صرف زبان تک ہی محدود ہوتا ہے لیکن صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقامِ صدق اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کیونکہ ان کا صدق زبان کے علاوہ دل، افعال اور احوال کو بھی شامل ہوتا ہے۔

علامہ ابن ابی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدق سے مراد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو یعنی سالک کے احوال اس کے اعمال کے برخلاف نہ ہوں اور اس کے اعمال اس کے احوال کے برعکس نہ ہوں۔[724]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدق وہ صفت ہے جس کی وجہ سے مدارجِ کمال میں ترقی کا عزم وہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور اسی سے سالک صفاتِ مذمومہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے صدق سالک کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار ہے جس سے راہِ سلوک میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو قطع کر دیتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں یہ تلوار نہ ہوتی تو کمالات کے مراتب میں ترقی نہ کر سکتا بلکہ ہمیشہ مختلف قسم کے خطرات سے دوچار رہتا۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ لقائے الٰہی کی تیاری میں صدق تمام اعمال صالحہ، ایمانی احوال، مقامات سالکین اور منازلِ سلوک کی چابی ہے۔ ان مقامات کی ابتداء خواب غفلت سے بیداری سے ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد توبہ، انابت، محبت، رجاء، خشیت تسلیم ورضا وغیرہ کی منازل ہیں۔ ان سب کی چابی لقائے الٰہی کی تیاری میں سالک کا صادق ہونا ہے اور یہ چابی اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جس کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی پروردگار۔

---

[724] (شرح ریاض الصالحین، لابن علان الصدیقی ج ۱ ص ۲۸۲)

جب سالک اپنے آپ کو صفتِ صدق سے آراستہ کر لیتا ہے تو ایمان کی بلند منازل کو حاصل کرنے میں اس کی رفتار میں تیزی آ جاتی ہے کیونکہ صدق وہ قوت ہے جو اس کو آگے کی طرف دھکیلتی ہے اور تمام منازلِ سلوک میں سالک سے متصف رہتی ہے۔ منازل سلوک میں پہلا مرحلہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ میں صادق ہو اور سچی توبہ ہی اعمال صالحہ کی بنیاد اور مراتب کمال کا پہلا مرتبہ ہے۔[725]

صدق، نفس امارہ کو مہذب بنانے اور اس کی امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے میں بڑا مدد ومعاون ہے۔ یہ دل کو خباثتوں سے پاک کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے وہ کیفیت ذوق حاصل ہو جاتی ہے جس کا ذکر نبی پاک صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے اس حدیث پاک میں کیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: "ذاق طعم الايمان من رضی باللہ تعالی ربا و بالاسلام دينا و بمحمد نبيا۔" اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کو اپنا نبی تسلیم کر لیا۔[726]

صدق کے ذریعہ ہی انسان شیطان کا مقابلہ اور اس کے وساوس سے اور اس کے مکر وفریب اور شر سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور شیطان اس کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے۔

صدق ہی انسان کے دل سے دنیا کی محبت نکالنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ انسان کو باہمی تعاون اور ایثار اور مسلسل مجاہدہ پر برانگیختہ کرتا ہے حتیٰ کہ وہ دنیا کی محبت سے چھٹکارا اور دل پر اس کے غلبہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

---

[725] (طریق الهجرتین، ص ۲۲۳)

[726] (أخرجه مسلم فی کتاب الإیمان عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه و الإمام أحمد و الترمذی عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنه)

صدق، حصولِ علم اور جہالت سے چھٹکارے کیلئے بھی مدد و معاون ہے، یہ انسان کو طلب علم میں استقامت، لگاتار جدوجہد، مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے اور شب بیداری پر ابھارتا ہے تاکہ وہ علم کثیر سے بہرہ ور ہو سکے۔ علمائے متقدمین نے اپنے صدق، اخلاص اور صبر کی وجہ سے ہی بلند مقام حاصل کیا۔

عمل کے میدان میں صدق، علم کا ثمرہ اور اس کی غایت ہے کیونکہ یہ انسان کی دائمی ترقی اور کمال تک پہنچنے کا سبب ہے لیکن اس میں از حد اخلاص کی ضرورت ہے ورنہ سالک میں حبِ شہرت ریا اور اس جیسے دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے مطلوب و مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں لیکن اخلاص اس کے مقصود میں حائل ہونے والے تمام تر امراض کو زائل کر دیتا ہے، اس طرح انسان اپنا مقصود یعنی رضائے الٰہی اور اس کی معرفت و محبت پالیتا ہے۔

اس بحث سے صدق کی اہمیت اور اس کے فوائد واضح ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبوّت اور رسالت کے بعد صدق ہی سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق پر تصوف کا دارو مدار اور اسی کے ساتھ اس کا نظام اور تکمیل وابستہ ہے اور نبوت کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِوَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا (النساء: ٦٩)

اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور صالحین اور شہداء اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔[727]

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اہلِ صدق کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان کے حال سے استفادہ اور ان کے صدق سے نفع حاصل کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" (التوبہ: ١١٩)

ترجمہ: "اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔"

درج ذیل آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صادقین کی قلت کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہیں مسلمانوں کا ممتاز گروہ قرار دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ۔ (احزاب: ٢٣)

ترجمہ: "مؤمنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔"

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: صالحین تو کثیر ہیں لیکن ان میں صادقین کی تعداد انتہائی کم ہے۔[728]

---

[727] (رسالہ قشیریہ ص ٩٧)

[728] (طبقات الصوفیاء للسلمی، ص ٨٧)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت فرمائی جو اپنے ایمان اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ وعدہ میں صادق نہیں تھے۔ فرمایا:

فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ۔ (محمد: ۲۱)

ترجمہ: ''تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔''

اللہ تعالیٰ نے اہلِ صدق کے بارے میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ان کا صدق ثمر بار ہوگا۔ اور اسی کے سبب انہیں نفع اور نجات حاصل ہوگی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ۔ (مائدہ: ۱۱۹)

''یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ۔''

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے صدق کو نیکی تک پہنچانے والا راستہ قرار دیا ہے اور اس نیکی سے مراد وہ تمام کمالات و فضائل ہیں جو بندہ کو جنت میں داخل ہونے کا اہل بنا دیتے ہیں، جیسا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مرتبہ صدیقیت کے حصول کیلئے دائمی صدق کو کلید قرار دیا ہے۔

ارشادِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے:

ان الصدق یھدی الی البر و ان البر یھدی الی الجنۃ ان الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا و ان الکذب یھدی الی الفجور و ان الفجور یھدی الی النار و ان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔

''بے شک صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے

اور گناہ نارِ جہنم کی طرف۔ بے شک بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔"[729]

تمام صادقین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا بلکہ صدیق کا مرتبہ صادق سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو اور صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے جو اپنے تمام اقوال وافعال اور احوال میں سچا ہو۔

پھر صدیقیت کے بھی مختلف مراتب ہیں ان میں سے بعض اعلیٰ اور بعض درجہ کے لحاظ سے کم ہیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیقیت کا سب سے اعلیٰ درجہ حاصل تھا، جس کی شہادت قرآن پاک نے بھی دی ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ۔ (زمر:۳۳)

ترجمہ: "اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور وہ جس نے اس سچائی کی تصدیق کی۔"

مقامِ صدیقیت سے اوپر مقامِ نبوت ہے اور مقامِ صدیقیت ہی ولایت کبریٰ اور خلافت عظمیٰ کا مقام ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور نفس کے کامل اور شفاف ہونے کی وجہ سے مشاہدات و مکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔

---

[729] (أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الأدب، ومسلم فی کتاب البر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه)

خلاصہ: جو شخص اپنے باطن کو صدق اور اخلاص کے ساتھ معمور کر لیتا ہے اس کی تمام حرکات وسکنات اس کے قلب کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ پھر اس کے اقوال واعمال اور احوال میں صدق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب انسان نیک کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ راہِ حق پر چلنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقوال میں صدق اور اعمال میں اخلاص اور احوال میں صفا کو لازم پکڑے اور جس میں یہ تمام صفات پائی جائیں وہ ابرار کی صف میں شامل ہو کر رضائے الٰہی کو پالیتا ہے۔[730]

اے سالک! تجھے چاہیئے کہ تو اپنے تمام اقوال میں صدق اختیار کرے کیونکہ کذب، منافقین کی صفت ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

آیۃالمنافق ثلاث: اذاحدث کذب و اذا وعدا خلف و اذاؤتمن خان۔

''یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو توڑ دے، اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الإیمان, ومسلم فی کتاب الإیمان عن أبی هریرة رضی الله عنه۔ قال المناوی فی شرح هذا الحدیث: النفاق ضربان: شرعي: وهو إبطانالکفر وإظهار الإیمان، وعرفی: وهو أن یکون سره خلاف علانیته، وهو المرادهنا۔[731]

اے سالک! وصول الی اللہ کی طلب میں صادق ہو جا کیونکہ بلند مقاصد کو صرف خواہشات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ شخص وصال تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جس

---

[730] (شرح ریاض الصالحین، لابن علان ج ۱ ص ۲۸۴)

[731] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۶۳)

کے دل میں صرف اس کی خواہش ہو بلکہ محنت اور کوشش کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اپنے دل کو صدق کے ساتھ معمور کر لے تاکہ اس میں منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے ہمت اور نشاط پیدا ہو سکے اور جب تو یا اللہ کہے تو سچے دل سے کہہ کیونکہ صدق اس کی بارگاہ میں مقبول ہے اور اپنے مرشد اور ہادی کے ساتھ کئے وعدے پر صدق کے ساتھ قائم رہ کیونکہ یہ تیری ترقی اور منزل مقصود تک جلدی پہنچنے میں مددگار ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنتوں کی پیروی میں صدق کا مظاہرہ کر تاکہ تجھے مقامِ عبدیت حاصل ہو جائے، جو تمام مراتب میں سالک کی آرزو ہوتا ہے

اخلاص

تعریف: شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ طاعت اور عبادت کو قصداً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دینے کا نام اخلاص ہے یعنی عبادت کا مقصد صرف قربِ الٰہی کا حصول ہو۔ مخلوقِ خدا کیلئے تصنع، لوگوں کی تعریف حاصل کرنے یا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اخلاص، عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے پاک رکھنے کا نام ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص، مخلوق کے ملاحظہ سے بچنے کا نام ہے۔ مخلص میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترک العمل من اجل الناس ریاء والعمل من اجل الناس شرک والاخلاص ان یعافیک اللہ منھما۔

یعنی لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا کہلاتا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک کہلاتا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں چیزوں سے بچالے۔

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس کو نہ تو کوئی فرشتہ جانتا ہے کہ وہ اس کو لکھ لے اور نہ ہی شیطان کی اس تک رسائی ہوتی ہے کہ اس کو فاسد کر دے اور نہ ہی خواہشِ نفس اس کو پاسکتی ہے کہ اس کو اپنی طرف مائل کر لے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلص کا حق یہ ہے کہ وہ نہ تو اپنے اخلاص کی طرف توجہ دے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا اخلاص مکمل نہیں ہو گا، بلکہ بعض نے تو اس کو ریا کا نام دیا ہے۔[732]

اخلاص کے بارے میں ان مختلف اقوال کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ اعمال تعبدیہ میں نفس کا کوئی دخل نہ ہو، خواہ یہ اعمال جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا دِل اور مال کے ساتھ۔ مخلص کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاص کی طرف متوجہ نہ ہو۔

کتاب و سنت میں اخلاص کی اہمیت

چونکہ اعمال کی قبولیت اخلاص پر موقوف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم امت کیلئے نبی علیہ السلام کو عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔

---

[732] (رسالہ قشیریہ ص ۹۶-۹۵)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (زمر ۱۱)

ترجمہ: "فرمایئے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے (طاعت کو)۔"

(۲): "قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِي" (زمر:۱۴)

فرمایئے، اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے دین کو۔

(۳): فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ۔ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (زمر:۲)

پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو، خبردار اللہ کیلئے ہے دینِ خالص۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تمام عبادات قولیہ، فعلیہ اور مالیہ میں اخلاص کا حکم فرمایا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (البینہ:۵)

حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن لقائے الٰہی کا راستہ صرف وہ عمل صالح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا گیا ہو اور مخلوق کے ملاحظہ سے سالم ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَدًا (کهف ۱۱۰)

پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

احادیثِ طیبہ بھی بندہ کو اپنے تمام اعمال میں اخلاص کا درس دیتی ہیں اور اس کو تنبیہ کرتی ہیں کہ اس کی عبادت کا مقصد لوگوں کی تعریف وتوصیف حاصل کرنا نہیں ہونا چاہئے اور ان میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جو خالص اللہ کیلئے نہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا اور احادیثِ طیبہ یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظاہری اعمال کی طرف نہیں دیکھتا ہے کیونکہ اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ریا کو شرک اصغر اور پوشیدہ شرک کا نام دیا ہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریا کار سے بری ہو جائے گا اور اس کو ان لوگوں کے سپرد کر دے گا جن کو انہوں نے اپنے رب کی عبادت میں شریک بنایا تھا۔

اب ہم بعض احادیث بیان کرتے ہیں جو اخلاص کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

(۱): ”عن ابی امامة قال: جاء رجل الی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقال: ارأیت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر ماله؟ فقال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لا شئ له فاعادها ثلاث مرات ویقول رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لاشئ لہ ثم قال ان اللہ عز وجل لا یقبل من العمل الا ما کان لہ خالصا وابتغی بہ وجھہ"۔[733]

ترجمہ: "حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اجر اور شہرت کیلئے جنگ میں شریک ہوا، اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس آدمی نے تین دفعہ اس بات کا اعادہ کیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اسے کچھ نہیں ملے گا۔ پھر فرمایا! اللہ عزوجل اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اور جس سے اس کی رضا مقصود ہو۔"

(۲): "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہارے جسم اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔[734]

(۳): "عن شداد بن الاوس رضی اللہ تعالی عنہ انہ سمع النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقول: من صام یرائی فقد اشرک ومن صلی یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک۔"[735]

---

[733](رواہ أبو داود والنسائی بإسناد جید)

[734](مسلم، کتاب البر والصلۃ)

[735](بیھقی، الترغیب والترھیب: ج:۲: ص: ۳۱)

"حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ریاکاری کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کیلئے صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا۔"

(۴): **عن محمود بن لبید قال: خرج النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقال: یاایھا الناس ایاکم وشرک السرائر۔ قالوا: یا رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم وما شرک السرائر؟ قال: یقوم الرجل فیصلی فیزین صلاتہ جاھدا لما یری من نظر الناس الیہ فذلک شرک السرائر۔**[736]

"حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ایک دن اپنے کاشانۂ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا، اے لوگو! سرائر کے شرک سے بچو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، سرائر کا شرک کیا ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کو خوبصورت انداز میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو دکھائے اور یہی سرائر کا شرک ہے۔"

(۵): حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! تمہارے متعلق سب سے زیادہ جس چیز کا مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اس سے مراد ریا

---

[736] (رواہ ابن کزیمہ فی صحیحہ)

ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو ریاکاروں کو حکم دے گا ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کیلئے تم دنیا میں ریاکاری کرتے تھے اور دیکھو کیا تمہیں ان کے پاس سے جزا ملتی ہے۔[737]

(٦): حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا: جس نے اپنے عمل میں کسی کو شریک ٹھہرایا وہ اسی سے ثواب طلب کرے، بے شک اللہ تعالیٰ ان شرکاء سے مستغنی ہے۔[738]

اخلاص کی اہمیت میں اقوالِ علماء

حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک اخلاص پر عمل پیرا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے حکمت ودانائی کے چشمے جاری کر دے گا۔[739]

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ کون سی چیز نفس کیلئے سخت ترین ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اخلاص کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔[740]

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اذا اخلص العبد انقطعت عنہ کثرۃ الوساوس والریاء۔

---

737 (رواہ الإمام أحمد بإسناد جید)

738 (رواہ الترمذی فی کتاب التفسیر، سورۃ الکھف)

739 (رسالہ قشیریہ ص ٩٦-٩٥)

740 (رسالہ قشیریہ ص ٩٦-٩٥)

یعنی "جب بندہ مخلص ہو جاتا ہے تو اس سے وساوس کی کثرت اور ریاء ختم ہو جاتے ہیں۔"[741]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمال خالی ڈھانچوں کی مثل ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمام اعمال خالی ڈھانچوں اور جسموں کی مانند ہیں اور ان میں اخلاص کا پایا جانا روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ڈھانچے روح کے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں اگر روح نہ ہو تو ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بدنی اور قلبی اعمال کا قیام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان میں اخلاص نہ ہو تو یہ صرف خیالی تصویر کی مانند ہوتے ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔[742]

اخلاص کے بارے میں علماء وعارفین رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال شمار سے باہر ہیں۔

اخلاص کے مراتب

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کے تین درجے ہیں۔

(۱): عوام کا اخلاص (۲): خواص کا اخلاص (۳): خاص الخواص کا اخلاص

(۱): عوام کا اخلاص

یہ ہے کہ یہ اخروی اور دنیوی دونوں نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں جیسے صحت، مال، وسعتِ رزق اور حور و قصور۔

(۲): خواص کا اخلاص

ان کا اخلاص یہ ہے کہ یہ صرف اخروی نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔

---

[741] (رسالہ قشیریہ ص ۲۹۶-۲۹۵)

[742] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم لابن عجیبۃ ج ۱ ص ۲۵)

(۳): خاص الخواص کا اخلاص

یہ کلیۃً دونوں نعمتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کی بجاآوری اور اس کے دیدار کے شوق میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابن فارض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لیس سؤالی من الجنان نعیما   غیر انی احبھا لاراکا

(جنت کی نعمتیں مجھے مطلوب نہیں، مگر میں ان سے صرف اس لئے محبت کرتا ہوں تاکہ تیرے دیدار سے بہرہ ور ہو سکوں)

کلھم یعبدون من خوف نار   ویرون النجاۃ حظا جزیلا

اوبان یسکنوا الجنان فیضحوا   فی ریاض ویشربوا اسلسبیلا

لیس لی فی الجنان والنار رای   انا لا ابتغی بحبی بدیلا

(۱): سب لوگ نارِ جہنم کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے نجات کو بہت عظیم گمان کرتے ہیں۔

(۲): یا اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ جنتوں میں سکونت اختیار کریں اور باغوں میں سیر کریں اور سلسبیل نوشِ جان کریں۔

(۳): لیکن مجھے جنت اور دوزخ کا کوئی خیال نہیں اور نہ ہی میں اپنی محبت کا کوئی بدل چاہتا ہوں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخِ کامل کے بغیر نفس کی شہوات اور ریاکاری کے دقائق سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[743]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا سب سے اعلیٰ مقصد اپنے اخلاص کے ساتھ بلند درجات میں ترقی کرنا اور ثواب کی خواہش کے بغیر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے عبادت کرنا ہے۔

---

[743] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۲۶-۲۵)

فمامقصودھم جنات عدن　　　ولا الحور الحسان ولا الخیام

سوی نظر الجلیل و ذامناھم　　　وھٰذا مقصد القوم الکرام

(ا): جنات عدن ان کا مقصود نہیں نہ ہی خوبصورت حوریں اور خیام۔

(۲): وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کے طالب ہیں اور یہ ان کی آرزو ہے اور یہی ان کریم لوگوں کا مقصد ہے۔

"قالت رابعۃ رحمھا اللہ تعالی ما عبدتک خوفا من نارک ولا طمعا فی جنتک وانما عبدتک لذاتک"۔

یعنی حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی ہیں اے اللہ! میں نے تیری عبادت تیری آگ کے خوف سے نہیں کی اور نہ ہی تیری جنت کے لالچ میں کی ہے بلکہ میں نے تیری عبادت محض تیری ذات کیلئے کی ہے۔

اگر ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ کا وجود نہ ہوتا تب بھی اللہ کے محبوب بندے اس کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹتے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے منہ پھیرتے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت صرف اللہ کیلئے کرتے ہیں اور کیونکہ ان کے اعمال ایسے دل سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہے اور وہ اس کے قرب اور رضا کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی نعمتوں اور انعامات کا ادراک ہوتا ہے اور انہوں نے اس کے احسانات کا ذائقہ چکھ لیا ہوتا ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی آگ سے دور ہونے میں رغبت رکھتے ہیں جیسا کہ بعض احمقوں نے یہ سمجھ لیا ہے بلکہ وہ آگ کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غضب اور انتقام کا مظہر ہے اور وہ جنت کو پسند

کرتے ہیں اور اس کو طلب کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا اور قرب کا مظہر ہے۔ جس طرح کہ حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) نے فرمایا:

قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَکَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (تحریم: ۱۱)

اے میرے رب! بنادے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔

انہوں نے جنت کو طلب کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب اور عندیت کو طلب فرمایا۔ اور گھر سے پہلے پڑوس کو طلب فرمایا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

و ما حب الدیار شغفن قلبی　　　و لکن حب من سکن الدیار

دیار کی محبت نے میرے دل کو مائل نہیں کیا بلکہ اس کی محبت نے جو اس دیار میں سکونت پذیر ہے۔

یعنی جنت میں ان کی رغبت اللہ تعالیٰ کی رضا، قرب اور محبت کا باعث تھی۔ اسی طرح جب بندہ کی ہمت بلند اور اس کا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے تو وہ بدنی لذائذ اور ذاتی نفع سے کنارہ کش ہو جاتا ہے خواہ یہ نفع دنیوی ہو یا اخروی۔ پھر بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا طالب ہوتا ہے اور خالص عبودیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ بندہ کی ہمت کے مطابق ہی اس کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو شخص اپنی طاعت اور عبادت سے اخروی نعمتوں کا طالب ہو اور جنت کی لذات سے لطف اندوز ہونے اور نارِ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، وہ گمراہ ہے اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے محروم ہے بلکہ وہ تو اطاعت گزار صالح مؤمن ہے مگر اس کا مرتبہ ان لوگوں سے کم ہے جن کی نیتیں صاف اور ہمتیں بلند ہوں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ثواب و عقاب سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی

ہے بر خلاف اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت حصولِ ثواب اور عقاب کے خوف سے کرتا ہے، لہٰذا اس کی عبادت میں اس کے نفس کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوتا ہے لیکن اس کا شمار ابرار میں ہوتا ہے جبکہ پہلے شخص کو مقربین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔[744]

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم چیزوں کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے اس لئے صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "ماعبدنا خوفا من ناره ولا طمعا فی جنته" (ہم نے اس کی عبادت آتشِ جہنم کے خوف اور اس کی جنت کے لالچ سے نہیں کی) کو اپنے اطلاق پر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اس قول کے دو ہی مفہوم ہوسکتے ہیں یا تو انہیں (جنت و دوزخ) حقیر جانا گیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ تعظیم ہیں اس لئے عام مسلمان سے بھی اس کی حقارت کا گمان نہیں کیا جاسکتا یا ان سے مستغنی ہونے کی بنا پر یوں کہا گیا حالانکہ مؤمن کسی حالت میں بھی اپنے مولیٰ کی برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے یہ مفہوم مراد نہیں لیا بلکہ انہوں نے عبادت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کی اور اس عبادت کے بدلے میں جنت کا مطالبہ اور آتشِ جہنم سے نجات کا مطالبہ نہیں کیا۔

اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ" (الدھر ۹)

ترجمہ: "ہم تمہیں کھلاتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو عمل کی علت بنایا گیا ہے۔[745]

---

[744] (تأييد الحقيقة العلية للإمام السيوطی، ص ۱۲)

[745] (قواعد التصوف للشيخ أحمد زروق ص ۷۶)

بعض اوقات سالک کے عمل میں بہت سی آفات داخل ہو جاتی ہیں جو اس کے اخلاص کو عیب دار کر دیتی ہیں اور منزلِ مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اس لئے ان آفات کی وضاحت اور سالکین کو ان کے خطرات سے آگاہ اور ان سے چھٹکارے کا طریقہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ سالک کے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوں۔

حجاب اول

بعض اوقات سالک اپنے عمل پر نازاں ہوتا ہے اور یہ چیز اس کیلئے حجاب کا باعث ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی عبادت میں گم ہو کر محبوب سے دور ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ یہ ذہن میں رکھے کہ وہ اور اس کا عمل سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصافّات ۹۶)

ترجمہ: ”حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

یعنی تمام اعمال توفیقِ الٰہی سے سر انجام پاتے ہیں۔ بندہ کی طرف صرف کسب کی نسبت ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی صفات میں دقتِ نظر سے غور و فکر کرے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے نفس کی وہی حالت ہے جیسا کہ اس کے خالق و مالک نے بیان کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف ۵۳)

ترجمہ: ”بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔“

تو وہ جان لے گا کہ اس سے جو بھی نیکی کا کام ہوتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہی ہوتا ہے۔ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنۡکُمۡ

مِنۡ أَحَدٍ أَبَدًا۔"(نور: ۲۱)(اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت، تو تم میں سے کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا تھا) کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حاصلِ کلام یہی ہے کہ انسان اپنے عمل پر فخر و اعجاب سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے اپنے نفس کی رعونات سے مکمل آگاہی ہو۔ لہٰذا انسان کو اس کی معرفت کے حصول کیلئے کوشاں رہنا چاہیئے۔

حجاب ثانی

سالک کیلئے دوسرا حجاب یہ ہے کہ اپنے عمل پر عوض کا مطالبہ کرے خواہ وہ عوض دنیاوی ہو یا اخروی۔ دنیاوی عوض سے مراد یہ ہے کہ وہ مختلف قسم کی خواہشات کا طالب ہو جیسے شہرت ورفعتِ مرتبہ کی خواہش وغیرہ۔ احوال، مقامات اور مکاشفات اور معارف کی طلب بھی اس میں داخل ہے۔ اسی لئے عارفِ کبیر شیخ ارسلان رحمہ اللہ ایسے سالک کو نصیحت فرماتے ہیں جو اپنے مطلوب و مقصود کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے: "اے خواہشات اور عبادات کے اسیر! اے مقامات و مکاشفات کے اسیر! تو دھوکے میں ہے!"[746]

اسے ان اشیاء کا اسیر اس لئے کہا گیا ہے، کیونکہ یہ تمام اشیاء غیر اللہ اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہونا، خالق کی معرفت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰهَا (النجم ۴۲)

ترجمہ: "آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے۔"

---

[746] (خمرة الحان ورنة الألحان ص ۱۷۷)

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنی طلب میں صادق ہوتا تو کسی خواہش، عبادت، مقام یا مکاشفہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا، بلکہ تیرا مقصود حقیقی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتا۔ تیرا عزم و حوصلہ خالص اللہ کیلئے ہوتا اور ماسوی اللہ سے تو اعراض کرتا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "التنویر فی اسقاط التدبیر" میں اپنے شیخ و مرشد ابو العباس مرسی سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ولی اس وقت تک وصال کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کے دل سے وصال کی خواہش ختم نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اگر میں ترقی کرتے ہوئے لا مکان تک پہنچ جاؤں، اور پھر ایک لمحہ بھی کسی دوسری شئے میں مشغول ہو جاؤں تو میں عقلمند نہیں کہلا سکتا۔

ابن فارض فرماتے ہیں:

قال لی حسن کل شئ تجلی بی تمل فقلت قصدی وراک

حسن نے کہا ہر شئے کا ظہور مجھ سے ہے، تھوڑی دیر مجھ سے لطف اندوز ہو، میں نے کہا میرا مقصود تجھ سے آگے ہے۔

مخلوق کے حسن کی طرف متوجہ ہونا اور وہاں ٹھہرنا اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔[747]

[747](خمرۃ الحان ورنۃ الألحان ص ۲۹)

ماسوی اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا:

و مهما ترى كل المراتب تجتلى　　　　عليك فحل عنها فعن مثلها حلنا

جو مراتب بھی تجھ پر ظاہر ہوں تو ان سے آگے گزر جا، ہم بھی اس قسم کے مراتب سے گزر کر آئے ہیں۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کی ہمت جب مکاشفہ پر اکتفا کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو غیب سے ندا آتی ہے کہ اے سالک! تیرا مقصود تو اس سے آگے ہے۔[748]

سالک کا ان مقامات کو طلب کرنا اس کے نفس کی پوشیدہ خواہش ہے کیونکہ وہ یا تو ان مقامات کو پالے گا اور اس پر مطمئن ہو کر اپنے اصل مقصد سے محجوب ہو جائے گا یا ان کو حاصل نہیں کر سکے گا مگر ان کے حصول کو اپنا مقصد اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ بنالے گا۔ پھر ان کے حصول کیلئے محنت کرے گا، اور جب ان تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کا عزم کمزور اور وہ خود مایوس ہو جائے گا۔ اس وقت وہ الٹے پاؤں پستی کی طرف لوٹے گا۔ ہاں اگر کسی مرشد کامل کی توجہ میسر آ جائے تو اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے ورنہ منزل مقصود سے دور ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔

اخروی عوض طلب کرنے سے مراد جنت میں داخل ہونے اور نار جہنم سے نجات کی خواہش کرنا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے یقین ہو، جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہو گا نہ کہ اس کے عمل سے۔

---

[748] (ایقاظ الهمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۵۱)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے:

"لن یدخل احدکم الجنة بعمله قالوا: ولا انت یا رسول الله صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: ولا انا الا ان یتغمدنی الله برحمته"۔

تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بھی نہیں یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم؟ فرمایاہاں میں بھی نہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھ پر سایہ فگن ہو جائے۔[749]

سالک کو اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے یہی چیز بچاسکتی ہے کہ وہ یقین کرے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بغیر جنت میں داخل ہونے اور نارِ جہنم سے نجات کا مستحق نہیں کیونکہ غلام اپنے آقا کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کی ساری عبادت، حق عبودیت کو ادا کرنے کیلئے ہیں اور دنیا اور آخرت میں جو اسے اجر وثواب ملے گا وہ محض اس کا فضل واحسان ہے۔ اسی طرح عبادت کی توفیق بھی اسی کا فضل ہے۔ جب سالک جان لے گا کہ یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے تو پھر اس کی نعمتوں کے شکر میں مصروف ہو جائے گا اور اس طرح اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے بچ جائے گا۔

حجاب ثالث

اپنے اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے نجات کے دو طریقے ہیں۔

(ا) پہلا طریقہ: اپنے اعمال میں پائے جانے والے عیوب سے مطلع ہونا کیونکہ بہت ہی قلیل اعمال ایسے ہوتے ہیں جو شیطان اور نفس کے حظ سے خالی ہوں۔ حظ شیطان کے بارے میں تو نبی کریم

---

[749](رواہ البخاری کتاب المرضیٰ، مسلم کتاب صفات المنافقین)

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا! بندہ کی نماز کا یہ وہ حصہ ہے جو شیطان اس کی نماز سے چھین لیتا ہے۔[750]

ابن قیم نے کہا کہ جب نماز میں ایک لمحہ کے التفات کا یہ حال ہے تو دل کے ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے کا کیا حال ہو گا، یعنی اس میں تو حظ شیطان اس سے بھی بڑھ کر ہے۔[751]

جہاں تک حظ نفس کا تعلق ہے تو اس کو اہلِ بصیرت اور عرافین ہی جان سکتے ہیں۔

(۲): دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ سالک حقوقِ عبودیت اور اس کے ظاہری وباطنی آداب اور شرائط کی معرفت حاصل کرے، دن رات عبادت میں مشغول ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں کسرِ نفسی کا اظہار کرے۔ ایک عاجز اور ضعیف بندہ خالقِ کائنات کی عبودیت کے حقوق کما حقہ کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے مخلوق کی تقصیر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللہ حَقَّ قَدْرِہٖ (زمر ٦٧)

اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالٰی کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا۔

---

[750] (رواہ البخاری فی کتاب أبواب صفة الصلاة عن عائشة رضی اللہ عنہا والترمذی فی کتاب أبواب الصلاة وقال: حسن صحیح)

[751] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۵۱)

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاص، عمل کو علل واسباب اور آلودگیوں سے پاک کرنے کا نام ہے خواہ ان اشیاء کا تعلق مخلوق سے ہو جیسے مخلوق کی مدح و تعریف کو پسند کرنا اور ان کی مذمت سے خوف کھانا یا اس کا تعلق عمل سے ہو۔ جیسے اپنے عمل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جانا اور اس کے بدلے میں عوض طلب کرنا وغیرہ۔

اسی وجہ سے بلند ہمت عارفین اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر دیتے ہیں اور اپنے دلوں میں جب اللہ تعالیٰ کی یہ ندا "فَفِرُّوا إِلَى اللهِ" (الذاریات ۵۰) پاتے ہیں، تو اس پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ کسی بزرگ کا فرمان ہے! اے مولا! میں تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔

صبر

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صبر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم ترین تین تعریفیں ہیں۔

(۱): حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر احکامِ الٰہیہ کی مخالفت سے دور ہونے، مصیبت کے رنج والم سہتے ہوئے پر سکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔

(۲): امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ نفس کو پابند کیا جائے اس چیز پر جس کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔ یا صبر، نفس کو ہر اس چیز سے روکنے کا نام ہے جس سے رکنے کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔

(۳): سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ سے مصائب کی تکلیف کا شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔ اس تعریف سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ صبر کے منافی نہیں بلکہ غیر اللہ سے شکایت صبر کے منافی ہے۔[752]

کسی بزرگ نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے فاقے اور حاجت کی شکایت کسی دوسرے شخص سے کر رہا ہے تو فرمایا: اے شخص تو اس ذات کی شکایت کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والی ہے ایسے شخص سے جو تجھ پر رحم نہیں کرنے والا ہے۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

و اذا عرتک بلیة فاصبر لها　　　صبر الکریم فانه بک اعلم

و اذا شکوت الی ابن آدم انما　　　تشکو الرحیم الی الذی لا یرحم

(۱): جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس پر کریم لوگوں کی طرح صبر کر کیونکہ اللہ تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اور جب تو ابنِ آدم سے شکوہ کرے گا تو تو رحیم کا شکوہ کرے گا اس سے جو رحم کرنا نہیں جانتا۔

صبر کی اقسام

علمائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے صبر کی مختلف اقسام بیان کی ہیں لیکن ان تمام تعریفوں کا مرجع درج ذیل تین تعریفات ہیں۔

(۱): "الصبر علی الطاعة"۔ (یعنی طاعت پر صبر کرنا)

---

[752] (شرح ریاض الصالحین لابن علان ج ۱ ص ۱۹۴)

اور اس سے مراد شریعت پر استقامت، مالی، بدنی اور قلبی عبادات پر دائمی پابندی، امر بالمعروف ونهي عن المنكر پر دوام اختیار کرنا ہے اور اس ضمن میں پیش آنے والے مصائب ومشکلات پر صبر کرنا ہے کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کی تبلیغ اور جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس کیلئے اس قسم کے مصائب ومشکلات کا پیش آنا ضروری ہے۔ حضرت لقمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يَابُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ (لقمان ١٧)

اے بیٹے نماز قائم کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے کہ چار صفات کے حاملین ہی نجات پانے والے ہیں:

(۱):ایمان (۲): عمل صالح (۳):امت کو نصیحت کرنا (۴):صبر کرنا

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْعَصْرِ (١) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (٢) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر ٣)

اس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

(۲):"الصبر عن المعاصی" (گناہوں سے صبر کرنا)

اس سے مراد نفس کی خواہشات سے مجاہدہ اور اس کی بے راہ روی کا مقابلہ اور اس کی کجی کی اصلاح اور شر اور فساد کے ان اسباب کا قلع قمع کرنا ہے جن کو شیطان مشتعل کرتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس کا مجاہدہ کر کے اس کو پاک کر دیتا ہے اور اس کو اس کی گمراہیوں سے روک دیتا ہے تو وہ ہدایتِ کاملہ تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔"(عنکبوت: ٦٩)

"اور جو مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔"

اور پھر اس کا شمار مفلحین (کامیاب لوگوں) میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (١٤) وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ ١٥)

"بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔"

ارشاد ہے:

وَ أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (٤٠) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (نازعات ٤١)

ترجمہ: "اور جو ڈرتا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہو گا ہر بری خواہش سے، یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔"

(٣): "الصبر علی المصائب" (مصیبتوں پر صبر کرنا)۔

کیونکہ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے مصائب کے ذریعہ آزماتا ہے اور خصوصاً مؤمنوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ مؤمن، منافق اور طیب اور خبیث کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الٓمّ (۱) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (عنکبوت ۲)

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔''

برابر ہے کہ یہ مصائب نماز میں ہوں یا بدن میں یا اہل وعیال میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران ۱۸۶)

''یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔''

ارشاد فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (۱۵۵) الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۱۵۶) أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرۃ ۱۵۷)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے تمہارے مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

بے شک مؤمنِ صادق ان مصائب کو صبر و تسلیم بلکہ رضا و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے خالق کی طرف سے نازل کردہ مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کی سیئات کو مٹانے کا سبب ہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو جو تھکاوٹ، مرض، غم وحزن اور تکلیف حتیٰ کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔[753]

اسی طرح اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مصائب ومشکلات اللہ کے نزدیک صبر کرنے والے مؤمنوں کے درجات ومنازل کو بلند کرتے ہیں، جب کہ وہ ان مصائب کو برضا وتسلیم قبول کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب کسی منزل کو اپنے عمل کے ساتھ نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جان، مال اور اہل کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اس کو صبر کی توفیق عطا کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس منزل کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھی ہوتی ہے۔[754]

صبر کی فضیلت اور اہمیت

صبر نصف ایمان ہے، انسان کی سعادت کا راز، آزمائش سے عافیت کا مصدر ومنبع، مصائب ومشکلات سے بچنے کا ذریعہ اور مجاہدہ نفس کیلئے بہترین ہتھیار ہے۔ یہ نفس کو شرعی احکام پر استقامت اختیار کرنے پر ابھارتا ہے اور اس کو گمراہی اور فساد کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچاتا ہے اسی اہمیت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے کا حکم دیتا ہے۔

[753] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب المرض، ومسلم عن أبی سعید وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

[754] (رواہ أبو داؤد فی سننہ فی کتاب الجنائز باب الأمراض المکفرۃ للذنوب رقم ۳۰۷۴ عن محمد بن خالد السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰہِ وَاصۡبِرُوۡا (اعراف ۱۲۸)

"اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو۔"

اور کہیں صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرة ۱۷۷)

صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں۔

اور کہیں خبر فرماتا ہے کہ وہ صابرین سے محبت کرتا ہے:

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیۡن (آل عمران: ۱۴۶)

"اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اور کہیں صابرین کیلئے اپنی معیت کو اختیار کرتا ہے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیۡن۔ "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور ایک مقام پر فرماتا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوۡنَ اَجۡرَھُمۡ بِغَیۡرِ حَسَابٍ (زمر ۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔"

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والے مرشدین نے یہ مقام صبر کی ہی بدولت حاصل کیاہے:

وَجَعَلْنَامِنْهُمْ أَئِمَّةًيَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَالَمَّاصَبَرُوْا۔(سجدہ:۲۴)

ترجمہ: اور ہم نے بنادیاان میں سے بعض کو پیشوا،وہ راہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔

صبر پر ایک جامع قرآنی آیت

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران۲۰۰)

اے ایمان والو صبر کرواور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرواور اللہ سے ڈرتے رہواس امید پر کہ کامیاب ہو۔

قرآن کریم کی جوآیت تلاوت کی گئی ہے اس میں ایمان والوں کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں مشائخ صوفیہ کی تفاسیر میں آیا ہے۔

تفسیر لطائف الاشارات

چنانچہ تفسیر "لطیف الاشارات" امام قشیری رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر ہے،اس میں وہ تین لفظوں "اِصبروا"،صابرواورابطوا کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

فرماتے ہیں:

اصبرواعلی الطاعات وعن المخالفات۔

"نیکیوں کے کرنے پر (جو مشقت پیش آئے) صبر کرواور نافرمانیوں سے بچ کر صبر کرو"۔

وصابروا في ترک الهویٰ والشهوات وقطع المنیٰ والعلاقات۔

"اور خواہشات کے چھوڑنے میں نفس کے مقابلے میں صبر کرو اور تمناؤں اور تعلقات کو ختم کرنے میں صبر کرو۔"

ورابطوا بالاستقامة فی الصحبة فی عموم الاوقات والحالات۔

"اور عام اوقات و حالات میں صحبت (صالحین) میں استقامت پر اپنے آپ کو جمائے رکھو"۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے:

اصبروا بنفوسکم۔

"اپنے نفس کے بارے میں صبر کرو"۔

وصابروا بقلوبکم۔

"اور اپنے دلوں کے تعلق سے صبر سے مقابلہ کرو"۔

ورابطوا باسرارکم۔

"اور اپنے رازوں کے ساتھ اپنے آپ کو جمائے رکھو"۔

انہوں نے ان الفاظ میں بھی تفسیر کی:

اصبروا علی ملاحظة الثواب۔

"ثواب کو سامنے رکھ کر (خلاف نفس) پر صبر کرو"۔

وصابروا علی ابتغاء القربة۔

"اور قربت و نزدیکی کی تلاش میں صبر پر جمے رہو"۔

ورابطوا فی محل الدنو والزلفة وعلیٰ شهود الجمال والعزة۔

"اور مستعدی دکھاؤ قربت اور نزدیکی کے مقام میں اور جمال و عزت کے (حقائق) کے ملاحظہ کرنے میں"۔

تفسیر عرائس البیان

البقلی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر "عرائس البیان فی حقائق القرآن" میں مختلف تفاسیر نقل کی ہیں۔

فرماتے ہیں:

اصبروا بمشاھدتی وصابروا بوصلتی۔

"میرے مشاہدے کے سلسلے میں صبر سے کام لو اور میرے وصال کے بارے میں صبر سے مقابلہ کرو (ہوائے نفسانی کے خلاف)"۔

یہ بھی فرمایا:

اصبروا باسرارکم وصابروا باسراری ولا تکشفوھا عندالاغیار۔

"اپنے رازوں کے ساتھ تو صبر کرو اور میرے رازوں کے ساتھ صبر پر جماؤ دکھاؤ اور انہیں غیروں کے سامنے مت کھولو"۔

ورابطوا قلوبکم بکتمانھا۔

"اور اپنے دلوں کو باندھے رکھو ان اسرار کے چھپانے کے ذریعہ"۔

انہوں نے ایک تفسیر یہ بھی لکھی ہے:

اصبروا تحت حکمی۔

"میرے احکام کی (تابعداری) میں صبر کرو"۔

وصابروا فی الحلاوۃ مع اعدائی۔

"اور میرے دشمنوں سے مقابلے میں مٹھاس محسوس کرنے میں صبر کرو"۔

ورابطوا قلوبکم بموافقتی ورضائی۔

"اور اپنے دلوں کو جمائے رکھو میری موافقت اور میری رضا پر"۔

جعفر رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اصبروا عن المعاصی۔

"گناہوں سے صبر کرو"۔

وصابروا علی الطاعات۔

"اور نیکیوں کے بارے میں صبر سے کام لو"۔

ورابطوا الارواح بالمشاهدة۔

"اور ارواح کو باندھے رکھو مشاہدۂ حق کے سلسلے میں"۔

ایک اور قول نقل کیا کہ:

اصبروا بجوارحکم علی الطاعات۔

"اور اپنے اعضاء سے اطاعت کرنے میں صبر کرو"۔

وصابروا بقلوبکم مع اللہ۔

"اور اپنے دلوں کو صبر پر جمائے رکھو اللہ کے ساتھ"۔

ورابطوا باسرارکم بحقائق المحبة۔

"اور اپنے رازوں کو محبت کے حقائق کے متعلق باندھے رکھو"۔

ایک اور تفسیر یہ لکھی:

اصبروا باللہ وصابروا مع اللہ۔

"اللہ کے بارے میں صبر کو اپناؤ اور اللہ کے ساتھ صبر پر جمے رہو"۔

ورابطوا اسرارکم بالحقائق۔

"اور اپنے رازوں کو حقائق کے ساتھ باندھے رکھو"۔

لعلکم تجردون عن هموم کم وخطراتکم۔

"تاکہ تم اپنے تفکرات اور خطروں سے خالی ہو جاؤ"۔

یہ بھی فرمایا:

الصبر للہ والمصابرة باللہ والمرابطة مع اللہ۔

”صبر کرنا اللہ کے لئے اور صبر پر جمے رہنا اللہ کے بارے میں اور تعلق بنائے رکھنا اللہ کے ساتھ“۔

تفسیر البحر المدید

تفسیر البحر المدید میں ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اصبروا علی حفظ مراسم الشریعة۔

”مراسم شریعت کی نگہداشت پر صبر کرو“۔

وصابروا علی تحصیل انوار الطریقة۔

”اور طریقت کے انوار کے حصول پر صبر سے کام لو“۔

ورابطوا قلوبکم علی شهود اسرار الحقیقة۔

”اور حقیقت کے اسرار ورموز کے پانے کے وقت اپنے دلوں کو تھامے رکھو“۔

یہ بھی فرماتے ہیں:

اصبروا علی اداء العبادة۔

”عبادت کرتے وقت صبر کرو“۔

وصابروا علی تحقیق العبودیة۔

”اور بندگی کے ثبوت کے وقت صبر پر جمے رہو“۔

ورابطوا علی تحصیل العبودیة ای: الحریة۔

”اور عبودیت کے منصب، یعنی (نفس کی غلامی سے) آزادی کے حصول کے اوپر جمے رہو“۔

ایک عجیب تفسیر فرمائی:

اصبروا علی تحقیق مقام الاسلام۔

"اسلام کے مقام و مرتبہ کی تحقیق پر صبر کرو"۔

وصابروا علی دوام الایمان۔

"اور ایمان کے دوام و بقاء پر صبر سے جمے رہو"۔

ورابطوا علی العکوف فی مقام الاحسان۔

"اور احسان کے مقام میں ٹھہرنے میں استقامت سے کام لو"۔

ایک جگہ فرمایا:

اصبروا علی تخلیص الطاعات۔

"نیکیوں کو خالص کرنے پر صبر کرو"۔

وصابروا علی رفض الحظوظ والشھوات۔

"اور خواہشات نفسانی کو چھوڑنے میں صبر سے مقابلہ کرو"۔

ورابطوا اسرارکم علی انوار المشاھدۃ۔

"اور مشاہدے کے انوار کے سلسلے میں اپنے رازوں پر استقامت سے جمے رہو"۔

احادیثِ طیبہ میں بھی صبر کی فضیلت کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں یہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ زندگی کی مشکلات اور حوادث پر صبر کرنا مؤمن کی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے، بلکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تمام زندگی صبر، جہاد اور قربانی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے مصائب و مشکلات میں صبر کر کے ہمارے لئے بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔

صبر احادیث کی روشنی میں

صبر جمیل کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت ہے:

(۱) هُوَ الَّذِي لَا شَكْوَى مَعَه۔[755]

"یہ وہ صبر ہے جس کے ساتھ کوئی شکوہ نہ ہو"۔

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فالصبر حبس النفس عن الجزع و اللسان عن التشكي و الجوارح عن لطم الخدود وشق الثياب۔[756]

"پس اپنے نفس کو مصیبت پڑنے کے وقت جزع فزع کرنے سے روکنا اور اپنی زبان کو شکوہ کرنے سے روکنا اور مصیبت کے وقت میں اپنے منہ پر طمانچے مارنے اور کپڑے پھاڑنے سے خود کو روکنا صبر کہلاتا ہے"

وہ ان تین چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ایک تو انسان آہ وبکانہ کرے کہ زبان سے بے صبری کے الفاظ نکالے۔ دوسرا شکایت نہ کرے اور تیسرا کہ عورتیں جیسے کسی مصیبت کے وقت میں اپنے منہ پہ ہاتھ مار لیتی ہیں یا کوئی اپنے کپڑے پھاڑ لیتا ہے۔ان تمام چیزوں سے بچنے کا نام صبر ہے۔

اور اللہ رب العزت کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

(۲) اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَ يَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ۔

"کیا میں تم کو نہ بتاؤں اس چیز کے بارے میں کہ جس کے ذریعے اللہ رب العزت گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، انہیں دھوڈالتے ہیں، اور تمہارے درجات کو بلند فرماتے ہیں؟"

---

[755] (تفسیر القرطبی، ج۹، ص ۱۲۹)

[756] (عدۃ الصابرین، ص۷)

قَالُوْا: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم!

”صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَ سلَّم! ضرور بتائیے۔

قَالَ: اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِہِ۔

”فرمایا کہ سردی کے وقت میں وضو کرنا جب یہ مشکل ہوتا ہے“

ایسی تنگی کے وقت میں صبر کرنا، یہ بھی انسان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے، درجات کو بڑھاتا ہے۔

وَ کَثْرَۃُ الْخُطٰی اِلَی الْمَسَاجِدِ۔

”اور نماز باجماعت پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف چل کر جانا“

یہ بھی انسان کے گناہوں کو مٹاتا ہے، درجات کو بڑھاتا ہے۔

وَ انْتِظَارُ الصَّلَاۃِ بَعْدَ الصَّلَاۃِ۔

”اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا“

یہ بھی انسان کے گناہوں کو مٹاتا ہے، درجات کو بڑھاتا ہے۔

فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ۔[757]

”پس یہی چیزیں (مذکورہ اعمال کا بجالانا) اصل معنوں میں دین کی حفاظت کرنا ہے“۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

(۳) اِذَا جَمَعَ اللّٰہُ الْخَلَائِقَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ نَادٰی مُنَادٍ: اَیْنَ اَھْلُ الْفَضْلِ؟

”قیامت کا دن ہوگا، ایک آواز دینے والا اعلان کرے گا: فضل والے کہاں ہیں؟“

---

[757] (ترمذی، حدیث: ۵۱، ۵۲)

فَيَقُوْمُ نَاسٌ وَهُمْ يَسِيْرٌ فَيَنْطَلِقُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ سِرَاعًا۔

”کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، وہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم ہوں گے اور تیزی سے جنت کی طرف جارہے ہوں گے“

فَتَلْقَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ فَيَقُوْلُوْنَ: اِنَّا رَأَيْنَاكُمْ سِرَاعًا اِلَى الْجَنَّةِ فَمَنْ اَنْتُمْ؟

”فرشتے ان کو ملیں گے اور کہیں گے: ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم بہت تیزی سے جنت کی طرف جارہے ہو، تم کون ہو؟

فَيَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ اَهْلُ الْفَضْلِ۔

”وہ کہیں گے: ہم فضل والے ہیں“

فَيَقُوْلُوْنَ: وَمَا فَضْلُكُمْ؟

”فرشتے پوچھیں گے: تمہاری فضیلت کی وجہ کیا ہے؟“

فَيَقُوْلُوْنَ؛ كُنَّا اِذَا ظُلِمْنَا صَبَرْنَا، وَإِذَا أُسِيءَ إِلَيْنَا عَفَوْنَا وَاِذَا جُهِلَ عَلَيْنَا حَلُمْنَا، فَيُقَالُ لَهُمْ: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ۔

”وہ کہیں گے: جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا تو ہم نے صبر کیا۔ اور جب ہم سے برا کیا گیا تو ہم نے درگزر کیا۔ اور جب ہمیں جاہل کیا گیا تو ہم نے برداشت کیا۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ، پس بہت ہی اچھا ہے اجر عمل کرنے والوں کا“

ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ: أَيْنَ أَهْلُ الصَّبْرِ؟

”پھر پکارنے والا پکارے گا، کہاں ہیں صبر والے؟“

فَيَتَقَدَّمُ نَاسٌ وَهُمْ يَسِيْرٌ، فَيَنْطَلِقُوْنَ إِلَى الْجَنَّةِ سِرَاعًا۔

”کچھ لوگ آگے بڑھیں گے، پس جلدی سے جنت کی طرف دوڑیں گے“

فَتَلَقَّاهُمُ الْمَلائِكَةُ, فَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّانَرَاكُمْ سِرَاعًا إِلَ الْجَنَّةِ, فَمَنْ أَنْتُمْ۔

"ان سے فرشتے ملیں گے اور کہیں گے، ہم نے تمہیں جلدی سے جنت کی طرف جاتے ہوئے دیکھا، تم کون ہو؟

فَيَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ أَهْلُ الصَّبْرِ۔

"وہ کہیں گے، ہم صبر والے ہیں"

فَيَقُوْلُوْنَ: وَمَاصَبْرُكُمْ؟

"وہ کہیں گے: تمہاراصبر کس چیز پر تھا؟"

فَيَقُوْلُوْنَ: كُنَّانَصْبِرُ عَلٰى طَاعَةِاللهِ وَكُنَّانَصْبِرُ عَنْ مَعَاصِى اللهِ۔

"وہ کہیں گے: ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے پر صبر کرتے تھے اور ہم گناہوں سے بچنے میں بھی صبر کرتے تھے"۔

یعنی نفس کو گناہ سے روکنا اور نیکی پر مجبور کرنا، یہ دونوں صبر والے کام ہیں۔ تہجد میں اٹھنا کون سا آسان کام ہے، اپنے آپ کو مجبور کرنا پڑتا ہے، اس وقت اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم یہ دونوں طرح کا صبر کرتے تھے، طاعات کی ادائیگی میں صبر اور گناہوں سے بچنے میں صبر۔

فَيُقَالُ لَهُمْ: ادْخُلُوْاالْجَنَّةَفَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ۔ [758]

"پس ان کو یوں کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ، عمل کرنے والوں کے لیے کتنا اچھا اجر ہے"

[758] (المطالب العالیۃ لابن حجر، ج۱۸، ص۷۱۶، اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری، ج۸، ص۲۰۳)

صبر کی تین قسمیں

اَلصَّبْرُ بِاعْتِبَارِ الْمُتَعَلِّقِ ثَلاثَۃُ اَقْسَامٍ۔

''متعلق کے اعتبار سے صبر کی تین قسمیں ہیں''۔

(۱) صَبْرٌ عَلَی الْاَوَامِرِ وَ الطَّاعَاتِ حَتّٰی یُؤَدِّیَھَا۔

''اللہ کے حکموں پر اور اس کی اطاعت میں ثابت قدم رہنا یہاں تک کہ حکموں کو پورا کر دے''

(۲) وَصَبْرٌ عَنِ الْمَنَاھِیْ وَ الْمُخَالَفَاتِ حَتّٰی لَا یَقَعَ فِیْھَا۔

''جن چیزوں سے منع فرمادیا ان سے رکے رہنے میں صبر کرنا یہاں تک کہ ان میں پڑنے سے بچا رہے''

(۳) صَبْرٌ عَلیَ الْاَقْدَارِ وَ الْاَقْضِیَۃِ حَتّٰی لَا یَتَسَخَّطَھَا۔

''قضاو قدر کے فیصلوں پر صبر کرنا حتیٰ کہ دل خفا نہ ہو''

صبر کے چار شعبے

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

اَلصَّبْرُ اَرْبَعُ شُعَبٍ: اَلشَّوْقُ وَ الشَّفْقَۃُ وَ لزَّھَادَۃُ وَ التَّرَقُّبُ۔

''صبر کے چار شعبے ہیں: شوق، خوف، زہد اور مراقبہ''۔

فَمَنِ اشْتَاقَ اِلَی الْجَنَّۃِ سَلاعَنِ الشَّھَوَاتِ۔

''جس بندے کو جنت کا شوق ہو تو وہ بندہ جنت حاصل کرنے کی خاطر شہوات کو چھوڑ دیتا ہے''۔

چونکہ اس کو جنت مطلوب ہوتی ہے، وہ شہوات سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

وَمَنْ اَشْفَقَ مِنَ النَّارِ رَجَعَ عَنِ الْمُحَرَّمَاتِ۔

"اور جس بندے کو آگ میں جانے سے ڈر لگتا ہے وہ گناہوں میں پڑنے سے اپنے آپ کو روک لیتا ہے"

وَمَنْ زَهَدَ فِي الدُّنْيَا تَهَاوَنَ بِالْمُصِيبَاتِ۔

"جو بندہ زہد اختیار کرلیتا ہے تو دنیا کی مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں"

وَمَنِ ارْتَقَبَ الْمَوْتَ سَارَعَ فِي الْخَيْرَاتِ۔[759]

"اور جو بندہ موت کا مراقبہ کرتا ہے تو وہ بندہ پھر نیکی کے کام میں جلدی کرتا ہے"

وہ دوڑ دوڑ کر نیکی کرتا ہے، بھاگ بھاگ کر نیکی کرتا ہے، تاکہ اپنی زندگی میں کچھ اعمال کرلے۔ وہ نیکی کرکے کے تھکتا ہے اور تھک تھک کے پھر نیکی کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ موت آنے والی ہے اور اسے اس سے پہلے کچھ کرنا ہے۔

(۴) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قال: وَما أُعْطِيَ أَحَدٌ مِن عَطاءٍ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! کہ صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔[760]

(۵) عن صهيب بن سنان الرومي: عَجَبًا لأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إنَّ أمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وليسَ ذاكَ لأَحَدٍ إلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إنْ أصابَتْهُ سَرّاءُ شَكَرَ، فَكانَ خَيْرًا له، وإنْ أصابَتْهُ ضَرّاءُ، صَبَرَ فَكانَ خَيْرًا له۔

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! کہ مؤمن کا معاملہ بھی قابلِ تعجب ہے۔ اس کا ہر معاملہ بھلائی پر مبنی ہے

---

[759] (جامع الاحادیث للسیوطی، ج ۱۳، ص ۳۹۸)

760 (بخاری، مسلم رقم ۱۰۵۳، ابو داؤد، ترمذی)

اور یہ سعادت صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے۔ اگر اسے خوشحالی کی نعمت نصیب ہو تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کیلئے خیر ہے۔ اور اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کیلئے خیر ہے۔[761]

(۶) ”عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما المؤْمِنُ الَّذي يُخالِطُ النّاسَ، ويَصبِرُ على أذاهُم، أَعظَمُ أَجرًا مِنَ الَّذي لا يُخالِطُهُم، ولا يَصبِرُ على أذاهُم“

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اوران کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے تو اس کے لئے زیادہ اجر ہے اس سے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔[762]

(۷) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک نبی کا واقعہ بیان کیا کہ ان کی قوم نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا وہ اپنے منہ سے خون صاف کرتے اور فرماتے! ”اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون“ یعنی اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے یہ مجھے نہیں جانتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔[763]

---

[761] (رواہ مسلم فی کتاب الزھد والرقاق رقم ۲۹۹۹)

[762] (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ)

[763] (بخاری فی صحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، ومسلم فی کتاب الجہاد والسیرۃ)

(۸) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کیلئے بیٹا بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی انہیں معاف فرما دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے۔[764]

صالحین کا صبر کو اختیار کرنا اور اس کی دعوت دینا

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہے اور انہیں صبر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے وراثت میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسلام کی اشاعت میں سر توڑ کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ایمان سے نوازا جس میں مایوسی کا نام و نشان تک نہ تھا اور ایسا عزم و حوصلہ اور ثابت قدمی عطا فرمائی جس میں ضعف اور کمزوری نہ تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روحانی فیض حاصل کیا اور پھر اسی طرح یہ فیض مختلف ادوار طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے:

(۹) عن المغيرة بن شعبة: لا يَزالُ ناسٌ مِن أُمَّتي ظاهِرِينَ حتّى يَأْتِيَهُمْ أمْرُ اللهِ وهُمْ ظاهِرُونَ۔[765]

---

[764] (صحیح بخاری، کتاب التوحید، و صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین و أحکامھم)

[765] (بخاری فی صحیح، کتاب الاعتصام رقم الحدیث ۷۳۱۱، و مسلم عن مغیرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم الحدیث ۱۹۲۱)

"میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا اور وہ غالب ہی ہوں گے۔" حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب بیٹا وفات پا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہنے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی محبت سے جو اللہ کے ارادہ کے مخالف ہو۔

صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰکو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ تعا لیٰکا رنگ متغیر ہو گیا لیکن آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنی کلام کو قطع نہ کیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ دوارنِ گفتگو اس مریض کی چیخ نکلی تو حضرت ذوالنون رحمہ اللہ تعالیٰنے فرمایا:

"لیس بصادق فی حبہ من لم یصبر علی ضربہ"۔

جو اس کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ محب صادق نہیں۔

تو اس مریض نے جواب دیا:

"بل، لیس بصادق فی حبہ من لم یتلذذ بضربہ"۔

بلکہ جو اس کی ضرب سے لطف اندوز نہ ہو وہ محب صادق نہیں۔ [766]

ابن شبرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے، یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔

---

[766] (بخاری فی صحیح، کتاب الاعتصام، و مسلم عن مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

صبر کے بارے میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰنے بڑی عمدہ اور تعجب خیز کلام فرمائی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰنے فرمایا:

صابر الصبر فاستغاث بہ الصبر   فصاح المحب بالصبر صبرا

وہ صبر پر غالب آگیا اور صبر نے اس سے مدد کی درخواست کی تو محب نے صبر سے کہا صبر کرو۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰکو اللہ تعالیٰ نے عظیم محاسن اور خوبیوں سے نوازا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کے سائے میں اللہ تعالیٰ کی بھرپور خوشنودی حاصل کی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

"أَلَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن" (بقرہ: ۱۵۶)

جو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ان کا صبر اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور وہ اسی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ انہیں ان کا پروردگار بغیر حساب و کتاب کے اجر و ثواب عطا فرمائے اور صابرین کیلئے اجر بھی کیا خوب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"أُوْلٰئِکَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ" (بقرہ ۱۵۷)

یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔

رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی ذات صبر میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰکیلئے بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلّم جب بھی کسی آزمائش سے گزرتے آپ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے صبر اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو جاتا کیونکہ یہی انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُل" (احقاف ۳۵)

پس اے محبوب آپ صبر کیجئے جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو دین کی دعوت میں مشکلات برداشت کرنے اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔

ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ إِلَّا بِ اللهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَکُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ (نحل ۱۲۷)

"اور آپ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں پر۔"

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ صبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت اصفیاء کا زیور نیکیوں کی کلید اور قربِ الٰہی کا راستہ ہے۔ سالک کسی مرحلہ میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر مقام کیلئے صبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الصبر حبس القلب على حكم الرب"۔

صبر پروردگار کے حکم پر دل کو پابند کرنے کا نام ہے۔

عام لوگوں کا صبر احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کو ترک کرنا اور طاعت کی مشقوں پر دل کو پابند کرنا ہے اور خاص لوگوں کا صبر، مجاہدہ اور ریاضت پر نفس کو پابند کرنا اور حجابات کو اٹھانے کا مطالبہ کرنا اور دائمی حضور میں مراقبہ قلب کے ساتھ راہ سلوک کے مصائب کو برداشت کرنا ہے۔

خاص الخواص کا صبر، مشاہدہ حق میں روح اور سر کو پابند کرنے کا نام ہے یا حریم ناز میں حاضری اور دائمی دیدار پر روح کو پابند کرنے کا نام ہے۔[767]

صدق، اخلاص اور صبر یہ تینوں صفات راہِ سلوک کے بنیادی ارکان ہیں اور جس شخص نے اپنے سلوک کی بنیاد ان صفات پر نہ رکھی وہ اس قافلہ کے ساتھ ہے جو راستہ میں ہی رک جاتا ہے اگرچہ وہ اپنے گمان کے مطابق منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔

اخلاص کی حقیقت توحید مطلوب ہے جس طرح کہ صدق کی حقیقت توحید طلب ہے اور ان چیزوں پر صبر کرنا عین کمال ہے۔

ورع

ورع کی تعریف اور اس کے مراتب

سید جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هو اجتناب الشبهات خوفا من الوقوع في المحرمات۔

”محرمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنا ورع کہلاتا ہے۔“[768]

---

[767] (اللمع للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۷۷) (معراج التشوف إلى حقائق التصوف ص ٦)

[768] (تعریفات السید ص ۱۷۰)

علامہ محمد بن علان صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی چیز کو ترک کر دینا جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچنے کیلئے جس میں حرج ہو، ورع کہلاتا ہے۔ [769]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع سے مراد نفس کو ایسی چیز کے ارتکاب سے روکنا ہے جس کا انجام ناپسندیدہ ہو۔ [770]

ورع کی وضاحت کیلئے ہم اس کے وہ مراتب بیان کرتے ہیں جن کو حاصل کرنے کیلئے سالک کو شاں رہتا ہے۔

عوام کا ورع

شبہات کو ترک کر دینا ہے تاکہ وہ احکامِ الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کیلئے خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ [771]

---

[769] (دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ج۵ ص ۲۶)

[770] (معراج التشوف ص۷)

[771] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الإیمان و مسلم فی کتاب المساقاۃ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما)

خواص کا ورع

ہر اس چیز کو ترک کر دینا ہے جو دل کو مکدر کرے اور اس کی پریشانی کا باعث ہو۔ یہ لوگ دل میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ان کے دل اتنے پاکیزہ اور صاف ہوتے ہیں کہ جب بھی وہ کسی امر میں متردد ہوتے ہیں یا کسی حکم کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہ انہیں فورًا تنبیہ کر دیتے ہیں۔

اور اسی کی طرف رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ اس چیز کو ترک کر دو جو تمہیں شک میں ڈال دے اور اس کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔[772]

مزید ارشاد فرمایا:

عن النواس بن سمعان الأنصاري رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه سَأَلۡتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ، عَنِ البِرِّ والإِثۡمِ فَقالَ: البِرُّ حُسۡنُ الخُلُقِ، والإِثۡمُ ما حاکَ في صَدۡرِکَ، وَکَرِهۡتَ أَنۡ یَطَّلِعَ علیه النّاسُ۔

یعنی "نیکی حسنِ خلق کا نام ہے اور گناہ وہ چیز ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔"[773]

---

[772] (رواہ الترمذی فی کتاب صفة القیامة وقال حدیث حسن صحیح)

[773] (رواہ مسلم فی کتاب البر والصلة عن النواس بن سمعان رضی اللّٰہ عنه۔ حاک: أی جال وتردد رقم الحدیث ۲۵۵۳)

اسی کے بارے میں حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"مارأیت اسھل من الورع ماحاک فی نفسک فاترکہ"۔[774]

یعنی "میں نے ورع سے آسان ترین چیز نہیں دیکھی پس جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے ترک کردو۔"

خاص الخواص کا ورع

یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں اور غیر سے طمع ولالچ کا دروازہ بند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ ان عارفین کا ورع ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر شے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ بد بختی کی علامت ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع یہ ہے تو اللہ کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہو جائے۔[775]

ورع کی فضیلت

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ورع تمام صفات کمالیہ کیلئے جامع صفت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ اطہار میں سے ایک نوجوان کعبہ شریف سے ٹیک لگائے وعظ کر رہا تھا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مجلس میں ٹھہر گئے اور پوچھا کہ دینِ اسلام کا خلاصہ اور

---

[774] (رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

[775] (رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

جوہر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ورع۔ پھر سوال کیا کہ دین میں آفت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، طمع۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس جواب سے بڑے متعجب ہوئے اور فرمایا، ایک ذرہ ورع ہزارہا نماز روزے سے بہتر ہے۔[776]

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کے فہم پر اس کا کثیر علم اور اپنے اوراد پر ہمیشگی دلالت نہیں کرتے بلکہ اس کے فہم اور نورِ قلب پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ غیر سے مستغنی ہو جائے اور اس کا دل اسی کی طرف مائل ہو اور حرص وخواہش کی غلامی سے آزاد ہو اور ورع کے زیور سے آراستہ ہو۔[777]

ورع کی عظمت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کو عبادت کا سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، اے ابو ہریرہ! صاحبِ ورع بن جا، تو تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا۔[778]

یہی وجہ ہے کہ ورع اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس سے حصولِ فیض کا راستہ ہے جس طرح کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ورع کی باریکیوں میں غور وفکر نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عطائے عظیم تک نہیں پہنچ سکتا۔[779]

---

[776] (رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

[777] (معراج تصوف ص ۷)

[778] (رواہ ابن ماجہ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کتاب الزھد باب الورع والتقوی بإسناد حسن)

[779] (رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

ورع کی اہمیت، بلند رتبہ، رفعتِ شان اور اس کے عظیم آثار کی وجہ سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کثیر احادیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ان میں بعض احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱) "عن عطية بن عروة السعدى الصحابى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صَلّٰى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم : لا يبلغُ عبدٌ درجةَ المتّقينَ حتّى يدعَ ما لا بأسَ بهِ حذرًا لِمَا بهِ بأسٌ۔"

"حضرت عطیہ بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ متقین کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا حتیٰ کہ نا قابل اعتراض چیز کو ترک کر دے قابل اعتراض چیز سے بچنے کیلئے۔"[780]

۲) عن حذيفة بن اليمان: فضلُ العلمِ خيرٌ من فضلِ العملِ و خيرُ دينِكم الورعُ۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ علم کی فضیلت، عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے اور تمہارے دین میں بہترین چیز ورع ہے۔[781]

۳) عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه ثلاثٌ من كنَّ فيهِ استوجبَ الثّوابَ، و استَكملَ الإيمانَ: خلقٌ يعيشُ بهِ في النّاسِ، و ورعٌ يحجزُهُ عن محارمِ اللهِ، و حلمٌ يردُّ بهِ جهلَ الجاهلِ۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کہ تین چیزیں جس میں پائی جائیں وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس نے ایمان کو

---

[780] (رواه الترمذى فى كتاب صفة القيامة، وقال: حديث حسن غريب)

[781] (رواه طبرانى فى الأوسط و البزار بإسناد حسن، البخاري (ت٢٥٦)، العلل الكبير ٣٤١)

مکمل کر لیا: ایسا اخلاق جس کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزارے، ایسا ورع جو اس کو اللہ تعالیٰ کے محارم سے روک دے، اور ایسا علم جس سے جاہل کی جہالت کو روک دے۔"[782]

۴) عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال أنّ النبیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم وجد تمرۃً فقال لولا أني أخافُ أن تکونَ صدقۃً لأکلتُھا۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور پائی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلَّم نے فرمایا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہے تو میں اسے کھالیتا۔"[783]

۵) عن أبي ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ أخذَ الحسَنُ بنُ عليٍّ رضيَ اللّٰہُ عنھما تمرۃً من تَمرِ الصَّدقۃِ ، فأدخلَھا في فیہِ، فقالَ النَّبيُّ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وَسلَّم کِخْ کِخْ ألقِھا ألقِھا، أما علِمتَ أنّا لا نأکلُ الصَّدقۃَ۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اسے منہ سے نکال اور پھینک دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، یا یہ فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں۔"[784]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو جب ہم ورع کے اعلیٰ مراتب پر متمکن دیکھتے ہیں تو صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

---

[782] (رواہ البزار کمافی الترغیب والترھیب ۳/۲۴)

[783] (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، مسلم کتاب الزکاۃ، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۶۵۲)

[784] (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، مسلم کتاب الزکاۃ)

مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھوڑا سا کھانا کھالیا جو ان کے غلام نے پیش کیا تھا پھر جب غلام نے بتایا کہ اس کھانے میں شبہ تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ کو منہ میں ڈالا اور قے کر کے پیٹ کو صاف کر دیا۔ [785]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ستر حلال اشیاء کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم کسی حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔ [786]

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جب مالِ غنیمت میں کستوری پیش کی گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ناک کو ہاتھ سے بند کر دیا اور فرمایا کہ اس کی خوشبو سے ہی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کے بغیر اس کی خوشبو سے نفع حاصل کروں۔ [787]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور ان کو بیت المال کی چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ اونٹ موٹے ہو گئے تو ان کو بیچنے کیلئے واپس منگوا لیا۔ ان ہی ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر بازار سے ہوا۔ جب انہوں نے یہ موٹے تازے اونٹ دیکھے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے سے پوچھا کہ یہ اونٹ کہاں سے آئے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ یہ کمزور اونٹ میں نے خریدے تھے اور ان کو چراگاہ میں بھیج دیا اور ان کو میں نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کے اونٹ ہیں۔ ان کی دیکھ بھال

---

[785] (رواہ البخاری فی صحیح باب ایام الجاهلية، العيني (ت ٨٥٥)، نخب الافکار ٧/٥٢١)

[786] (رسالہ قشیریہ ص ٥٣)

[787] (رسالہ قشیریہ، ص ٥٥)

کرو اور کھلاؤ پلاؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے عبداللہ ان کی اصل قیمت تم رکھ لو اور ان کا نفع مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرادو۔[788]

حضرت حذیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی کسی کو کسی صوبے کا گورنر مقرر کرتے تو اس سے ایک عہد نامہ لکھوا لیتے اور اس پر لوگوں کو گواہ بنالیتے اور اس پر یہ شرط لگاتے کہ وہ خچر پر سوار نہیں ہو گا اور نہ ہی چھانا ہوا آٹا کھائے گا اور نہ ہی باریک لباس پہنے گا اور ضرورت مند کیلئے اپنے دروازے کو بند نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو سزا کا مستحق ہو گا۔[789]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ روزمرہ کے خرچہ سے کچھ پیسے حلوہ خریدنے کیلئے بچاتی رہیں۔ پھر جب کچھ پیسے جمع ہو گئے تو انہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلوہ خریدنے کیلئے کہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یہ حلوہ کیلئے تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے تو انہوں نے عرض کی کہ میں روزانہ کے خرچہ سے کچھ پیسے بچاتی رہی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کو بیت المال میں جمع کرادو کیونکہ یہ تمہاری ضرورت سے زائد ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ خود بھوکے رہتے تاکہ آپ کی رعایا پیٹ بھرلے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خادم وضو کیلئے گرم پانی کا ایک کوزہ پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادم کو فرمایا کہیں یہ پانی تم بیت المال کے مطبخ سے تو گرم نہیں کرتے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے یہ بہت برا کیا۔ پھر اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ اس کوزے کو گرم کرے اور پھر دیکھے کہ اس میں کتنی

---

[788] (الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۴۷)

[789] (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۴)

لکڑیاں صرف ہوتی ہیں۔ پھر گزشتہ ایام کا حساب لگا کر لکڑیوں کو بیت المال کے مطبخ میں جمع کرائے۔[790]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراسان سے شام محض اس لئے واپس آئے تاکہ ادھار لیا ہوا قلم واپس کریں۔ اس کے بعد آپ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ورع کے متعلق مختلف واقعات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم سعادت اور خوش بختی کے طالب ہو، توان لوگوں کی اتباع کرو۔[791]

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ جب کھانا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو وہ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین دفعہ کوشش کی لیکن تینوں دفعہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ وہاں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ایک شخص موجود تھا۔ اس نے یہ کہا کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ حرام کھانے اور ایسے کھانے کی طرف نہیں بڑھتا جس میں شبہ ہو۔[792]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ورع میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہ کی اتباع کرتے ہیں اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کے دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ہے اور اسی طرح یہ ان کے شدید خوف کا نتیجہ ہے کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ جو شخص ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ سے نوازتا

---

790 (سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ص ۳۷)

791 (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۵۲)

792 (اللمع للطوسی ص ۷۱)

ہے اور جس شخص کو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے وہ شبہات سے احتراز کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ سے خائف اور اس کے فضل واحسان کا امیدوار رہتا ہے جس طرح کہ حضرت شاہ کرمانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی علامت ورع ہے اور ورع کی علامت شبہات سے اجتناب کرنا ہے۔ خوف کی علامت حزن ہے اور رجاء کی علامت حسن طاعت۔[793]

اے قاری! محنت کر تاکہ تو بھی باہمت لوگوں کے ساتھ مل جائے اور ان کی سنگت اختیار کر تاکہ تو بھی ان کی مثل ہو جائے۔ کیونکہ جو کسی کی سنگت اختیار کرتا ہے وہ اسی کی مثل ہو جاتا ہے۔

زہد

تعریف: حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کو زوال کی نظر سے دیکھنے کا نام ہے تاکہ دنیا تیری نظر میں حقیر ہو جائے اور اس سے اعراض کرنا تیرے لئے آسان ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زہد دنیا سے بلا تکلف کنارہ کشی کرنے کا نام ہے۔[794]

زہد کا لفظی معنی ہے **اَلْاِعْرَاضْ** ''کنارہ کشی کرنا'' یا **عَدَمُ الْمَيْل** ''دلچسپی نہ لینا''۔

اصطلاحاً یہ کہ انسان اعراض کرے دنیا کی چمک دمک سے، اور طبیعت دنیا کے جھوٹے حسن میں دلچسپی نہ لے، اس کو زہد کہتے ہیں۔

زُهْدٌعَنِ الدُّنْيَاوَ زِيْنَتِهَاوَ زُخْرَفِهَاوَ بَهْجَتِهَا۔

''دنیا کی خوش نمائی سے، جھوٹے حسن سے انسان کا دل کٹا ہوا ہو''۔

[793] (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۱۹۳)

[794] (رسالہ قشیریہ، ص ۵٦)

یہ بھی فرمایا گیا:

”اَلزُّھْدُھُوَ عَدَمُ تَعَلُّقِ الْقَلْبِ بِالدُّنْیَا وَ شَھَوَ اتِھَا وَ حُظُوْظِھَا وَ زِیْنَتِھَا وَ زُخْرُفِھَا۔

”زہد، دنیا اور اس کی خواہشات اور اس کی لذات اور اس کی زینت سے دل کے تعلق کے کٹ جانے کا نام ہے“۔

دنیا کی رعنائیوں اور اس کی فانی لذتوں سے، انسانوں کا دل ہٹا کٹا ہوا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

الزهد أن لا يسكن قلبك إلي موجود في الدنيا, ولا يرغب في مفقود منها۔[795]

”زہد یہ ہے کہ جو موجود ہو دل کے اندر اس کی محبت نہ ہو اور جو مفقود ہو اس کی رغبت نہ ہو“۔

بس یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، الحمدللہ ثم الحمدللہ!

زاہد کون ہے؟

اگر قرآن مجید سے اس کی تعریف ڈھونڈنی ہو کہ زاہد کون ہوتا ہے تو ایک جگہ فرمایا گیا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں:

لِكَیْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (الحدید ۲۳)

اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔

بس انسان کا دل ایسا بن جائے کہ مال ملے بھی تو انسان شریعت کے اندر رہے اور اگر نہ ملے تو مایوسی کی باتیں نہ کرے۔

---

795 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۳)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ رب العزت نے اولیاء کی دنیا کا بھی بادشاہ بنایا، مگر دنیا میں بھی انہیں بہت مال دیا۔ وہ تجارت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں بڑی برکت دی تھی۔ جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تجارت کرتے تھے اور اللہ رب العزت نے اتنی برکت دی تھی کہ سبحان اللہ! چنانچہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرماتھے، ایک بندہ دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ حضرت! وہ جہاز جو آپ کے تجارتی سامان سے بھرا ہوا آرہا تھا، ابھی ابھی خبر پہنچی کہ وہ ڈوب گیا۔ حضرت نے فرمایا: **الحمد للہ!۔** تو وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر گزری تو ایک دوسرا آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ حضرت! جو جہاز ڈوبنے لگا تھا، ابھی اطلاع ملی کہ وہ ڈوبتے ڈوبتے بچ کر بخیریت کنارے سے لگ گیا، سامان اتر گیا۔ فرمایا: **الحمد للہ!۔** اب جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ بہت حیران کہ ڈوبنے پر بھی کہا: **الحمد للہ** اور بچنے پر بھی کہا: **الحمد للہ**۔ انہوں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟۔ فرمایا کہ جب مجھے جہاز ڈوبنے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تو مجھے اس پر کوئی صدمہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے اللہ کو ایسے ہی منظور ہے۔ تو میں نے کہا: الحمد للہ! اور جب بچنے کی اطلاع ملی تو پھر میں نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تو کوئی انہونی خوشی نہیں تھی، میں نے کہا: الحمد للہ۔ تو بندے کی ایسی کیفیت ہو جائے تو اس کو زاہد کہتے ہیں۔

زاہد دھوکہ نہیں دے سکتا

جس شخص کی ایسی کیفیت ہو گی تو آپ ذرا سوچیں کہ وہ بندہ:

کیوں حرام مال کھائے گا؟

کیوں دوسرے کے حصے کو دبائے گا؟

کیوں کسی کا مال غصب کرے گا؟

کیوں یتیموں کا مال چھینے گا؟

کیوں کسی کے ساتھ بد دیانتی کرے گا؟

چنانچہ زہد ایک اچھی صفت ہے، جو اللہ تعالیٰ مومن کے اندر پیدا فرمادیتے ہیں۔

آج تو جس پر اعتماد کرو وہی دھوکہ دیتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں تو وہ سرمایہ دبا جاتا ہے، اور کسی کو ملازم رکھو تو وہ پیسہ اڑا جاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے، بس ہاتھ پڑنے کی بات ہے، جس کا ہاتھ پڑا وہ لے گیا۔ امانت گویا دنیا سے ختم ہی ہوتی جارہی ہے۔ ایسے لوگ نظر نہیں آتے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، ان کو مال کا حساب کتاب دو اور وہ حساب کو صاف ستھرا رکھیں۔

جب دنیا کی محبت دل میں ہوتی ہے تو انسان نوکری کسی جگہ کر رہا ہوتا ہے، مگر وہاں سے پیسے چرا کر اپنا ذاتی کام کرنے کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔ شریعت چاہتی ہے کہ ہمارے اندر ایسی صفت ہو کہ ہم مال کے پجاری نہ بنیں، ہم اللہ تعالیٰ کے پجاری بن کر زندگی بسر کریں۔ مال کی پرستش کیا کرنی، یہ تو آنی جانی چیز ہے، یہ تو سائے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ دے بھی دیتے ہیں اور لے بھی لیتے ہیں۔ تو جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں اس حال میں انسان خوش رہے۔

زہد اکابرین امت کی نظر میں

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زہد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

خلو الأيدي من الأموال، و القلب من التتبع۔[796]

"ہاتھ مال سے خالی ہو اور دل اس کی پیروی سے"۔

---

[796] (الزھدالکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۲۰)

شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر انسان کو اللہ رب العزت مال عطا کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر اس سے لے لیں تو انسان اس کے اوپر صبر کرے، اس کو زہد کہتے ہیں"۔

ابو بکر الوراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الزهد ثلاثة احرف۔

"زہد کا لفظ تین حروف پر مشتمل ہے"۔

أما الزاي: فترك الزينة، و أما الهاء: فترك الهوى، و أما الدال: فترك الدنيا۔[797]

"ز" سے مراد زینت کا ترک کر دینا ہے، "ھ" سے مراد ھوی یعنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ دینا ہے، اور "د" سے مراد دنیا کا ترک کر دینا ہے۔

چھوڑ دے ساری دنیا کسی کے لئے
ہے مناسب یہی زندگی کے لئے

ابن رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الزهد في الشيء الإعراض عنه لاستقلاله و احتقاره۔[798]

"دنیا سے اس کی حقارت کی وجہ سے اعراض کرنے کا نام زہد ہے"۔

اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی اتنی قدر ہوتی جتنی مچھر کے پر کے برابر ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پینے کے لیے پانی کا گھونٹ عطانہ فرماتے۔

---

797 (الزهد الكبير للبيهقي، ج ۱، ص ۶۲)

798 (جامع العلوم والحكم، ص ۲۸۹)

حدیث پاک میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے، ایک مردہ بکری پڑی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ مردہ جانور ہو تو اس میں سے کتنی بو آتی ہے، تو اس قدر بو تھی کہ بس کھڑا ہونا مشکل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیران ہوئے، پوچھا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیوں کھڑے ہوئے؟ فرمایا: تم میں سے کوئی اس مردہ بکری کو لینا چاہے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بدبودار اور مردہ بکری ہے، کون اس کو لے گا؟ فرمایا: جتنی نفرت تمہارے دل میں اس بدبودار مردہ بکری کی آرہی ہے، دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔

کسی نے فرمایا:

اَلزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيهِ مِنَ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا۔

"ہر اس چیز کو چھوڑ دینے کا نام زہد ہے جس سے ہمیں واسطہ نہیں"۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوبصورت بات کہی، وہ فرماتے ہیں:

الزھد: ترک ما یشغل عن اللہ سبحانہ وتعالی۔[799]

"تمہیں جو چیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کر دے اس کو ترک کر دینے کا نام زہد ہے"۔

جو چیز بھی انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتی ہے، خواہ وہ کھیل ہو، کاروبار ہو، دوست کی مجلس ہو، کوئی بھی چیز ہو، فرمایا اس کو چھوڑ دو، اسی کا نام زہد ہے۔

---

[799] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۵٦)

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا:

الزھد: یورث السخاء بالملک، و الحب یورث السخاء بالروح۔[800]

زہد مال کے معاملے میں سخاوت پیدا کرتا ہے اور محبت روح کے معاملے میں سخاوت کو پیدا کرتی ہے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تو اپنی ریاضت میں اس حد تک پہنچ جائے کہ:

لو قطع اللہ عنک الرزق ثلاثۃ أیام لم تضعف في نفسک۔[801]

"اگر تین دن تک لگاتار فاقہ آجائے تو تمہارے دل کے اندر کمزوری نہ آئے، اس کا نام زہد ہے"۔

آج کے دور میں تو ایک وقت کا فاقہ نہیں آتا۔ الحمد للہ! جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان میں اکثر و بیشتر وہ لوگ ہیں، جو دن میں بار بار کھاتے ہیں، من مرضی کا کھانا کھاتے ہیں، پسند کا کھانا کھاتے ہیں۔ ہمیں فاقہ کا مزہ چکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ابن خفیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

الزھد: وجود الراحۃ في الخروج عن الملک۔[802]

"مال کے چلے جانے سے دل کو راحت پہنچنے کا نام زہد ہے"۔

---

800 (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۵۵)

801 (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۵۶، احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۲۳۱)

802 (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۵۵، احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۲۳۱)

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أصل الزهد الرضا عن الله عز و جل۔[803]

”زہد کی اصل اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا ہے“۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الزهد هو الثقة بالله مع حب الفقر۔[804]

”زہد کہتے ہیں فقر کی محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر کامل یقین کو“۔

بعض نے فرمایا:

ليس الزهادة في الدنيا بتحريم الحلال و لا إضاعة المال۔[805]

”زہد حلال کو حرام کرنے کا نام نہیں، اور مال کو ضائع کرنے کا نام بھی نہیں“۔

و لكن الزهادة في الدنيا أن تكون بما في يد الله أوثق منك بما في يدك۔[806]

”بلکہ زہد یہ ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس پر تمہیں بھروسہ ہو“۔

اپنی جیب کی بجائے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر بھروسہ ہو۔ اس لیے جب گھر میں آٹا نہ ہو تو پھر تو ہر کوئی رو رو کر مانگتا ہے، مزہ تو یہ ہے کہ گھر میں ہر چیز ہو پھر بھی رو رو کر مانگ رہا ہو کہ یا اللہ! آپ ہی نے یہ عطا فرمایا اور میں آپ ہی کے در کا محتاج ہوں، سائل ہوں۔ قسمت والے ہوتے ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔

---

803 (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۲۹۰)

804 (الرسالة القشيرية، ص ۵۵)

805 (الزهد و صفة الزاهدين لابن الاعرابی، ص ۲۰)

806 (الزهد و صفة الزاهدين لابن الاعرابی، ص ۲۰)

ابن تیمیہ نے کہا:

الزهد المشروع ترک ما لا ينفع في الدار الآخرة۔[807]

"جس چیز کا آخرت میں کوئی نفع نہیں اس چیز کو چھوڑنے دینے کا نام زہد ہے"۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے:

الزهد في الدنيا قصر الأمل ليس بأكل الغليظ ولا بلبس العباء۔[808]

"زہد دنیا کے اندر لمبی امیدوں کو توڑنے کا نام ہے، اس کا نام نہیں کہ تم عباء پہن لو اور موٹا کھانے لگ جاؤ"۔

یعنی زہد یہ ہے کہ دل میں تمنائیں نہ ہوں۔

ابو صفوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا:

أي شيء أول حدود الزهد؟[809]

"زہد کی سب سے پہلی حد کیا ہے؟"۔

فرمایا:

استصغار الدنيا۔[810]

"دنیا کی نظر میں ہیچ ہو جانا"۔

---

807 (مجموعة الرسائل والمسائل لابن تيمية، ج ا، ص ٢٢٠)

808 (الرسالة القشيرية، ص ٥٥، جامع العلوم والحكم، ص ٢٩١)

809 (الزهد الكبير للبيهقي، ج ا، ص ٢٣)

810 (الزهد الكبير للبيهقي، ج ا، ص ٢٣)

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا:

ماحد الزھد؟[811]

"زہد کی انتہا کیا ہے؟"۔

فرمایا:

أن یکون شاکرا في الرضا، صابرا في البلاء۔[812]

"جب وہ راضی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور جب کوئی مصیبت آ پہنچے تو صبر کرے"۔

ابن قیم رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

الزھد فراغ القلب من الدنیا لا فراغ الیدین منھا۔[813]

"زہد اس کا نام نہیں ہے کہ ہاتھ مال سے خالی ہوں، بلکہ دل میں مال کی محبت نہ ہو اس کا نام زہد ہے"۔

احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انما الزھد ان تفرغ قلبک للاٰخرۃ۔

"تو اپنے دل کو آخرت کے لیے فارغ کر دے یہ تیرے لیے آخرت کی تیاری ہے، اور اس کا نام زہد ہے"۔

بعض نے فرمایا:

تفریغ القلب من شواغل الدنیا کی تصل الی مرضاۃ ربہ جل و علا۔

"دل کو دنیا کے مشاغل سے فارغ کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچ سکیں، یہ زہد ہے"۔

---

811 (الزھدالکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۱۲)

812 (الزھدالکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۱۲)

813 (عدۃ الصابرین، ص ۲۲۶)

شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور بات بڑے مزے کی کہی، وہ فرماتے ہیں، زہد یہ ہے کہ:

تحویل القلب من الاشیاء الیٰ رب الاشیاء۔[814]

اشیاء سے دل کو پھیر کر رب اشیاء کے ساتھ دل اٹکا لینا اس کا نام زہد ہے"۔

زہد کی تین اقسام

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اَلزُّھْدُ ثَلَاثَۃُ اَصْنَافٍ۔

"زہد کی تین قسمیں ہیں"۔

شہوات سے پرہیز کرنا

اسے اَلزُّھْدُ الْفَرْضُ کہا گیا ہے۔ زہد کا فرض درجہ یہ ہے کہ حرام چیزوں سے زہد اختیار کرے، یہ عوام کا زہد ہے۔

مباحات سے پرہیز کرنا

اسے اَلزُّھْدُ السَّلَامَۃُ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ زہد جس میں سلامتی ہے، جس سے انسان بچا رہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں سے زہد اختیار کرے۔ یہ خواصِ امت کا زہد ہے۔

طیبات سے پرہیز کرنا

پاکیزہ چیزوں سے پرہیز کرنا اسے اَلزُّھْدُ الْفَضْلُ کہا گیا ہے، یعنی وہ زہد جس میں فضیلت ہے، اور یہ حلال سے زہد اختیار کرنا ہے۔ یہ زُھْدُ الْعَارِفِیْنَ یعنی عارفین امت کا زہد ہے۔[815]

---

814 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۵۴)

815 (حلیۃ الاولیاء، ج ۱۰، ص ۱۳۷، الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۳۲)

مالداری کے باوجود زہد

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے ایک اچھا سوال پوچھا، کہا:

مَنْ مَعَهُ مَالٌ هَلْ يَكُوْنُ زَاهِدًا؟۔

"ایسا ممکن ہے کہ انسان کے پاس مال بھی ہو اور وہ زاہد بھی ہو؟"۔

یہ ہمارے آج کے حال کے مطابق سوال ہے، اس میں ہمارے لیے رہنمائی ہے۔ پوچھنے والے نے پوچھا: حضرت! کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان کے پاس مال بھی ہو اور اس کا نام زاہدوں میں شمار بھی ہو؟۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

إن كان لا يفرح بزيادته ولا يحزن بنقصه فهو زاهد۔[816]

"اگر تو بہت زیادہ مال ہونے سے بندے کا دل آپے سے باہر نہیں آتا اور نقصان ہونے سے اس کے اندر مایوسی نہیں آتی تو مایوسی کے باوجود وہ انسان زاہد کہلاتا ہے"۔

اس لیے امام ابو العزائم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

تَزَوَّجْ اَجْمَلَ النِّسَاءِ وَ افْرُشْ اَفْخَرَ الفِرَاشِ وَ كُلْ اَشْهَى الطَّعَامِ وَ اشْرَبْ اَشْهَى الشَّرَابِ هٰذَا لَا يُؤَثِرُ فِيْ زُهْدِكَ عِنْدَاللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

"تم سب سے زیادہ خوبصورت عورتوں سے نکاح کرو، تم نرم ترین بستروں پر رات کو سو، لذیذ کھانے کھاؤ اور بہت ہی ذائقے دار مشروب پیو، اللہ کے ہاں یہ تمہارے زہد میں کمی کا باعث نہیں ہوتا"۔

---

[816] (جامع العلوم الحکم، ص ۲۹۱)

سب نعمتوں کے باوجود اگر تمہارے دل میں مال کی محبت نہیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں تم زاہد کہلاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ یہ تو نہیں چاہتے کہ بندہ ننگا رہے، بھوکا پیاسا رہے، بے گھر رہے، گھر نہ ہو۔ شریعت ایسی ہوتی تو دنیا کے لوگ اسے ناقابل عمل قرار دے دیتے۔ مومن سادھو نہیں ہوتا۔ مومن کی یہی شان ہے کہ وہ رہتا بھی دنیا میں ہے، دنیا کی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے، مگر دنیا میں رہتے ہوئے اپنے رب سے غافل نہیں ہوتا۔

بشر بن حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا تَرْكَ الدُّنْيَا اِنَّمَا الزُّهْدُ اَنْ يَّزْهَدَ فِيْ كُلِّ مَاسِوَى اللهِ۔

”زہد دنیا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے، بے شک زہد تو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بے پرواہ ہونے کا نام ہے“۔

اور آگے انہوں نے دلیل دی:

هذا داود و سليمان عليهما السلام - قد ملكا الدنيا و كانا عند الله من الزاهدين۔[817]

”دیکھو! داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دنیا کے بادشاہ تھے، اور اللہ کے نزدیک دونوں زاہدین میں سے تھے“۔

تو دنیا کے بادشاہ بھی ہیں اور اللہ رب العزت کے نزدیک ان کا نام زاہدین میں بھی شامل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زہد کا پیمانہ

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دونوں فقیر تھے، غریب تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مال آتا تھا تو خرچ کر دیتے تھے۔ ساری عمر ان کو

---

[817] (الزهد الكبير للبيهقي، ج ۱، ص ۵۳)

زکوٰۃ دینے کا موقع ہی نہ ملا۔ بھئی! نصاب پورا سال پاس ہو گا تو زکوٰۃ ہو گی۔ سوچیئے! کہ پوری زندگی زکوٰۃ دینے کا موقع ہی نہ آیا۔ جو آتا تھا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ظاہر میں غربت کے ہیں، مگر زاہدین میں شامل ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے امراء میں سے تھے، اور ان کا نام بھی زاہدین میں شامل ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک دفعہ ایسے وقت میں غلہ آیا، جب مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف میں قحط پڑا ہوا تھا۔ مختلف تاجر آگئے کہ جی! آپ ایسا کریں کہ یہ غلہ ہمیں بیچ دیں، زیادہ منافع لے لیں، ہمارے ساتھ بزنس کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا دو گے؟ تاجروں نے کہا کہ ہم آپ کو دوگنا منافع دیں گے، ایک روپے کے بدلے دو روپے دیں گے۔ کہنے لگے تھوڑا ہے۔ انہوں نے کہا: اچھا ایک کے بدلے تین دے دیں گے، کہا: نہیں تھوڑا ہے۔ اچھا چار گنا منافع دے دیں گے۔ فرمایا: نہیں! تھوڑا ہے۔

وہ سارے تاجر سر پکڑ کے بیٹھ گئے کہ عجیب بات ہے۔ اس وقت ہم اتنا منافع دے رہے ہیں کہ کوئی سوچ نہیں سکتا اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں! اس سے بھی زیادہ منافع چاہیئے۔ تو ایک نے پوچھا کہ جی! آپ چاہتے کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے جو نفع دے رہے ہیں، وہ بہت تھوڑا ہے۔ میرے پاس ایک گاہک ہے، جو اس سے زیادہ نفع دے رہا ہے۔ تو ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ کیا کوئی ہم سے زیادہ منافع دیتا ہے۔ تو ان لوگوں کی آنکھیں کل گئیں کہ کیا کوئی ایسا ہے جو ہم سے زیادہ منافع دے رہا ہے۔ سو کی بجائے چار سو، ہزار کے بجائے چار ہزار، اتنا پرافٹ کوئی دے رہا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، پوچھنے لگے کہ کون؟ کہنے لگے: میرا پروردگار، ایک کے بدلے کم از کم مجھے

دس گنا دیتا ہے۔ آپ نے حکم دیا، جتنا قافلہ تھا، یعنی سو سے زیادہ غلے کے اونٹ تھے، فرمایا: سب کو مدینہ کے غرباء میں تقسیم کر دو۔ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔ وہ اتنے مال کے باوجود زاہد تھے، سبحان اللہ!

سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات مبارکہ میں ماشاء اللہ خوب نکاح کیئے ایسا لگتا ہے کہ اللہ رب العزت نبی کریم ﷺ کی نسل آگے ان سے چلوانا چاہتے تھے۔ بہت لوگ تمنا کرتے تھے کہ میری بیٹی سے نکاح کر لیں، میری بہن سے نکاح کر لیں، تاکہ جو اولاد ہو تو نبی ﷺ کی طرف نسبت ہو اور وہ سید کہلائیں۔ ایک وقت میں تو چار ہی بیویاں ہوتی تھیں، لیکن جب کسی کو فارغ کرتے تھے تو پھر دوسری بیوی کی تجویز آجایا کرتی تھی۔ تو ان کو ہر دوسرے چوتھے دن نکاح کی ضرورت پیش آجایا کرتی، مگر اس سب کے باوجود ان کا نام زاہدین میں شامل ہے۔ ذرا غور کیجیئے کہ انسان ہر مہینے شب زفاف بھی گزار رہا ہو، اور زاہدین میں نام بھی لکھا جا رہا ہو۔

معلوم ہوا کہ صرف مال کا ہونا، بیوی کا ہونا، گھر کا ہونا یہ چیز فیصلہ نہیں کرتی کہ یہ زاہد ہے۔ دل سے پتہ چلتا ہے کہ دل میں دنیا کی محبت ہے یا نہیں۔ اگر دل میں مال کی محبت نہیں ہو گی تو محل میں بیٹھ کر بھی یہ آدمی زاہد کہلائے گا، اور اگر دل میں محبت ہو گی تو درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ کر بھی یہ دنیادار ہی کہلائے گا۔ اسی لئے کہا گیا:

الزاهد الذي رفض الدنيا لحب الله عز و جل۔[818]

"زاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں دنیا کو ٹھکرا دے"۔

---

818 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۷۱)

زاہد کے فضائل

ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت خوبصورت بات کہی:

لئن حلفتم لي على رجل أنه أزهدكم لأحلفن لكم أنه خيركم۔[819]

"اگر تم کسی بندے کے بارے میں قسم اٹھا کر کہو کہ وہ بندہ سب سے بڑا زاہد ہے، میں قسم اٹھا کر کہوں گا کہ تم میں سے سب زیادہ بہتر ہے"۔

اللہ اکبر کبیرا! جو تم میں سے سب سے بڑا زاہد ہے، وہ تم میں سے سب سے زیادہ بہتر ہے۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا:

اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُعْطِيَ زُهْدًا فِيْ الدُّنْيَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ۔

"اگر تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زہد بھی دیا ہے اور اس کو کم گو بھی بنایا ہے"۔

فاقتربوا منه فإنه يلقي الحكمة۔

"اس بندے کے قریب ہو جاؤ، اس لئے کہ ایسے بندے کو حکمت کی باتوں کا الہام کیا جاتا ہے"۔[820]

"اس بندے کے قریب ہو جاؤ، اس لئے کہ ایسے بندے کو حکمت کی باتوں کا الہام کیا جاتا ہے"۔

جو زاہد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے علوم و معارف کو کہلوا دیتے ہیں۔

---

819 (الزهدلابن المبارک، ص ۱۹۳)

820 (شعب الايمان، حديث: ۱۰۰۵۲)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زاہد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أفضل الناس مؤمن مُزھد۔[821]

"لوگوں میں سب سے بہتر زاہد مُزہد ہے"۔

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زاہد اور مزہد میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلزَّاھِدُ قَلِیْلُ الرُّغْبَۃِ فِی الدُّنْیَا وَ الْمُزْھِدُ قَلِیْلُ الْمَالِ۔

"زاہد وہ ہے جس کو دنیا سے رغبت کم ہوتی ہے اور مزہد وہ ہوتا ہے جس کے پاس مال کم ہوتا ہے"۔

چنانچہ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الزاھد حقا من یخلو قلبه عن المرادات کما تخلو یده من الأسباب۔[822]

"جس طرح انسان اسباب سے ہاتھ کو خالی کرلیتا ہے، زاہد وہ ہوتا ہے جو مرادات سے اپنے دل کو خالی کرلیتا ہے"۔

یعنی لمبی تمنائیں نہ ہوں۔ ہاں اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان محنت نہ کرے، کوشش نہ کرے، کاروبار نہ کرے۔

اس لئے کہ حدیث پاک میں آتا ہے:

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة۔[823]

وہ تو ہمارے اوپر ایک فریضہ ہے کہ ہم نے رزق حلال کے لیے کوشش کرنی ہے۔ تو کام ہم نے کرنا ہے، لیکن جو مال و دولت اللہ تعالیٰ دیں بس اس پر صبر و شکر کرنا چاہیے۔ اب سوچیے کہ اگر کسی

---

821 (جامع الأحادیث للسیوطی حدیث: ۴۰۷۵)

822 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۲۶)

823 (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۹۹۹۳)

کے دل کی کیفیت ایسی ہوگی تو وہ تو کسی کی ایک پائی کا اپنے اوپر حق نہیں رکھے گا۔ آج تو بھائی، بھائی کو دھوکہ دے دیتا ہے، اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں دنیا کی محبت بھری ہوئی ہوتی ہے۔

چنانچہ ابو سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزَّاھِدُ حَقًّا لَا یَذُمُّ الدُّنْیَا وَ لَا یَمْدَحُھَا وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔

"حقیقی زاہد نہ تو دنیا کو برا بھلا کہتا ہے اور نہ ہی اس کی تعریف کرتا ہے اور نہ ہی اس پر نظر رکھتا ہے"۔

ولا یفرح بھا إذا أقبلت، ولا یحزن علیھا إذا أدبرت۔[824]

"اور نہ تو خوش ہوتا ہے جب وہ اس کی طرف آئے اور نہ غمگین ہوتا ہے جب وہ اس سے پھر جائے"۔

حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فضیلت کی وجہ

ایک اعرابی نے بصرہ کے لوگوں سے پوچھا:

مَنْ سَیِّدُ اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَةِ؟

"بھئی اس بستی والوں کا سردار کون ہے؟"۔

قَالُوْا: اَلْحَسَنُ۔

"انہوں نے کہا: ہمارے سردار حسن بصری ہیں"۔

قَالَ: بِمَ سَادَھُمْ؟

"پوچھا: بھئی! وہ سردار کیوں بنے؟"۔

---

824 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۵، حلیۃ الاولیاء، ج ۹، ص ۲۶۲)

قَالُوْ: اِحْتَاجَ النَّاسُ اِلٰی عِلْمِهٖ وَاسْتَغْنٰی هُوَ عَنْ دُنْیَاهُمْ۔[825]

"کہا گیا کہ لوگوں کو ان کے علم کی ضرورت ہے، اور وہ لوگوں کی دنیا سے مستغنی ہیں"۔

اس وجہ سے وہ سب کے سردار بن گئے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أدركت أقواما وصحبت طوائف ما كانوا يفرحون بشيء من الدنيا أقبل ولا يأسفون على شيء منها أدبر ولهي كانت في أعينهم أهون من التراب۔[826]

"میں نے ایسے لوگوں کو پایا، ان کو دولت ملتی تھی تو وہ آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے، اونچے بول نہیں بولتے تھے، فخریہ بات نہیں کرتے تھے، متکبر نہیں ہوتے تھے، اور اگر دنیا نہیں ملتی تھی تو وہ مایوس نہیں ہوتے تھے، اور ان کی نظر میں دنیا کی حقیقت اس مٹی سے بھی کم تھی جس کے اوپر وہ چلتے تھے"۔

مال و دولت کی اہمیت مٹی سے بھی تھوڑی تھی۔

زاہد اور عارف میں فرق

الحارث المحاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترک الدنیا مع ذکرها صفة الزاهدین، وترکها مع نسیانها صفة العارفین۔[827]

"دنیا کو چھوڑ دینا مگر اس کا تذکرہ کرتے رہنا زاہدین کی صفت ہے، اور اس کو ترک کر کے اس کو بھول جانا عارفین کی صفت ہے"۔

---

825 (جامع العلوم والحکم، ص ۳۰۱)

826 (احیاء علوم الدین، ج ٦، ص ۱۹۷)

827 (الزهد الکبیر للبیهقی، ج ۱، ص ۳۲۷)

وہ اس کو چھوڑتے ہیں تو اس کا تذکرہ ہی نہیں کرتے۔ ایک بندے نے رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے سامنے دنیا کی بڑی مذمت کی کہ یہ بہت بری ہے اور بہت گندی ہے۔ جب کچھ دیر کرتے رہے تو حضرت رابعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے فرمایا: یہاں سے چلے جاؤ، لگتا ہے تمہیں دنیا سے بہت محبت ہے جو تم اتنی دیر سے دنیا کا تذکرہ کر رہے ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر میں لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ما أبعد هديكم من هدى نبيكم صلى الله عليه وسلم أما هو فكان أزهد الناس في الدنيا وأما أنتم أرغب الناس فيها۔[828]

"کس قدر دوری ہے تمہارے اور تمہارے نبی ﷺ کے طرز میں! جہاں تک ان کا تعلق تھا تو وہ دنیا سے تم سب سے زیادہ بے پرواہ تھے، اور تم اس سے سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے لوگوں میں سے ہو"۔

زاہدین کی پانچ خصلتیں

حضرت سری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

خَمْسٌ مِنْ اَخْلَاقِ الزُّهَّادِ۔

"زاہدین کی پانچ خصلتیں ہوتی ہیں"۔

اَلشُّکْرُ عَلَی الْحَلَالِ۔

"وہ رزق حلال پر شکر ادا کرتے ہیں"۔

وَالصَّبْرُ عَنِ الْحَرَامِ۔

"اور حرام مال سے خود کو روکتے ہیں"۔

---

828 (مسند احمد، ج ۲۹، ص ۳۵۲)

وَلَا یُبَالِیْ مَتٰی مَاتَ۔

”اور ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ موت کب آئے گی“۔

وَلَا یُبَالِیْ مَنْ اَکَلَ الدُّنْیَا۔

”اور ان کو اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ کون دنیا کے مزے لوٹ رہا ہے“۔

وَیَکُوْنَ الْفَقْرُ وَ الْفَقْرُ وَ الْغِنٰی عِنْدَہٗ سَوَاءٌ۔

”اور فقراء اور غناء ان کے لئے برابر ہوتے ہیں“۔[829]

حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الزاھد من لم یطلب المفقود حتی یفقد الموجود۔[830]

”زاہد وہ ہے جو اس وقت تک گمشدہ چیز کو طلب نہیں کرتا جب تک موجود چیز کھو نہیں جاتی“۔

زاہد سب سے عقلمند

زاہد اللہ رب العزت کے ہاں بہت سمجھدار انسان ہوتا ہے۔ فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ وصیت کر جائے کہ میرے بعد میری وراثت ان لوگوں میں تقسیم کریں جو متوکلین ہوں، تو اس کے مال کو کاشتکاروں میں تقسیم کریں گے۔ چونکہ کاشتکار متوکل ہوتے ہیں۔ وہ دانہ زمین میں ڈال دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھُل لانا، لاوے یا نہ لاوے

---

829 (الزھدالکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۲٦)

830 (الزھدالکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۲٦)

بندہ تو پانی ہی دے سکتا ہے، اب اس کو پھل لگانا نہ لگانا یہ مالک کی مرضی ہوتی ہے۔ تو کاشتکار متوکل ہوتے ہیں۔

اور اگر اس نے یہ وصیت کی کہ میری وراثت ان لوگوں میں تقسیم کرو جو سب سے زیادہ سمجھدار ہوں، تو فرمایا کہ پھر زاہدین میں تقسیم کریں گے، کیونکہ زاہدین سب سے زیادہ عقلمند لوگ ہوا کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

طُوبیٰ لِلزَّاهِدِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَ الرَّاغِبِيْنَ فِي الْآخِرَةِ۔

”خوشخبری ہے دنیا سے زہد کرنے والوں اور آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے“۔

أُولٰئِکَ قَوْمٌ اتَّخَذُوا اَرْضَ اللّٰهِ بِسَاطًا وَ تُرَابَهَا فِرَاشًا وَ مَاءَهَا طِيْبًا۔

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمین کو بستر بنایا اور اس کی مٹی کو بچھونا بنایا اور اس کے پانی کو خوشبو بنایا“۔

وَ الْكِتَابَ شِعَارًا وَ الدُّعَاءَ دِثَارًا وَ رَفَضُوا الدُّنْيَا رَفْضًا عَلٰى مِنْهَاجِ الْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمَ۔[831]

”اور اللہ کی کتاب کو اپنا دستور عمل بنایا اور دعا کو اپنے لیے ڈھال بنایا اور دنیا سے خود کو اس طرح جدا کر دیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا“۔

مقصد یہ کہ جو ملا اسی پر قناعت کی، صبر کیا، اور اللہ رب العزت کی عبادت میں اپنے آپ کو مشغول رکھا۔ مستثنیٰ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان کے زہد کی وجہ سے اجر بھی زیادہ ملتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو قرب بھی زیادہ حاصل تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی تو کہا تھا کہ لوگو!

---

831 (شعب الایمان، ج۱۳، ص۱۷۹)

اَنْتُمْ اَطْوَلُ صَلاۃً وَّ اَکْثَرُ جِھَادًا مِنْ اَصحاب رسول اللہ وَھُمْ کَانُوْا اَعْظَمَ اَجْرًا مِنْکُمْ۔

”تم نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ سے زیادہ لمبی نمازیں پڑھنے والے اور زیادہ جہاد کرنے والے ہو، حالانکہ وہ تم سے زیادہ اجر پانے والے ہیں“۔

قَالُوْا: لِمَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنْ؟

”لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیوں؟“۔

قال: إنهم كانوا أزهد في الدنيا وأرغب في الآخرة۔[832]

”فرمایا کہ وہ تمہارے مقابلے میں دنیا سے زیادہ بے پرواہ تھے اور آخرت سے زیادہ رغبت رکھنے والے تھے“۔

دنیا سے ان کا دل کٹ گیا تھا آخرت سے ان کا دل جڑ گیا تھا، اس لئے وہ تھوڑے عمل کرتے تھے، ثواب تم لوگوں سے زیادہ پالیتے تھے۔

دنیا کی محبت جہنم میں جانے کا سبب

دنیا کی محبت کے ساتھ انسان جتنا مرضی نیک عمل کرلے، اس کے بخشے جانے کی امید نہیں ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی محبت اللہ رب العزت کو ناپسند ہے۔ اور جب ناپسندیدہ چیز انسان کے اندر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا مقبول کس طرح بن سکتا ہے؟۔

زہد کے ساتھ تھوڑی سی عبادت انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیتی ہے۔

لو رأت أعين الزاهدين ثواب ما أعد الله لأهل الإعراض عن الدنيا لذابت أنفسهم شوقا واشتياقا إلى الموت لينالوا من ذلک ما أملوا من فضله تبارک وتعالی۔[833]

---

[832] (الزھد لابی داؤد، ج ۱، ص ۱۳۵)

[833] (ذم الدنیا لابن ابی الدنیا، ص ۴۳)

"اگر زاہدین کی آنکھیں وہ اجر دیکھ لیتیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے اعراض کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے، تو وہ مرنے کے شوق میں اپنے آپ کو گھلا بیٹھتے، تاکہ ان مقامات کو جلدی حاصل کر لیں"۔

زہد کے حصول میں معاون اسباب

علماء نے بعض ایسے اسباب کی نشاندہی کی ہے جو زہد کے حصول میں معاون ہوتے ہیں:

النظر فی الدنیا و سرعة زوالها و فنائها۔

"اس بات پر غور کرنا کہ دنیا کتنی تیزی سے گھٹتی اور فنا ہوتی ہے"۔

النظر فی الآخرة و دوامها و بقائها۔

"اس بات پر غور کرنا کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے"۔

الاکثار من ذکر موتها۔

"کثرت سے موت کا ذکر کرنا"۔

جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أكثروا ذكر هاذم اللذات يعني الموت۔[834]

"لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو یاد کرو، جو کہ موت ہے"۔

تَشْيِيعُ الْجَنَائِزِ۔

"جنازوں میں حصہ لینا"۔

إِعْمَارُ الْأَوْقَاتِ بِالذِّكْرِ۔

"ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنا"۔

---

[834] (ترمذی، حدیث:۲۳۰۷)

اِیْثَارُ الْمَصَالِحِ الدِّیْنِیَّةِ عَلَی الْمَصَالِحِ الدُّنْیوِیَّةِ۔

"دین کے فائدے کو دنیا کے فائدے پر ترجیح دینا"۔

اَلْاِنْفَاقُ وَ کَثْرَۃُ الصَّدَقَاتِ۔

"اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور کثرت سے صدقہ خیرات کرنا"۔

تَرْکُ مَجَالِسِ اَھْلِ الدُّنْیَا وَ الْاِشْتِغَالُ بِمَجَالِسِ الْاٰخِرَۃِ۔

"دنیا داروں کی محفلوں کو چھوڑنا اور ایسی مجالس میں خود کو مصروف کرنا جو آخرت کی یاد دلائیں"۔

اَلْاِقْلَالُ مِنَ الطَّعَامِ وَ النَّوْمِ وَ الضِّحْکِ وَ الْمِزَاحِ۔

"کھانا، سونا اور ہنسی مذاق کم کرنا"۔

مُطَالِعَةُ سِیْرَۃِ النَّبِیِّ ﷺ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَخْبَارِ الزَّاھِدِیْنَ۔

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ماضی کے زاہدین کے حالات زندگی پڑھنا"۔

زاہدین کی صفات

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ زاہد کی صفات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا:

اَلزَّاھِدُ۔

قُوْتُہٗ مَا وَجَدَ۔

"زاہد کا توشہ وہی ہوتا ہے جو اس کو مل جائے"۔

وَ مَسْکَنُہٗ حَیْثُ اَدْرَکَ۔

"اور اس کا ٹھکانہ وہی جگہ ہوتی ہے جہاں وہ پہنچ جائے"۔

وَلِبَاسُهٗ مَاسَتَرَ عَوْرَتَهٗ۔

"اور اس کا لباس وہ ہوتا ہے جو اس کے ستر کو ڈھانپ لے"۔

وَالدُّنْیَاسِجْنُهٗ۔

"اور دنیا اس کے لئے قید خانہ ہوتی ہے"۔

وَالْفَقْرُ ضَجِیْعُهٗ۔

"اور فقر اس کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے"۔

وَالْخَلْوَةُ مَجْلِسُهٗ۔

"اور اکیلا پن ہی اس کی مجلس ہوتی ہے"۔

اَلشَّیطَانُ عَدُوُّهٗ۔

"شیطان اس کا دشمن ہوتا ہے"۔

وَالْقُرْآنُ اُنْسُهٗ۔

"اور قرآن سے اس کو محبت ہوتی ہے"۔

وَاللّٰهُ هَمُّهٗ۔

"اور اللہ اس کا غم ہوتا ہے"۔

وَالذِّكْرُ رَفِیْقُهٗ۔

"اور ذکر اس کا دوست ہوتا ہے"۔

وَالزُّهْدُ قَرِیْنُهٗ۔

"اور زہد اس کا ساتھی ہوتا ہے"۔

وَالْحِكْمَةُ سِلَاحُهٗ۔

"اور حکمت اس کا ہتھیار ہوتا ہے"۔

وَالصَّمْتُ كَلَامُهٗ۔

”اور خاموشی اس کا کلام ہوتی ہے“۔

وَالْعِلْمُ قَائِدُهٗ۔

”اور علم اس کا رہنما ہوتا ہے“۔

وَالصَّبْرُ وِسَادَتُهٗ۔

”اور صبر اس کا بچھونا ہوتا ہے“۔

وَالتَّوْبَةُ فِرَاشُهٗ۔

”اور توبہ اس کا بستر ہوتا ہے“۔

وَالْيَقِيْنُ صَاحِبُهٗ۔

”اور یقین اس کا ساتھی ہوتا ہے“۔

وَالصِّدِّيْقُوْنَ اِخْوَانُهٗ۔

”اور صدیق اس کے بھائی ہوتے ہیں“۔

وَالعَقْلُ دَلِيْلُهٗ۔

”اور عقل اس کی دلیل ہوتی ہے“۔

وَالتَّوَكُّلُ كَسْبُهٗ۔

”اور توکل اس کی کمائی ہوتی ہے“۔

وَالْعَمَلُ شُغْلُهٗ۔

”اور نیک اعمال اس کی مشغولیت ہوتے ہیں“۔

وَالْعِبَادَةُ حِرْفَتُهٗ۔

”اور عبادت اس کا پیشہ ہوتی ہے“۔

وَالتَّقْوٰی زَادُہٗ۔

”اور تقویٰ اس کے لئے زادِ راہ ہوتا ہے“۔

وَالبِرُّ مَطِیَّتُہٗ۔

”اور نیکی اس کی سواری ہوتی ہے“۔

وَالْمَعْرِفَۃُ وَزِیْرُہٗ۔

”اور معرفت اس کی نائب ہوتی ہے“۔

وَالْجَنَّۃُ مَنْزِلُہٗ۔

”اور جنت اس کی منزل ہوتی ہے“۔

وَاللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ مُعْتَمَدُہٗ۔

اور اللہ رب العزت کی ذات اس کا بھروسہ ہوا کرتی ہے“۔[835]

جس شخص میں یہ تمام نشانیاں ہوں وہی حقیقی زاہد ہوتا ہے۔

(مقامات سلوک، ص ۱۰۱ تا ۱۳۳)

زہد سے محبت ملتی ہے

جو دنیا سے اعراض کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی مقبول بن جاتا ہے۔ اور مخلوق کا بھی مقبول بن جاتا ہے۔

---

835 (الزھد الکبیر للبیھقی، ج ۱، ص ۸۸)

حدیث مبارکہ ہے:

ازهدفي الدنيايحبک اللهوازهدفيمافي أيدي الناس يحبک الناس۔[836]

ترجمہ: تم دنیا سے بے پرواہ ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تم بھی بے پرواہ ہو جاؤ اس سے جو لوگوں کے پاس ہے، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

معلوم ہوا کہ زاہد کو خالق اور مخلوق دونوں کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

(مقامات سلوک، ص ۱۴۰)

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الزهداستصغار الدنياومحو آثارهامن القلب۔"

زہد دنیا کو حقیر جاننے اور دل سے اس کے اثرات کو مٹانے کا نام ہے۔[837]

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے کا نام ہے نہ کہ صرف ہاتھوں کو خالی کرنے کا نام ہے اور یہ عارفین کا زہد ہے اور اس سے اعلیٰ مرتبہ مقربین کے زہد کا ہے کیونکہ یہ لوگ ماسوی اللہ ہر چیز حتیٰ کہ جنت وغیرہ سے بھی زہد اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصال کے متمنی ہوتے ہیں۔[838]

پس زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت سے بھر دینے کا نام ہے۔ دل دنیا کے مشاغل اور اس کی زیب و آرائش سے جتنا خالی ہو گا اتنی ہی دل میں اس کی محبت اور معرفت زیادہ ہو گی اسی وجہ سے عارفین نے زہد کو قرب ووصال کا وسیلہ اور اس کی محبت و رضاء کے حصول کی شرط قرار دیا ہے۔ زہد وسیلہ اور شرط تو ہے لیکن وہ بالذات غایت مقصودہ نہیں۔

---

836 (معجم الكبير للطبرانی، حديث: ۵۹۷۲)

837 (رسالہ قشیریہ ص ۵۶)

838 (الفتوحات الوهبية بشرح الأربعين حديث النووية للشيخ إبراهيم الشبرخيتى)

زہد کا شرعی ثبوت

بعض لوگوں نے اسلام میں زہد کے وجود کی قطعًا نفی کر دی ہے اور انہوں نے زہد کو بدعت اور دین میں اجنبی چیز قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ دین میں نصرانی رہبانیت اور عجمی لوگوں کی پوجا پاٹ کے ذریعے سے داخل ہوا ہے۔ اس میں قطعًا شک نہیں کہ ان کا نقطۂ نظر حقیقتِ اسلام سے جہالت کی بنا پر ہے کیونکہ اگر یہ منکرین احادیثِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے صراحتًا زہد کی دعوت دی ہے اور اسے محبتِ الٰہی کے حصول کیلئے وسیلہ قرار دیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ! دلنی علی عمل اذا عملته احبنی اللہ واحبنی الناس قال له ازهد فی الدنیا یحبک اللہ وازهد فیما فی ایدی الناس یحبوک۔

یعنی یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”دنیا سے زہد اختیار کر، تو اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے زہد اختیار کرے گا تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔“[839]

اس کے علاوہ جب مؤمن قرآن پاک کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کون کونسی آیات ہیں جو دنیا کی شان کی حقارت کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں اور اس کے جلد

---

[839] (رواہ ابن ماجه فی کتاب الزهد)

زوال پذیر ہونے اور اس کی نعمتوں کے عارضی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ یہ دنیادار غرور اور غافلین کیلئے فتنہ ہے۔

دنیا کی یہ تمام صفات بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ دلوں سے اس کی محبت کو نکال دیں تاکہ یہ دنیااللہ تعالیٰ کی معرفت اور دینی احکام کو سرانجام دینے میں حائل نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): "یَا أَیُّهَا النَّاس إنَّ وَعْدَاللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاوَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغَرُوْر (فاطر ۵)

"اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا افریبی۔"

(۲): وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا إلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَإنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (عنکبوت ۶۴)

"اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو ولعب اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔"

(۳): اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا (کهف ۴۶)

"مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہیں اور (در حقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے۔"

اور اسی طرح دیگر کثیر آیات اسی معنی و مفہوم کو بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ

صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دنیا سے کنارہ کشی اور اس کی زیب وآرائش سے منہ موڑنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم دنیا کی شان کی حقارت اور اس کی فتنہ انگیزیوں کو واضح کرتے ہیں اور اس سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا مقصود یہی ہے کہ دنیا انہیں ان کے مقصودِ حقیقی جس کیلئے ان کی تخلیق ہوئی ہے سے غافل نہ کردے اور ان کو اس عظیم مقدس پیغام سے دور نہ کردے جس کی نشرواشاعت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر پڑنے والی ہے۔ اس لئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ان پر واضح کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ہمارے لئے امتحان اور آزمائش بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اس کی رضا کے حصول کیلئے اعمال سرانجام دیتے ہیں یا اس کے برخلاف۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

عن أبي سعيد الخدری رضی اللہ تعالی عنه إنَّ الدُّنیا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وإنَّ اللہ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيها، فَيَنْظُرُ كيفَ تَعْمَلُونَ، فاتَّقُوا الدُّنْيا واتَّقُوا النِّساءَ۔

"بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں نائب بنایا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔"[840]

کبھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی ٹھکانہ ہے تاکہ وہ اس دنیا کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کردے۔

---

[840] (أخرجه مسلم في كتاب الذكر والدعاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے دستِ اقدس کو میرے کندھے پر رکھا اور ارشاد فرمایا:

وکُنْ فِي الدُّنیا کأنّکَ غَرِیبٌ، أو عابِرُ سَبِیلٍ۔ [841]

"دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم پردیسی ہو یا مسافر"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی وضاحت میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، اپنی صحت کی حالت میں حالتِ مرض کیلئے اور زندگی میں موت کیلئے کچھ عمل کرلے۔ [842]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک چٹائی پر استراحت فرمائی، جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو مبارک پر چٹائی کے نشان واضح تھے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! اگر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اجازت دیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیلئے نرم بچھونا تیار کرلیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

مالي وللدُّنیا ما أنا في الدُّنیا إلّا کراکبٍ استظلّ تحتَ شجرۃٍ ثمّ راحَ وترَکَھا۔

میرا اس دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ میں دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے کے نیچے آرام کرتا ہے اور پھر کوچ کرجاتا ہے اور اس کو وہیں چھوڑ جاتا ہے۔ [843]

---

841 شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٦١٥٦ •إسناده صحيح على شرط الشيخين •أخرجه البخاري (٦٤١٦)، والترمذي (٢٣٣٣)، وابن ماجه (٤١١٤) مطولاً، وأحمد (٦١٥٦) واللفظ له

842 (أخرجه البخاری فی کتاب الرقاق)

843 (أخرجه الترمذی فی کتاب الزهد وقال حدیث صحیح)

اور کبھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

عن سهل بن سعد الساعدي رضی اللہ تعالیٰ عنه قال النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله وَسلَّم لو کانتِ الدنیاتعدلُ عنداللهِ جناحَ بعوضةٍ ماسقی کافرًا منهاشربةَماءٍ۔[844]

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔

یہ وہ بہترین راہ ہے جس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے خلفاء اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم گامزن رہے۔ اس کی وجہ سے ان کے دل دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے اس دنیا میں زہد کو اختیار کیا۔ ان کی زندگی میں فقر وفاقہ اور مصائب وآزمائش کے مراحل بھی آئے لیکن حکمِ الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے صبر ورضا کے پیکر بن گئے۔ پھر دنیا ذلیل ہو کر ان کی بارگاہ میں آگئی اور اپنے خزانوں اور ان کی چابیوں کو ان کے سامنے ڈال دیا لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ اور آخرت کا ذریعہ بنا دیا۔ دنیا نے ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول نہیں کیا اور ان کو تکبر غرور اور عیاشی یا بخل اور کنجوسی میں مبتلا نہیں کیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا تمام مال پیش کر دیا۔

---

[844] (ترمذی فی کتاب الزھد عن سھل بن سعد الساعدی وقال: حدیث حسن صحیح)

اور جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے پوچھا:

”وجاءَ أبو بَكْرٍ بمالٍ كثيرٍ، فقالَ رسولُ الله صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم ماتركْتَ لأَهْلِكَ؟ قالَ: تَرَكْتُ لَهُمُ اللهَ ورسولَهُ“۔

اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو چھوڑ آیا ہوں۔[845]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تو اس میدان میں خاص مقام ہے۔ اللہ تعالٰی کی راہ میں خرچ کرنے اور زہد میں آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام بطور ضرب المثل لیا جاتا ہے۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ وہ ذات ہیں جنھوں نے جیشِ عسرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور اللہ تعالٰی کی رضا کیلئے اپنے اموال کی پرواہ کئے بغیر اس کی راہ میں مال خرچ کیا۔ آپ کی اس قربانی ایثار اور دنیاوی مال سے بے رغبتی دیکھ کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے آپ کے بارے میں فرمایا:

ماضَرَّ عثمانَ ماعَمِلَ بعدَاليومِ مرتين۔

”آج کے بعد کوئی عمل بھی عثمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔“[846]

سیرت کی کتب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے صحابہٗ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زہد کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف چند واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔

---

[845] (أبو داؤد فی کتاب الزکاة و الترمذی فی کتاب المناقب، ابن کثیر (ت ۷۷٤)، مسند الفاروق ۱/۲٦٤)

846 (ترمذی، کتاب المناقب رقم الحدیث ۳۷۰۱)

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے تین کپڑے نہ اپنے گھر میں استعمال کئے اور نہ گھر سے باہر اور یہی حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اور جب وہ احرام باندھتے تو ان کے پاس ایک تہبند اور ایک چادر ہوتی اور شاید ان کی قیمت تمہاری ایک قمیص کے برابر ہو۔ میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے دستِ مبارک سے کپڑوں کو پیوند لگائے اور میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی عبا کو کانٹوں سے سیا ہوا تھا اور میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے جبہ کو چمڑے کا پیوند لگاتے تھے حالانکہ وہ اس وقت امیر المؤمنین تھے لیکن آج کل یہ دور ہے کہ میں تم میں سے بہت سے اشخاص کو جانتا ہوں کہ وہ سو درہم انعام میں دے دیتے ہیں اور اگر میں ہزار کہوں تو یہ بھی مبالغہ نہ ہو گا۔[847]

حضرت حفصہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی اے امیر المؤمنین! کاش آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اس کپڑے سے نرم کپڑا پہنتے اور کاش اپنے اس کھانے سے عمدہ کھانا کھاتے اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رزق میں وسعت دی ہے اور بہت مال عطا فرمایا ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم خود ہی فیصلہ کرو کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کتنی سخت زندگی گزارا کرتے تھے۔ آپ انہیں وہ حالات یاد کراتے رہے، حتیٰ کہ انہیں رلا دیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں فرمایا، قسم بخدا!

---

[847] (سیرت عمر ابن الخطاب، ص ۱۰۲)

اگر میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی سخت زندگی گزاری تو پھر شاید ان کی خوش حال زندگی کو پا سکوں گا۔[848]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن خطبۂ جمعہ کیلئے دیر سے تشریف لائے تو پھر اپنی تاخیر کی معذرت کی۔ فرمایا میں اپنے ان کپڑوں کو دھونے میں مشغول ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی کپڑے دھو کر پہن لیا کرتے تھے کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دوسرے کپڑے نہ تھے۔[849]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات طیبہ وہ کامل عملی نمونہ ہے جس پر اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عمل پیرا ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ زہد، عفت، پاکیزگی اور استقامت میں اپنی مثال آپ تھے۔

زہد کا صحیح مفہوم

زہد کی سابقہ تعریفات اور اس کے شرعی جواز سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زہد ایک قلبی مرتبہ ہے کیونکہ اس سے مراد دل سے دنیا کی محبت کو نکالنا ہے۔ اس حیثیت سے کہ زاہد اپنے دل کے ساتھ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ ہی اس مقصد سے دور ہو جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ زہد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مؤمن دنیا کو خیر باد کہہ کر مال سے اپنے ہاتھ کو خالی کر لے اور کسبِ حلال کو ترک کر کے دوسروں پر بوجھ بن جائے۔

---

[848] (سیرت عمر ابن الخطاب، ص ۱۰۴)

[849] (سیرۃ عمر بن خطاب، ص ۱۰۲)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے زہد کے مقصودِ حقیقی کو واضح کیا ہے۔ جیسا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر تیرا اور زیادہ یقین اور اعتماد ہو اس چیز سے جو تیرے ہاتھ میں ہے اور تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ رغبت رکھنے والا ہو۔[850]

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مال سے مکمل اجتناب کرنا زہد نہیں کہلاتا بلکہ زہد یہ ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا تیرے نزدیک دونوں برابر ہوں اور تیرا دل مال کی طرف مائل نہ ہو۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم زاہدوں کے سردار ہونے کے باوجود گوشت، حلوہ اور شہد تناول فرماتے تھے۔ عورتیں، خوشبو اور اچھے کپڑے سے محبت فرماتے تھے۔ اس لئے اے سالک! اس پاکیزہ رزق کو بغیر اسراف اور تکبر کے استعمال کر اور راہبوں کے زہد سے بچ۔[851]

اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے زہد کے بارے میں یہی رائے ہے کہ قلبی مرتبہ ہے۔

حضرت عمرو بن عثمان مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی بنیاد اور اساس دل میں ہے اور اس سے مراد دنیا کو حقیر جاننا اور قلب کی نظر کے ساتھ اسے دیکھنا ہے اور یہی زہد کی حقیقت اور اصل ہے۔[852]

---

[850] (أخرجہ الترمذی فی کتاب الزہد عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
[851] (فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوی ج۴ ص ۷۲)
[852] (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۲۰۳)

غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہد کے مفہوم کو بڑے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اخرج الدنیا من قلبک دعھا فی یدک او فی جیبک فانھا لا تضرک"

"یعنی دنیا کو اپنے دل سے نکال دو اور اس کو اپنے ہاتھ یا جیب میں رکھ لو تو یہ تمہیں نقصان نہیں دے گی۔"[853]

کسی عارف نے اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔ زہد یہ نہیں کہ تو دنیا کو اپنے ہاتھ سے تو ترک کر دے لیکن وہ تیرے دل میں موجود رہے بلکہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو اپنے دل سے نکال دے۔ خواہ وہ تیرے ہاتھ میں موجود رہے۔

اسی وجہ سے ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زہد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"ھو خلو القلب من التعلق بغیر الرب"۔

یعنی زہد رب کے علاوہ ہر تعلق سے دل کو خالی کرنے کا نام ہے۔[854]

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زہد کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ زہد حقیقی یہ ہے کہ تو رزق حلال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور طلب حرام سے اپنے نفس کو روکے اس رزق پر قناعت کرتے ہوئے جو رب نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ جب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مؤمن کے زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اس کا زہد یہ ہے کہ رزق حلال اس کے شکر پر غالب نہ ہو اور نہ ہی حرام اس کے صبر پر۔[855]

---

[853](الفتح الرّبّانی)
[854](معراج التشوف ص ۷)
[855](النھایۃ فی غریب الحدیث)

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ میں جو دنیا کی مذمت کی گئی ہے اس سے مقصود اس کی ذاتی مذمت نہیں ہے بلکہ یہ تو دل کو دنیا کے ساتھ لگا لینے سے بچانے کیلئے تنبیہہ و تحذیر کی گئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مؤمن اس کو اپنا مقصودِ اصلی بنالے اور اپنے مقصودِ حقیقی یعنی رضائے الٰہی کو بھول جائے۔ وہ دنیا بہت اچھی ہے جو مؤمن کیلئے قربِ الٰہی کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ وہ دنیا کتنی بری ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ دنیا کی مذمت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی کیونکہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ جس نے شرعی قوانین کا لحاظ کرتے ہوئے دنیا سے کچھ اخذ کیا، تو یہ اس کی آخرت کیلئے معاون ہو گی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ اسے کسی پر ترس نہیں آتا اور نہ ہی اس کو بالکل چھوڑ دو کیونکہ آخرت کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں۔[856]

زہد تک رسائی کا طریقہ

چونکہ زہد ایک عظیم الشان قلبی مقام ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مقام کو خالی کیا جاتا ہے، اس لئے اس تک رسائی حاصل کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کیلئے بڑی محنت اور وسائل کی ضرورت ہے اور ان میں سب سے اہم مرشد کامل کی صحبت ہے جو سالک کو اس کے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور اس کیلئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے اور بڑی حکمت و دانائی سے اس کو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے اور اس کے پاؤں کو پھسلنے سے بچاتا رہتا ہے۔

بعض لوگ اس سلسلہ میں خطا کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے زہد کو اپنا مقصود اور غایت بنالیا۔ پیوند شدہ کپڑے پہنے ناقص غذا استعمال کی کسبِ حلال کو ترک کر دیا اور مالداروں پر حسد کرنے لگے

---

[856] (فیض القدیر ج ۳ ص ۵۴۵)

حالانکہ ان کے اپنے دل دنیا کی محبت سے لبریز تھے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ایسا کرنے سے زاہد بن گئے اور اس خطا میں واقع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بغیر مرشدِ کامل کی صحبت کے اس راہ پر نکلے تھے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد، دل کو دنیاوی محبت سے خالی کر دینے کا نام ہے کہ نہ صرف ہاتھ خالی کرنے کا نام ہے۔ بعض جاہل لوگوں نے کسبِ حلال سے اجتناب کو زہد سمجھ لیا اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے ان کے حقوق کو ضائع کیا اور قطع رحمی کے مرتکب ہوئے اور اغنیاء سے نفرت کی حالانکہ خود ان کے دل غنا کی خواہش سے لبریز تھے اور ان جاہلوں نے یہ نہ جانا کہ زہد کا تعلق دل سے ہے اور اصل زہد دلی خواہشات کو مارنا ہے لیکن جب انہوں نے ظاہری اعضاء کے ساتھ دنیا سے کنارہ کشی کر لی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کامل زاہد بن گئے ہیں اور اپنے اس خشک زہد کی وجہ سے بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف زبان طعن دراز کی۔[857]

اور اس کے مقابلہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا اور اس کی لذات میں مستغرق ہیں۔ ان کے دل اس کی محبت سے معمور ہیں اور اپنا تمام وقت دنیاوی مال جمع کرنے میں صرف کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی گمان کرتے ہیں کہ ان کو قلبی زہد حاصل ہے اور صرف وہی زہد کے حقیقی معنی کو سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ان لوگوں کو کسی مرشدِ کامل کی صحبت میسر آتی تو وہ انہیں زہد کی حقیقت سے آگاہ کرتا اور حقیقت زہد تک رسائی کا راستہ بتاتا۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ بعض شیوخ اپنے مریدین کے دلوں سے دنیاوی محبت نکالنے کیلئے بعض خاص مجاہدات کا حکم دیتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد مریدین کی بعض

---

[857](فیض القدیر ص ۷۳)

روحانی بیماریوں کا علاج کرنا ہوتا ہے۔ وہ انہیں کم کھانے اور سادہ کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں۔ تاکہ دنیا کی محبت ان کے دل سے نکل جائے اور اس کے ساتھ ساتھ جود و سخا کا بھی حکم دیتے ہیں تاکہ بخل اور دنیاوی مال کی محبت ان کے دل سے نکل جائے۔ یہ بعض ضروری روحانی علاج ہیں جو شیخِ کامل کی راہنمائی میں فائدہ مند ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتیں بلکہ حقیقی قلبی زہد تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا سادہ غذا استعمال کرنا اور بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا صرف ان اعمال کے جواز کو بیان کرنے کیلئے تھا۔ حالانکہ جبریل علیہ السلام نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی خدمت میں عرض کی تھی کہ اگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم حکم فرمائیں تو یہ پہاڑ سونا بن جائیں۔

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی ہستی ہیں جن کے زیرِ سایہ بڑے بڑے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تربیت حاصل کی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے تصوف قیل و قال سے حاصل نہیں کیا، بلکہ بھوک، دنیا سے قطع تعلقی، پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے سے حاصل کیا ہے کیونکہ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو جوڑنے کا نام ہے اور اس کی بنیاد دنیا سے کنارہ کشی پر ہے۔ جس طرح کہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا، میرا دل، دنیا سے دور ہو گیا ہے۔ رات جاگ کر گزارتا ہوں اور دن میں روزہ رکھتا ہوں۔[858]

---

[858] (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۱۵۸)

سیدی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مریدوں کو ابتدائے سلوک میں مجاہدہ کا حکم فرماتے تھے اور ان کو صبر اور سخت زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے۔ اس کے بعد ان کو آہستہ آہستہ قلبی زہد کے مراتب کی طرف لے جاتے حتیٰ کہ ان کے نزدیک اخذ و عطا اور فقر و غنا برابر ہو جاتا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے ان کا دل خالی ہو جاتا۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جو مقامِ زہد تک پہنچنے کیلئے معاون و مددگار ہیں۔

(ا): اس بات کا یقین کر لینا کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی خیال کی طرح ہے اور یقیناً ایک دن اس سے دار البقاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ وہاں انسان اپنے اعمال کا نتیجہ پالے گا۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے تو جنت کی دائمی نعمتوں میں مقیم ہو جائے گا اور اگر برے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا نارِ جہنم ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم "الھٰکم التکاثر" پڑھ رہے تھے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے ابن آدم! تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس کو آگے بھیج دیا۔[859]

859 (مسلم، کتاب الزھد)

حضرت ابو المواہب شاذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت کے ساتھ مرید کی عبادت دل کو مشغول کرنے اور جسم کو تھکانے کے سوا کچھ نہیں یہ عبادت اگرچہ کثیر ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلیل ہوتی ہے۔

(۲): یہ یقین کر لینا کہ اس دنیا کے علاوہ بھی ایک جہاں (دار آخرت) ہے جو اس سے زیادہ قدر وعظمت والا ہے اسے دار البقا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَّ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (نساء۷۷)

ترجمہ: ”اے (ترجمانِ حقیقت! انہیں) کہو دنیا کا سامان بڑا قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کیلئے جو تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کو دنیا سے اعراض کرنے اخروی زندگی یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف توجہ دینے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف رغبت دینے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح وہ ایثار، قربانی، مجاہدۂ نفس اور خواہشاتِ نفسانیہ پر غلبہ حاصل کرنے میں صحابۂ کرام اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہوئے تو اس عارضی زندگی کی رنگارنگی ان کو اپنی طرف مائل نہ کر سکی۔ دنیا کی رونق اور دلکشی دیکھ کر وہ نعرہ مستانہ لگاتے تھے۔

لا تنظرن الی القصور العامرۃ　　واذکر عظامک حین تمسی ناخرۃ

واذا ذکرت زخارف الدنیا فقل　　لبیک ان العیش عیش الآخرۃ

(۱): آباد محلات کی طرف نہ دیکھ۔ اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھ جب یہ بوسیدہ ہو جائیں گی، اور جب تجھے دنیا کی زیب وزینت یاد آئے تو کہہ، لبیک، یقیناً حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

(۳): یہ یقین کر لینا کہ دنیا میں مؤمن کا زہد اس سے وہ چیز نہیں روک سکتا جو اس کے مقدر میں لکھی جاچکی ہے اور دنیا پر حریص ہونا ان کو وہ عطا نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں لکھا گیا۔ پس جو چیز اس کی مقدر میں لکھی جاچکی ہے وہ اس کو مل کر رہے گی اور جو چیز اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اس کو نہیں مل سکتی۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ زہد کا مقام ارفع واعلیٰ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب وسنت نے اس کی دعوت، اور ائمہ کرام نے اس کی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "زہد کو لازم پکڑو، کیونکہ زہد، زاہد کیلئے خوبصورت عورت پر زیور سے بھی زیادہ حسین ہے۔"[860]

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مقامِ زہد تک رسائی حاصل کر کے اس کے مختلف مدارج کو طے کیا ہے۔ شیخ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زہد کے تین مدارج کو بیان فرمایا ہے۔

(۱): عوام الناس کا زہد۔ (۲): خواص کا زہد۔ (۳): خاص الخواص کا زہد۔

(۱): عوام الناس کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز کو ترک کر دیں۔

(۲): خواص کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دیں جو انہیں قربِ الٰہی سے دور کرنے والی ہو۔

---

[860] (فیض القدیر ج ۴ ص ۷۳)

(۳): خاص الخواص کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات میں ماسوی اللہ سے اعراض کرتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زہد، راہِ سلوک پر گامزن ہونے اور وصالِ الٰہی کا سبب ہے اور دل کو یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک اس کا تعلق محبوب کے سوا کسی اور چیز سے ہوتا ہے۔[861]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفیائے کرام اور صالحین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان للہ عبادا فطنا طلقوا الدنیا و خافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا انھا لیست لحی سکنا
جعلوھا لجۃ و اتخذوا صالح الاعمال فیھا سفنا

اللہ تعالیٰ کے کچھ ہوشیار بندے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے دی اور اس کے فتنہ سے ڈر گئے، انہوں نے اس میں غور و فکر کیا اور جب انہوں نے جان لیا کہ یہ کسی زندہ کی جائے سکونت نہیں ہے، تو انہوں نے اس کو ایک سمندر گمان کیا اور اپنے نیک اعمال کو اس میں کشتی بنالیا۔

---

[861] (معراج التشوف ص ۸-۷)

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تنبیہ المغترین میں لکھا ہے

دنیا سے زہد اور طلب دنیا کی مذمت

ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں اور ہر طالبِ دنیا کی مذمت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں مبالغہ کرتے ہیں حتی کہ علماء بنی اسرائیل کی طرح وہ حکمت بھری گفتگو کرتے ہیں۔

اور زہد کے سلسلے میں ان کے قائد سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے خانہ اقدس میں چالیس چالیس راتیں آگ اور چراغ نہیں جلتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ زندگی کیسے گزارتے تھے انہوں نے فرمایا دوسیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی کے ساتھ۔

اور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے پیوند لگی چادر اور ایسی ازار میں وفات پائی جو عرنی گاڑھی تھی (عرنی، عرنیہ کی طرف منسوب ہے)۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فرماتے تھے:

"انما مثلی و مثل الدنیا کمثل رجل استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا"

ترجمہ: بے شک میری اور دنیا کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک درخت کے سائے میں بیٹھتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چل پڑتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زہد کے تین حرف ہیں۔ زاء کا معنی دنیوی زینت کو چھوڑنا۔ ہاء کا معنی نفسانی ھویٰ (خواہش) کو ترک کرنا اور دال کا معنی دنیا کو (اس کی محبت کو) مکمل طور پر چھوڑنا ہے پس جب تم ایسا کروگے تو تم زاہد ہوگے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زہد کی تین اقسام ہیں:
(۱)فرض: یہ زہد حرام کاموں کو چھوڑنے کی صورت میں ہے۔
(۲)واجب: یہ زہد شبہات سے بچنے میں ہے۔
(۳)سنت: یہ زہد حلال (مباح) چیزوں سے بچنے میں ہے (لیکن ان کو حرام نہ سمجھے)

اسی لئے حکومت حاصل کرنے سے زہد سونے اور چاندی سے بچنے کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے کیونکہ تم حکومتی منصب حاصل کرنے کے لئے ان دونوں چیزوں کو خرچ کرتے ہو۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو دنیامیں زہد پر مجبور کرے ہاں اس پر لازم ہے کہ ان کو اس بات کی دعوت دے اگر وہ اسے قبول کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ خود زہد اختیار کرے اور ان کی بھلائی کی چیزیں ان کو دے۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو چیز تمہیں تمہارے رب سے غافل کرے وہ اہل ہوں، مال ہو یا کوئی دوسری چیز وہ تمہارے لئے نحوست کا باعث ہے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتاہوں یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کو پیدا کیا کہ وہ بندے کو اس کے رب کی یاد دلائیں اس صورت میں یہ مبارک ہے بخلاف اس کے جب موجودات اس کے اور اس کے رب کے درمیان حجاب بن جائیں۔یہی وجہ ہے کہ اولاد اور مال بندے کے لئے بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ جب اس کا میلان ان کی طرف ہو گا تو وہ اللہ تعالی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔

حضرت وکیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طبھیج کھایا (غالباً ایسا کھانا جو عیاشی شمار ہوتا ہو) تو انہوں نے اس بات کو اچھا نہ سمجھا اور فرمایا (اس طرح) لوگ اپنی خواہشات کے مطابق کھانے میں آپ کی اقتدا کریں گے۔

حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں زہد عطا فرمایا تو اس کے بعد ہماری دنیا کی طرف رغبت کا گناہ ہی کافی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم نے زہد کے بارے میں بہت سی باتیں سنی ہیں لیکن اس سلسلے سے اچھی بات جو ہم نے دیکھی یہ ہے کہ زہد ہر اس چیز میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پھیر دے حتی کہ علم اور عمل بھی۔ (جس چیز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری ہو اسے چھوڑنا زہد ہے)۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں یعنی اگر علم اور عمل میں ریاکاری خود پسندی یا لوگوں کی طرف سے تعریف کی چاہت وغیرہ آجائے ورنہ جو شخص علم و عمل میں مخلص ہو اس کے لئے اس میں زہد ٹھیک نہیں کیونکہ ان دونوں باتوں میں اخلاص بندے کے دل کو اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا مجھے کسی زاہد عالم کے بارے میں بتایئے جس کے پاس میں بیٹھوں انہوں نے فرمایا اے فلاں! یہ چیز گم ہو چکی ہے اب نہیں پائی جاتی۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے زہد پورے کا پورا نفس کو تھکانے کا نام ہے جب کوئی زاہد دنیا میں راحت کی طرف مائل ہوا، اس وقت اس نے زہد سے رجوع کر لیا۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دنیا کا (عہدہ حاصل کرنے کا) مطالبہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سے بھاگ گئے اور ہم نے دنیا طلب کی تو وہ ہم سے بھاگ گئی تو دیکھو دونوں قسم کے لوگوں کے درمیان کتنا فرق ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتیں طلب کیں ایک یہ کہ جب مجھے موت آئے تو میری ملک میں کوئی درہم نہ ہو اور نہ میرے ذمہ ہو اور نہ میری ہڈیوں پر گوشت ہو پس آپ کا انتقال اسی طرح ہوا۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے فقہاء کی طرف عطیات بھیجے تو انہوں نے قبول کر لئے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف دس ہزار درہم بھیجے لیکن آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ان کی اولاد نے ان سے کہا کہ فقہاء نے تحائف قبول کر لئے حالانکہ وہ لوگوں کے پیشوا ہیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیوں قبول نہیں کرتے؟

(یہ سن کر) آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روئے اور فرمایا میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن کے پاس گائے ہو اور وہ اس کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہوں جب وہ بوڑھی ہو جائے تو ان میں سے بعض کہیں اس کو ذبح کر دو اس سے پہلے کہ تم اس کی کھال اور گوشت سے فائدہ نہ اٹھا سکو، اسی طرح تم بھی مجھے بڑھاپے میں ذبح کرنا چاہتے ہو پس بھوک پر صبر کرو یہ تمہارے لئے مجھے ذبح کرنے سے بہتر ہے۔

انہوں نے کہا آج ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تو انہوں نے چھری لی اور اپنے نیچے بچھے ہوئے پرانے بچھونے سے ایک ٹکڑا کاٹ کر فرمایا اس کی قیمت سے کھانے کے لئے کچھ خرید لو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زاہدین کے سردار تھے آپ علیہ السلام بالوں والا لباس پہنتے اور درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے ہاں اولاد نہ تھی جسے موت آتی، گھر نہیں تھا جو خراب ہو جاتا اور نہ کل کے لئے رزق تھا، جہاں رات آجاتی وہاں سو جاتے۔

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام سے عرض کیا گیا اے روح اللہ! کیا آپ علیہ السلام اپنی سواری کے لئے دراز گوش (گدھا) خرید نہیں لیتے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں میری عزت اس سے زیادہ ہے کہ میں گدھے کی خدمت میں مشغول ہو جاؤں اور آپ علیہ السلام اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے فرماتے تھے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جَو کا چھان بورا کھانا جو راکھ میں ملا ہوا ہو اور کتوں کے ساتھ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر سو جانا اور سخت ٹاٹ پہن لینا اس شخص کے لئے بہت زیادہ ہے جس نے (آخرکار) مر جانا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے بچھونا، تکیہ اور پیالہ تک نہیں رکھا اور ایک مرتبہ اپنے سر کے نیچے اینٹ رکھ دی حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ علیہ السلام دنیا سے زہد اختیار کرنے کے بعد اس کی طرف مائل ہو گئے اور آپ علیہ السلام نے اپنے سر کے نیچے اینٹ کا تکیہ رکھ لیا؟ اس کے بعد سے آپ علیہ السلام بیٹھے بیٹھے سوتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اٹھالیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے فرماتے تھے تم پر خالص پانی خشکی کی سبزی اور جَو کا چھان اختیار کرنا لازمی ہے گندم کی روٹی سے بچو تم جو کے چھان بُورے کا شکر بھی ادا نہ کر سکو گے۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے تین درہم کی قمیص خریدی اس وقت آپ کرم اللہ وجہہ الکریم خلیفہ تھے آپ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کلائیوں سے اس کی آستین کاٹ کر پہن لی اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ اس کے عمدہ مال میں سے ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قمیص پہنتے تو جب تک پرانی نہ ہو جاتی اسے نہ اتارتے ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی قمیص کو دھوتے نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا معاملہ (موت) اس سے زیادہ جلدی میں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر پوری دنیا میرے قبضے میں ہوتی تو میں اس پر خوش نہ ہوتا اور اگر کوئی شخص میرے ہاتھ سے پوری دنیا لے لے تو میں اس کا پیچھا نہیں کروں گا اور نہ ہی اس پر غمگین ہوں گا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ مکرمہ میں پانی کے ذریعے روزی کماتے تھے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک اونٹ تھا اس پر پانی لا کر فروخت کرتے اور اس سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر والے رزق حاصل کرتے۔

حضرت عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جس نے اپنے پیٹ کو کنٹرول کر لیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی آزمائش ایک لقمہ سے ہوئی تھی اور قیامت تک تمہاری آزمائش بھی اسی کے ساتھ ہو گی پس اس بات کو جان لو۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو آزمانا ہے کہ کیا یہ لوگ خواہشات کو چھوڑنے پر صبر کر سکتے ہیں یا خواہشات کا شکار ہوتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش محض صورتاً تھی (حقیقتاً نہ تھی) اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس میں ڈالا تا کہ آپ علیہ

السلام کو اس بات کی پہچان حاصل ہو جائے کہ جب آپ علیہ السلام کی اولاد ہو گی تو وہ اس طرح آزمائش میں پڑے گی۔ یہ رسولوں کو غیب کی باتوں پر مطلع کرنے کے باب سے ہے۔

اور تا کہ آپ علیہ السلام کو اس بات کی پہچان بھی حاصل ہو جائے کہ جب آپ علیہ السلام کی اولاد اس میں مبتلا ہو گی تو وہ کس طرح توبہ کرے گی پس خطاب آپ علیہ السلام کو اور حکم دوسروں کو تھا۔ جس طرح ہم نے (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) اپنی کتاب "الاجوبۃ عن الاکابر" (اکابر کی طرف سے جواب) میں اس کی وضاحت کی ہے۔

حکمت بھری باتیں

اور ان صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حکمت بھری باتوں میں سے یہ باتیں ہیں مطلب یہ کہ جب وہ دنیا سے بے رغبتی میں مضبوط ہو گئے (تو ان کی باتیں حکمت پر مبنی ہوتی ہیں) تو اس سلسلے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ عقلمند نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے جو شخص تیرے بارے میں اچھائی کی بات کرے جو (اچھائی) تجھ میں نہیں پائی جاتی تو وہ تیرے بارے میں ایسی برائی کا ذکر بھی کرے گا جو تجھ میں نہیں اور جو شخص اپنے آپ کو تہمت کے مقام پر لے جائے وہ اپنے بارے میں بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے اور ان کا یہ قول بھی ہے کہ جس بات کا عذر پیش کرنا پڑے اس سے بچو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے کسی یقین کو اس یقین کے مقابلے میں جھوٹ کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جو لوگوں کو موت کے بارے میں ہے لیکن اس کے باوجود غفلت میں ہیں (عینی یقین بھی رکھتے ہیں اور عملاً جھوٹ بھی سمجھتے ہیں)۔

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے خضاب سے جوانی اور دوائی سے صحت واپس نہیں آتی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تو خود زمانہ ہے اگر تو ٹھیک رہا تو وہ (زمانہ) بھی ٹھیک رہے گا اور اگر تو خراب ہو گیا تو وہ بھی خراب رہے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سبا (ملک) کے ایک شخص سے فرمایا تمہاری قوم کس قدر جاہل ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو اپنا حکمران بنالیا (ملکہ بلقیس کی طرف اشارہ ہے)۔ اس نے جواب دیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم زیادہ جاہل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو رسول بنا کر بھیجا تو ان لوگوں نے کہا:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (پ ۹: الانفال ۳۲)

ترجمہ: یا اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق پر ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب دے۔

انہوں نے یہ کیوں نہیں کہا یا اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق پر ہیں تو ان کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔

(یہ سن کر) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

حدیث شریف میں ہے:

”لو كانت الدنيا تزن عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة ماء“[862]

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن رکھتی تو اللہ تعالیٰ اس سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ ایک اور حدیث میں ہے:

”الدنيا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها يجمع من لا عقل له وعليها يعادی من لا علم له وعليها يحسد من لا فقه له وعليها يسعى من لا يقين له“[863]

ترجمہ: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس (دنیا) کے لئے وہ شخص (مال) جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں اس کے لئے وہ دشمنی کرتا ہے جس کے پاس علم نہیں اور اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کے پاس سمجھ نہیں اور اس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو (آخرت کا) یقین نہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر برائی کو ایک گھر میں رکھا اور اس کی چابی دنیا کی محبت کو بنایا اور تمام بھلائیوں کو ایک گھر میں رکھا اور اس کی چابی دنیا سے بے رغبتی کو بنایا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا کی محبت دل سے ایمان کی مٹھاس کو نکال دیتی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا کا مالک ہوا وہ تھک گیا جس نے اس سے محبت کی وہ اس کا غلام ہو گیا یہ تھوڑی سی کافی ہوتی ہے اور زیادہ ہو تو بے نیاز نہیں کرتی۔

---

862 (سنن ابن ماجہ۔ کتاب الزہد حدیث ۴۱۱۰ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

863 (الجامع الصغیر حدیث ۴۷۶۷ جلد ۲۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے طالبِ دنیا کی کوئی منزل نہیں جس کے پاس ٹھہر جائے جیسا کہ صاحبِ آخرت کی کوئی انتہا نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے ایک دل میں دنیا وآخرت دونوں کی محبت قائم نہیں ہو سکتی جس طرح ایک ہی برتن میں پانی اور آگ جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے کمائے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق خرچ کرے اس نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کر لیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا شیطان کی دکان ہے پس تو شیطان کی دکان سے کوئی چیز چوری نہ کر وہ تیرے پیچھے آکر تجھے پکڑ لے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات ہونے لگی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے نبیوں میں سے سب سے زیادہ عمر والے نبی علیک السلام! آپ علیہ السلام نے دنیا کو کیسا پایا انہوں نے فرمایا ایک ایسی حویلی کی طرح جس کے دو دروازے ہوں میں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے میں سے باہر نکل گیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا ایک دلہن ہے اور اس سے محبت کرنے والا اس کو کنگھی کرنے والا ہے اور جو اس سے بے رغبت ہے وہ اس کے بالوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اس کے چہرے کو سیاہ کرتا ہے اس کے کپڑے کاٹتا اور اس کا زیور توڑ دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے بندے کی اپنے رب سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز سے نفرت کرے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے پس جو شخص دعویٰ

کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور وہ دنیا سے بھی محبت کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے نفرت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے اے اللہ! جس نے آسمان کو اپنے حکم کے بغیر زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی دنیا سے روک لے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے ہم اولاد آدم علیہ السلام جنتی باشندے ہیں شیطان نے ہمیں اس سے دور کیا اور ہمیں وہاں سے فنا اور ہلاکت کے گھر کی طرف نکال دیا گیا پس کسی عقلمند کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خوش اور مطمئن ہو جب تک وہ اس گھر کی طرف لوٹا یا نہ جائے جہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔

ایک جماعت حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے پاس حاضر ہوئی اور انہوں نے ان کے پاس دنیا کی بہت زیادہ مذمت کی انہوں نے ان لوگوں سے فرمایا اس کے ذکر سے رک جاؤ وہ تمہارے دل میں نہ ہوتی تو تم اس کا ذکر زیادہ نہ کرتے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب جسم کی بیماری مکمل ہو جائے تو اس کو کھانا اور پانی فائدہ نہیں دیتے اسی طرح جب دل میں دنیا کی محبت پیدا ہو جائے تو وعظ و نصیحت سے کامیابی نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جو شخص تیرے دین کے سلسلے میں تجھ پر فخر کا اظہار کرے تو بھی اس سے فخر کا اظہار کر اور جو شخص تیری دنیا کے بارے میں تجھ پر فخر کرے تو

تو اسے اس کے سینے میں ڈال دے (مطلب یہ کہ دین میں مقابلہ درست ہے دنیا کے بارے میں نہیں)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے اور اس سے فرمایا اے فلاں! کیا تو اٹھ کر اللہ کی عبادت نہیں کرتا؟ اس شخص نے کہا میں نے اس سے افضل عبادت کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سچ کہا سو جا تو نے عبادت گزاروں پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے دنیا مردار ہے پس جو شخص اس میں سے کچھ لینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کتوں کے ساتھ میل جول پر صبر کرنا چاہئے۔

حضرت مسلم النحات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! مینگنیوں کی ایک تھیلی جس کے ساتھ تنور جلایا جائے میرے نزدیک سونے کی تھیلی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو اے بھائی! اس بات کو جان لے اور اس پر عمل کر اگر تو نجات چاہتا ہے حدیث شریف میں ہے:

"ان بین یدیکم عقبۃ کنودا لا ینجو منھا الا المخفون"[864]

ترجمہ: بیشک تمہارے آگے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس سے وہی لوگ نجات حاصل کریں گے جن کا بوجھ ہلکا ہو گا۔

---

864 (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ صفحہ ۷۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں زیادہ بوجھ والوں میں سے ہوں یا کم بوجھ والوں میں سے؟ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کیا تیرے پاس ایک دن کا رزق ہے؟ اس نے کہا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جی ہاں بلکہ کل کے لئے بھی ہے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"لو کان عندک قوت بعد غد کنت من المثقلین"[865]

ترجمہ: اگر تیرے پاس پرسوں کا رزق بھی ہو گا تو تو زیادہ بوجھ والوں میں سے ہو گا۔

تو یہ شریعت کا ترازو ہے اور تو اپنے نفس کو زیادہ جانتا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

رضاء

تعریف: علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے رضا کی متعدد تعریفات کی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مشرب اور مقام کے مطابق تعریف کی ہے۔ ان میں سب سے اہم تعریف سید میر جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الرضا سرور القلب بمر القضاء" یعنی قضاء کی تلخی میں دل کا سرور رضا کہلاتا ہے۔[866]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکراتے ہوئے مصائب کا استقبال کرنا رضا ہے۔ یا نزول قضا کے وقت دل کے سرور کو رضا کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں ترکِ اختیار کو رضا کا نام

---

865 (الترغیب والترہیب۔ جلد ۴ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ المصطفیٰ البابی حلبی مصر)

866 (تعریفات السید، ص ۵۷)

دیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے امور پر انکار نہ کرنے اور ان پر شرح صدر کا مظاہرہ کرنے کو رضا کہتے ہیں۔[867]

علامہ برکوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ملنے یا نہ ملنے دونوں حالتوں میں دل کے خوش رہنے کو رضا کہتے ہیں۔[868]

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کا ان اختیارات کی طرف دیکھنا جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو عطا فرمائے ہیں یعنی کسی امر پر ناراضگی کا اظہار نہ کرنا رضا ہے۔ شیخ محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ احکامِ الٰہیہ کے اجراء کے وقت سکون قلب کا نام رضا ہے۔[869]

رضا ایک قلبی مقام ہے جب مؤمن اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو مصائب اور حادثات کا استقبال ایمان راسخ، سکونِ قلب اور اطمینانِ نفس کے ساتھ کرتا ہے بلکہ کبھی تو اس سے بھی ارفع واعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے یعنی وہ قضا کی تلخی میں فرحت وسرور محسوس کرتا ہے۔ در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے سچی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

رضا کی فضیلت

رضا، صبر سے اعلیٰ مقام اور ارفع مرتبہ ہے کیونکہ رضا روحانی طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ اس سے عارف اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ کائنات میں ہر اس چیز سے محبت کرنے لگتا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو حتیٰ کہ مصائب وآلام کو بھی رحمت اور خیر شمار کرتا ہے۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان سمجھ کر رضا کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

---

[867] (معراج التشوف، ص ۸)

[868] (شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۲ ص ۱۰۵)

[869] (رسالہ قشیریہ ص ۸۹)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزع کے عالم میں فرماتے تھے:

"وافرحتاہ! غداالقی الاحبہ محمداوصحبہ!"۔

یعنی کتنی خوشی کا موقع ہے کل محبوبوں یعنی محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات ہوگی![870]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے والا تمام لوگوں سے غنی ہوتا ہے کیونکہ اسے لوگوں سے زیادہ سرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح غم وحزن اور پریشانی سے بھی بہت دور ہوتا ہے کیونکہ غنا صرف کثرتِ مال سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان ورضا کے ساتھ دل کے غنی ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

ارشادِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہے:

اتَّقِ المَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ القَلْبَ۔

محرمات سے بچو، تمام لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ گے، اللہ کی تقسیم پر راضی رہو، تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو، تو حقیقی مؤمن بن جاؤ گے، لوگوں کیلئے وہ چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، تم حقیقی مسلمان بن جاؤ گے، زیادہ ہنسنے سے بچو، کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔[871]

---

[870] (السیرۃ النبویۃ لأحمد زینی دحلان ص ۲۴۲)

[871] (ترمذی، کتاب الزھد رقم الحدیث ۲۳۰۵)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بڑے خوبصورت انداز میں واضح فرمایا کہ رضا مؤمن کی دنیوی واخروی سعادت کا بہترین سبب ہے، جیسے عدمِ رضا دنیا وآخرت میں بد بختی کا سبب ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے اور اس کی بد بختی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ترک کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے پسند کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا پر ناراضگی کا اظہار کرے۔[872]

رضا کی نعمت کی برکت سے ہی عارفین کے دل مطمئن اور پر سکون ہوتے ہیں اور رضا ہی اس مایوسی اور قنوط کی کیفیت کو ختم کرنے کا سبب ہے دنیاوی زندگی کی لذات کے عدمِ حصول میں غور وفکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو کہ انسان کیلئے اضطراب وپریشانی کا باعث بنتی ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے صحابہ ٔکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں رضا کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا! جس نے صبح شام یہ کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنا رسول تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ وہ اس کو راضی کر دے۔[873]

صحابہ ٔکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس ورد کو پڑھنے پر بڑے حریص تھے اس طرح وہ اپنے دل میں پوشیدہ تسلیم ورضا کے جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

آج کل بہت سے لوگ اپنی زبان سے اس کلمہ کا ورد تو کرتے ہیں لیکن ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے گرانقدر معانی اور اس کے ارفع واعلیٰ مقاصد کو سمجھتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ مصائب ومشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پر غم وحزن کے گہرے بادل سایہ فگن ہو جاتے ہیں

---

[872] (ترمذی، کتاب القدر)

[873] (ابو داؤد، باب مایقول اذا أصبح، ترمذی کتاب الدعوات)

لیکن صرف زبان کے ساتھ ورد ان کو فائدہ نہیں دیتا، جب تک اس کی صدا دل کی گہرائیوں سے نہ نکلے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنارب تسلیم کرلیتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی مخلوق سے متعلقہ تمام امور پر راضی ہو جائے۔ یعنی اسے ہر حال میں راضی ہونا چاہیئے خواہ اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے یا محروم۔ اسے بلند کرے یا پست۔ اسے نفع دے یا نقصان۔ اسے وصال اور قربت سے نوازے یا اپنے در سے دور کر دے۔ اسی طرح اسلام کو اپنا دین تسلیم کرلینے کے بعد یہ بات لازم ہے کہ وہ اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے، اگرچہ اسے اپنے نفس کی خواہش اور اپنی خاص مصلحت کی مخالفت کرنا پڑے اور جو شخص محمد صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کرلیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی شخصیت کو اپنے لئے بہترین نمونہ قرار دے۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے آثار کی پیروی کرے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سنت سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اپنی نفسانی خواہش سے مجاہدہ کرے تاکہ وہ اسلامی احکام کے تابع ہو جائے اور اسے چاہیئے کہ اس کے نزدیک رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ذات، والد، بیٹے، اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

”لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین“۔

تم میں سے کوئی بھی کامل مؤمن نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔[874]

[874](رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی، "لانت یا رسول اللہ احب الی من کل شیٔ الا من نفسی" (یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم آپ میرے نزدیک میرے ذات کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں) تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا! نہیں اے عمر، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ میں تیرے نزدیک تیری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، ہاں۔ اب مجھے یہ کیفیت حاصل ہو گئی ہے۔ قسم بخدا! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، اے عمر! اب ٹھیک ہے۔[875]

جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کر لیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا اور یقین کی حلاوت پالی اور ابدی سعادت سے سرفراز ہوا۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

ذَاقَ طَعْمَ الإِيمانِ مَنْ رَضِيَ باللہ ربًّا، وبالإسلام دينًا وبمحمَّدٍ رَسُولاً۔

اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اسلام کو اپنا دین اور محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنا رسول ماننے پر راضی ہوا۔[876]

---

[875] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم ج۸ ص ۱۶۰، ورواہ أحمد فی المسند ج۴ ص ۲۳۳)

[876] (رواہ مسلم والترمذی فی کتاب الایمان)

مگر وہ شخص جو ایمان کی لذت اور رضا کی نعمت سے محروم ہو، وہ ہمیشہ اضطراب و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ خصوصًا جب وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو دنیا اس کیلئے تاریک اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ خودکشی کے علاوہ ان غموں سے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اسی وجہ سے خودکشی کے حادثات واقع ہوتے ہیں اور دن بدن ان کی نسبت بڑھتی جا رہی ہے، خصوصاً غیر مسلم ممالک اور بے دین معاشرے میں جہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچ سکی، خودکشی کی شرح بہت زیادہ ہے۔

اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنۡ أَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ أَعۡمٰی (طٰہٰ: ۱۲۴)

ترجمہ: "اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کیلئے زندگی (کے جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔"

رضا کے بارے میں کچھ شبہات اور ان کے جوابات

بعض جہلاء نے مقامِ رضا کے بارے میں کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے۔ اس کا بنیادی سبب ان کی جہالت اور اس ارفع مقام تک ان کی عدم رسائی ہے۔ اور انسان ہمیشہ سے ہی اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس کو نہیں جانتا۔ یا ان شبہات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے کچھ جھوٹے دعویدار دیکھے اور ان کے غلط طریقہ کار کو تصوف سمجھ لیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ان جھوٹے دعویداروں اور حقیقی صوفیائے کرام کے درمیان جو ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ احسان کے مرتبہ پر فائز تھے، فرق کرتے۔

(ا): بعض لوگوں نے تو سرے سے ہی رضا کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ خواہشاتِ نفس کے مخالف رضا کو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس چیز کو صبر کا نام دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ انسان مصائب وآلام کو محسوس نہ کرے۔

جواب: مقامِ رضا پر فائز فطری طور پر مصائب وآلام کو ضرور محسوس کرتا ہے لیکن اپنے ایمان کامل اور عقلِ سلیم کی وجہ سے قضا پر راضی رہتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس پر عظیم اجر وثواب کا امیدوار رہتا ہے۔ اس لئے وہ نہ تو کوئی اعتراض کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس الرضا ان لا تحس بالبلاء انما الرضا لا تعترض على الحكم و القضا۔

رضا یہ نہیں ہے کہ تو مصیبت کو محسوس نہ کرے بلکہ رضا یہ ہے کہ تو حکمِ الٰہی اور اس کی قضا پر اعتراض نہ کرے۔[877]

اس کو آپ اس مثال کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں کہ مریض انجکشن لگوانے کی تکلیف کو تو محسوس کرتا ہے لیکن حصولِ شفا کیلئے وہ اس تکلیف پر راضی رہتا ہے بلکہ اس شخص پر بہت خوش ہوتا ہے جو اسے دوائی دیتا ہے اگرچہ وہ دوائی بہت کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں اس میں مجھ پر چار نوازشات ہوتی ہیں:

(ا): کہ یہ آزمائش میرے دین کے متعلق نہ تھی۔

---

[877](رسالہ قشیریہ ص ۸۹)

(۲): میں اس میں رضا سے محروم نہ رہا۔

(۳): یہ آزمائش اتنی بڑی نہ تھی۔

(۴): میں اس پر اجر و ثواب کا امید وار ہوں۔[878]

دوسری وجہ یہ ہے کہ مقامِ رضا پر فائز فطری طور پر مصائب و آلام کو محسوس تو کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف واحسان اور اس کی حکمتوں پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان پر راضی رہتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کے پسِ پردہ کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَعَسٰی أَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلُ اللهُ فِیْهِ خَیْرًا کَثِیْرًا" (نساء: ۱۹)

تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔

اس وجہ سے اس کا غم مضمحل اور تعجب زائل ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اس کا تعجب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعجب کی مثل ہے جب انہوں نے یتیموں کی کشتی کو عیب دار کرنے، بچے کو قتل کرنے اور دیوار تعمیر کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام پر تعجب کا اظہار فرمایا پھر جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان حکمتوں سے آگاہ فرما دیا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تعجب زائل ہو گیا کیونکہ ان کا تعجب صرف اس بناء پر تھا کہ یہ حکمتیں ان پر مخفی تھیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں بھی ہم پر مخفی ہیں۔

---

[878] (شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۲ ص ۱۰۵)

تیسری وجہ یہ ہے کہ مؤمن کا دل جب اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس کی محبت میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے تو وہ نہ تو مصیبت کے واقع ہونے کو محسوس کرتا ہے اور نہ ہی اس پر درد و آلام اور یہ حقیقت ہے کہ محبت کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس نے کبھی محبت کا ذائقہ چکھا ہو۔

لا یعرف الوجد الا من یکابدہ　　　و لا الصبابة الا من یعانیھا

غم اسی کو محسوس ہوتا ہے جو اسے برداشت کرسکے اور عشق وہی محسوس کرتا ہے جو اس میں مبتلا ہو۔ اسی وجہ سے اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔

قال عامر بن قیس! احببت اللہ حبا ھون علی کل مصیبة و رضانی بکل بلیة فلا ابالی مع حبی ایاہ علیٰ ما اصبحت و علیٰ ما امسیت۔

"عامر بن قیس نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی ہے جس نے مجھ پر ہر مصیبت آسان کر دی اور ہر آزمائش پر مجھے راضی کر دیا۔ محبت کی وجہ سے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں نے کس حالت میں صبح کی اور کس حالت میں شام کی۔"

(۲): اعتراض: بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مؤمن رضا کی وجہ سے فاسقین کے اعمال اور برے لوگوں کے احوال کو اچھا گمان کرنے لگتا ہے اور یہ چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کا سبب ہے۔

جواب: یہ اعتراض ان کی واضح جہالت کا ثبوت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مؤمن اپنے رب کے احکام میں سے ایک اہم حکم اور دینِ اسلام کے اہم ستون یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو گرا دے حالانکہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسی وقت راضی ہو گا جب وہ دینی احکام کو بجا لائے گا اور اس کی شریعت کی اتباع کرے گا۔ مؤمن کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کافر کے افعال پر راضی ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"وَ لَا یَرۡضٰی لِعِبَادِهِ الۡکُفۡرَ ۔"(زمر:۷)
اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو۔

حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہونے اور برے کام کو ناپسند کرنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے افعال پر اس حیثیت سے راضی ہوتا ہے کہ ان کا صدور اس ذات سے ہوا ہے جو بڑی علیم و حکیم ہے اور ان کا تعلق اس کی قضا اور مشیت سے ہے، اور وہ برے لوگوں کے افعال سے اس حیثیت سے راضی نہیں ہوتا کہ ان میں ان کی صفت کسب کا دخل ہے اور ان کے یہ افعال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، لہٰذا مؤمن بھی ان کے بد اعمال ناپسند کرتا ہے۔

(۳): اعتراض: بعض لوگوں نے یہ غلط تصور قائم کیا ہے کہ رضا کی وجہ سے انسان دعا اور عاجزی کو ترک کر دیتا ہے اور اسی طرح خیر کے حصول اور مصیبت کو دور کرنے کے اسباب کو بھی ترک کر دیتا ہے اور بیماری کے وقت دوا سے دور بھاگتا ہے۔

جواب: ان کا یہ تصور صحیح نہیں ہے کیونکہ در حقیقت یہ چیز بھی رضا میں شامل ہے کہ مؤمن ایسے اعمال کو سر انجام دے جو اس کے محبوبِ حقیقی کی رضا کا ذریعہ ہوں اور ہر اس کام کو ترک کر دے جو اس کے حکم اور رضا کے مخالف ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا بھی اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو دُعا کا حکم دیا ہے کہ گویا اس حکم کی پیروی کرنا بھی رضا میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ"(مؤمن:٦٠)
مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۹۴ رقم ۲۲۳۱ پر ہے: الدُّعاءُ مُخّ العِبادۃِ۔ (دعا مغز عبادت کا ہے)
یہ دل میں صفائی، خشوع اور رقت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کو اخذ کرنے کے قابل بنا دیتی ہے پھر اسباب کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف اور اس کی رضا کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو عمل کا حکم دیا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ (توبہ ۱۰۵)

"اور فرمایئے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مؤمن۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رزق حلال کی تلاش کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (الملک ۱۵)

ترجمہ: "وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے۔"

یہ رضا نہیں ہے کہ پیاسا پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ پیاس پر راضی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قضا ہے۔ یہ محض اس کا گمان اور جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور حکم یہ ہے کہ پیاس کو پانی سے دور کیا جائے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون سے بچنے کیلئے مسلمانوں کے لشکر کو ملک شام میں داخل ہونے سے منع کیا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے بھاگتے ہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جواب دیا۔ اے ابو

عبیدہ! کاش کہ یہ جملہ تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا، ہاں، ہم اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے اسی کی قضاوقدر کی طرف فرار اختیار کر رہے ہیں۔ [879]

رضا بالقضاء شرعی حدود سے خارج ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ رضا بالقضاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو ترک کر دے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کے حصول کیلئے اپنی پوری کوشش صرف کرے یعنی اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے۔

اختتامیہ

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ، آپ کے خلفاء اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ رضا کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ ان تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

طائف میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر پتھروں کی بارش کی گئی حتیٰ کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے پاؤں مبارک خون آلود ہو گئے لیکن اس کے باوجود آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے پروردگار! اگر تو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مکہ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتیں۔ لیکن وہ یہ تمام تکلیفیں اس طرح برداشت کرتے کہ ان کے دل راضی ہوتے، چہروں پر مسکراہٹ ہوتی اور زبانیں ذکر میں مصروف رہتیں۔

[879] (بخاری، کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون)

مروی ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور اسی رات ان کا عزیز ترین بیٹا انتقال کر گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی افسوس کیلئے حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اللهملک الحمد کان او لادی سبعة فاخذت واحدا وابقیت ستة وکان لی اطراف اربعة فاخذت واحدا وابقیت ثلاثة فلان کنت قد اخذت فلقد اعطیت ولان کنت قد ابتلیت فقد عافیت۔

یعنی ”اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ میرے سات بچے تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور چھ کو باقی رکھا۔ میرے چار اطراف تھے ان میں سے تو نے ایک لے لی اور تین کو باقی رکھا۔ اگر تو نے آج مجھ سے کچھ لیا ہے تو یہ سب کچھ تو نے ہی تو عطا کیا تھا۔ اگر تو نے مجھے آج آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو تو نے مجھے عافیت بھی بخشی تھی۔“

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! میرے لئے خوشی کا کوئی موقع نہیں سوائے قدر کے واقع ہونے کے وقت۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا چیز پسند کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قضا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اسی وقت راضی ہوتا ہے جب بندہ اپنے تمام اقوال وافعال میں اپنے رب سے راضی ہو جائے پھر اس وقت طرفین سے رضا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

”رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔“ (بینہ:۸)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی۔“

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے رضا کی ان دونوں قسموں میں باہمی ربط اور تعلق کے راز کو پا لیا تھا۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن رابعہ عرویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جا تو انہوں نے فرمایا! اے ابو سفیان! تجھے اللہ سے حیا نہیں آتی کہ تم اس سے رضا کا سوال کرتے ہو، حالانکہ تم اس سے راضی نہیں ہو تو حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، **استغفر اللہ۔**[880]

بندے سے اللہ تعالیٰ کی رضا یہ بڑا ہی بلند اور ارفع و اعلیٰ مرتبہ اور بڑا عظیم عطیہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ" (توبہ ۷۲)

نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے۔

یقیناً جنت کے رب کی رضا جنت سے اعلیٰ ہے بلکہ یہی تو اہلِ جنت کا مطلوب و مقصود ہے! جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو ارشاد فرمائے گا: اے اہلِ جنت! اور وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں۔ وہ ارشاد فرمائے گا: کیا تم مجھ سے راضی ہو؟ اہلِ جنت عرض کریں گے: یارب! ہم تجھ سے کیوں نہ راضی ہوں تو نے ہمیں ان انعامات سے نوازا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی پر نہیں فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی افضل انعام عطا فرمانے والا ہوں۔ عرض کریں گے: اے پروردگار! اس سے افضل کون سا انعام ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا کو حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔[881]

---

[880] (احیاء العلوم ۴:۳۳۲)

[881] (بخاری، کتاب الرقاق باب صفة الجنة)

توکل

تعریف: سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **التوکل هو الثقة بما عند الله واليأس عما في ايدى الناس۔** یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس پر اعتماد کرنے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوسی کا نام توکل ہے۔[882]

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

التوكل ثقة القلب بالله حتى لا يعتمد على شئ سواه۔

"اللہ تعالیٰ پر دل سے اعتماد کرنے اور اس کے سوا کسی چیز پر اعتماد نہ کرنے کا نام توکل ہے"[883]

یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے اور ہر شئے میں اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کا نام توکل ہے۔

یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ ہر شئے کو جاننے والا ہے اور تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ تیرے ہاتھ میں پائی جانے والی چیز سے زیادہ بہتر ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غیر سے دل کے تعلق کو توڑ کر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرنے کا نام توکل ہے۔[884]

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: توکل، اللہ تعالیٰ کی تصدیق، اس پر اعتماد، اسی کی ذات کے ساتھ اپنے سکون و اطمینان کو وابستہ کرنے اور اپنے دل سے امورِ دنیا، رزق وغیرہ کا خیال نکالنے کو کہتے ہیں۔[885]

---

[882] (تعریفات السید ص ۴۸)

[883] (معراج التشوف ص ۸)

[884] (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين ۲ : ۲)

[885] (الطريق الى الله لأبی سعيد الخراز ص ۵٦)

توکل اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور تمام احوال میں اسی کی طرف رجوع کرنے اور اپنی قوت وطاقت سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

سابقہ تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ توکل قلبی مقام ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور وسائل واسباب کو بروئے کار لاکر کام کو سرانجام دینے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ توکل کا محل دل ہے اور اسباب ووسائل کا محل بدن ہے۔ ایک کامل مؤمن عمل کو کیسے ترک کر سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کثیر آیات کریمہ میں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے احادیث طیبہ میں اس کا حکم فرمایاہے۔

ایک آدمی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوااور عرض کی، یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو کھلا نہ چھوڑ دوں ؟تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"اعقلھاوتوکل"۔

اس کے پاؤں کو باندھ دواور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔[886]

اسی لئے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسباب وذرائع کو ترک کرنے اور طلبِ رزقِ حلال میں کوشش نہ کرنے کو سستی اور کاہلی شمار کیاہے۔ جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے غلط افکار کی تصحیح اور شبہات کو دور کرنے کیلئے واضح طور پر فرمایاہے کہ تصوف، اسلام کو حقیقی طور پر سمجھنے کا نام ہے۔

---

[886] (رواہالترمذی فی کتاب صفۃالقیامہ)

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل کا محل دِل ہے، اور ظاہری حرکت توکل کے منافی نہیں، خصوصًا جب بندہ اس بات پر یقین کرلیتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔ اگر کسی چیز کا حصول مشکل ہو تو یہ بھی اسی کے حکم سے ہے اور اگر کوئی چیز آسانی سے حاصل ہو جائے تو یہ بھی اسی کے فضل واحسان سے ہے۔[887]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بعض جہلاء یہ گمان کرتے ہیں کہ کسبِ حلال کو ترک کرنا، بیماری کا علاج نہ کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کرنا توکل کی شرائط میں سے ہے لیکن یہ محض خطا ہے کیونکہ یہ چیز شرعًا حرام ہے۔ شرع نے توکل کی تعریف کی ہے اور اس کو اپنانے کی دعوت دی ہے تو یہ چیز حرام کے ارتکاب سے کیونکر حاصل ہو گی۔[888]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس انتہائی دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام اعمال میں اسباب ووسائل کو بروئے کار لائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دِلی طور پر اس پر کامل اعتماد نہ کرے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محققین صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی ضروریات کے حصول کیلئے کوشش کرنا واجب ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں لیکن کلی طور پر اسباب پر اعتماد اور دل کا ان کی طرف متوجہ ہونا توکل کے منافی ہے کیونکہ اسباب کو بروئے کار لانا اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت ہے اور مؤمن کو کامل یقین ہونا چاہئے کہ یہ اسباب نفع ونقصان کا باعث نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔[889]

---

[887] (رسالہ قشیریہ ص ٧٦)

[888] (لأربعین فی أصول الدین للغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ٢٤٦)

[889] (دلیل الفالحین ج ٢ ص ٣)

توکل کی فضیلت اور اس کے آثار

توکل ایمانِ کامل کا نتیجہ اور معرفتِ الٰہی کا ثمر ہے اور جس قدر بندے کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو گی اسی قدر اس کا توکل مضبوط ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر حقیقی توکل اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا اسی کی وجہ سے سربلند ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکتا، اسے اپنے مولیٰ پر کامل اعتماد ہوتا ہے، اسی لئے اس کے علاوہ کسی اور سے سوال نہیں کرتا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مرید کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بندوں کے سامنے دامنِ طلب دراز کرے حالانکہ اس کی ہر ضرورت اس کا مولیٰ پوری کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کے ساتھ ملایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): "وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (مائدہ:۲۳)

اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایماندار ہو۔

(۲): "وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن" (ابراھیم ۱۱)

اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل اور صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے اور اس کے تمام مصائب و تکالیف کو دور کر کے اس کے دل کو غنا اور یقین سے بھر دیتا ہے اور اس کے ظاہر کو عفت اور جود و کرم سے آراستہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْن" (آل عمران: ۱۵۹)

بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

"وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (طلاق:۳)

اور جو (خوش نصیب) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کیلئے وہ کافی ہے۔

توکل دل میں سکون واطمینان پیدا کرتا ہے خصوصًا مصائب وآلام کے وقت صاحبِ توکل کا دِل انتہائی پر سکون اور مطمئن رہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام نے یہ وظیفہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران ۱۷۳)" (اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز) پڑھا اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے بھی یہی وظیفہ پڑھا جب لوگوں نے کہا:

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران ۱۷۳)

"بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوشِ ایمان کو اور انہوں نے کہا: کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔"[890]

اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرنے والا اس کی قضاء پر راضی ہوتا ہے اور اس کے حکم کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اسے اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

---

[890] (اخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب التفسیر، تفسیر سورة آل عمران)

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا تو وہ اکثر اوقات اپنے اس قول میں جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی رہتا۔[891]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے توکل کی تعریف فرمائی ہے اور مؤمن کی زندگی میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو بیان فرمایا ہے۔ توکل ہی مؤمن کے دل میں اطمینان و سکون پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا۔"

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتے تو وہ تمہیں رزق دیتا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔[892]

اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ پرندے توکل کر کے گھونسلوں میں بیٹھے رہتے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ پرندے اپنے رب پر توکل و اعتماد کر کے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں یعنی وہ تلاش رزق میں سستی نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے وہ غم و حزن سے مامون رہتے ہیں۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے امتِ اسلامیہ کو ہر حال میں توکل کرنے پر رغبت دلائی ہے خصوصاً جب انسان اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب انسان اپنے گھر سے نکلتے ہوئے "بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا

---

[891] (رسالہ قشیریہ ص ۷٦)

[892] (رواہ الترمذی فی کتاب الزھد، وأخرجہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۳۱۸)

باللہ" پڑھتاہے تو اسے ندا دی جاتی ہے کہ تو ہدایت یافتہ ہو گیا اور تجھے ہر غم سے نجات مل گئی اور تجھے ہر قسم کے شر سے محفوظ کر لیا گیا اور شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے اور دوسرے شیطان سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے جو ہدایت یافتہ ہو اور جسے ہر غم سے نجات اور ہر شر سے اس کی حفاظت کر دی گئی ہو۔[893]

مراتب توکل

توکل میں لوگوں کے مختلف مراتب ہیں کیونکہ توکل بھی دوسرے مقاماتِ سلوک کی طرح ہے۔ مؤمن اپنی معرفت کے مطابق اس کے مراتب میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے عارفین نے توکل کے تین مراتب بیان کئے ہیں۔

۱) اس کا سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا تعلق اس طرح ہو جس طرح کہ موکل اپنے شفیق اور مہربان وکیل کے ساتھ۔

۲) اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ جس طرح بچہ اپنی ماں کے ساتھ کہ وہ اپنے تمام امور میں اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۳) اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ جس طرح مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان تینوں مراتب میں فرق یہ ہے کہ پہلے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ نہیں ہوتا لیکن وہ ضرورت کے وقت اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے جبکہ

---

[893] (أبو داؤد نسائی ترمذی فی کتاب الدعوات)

تیسرے مرتبہ میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے بے خبر ہر لحظہ یہ دیکھ رہاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہاہے۔[894]

خلاصہ

خلاصہ ٔکلام یہ ہے کہ توکل، ایمان ومعرفت کے عظیم ثمرات اور اطمینان وسکون کے اہم اسباب میں سے ہے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے صحیح مفہوم کو سمجھاہے اور لوگوں کو آگاہ کیاہے کہ توکل اسباب ووسائل کو ترک کرنے کا نام نہیں، بلکہ توکل اپنی امید کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے، اس کی تدبیر وحکمت پر مکمل اعتماد کرنے اور دل کو اسباب سے لاتعلق کرنے کانام ہے کیونکہ صرف اسباب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

صوفیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ توکل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ پر مطمئن اور اس پر اطمینان اور مکمل اعتماد کرتے ہیں، اور اسی کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر اس سے مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ انہیں کامل یقین ہوتا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعلِ حقیقی نہیں۔ یہ تو ان کے قلوب کی کیفیت ہے مگر ان کے ابدان اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور صحابہ ٔکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع وپیروی میں اسباب ووسائل کو بروئے کار لانے میں مصروف ہوتے ہیں۔

---

[894](معراج التشوف ص ۸)

شکر

تعریف: علماء نے شکر کی کثیر تعریفات کی ہیں، ان میں سے بعض اہم کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

"الشکر هو عکوف القلب علی محبة المنعم والجوارح علی طاعته وجریان اللسان بذکره والثناء علیه"۔

یعنی شکر یہ ہے کہ دل محسن کی محبت کی طرف متوجہ ہو اعضاء اس کی طاعت وفرمانبرداری میں مصروف ہوں اور زبان اس کے ذکر اور حمد وثنا میں مشغول ہو۔[895]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"هو فرح القلب بحصول النعمة مع صرف الجوارح فی طاعة المنعم والاعتراف بنعمة المنعم علی وجه الخضوع"۔

یعنی محسن کی اطاعت میں اعضاء وجوارح کو مصروف کرنے کے ساتھ ساتھ حصولِ نعمت پر دل کے خوش ہونے اور عاجزی وانکساری کے طور پر محسن کی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں۔[896]

سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع وبصر وغیرہ تمام نعمتوں کا رب کی منشا کے مطابق صرف کرنے کا نام شکر ہے۔[897]

---

[895] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۶)
[896] (معراج التشوف ص ۷)
[897] (تعریفات السید ص ۷۶)

علامہ ابن علان صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰفرماتے ہیں کہ شکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف کرنے اور اس کی خدمت کے سر انجام دینے کو کہتے ہیں اور جس میں یہ وصف کثرت سے پائی جائے اسے شکور کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا:۱۳)

اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔"[898]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ان گنت اور بے شمار ہونا کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللہِ لَا تُحْصُوهَا" (ابراهیم:۳۴)

اور اگر تم گنناچاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

ان نعمتوں کو تین اہم اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

(۱): دنیاوی نعمتیں: جیسے صحت وعافیت اور مالِ حلال وغیرہ۔

(۲): دینی نعمتیں: جیسے علم و عمل، تقویٰ اور معرفتِ الٰہی وغیرہ۔

(۳): اخروی نعمتیں: جیسے عملِ قلیل پر عطائے کثیر۔

دینی نعمتوں میں سب سے عظیم ترین نعمت جس پر شکر کرنا ضروری ہے وہ ایمان واسلام اور معرفتِ الٰہی کی نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ مؤمن کو چاہیے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے۔

---

[898] (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج ۲ ص ۵۷)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱):"وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" (حجرات:۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں۔

(۲):وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ۔ (نور: ۲۱)

اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہر گز۔

مؤمن جب اس عظیم کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں سے مطلع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے محبت کا سبب بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنے نیک بندوں کے واسطے سے کرتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کے ذریعے ہم پر اپنا فضل واحسان کیا ہے اور اسی طرح ہمارے والدین اور ہمارے شیوخ و مربین کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔ پس مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیونکہ وہی منعم حقیقی ہے جس نے ہمارے لئے لوگوں کے ذریعے نیکی کے راستوں کو آسان کیا۔ یہ لوگ صرف واسطہ ہیں اور منعم حقیقی وہی ذات ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ" (نحل:۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

اسی طرح مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کا سبب بنایا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے:

"مَنۡ لَایَشۡکُرُ النَّاسَ لَایَشۡکُرُ اللّٰہ"

یعنی جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کر سکتا۔[899]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن کو ہماری پیدائش کا ذریعہ اور بہت سی نعمتوں کا واسطہ بنایا۔ ارشاد فرمایا:

أَنِ اشۡکُرۡ لِي وَلِوَالِدَیۡکَ إِلَيَّ الۡمَصِیرُ (لقمان:۱۴)

کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخر کار) میری طرف ہی لوٹنا ہے۔

مخلوق کا شکریہ ادا کرنا آسان ہے اور جو مخلوق کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زیادہ قاصر رہے گا۔

شکر کی اقسام:

سابقہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱):زبان کا شکر (۲):ارکان کا شکر (۳):دل کا شکر۔

(۱) **زبان کا شکر:** اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول وَأَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ ۱۱) کی اتباع کرتے ہوئے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ

---

[899] (أخرجه أبو داؤد في سننه في باب شكر المعروف عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه)

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اس قول **"التحدث بنعمۃ اللہ شکر"**(اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا شکر ہے) کی اتباع کرتے ہوئے۔[900]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے نعمت کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی اور جس نے اظہارِ نعمت کیا اور اس کو عام کیا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر لیا۔

اسی لئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی شخصیت شکر اور حمد وثنا میں مثالی شخصیت تھی۔

اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکۃ ذھبا قلت: لا یا رب ولٰکن اشبع یوما واجوع یوما وقال ثلاثا او نحو ھٰذا فاذا فعلت تضرعت الیک وذکرتک واذا شبعت شکرتک وحمدتک"۔

یعنی: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش کی کہ وہ میرے لئے بطحاء مکہ کو سونا بنا دے گا۔ میں نے عرض کی، نہیں، اے میرے پروردگار! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے تین دفعہ فرمایا اور فرمایا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں عجز وانکساری کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر اور حمد وثنا بجالاؤں گا۔[901]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی رغبت دلائی گئی ہے جس طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے

---

[900] (رواہ امام احمد فی مسندہ عن انعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۴ ص ۳۷۵)

[901] (رواہ الترمذی فی کتاب الزھد عن أبی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ایک بندہ نے کہا، اے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں جیسے تیرے مرتبہ وجلال اور عظیم قدرت کے لائق ہے۔ ان کلمات نے فرشتوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ انہیں کیسے لکھیں۔ وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے پروردگار تیرے ایک بندہ نے کچھ کلمات کہے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم انہیں کیسے لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندہ نے کیا کہا ہے؟ حالانکہ وہ بہتر جاننے والا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بندہ نے کہا ہے: "**یا رب، لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک**" تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا، ان کلمات کو اسی طرح لکھ دو، جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے حتیٰ کہ جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں خود اسے ان کلمات کا اجر وثواب عطا فرماؤں گا۔[902]

(۲): ارکان کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد "**اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا**" **(سبا:۱۳)** میں ارشاد فرمایا ہے کہ شکر ہی عمل ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے عملی طور پر اس کی وضاحت فرمادی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا:

"**کان النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ فقلت لہ لم تصنع ھٰذا یا رسول اللہ! وقد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ قال، افلا اکون عبدا شکورا**"۔

یعنی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قیام اللیل فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے میں نے عرض کی، یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

---

[902] (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الأدب)

عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کے اگلے اور پچھلوں کے بھی گناہ معاف فرمادیئے گئے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[903]

(۳): دل کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ تجھ پر اور مخلوق خدا پر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَا بِکُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ" (نحل: ۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

یہ نعمتیں کہیں تجھے محسن و منعم سے دور نہ کر دیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس سے بچنے کا یہ طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے، اس نے پورے دن کا شکر ادا کر دیا:

اللھم ما اصبح لی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد و لک الشکر۔

اور جس نے یہی کلمات شام کے وقت کہے اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔[904]

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے اللہ! تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا پھر اس میں تو نے اپنی خاص روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اسے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا تو اس نے

---

[903] (بخاری، کتاب الرقاق، مسلم کتاب صفات المنافقین، ترمذی ابواب الصلاۃ)

[904] (ابو داؤد فی سننہ فی باب ما یقول اذا أصبح، و نسائی اللفظ لہ)

تیرا شکریہ کیسے ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اس نے جان لیا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو اس کا یہ جان لینا بھی شکر کرنے کے مترادف ہے۔[905]

مؤمن کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد و ثنا کی توفیق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جس طرح کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں تیرا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں حالانکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تو تیری ایک نعمت ہے جس پر شکریہ واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے داوٗد! اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔[906]

شکر کرنے والوں کے مراتب

شکر کرنے والوں کے مراتب درج ذیل ہیں:

(۱): **عوام کا شکر:** عوام فقط نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲): **خواص کا شکر:** خواص نعمتوں اور آزمائشوں وابتلاء میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا سامنا اپنی زبان سے حمد و ثنا اور دل سے رضا کے ساتھ کرتا ہے اور شیطان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو ڈال دے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

---

[905] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)

[906] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)

"اذا مات ولد العبد قال اللہ لملائکتہ قبضتم ولد عبدی، فیقولون نعم۔ فیقول فماذا قال عبدی؟ فیقولون: حمدک واسترجع، فیقول اللہ تعالی ابنوا العبدی بیتا فی الجنۃ وسموہ بیت الحمد"۔[907]

جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح کو قبض کر لیا، فرشتے عرض کرتے ہیں، ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے بندے نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں، اس نے تیری حمد و ثنا بیان کی اور کہا، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرۃ ١٥٦) تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو۔ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کیلئے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔[908]

(۳): خاص الخواص کا شکر: یہ لوگ منعم اور محسن کی ذات میں اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں نعمت اور آزمائش کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "الشکر رویۃ المنعم لا رویۃ النعمۃ" یعنی شکر، منعم کا خیال کرنا ہے نہ کہ نعمت کا۔[909]

---

[907] (ترمذی، کتاب الجنائز)

[908] (المستدرک ج ۱ ص ۵۰۲)

[909] (رسالہ قشیریہ ص ۸۱)

شکر کی فضیلت

شکر تمام مقامات سے اعلیٰ وارفع مقام ہے کیونکہ یہ دل، زبان اور اعضاء وجوارح کو شامل ہوتا ہے اور اسی طرح صبر ،رضا، حمد اور ان کے علاوہ بہت سی بدنی اور قلبی عبادات اس میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر کا حکم دیاہے اور اس کی ضد یعنی کفر وناشکری سے منع کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاشْكُرُوْالِي وَلَاتَكْفُرُوْنِ" (بقره ۱۵۲)

اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

شکر رسل کرام علیہم السلام کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو اس صفت سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا ط وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ۔ (نحل ۱۲۰)

ترجمہ: "بلا شبہ ابراہیم (علیہ السلام) ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ کی نعمتوں کیلئے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (اسراء ۳)

ترجمہ: "بے شک وہ (نوح علیہ السلام) ایک شکر گزر بندے تھے۔"

محبوبِ خدا ہمارے آقا و مولا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم عبادت اور قیام اللیل میں انتہائی کوشش کرتے اور مشقت برداشت فرماتے اور بڑے خشوع وخضوع سے اور تمام دنیا

سے کٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے جواب دیا، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ سائل نے یہ گمان کیا تھا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی عبادت طلبِ مغفرت کیلئے تھی لیکن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے جواب نے سائل کی توجہ مقامِ شکر کی طرف دلائی جو مقاماتِ عبدیت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خود شکر کے مقام رفیع پر فائز تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مؤمنین کو اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے انہیں حکم فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذکر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوۃ تقول: اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔

اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔ اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسنِ عبادت پر میری اعانت فرما۔[910]

مقامِ شکر اعلیٰ وارفع مقام ہے اس کا حصول انتہائی مشکل اور کٹھن ہے۔ اس کے حصول کیلئے مجاہدات اور مراقبات کے ساتھ ساتھ صدق، صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاکرین کی تعداد انتہائی قلیل ہے کیونکہ کریم لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں شاکرین کی قلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

[910] (ابوداؤد، نسائی، مستدرک: ج: ۱: ص: ۴۹۹)

ارشاد فرمایا:

”وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْر“ (سبا:۱۳)

ترجمہ: ”بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔“

اور اسی طرح فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور انعام واکرام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ٥ (نمل:۷۳)

ترجمہ: ”اور بے شک آپ کا رب بہت فضل وکرم فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی عظیم نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرماتا ہے، اور ہمیں کائنات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، تاکہ ہم ان عظیم نعمتوں کا ادراک کرسکیں جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں اور جن کو شمار کرنے اور احاطہ کرنے سے انسان عاجز ہے۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس طرح کہ اس کا شکر کرنے کا حق ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اللهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ م بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل:۷۸)

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

چالیس سال کی عمر میں انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان اس عمر کو پہنچتا ہے اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے اور اس

کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنا دامن طلب دراز کر کے اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ مولا! مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”حَتّٰی إِذَا بَلَغَ أَشُدَّہُ وَبَلَغَ أَرْبَعِیْنَ سَنَةً۔ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ“ (احقاف: ۱۵)

ترجمہ: ”حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے۔“

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے کو عبادات کی مشقت پر صبر کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

”الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر“[911]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کے قائم مقام ہے۔

شکر نعمتوں کی بقاء اور دوام کا بہترین وسیلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شکر نعمتوں کو اس طرح قابو کر لیتا ہے جس طرح رسی اونٹ کے پاؤں کو۔

---

[911] (ترمذی، کتاب صفة القیامة)

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من لم یشکر النعم فقد تعرض لزوالھا ومن شکرھا فقد قیدبعقالھا۔

یعنی جس نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ ان کے زوال سے دوچار ہوا اور جس نے ان کا شکر ادا کیا اس نے ان کو رسی کے ساتھ مقید کر لیا۔[912]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب وعقاب کو دعوت دینا ہے۔ وہ ذات جس نے نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کو سلب کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (نحل:۱۱۲)

ترجمہ: اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ ہے کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے آباد تھی۔ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے، پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس، ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے وہ انہیں مزید عطا فرمائے گا۔

---

[912] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم لابن عجیبہ ج ۱ ص ۱۰۰)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ''

اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔[913]

در حقیقت شاکر کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا اس کی اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ شکر کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں اور اس کے فضل واحسان، اس کی عظیم محبت، عمدہ تعریف وتوصیف کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (نمل: ۴۰)

ترجمہ: ''اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کیلئے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی۔''

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مقامِ شکر پر فائز ہو کر جب اس مقام کی عظمت وشان اور فضیلت کو جانتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی یا اخروی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ اس نعمت میں ہی مشغول نہ ہو جائے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ شکر کا طریقہ اختیار کرے تاکہ وہ مزید نعمتوں اور دائمی توفیق کا سبب بنے۔ حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بھلائی کے راستوں میں سے کوئی راستہ تیرے لئے کھول دے تو اس کو لازم پکڑ لو۔ اس راستہ کی طرف دیکھنے اور اس پر فخر کرنے سے بچو بلکہ اس ذات کے شکر میں مشغول ہو جاؤ جس نے تجھے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کیونکہ تمہارا اس راستہ کی

[913] (ابراھیم:۷) (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۲۹۸)

طرف دیکھنا تمہیں اپنے مقام سے گرا دے گا لیکن اس کے شکر میں مشغول ہونا تمہارے لئے مزید انعامات کا سبب ہو گا۔

اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احوال میں درِ شکر کو لازم پکڑا اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول رہے اور اسی کو ہی فاعلِ مطلق، منعم حقیقی اور شکور و کریم تصور کرتے ہوئے عاجزی و انکساری سے اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو گئے اور اس کی جناب میں دعا گو ہوئے کہ وہ ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کر دے اور ان کی زبانوں کو اپنی حمد و ثنا میں مشغول کر دے اور ان کے اعمال کو شریعت کے احکام کے تابع کر دے۔ اس میں انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ کی پیروی کی۔

تنبیہ: شکر کی بحث کے ساتھ ہی کتاب کا تیسرا باب مکمل ہو گیا۔ جس میں وصول الی اللہ کے راہ کی نشاندہی کرنا مقصود تھی لیکن یہاں ایک بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ہم نے جو مقامات اس کتاب میں ذکر کئے ہیں وہ تمام کے تمام مقامات نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جن کی تفصیل شیخ محمد ہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ سو مقامات ہیں شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری ہروی فقیہ حنبلی مفسر قرآن صوفی باصفا متوفی (۴۸۱ھ) نے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سو منازل کو ذکر کیا ہے اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی عمدہ تقسیم اور وضاحت

فرمائی ہے اور راہِ حق کی خواہش رکھنے والوں کیلئے بہت مفید بتایا ہے اور اس کا نام "**منازل السائرین الی الحق عز شانہ**" رکھا ہے۔[914]

باب چہارم
تصوف کے ثمرات

حُبّ الٰہی

حبِّ الٰہی پر مقامات سلوک کی انتہاء ہوتی ہے اور یہی منازل سلوک کی بلند ترین چوٹی ہے، محبت کے بعد اگر کوئی مقام ہے تو وہ اس کا ثمرہ اور تابع شمار ہو گا۔ جیسے شوق، انس اور رضا وغیرہ اور اسی طرح محبت سے قبل مقامات کا شمار اس کے مقدمات میں ہو گا۔ جیسے توبہ، صبر اور زہد وغیرہ۔[915]

محبت کو کسی تعریف میں محدود نہیں کیا جاسکتا جو اس کی وضاحت کر سکے، بلکہ اس کی تعریفات اس میں مزید خفا اور پوشیدگی کا سبب بنتی ہیں کیونکہ تعریفات تو علوم کی، کی جاتی ہیں اور جبکہ محبت علم نہیں بلکہ ایک وجدانی کیفیت ہے جو محبین کے قلوب پر طاری ہوتی ہے اس کیفیت سے گزر کر ہی اس کی حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ محبت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے یہ تو سب اس کے آثار، ثمرات اور اسباب ہیں۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی تعریف میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اس کی حقیقی تعریف کی ہو، بلکہ اس کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر لوگوں نے اس کی تعریف، اس کے نتائج، آثار اور لوازم سے کی ہے۔ محبت وہ

---

[914](شرح شطر نج العارفین ص ۱۲)

[915](الاحیاء ج ۱۳ ص ۲۵۷۰)

صفت ہے جس کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ بھی متصف ہے۔ محبت کے بارے بہترین قول ابو العباس صنہاجی سے مروی ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیرت محبت کی صفات میں سے ہے اور غیرت، ستر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے محبت کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔[916]

ابن دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی حقیقی تعریف وہی کر سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو اور جس نے اس کا مزہ چکھ لیا، اس کو اپنی خبر نہیں رہتی۔ اس لئے کیسے ممکن ہے کہ اس کی تعریف بیان کی جا سکے۔ یہ اسی طرح ہے کہ نشے میں مدہوش انسان سے نشے کی حقیقت کے بارے میں پوچھا جائے تو عقل پر نشے کے غالب آنے کی وجہ سے اس حالت میں اس کی تعریف نہیں کر سکتا۔ ان دونوں نشوں میں فرق یہ ہے کہ شراب کا نشہ عارضی ہوتا ہے اور اس کا زائل ہونا ممکن ہوتا ہے اور نشہ کافور ہونے پر انسان اس کی حقیقت کو بیان کر سکتا ہے مگر اس کے مقابلے میں محبت کا نشہ دائمی ہوتا ہے۔ جس نے بھی اس نشہ کو چکھ لیا، اس کا دوبارہ ہوش میں آنا ممکن نہیں۔ اس لئے وہ اس کی حقیقت کے بارے میں کیسے خبر دے سکتا ہے، جیسا کہ شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

یصحو من الخمر شاربوها　　　والعشق سکر علی الدوام

شراب پینے والے تو ہوش میں آ جاتے ہیں اور عشق دائمی نشے کا نام ہے۔[917]

اسی وجہ سے جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش اور شوق و دیوانگی میں دل کا دھڑکنا محبت کہلاتا ہے۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے کچھ آثار بیان فرمائے۔

---

[916] (فتوحات مکیۃ الباب الثامن و السبعون)

[917] (مشارق انوار القلوب و مفتاح اسرار الغیوب، لعبدالرحمٰن بن محمد الانصاری ص ۲۱)

ابو بکر کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایامِ حج کے دوران مکہ مکرمہ میں محبت کا مسئلہ چل نکلا، بڑے بزرگوں نے اس کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان بزرگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تمہاری باری ہے، بتاؤ کیا بولتے ہو؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے سر کو جھکایا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، محب وہ بندہ ہے جو اپنی ذات سے غافل ہو۔ ہمیشہ اپنے رب کے ذکر میں مشغول ہو۔ اس کے حقوق ادا کرے۔ اپنے دل کی نگاہ سے اس کا مشاہدہ کرے۔ اس کی ہیبت کے انوار نے اس کے دل کو جلا دیا ہو۔ اس نے اللہ کی محبت کا جام طہور پیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کے پردے اس پر منکشف کر دیئے ہوں۔ اگر وہ گفتگو کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولے، اگر حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اگر ساکن ہو تو اللہ کے ساتھ یعنی اسے باللہ، للہ اور مع اللہ کی کیفیت حاصل ہو۔ بزرگ، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گفتگو سن کر رونے لگے۔ وہ فرمانے لگے کہ اس سے بڑھ کر محبت کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اے تاج العارفین! اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔"[918]

محبت کی دلیل اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندہ سے محبت اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی بہت سی دلیلیں ہیں۔

---

[918] (مدارج السالکین ج۳ ص ۱۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (مائدہ: ۵۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

وَالَّذِینَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ۔ (بقرہ: ۱۶۵)

اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ سے۔

"قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُم" (آل عمران: ۳۱)

اے محبوب!) آپ فرمایئے انہیں کہ اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ۔

"یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" یہ محبت کی دلیل، اس کا فائدہ اور اس کی فضیلت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔"[919]

یہ تین چیزیں جس میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔

(۲) کسی سے محبت کرے تو اللہ کیلئے کرے۔

---

[919] (بخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان)

(۳) کفر میں لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ نارِ جہنم میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے میرا اس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ ادائیگی فرائض سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی چیز محبوب نہیں ہے جس کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو یقیناً میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ [920]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور انہیں حکم دیتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آپ علیہ السلام آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس اہلِ آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسی طرح اسے زمین میں بھی مقبولیت سے نواز دیا جاتا ہے۔ [921]

---

[920] (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

[921] (بخاری فی صحیحہ فی کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

”عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم کان داودُ علیہ السلام یقولُ: اللّٰھمّ إنّي أسألُکَ حبّکَ، وحبّ من یحبُّکَ، والعَملَ الّذي یبلّغُني حبّکَ، اللّٰھمّ اجعل حبّکَ أحبّ إليّ من نفسي وأھلي والماءِ البارِدِ“

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! حضرت داؤد علیہ السلام یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میری جان، میرے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی محبوب بنا دے۔[922]

قرآن و سنت ایسے بیان سے بھرے پڑے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اور ان کے اعمال و اقوال اور اخلاق سے محبت کرتا ہے۔ جس طرح کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): ”وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْن“ (آل عمران: ۱۴۶)

اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

(۲): ”وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْن“ (مائدہ: ۹۳)

اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے۔

(۳): ”إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوّٰابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ“ (بقرہ: ۲۲۲)

بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(۴): ”وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَاد“ (بقرہ: ۲۰۵)

اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

---

[922] (ترمذی، کتاب الدعوات)

(۵):"وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" (حدید:۲۳)

اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور شیخی باز کو۔

(۶):"وَاللهُ لَا يُحِبُّ الضَّآلِّيْن" (آل عمران:۵۷)

اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا گمراہوں سے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اللہ تعالیٰ اور اپنی محبت کو کثیر احادیث میں ایمان کی شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه لا يُؤْمِنُ أحَدُكُمْ، حتّى أكُونَ أحَبَّ إلَيْهِ مِن والِدِهِ وَوَلَدِهِ والنّاسِ أجْمَعِينَ۔

تم میں سے کوئی ایک بھی (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال، مال اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔[923]

اس حدیث پاک میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ کو محبت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک بڑا ارفع واعلیٰ اور انتہائی تاثیر کن مقام ہے۔ پہلے آپ نے ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل واحسان کی طرف کرائی اور پھر وضاحت فرمائی کہ ان کی اللہ سے محبت اس کے محبوب مکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ان کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت پہچاننے کا ذریعہ ہے۔

---

[923](رواہ البخاری ومسلم فی کتاب الایمان عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم الحدیث ۱۵)

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اللہ سے محبت کرو، کیونکہ وہ تمہیں نعمتیں عطا کرتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔ [924]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے محبین کو اپنے محبوب کی معیت کی خوشخبری دی ہے، حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنَّ رَجُلًا سَأَلَ النبيَّ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ وَسلّم: مَتی السّاعَۃُ یا رَسولَ اللہ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم؟ قالَ: ما أعْدَدْتَ لَها قالَ: ما أعْدَدْتُ لَها مِن کَثِیرِ صَلاۃٍ ولا صَوْمٍ ولا صَدَقَۃٍ، ولٰکِنّي أُحِبُّ اللہ ورَسولَہُ، قالَ: أنْتَ مع مَن أحْبَبْتَ۔ قال انس رضی اللہ تعالی عنہ: فَما فَرِحْنا بشيءٍ، فَرَحَنا بقَوْلِ النبيِّ صَلّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلّم: أنْتَ مع مَن أحْبَبْتَ۔" [925]

ایک آدمی نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں سوال کیا۔ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قیامت کب ہوگی؟ آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا، تونے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کی میں نے اس کیلئے کثیر نماز، روزے اور صدقہ کو جمع نہیں کیا، لیکن میں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے محبت کرتاہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تو محبت کرتا ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! کیا ہمیں بھی یہ کیفیت حاصل ہو گی؟ تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا! ہاں۔

---

[924] (ترمذی، کتاب المناقب)

[925] (صحیح بخاری کتاب المناقب رقم الحدیث ۳۶۸۸، صحیح مسلم کتاب البر عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا یہ قول سن کر ہم انتہائی خوش ہوئے کہ ''تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تو محبت کرتا ہے۔''

محبت کے بارے میں کثیر احادیث وارد ہیں جو تمام اس کی فضیلت و عظمت کی طرف مشیر ہیں۔ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت کے مقام رفیع پر فائز ہوئے تو وہ ایمان واخلاق اور ایثار و قربانی میں کمال تک پہنچ گئے۔ محبت کی حلاوت نے مصائب وآلام کی تلخی کو ان کیلئے مانوس بنا دیا اور جذبہ محبت نے انہیں اپنے محبوب کی راہ میں جان، مال، وقت اور ہر قیمتی چیز قربان کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ وہ اپنے محبوب کی محبت اور رضا سے بہرہ ور ہو سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اِسلام اعمال واحکام کا نام ہے اور محبت اس کی روح ہے اور بغیر محبت کے اعمال بے جان ڈھانچوں کی طرح ہیں۔

اسباب محبت:

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کثیر اسباب کا ذکر کیا ہے جو محبت کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں سے دس اہم اسباب کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱): تلاوت قرآن اور اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرنا۔

(۲): فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا کیونکہ نوافل کی ادائیگی مقامِ محبت کے حصول کے بعد مرتبہ محبوبیت تک پہنچا دیتی ہے۔

(۳): ہر حال میں زبان، قلب اور عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت اور دوام اختیار کرنا کیونکہ ذاکر کو اس کے ذکر کے مطابق ہی محبت کا حصہ ملتا ہے۔

(۴): خواہشاتِ نفسانی کے غلبہ کے وقت اپنی پسند پر محبوب کی پسند کو ترجیح دینا اور اس کی پسند کی طرف مائل ہونا اگرچہ اس میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

(۵): دل کا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مطالعہ، مشاہدہ اور اس کی معرفت حاصل کرنے میں مصروف رہنا کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعے ہوتی ہے وہ لامحالہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

(۶): اس کے فضل واحسان اور ظاہری وباطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرنا کیونکہ یہ تمام کی تمام نعمتیں محبتِ الٰہی کی داعی ہیں۔

(۷): اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دِل کا انکساری اور تواضع اختیار کرنا۔

(۸): تجلّیٔ الٰہی کے وقت اس کے مناجات کیلئے خلوت وعزلت نشینی اختیار کرنا، خصوصاً سحری کا وقت اس کیلئے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ اس وقت میں تلاوت قرآن کرے اور حضورِ قلب کے ساتھ باادب طریقہ سے اس کی بارگاہ میں حاضر رہے اور پھر توبہ واستغفار کے ساتھ اس مجلس کو برخاست کرے۔

(۹): نیک اور صالح اور سچے محبوں کی ہم نشینی اختیار کرنا اور ان کے عمدہ کلام سے استفادہ کرنا اور ان کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے کہ ان کے سامنے گفتگو نہ کرے مگر جب کلام میں کوئی مصلحت ہو اور اس میں اپنے لئے اور دوسرے مریدین کیلئے فائدہ ہو۔

(۱۰): اور اس چیز سے اجتناب کرنا جو دل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو جائے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ محبین منزلِ محبت کو طے کرتے ہیں۔

محبت کی علامات:

بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ زبانی دعوی کرنا تو آسان ہے لیکن انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ اس کیلیئے ضروری ہے کہ وہ محبت کی علامات اور دل، زبان اور اعضاء وجوارح میں ظاہر ہونے والے اس کے ثمرات کو اچھی طرح جان لے۔ جب وہ اپنے نفس کو دھوکے سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو میزان محبت میں رکھ کر پرکھ لے اور اس کی علامات کے ساتھ اس کا جائزہ لے۔ محبت کی علامات کثیر ہیں۔

(ا) جنت میں کشف ومشاہدہ کے ذریعہ محبوب کی ملاقات کی خواہش رکھنا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دل کسی محبوب کو چاہتا بھی ہو اور اس کی ملاقات اور مشاہدہ کی خواہش نہ رکھتا ہو اور جب اسے یہ معلوم ہو کہ محبوب کے ساتھ وصال اس دنیا سے کوچ اور موت کے ذریعہ اس سے جدائی کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اس پر لازم ہے کہ موت کو محبوب رکھے اور اس سے فرار اختیار نہ کرے کیونکہ موت ملاقات کی کلید ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"مَنۡ أحَبَّ لِقاءَ اللّٰہ أحَبَّ اللّٰہُ لِقاءَہُ"۔

جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔[926]

---

[926] (بخاری کتاب الرقاق رقم الحدیث ۶۵۰۸، مسلم کتاب الذکر، باب من أحب لقاء اللہ رقم الحدیث ۲۶۸۶)

اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کو محبوب رکھتے تھے اور جب انہیں کسی معرکۂ حق وباطل میں شرکت کی دعوت دی جاتی وہ کہتے، خوش آمدید! یہ اللہ سے ملاقات کاذریعہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دے اور یہ صرف ظاہری طور پر نہ ہو بلکہ باطنی طور پر بھی اس کو یہ کیفیت حاصل ہو۔ پس اسے چاہئے کہ وہ طاعت کو لازم پکڑے، سستی اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے اجتناب کرے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

تعصی الالہ وانت تظهر حبه　　　هذا العمری فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعته　　　ان المحب لمن یحب مطیع

(۱): تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ میری عمر کی قسم! یہ بڑا عجیب قیاس ہے۔

(۲): اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا، کیونکہ محب اپنے محبوب کیلئے مطیع ہوتا ہے۔

اسی مفہوم کو کسی شاعر نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

واترک ما اهوی لما قد هویته　　　فارضی بما ترضی وان سخطت نفسی

میں اپنی پسند کو تیری پسند کیلئے ترک کر دیتا ہوں۔ تیری رضا پر راضی ہو جاتا ہوں، اگرچہ میرا نفس ناراض ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی طاعت ومحبت، اقوال وافعال اور اخلاق میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع کو مستلزم ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ" (آل عمران ۳۱)

(اے محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم !) آپ فرمایئے انہیں کہ اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو تب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ تعالیٰ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو۔

(۳) کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، نہ تو اس کی زبان ذکر سے سست پڑے اور نہ ہی اس کا دل ذکر سے خالی ہو کیونکہ جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا اکثر ذکر کرتا ہے۔

خیالک فی قلبی وذکرک فی فمی　　ومثواک فی قلبی فاین تغیب

تیرا خیال میرے دل میں ہے اور تیرا ذکر میری زبان پر اور تیرا ٹھکانا میرے دل میں ہے۔ تو میری نگاہوں سے کیسے اوجھل ہو سکتا ہے۔

(۴) خلوت، مناجاتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن پاک سے مانوس ہو پس اس کیلئے ضروری ہے کہ تہجد پر مواظبت اختیار کرے اور رات کے پر سکون لمحات کو غنیمت جانے۔ محبت کا ادنٰی ترین درجہ یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوت میں لذت محسوس کرنا اور اس کے ساتھ مناجات میں آسودگی خیال کرنا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس نہ کرے لیکن ہر وہ گھڑی جو اللہ تعالیٰ کے ذکر وطاعت سے خالی گزر جائے۔ اس پر اسے افسوس کرنا چاہئے اور اس غفلت پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے لطف اندوز ہو اور اس کو بوجھل نہ سمجھے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر شفقت اور نرمی سے پیش آئے اور اس کے تمام دشمنوں سے سختی سے پیش آئے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح: ۲۹)

کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقت ور ہیں آپس میں بڑی رحم دل ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی عظمت وہیبت کے سامنے اپنی محبت میں اس سے ڈرنے والا ہو۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ خوف، محبت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عظمت کا ادراک ہیبت کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح جمال کا ادراک محبت کا سبب بنتا ہے۔ محبین کو اپنے مراتب کے مطابق مختلف قسم کے خوف لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کو اعراض کا خوف ہوتا ہے کسی کو حجاب کا اور کسی کو اس کی بارگاہ سے دوری کا۔ اسی لئے بعض محبین کا قول ہے: محبوب کو میں نے جان لیا اور میں اس سے خائف ہوں تجھ سے وہی محبت کرے گا جو تجھے جاننے والا ہو گا۔

(۹) محبت کو چھپانا اور دعویٰ محبت سے اجتناب کرنا اس کے عظمت و جلال اور ہیبت کی وجہ سے محبت اور وجد کے اظہار کرنے سے بچنا۔ کوئی محب جب اس راز کو چھپانے سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا۔ وہ اپنے راز کو چھپاتا ہے لیکن آنسو اس کے راز کو آشکارا کر دیتے ہیں اور سانسیں اس کے وجد کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا:

و من قلبہ مع غیرہ کیف حالہ؟ و من سرہ فی جفنہ کیف یکتم؟

جس کا دل کسی غیر کے ساتھ لگا ہو تو اس کا کیا حال ہو گا؟ اور جس کا راز اس کی پلکوں میں ہو وہ اس کو کیسے چھپا سکتا ہے؟

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور رضا حاصل ہو اور اس اُنس کی علامت یہ ہے کہ اس کا دِل مخلوق کے ساتھ نہیں لگتا اور اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے اسے لذّت حاصل ہوتی ہے۔ اگر اسے لوگوں کے ساتھ ملنا پڑ جائے تو وہاں بھی اسے جلوت میں خلوت کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ان لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں! یہ وہ لوگ ہیں جنہیں علم حقیقتِ حال تک پہنچا دیتا ہے۔ انہیں یقین کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے وہ امور ان کیلئے آسان ہو جاتے ہیں جو دنیادار لوگوں کیلئے مشکل ہوتے ہیں۔ وہ اس شئے سے مانوس ہوتے ہیں جس سے جاہل خوف محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری ابدان کے ساتھ اہلِ دنیا کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور ان کی ارواح عرشِ اعلیٰ کے ساتھ معلق ہوتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خلفاء اور اس کے دین کے داعی ہیں۔

مراتب محبت

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے محبت کے دس مراتب بیان کئے ہیں:

(۱) علاقہ: محبوب کے ساتھ دل کے وابستہ ہو جانے کو علاقہ کہتے ہیں۔

(۲) ارادہ: محبوب کی طرف دل کے میلان اور اس کی خواہش کو ارادہ کہتے ہیں۔

(۳) صبابہ: محبوب کی طرف دل کا رجحان اتنا ہو کہ وہ دل کو قابو نہ کر سکے جس طرح کہ پانی جس وقت بلندی سے پستی کی طرف گرتا ہے تو اس پر کنٹرول نہیں ہو سکتا۔

(۴) الغرام: اس سے مراد وہ محبت ہے جو دل کے ساتھ لازم ہو جائے کہ اس سے جدا نہ ہو جس طرح قرض خواہ مقروض کو لازم ہوتا ہے۔

(۵) وداد: محبت جب خالص اور صاف ہو جائے تو اسے وداد کہتے ہیں۔

(۶) شغف: محبت کا دل کے غلاف تک پہنچ جانا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شغف یہ ہے کہ محب، محبوب کی جفا کو جفا نہ سمجھے بلکہ اسے عدل اور وفا سمجھے۔

(۷) عشق: محبت جب حد سے تجاوز کر جائے کہ اس سے ہلاکت کا خوف ہو تو اسے عشق کہتے ہیں۔

(۸) تتیم: اس سے مراد یہ ہے کہ محبت، محب کو اپنا تابع اور مطیع بنالے۔

(۹) تعبد: اس کا درجہ تتیم سے اوپر ہے کیونکہ غلام کو اپنی ذات پر کسی قسم کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

(۱۰) الخلہ: یہ وہ مقام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے آقا و مولیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو عطا فرمایا گیا اور خلت سے مراد وہ محبت ہے جو محب کے قلب و روح پر چھا جاتی ہے حتیٰ کہ محبوب کے علاوہ یہاں کوئی چیز نہیں بچتی۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس زندگی کا راز دو حرفوں "حاء اور با" پر قائم ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

واحسن حالۃ انسان صدق ۔۔۔ واکمل وصفہ حاء وبا

انسان کی بہترین حالت صدق ہے اور اس کا مکمل ترین وصف حاء اور باء یعنی حب ہے۔

محبت کی وجہ سے احکامِ شریعت پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے

لولاک سرالوجود ۔۔۔ ماطاب عیشی ولا وجودی

ولا ترنمت فی صلاتی ۔۔۔ ولا رکوعی ولا سجودی

(۱): اے سر وجود! اگر تو نہ ہوتا تو نہ ہی میری زندگی خوشگوار ہوتی اور نہ ہی میرا وجود۔

(۲): اور نہ ہی میری نماز میں ترنم ہوتا اور نہ ہی میرے رکوع و سجود میں۔

محبت جب دل میں اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہے تو اس سے اس فانی دنیا کو نکال دیتی ہے پھر محب انتہائی آرام دِہ اور آسودہ زندگی گزارتا ہے اور کسی قسم کے غم سے دوچار نہیں ہوتا۔

ایک بزرگ کسی آدمی کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس بیٹھ کر رو رہا تھا۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرا محبوب فوت ہو گیا ہے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! تو نے ایسے محبوب کے ساتھ دل لگا کر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر تو اس ذات سے محبت کرتا جسے کبھی موت نہیں آئے گی تو تو فراق کے عذاب سے دوچار نہ ہوتا۔

ہم اپنے ارد گرد کے ماحول میں بہت سی مثالیں دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عاشق اپنے محب کی ملاقات سے مایوس ہو جاتا ہے تو وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی مال و متاع پر مر مٹنے والے کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ خودکشی آگ میں جلنا یا پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگا دینا روزمرہ زندگی کے معمول بن چکے ہیں۔ دنیاوی محبت میں ناکام ہونے والوں کا عام طور پر یہی انجام ہوتا ہے۔

جب دنیا پر مر مٹنے والوں کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے عاشقین کا کیا حال ہو گا۔ جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور اس کو اپنا پروردگار تسلیم کیا اور محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا دین مانا ان میں بعض تو ایسے تھے جنھوں نے موت سے محبت کی اور اس کو خوش آمدید کہا تاکہ موت کے بعد اپنے احباب کی ملاقات سے سرفراز ہوں۔ جس طرح کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکراتِ موت کے وقت ارشاد فرمایا کہ کل محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات ہو گی اور بعض نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول

کیلئے میدانِ جنگ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے اور دنیا کی کسی حقیر چیز کیلئے جان قربان کرنے میں بڑا فرق ہے۔

محبت کے دوران حاصل ہونے والا بہترین ثمرہ باہمی الفت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهُ۔ (مائدہ: ۵۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

اسی طرح باہمی رضا اور ذکر بھی اسی کا ثمرہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (بینہ: ۸)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

ذکر کے بارے میں فرمایا:

فَاذْکُرُوْنِیْ أَذْکُرْکُم (بقرہ ۱۵۲)

"سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر کچھ ایسے لوگوں سے ہوا جن کے بدن عبادت کی وجہ سے کمزور اور رنگ متغیر ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے عرض کی۔ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ فرمایا اس کی عبادت کس لئے کرتے ہو؟ عرض کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ سے ڈرایا تو ہم اس سے ڈر گئے۔ ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے امان دے دی ہے جس سے تم ڈرتے ہو۔ آپ علیہ السلام کچھ آگے بڑھے تو وہاں ایسے لوگ ملے جو پہلے لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم کس وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت اور اپنے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے تیار کردہ نعمتوں کا شوق دلایا۔ ہم اپنی عبادت کے بدلے میں اس کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں عطا کر دیا ہے۔ پھر آگے بڑھے تو کچھ اور عبادت گزاروں سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا تم کون ہو؟ عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محب ہیں۔ ہم اس کی عبادت نہ تو نارِ جہنم کے خوف سے کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی جنت کے شوق میں بلکہ ہماری عبادت اس کی محبت اور عظمت و جلال کی وجہ سے ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم ہی اللہ کے حقیقی ولی ہو۔ مجھے حکم ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ٹھہروں اور آپ علیہ السلام ان لوگوں کے درمیان مقیم ہو گئے۔

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کی ہمتیں مختلف ہیں اور ان میں سے بعض دنیا کے طالب، اور بعض آخرت کے اور بعض ذاتِ باری تعالیٰ کے طالب ہیں۔ کسی بزرگ نے کسی قاری کو یہ آیت کریمہ مِنۡكُمۡ مَنۡ يُرِيدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَنۡ يُرِيدُ الۡآخِرَةَ (آل عمران: ۱۵۲) تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ کے چاہنے والے کہاں ہیں؟ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ اللہ کی عبادت رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور یہ تاجروں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ اس کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں تو یہ غلاموں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ اس کی عبادت اس کا شکر ادا کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کا وصف یوں بیان کیا ہے:

فمامقصودهم جنات عدن　　ولا الحور الحسان ولا الخيام
سوى نظر الجليل وذامناهم　　وهٰذا مقصد القوم الكرام

(۱): ان کا مقصود نہ تو جنت عدن ہے اور نہ ہی حسین حور و قصور۔

(۲): سوائے اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے یہ ان کی آرزو ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں کہ جب رات ان پر سایہ فگن ہوتی ہے تو خوفِ خدا کی وجہ سے ان کی آہیں نکل جاتی ہیں اور جب صبح ہوتی ہے تو ان کے رنگ تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اذاما اللیل اقبل کابدوہ ویسفر عنھم وھم رکوع
اطار الشوق نومھم فقاموا واھل الامن فی الدنیا خشوع

(۱): جب رات چھاتی ہے تو وہ اس کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں اور جب فجر طلوع ہوتی ہے تو وہ رکوع میں ہوتے ہیں۔

(۲): شوق نے ان کی نیندوں کو اڑا دیا تو وہ عبادت کیلئے کھڑے ہو گئے اور اہلِ امن دنیا میں مست ہیں۔

اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام عبادت پر صبر کرتے ہیں اور ان کے پاؤں تہجد کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مستجاب الدعا ہوتے ہیں اور اپنی رات رکوع و سجود میں گزار دیتے ہیں۔ ندا دینے والا انہیں ندا دیتا ہے:

یارجل اللیل جدوا رب صوت لا یردوا
لا یقوم اللیل الا من لہ عزم وجد

اے رات کو عبادت کرنے والو! کوشش کرو۔ بہت سی دعائیں ایسی ہیں جن کو رد نہیں کیا جاسکتا، رات کا قیام وہی کر سکتا ہے جو محتاط اور محنتی ہو۔

جب وہ تھوڑا سا آرام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شوق انہیں بے چین کر دیتا ہے تو وہ فورًا اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان پر وجد و جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ بے خود ہو جاتے ہیں۔ ذاتِ کبریاء کا طالب انہیں پکارتا ہے اور اس کے ساتھ مناجات کرنے پر ابھارتا ہے۔

حثوا مطایا کم وجدوا ان کان لی فی القلوب وجد
قدآن ان تظھر الخبایا وتنشر الصحف فاستعدوا

اپنی سواریوں کو تیار کرو اور کوشش جاری رکھو اگر تمہارے دلوں میں وجد ہے، اب راز کو ظاہر کرنے کا وقت آ گیا۔ نامۂ اعمال پھیلا دیئے جائیں گے۔ اس کیلئے تیاری کر لو۔

ان کے بستر ان کے مشتاق ہوتے ہیں۔ ان کے سرہانے ان پر افسوس کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیند کیلئے بے قرار ہوتی ہیں اور ان کے پہلو آرام کے خواہشمند لیکن رات کا وقت ان کیلئے حصولِ مراتب کیلئے بہترین وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ رات کی تاریکیوں میں نیند سے منہ موڑنے کو طویل قیام کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور اپنے پروردگار کے ساتھ مصروف رہتے ہیں اور اس کے قرب سے مانوس ہوتے ہیں۔ اگر وہ ذات ایک لمحہ کیلئے بھی ان سے اوجھل ہو جائے تو وہ مضطرب اور بے چین ہو جائیں۔ وہ اپنی نماز تہجد کو سحری تک طویل کر دیتے ہیں اور شبِ بیداری کے ثمرات کے منتظر رہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبین کیلئے جلوہ افروز ہوتا ہے اور ان سے دریافت فرماتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ عرض کرتے ہیں تو ہمارا مالک و مولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے محبوب اور میری محبت و عنایت کے اہل ہو۔ یہ ہے میرا چہرہ اس کا مشاہدہ کر لو اور یہ ہے میرا کلام اسے سن لو۔ اور یہ ہے جام طہور اس کو پی لو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (دھر ۲۱)

اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب۔

جب وہ یہ جام نوش جان کر لیتے ہیں تو ان پر طرب و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ان پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کے ذکر کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات سے بے

خود اور بے خبر ہو جاتے ہیں۔ جب بادِ صبا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کنعان پہنچائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اس کی خبر نہ تو اہلِ کنعان کو ہوئی اور نہ ہی ان کو جہاں سے چلی تھی اور نہ ہی یہودا کو اور نہ ہی قاصد کو۔

محبت وہ فطرتی امر ہے جو پاکیزہ نفس میں پروان چڑھتی ہے۔ اس سے انسان کو اپنے نفس کی حقیقت کا علم اور اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور جوں جوں محبت زیادہ ہوتی ہے ایمان کامل ہوتا جاتا ہے اور محبت کے مطابق انسان کو سعادت اور آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ حبِ الٰہی، ذوقِ انسانی کے احاطہ سے ماوراہے کیونکہ یہ محبت نفسِ انسانی کو راضیہ اور مطمئنہ کے درجہ پر پہنچا دیتی ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت حرص اور لالچ اور خواہشات سے پاک اور خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے۔ ان کی محبت میں کسی علت یا سبب کا دخل نہیں ہوتا اور اپنے مولیٰ کی رضا کے علاوہ ان کے عشق کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں! سب لوگ نارِ جہنم کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں اور اس سے نجات کو اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں یا اس لئے عبادت کرتے ہیں تاکہ جنت میں اقامت پذیر ہوں اور شرابِ طہور کے جام اور سلسبیل کو نوش جان کریں، یا جنت کے محلوں میں آرام کریں لیکن میں اپنی محبت کا کوئی بدل نہیں چاہتی۔

یعنی آپ رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندگی اللہ تعالیٰ سے محبت اس کے احکام کو بجالانے کا نام ہے کیونکہ محب اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو راہِ محبت سے شناسائی تھی اس لئے وہ اس راہ پر چل نکلے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن

جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔(بخاری)

محبت، معرفتِ الٰہی اور وصول الی اللہ کی بنیاد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"ان تحب ما احب اللّٰہ و تبغض ما ابغض اللّٰہ و تفعل الخیر کلہ و ترفض کل ما یشغل عن اللّٰہ و لا یخاف فی اللّٰہ لومۃ لائم مع العطف للمؤمنین و الغلظۃ علی الکافرین و اتباع رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم فی الدین۔"

محبت یہ ہے کہ تو اس چیز کو دوست رکھے جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور اس چیز کو ناپسند کرے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے، اور تو ہر نیک کام کرے اور ہر اس چیز کو دور پھینک دے جو تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں تجھے کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ ہو۔ مؤمنوں کے ساتھ تو نرم خو ہو اور کافروں کے ساتھ سخت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی دین میں پیروی کرے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اخلاق، افعال، اوامر اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنتوں کی اتباع کرتا ہے۔

شیخ کبیر سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اپنے نفس کو تواضع کی تعلیم دیتا ہے اور علائقِ دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو

ترجیح دیتا ہے۔ اس کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور ما سوی اللہ اپنے نفس کیلئے کوئی خواہش نہیں چھوڑتا اور اس کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

شیخ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی حقیقت اس کے ذکر سے دائمی انس ہے۔

شیخ ابن دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مطلوب و مقصود ملاء اعلیٰ میں دائمی زندگی رب کریم کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ و مطالعہ جمالِ الٰہی سے لطف اندوز ہونا ہے اور یہ سعادت ان نفوسِ قدسیہ کو حاصل ہوتی ہے جو ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا مرکز ہوں۔ محبتِ حقیقی اور انوارِ الٰہی کے شوق کی طرف لے جانے والے تمام علمی اور عملی راستے ان کیلئے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ جب اس سعادت ابدیہ سے سرفراز ہوتے ہیں تو انہیں وہ لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ اس لئے ہر صاحبِ عقل کو اس عظیم مقصد کے حصول اور سلسبیل کے سرچشمہ میں وارد ہونے میں کوشش کرنی چاہیئے جس تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوتی ہے کیونکہ عاشق ہمیشہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے وہ آسمانی بجلی کا نظارہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کی بارگاہ سے ہو کر آئی ہے اور اس کے بے مثل جمال کی خبر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کی چمک ان عاشقوں کے جگر کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

اسی قسم کے ذوق سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو محبتِ الٰہی کے سائے تلے اطمینان ورضا کی دولت میسر ہوئی اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ روحانی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی سازوسامان اور اس کی خواہشات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیا ان کیلئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی معیت میں خوش وخرم اور اس کے قرب سے سرفراز ہوتے ہیں اور اس کے فضل واحسان اور جودوسخا کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔ (بینه:۸)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔

نیز ارشاد فرمایا:

یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ (مائده:۵۷)

اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے۔

یعنی پہلے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے پھر ان کو اپنی محبت کیلئے چن لیتا ہے اور یہی لوگ اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ برگزیدہ اور اس کے خاص دوست ہیں۔

فراست

تعریف: سید جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تعریف بیان فرماتے ہیں: ''فراست لغت میں کسی چیز میں غور وفکر کرنے کا نام ہے اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں غائب کا مشاہدہ کرنا اور علم یقینی تک رسائی حاصل کرنا ہے''۔

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ خیال جو صاحبِ فراست کے دل میں اچانک رونما ہوتا ہے یا اس سے مراد وہ وارد ہے جو اس کے دل میں ظاہر ہوتا ہے اور جب دل صاف ہو تو یہ غالبًا صحیح ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

"اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور اللہ۔"[927]

مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس کی قوت وطاقت قربِ الٰہی اور معرفت کے مطابق ہوتی ہے۔ جوں جوں قرب و معرفت میں اضافہ ہو گا تو فراست میں صداقت آتی جائے گی کیونکہ روح کو جب بارگاہِ الٰہی کا قرب حاصل ہوتا ہے تو اس میں حق کے علاوہ کسی اور چیز کا ظہور نہیں ہوتا۔

کشف وہ نور ہے جو سالکین کو منازلِ سلوک کے دوران حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہری حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور مادی اسباب کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ انہیں مجاہدہ، خلوت اور ذکر کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی بصارت، بصیرت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہر چیز کو عیاں دیکھتے ہیں اور وہ زمان و مکان کی حدود سے آزاد ہو جاتے ہیں اور پھر وہ عالمِ امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ کیفیت اس شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی جو خواہشاتِ نفسانی، شیطانی وساوس، شکوک وشبہات، عقائدِ باطلہ میں مبتلا ہو کیونکہ یہ ان روشن اور قلوبِ سلیمہ کیلئے خاص ہے جو دنیا کی تاریکیوں سے پاک ہو چکے ہیں اور شکوک وشبہات اور مادی کثافتوں سے منزہ ہیں۔

جو شخص اپنی نظر کو محارم سے بچاتا ہے اور اپنے نفس کو شہوتوں سے روکتا ہے اور اپنے باطن کو اللہ تعالیٰ کے مراقبہ سے معمور کرتا ہے اور اکلِ حلال کا عادی ہوتا ہے۔ اس کی فراست اور کشف کبھی خطا نہیں کرتا جو شخص اپنی نظر کو محارم سے نہیں بچاتا، اس کا تاریک نفس اس کے دل کے آئینہ کو گدلا کر کے اس کے نور کو مٹا دیتا ہے۔

---

927 (سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۱۳۸ دار الفکر بیروت ۵ /۸۸، کنز العمال حدیث ۳۰۷۳۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۸۸)

کشف کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے ظاہری حواس سے باطنی حواس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی روح اس کے حیوانی نفس پر غالب آجاتی ہے۔روح انتہائی لطیف اور ہر چیز کو آشکارا کر دیتی ہے۔اس طرح بندے کو کشف کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور اسے الہام ہونے لگتا ہے۔

عظیم مؤرخ ابن خلدون اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پھر عموماً مجاہدہ خلوت اور ذکر کے بعد ظاہر حجاب اٹھ جاتے ہیں اور سالک عالمِ امر سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ صرف ظاہری حواس سے ان چیزوں کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور روح کا تعلق بھی عالم امر سے ہے اور اس کشف کا سبب یہ ہے کہ روح جب ظاہری حس سے باطنی حس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ظاہری حس کے احوال کمزور اور روح کے احوال قوی ہو جاتے ہیں اور اس کا حکم غالب اور وہ ارتقاء پذیر ہو جاتی ہے۔ اس عمل میں ذکر معاون کا کام دیتا ہے کیونکہ وہ روح کی ترقی کی غذا ہے۔روح اسی طرح پروان چڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ علم کے بعد مشاہدہ کا مقام آتا ہے۔ظاہری حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور نفس انسانی اتنا صاف اور شفاف ہو جاتا ہے کہ آسانی سے ہر چیز کا ادراک کر لیتا ہے۔اس وقت سالک کو علم لدنی اور فیوضاتِ الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کشف اکثر اوقات صاحبِ مجاہدہ کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کائنات کے حقائق جان لیتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں جان سکتے۔ صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہمصاحبِ مجاہدہ تھے اور ان کو سب کیفیات حاصل تھیں لیکن وہ ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔اہلِ طریقت صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ کار پر عمل پیرا رہے رسالہ قشیریہ میں صاحبِ کشف صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ کشف وراثتِ محمد یہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے صدق، اخلاص اور طہارتِ قلب کی وجہ سے عطا ہوئی۔

کشف اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد میں آنے والے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مکاشفات ذکر کرنے سے پہلے نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے کچھ مکاشفات ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو عطا فرمائے اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا کشف معجزہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صوفیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کشف کرامت ہے اور ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے معجزے کے قائم مقام ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اقامت کے بعد آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا:

"اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری" (بخاری، مسلم)

اپنی صفیں سیدھی کرو اور باہم مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ بے شک میں تمہیں اپنی پشت پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

چونکہ کشف عالمِ حس سے بالاتر ہوتا ہے اور اس میں زمان و مکان کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیلئے قریب و بعید کا مشاہدہ برابر تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت زید،

حضرت جعفر اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک غزوہ میں بھیجا اور جھنڈا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اس غزوہ میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے بیان فرمایا کہ جھنڈا پہلے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑا پھر ان کو شہید کر دیا گیا۔ پھر جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر جھنڈا حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح حاصل ہوئی۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ ارشاد غزوہ موتہ کے موقع پر فرمایا:

کشف اور قرآن

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (انعام ۷۵)

اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم علیہ السلام کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تا کہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں تین واقعات ذکر فرمائے ہیں:

(۱): حضرت خضر علیہ السلام کو کشف ہوا کہ وہ کشتی جس پر وہ دریا پار کرنے کیلئے سوار ہوئے تھے۔اس کو ظالم حکمران اپنے قبضہ میں لے لے گا تو آپ نے اس میں سوراخ کر کے اسے عیب دار کر دیا تا کہ اسے ظالم کے شر سے بچایا جا سکے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَ کَانَ وَرَائِھِمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا (کھف ۷۹)

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنادوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے۔

(۲): آپ علیہ السلام کو بچے کے بارے میں کشف ہوا کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ والدین کو کفر میں مبتلا کرے گا اور انہیں قتل کر دے گا۔پس آپ علیہ السلام نے اس کے مؤمن والدین پر رحم کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کو قتل کر دیا۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا (۸۰) فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا خَیْرًا مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا (الکھف ۸۱)

ترجمہ: ”اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مؤمن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔“

(۳): آپ علیہ السلام کو کشف ہوا کہ اس دیوار کے نیچے خزانہ ہے یہ ان دو یتیم بچوں کا تھا جن کا والد نیک آدمی تھا۔ آپ علیہ السلام نے خزانہ کی حفاظت کیلئے بچوں پر رحم کرتے ہوئے اور ان کے والد سے محبت کی وجہ سے اس دیوار کو بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے تعمیر کر دیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ"۔ (کهف ۸۲)

باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی۔

کشف اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کی صدیقیت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ" (الزمر:۳۳)

اور وہ ہستی جو سچ کو لے کر آئی اور جس نے سچ کی تصدیق کی۔

ہم یہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشف کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو حقیقتِ حال سے پردہ اٹھانے کیلئے کافی ہے ورنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و محاسن کو بیان کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے بعد میرے اہل و عیال میں تیرے سوا کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے

جس کو غنی دیکھنا زیادہ محبوب ہو اور تیرا تنگ دست ہونا مجھ پر شاق ہے۔ میں نے تمہیں "عالیہ" کی زمین سے بیس وسق کھجوریں عطا کی تھیں۔

یہ ورثاء کا مال ہے اور یہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میری تو ایک ہی بہن اسماء ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ خارجہ کی بیٹی یعنی ان کی بیوی حاملہ ہے اور میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ یہ لڑکی ہے۔ پس اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو کرامات ہیں:

(۱): آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خبر دینا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال اسی مرض میں ہو گا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ وراثت کا مال ہے۔

(۲): یہ خبر دینا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچی پیدا ہو گی اور اس کو ظاہر کرنے میں راز یہ تھا کہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کو خوش کرنا چاہتے تھے کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ہبہ کو ان سے واپس لے لیا تھا جس پر انہوں نے ابھی قبضہ نہیں کیا تھا تو پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا کہ انہیں وراثت سے کتنا حصہ ملے گا۔ اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتایا کہ یہ وراثت کا مال ہے جس میں ان کے ساتھ دو بھائی اور دو بہنیں شریک ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو الہام ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں میں بعض لوگ ایسے تھے جن پر الہام کیا جاتا تھا۔ اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔ (بخاری، مسلم)

آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان امتوں میں صاحبِ الہام موجود تھے تو اس امت میں ان کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔

علامہ تاج سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر بھیجا اور انہیں بلاد فارس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ باب نہاوند کا محاصرہ کرتے ہوئے ان کے لشکر پر سخت وقت آ گیا۔ دشمن کی تعداد بڑھ گئی اور قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت مدینہ طیبہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دورانِ خطبہ بلند آواز سے پکارا "یا سارية الجبل۔ من استرعی الذئب الغنم قد ظلم" (اے ساریہ! پہاڑ کو لازم پکڑو جو بکریوں کو بھیڑیوں سے چرواتا ہے تحقیق وہ ظلم کرتا ہے) اللہ تعالٰی نے ساریہ اور اس کے لشکر کو نہاوند میں آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی آواز سنوا دی۔ پس وہ آواز سن کر پہاڑ کی طرف لپکے اور کہنے لگے کہ یہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی آواز ہے۔ اس طرح وہ خطرے سے نجات پا کر دشمن پر غلبہ پا گئے۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقصد اظہارِ کرامت نہ تھا بلکہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کشف حاصل ہوا تھا اور آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی آنکھوں سے لشکر کا مشاہدہ فرما رہے تھے گویا کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ در حقیقت ان کے درمیان موجود تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مکمل توجہ ان کی طرف مبذول تھی اور جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کے امیر کو حکم دیا کہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو۔

اس قصہ سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱): سینکڑوں میل کی دوری سے مشاہدہ کرنا اور یہی صحیح کشف ہے۔ یہ آج سے چودہ سو سال قبل کا واقعہ ہے جب ٹیلیویژن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

(۲): اتنی دوری کے باوجود حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کا پہنچنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ مذحج کے کچھ لوگوں سے ملاقات کی جن میں اشتر نخعی بھی تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسے غور سے دیکھا تو فرمایا اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایک دن مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرے گا تو وہی ہوا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ابن عساکر طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات کرتا تو جب وہ آدمی دورانِ گفتگو جھوٹ بولتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روک دیتے وہ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محوِ کلام ہو جاتا اور دورانِ گفتگو جب جھوٹ بولتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روک دیتے تو وہ عرض کرتا میں نے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گفتگو کی وہ حق ہے سوائے ان باتوں کے جن سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روکا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کوئی جھوٹ بولتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً پہچان لیتے۔

امام بیہقی نے "دلائل" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی گئی کہ اہلِ عراق نے اپنے گورنر کو پتھر مارے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ کی حالت میں گھر سے نکلے

اور نماز میں مشغول ہو گئے اور نماز میں بھول گئے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام پھیرا تو فرمایا، اے اللہ! انہوں نے میری نماز میں خلل ڈالا ہے تو بھی ان کو خلط ملط کر دے اور ان پر ثقفی نوجوان مسلط کر دے جو ان پر دور جاہلیت کی طرح حکومت کرے۔ نہ تو وہ ان کے نیکو کاروں سے عذر قبول کرے اور نہ ہی ان کے سیاہ کاروں سے در گزر کرے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا۔ ابن لہیعہ فرماتے ہیں۔ اس وقت حجاج بن یوسف پیدا ابھی نہیں ہوا تھا۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس کا راستہ میں ایک عورت سے آمنا سامنا ہو گیا اور اس کی نظر اس عورت پر پڑ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں در آنحالیکہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے تو اس شخص نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد بھی وحی نازل ہوتی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ یہ تو مؤمن کی فراست ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کی تادیب اور اس کو اس فعل سے روکنے کیلئے اس بات کا اظہار کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کی پرورش رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی گود مبارک میں ہوئی اور جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان مواخات فرمائی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا اے علی! تو میرا بھائی ہے اور غزوہ تبوک کے موقع پر ارشاد فرمایا اے علی! کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مقام ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔

حضرت اصبغ فرماتے ہیں:

"اتینا مع علی فمرنا بموضع قبر حسین فقال علی ھٰھنا مناخ رکابھم وھھنا موضع رحالھم وھھنا مھراق دمائھم فتیة من آل محمد یقتلون بھذہ العرصة تبکی علیھم السماء والارض"۔

ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آئے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے مقام سے گزرے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ یہ ان کی سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خیموں کی جگہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں ان کا خون بہایا جائے گا۔ اس میدان میں آلِ محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے کچھ نوجوان شہید کئے جائیں گے جن پر زمین وآسمان نوحہ کناں ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ کوفہ سے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اہلِ بیت تشریف لائیں گے اور تم سے مدد طلب کریں گے لیکن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اہلِ کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو سلوک کیا یہ اس کی طرف اشارہ تھا اور اگر ہم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکاشفات اور ان کی بصیرت کے واقعات کو یہاں درج کرنا چاہیں تو ہم اس کتاب کے موضوع سے بہت دور نکل جائیں۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور کشف

حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما بیت اللہ شریف میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد کے دروازے سے داخل ہوا۔ ان میں سے ایک نے فرمایا کہ میرا خیال ہے

کہ وہ بڑھئی ہے۔ دوسرے نے فرمایا نہیں بلکہ یہ لوہار ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس آدمی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا میں بڑھئی ہوں لیکن آج کل میں نے لوہار کا پیشہ اختیار کیا ہوا ہے۔[928]

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا جس پر دو چیتھڑے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس قسم کے فقیر لوگوں پر بوجھ ہوتے ہیں۔

اس نے مجھے ندا دی اور کہا:

"وَ اعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ أَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ" (البقرہ:۲۳۵)

ترجمہ: "اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو۔"

میں نے اپنے دل میں ہی توبہ کی تو اس نے مجھے ندا دی اور کہا:

وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ (شوریٰ:۲۵)

ترجمہ: "اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی۔"

پھر وہ شخص غائب ہو گیا اور دوبارہ نظر نہ آیا۔[929]

حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دروازے پر کھڑے ہیں لیکن میں نے اس خیال کو دل سے جھٹک دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جب خیال آیا اور گھر سے نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ

---

[928] (تفسیر قرطبی، ج۱۰ ص۴۴)

[929] (الاحیاء للغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ج۳ ص۲۱)

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دروازے میں کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ تم اس وقت کیوں نہیں نکلے جب تمہیں پہلی بار خیال آیا تھا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد کی جامع مسجد میں فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان داخل ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے خیال میں یہ لڑکا یہودی ہے۔ ان سب نے اس بات کو ناپسند کیا۔ پھر میں مسجد سے نکلا اور وہ لڑکا بھی وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی لڑکا واپس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ اس بزرگ نے کیا کہا تھا؟ وہ شرمندگی کی وجہ سے اسے نہ بتاسکے۔ جب اس نے اصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ شیخ نے تمہارے بارے میں کہا تھا کہ تم یہودی ہو۔ شیخ خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں کو چوما اور مسلمان ہو گیا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق کی فراست کبھی غلط نہیں ہوتی۔ میں نے سوچا کہ میں مسلمانوں کا امتحان لیتا ہوں۔ اگر کوئی صدیق ہوا تو اسی گروہ میں ہو گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالٰی کے پاک کلام کی تلاوت کرتے ہیں۔ میں جب بھیس بدل کر ان کے پاس آیا تو شیخ نے جب اپنی فراست سے مجھے پہچان لیا تو میں نے جان لیا کہ وہ صدیق ہے تو یہی نوجوان بعد میں بلند پایہ صوفی بن گیا۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حدیث پاک میں اس کی خبر دی ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"ان للہ عبادا یعرفون الناس بالتوسم"[930]

اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کو اپنی فراست سے پہچان لیتے ہیں۔

---

[930] (بزار، طبرانی)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع مسجد بغداد میں وعظ فرمارہے تھے کہ ایک نصرانی نوجوان بھیس بدل کر پوچھنے لگا۔ اس حدیث "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ"(ترمذی) (مؤمن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) کا کیا معنی ہے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تھوڑی دیر کیلئے سر جھکایا پھر ارشاد فرمایا، اے نوجوان! مسلمان ہو جا تمہارے مسلمان ہونے کا وقت آگیا ہے۔ پس وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔

یہ حدیث پاک اس کشف کی اصل ہے جو کثیر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰکو حاصل ہوتا ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کشف کے ذریعے ان باتوں کو جان لیتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہوتی ہیں گویا کہ وہ ان کے ساتھ حاضر تھے اور یہ چیز اس شخص کیلئے فتنہ کا باعث ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔

سوال: کیا کشف کے ذریعہ اصحابِ قبور کی حالت کو بھی جانا جاسکتا ہے؟

جواب: علامہ عبدالرؤف مناوی حدیث **لولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر**[931] (اگر تم بات کو چھپاسکتے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذابِ قبر سنادے) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دوسری ہولناکیوں کے علاوہ صرف قبر کے عذاب ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ یہ پہلی منزل ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کشف طاقت کے مطابق عطا کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کشف حاصل ہو جائے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

بعض صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قبر کے حالات سے آگاہی کئی اشخاص کو ہو جاتی ہے لیکن یہ خطرناک چیز ہے۔ جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ ایک دن میں کئی بار مرتا ہے۔

---

[931] (فیض القدیروج ۱۵، ص ۱۱۰، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ج۵، ص ۳۴۱)

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ یہ چیز اس سے محجوب کر دے اور بندے کو یہ چیز اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کی روحانیت اس کی جسمانیت پر غالب آجاتی ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی ملائکہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس حدیث میں جن لوگوں کو خطاب فرمایا ہے ان کی روحانیت، جسمانیت پر غالب تھی اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ہر قوم کے ساتھ اس کے حال کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی فراست اور لوگوں کے دلوں کے راز سے آگاہ ہونے کے واقعات شمار سے باہر ہیں لیکن منکر کو صحابہ کرام، تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور بعد میں آنے والے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول صحیح واقعات اور شواہد فائدہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ صرف مادی زندگی پر ہی ایمان رکھتا ہے اور مادہ کے علاوہ کسی چیز کی تصدیق نہیں کرتا۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کا دل جب صاف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی نظر جب کسی کدورت یا کسی صاف چیز پر پڑتی ہے تو اسے جان لیتا ہے پھر ان کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کدورت کو تو جان لیتے ہیں لیکن اس کے اصل سبب کو نہیں جان سکتے اور ان میں سے بعض کا مقام اس سے بلند ہوتا ہے، وہ اصل سبب کو بھی جان لیتے ہیں جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مقام حاصل تھا کیونکہ آدمی نے جب عورت کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی وجہ سے اس میں کدورت پیدا ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کدورت کا بھی ادراک کر لیا اور اس کے اصل سبب کا بھی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر معصیت میں کدورت ہوتی ہے جو دل میں سیاہ نقطے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ نقطے رین (زنگ) کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ جس طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (مطففین: ۱۴)

ترجمہ: ”نہیں نہیں۔ در حقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔“

حتیٰ کہ دل میں رین (زنگ) مستحکم ہو جاتا ہے اور دل تاریک ہو جاتا ہے تو نور کے دروازے بند کر کے اس پر مہر لگا دی جاتی ہے اور پھر توبہ کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

جس طرح کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (التوبہ: ۸۷)

ترجمہ: ”اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔“

گناہ صغیرہ چھوٹی سی کدورت کا باعث بنتا ہے جو استغفار اور توبہ وغیرہ سے محو ہو سکتی ہے اور اس کا ادراک کوئی صاحب بصیرت ہی کر سکتا ہے جس طرح کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوٹی سی کدورت کا ادراک کر لیا کیونکہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنے کے متعلق ادراک کر لیا۔ اور اس کے اصل سبب کی طرف بھی رسائی حاصل کر لی اور یہ ایک بلند مقام ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے مقامات بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ جب ایک گناہ صغیرہ کے بعد دوسرا گناہ سرزد ہوتا ہے تو یہ کدورت بڑھ جاتی ہے اور جب گناہوں کی کثرت ہو جائے اور اس کی وجہ سے دل تاریک ہو جائے تو ہر صاحب بصیرت اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے جب کوئی کسی کو گناہوں میں ملوث دیکھتا ہے اور اس کے تاریک دل کو اپنی فراست سے نہیں بھانپ سکتا تو اسے جان لینا چاہیئے کہ اس کی ذات میں ہی کوئی

نقص ہے۔ اگر وہ صاحب بصیرت ہوتا تو اس تاریکی کا ادراک کر لیتا کیونکہ انسان اپنی بصیرت کے مطابق ہی ادراک کر سکتا ہے۔

فراست وہ امر ہے جس کا واقع ہونا جائز ہے اور وہ عطا ہے جو وہ اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے۔ جو اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور اپنے اعضاء و جوارح کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنے قلوب کو صیقل کر کے اپنے نفوس کو مہذب بناتے ہیں۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم "ان لکل قوم فراسة وانما یعرفها الاشراف" (بے شک ہر قوم میں فراست پائی جاتی ہے اور اس کو قوم کے اشراف ہی جان سکتے ہیں) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ فراست کی اساس اور بنیاد محارم سے صرف نظر کرنا ہے۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے ظاہر کو سنت کی اتباع اور اپنے باطن کو دائمی مراقبہ سے معمور کرتا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے اور مخالفات سے صرف نظر کرتا ہے اور اکلِ حلال کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی فراست میں خطا واقع نہیں ہوتی اور جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ اپنے دل کے ساتھ حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

گناہوں کی میل سے طہارت اور پاکیزگی کے اعتبار سے دلوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ دل اس شیشے کی مانند ہے کہ جتنا زیادہ صاف ہو گا اتنی زیادہ اس کی قیمت ہو گی۔ کھڑکی کے شیشے اور خورد بین کے اس شیشہ میں کیا مقابلہ ہو سکتا ہے جو انتہائی دقیق جراثیم کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جس طرح کسی کھڑکی کے شیشے پر خوردبین کے شیشے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح تاریک اور مکدر دلوں کو صاف اور پاکیزہ دلوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ملائکہ کو شیطان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

المختصر جو کوشش کرتا ہے پالیتا ہے اور جو راستے پر چل پڑتا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ ہی جاتا ہے اور جو کسی کام کو ابتدا ہی سے مضبوطی سے سر انجام دیتا ہے وہ کسی نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ ہر چیز کی ابتدا اس کی انتہا پر دلالت کرتی ہے۔

الہام

سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الالهام مايلقى فى الروع بطريق الفيض۔

الہام وہ چیز ہے کہ جو بطور فیض دل میں القاء کی جاتی ہے۔

بعض نے کہا کہ الہام دل میں واقع ہونے والے علم کا نام ہے اور یہ علم کسی آیت قرآنی سے استدلال اور کسی دلیل میں غور و فکر کے بغیر عمل کا تقاضا کرنا ہے۔

الہام کی دو قسمیں ہیں:

(۱): وہ الہام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲): وہ الہام جو فرشتوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس سے امر نہی اور ترغیب و ترہیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

(۱): اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام

پہلی قسم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں فرمایا ہے کہ جب آپ علیہا السلام نے موسم سرما میں کھجور کے درخت کے نیچے پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے آپ علیہا السلام کو الہام کیا اور ارشاد فرمایا: **وَهُزِّىٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا○ فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا (مریم: ۲۵)**

ترجمہ: ”اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔“

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے یہ خطاب آپ کے دل میں القاء اور الہام سے کیا جس طرح کہ حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”وَ أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى“ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون کے سپاہیوں کے ڈر سے جب آپ علیہ السلام کی والدہ انتہائی پریشان اور کرب کی حالت میں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے آپ علیہا السلام کو الہام فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَ أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (القصص:٧)

ترجمہ: ”اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔“

علامہ آلوسی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں وحی کرنے سے الہام مراد ہے۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام سنا تو اپنے لخت جگر کو تلاطم خیز موجوں کے حوالے کر دیا۔ ظاہری طور پر ان تلاطم خیز موجوں میں بچے کی ہلاکت یقینی تھی لیکن آپ علیہ السلام کی والدہ اپنے اس فعل پر مطمئن تھیں کیونکہ جلوت و خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ وحی والہام ان کا معمول تھا۔ آپ ایک سچی مؤمنہ اور ولیہ تھیں اگرچہ نبی نہیں تھیں۔ اسی طرح حضرت

مریم علیہا السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ جب یہ حال ان امتوں کا ہے تو امت محمدیہ کی کیا شان ہو گی۔ جس کی تمام امتوں پر افضلیت کی گواہی خود ربِ کریم نے دی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: "ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں کیلئے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے"۔

(۲): ملائکہ کی طرف سے الہام

فرشتہ انسان سے بلا واسطہ ہم کلام ہوتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتہ کے ذریعہ دل میں جو خیال ڈالا جاتا ہے وہ بھلائی اور خیر کا وعدہ اور حق کی تصدیق کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس کو یہ حاصل ہو اسے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہئے۔ (ترمذی)

وَإِذْ قَالَتُ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ (آل عمران ۴۲)

ترجمہ: "اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہاں کی عورتوں سے۔"

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں کیونکہ نبوت و رسالت مردوں کیلئے خاص ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى۔ (یوسف: ۱۰۹)

ترجمہ: اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر وہ مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں میں سے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ نبی نہیں تھیں تو جبرائیل علیہ السلام کا آپ علیہا السلام کی طرف ارسال آپ علیہا السلام کی کرامت تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی اور یہ صرف ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے اللہ کے نیک بندے ہیں جن کے ساتھ ملائکہ ہم کلام ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کسی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی کی زیارت کیلئے گیا اللہ تعالیٰ نے راستے میں ایک فرشتہ کو مقرر کر دیا۔ جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے کہا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا اس گاؤں میں اپنے بھائی کی زیارت کیلئے جارہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کیا اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے جس کی وجہ سے تم جارہے ہو۔ جواب دیا نہیں۔ میں صرف اس سے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے جس طرح کہ تو اللہ تعالیٰ کیلئے اس بھائی سے محبت کرتا ہے۔

علامہ ابن علان صدیقی اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ فرشتہ نے اس کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَآئُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (حٰمٓ السجدة: ۳۱)

ترجمہ: بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس قول پر پختگی سے قائم رہے۔ اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ فرشتے موت قبر اور بعث کے وقت نازل ہوتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں جب انہیں کوئی دینی یا دنیاوی مشکل پیش آتی ہے۔ اس مدد کے ذریعے یہ ان کے حوصلہ کو بڑھاتے ہیں۔ بذریعہ الہام ان سے خوف اور حزن کو دور کرتے ہیں اور یہی بات زیادہ اظہر ہے کیونکہ آیت کریمہ میں نزول ملائکہ کا حکم مطلق اور عام ہے اور ان تمام مقامات کے علاوہ دوسرے مقامات کو بھی شامل ہے۔ کثیر لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتے اکثر اوقات نیک اور صالح لوگوں پر بھی نازل ہوتے ہیں اور یہ ان سے فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں اور پھر اس آیت کریمہ "وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" (فصلت: ۳۱) (تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ تمہارے ساتھ دنیا میں رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں کے ذریعے کیا گیا ہے اور یہ بشارت ان تین مقامات میں سے ایک ہے اور ارشاد باری تعالیٰ "نَحْنُ أَوْلِيَآئُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں یعنی ہم تمہارے امور میں تمہارے مددگار ہوں گے اور تمہیں حق بات کا الہام کریں گے اور اچھی چیز کی طرف تمہاری راہنمائی کریں گے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ملائکہ ان

مقامات کے علاوہ بھی بعض متقین کو بالمشافہ فرماتے ہیں: "نَحۡنُ أَوۡلِيَآئُكُمۡ فِى الۡحَيوةِ الدُّنۡيَا وَفِىۡ الۡاٰخِرَةِ" اور ملائکہ کا مؤمنین کیلئے اولیاء ہونے کا معنی یہ ہے کہ ملائکہ کو انسانی ارواح میں الہام یقینی مکاشفہ اور حقیقی مقامات کے ذریعے اثر کرنے کی قوت حاصل ہے۔ جس طرح کہ شیطان کو ان ارواح میں وساوس ڈالنے اور بری چیزوں کو آراستہ کرنے کی تاثیر حاصل ہے۔ المختصر ملائکہ کا پاکیزہ ارواح کا اولیاء ہونا کئی اعتبار سے ثابت ہے جن کو اربابِ مکاشفہ ومشاہدہ بخوبی جانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ ولایت جس طرح دنیا میں حاصل ہے اسی طرح آخرت میں بھی باقی رہے گی کیونکہ یہ تعلق عارضی نہیں جو جلدی زائل ہو جائے بلکہ یہ تو موت کے بعد اور بھی قوی ہو جاتا ہے کیونکہ نفس کا جوہر ملائکہ کی جنس میں سے ہے اور یہ سورج کے مقابلے میں ایک شعلے اور سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی مثل ہے لیکن جسمانی علائق اس کے اور ملائکہ کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دل کے ارد گرد چکر نہ لگاتے ہوتے تو وہ ملکوت سماوات کا مشاہدہ کر رہے ہوتے۔ جب یہ جسمانی علائق اور بدنی تدبیرات زائل ہو جاتی ہیں تو اس وقت پردہ اٹھتا ہے اور اثر مؤثر کے ساتھ قطرہ سمندر کے ساتھ اور شعلہ سورج کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملائکہ کی تسبیح سنا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے اپنے زخم کو داغ لیا تو یہ تسبیح منقطع ہو گئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کیفیت لوٹا دی۔

ابن اثیر "اسد الغابه" میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے زخم کو داغنے سے منع کیا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے زخم کو داغ لیا تو ہم نے فلاح اور نجاح نہیں پائی۔ ملائکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بیماری میں آپ

صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو سلام کرنے کیلئے حاضر ہوتے تھے اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اپنے زخم کو داغ لیا تو وہ سلام بند ہو گیا اور پھر بعد میں ان کی طرف لوٹا۔

الہام سے حاصل ہونے والے علم کو صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ علمِ لدنی کہتے ہیں اور یہ علم محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتا ہے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے فیضِ الٰہی اور الہام الٰہی کے ذریعہ علم حاصل کیا ہے۔ لفظی تعلیم اور قولی تدریس سے حاصل نہیں کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے الہام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ غائبی چراغ کا نور ہے جو صاف پاکیزہ اور خالی دل کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ تمام اقوال کشف کے امکان اور الہام کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ دل دنیاوی علائق اور اس کے غم وحزن اور گناہوں کے زنگ اور اس کی ظلمات سے پاکیزہ اور صاف شفاف ہو۔ شیطان آلودہ دلوں پر تسلط قائم کرتا ہے جس طرح مکھی گندے برتنوں پر بیٹھتی ہے اور جب دل پر شیطان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے تو وہ اس کو محبوب حقیقی کے مطالعہ سے دور کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ ہو تو یہ آسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کریں۔ (مسند امام احمد)

ذکر الٰہی اور مراقبہ شیطانی وسوسے کو دور کرنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا شیطان ابن آدم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے پس اگر وہ ذکرِ الٰہی کرے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر کو بھول جائے تو وہ اس کے دل کو اپنے منہ میں لے لیتا ہے۔

(بیہقی، ابو یعلی)

کیونکہ دل جب وسوسہ اور ذکرِ الٰہی سے غفلت کا عادی ہو جاتا ہے تو یہ بیمار پڑ جاتا ہے مگر جب ذکر کا عادی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا مرکز و محور بن جائے تو یہ صحت مند ہو جاتا ہے۔ اور اس کا شمار زندوں میں ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا اپنے رب کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری)

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دل کی دو قسمیں ہیں:

(۱): وہ دل جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہی ابھی اس کی پیدائش کا وقت ہوا ہے۔ یہ وہ دل ہے جو ضلالت و گمراہی اور خواہشاتِ نفسانیہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

(۲): اور دوسرا دل وہ ہے جو پیدا ہو کر توحید کی فضا میں نکل آیا ہے اور آسمان معرفت میں محو پرواز ہے۔ اس نے نفس کی خواہشات اور تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معیت ہی میں مطمئن ہے اور یقین کے انوار نے اسے منور کر کے صاف شفاف آئینہ بنا دیا ہے۔ اب نہ تو اس پر شیطان کا دخل ہے اور نہ ہی اس کا غلبہ۔ یہ کوئی بعید از قیاس چیز نہیں ہے کیونکہ روحانی طاقت سے انسان علمِ غیب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور اس کی برکت سے زندہ ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے مردہ تھا تاریک ہونے کے بعد روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ شیطانی صفات کے بعد ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ (الانعام: ۱۲۲)

کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کیلئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان۔

بلاشک وشبہ یہ روحانی اسرار ومعارف محض کلام سے حاصل نہیں ہوسکتے اور جس کی قسمت میں یہ اسرار ومعارف نہ ہوں۔ اسے چاہئے کہ ان اصحاب اسرار ومعارف کی بات تسلیم کرلے جن کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ ان علوم کا سب سے ادنیٰ حصہ ان کو تسلیم کرنا ہے اور منکر کی ادنیٰ ترین سزا یہ ہے کہ اس کو یہ چیزیں عطا نہیں کی جاتیں کیونکہ یہ تو صدیقین اور مقربین کا حصہ ہے۔

کراماتِ اولیاء

کرامات کا ثبوت اور ان کی حکمت

کرامت اور استدراج میں فرق اور کرامات کے متعلق صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا نقطۂ نظر

آج کل کرامات کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ شریعت میں کرامات کی کیا حیثیت ہے؟ کیا قرآن وسنت میں اس کی کوئی دلیل بھی موجود ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو کرامات عطا کرنے میں کون سی حکمت ہے؟ کیونکہ آج کل بے دینی اور مادیت کا دور دورہ ہے اور گمراہ کن پراپیگنڈے کی کثرت ہے۔ ان چیزوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کر بڑا متاثر کیا ہے اور کئی تعلیم یافتہ افراد کو گمراہ کیا ہے حتیٰ کہ بعض نے تو کرامات کا سرے سے ہی انکار کردیا اور بعض شکوک وشبہات اور تردد میں مبتلا ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ضعفِ ایمان اور اس کے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عدمِ تصدیق کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اظہارِ حق اور شریعتِ الٰہی کی نصرت کیلئے اس موضوع پر تفصیلاً بحث کریں گے۔

(۱): کرامات کا ثبوت

کراماتِ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کتاب و سنت، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے ثابت ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کے جمہور علماء نے ان کو تسلیم کیا ہے۔ خواہ ان کا تعلق فقہاء سے ہو یا محدثین سے۔ اصولین سے ہو یا مشائخ سے۔ ان کی تصنیفات اس پر گواہ ہیں۔ اسی طرح مختلف اسلامی ادوار میں عینی مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور اسے تواتر معنوی کی حیثیت حاصل ہے، اگرچہ ان کی تفصیلات اخبارِ آحاد کے ضمن میں آتی ہیں اور ان کا انکار صرف اہلِ بدعت نے ہی کیا ہے کہ جن کا ذاتِ باری تعالیٰ اس کی صفات اور افعال پر ایمان کمزور ہے۔

کتاب اللہ سے اس کی دلیل:

(۱): اصحابِ کہف کا ۳۰۹ سال تک غار میں حالتِ نیند میں آفات و مصائب سے محفوظ اور زندہ رہنا۔ اللہ تعالیٰ سورج کی گرمی سے ان کی حفاظت فرماتا تھا۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ (کھف ۱۷)

ترجمہ: ”اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو ہٹ کر گزرتا ہے ان کے غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہے۔“

پھر ارشاد فرمایا:

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (الکھف ۱۸)

ترجمہ: اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (الکھف ۲۵)

ترجمہ: اور وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال۔

(۲): حضرت مریم علیہا السلام نے جب کھجور کے خشک تنے کو ہلایا تو سرسبز ہو گیا اس سے تازہ کھجوریں گریں حالانکہ وہ کھجوروں کا موسم نہیں تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ (مریم:۲۵)

اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔

(۳): حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ان کے کمرے میں آتے تو ان کے پاس قسم قسم کے پھل پاتے حالانکہ آپ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور اس کمرے میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَامَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ"۔

(جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا علیہ السلام اس کی عبادت گاہ میں تو موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے یا مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ رزق؟ مریم بولی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔)[932]

(۴): حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کا قصہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ" (نمل: ۴۰)

ترجمہ: "عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ تمہاری آنکھ جھپکے۔"

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آصف بن برخیا ہیں جو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو ملک یمن سے فلسطین لے آئے۔

سنت سے اس کی دلیل

(۱): بخاری اور مسلم شریف میں جریج عابد کا قصہ موجود ہے جس کے ساتھ بچے نے پنگھوڑے میں گفتگو کی۔

---

[932] (آل عمران: ۳۷) (بیہقی، ابو یعلی)

(۲): پنگھوڑے میں گفتگو کرنے والے بچے کا قصہ۔

(۳): ان تین افراد کا قصہ جو بارش سے ڈر کر غار میں داخل ہو گئے تو غار کا منہ بند ہو گیا اور پھر ان کی دعا سے غار کا منہ کشادہ ہو گیا۔

(۴): اپنے مالک کے ساتھ گفتگو کرنے والی گائے کا قصہ۔

آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی دلیل

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی بہت سی کرامات منقول ہیں:

(۱): حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کچھ مہمان آ گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کھانا پیش کیا۔ وہ جوں جوں کھانا کھاتے جاتے کھانا بڑھتا جاتا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے۔

(بخاری)

(۲): حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبرِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم پر کھڑے ہو کر سینکڑوں میل دور لشکر کا مشاہدہ فرمایا۔ جیسا کہ یہ حدیث تفصیلاً گزر چکی ہے۔

(۳): حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چہرہ دیکھ کر جان لیا کہ اس شخص نے راستہ میں کسی غیر محرم عورت پر نظر ڈالی۔ یہ واقعہ بھی تفصیلاً گزر چکا ہے۔

(۴): حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے قبرستان میں داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اے اہلِ قبور السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تم ہمیں اپنے بارے میں خبر دو گے یا ہم تمہیں خبر دیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے آواز سنی۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے امیر المؤمنین! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں خبر دیں کہ ہمارے بعد کیا ہوا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

تمہاری ازواج نے نئی شادیاں کر لیں۔ تمہارے مال تقسیم ہو چکے اور تمہاری اولاد یتیموں کے زمرہ میں شامل ہو گئی۔ وہ مکان جو تم نے بنائے تھے ان میں تمہارے دشمن مقیم ہیں۔ یہ تمہاری قبریں ہیں۔ اب تم ہمیں اپنے متعلق بتاؤ۔ ایک صاحبِ قبر نے جواب دیا۔ ہمارے کفن پھٹ چکے ہیں اور بال بکھر چکے ہیں اور جلد ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ ہماری آنکھیں رخساروں پر بہہ گئی ہیں۔ ناک میں پیپ بھر گئی ہے جو کچھ ہم نے آگے بھیجا تھا اس کو پالیا اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے اس میں نقصان اٹھایا۔ ہم قبروں میں بطور امانت پڑے ہوئے ہیں۔

(۵): حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی حاجت کیلئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس تھے حتیٰ کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ یہ رات بڑی طویل تھی۔ جب وہ باہر نکلے تو ان میں سے ایک کا عصا روشن ہو گیا۔ وہ اس روشنی میں چلتے رہے حتیٰ کہ ایک مقام پر ان کا راستہ جدا جدا ہو گیا تو دوسرے کا عصا بھی روشن ہو گیا۔ اس طرح وہ دونوں اپنے عصا کی روشنی میں گھر پہنچ گئے۔[933]

(۶): حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قید ہونے کے طویل قصہ میں بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھا قیدی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ ان دنوں میں کسی قسم کا پھل نہ تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ رزق تھا۔

(۷): حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی۔ آپ رضی

---

[933] (بیہقی، ابو نعیم، بخاری)

اللہ تعالیٰ عنہ نے تفتیش کیلئے ایک آدمی بھیجا۔ وہ کوفہ کی مسجدوں میں چکر لگا کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھتا تو ہر کوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتا حتیٰ کہ جب وہ اس سلسلہ میں ایک مسجد میں پہنچا تو ابو سعدہ نامی آدمی نے کہا کہ اگر تو سعد کے بارے میں ہم سے پوچھتا ہے تو میں تم کو بتاتا ہوں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو مال غنیمت کو برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ جہاد کیلئے نکلتے ہیں اور نہ ہی فیصلہ کرنے میں عدل کرتے ہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اللّٰہ تعالیٰ ان کان کاذبا فاطل عمرہ و اطل فقرہ و عرضہ للفتن"

ترجمہ: اے اللہ! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کی عمر کو طویل کر دے اور اس کے فقر کو لمبا کر دے اور اس کو فتنوں سے دوچار کر دے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ انتہائی بوڑھا ہو چکا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقر میں مبتلا تھا۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتا کہ میں انتہائی بوڑھا اور فتنہ میں مبتلا ہو چکا ہوں، مجھے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا لگی۔ (متفق علیہ)

(۸): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین خصوصیات دیکھی ہیں جن کی وجہ سے میں ان سے محبت کرتا رہوں گا۔

(۱) میں نے انہیں دیکھا کہ ایک غزوہ میں انہوں نے سمندر کو گھوڑے پر عبور کیا۔

(۲) وہ مدینہ طیبہ سے بحرین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جب وہ دھناء کے مقام پر پہنچے تو ان کا پانی ختم ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں دامنِ طلب دراز کیا تو ریت کے نیچے سے پانی

نکل آیا۔ ان سب نے پانی پیا اور کوچ کر گئے۔ ان میں ایک آدمی وہاں اپنا سامان بھول گیا۔ جب وہ واپس لینے کیلئے آیا تو وہاں پانی کا قطرہ بھی موجود نہ تھا۔

(۳) میں ان کے ساتھ بحرین سے بصرہ کی طرف نکلا۔ راستہ میں ان کا وصال ہو گیا۔ وہاں پانی موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا ہم نے بارش کے پانی سے آپ کو غسل دیا اور اپنی تلواروں سے قبر کھود کر انہیں دفن کر دیا۔

(۹): حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حیرہ کا محاصرہ کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے کہا ان عجمیوں سے محتاط رہنا یہ کہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر نہ پلا دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا زہر لاؤ۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ پڑھ کر پی گئے۔ یہ زہر قاتل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکا۔ [934]

(۱۰): حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک تاریک رات میں بکھر گئے تو ان کا ہاتھ روشن ہو گیا، انہوں نے اس روشنی میں اپنی سواریوں کو جمع کیا اور ان میں سے کوئی بھی ہلاکت سے دوچار نہ ہوا۔

(۱۱): حضرت عثمان بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغیر زادراہ کے پیدل چل رہی تھیں اور سخت گرمی میں روزہ سے تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سخت پیاس لگی حتیٰ کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے ان کی موت کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقام روحاء یا اس کے قریب تھیں۔ جب سورج غروب ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

---

[934] (بیھقی، ابو نعیم)

کہ میں نے اپنے سر کے اوپر کسی چیز کی سرسراہٹ محسوس کی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ سفید رسی سے بندھا ہوا ایک ڈول آسمان سے اتر رہا ہے۔ فرماتی ہیں کہ وہ میرے قریب ہو گیا۔ میں نے اسے پکڑا اور میں نے اس میں سے پانی پیا حتیٰ کہ میں سیر ہو گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن کے بعد سخت گرمی میں گھومتی پھرتی تھی تاکہ مجھے پیاس لگے لیکن اس کے بعد مجھے پیاس نہ لگی۔

(۱۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی صحابی نے کسی قبر پر اپنا خیمہ لگا دیا لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ انہوں نے وہاں کسی انسان کو سورہ ملک پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میں نے ایک قبر پر اپنا خیمہ گاڑ لیا تھا حالانکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں قبر ہے۔ میں نے اس میں ایک انسان کو سورت ملک کی تلاوت کرتے سنا حتیٰ کہ اس نے سورت مکمل کر دی۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سورت عذاب کو روکتی ہے اور عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔[935]

(۱۳): بیہقی نے حضرت قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابو درداء اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے تو وہ پیالہ اور اس میں موجود کھانا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگا۔

(۱۴): محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ خادمِ رسول حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ دورانِ سفر میری کشتی ٹوٹ گئی جس میں میں سوار تھا۔ میں ایک تختہ

---

[935] (ترمذی)

پر سوار ہو گیا۔ اس تختہ نے مجھے ایک ایسے جنگل میں اتارا جہاں شیر موجود تھا۔ وہ شیر مجھ پر حملہ کرنے کیلئے آگے بڑھا تو میں نے کہا اے شیر! میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا خادم ہوں تو اس نے اپنے سر کو جھکا دیا اور میرے قریب آکر کندھے سے مجھے دھکیلنے لگا حتیٰ کہ مجھے جنگل سے نکال کر ایک راستہ پر گامزن کر دیا اور دھیمی آواز میں دھاڑنے لگا میں نے سمجھ لیا کہ وہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کثیر کرامتوں میں سے یہ چند کرامتیں ہیں جن کو بطورِ نمونہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر تابعین تبع تابعین اور بعد کے ادوار میں اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ہاتھوں ان کرامات کا ظہور ہوتا رہا۔ جن کو شمار کرنا انتہائی مشکل ہے۔ علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کرامات کے بارے میں بڑی بڑی کتب تالیف فرمائی ہیں اور کثیر اکابرین ائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کراماتِ اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اثبات میں کثیر تصنیفات تحریر کی ہیں۔ ان میں امام فخر الدین رازی، شیخ ابو بکر باقلانی، امام الحرمین ابو بکر بن فورک، حجۃ الاسلام امام غزالی، شیخ ناصر الدین سبکی، امام ابو بکر اشعری، شیخ ابو القاسم قشیری، امام نووی، حضرت عبد اللہ یافعی اور علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہم کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں حتیٰ کہ اسے علم یقینی کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ بعد میں آنیوالے اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی نسبت صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کرامات کیوں کم تھیں؟ اس کا جواب علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا وہی جواب ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

دیاہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان لوگوں کے ایمان قوی تھے۔ اس لئے انہیں اپنے ایمان کو قوی کرنے کیلئے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا ایمان کمزور اور ضعیف تھا۔ اس لئے کرامات کے اظہار کے ساتھ ان کے ایمان کو مضبوط اور قوی کرنے کی ضرورت تھی۔

کراماتِ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ظہور کی حکمت

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو مختلف قسم کے خارق العادات امور عطا فرمانا حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے۔ اس طرح وہاں کے ایمان واخلاص کی وجہ سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور جہاد میں ان کی تائید کرتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کیلئے واضح کر دیتا ہے کہ قوانینِ فطرت اور تمام نظامِ کائنات اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ اسباب بذاتِ خود اثر نہیں کرتے بلکہ حقیقی موثر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہاں معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ دین کی نصرت اور تبلیغ خارق العادات امور سے نہیں ہوتی بلکہ اس کیلئے منطقی اور عقلی دلیل قائم کرنا ضروری ہے۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی احکام کی نشر واشاعت کیلئے عقل سلیم اور صحیح منطق اور مضبوط دلیل کی تائید ضروری ہے لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے بعض لوگ ان چیزوں کو تسلیم نہیں کرتے اور خارق العادات امور کا مطالبہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو کرامات سے نوازتا ہے جس طرح وہ اپنے انبیائے کرام اور رسل علیہم السلام کی تائید معجزے کے ساتھ کرتا ہے۔ معجزے کا مقصد انبیائے کرام علیہم السلام کے صدق کا اظہار کرنا دعوت و تبلیغ میں ان کی مدد کرنا ناقص عقول اور مقفل قلوب کو جمود کی کیفیت سے نکال کر تعصب اور عناد سے آزاد

کرنا ہے تاکہ انہیں غور و فکر کے ساتھ ایمان راسخ اور یقین جازم حاصل ہو جائے۔ اس سے کرامت اور معجزہ کے درمیان فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ معجزہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور کراماتِ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اگرچہ بعض حکمتوں اور مقاصد میں دونوں مشترک ہیں۔ پھر ولی کی ہر کرامت اس کے نبی کے معجزہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔

کرامت اور استدراج کے درمیان فرق

ضروری ہے کہ کرامت اور استدراج کے درمیان فرق واضح کیا جائے کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ ظاہر طور پر اسلام کے دعویدار فاسقوں کے ہاتھوں خارق العادات امور کا ظہور ہوتا ہے حالانکہ وہ علی الاعلان معصیت کا ارتکاب اور دین سے انحراف کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کرامت کا ظہور ایسے ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے جو صحیح العقیدہ، طاعت پر مواظبت، معاصی سے اجتناب اور لذات و شہوات میں مستغرق ہونے سے اعراض کرنے والا ہو۔ حقیقی ولی وہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (٦٢) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ" (یونس ٦٣)

ترجمہ: سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیز گاری کرتے رہے۔

اور اس کے علاوہ فاسقوں اور زندیقوں کے ہاتھوں جو خارق العادات امور ظاہر ہوتے ہیں جیسے جسم میں تلوار کی ضرب لگانا آگ اور شیشہ وغیرہ کھانا یہ استدراج کی قسم سے ہے۔

ولی، کرامت پر کبھی بھی اطمینان وسکون کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی غیر پر اس کی وجہ سے فخر کرتا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صاحبِ کرامت، کرامت سے مانوس نہیں ہوتا بلکہ ظہورِ کرامت کے وقت اس کا خوفِ الٰہی شدید ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے زیادہ محتاط ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔

اور اس کے برعکس صاحبِ استدارج اس استدراج سے مانوس ہوتا ہے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اسے یہ کرامت اس لئے ملی ہے کہ اس کا وہ مستحق تھا۔ اس وقت وہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عقاب اور سزا سے بے خوف ہوتا ہے اور اپنی سوءِ عاقبت سے نہیں ڈرتا۔ صاحبِ کرامت پر ان علامات میں سے کسی ایک کا ظاہر ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ استدراج ہے نہ کہ کرامت۔ اسی لئے اکثر محققین فرماتے ہیں کہ بارگاہِ الٰہی سے بُعد اور دوری اکثر اوقات مقامِ کرامات میں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کرامات سے اسی طرح خائف رہتے ہیں جس طرح وہ مختلف قسم کی آزمائشوں سے۔ کرامت سے انسیت حاصل کرنا راہِ سلوک میں رکاوٹ کا باعث ہے اور اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان گیارہ وجوہات کو ذکر کیا ہے ہم یہاں صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے عمل کی وجہ سے کرامت کا مستحق ہو گیا تو اس کے دل میں اپنے اس عمل کی وجہ سے قدر و وقعت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا آدمی جاہل ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا تو وہ جان لیتا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے مخلوق کی تمام عبادات حقیر ہیں اور اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں ان کا ہر شکر ناتمام ہے اور اس کی عظمت وجلال کے مقابلہ میں ان کے تمام علوم و معارف حیرت اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے

کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں کسی قاری نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ۔ (فاطر:۱۰)

ترجمہ: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔

تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرے عمل کے بلند ہونے کی علامت یہ ہے کہ تیرے عمل کی تیرے نزدیک کوئی وقعت باقی نہ رہے، اگر تیری نظر میں تیرے عمل کی وقعت باقی ہے تو اس کو واپس دھکیل دیا جائے گا اور اگر یہ وقعت ختم ہو گئی تو اس کو بلند کر دیا جائے گا۔

اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ اس سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں تو ہم اس کے ولی ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کے عمل کو کرامت شمار کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ اس کے چال چلن اور احکام شریعت کی پابندی کو نہ دیکھ لیں۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”لو ان رجلا بسط مصلاہ علی الماء وتربع فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ فی الامر والنھی“

اگر کوئی شخص پانی پر اپنا مصلیٰ بچھالے اور ہوا میں چوکڑی مار کر بیٹھ جائے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا حتیٰ کہ تم دیکھ لو کہ اوامر ونواہی میں اسے کیسا پاتے ہو۔

کرامات کے بارے میں صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف

بعض تصوف کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقصد کرامات تک پہنچنا ہے۔ یہ لوگ حقیقت میں اپنے نفس میں پوشیدہ امراض اور مخفی علل کی ترجمانی کرتے ہیں۔

حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تزکیۂ نفس اور اس کو رِیا اور نفاق جیسی صفات مذمومہ سے پاک کرنے اور صفاتِ حمیدہ سے آراستہ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ ان کے تمام اعمال اسباب غایات سے پاک ہوں اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ریاکاری کے شبہ سے بچنے کیلئے کرامت کو چھپاتے ہیں۔

حضرت ابو عبد اللہ قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص کرامات اور خارق العادات امور کے ظہور کو اس طرح ناپسند نہیں کرتا جس طرح مخلوقِ خدا معاصی کے ظہور کو ناپسند کرتی ہے وہ در حقیقت حجاب میں ہے۔ ان چیزوں کو چھپانا ہی رحمت ہے جو شخص اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے وہ کرامت اور خارق العادات امور کے ظہور کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہی نہیں ہے۔ جب وہ مکمل طور پر اپنے ارادہ سے مستغنی ہو جاتا ہے تو اس کیلئے اپنے نفس کو ذلت اور حقارت سے دیکھنا متحقق ہو جاتا ہے تو اس وقت اس میں الطاف وعنایات میں وارد ہونے اور صدیقین کے مراتب سے متصف ہونے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کاملین اپنے ہاتھوں پر کرامت کے واقع ہونے سے ڈرتے ہیں اور بہت زیادہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ اس کے علاوہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کرامت کے اظہار سے منع کرتے ہیں مگر کسی صحیح مقصد کیلئے کرامت کا اظہار صحیح ہے۔ جیسے کافروں اور مخالفوں کے مقابلہ میں شریعت کی حمایت اور نصرت اور کافروں گمراہوں اور شعبدہ بازوں کے جادو کو باطل کرنے کیلئے کیونکہ یہ لوگ اپنے جادو کی وجہ سے لوگوں کو ان کے دین سے گمراہ کرتے ہیں اور ان کے عقائد اور ایمان میں شکوک وشبہات ڈالتے ہیں۔

بغیر کسی جائز سبب کے کرامات کا اظہار کرنا مذموم ہے کیونکہ یہ فخر خود پسندی اور نفس کو خوش کرنے کا سبب بنتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: یہ بات مخفی نہیں کہ اکابر صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرامت کا شمار جملہ نفسانی رعونات میں ہوتا ہے مگر جب اس کا اظہار نصرتِ دین یا کسی مصلحت کی وجہ سے ہو کیونکہ ان کے نزدیک فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ وہ خود۔ یہ تو صرف اس کے مظہر ہوتے ہیں اور ان کی خصوصیت صرف یہی ہے کہ یہ خارق العادات امر ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا مثلاً جب وہ کسی مینڈھے کو یا مرغی کو زندہ کرتے ہیں تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہوتا ہے نہ کہ ان کی قدرت وطاقت سے۔ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک شریعت پر استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی کرامت اطاعتِ خداوندی کی دائمی توفیق حاصل ہونا اور معاصی وشرعی مخالفت سے محفوظ ہونا ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس کرامات کا ذکر ہوا تو فرمایا: ان کرامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ تو وقتی چیز ہے یہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں بلکہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ تو اپنے اخلاق کے ساتھ کسی کے اخلاق مذمومہ کو اخلاق حسنہ میں تبدیل کر دے۔

شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقی کرامت استقامت کا حصول اور اس میں کمال حاصل کرنا ہے اور اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل کا حصول اور ظاہر و باطن میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع۔ بندہ کیلئے ضروری ہے کہ ان دو چیزوں کے حصول کیلئے حریص رہے اور اپنی تمام ہمت و کوشش ان ہی کے حصول کیلئے صرف کرے۔ اس کے علاوہ رہا خارقِ عادت امر کا ظہور تو محققین کے نزدیک اس کرامت کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ یہ تو بعض اوقات اس سالک کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جسے ابھی استقامت کاملہ حاصل نہیں ہوئی بلکہ یہ تو استدراج کے طور پر بعض لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جامع ترین صرف دو ہی کرامتیں ہیں۔

(۱) ایمان کے ساتھ یقین اور مشاہدہ کا حصول۔

(۲): نبی کریم صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اقتداء اور پیروی اور جھوٹے دعووں اور دھوکہ دہی سے اجتناب۔

تو جسے یہ دو چیزیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ غیر کی طرف مشتاق ہو تو وہ جھوٹا اور دھوکہ باز ہے اور صحیح علم و عمل سے بہت بعید ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ کی رضا اور اس کی مجلس میں حضوری حاصل ہو اور وہ اس رضا کو چھوڑ کر جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جائے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱): حسی۔ (۲): معنوی۔

عوام الناس صرف حسی کرامات کو ہی جانتے ہیں جیسے دل کی بات بوجھ لینا ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں غیب کی خبریں دینا۔ کائنات میں سے کسی چیز کو لینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا طی

الارض آنکھوں سے چھپ جانا اور فوراً دعا کا قبول ہونا۔ عوام الناس اسی قسم کی کرامات کو ہی پہچانتے ہیں مگر معنوی کرامات کو صرف اللہ کے خاص بندے ہی جانتے ہیں اور عوام الناس کی ان تک رسائی نہیں ہوتی اور معنوی کرامات یہ ہیں کہ بندہ آدابِ شرع کا پابند ہو، مکارمِ اخلاق اپنانے اور بُرے اخلاق سے اجتناب کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ تمام فرائض کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کا خیال رکھے۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اپنے دل سے لوگوں کیلئے حسد و کینہ اور سوء ظن کو دور کرے، دل کو تمام صفاتِ مذمومہ سے پاک کر کے اس کو مراقبہ کے ساتھ آراستہ کرے، اپنے نفس اور تمام اشیاء کے متعلق حُقوقِ الٰہی کا خیال رکھے، اپنے دل میں انوار و تجلیات کی طرف متوجہ ہو جائے، اپنی ہر ہر سانس کا خیال رکھے، جب سانس اندر داخل ہو تو اس کو ادب سے وصول کرے اور جب باہر نکالے تو اس پر بارگاہِ الٰہی میں حضوری کے آثار ہوں۔ یہ تمام ہمارے نزدیک اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی وہ معنوی کرامات ہیں جن میں مکر اور استدراج داخل نہیں ہوتا۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کسی صالح ولی اللہ کے ہاتھ پر کرامت کے ظہور کو اس کی افضلیت کی دلیل نہیں سمجھتے۔ امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ لازم نہیں کہ صاحبِ کرامت اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان سے افضل ہوں جو صاحبِ کرامت نہیں ہوتے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن سے کرامات کا ظہور نہیں ہوتا وہ صاحبِ کرامت سے افضل ہوتے ہیں کیونکہ کرامت صاحبِ کرامت کے یقین کی تقویت کیلئے ہوتی ہے اور یہ اس کے صدق اور اس کی فضیلت کی دلیل ہے نہ کہ اس کی افضلیت کی کیونکہ افضلیت قوت یقین اور کمال معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر کرامت کا عدمِ ظہور اس کے عدمِ ولایت کی دلیل نہیں ہے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں کسی ولی کیلئے ظاہری کرامت نہ ہو تو یہ اس کے ولی ہونے میں قدح کا باعث نہیں ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہ ولی صاحبِ کرامت سے افضل ہوتا ہے کیونکہ افضلیت کا دارومدار یقین کامل پر ہے نہ کہ کرامات کے ظہور پر۔

باب پنجم

حقیقت اور شریعت

تمہید و تعریف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ مشہور حدیث جبریل میں دین کو تین بنیادی ارکان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ارشاد فرمانا ہے کہ یہ جبریل تمہیں تمہارا دین سکھانے کیلئے آیا ہے۔

(۱): **رکنِ اسلام:** یہ دین کا عملی پہلو ہے جس میں عبادات، معاملات اور دیگر دینی امور شامل ہیں جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اس کا تعلق جسم کے ظاہری اعضاء سے ہے۔ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں اس کو شریعت کہتے ہیں۔ اس پہلو کی تحقیق و تشریح میں فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

(۲): **رکنِ ایمان:** یہ دین کا وہ اعتقادی پہلو ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں، یومِ آخرت اور قضاء و قدر پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس پہلو کی تحقیق کا حق علمِ کلام کے ماہرین نے ادا کیا۔

(۳): **رکنِ احسان:** یہ دین کا خالص، روحانی اور قلبی پہلو ہے یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھے یہ مقام حاصل نہیں تو تو اس کی عبادت اس طرح کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس پہلو میں وہ تمام عرفانی احوال و مقامات، وجدانی ذوق اور علوم لدنیہ شامل ہیں۔ جو مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق عبادت کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ علماء رحمہم اللہ

تعالیٰ کی اصطلاح میں اسے حقیقت کہتے ہیں اور اس پہلو کی توضیح و تشریح کا سہرا صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے سر ہے۔

شریعت اور حقیقت کے باہمی تعلق کی وضاحت کیلئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اگر نماز کو اس کے ظاہری اعمال و حرکات اور فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ ارکان و شرائط کے مطابق ادا کیا جائے تو اسے شریعت کا نام دیا جاسکتا ہے اور اگر نماز میں حضورِ قلب حاصل ہو جائے تو اسے حقیقت کہتے ہیں اور یہی روحِ نماز ہے۔

اس سے نتیجہ نکلا کہ نماز کے ظاہری اعمال اس کے جسم کی مانند ہیں اور اس میں خشوع و خضوع اس کی روح ہے۔ بغیر روح کے جسم کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس جس طرح روح اپنے قیام کیلئے ایک جسم کی محتاج ہے اسی طرح جسم کو ایک روح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی معنی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" (بقرہ: ۱۱۰)

ترجمہ: اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ۔

نماز قائم کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو جسم اور روح کے ساتھ ادا کیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ نماز پڑھو، بلکہ فرماتا ہے کہ نماز قائم کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور حقیقت کے درمیان اسی طرح گہرا ربط ہے جس طرح جسم اور روح کے درمیان۔ کامل مؤمن وہی ہے جو شریعت اور حقیقت کا جامع ہو اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی چیز کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں۔ ایمانِ کامل اور اس ارفع مقام کے حصول کیلئے راہِ طریقت کو اختیار کرنا ضروری ہے یعنی کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں رہ کر مجاہدۂ نفس

کرنا اور اس کی ناقص صفات کو صفاتِ کاملہ کے ساتھ تبدیل کرتے ہوئے معرفتِ الٰہی کی منزل تک رسائی حاصل کرنا ہے گویا کہ طریقت وہ پل ہے جو سالک کو شریعت سے حقیقت تک پہنچا دیتا ہے۔

سید جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تعریفات" میں فرماتے ہیں: طریقت اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور حقیقت ان پر مرتب ہونے والا ثمرہ ہے۔ ان تینوں چیزوں کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ جس نے شریعت کو مضبوطی سے تھام لیا وہ راہِ طریقت پر چلتا ہوا حقیقت تک پہنچ جائے گا۔ ان میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے۔

اسی لئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كل حقيقة خالفت الشريعة فهي زندقة۔

یعنی ہر حقیقت جو شریعت کے مخالف ہو وہ زندیقیت ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حقیقت، شریعت کے مخالف ہو کیونکہ شریعت پر عمل کے نتیجہ میں ہی تو سالک کو اس تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے امام احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہ کے بغیر تصوف کا کوئی تصور نہیں کیونکہ فقہ ظاہری احکام کو جاننے کا ذریعہ ہے اور بعینہ فقہ تصوف کے بغیر نامکمل ہے کیونکہ کوئی ظاہری عمل صدق نیت اور رضائے الٰہی کے بغیر مقبول نہیں اور اسی طرح تصوف اور فقہ کی بنیاد ایمان پر ہے کیونکہ بغیر ایمان کے نہ فقہ مقبول ہے اور نہ ہی تصوف۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ آپس میں لازم ملزوم ہیں جس طرح جسم اور روح آپس میں لازم ملزوم ہوتے ہیں کہ روح کا وجود جسم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اسی طرح جسم کی زندگی روح کے بغیر ممکن نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق۔ ومن تفقه ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهما فقد تحقق"۔

جس نے تصوف کو اپنایا اور فقہ سے بے بہرہ رہا وہ زندیق ہوا اور جس نے علمِ فقہ کو سیکھا اور تصوف پر عمل پیرا نہ ہوا وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا اس نے حقیقت کو پالیا۔

پہلا شخص زندیق اس لئے ہوا کیونکہ اس نے حقیقت کو شریعت سے جدا تصور کیا۔ اس لئے وہ جبریہ کے عقائد کی طرف مائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ انسان کو کسی بھی معاملہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں۔

کسی شاعر نے اس کی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

القاہ فی الیم مکترفا وقال له　　　ایاک ایاک ان تبتل بالماء

اس کو باندھ کر سمندر میں پھینک دیا اور اسے کہا بچنا بچنا کہیں تو پانی سے بھیگ نہ جائے۔

اس طرح اس نے احکام شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس نے شریعت کے اسرار ورموز کو جاننے کی کوشش نہ کی۔

اور دوسرا شخص اس لئے فاسق ہو گیا کیونکہ اس کے دل میں تقویٰ کا نور اور اخلاص داخل نہ ہوا۔ نہ ہی اس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا تاکہ اس کو معصیت سے روکتا اور سنت کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتا۔

تیسرے شخص نے حقیقت تک رسائی اس لئے حاصل کی، کیونکہ اس نے دین کے تمام ارکان یعنی ایمان، اسلام اور احسان کو جمع کیا جس کا ذکر حدیثِ جبریل میں آیا ہے۔

جس طرح علمائے ظاہر حدودِ شریعت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تصوف کے آداب اور اس کی روح کی حفاظت کرتے ہیں۔

جس طرح علمائے ظاہر کیلئے جائز ہے کہ وہ ادلہ شرعیہ کے استنباط اور حدود و فروع کے تعین کیلئے اجتہاد کریں اور ان چیزوں پر حلت و حرمت کا حکم لگائیں جن کا ذکر قرآن پاک وحدیث شریف میں واضح طور پر نہیں بیان کیا گیا۔ بعینہ عارفین کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ مریدین اور سالکین کی اصلاح وتربیت کیلئے آداب اور طریقے مستنبط کریں۔

سلف صالحین اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حقیقی عبودیت اور صحیح اسلام تک رسائی حاصل کی کیونکہ وہ شریعت، طریقت اور حقیقت پر بیک وقت عمل پیرا رہے کیونکہ وہ خود ان سنہری اصولوں پر عمل پیرا تھے اس لئے انہوں نے دوسرے لوگوں کی بھی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر حقیقت کو دین سے الگ کر دیا جائے تو اس کی جڑ خشک ہو جائے۔ اور ٹہنیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں اور اس کا ثمرہ فاسد ہو جائے۔

مخالفین اور ان کے اعتراضات

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراضات کرنے والے اگر تو شریعت، طریقت اور حقیقت کی اس تقسیم کا انکار کرتے ہیں جس کو ہم نے بیان کیا ہے تو ان کا مقصد یہ ہے کہ روحِ اسلام کو اس کے جسم سے جدا کر دیں اور حدیثِ جبریل میں بیان کردہ دین کے تین ارکان میں سے ایک بنیادی رکن کو ساقط کر دیں۔ ان کا یہ عمل علمائے اسلام اور کبار فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے عمل کے مخالف بھی ہے۔

ابن عابدین اپنے مشہور **حاشیہ رد المختار** میں فرماتے ہیں کہ طریقت سے مراد وہ مخصوص طرزِ عمل ہے جس کو سالکین معرفتِ الٰہی کی منازل طے کرنے اور اعلیٰ مقامات کے حصول کیلئے اختیار کرتے ہیں۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ حقیقت دل کے ساتھ ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے اور یہ وہ روحانی سِر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ حقیقت اور شریعت آپس میں لازم وملزوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے راستہ کی دو جہتیں ہیں۔(۱): باطن اور (۲): ظاہر۔ ظاہری راستہ کو شریعت اور طریقت کہتے ہیں اور باطنی کو حقیقت۔ شریعت اور طریقت کی اصل حقیقت ہے جس طرح مکھن کی اصل دودھ ہے۔ دودھ سے مکھن بلونے کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اور ان تینوں کا مطلوب و مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح اس کے کرنے کا حق ہے۔

شیخ عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت اسرارِ ربانی کے مشاہدہ کا نام ہے اور شریعت پر استقامت کا نام طریقت ہے۔ طریقت کو اختیار کرنے والا حقیقت تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ حقیقت شریعت پر استقامت کی انتہاء ہے اور کسی چیز کی انتہاء اس سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ حقیقت شریعت کے مخالف نہیں۔

صاحبِ **کشف الظنون** علمِ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ علمِ تصوف علمِ حقیقت کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس کو علمِ طریقت بھی کہا جاتا ہے اور اس سے مراد نفس کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا اور دل کو گھٹیا اغراض سے صاف کرنا ہے، علمِ شریعت، علمِ حقیقت کے بغیر بیکار ہے اور علمِ حقیقت، علمِ شریعت کے بغیر باطل۔

علمِ شریعت جس کا تعلق ظاہری اصلاح سے ہے یہ حج کی بنیادی ضروریات کے مترادف ہے اور علمِ طریقت جس کا تعلق اصلاحِ باطن سے ہے یہ حج کی منازل اور اس کے راستہ کے پیچ وخم کو جاننے کے قائم مقام ہے۔ جس طرح صرف بنیادی ضروریات اور راستہ کی منازل کو جان لینا ظاہری حج کیلئے کافی نہیں۔ جب تک کہ انسان بنیادی ضروریات کی تیاری کے بعد راستہ پر نہ چل نکلے۔

بعینہ صرف احکامِ شریعت اور آداب طریقت کو جان لینا حج معنوی کیلئے کافی نہیں جب تک آدمی ان پر عمل پیرا نہ ہو۔

اگر معترضین اس تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شریعت، طریقت اور حقیقت کے ناموں کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کا اس طرح جواب دیں گے کہ علمائے امت اور فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی عمل ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ایک اصطلاح ہے اور اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اگر وہ اس تقسیم اور نام کو تسلیم کرتے ہیں لیکن صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے قلبی احوال ان کے وجدانی ذوق اور ان کے علومِ لدنیہ کا انکار کرتے ہیں۔

تو ہم ان کا جواب یہ دیں گے کہ یہ وہ امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں اور سچے محبین کو عطا فرما کر ان کی عزت افزائی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کوئی پابندی نہیں۔

یہ وہ علوم و معارف اور فیوضِ الٰہیہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو دل میں ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں وہ علم جو دل میں ثابت

ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو زبان پر جاری رہتا ہے اور یہ علم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا، اے معاذ! تونے کیسے صبح کی۔ انہوں نے عرض کی میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے والا ہوں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ہر قول کا کوئی مصداق، اور ہر چیز کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم! میں نے جب بھی صبح کی تو میں یہ گمان کرتا ہوں کہ شاید مجھ پر شام آئے یا نہ آئے اور جب شام کرتا ہوں تو صبح کرنے کا کوئی یقین نہیں ہوتا اور جب بھی کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکوں گا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے ان کو ان کی کتاب کی طرف بلایا جارہا ہے اور ان کے ساتھ ان کا نبی بھی موجود ہے یا وہ بت ان کے ساتھ ہیں جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے گویا کہ میں اہلِ جہنم کی سزا اور اہلِ جنت کے ثواب کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ بات سن کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا، اے معاذ! تونے حق کو پہچان لیا۔ اس کو لازم پکڑ۔

سلفِ صالحین کو یہ علوم و معارف اس لئے حاصل ہوئے کہ انہوں نے قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کی اور مجاہدۂ نفس کے دوران روزوں اور قیام اللیل کو اپنایا اور اس فانی دنیا سے زہد اختیار کیا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کشف عطا فرمایا۔ جس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا، اے معاذ! "عرفت فالزم" (تو نے حق کو پہچان لیا پس تو اسے لازم پکڑ)۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے متعلق فرماتے ہیں جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر عمل پیرا رہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عزیز من! علمِ تصوف وہ علم ہے جو اولیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے دلوں میں پروان چڑھتا ہے جب ان کے دل کتاب وسنت پر عمل کرنے کی وجہ سے روشن ہوتے ہیں بلکہ جو بھی کتاب وسنت پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کے دل میں علوم ومعارف اور اسرار وحقائق کے وہ سوتے پھوٹتے ہیں جن کو زبان بیان کرنے سے عاجز ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح علمائے شریعت پر شرعی احکام کے اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں جب وہ اپنے علم کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوں۔

ہمارے سلفِ صالحین اخلاص کے ساتھ اپنے علم پر عمل بھی کرتے تھے۔ اس طرح ان کے دل روشن اور منور ہو گئے اور ان کے اعمال بشری کمزوریوں سے پاک ہو گئے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جنہوں نے اپنے علم وعمل میں اخلاص کی طرف توجہ نہ دی تو ان کے دل تاریک ہو گئے اور صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ پر وارد ہونے والے انوار وتجلیات سے محروم ہو گئے تو ان چیزوں کا انکار کرنے لگے۔

بعض عاقبت نا اندیش اور خود غرض لوگ ابن تیمیہ وغیرہ کے کلام سے استدلال کر کے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور ان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ شریعت کو چھوڑ کر حقیقت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اپنے کشف اور مفاہم پر اعتماد کرتے ہیں اگرچہ یہ ظاہر شریعت کے مخالف ہوں لیکن ان کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے حتیٰ کہ خود ابن تیمیہ کا کلام ان کے اس نظریہ کے بطلان پر شاہد ہے کیونکہ ابن تیمیہ نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کتاب وسنت پر کاربند ہونے کے بارے میں گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ سے زیادہ شریعت اور اس کے اوامر و نواہی پر کاربند تھے اور شریعت کو ہمیشہ ذوق پر مقدم رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواہشات اور ارادۂ نفس کو ترک کرنے کا حکم فرماتے تھے کیونکہ ارادۂ نفس کی وجہ سے سالک خطا کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سالک کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ اسے اپنے ذاتی ارادہ کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا وہی ارادہ ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔

نیز یہ بھی کہا کہ جمہور سلف صالحین جو کہ صاحبِ استقامت تھے۔ جیسے فضیل ابن عیاض، ابراہیم بن ادہم، ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید بن محمد وغیرہ متقدمین میں اور متاخرین میں شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ احمد اور شیخ ابو بیان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بزرگ ہیں جو سالک کو ایک لمحہ کیلئے بھی شریعت کے اوامر و نواہی سے خارج ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کی طاقت رکھتا ہو بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ آخر دم تک اوامر الٰہیہ کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے اور یہی وہ صحیح راستہ ہے جس پر کتاب وسنت اور سلف صالحین کا اجماع دلالت کرتا ہے۔ اس قسم کی اکثر چیزیں ان کی گفتگو میں موجود ہیں۔

اب ہم صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال وارشادات ذکر کرتے ہیں جو ان کے کتاب وسنت پر سختی سے کاربند رہنے پر شاہد ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کل حقیقة لا تشهد لها الشریعة فهی زندقة۔ طر الی الحق عز و جل بجناحی الکتاب والسنة۔ ادخل علیه ویدک فی ید الرسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم"

ہر وہ حقیقت کہ شریعت جس کی مؤید نہ ہو وہ زندقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کیلئے کتاب وسنت کے پروں کے ساتھ پرواز کر اور اس کی بارگاہ میں اس حال میں داخل ہو کہ تیرا ہاتھ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے دستِ اقدس میں ہو۔

جعلی صوفیاء جو یہ گمان کرتے ہیں کہ بعض احوال میں سالک سے شرعی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کو چھوڑ دینا زندیقی ہے، ممنوعات کا ارتکاب کرنا معصیت ہے اور کسی حال میں بھی فرائض ساقط نہیں ہوتے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سات چیزوں پر ہماری بنیاد ہے:

(۱): قرآن پاک پر عمل پیرا ہونا۔

(۲): رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرنا

(۳): اکلِ حلال

(۴): کسی کو تکلیف نہ دینا

(۵): گناہوں سے اجتناب کرنا

(۶): توبہ

(۷): حقوق کی ادائیگی پر کاربند رہنا۔

شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے جب تیرا کشف کتاب وسنت کے مخالف ہو تو کتاب وسنت پر عمل کر اور اپنے کشف کو چھوڑ دے اور اپنے نفس کو یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت میں میری عصمت کی ضمانت ہے۔ کشف والہام میں میرا کوئی ضامن نہیں۔

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ باطن کہ ظاہر جس کی مخالفت کرے وہ باطل ہے۔

شیخ ابو الحسن وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک توفیقِ الٰہی اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع وپیروی کے ذریعہ ہی پہنچ سکتا ہے اور جس نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اتباع کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اگرچہ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے۔

شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن وسنت کسوٹی ہیں۔ اس لئے سالک کو چاہئے کہ وہ اپنی ہر ہر حرکت کو اس شرعی میزان کے ذریعہ پرکھ لے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید برآں فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقہ کی بنیاد علم وعمل ہے اور اس کا تانا پیٹا شریعت ہے نہ کہ دونوں میں سے ایک۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال کا بغور جائزہ لیتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے علوم و معارف شریعت سے خارج نہیں ہیں اور شریعت سے خارج کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ شریعت ہی تو انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! صوفی وہ ہے جو قرآن پاک کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور سنتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اپنے بائیں ہاتھ میں لیتا ہے۔ اپنی ایک آنکھ سے جنت کی طرف دیکھتا ہے اور دوسری سے جہنم کی طرف۔ دنیا کو اپنا تہبند بنالیتا ہے اور آخرت کو اپنی قمیص اور ہر لحظہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتے ہیں بدن پر دس چیزیں فرض ہیں:

(۱): فرائض کی ادائیگی

(۲): محارم سے اجتناب

(۳): بارگاہِ الٰہی میں تواضع

(۴): اپنے بھائیوں کی اذیت رسانی سے اجتناب

(۵): نیک و بد کو نصیحت

(۶): تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب

(۷): مغفرت کو طلب کرنا

(۸): غصہ، تکبر، بدکاری، لڑائی، جھگڑے کو ترک کرنا

(۹): ہر وقت موت کیلئے تیار رہنا۔

اس کے باوجود تصوف کے مخالفین جب بھی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے بارے میں کوئی بات سنتے ہیں تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ صوفیاء کا کلام ہے نہ کہ شرعی۔ اس سے سننے والا یہ گمان کرتا ہے کہ تصوف شریعت سے جدا کسی چیز کا نام ہے حالانکہ آپ جان چکے ہیں کہ تصوف شریعت کا لب لباب ہے اور جو شخص بھی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے جو دشمن کی سیاہ کاریوں سے محفوظ ہیں جیسے ابو نعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء، رسالہ قشیریہ، قلا آبادی کی تعرف، طوسی کی اللمع۔ امام غزالی کی احیاء العلوم، شیخ سلمی کی طبقات الصوفیاء، شیخ حارث محاسبی کی الرعیہ بحقوق اللہ اور شیخ ابن عربی رحمہم اللہ تعالیٰ کی وصایا وغیرہ تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں شریعت کے مخالف کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ وہ بڑی سختی سے اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے ہیں اور ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے طریقہ کی بنیاد علم و عمل پر ہے۔ اس کا تانا اور پیٹا شریعت اور حقیقت ہے۔

کیا شریعت اور حقیقت جدا جدا ہیں

بعض تصوف کے جھوٹے دعویدار اور اسلام سے انحراف کرنے والے کہتے ہیں کہ دین کا مقصد صرف حقیقت ہے۔ اس طرح انہوں نے احکامِ شریعت کو معطل کر دیا ہے۔ فرائض اور واجبات کو ترک کر کے شریعت کی مخالفت کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل کی اصلاح ہی مقصدِ حقیقی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اہلِ باطن کا نام دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اہلِ ظاہر کہتے ہیں۔ یہ لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور زندیق ہیں۔ ان کے اقوال واعمال مخلص صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر حجت نہیں ہو سکتے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خطرہ سے خبردار کیا ہے

اور ان کے پاس بیٹھنے اور صحبت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان کے احوال اور دینِ اسلام سے انحراف سے برأت کا اظہار کیا ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مرید سے فرماتے ہیں کہ چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولایت میں مشہور کر رکھا ہے۔ اس شخص کے زہد و تقویٰ کا بڑا چرچا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اس تک پہنچے وہ اپنے گھر سے نکلا تو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ جب ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا یہ عمل دیکھا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ واپس لوٹ آئے اور اسے سلام تک نہ کیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے آداب میں سے ایک ادب کی حفاظت نہیں کر سکا۔ وہ اس کی حفاظت کیسے کر سکتا ہے جس کا وہ دعویٰ (ولایت) کرتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صاحبِ کرامت ہو حتیٰ کہ وہ ہوا میں بھی اڑتا ہو تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی بجا آوری اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت اور احکامِ شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے؟

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! وہ شخص جو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ظاہری سنت پر عمل پیرا نہ ہو، اس کی اتباع صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح ہو اور اس سے ہزاروں کرامات کا ظہور ہو۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ اپنے انجام سے غافل جابر و ظالم، خوشامدی اور جاہل صوفی۔

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح نہ کہو کہ جس طرح بعض جاہل صوفی کہتے ہیں کہ ہم اہلِ باطن ہیں اور وہ اہلِ ظاہر ہیں۔ یہ دین مکمل اور جامع ہے اس کا باطن اس کے ظاہر کا لب لباب ہے اور اس کا ظاہر باطن کیلئے ظرف ہے۔ اگر ظاہر نہ ہوتا تو باطن کا بھی وجود نہ ہوتا۔ جس طرح یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دل جسم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اگر جسم نہ ہو تو دل فاسد ہو جائے۔ اسی طرح دل جسم کا نور ہے اور یہ علم جس کو بعض علم باطن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے مراد اصلاحِ قلب ہے اور اس کی بنیاد ارکانِ اسلام پر عمل کرنا اور دل کے ساتھ ان کی تصدیق کرنا ہے۔

اے مخاطب! جب تیرا دل حسن نیت سے متصف اور پاکیزہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ تو قتل، چوری، اور زنا کا ارتکاب کرے۔ سود کھائے اور شراب پیئے۔ جھوٹ بولے، تکبر کرے، سختی سے پیش آئے تو تیرے دل کی حسن نیت اور پاکیزگی کا کیا فائدہ ہے؟ جب تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ تیرا دامن پاک رہے روزہ رکھے، صدقہ کرے اور تواضع وانکساری اختیار کرے اس کے باوجود تیرے دل میں نمود و نمائش اور فساد ہو تو تیرے عمل کا کیا فائدہ ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آدمی کا انکار کرتے ہیں جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کسی خاص حال میں سالک سے شرعی پابندیاں ساقط ہو جاتی ہیں جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! فرضی عبادات کو ترک کرنا زندیقی ہے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنا معصیت ہے۔ فرض کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔

شیخ الطائفہ امام جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ مذہب (تصوف) کتاب و سنت کے اصولوں کے ساتھ مقید ہے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ مخلوقِ خدا کیلئے وصول الی اللہ

کے تمام راستے بند ہیں مگر ایک راستہ کھلا ہے اور وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کا طریقہ ہے۔ جس نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سنت کی پیروی کی اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے طریقہ پر کاربند رہا۔ اس کیلئے نیکی کے تمام راستے کھلے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک آدمی نے معرفت کا ذکر کیا اور کہنے لگا، اہلِ معرفت کبھی ایسے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ نیکی کے اعمال ترک کر دیتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک مقام پر بندے سے فرائض وواجبات ساقط ہو جاتے ہیں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا یہ قول بڑا خطرناک ہے بلکہ جو شخص چوری اور زنا کرتا ہے اس کی حالت ان لوگوں سے اچھی ہے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ عارفین اللہ تعالیٰ سے ان اعمال صالحہ کو حاصل کرتے ہیں اور انہی اعمال کے ذریعہ اس کی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہوں تو نیک اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کروں گا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ علمِ تصوف قیل وقال کے ذریعہ حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترکِ دنیا اور خواہشاتِ نفسانیہ کو ختم کر کے حاصل کیا۔

شیخ ابراہیم بن محمد نصر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد درج ذیل امور پر استوار ہے۔

کتاب وسنت کی پیروی۔ نفسانی خواہشات اور بدعات کو ترک کرنا۔ مشائخِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم۔ مخلوقِ خدا کی معذرت قبول کرنا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کرنا۔ اخلاقِ جمیلہ کو اپنانا۔ ذکر واذکار پر پابندی کرنا اور رخصت اور تاویلات سے اجتناب کرنا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ راہِ طریقت میں وہی گمراہ ہوتا ہے کہ جس کی ابتداء صحیح نہ ہو کیونکہ ابتداء کی خرابی انتہاء میں اثر کرتی ہے۔

فقہاء، صوفیائے شریعتِ اسلامیہ کے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی فقہاء محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے طریقہ پر گامزن تھے وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو جامع تھے۔ اپنی عملی عبادات کو اخلاص کے ساتھ ادا کرتے تھے وہ عبادت کی حلاوت اور اس کے اسرار سے واقف تھے۔ اسی طرح وہ اپنے نفوس کی تہذیب اور اپنے قلوب کی اصلاح کیلئے مجاہدے کیا کرتے تھے۔ تقویٰ اور معرفتِ الٰہی سے آراستہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ علمی مراتب حاصل کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کتاب کا فہم اور شریعت میں تعمق عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو ان کے علوم سے نفع پہنچایا حالانکہ انہیں گزرے ہوئے صدیاں بیت گئیں گویا کہ وہ اپنے ان علمی آثار کی وجہ سے آج بھی زندہ ہیں۔

صاحبِ در مختار علامہ حصکفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے یہ طریقہ ابو القاسم نصر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا۔ ابو القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا اور انہوں نے سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ علم اور طریقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیا اور ان میں سے ہر ایک نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف کی اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی فضیلت کا اعتراف کیا پھر صاحب در مختار رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر تبصرہ فرماتے ہیں اے میرے بھائی! تعجب ہے تم پر۔ یہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیا تمہارے

لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہیں؟ کیا انہوں نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی فضیلت کا اقرار نہیں کیا ہے کیا اس میں وہ جھوٹے ہیں؟ نہیں یہی تو طریقت کے ائمہ اور شریعت و حقیقت کے والی ہیں۔ ان کے بعد آنے والے ان کے تابع ہیں اور ان بزرگوں کی مخالفت کرنے والا مردود اور بدعتی ہے۔

شاید آپ کیلئے یہ بات تعجب کا باعث ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی سے ان جیسے اکابر اولیائے صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے طریقت کو اخذ کیا ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنی چاہیئے اور ان کے طریقہ پر چل کر شریعت اور حقیقت کو جامع ہونا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے علم کو نفع بخش بنائے جس طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم کو نفع مند بنایا۔

ابن عابدین **در مختار** کے حاشیہ میں علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس میدان کے شہسوار ہیں۔ علم حقیقت کی بنیاد علم و عمل اور تصفیۂ نفس پر ہے اور اکثر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو تسلیم کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم وورع زہد و تقویٰ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو کوئی نہیں پا سکا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو کوڑے مارے گئے تاکہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ قاضی کے عہدہ کو قبول کرلیں لیکن آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں کیا۔

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے کیونکہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگار، فقیہ، عالم دین اور امام تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم کے اسرار ورموز سے اس طرح پردہ اٹھایا کہ کوئی دوسرا اس بلندی تک رسائی حاصل نہ کرسکا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے کہا کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس سے آیا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ تو ایسے شخص کے پاس سے آیا ہے جو کہ تمام اہلِ زمین سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ ائمہ مجتہدین اور علمائے عاملین ہی حقیقی صوفیاء ہیں۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اگر طریقہ تصوف امر مشروع ہوتا تو ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس کے بارے میں کتابیں لکھتے حالانکہ تصوف کے بارے میں ان ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین نے اس بارے میں کوئی کتاب اس لئے نہیں لکھی، کہ ان کے زمانہ میں قلبی امراض کم تھے اور اکثر لوگ ریا اور نفاق سے محفوظ تھے، پھر اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس زمانہ کے لوگ ان بیماریوں سے محفوظ رہتے۔ پھر بھی یہ لوگ انتہائی کم تعداد میں تھے اور اس کے علاوہ اس دور میں ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ ان ادلۂ شرعیہ کو جمع کرنے میں مشغول تھے، جو مختلف علاقوں میں تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ پھیلی ہوئی تھیں کیونکہ یہ ادلہ ہی تمام ادلہ کی بنیاد تھیں اور ان ادلہ کے ذریعہ ہی تمام احکامِ شرعیہ کی معرفت ممکن تھی، اور یہ چیز ان امور میں مشغول ہونے سے زیادہ اہم تھی۔ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ امام ابو حنیفہ یا امام مالک یا امام شافعی یا امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے جلیل القدر ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے نفس میں ریا، خود پسندی، تکبر، حسد یا نفاق کو پاتے ہوں اور پھر اپنے نفس کا مجاہدہ نہ کرتے ہوں، اگر انہیں ان آفات وامراض سے سلامتی کا علم نہ ہوتا تو وہ ان کے علاج میں مشغول ہونے کو ہر علم پر مقدم کرتے۔

علم

اسلام کو روزِ اول سے ہی سخت ترین دشمنوں اور مخالفوں کا سامنا ہے۔ یہ لوگ اسلامی علوم میں خرافات اور باطل نظریات داخل کر کے اور اس کے سنہری اصولوں کو مسخ کر کے اس کی بنیادوں کو اکھیڑنے کے خواہشمند ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کے اثرات کا علمِ تفسیر، حدیث، تاریخ اور تصوف میں واضح طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔

(ا): علمِ تفسیر: تفسیر کی کتب میں بہت سی اسرائیلی روایات ملتی ہیں جو جھوٹے قصوں اور غیر اسلامی عقائد پر مشتمل ہیں۔ ان روایات کو کتب تفسیر میں ان یہودیوں نے داخل کیا ہے جو ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے ہیں لیکن ان کے ذہنوں میں یہ قصے، کہانیاں راسخ ہو چکی تھیں انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تحریف شدہ کتابوں سے روایت کیا تھا اور بعض مسلمانوں نے انہیں صحیح سمجھ کر قبول کر لیا۔

پھر مسلمان علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے توفیقِ الٰہی سے کتب تفاسیر کو ان اسرائیلی روایات سے پاک کیا اور مسلمانوں کو ان کے ضرر سے آگاہ کیا۔ خصوصًا وہ روایات جن کا تعلق عقیدہ سے تھا جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہو گئے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ بعض اسرائیلی روایات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب کیا گیا (معاذ اللہ)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے کسی فوجی کی بیوی پر عاشق ہو گئے۔ اس کے خاوند کو جنگی محاذ پر بھیج دیا۔ وہ وہاں قتل ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے عزیزِ

مصر کی بیوی کے ساتھ معاذ اللہ گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی حکایات ہیں جو انبیاء اور رسل علیہم السلام کے مقام کے منافی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے محفوظ کر لیا تھا۔

ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان اسرائیلی روایات کو پس پشت ڈال کر صحیح مشہور اسلامی ماٗخذ پر اعتماد کرے۔

(۲): حدیث: بعض خود غرض مخالفین نے اسلام کے سنہری اصولوں کو مسخ کرنے کا یہ طریقہ اپنایا کہ انہوں نے بعض بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف منسوب کر کے ذخیر احادیث میں شامل کر دیا تو اس سے ان کا مقصد اسلام کے بنیادی عقیدہ کو کھوکھلا کرنا اور اس میں ایسے تباہ کن افکار داخل کرنا تھا جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا جیسے تجسیم، تشبیہ، جہت اور اس جیسے دوسرے غیر اسلامی عقائد۔

اسی طرح انہوں نے ترغیب وترہیب میں بھی بہت سی احادیث وضع کیں۔ جب انہیں کہا جاتا کہ تم رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو حالانکہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ کَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔[936]

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

تو وہ کہتے کہ ہم نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کیلئے جھوٹ بولا ہے نہ کہ ان کے خلاف۔ بعض لوگ سلاطین اور حکام کا قرب حاصل کرنے کیلئے احادیث گھڑا کرتے تھے تاکہ وہ دنیاوی اور مادی مقاصد حاصل کریں۔

---

[936] معجم الاوسط ج ۲ ص ۲۶۳، جامع الاحادیث مسند علی ابن ابی طالب ج ۲ ص ۳۱۳۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت کو زندہ رکھنے کیلئے ایسے مخلص اور غیور علماء پیدا کئے جنہوں نے احادیث طیبہ کے ذخیروں کی جانچ پڑتال کر کے صحیح ضعیف اور موضوع احادیث کو الگ الگ کر دیا۔ ان علماء میں حافظ المزی، زین عراقی، علامہ ابن حجر اور امام ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ قابلِ ذکر ہیں۔ بعض غیور علماء نے ایسی کتب تالیف فرمائیں جن میں انہوں نے صرف موضوع احادیث کو جمع کر دیا تاکہ لوگ اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں جیسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی "اللالی المصنوعة فی احادیث الموضوعة" اور ملا علی قاری کی "المصنوع فی الحدیث الموضوع" وغیرہ۔

(۳): تاریخ: ان لوگوں کیلئے تاریخ ایک وسیع اور زرخیز میدان تھا۔ انہوں نے تاریخ اسلام میں ایسے گمراہ کن خیالی قصے داخل کر دیئے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس طرح وہ مسلمان خلفاء اور سلاطین کی سیرت کو مسخ کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ کتاب "الف لیلہ و لیلہ" میں بہت سے عجیب و غریب جھوٹے قصے ہارون الرشید کی طرف منسوب کئے گئے تھے۔

صلیبیوں، مستشرقین اور ان کے پروردہ گروہ نے تاریخِ اسلام کے بارے میں جو بے بنیاد اور باطل پرپیگنڈہ کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ان کا مقصد اسلام کی بنیاد کو کھوکھلا کرنا اور مشاہیر اسلام کی سیرتوں کو مشکوک بنانا تھا لیکن ابن ہشام، ابن اثیر، ابن کثیر اور ذہبی جیسے مسلمان حقیقی مؤرخین نے تاریخِ اسلام کی تدوین و تہذیب کی اور اس کو ان بے بنیاد چیزوں سے پاک کر کے صاف ستھرا کر کے پیش کیا۔ طالبِ حقیقت کو چاہیئے کہ وہ ان صحیح مآخذ کی طرف رجوع کرے تاکہ اچھی اور بری چیز میں تمیز کر سکے۔

(۴): تصوف: علمِ تصوف بھی دوسرے علوم دینیہ کی طرح مخالفین کی تحریف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان میں سے بعض نے کتبِ صوفیاء میں منحرفانہ عقائد اور ایسی عبارات کا اضافہ کر دیا جن کا تصوف اور صوفیاء سے دور کا بھی تعلق واسطہ نہ تھا۔

جس طرح کہ تصوف کی بعض کتابوں میں یہ شعر منقول ہے:

و ما الکلب و الخنزیر الا الھنا و ما الرب الا راھب فی کنسیة

کتا اور خنزیر ہمارا معبود ہے اور کنیسہ کا راہب ہمارا رب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ أَنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا" (الکهف: ۵)

ترجمہ: کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے وہ نہیں کہتے مگر (سراسر) جھوٹ۔

ان میں سے بعض نے دینِ اسلام کو ایسے دوسرے امور سے فاسد کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق عقائد سے تھا۔ انہوں نے بعض صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے اقوال منسوب کئے جو اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف تھے۔ جیسے حلول اور اتحاد کا قول اور یہ قول کہ خالق عین مخلوق ہے اور کائنات عین خالق ہے۔

ان میں سے بعض نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تاکہ لوگوں کا اعتماد ان سے اٹھ جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ان کی کتب میں ایسے خیالی قصے اور واقعات داخل کر دیئے جن میں یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ لوگ منکرات اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "طبقات کبریٰ" میں بعض ایسے واقعات ہیں جن سے وہ بری ہیں۔

ان میں مشنری مبلغین، مستشرقین اور استعمار کے پروردہ بھی شامل ہیں جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب کا مطالعہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے کلام کی تحریف کر کے اپنی طرف سے جھوٹی باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کے متعلق کتابیں لکھیں۔ اس سے محض ان کا مقصد اسلام کی بنیاد پر زبان طعن دراز کرنا اور روحِ اسلام کو اس کے جسم سے جدا کرنا ہے۔ بہت سے لوگ اس لئے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے تصوف کو مستشرقین مثلاً نکلسن، گولڈ زہیر یہودی، میسینن فرانسی وغیرہ کی کتابوں سے سمجھنا چاہا، اس طرح وہ ان کے جال میں پھنس گئے اور ان کے مسموم افکار سے متاثر ہو کر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے لگے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ایک سچا مسلمان اپنے دھوکہ باز اور مکار دشمن کی بات پر کیسے اعتماد کر سکتا ہے۔

ان میں سے بعض ایسے سادہ لوح لوگ تھے جو مستشرقین اور ان سے متاثر لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرنے لگے اور ان تحریف شدہ اقوال کو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال خیال کرنے لگے حالانکہ یہ تمام اقوال صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور تصوف سے انتہائی بعید تھے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب یہ تحریف شدہ اقوال در حقیقت انہیں کے اقوال ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کی مطبوع شدہ کتابوں میں موجود ہیں۔

ان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں جو اقوال ہیں وہ حقیقتاً انہی کے ہیں کیونکہ یہ کتب بھی مخالفین کی تحریف سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس وقت ہمیں ایسے مخلص محققین کی ضرورت ہے جو اس عظیم اسلامی سرمایہ کو ان تحریفات سے پاک کریں۔

اگر صحیح طریقہ سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعض صوفیاءرحمہم اللہ تعالیٰ کاکلام شرعی حدود کے مخالف ہے تو ہم جواباًعرض کریں گے کہ کسی فرد واحد کا کلام پوری جماعت کیلئے حجت نہیں ہو سکتا۔ خصوصًاایسی جماعت جس کا شعار مذہب اور قرآن وسنت کی پیروی کرنا ہے حتیٰ کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صوفی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ حدود شرعی سے واقف ہو اور اس سے انحراف نہ کرے۔ جب کسی شخص میں یہ شرط اول نہ پائی جائے اور وہ اس کے باوجود صوفی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر کئے گئے ان باطل اعتراضات کا جواب دینے سے بہتر ہے کہ کوئی مثبت کام کیا جائے کیونکہ اس کام میں مشغول ہونا اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ محققین علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان اعتراضات کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم یہ ذہن نشین کرلیں کہ تصوف کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تصوف ایمان، اخلاق، ذوق شوق اور معرفت کا نام ہے اور یہ صرف ان لوگوں کی صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت پر عمل پیرا ہوں اور انہیں علم و عمل اور اخلاق و معارف رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے وراثت میں ملے ہوں۔ یہ وہ علم ہے جو ایک سینہ سے دوسرے سینہ کی طرف اور ایک قلب سے دوسرے قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

بعض بدباطن لوگ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور خصوصًا تحریف شدہ اقوال اور مخالفین کے داخل کئے ہوئے جھوٹے واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور پھر

یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ تصوف صرف اسی کا نام ہے۔ اس طرح وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف محاذ قائم کر کے سخت پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اگر وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا حقیقی موقف جان لیتے کہ وہ کیسے شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم پر کس قدر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں اور کس طرح معتبر اسلامی مذاہب اربعہ پر عمل پیرا ہیں اور کس طرح اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہیں تو یقیناً انہیں معلوم ہو جاتا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ یہ تمام اعتراضات من گھڑت بے بنیاد اور ان کے اپنے عمل کے منافی ہیں اور یہ مخالفین کی طرف سے داخل کئے گئے ہیں یا کم از کم ان کی کوئی اچھی تاویل ہو سکتی ہے۔

ہم یہاں کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ صوفیائے کرام اور علمائے کرام اور علمائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین نے بہت سی ایسی چیزیں ان کی کتابوں میں داخل کر دی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ابن فراء "طبقات" میں فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ انتہائی نیک اور متقی ہیں جن کی شہرت کو بعض بُرے لوگوں نے شدید نقصان پہنچایا ہے فقہ جعفریہ میں بہت سے جھوٹے اور من گھڑت اقوال امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ وہ ان اقوال سے بری ہیں اور اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف عقائد کے بارے میں بعض ایسی آراء منسوب ہیں جو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمائیں۔

امام ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ آج کل کے حنبلیوں کی طرح تھا؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ امام اہلِ سنت احمد بن

حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آپکا عقیدہ اہلِ سنت وجماعت کے عقیدہ کے موافق تھا اور بعض جہلاء جو اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جہت اور جسمیت کے قائل تھے تو یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے اور وہ شخص ملعون ہے جو اس قسم کے عقیدہ کی نسبت آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حافظ امام ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حنبلی مذہب کے ائمہ میں سے تھے انہوں نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ چیزیں جو منسوب ہیں وہ محض جھوٹ، افتراء اور بہتان ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ان چیزوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کتاب "نهج البلاغه" بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور اس کا اکثر حصہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی بن حسین، شریف مرتضیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس پر کتاب "نہج البلاغہ" وضع کرنے کا الزام ہے جو شخص اس کتاب کو پڑھے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کذب وافتراء ہے کیونکہ اس میں سیدنا ابو بکر اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سب وشتم اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تنقیصِ شان کی گئی ہے اور اس میں ایسا تناقض اور رکیک عبارات موجود ہیں کہ قریشی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد میں آنے والے متاخرین کے بارے میں تھوڑی سی بھی سمجھ رکھنے والا شخص یہ یقین کرلیتا ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ باطل ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "طبقات کبریٰ" میں مخالفین اور حاسدوں نے ایسی عبارات داخل کر دیں جو ظاہرِ شریعت کے خلاف تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت خود اپنی کتاب "لطائف المنن و الاخلاق" میں کرتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے صبر عطا فرمایا جب حاسدوں اور دشمنوں نے میری کتب میں ایسے کلام کا اضافہ کر دیا جو ظاہرِ شریعت کے مخالف تھا اور وہ یہ کلام پیش کر کے میرے خلاف فتوی دینے لگے اور اس سلسلہ میں انہوں نے سلطانِ وقت کو بھی خطوط ارسال کر دیئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں اس آزمائش میں اس وقت مبتلا ہوا جب میں ۹۴۷ھ میں حج کیلئے مکہ مکرمہ گیا تو وہاں بعض لوگوں نے ایک جھوٹا مسئلہ میری طرف منسوب کر دیا جو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اجماع کے مخالف تھا اور وہ یہ کہ میں نے بعض لوگوں کو نماز کے وقت سے مقدم کرنے کا فتویٰ دیا جب کہ بندہ کو کوئی ضروری کام ہو۔ انہوں نے اس بات کو دورانِ حج عام کر دیا اور بعض مخالفین نے خط کے ذریعہ اہلِ مصر کو بھی اس کی اطلاع دے دی۔ جب میں واپس مصر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں اس مسئلہ کی وجہ سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا حتیٰ کہ یہ بات مشرقی مغربی صوبوں صعیدِ مصر اور رؤسائے سلطنت تک پہنچ چکی ہے جس کی وجہ سے میرے متعلقین کو بہت نقصان ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ مجھے بھی ترچھی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان خطوط کے بارے میں بتایا جو مکہ سے آئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کس نے میری غیبت کی اور میری عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

پھر میں نے کتاب "البحر المورود فی المواثیق العھود" لکھی جس پر چاروں مذاہب کے چالیس علماء نے دستخط کئے لوگوں میں یہ کتاب انتہائی مقبول ہو گئی۔ انہوں نے اس کے چالیس نسخے

تیار کئے تو حاسدین غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے اور انہوں نے میرے ایک سادہ مرید سے اس کا نسخہ عاریۃً لیا اور اس میں باطل عقائد اور ایسے مسائل کا اضافہ کر دیا جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف تھے۔ اسی طرح انہوں نے جحا اور ابن راوندی کی حکایات اور لطائف شامل کر دیئے اور کتاب کے مختلف مقامات پر اس طرح ملا دیئے ایسا معلوم ہونے لگا گویا کہ وہ اصل کتاب ہے اور پھر ان کتب کو بازار بھیج دیا جہاں طالبانِ علم کا مجمع رہتا ہے۔ انہوں نے ان کتابوں پر میرا نام دیکھا اور ان کو خرید لیا۔ بعض مخالفین اس کتاب کو جامعہ ازہر کے علماء کے پاس لے گئے۔ ان میں سے بعض علماء تو وہ تھے جنہوں نے اس کتاب پر دستخط کئے تھے اور بعض دوسرے تھے جس کی وجہ سے ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا اور لوگ تقریباً ایک سال تک مساجد بازاروں اور امراء کے گھروں میں میرے خلاف باتیں کرتے رہے حالانکہ مجھے اس کا علم نہ تھا۔ شیخ ناصر الدین لقانی، شیخ الاسلام حنبلی، شیخ شہاب الدین بن حلبی نے میرا دفاع کیا حالانکہ اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ جامعہ ازہر سے میرے ایک محب نے مجھے پیغام بھیجا اور تمام حالات سے مجھے آگاہ کیا۔ میں نے اپنا وہ نسخہ اس کی طرف بھیجا جس پر علماء کے دستخط تھے جب علماء نے اس کا مطالعہ کیا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو حاسدین نے میری طرف منسوب کی جب انہیں حقیقت حال سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے اس شخص کو سب و شتم کی جس نے اس آگ کو بھڑکایا تھا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بعض کم فہم اور عجلت پسند لوگوں کو جانتا ہوں جو ابھی بھی میرے متعلق برا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے میرے ان حاسدوں سے میرے متعلق باتیں سنیں۔ پھر ان حاسدین نے ان مسائل کو جو میری اس کتاب میں جمع کئے گئے تھے۔ اپنے پاس جمع کر لیا اور جب بھی وہ کسی کے بارے میں سنتے کہ وہ مجھے ناپسند کرتا تو اسے کہتے

کہ ہمارے پاس اس کے متعلقہ کچھ مسائل ہیں۔ اگر تمہیں ضرورت ہے تو دکھا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ مسائل ایک حاسد سے دوسرے حاسد تک منتقل ہوتے رہے اور یہ لوگ میرے خلاف علماء سے فتویٰ لیتے اور مجھے اس کا علم تک نہ تھا اور جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے تمام علمائے ازہر کی طرف پیغام بھیج دیا کہ یہ تمام لوگ میرے متعلق آپ سے فتویٰ لیتے ہیں اور یہ تمام مسائل میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ سب من گھڑت ہیں۔ اس طرح علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس کے متعلق فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔

عظیم مؤرخ عبدالحی بن عباد حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "شذرات الذهب فی اخبار من ذھب" میں شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوانح کے تحت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیفات کی تعریف وتوصیف کے بعد فرماتے ہیں کہ کچھ حاسدوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیفات میں ایسے کلمات داخل کر دئے جو ظاہر شریعت کے مخالف تھے اور اسی طرح باطل عقائد اور اجماع امت کے مخالف مسائل کا اضافہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا گیا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان حاسدین کو رسوا کر کے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سنت پر سختی سے کاربند تھے اور حد درجہ کے متقی وپرہیز گار تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غرباء وفقراء کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے حتیٰ کہ اپنے جسم کے کپڑے بھی انہیں عطا کر دیتے۔ لوگوں کی اذیت رسانی کو برداشت کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اوقات کو مختلف قسم کی عبادات میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مخلوقِ خدا کی راہنمائی کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی مصروف رہتے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زاویہ میں دن رات

ذکر و فکر کی گونج سنائی دیتی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جمعرات کی پوری شب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ہدیۂ درود و سلام پڑھتے ہوئے گزارتے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس معمول کو جاری و ساری رکھا۔ لوگوں کے دلوں میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بڑی قدر تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائی۔

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''یواقیت والجواھر'' میں فرماتے ہیں کہ بعض زندیقوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مرض موت میں باطل عقائد کو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سرہانے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صحیح عقیدہ سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو وہ اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔

اسی طرح شیخ مجد الدین فیروز آبادی بیان فرماتے ہیں کہ کسی ملحد نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تنقیصِ شان میں ایک کتاب لکھی اور اس کو میری طرف منسوب کر کے شیخ جمال الدین بن الخیاط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف بھیج دیا۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف خط بھیجا کہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حد درجہ معتقد ہوں اور میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب میں ایک بہترین کتاب لکھی ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے حد تعظیم کا اظہار کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس یہ جو کتاب پہنچی ہے اس کو جلا دو یا دھو ڈالو کیونکہ یہ مجھ پر محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

عظیم فقیہ شیخ احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امام العارفین قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کی بعض عبارات سے دھوکہ نہیں کھانا

چاہیئے کیونکہ ان عبارات کا اضافہ کسی حاسد نے کیا ہے (اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کی سزا دے) کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قسم کے عقائد سے بالاتر ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق اس قسم کے عقائد کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے حالانکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرآن و سنت، فقہ شافعی اور حنبلی پر گہری نظر رکھتے تھے حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں مذاہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ان ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو باطنی علوم و معارف اور خوارق ظاہرہ و باطنہ سے بھی نوازا تھا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض ایسے اقوال بھی ہیں جن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اقوال آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صادر ہوئے ہوں کیونکہ یہ اقوال تو ان یہودیوں سے صادر ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے جاہل ہیں۔ جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے حق میں کون سی چیز واجب ہے اور کون سی جائز اور کون سی محال؟ اللہ تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے اور اس قسم کے عقائد کو غوث الثقلین کی طرف منسوب کرنا عظیم بہتان ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "احیاء العلوم" میں بھی بعض مسائل کا اضافہ کیا گیا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو احیاء العلوم کا وہ نسخہ ملا جس میں باطل عقائد کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے جلانے کا حکم دے دیا۔

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حاسدین نے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ سے قیامت نہ قائم کرنے کا سوال کر دیں تو اللہ تعالیٰ قیامت قائم نہ کرے اور بعض بندے ایسے ہیں وہ اگر ابھی قیامت قائم کرنے کا سوال کر دیں تو وہ ابھی قیامت قائم کر دے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف ایسا قول منسوب کرنا صریح جھوٹ ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قسم کے اقوال سے بری ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے قول سے قیامت کے بارے میں وارد شدہ نصوص قطعیہ کا رد لازم آتا ہے اور یہ شارع علیہ السلام کی تکذیب کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک کتاب میں ایسا قول موجود ہے تو کسی ملحد نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک کتاب دیکھی ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد سے بھری ہوئی تھی یہ کسی ملحد کی تصنیف کردہ کتاب تھی۔ جسے اس نے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔ شیخ بدر الدین بن جماعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس کتاب پر مطلع ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب پر لکھ دی کہ جس نے اس کتاب کو **حجۃ الاسلام** کی طرف منسوب کیا وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حاسدوں نے میری کتاب **"بحر المورود"** میں کچھ باطل عقائد کا اضافہ کر دیا اور ان باطل عقائد کو مصر اور مکہ مکرمہ میں پھیلا دیا حالانکہ میں ان عقائد سے بری تھا۔ جس طرح کہ میں نے اس کتاب کے خطبہ میں اس چیز کا اظہار کیا ہے جب میں نے اس کو تبدیل کر دیا۔ اس کتاب پر علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دستخط موجود تھے اور یہ فتنہ اس وقت ٹھنڈا ہوا جب میں نے علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی طرف وہ نسخہ بھیجا جس پر وہ دستخط موجود تھے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مخالفین نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بعض معروف کتابوں میں باطل عقائد کا اضافہ کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور **"طبقات کبریٰ"** ہے۔ اگر

کوئی منصف مزاج شخص امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام کے درمیان جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے شریعت پر سختی سے کاربند ہونے کا ذکر کیا ہے اور طبقات کبریٰ کے درمیان موازنہ کرے تو ان دونوں کلاموں کے درمیان مخالفت اور تباین اس پر ظاہر ہو جائے اور اسے معلوم ہو جائے کہ طبقات کبریٰ میں جو اس قسم کی کلام موجود ہے وہ سب جھوٹ ہے۔

اسی طرح مخالفین نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب میں بھی باطل عقائد کا اضافہ کیا ہے۔ شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب وسنت پر سختی سے کاربند تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ سے ایک لمحہ کیلئے بھی میزانِ شریعت نکل گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں سے لوگوں کو بعض چیزیں سمجھ نہیں آتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پرواز انتہائی بلند تھی اور اسی طرح اگر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کلام میں کوئی ایسی چیز ہے جو ظاہرِ شریعت کے خلاف ہے تو وہ مخالفین کی اضافہ شدہ ہے جس طرح کہ اس کی خبر مجھے ابو طاہر مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نزیل مکہ مکرمہ نے دی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ میں ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' کو مختصر کر رہا تھا تو دورانِ اختصار اس میں بعض ایسی چیزیں آ جاتیں جو ظاہرِ شریعت کے مخالف ہوتیں میں ان کو خارج کر دیتا، پھر جب شیخ ابو طاہر مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مجھے فتوحات مکیہ کا وہ نسخہ دکھایا جو انہوں نے قونیہ میں شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اپنے دستِ اقدس سے لکھے ہوئے نسخہ سے ملایا تھا تو

اس میں وہ تمام چیزیں موجود نہیں تھیں۔اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ چیزیں مخالفین اور حاسدین کی اضافہ شدہ ہیں جس طرح کہ مخالفین نے میری کتابوں میں بعض باطل عقائد کا اضافہ کر دیا تھااور اس کامشاہدہ میں خود کر چکاہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے۔

صاحب در مختار فرماتے ہیں: جس نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "فصوص الحکم" کے بارے میں کہا کہ یہ مخالفِ شریعت ہے اور گمراہی کیلئے تصنیف کی گئی ہے۔ اور جس نے اس کا مطالعہ کیاوہ ملحد ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ اس کتاب میں بعض کلمات ظاہرِ شریعت کے مخالف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی یہودی نے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب میں ان کلمات کا اضافہ کر دیاہے۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے حاشیہ میں صاحب در مختار کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ان کلمات کے زائد ہونے کا ثبوت تھایا شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کے مفہوم تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے یاان کلمات کی تاویل ہی ممکن نہ تھی۔اس لئے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمادیا کہ یہ کلمات کسی مخالف کے اضافہ شدہ ہیں جس طرح امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض حاسدین نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں میں باطل عقائد کا اضافہ کر دیااور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف نسبت کر کے عوام میں ان کو مشہور کر دیا حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ہم عصر علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے ملاقات کی۔انہوں نے اپنی کتاب کاوہ مسودہ دکھایاجس پر علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دستخط تھے اور وہ ان باطل عقائد سے خالی تھا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ صاحب **در مختار** نے فرمایا کہ ان کلمات کے

مطالعہ نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کلمات مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں پھر تو بات ظاہر ہے وگرنہ ہر شخص میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس لئے خطرہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق غلط نہ سوچنے لگے یا اس کے مفہوم و مقصود کو الٹ سمجھ لے۔

اس طرح مخالفین نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا ہے کہ اہلِ جہنم نارِ جہنم میں لذت محسوس کریں گے اور اگر ان کو وہاں سے نکال دیا جائے تو انہیں تکلیف ہو گی۔ شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قول آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب میں پایا جاتا ہے تو یہ مخالفین کا داخل کردہ ہے کیونکہ میں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "فتوحات مکیہ" کو پڑھا ہے، اس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہلِ جہنم کے بارے میں تفصیلاً گفتگو فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید بر آں فرماتے ہیں کہ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "فصوص الحکم" میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا! اہلِ جہنم آگ کے ساتھ لذت محسوس کریں گے اور اگر ان کو وہاں سے نکال دیا گیا تو وہ واپس جہنم میں جانے کا مطالبہ کریں گے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قول آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دونوں کتابوں میں دیکھا ہے۔ میں نے فتوحات مکیہ کے اختصار کے وقت یہ قول حذف کر دیا تھا کیونکہ شیخ شمس الدین شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی کتابوں میں بعض باطل عقائد کا اضافہ کر دیا گیا ہے کیونکہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں اجماع ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار اولیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں دائمی حضوری حاصل تھی۔ آپ رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوئی ایسی گفتگو فرمائیں جو شریعت کے اساسی عقائد کے مخالف ہو اور جس کی وجہ سے دینِ اسلام اور دوسرے تمام باطل ادیان کے درمیان برابری لازم آئے اور اس سے یہ ظاہر ہو کہ اصحابِ جنت اور دوزخ برابر ہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق ایسی بات وہی کر سکتا ہے جو عقل سے فارغ ہو۔ اے میرے بھائی! محتاط رہنا، کہیں تم بھی اس کی تصدیق نہ کر دینا جو باطل عقائد کو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اپنے سمع وبصر اور دل کی حفاظت کرو۔ میں نے تمہیں مخلصانہ نصیحت کر دی ہے۔ والسلام۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عقائد وسطیٰ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ارشاد پڑھا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے اپنے مقام میں رہیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلے گا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ جہنم سے کفار ومشرکین اور منافقین کسی حالت میں بھی نہیں نکلیں گے لیکن گنہگار موحدین سزا پانے کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔ جیسا کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اپنے ارشاد سے ہوتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **فتوحات مکیہ** کے باب نمبر ۳۷۱: میں فرمایا کہ جب جہنم کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے تو اہلِ جہنم کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ جب نارِ جہنم بھڑکے گی تو اس کے اوپر والا حصہ نیچے ہو جائے گا۔ اسی طرح امام باجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوہرۃ توحید کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی طرف یہ جو قول

منسوب ہے کہ اہلِ جہنم عذاب کے ساتھ عادی ہو جائیں گے حتیٰ کہ اگر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے تو وہ تکلیف محسوس کریں گے۔ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَکُمْ إِلَّا عَذَابًا" (النبا: ۳۰)

ترجمہ: "پس (اے منکرو! اپنے کئے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب۔"

ایک مسلمان سے اس باطل عقیدہ کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے عقیدہ کے مخالف ہو۔ شیخ محمد یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کافی صراحت فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت ہمیشہ کیلئے جنت میں رہیں گے اور مختلف الانواع نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور اہلِ جہنم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اور بعض نے کہا ہے کہ عذاب ان سے منقطع ہو جائے گا اور یہ لذت میں تبدیل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر ان کو جنت میں داخلے کی پیش کش کی گئی تو انکار کر دیں گے کیونکہ وہ اس میں لذت محسوس کریں گے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا بلا شک وشبہ کافر ہے کیونکہ اس سے بہت سی آیات قرآنیہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱): إِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ أُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ۔ خَالِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ" (بقرہ: ۱۶۱، ۱۶۲)

یعنی بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ مرے اس حال پر کہ وہ کافر تھے یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

(۲): "إِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا۔ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ" (نساء: ۵۶)

ترجمہ: بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تا کہ وہ مسلسل چکھتے رہیں عذاب کو

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ان کے دائمی عذاب پر دلالت کرتی ہیں۔

یہ قول بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ ولی اللہ سے بعض حالات میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے جواب میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ذکر کرتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی ولی کو کشف کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ برائی اس کے مقدر میں لکھی گئی ہے تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس برائی کا ارتکاب کرے۔ اسی طرح اگر کسی ولی کو کشف کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ رمضان شریف میں فلاں دن وہ بیمار ہو گا تو اس کیلئے اس دن روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ صبر کرے حتیٰ کہ جب وہ بیماری میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کیلئے روزہ توڑنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوسرے اعذار کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے۔ آخر میں شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا اور محققین صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب ہے۔

عارف باللہ شیخ ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف بعض حاسدین و مخالفین نے یہ قول منسوب کیا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے مجھے "انا اللہ" کہنے کی اجازت دی ہے اور فرمایا اے ابراہیم! انا اللہ (میں اللہ ہوں) کہو اور کچھ پرواہ نہ کرو۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

طرف اس منسوب قول میں اللہ تعالیٰ کی شان میں جو بے ادبی و گستاخی ہے اس کی تفصیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے بارے میں بھی یہ قول مشہور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے کعبہ شریف کے بارے میں فرمایا! یہ وہ بت ہے جس کی زمین میں عبادت کی جاتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اس قول کی نسبت کرنا محض کذب وافتراء ہے حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے خود اس بات کی نفی کی ہے جب ان سے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں جو یہ مشہور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ شریف کے بارے میں کہا کہ یہ زمین میں پوجا جانے والا بت ہے۔ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے کیونکہ وہ تو انتہائی پرہیز گار مؤمنہ تھیں۔ اس قول کا قائل کافر ہے اسے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ مسلمان بیت اللہ شریف کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ تو بیت اللہ شریف کے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے حکم سے اس کا طواف اور نماز میں اس کی طرف منہ کرتے ہیں۔

اگر ہم تاریخِ اسلام اور تصوف کے متعلق چھان بین کریں تو اسلام دشمن عناصر کے اضافہ شدہ مختلف امور سے آگاہی ہو سکتی ہے لیکن ہماری یہ کتاب اس قدر گنجائش کی متحمل نہیں۔

خصوصًا تصوف کے لٹریچر میں ان اسلام دشمن عناصر نے زیادہ دلچسپی لی کیونکہ یہ لوگ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ تصوف روحِ اسلام ہے اور صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اسلام کی حقیقی قوت اور تبلیغِ اسلام کیلئے مینارۂ نور ہیں اس لئے وہ اس نور کو گل کرنا چاہتے ہیں۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَ اللهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (الصف: ۸)

ترجمہ: ''یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ سخت ناپسند کریں کافر۔''

اسلامی لٹریچر میں اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس دور میں کتابوں کی نشر واشاعت کا کوئی منظم طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کڑی نگرانی ہوتی تھی جیسا کہ آج کا یہ قانون موجود ہے کہ جو شخص مؤلف کی اجازت کے بغیر کسی کتاب کو شائع کرے گا یا اس کتاب میں کوئی اضافہ کرے گا تو اس کے خلاف قانونی کاروائی ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اس دور میں ہاتھ کے ساتھ کتاب لکھنے کا رواج تھا۔ اس لئے بعض خود غرض اور کذاب کتابوں میں عبارات کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے انہیں علماء اور صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی طرف منسوب کر دیتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے امت محمدیہ میں ایسے نابغۂ روزگار علماء پیدا کئے جنہوں نے اسلامی کتب کو ان چیزوں سے پاک کیا اور حق وباطل کے درمیان تمیز کی۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مختصر سی کتاب کے ذریعہ اس پاکیزہ عمل میں حصہ ڈالا ہے تاکہ اسلامی تصوف کی وہ چمک دمک واپس لوٹ آئے اور لوگ اس مادہ پرستی اور الحاد کے دور میں تصوف کے روحانی فیض سے نفع حاصل کریں۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تاویل

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں بعض اقوال ظاہری شریعت کے مخالف ہیں ان کی دوصورتیں ہیں۔

(۱): یا تو یہ اقوال اسلام دشمن عناصر اور حاسدوں کے اضافہ شدہ ہیں جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲): یہ اقوال قابلِ تاویل ہیں ان اقوال میں اشارہ، کنایہ اور مجاز کو استعمال کیا گیا ہے اور یہ اسلوب کلامِ عرب میں کثیر استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اسی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجلَ۔ (بقرہ:۹۳)

ترجمہ: اور سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے۔

اس آیت کریم میں "العجل" سے مراد بچھڑے کی محبت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔ (یوسف:۸۲)

ترجمہ: "قریہ سے سوال کرو۔"

یہاں اہلِ قریہ سے سوال کرنا مراد ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ" (انعام:۱۲۲)

ترجمہ: "کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے۔"

یعنی اس کا دل مردہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِتُخْرِجَ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ۔ (ابراھیم: ۱)

ترجمہ: تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان) کی طرف۔

یہاں کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالنا مراد ہے۔ اسی طرح بعض قرآنی آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے لیکن گہری نظر و فکر اور تحقیق کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کی تاویل ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآنی آیات میں باہمی تعارض ہے۔

مثلاً ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّکَ لَاتَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ (قصص ۵۶)

ترجمہ: بے شک آپ نہیں دے سکتے ہدایت جس کو آپ پسند کریں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَإِنَّکَ لَتَهْدِىٓ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (شوریٰ: ۵۲)

ترجمہ: اور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔

علمِ تفسیر سے ناواقف شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان دو آیات کے درمیان تعارض ہے کیونکہ پہلی آیتِ کریمہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم سے ہدایت کی نفی کر رہی ہے اور دوسری آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کیلئے ہدایت ثابت کر رہی ہے۔ اگر وہ اہلِ علم سے پوچھتا ہے تو وہ اسے بتاتے ہیں کہ پہلی آیت میں ہدایت سے مراد ہدایت پیدا کرنا ہے اور دوسری آیت میں صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ اسی طرح اہلِ علم کے نزدیک ان دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح بعض احادیثِ طیبہ کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا صحیح نہیں بلکہ ان میں تاویل کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث دوسرے احکامِ شرعیہ کے موافق ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلقہ احادیث میں تاویل کرناواجب ہے۔

جیسا کہ اس حدیث پاک میں نبی کریم صَلَّى اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

"ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی سماء الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل الاخر، فیقول: من یدعونی فاستجیب لہ؟ من یسئلنی فاعطیہ؟ من یستغفرنی فاغفر لہ؟"

ترجمہ: "ہمارا رب ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے حتیٰ کہ جب رات کا تیسرا پہر باقی رہ جاتا ہے تو وہ فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں۔ کوئی ہے مجھ سے مغفرت مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔"[937]

ایک جاہل نے تو جہالت کی انتہاء کر دی۔ اس نے یہ حدیث منبر پر بیان کی اور پھر ایک سیڑھی نیچے اتر کر لوگوں سے کہنے لگا۔ تمہارا رب اس طرح اپنی کرسی سے آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے جس طرح میں اس منبر کی سیڑھی سے اترا ہوں اور یہ صریح جہالت ہے۔

اسی طرح اس حدیث "فَإِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهٖ"[938] کی علماء نے تاویل کی ہے۔ علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث پاک کی تاویل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "صورتہ" میں "ہ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے۔ جس طرح حدیث کا ظاہر سیاق دلالت کرتا ہے۔ اس

[937] (بخاری، مسلم)

[938] (بخاری، مسلم)

وقت صورت سے مراد صفت ہو گا اور حدیث کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے اوصاف پر پیدا کیا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کردہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں:

"کان خلقه القرآن"

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے اخلاق عالیہ سراپا قرآن ہیں۔[939]

اسی طرح حدیث پاک ہے:

"تخلقوا باخلاق الله"[940] یعنی اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جاؤ۔

شیخ کامل کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاق واوصاف کو ہر قسم کے نقص سے پاک کرے تاکہ وہ اپنے پروردگار کی صفات سے متصف ہو سکے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے اوصافِ قدیم اور بندہ کے حادث اوصاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کی انتہائی مدح وستائش کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی صفات کے ساتھ متصف کر دیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے تو علمائے خلف کے نزدیک اس کی تاویل واجب ہے سوائے ایک گمراہ کن فرقہ کے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ذات باری تعالیٰ کی طرف جہت اور جسم کی نسبت کرکے خطا کے مرتکب ہوئے جو اکثر علماء کے نزدیک صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہمیں ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔

---

[939] (مسلم)

[940] صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۴ کتاب التوحید۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "جامع الصغیر" میں حدیث قدسی: ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیامۃ یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی قال یا رب کیف اعودک و انت رب العٰلمین۔ قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما علمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے میرے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کر سکتا ہوں تو تو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، کی شرح میں فرماتے ہیں! کسی نے ایک عارف باللہ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے اس حدیث قدسی میں اپنی ذات کی طرف بھوک، پیاس اور بیماری کی نسبت کی ہے۔ کیا ان الفاظ کو اپنے ظاہر پر رکھنا بہتر ہے یا ان کی تاویل کرنی چاہیۓ جس طرح کہ اسی حدیث میں تاویل موجود ہے کہ بندہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میں تیری عیادت کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ تو رب العالمین ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ عوام کیلئے اس کی تاویل کرنا واجب ہے تاکہ وہ ذات باری تعالیٰ کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ نہ رکھیں لیکن عارفین کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کے ظاہر پر ایمان لائیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا محال ہے۔ حقیقت باری تعالیٰ تمام حقائق سے مختلف ہے وہ کسی صورت میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتی، اور نہ ہے صفت تشبیہ اسے لاحق ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صفت اسے ہی لاحق ہوتی ہے جو کسی حال میں اپنی مخلوق کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ظاہر پر باقی رکھا تاکہ کمال ایمان کی صفت سے محروم نہ ہوں کیونکہ ان کو اس کے ظاہر پر ایمان لانے کا مکلف بنایا گیا ہے نہ کہ اس کی تاویل پر ایمان لانا کیونکہ ممکن ہے کہ تاویل حق تعالیٰ کی مراد کے

مخالف ہو۔ پس ادب اسی میں ہے کہ ہم ہر اس چیز کو اس کی طرف منسوب کریں جو اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب کی ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالٰی نے فصاحت وبلاغت اور جوامع الکلم عطا فرمائے تھے۔ پھر بھی آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے کلام میں بعض اوقات تاویل کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے امتیوں کے کلام میں تاویل کی ضرورت بدرجہ اولٰی ہو گی کیونکہ ہم فصاحت وبلاغت کے اس مقام پر فائز نہیں ہیں جس پر اللہ تعالٰی نے ہمارے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو سرفراز فرمایا تھا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہر علم وفن کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو اہلِ فن اور اہلِ علم ہی جان سکتے ہیں۔ طب کی اصطلاحات انجینئر نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح انجینئرنگ کی اصطلاحات کو سمجھناڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔

جو شخص کسی علم کی کتب اس کی اصطلاحات اور رموز واشارات جاننے کے بغیر پڑھتا ہے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس علم کی ایسی تاویلات کرتا ہے جو اصل مقصود کے مخالف ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ حیران وپریشان ہو کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کی بھی بعض اصطلاحات ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے اوپر وارد ہونے والے انوار وتجلیات کو بیان کرتے ہیں کیونکہ لغت ان چیزوں کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے جو شخص صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے کلام کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان کی صحبت اختیار کرے حتیٰ کہ وہ ان کے اشارات اور اصطلاحات کو سمجھ سکے تاکہ ان کی عبارات اس کیلئے واضح ہو سکیں اور اسے معلوم ہو جائے کہ ان کا کلام کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہے اور نہ ہی وہ خود

شریعت سے ذرہ بھر انحراف کرتے ہیں بلکہ وہی تو اس کی روح کو سمجھنے والے اور اس کی حقیقت سے آشنا اور اس کے ورثہ کے محافظ ہیں۔

کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے: **نحن قوم یحرم النظر فی کتبنا علی من لم یکن من اھل طریقنا۔** (ہم وہ لوگ ہیں جن کی کتب میں نظر و فکر کرنا اس شخص کیلئے حرام ہے جو ہمارے طریقہ سے تعلق نہ رکھتا ہو۔)

کیونکہ ان علوم و معارف کی تدوین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو اس شخص تک پہنچایا جائے جو اس کو سمجھنے کا اہل ہے اور جو شخص اس کا اہل نہیں ہے وہ اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ اس کے مخالف ہو جاتا ہے کیونکہ انسان جس چیز سے جاہل ہو اس کا دشمن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سید علی بن وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان علوم و معارف اور اسرار کی تدوین عوام الناس کیلئے نہیں ہوتی، بلکہ یہ خواص کیلئے ہیں۔ اگر کوئی غیر اہل اس کا مطالعہ کر رہا ہو تو اس کو منع کر دینا چاہیئے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس اجمال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی کتب کے مطالعہ سے ان لوگوں کو روکتے ہیں جو ان کے کلام کو سمجھنے سے قاصر اور ان کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس علم کو چھپانا چاہتے ہیں بلکہ وہ اس خوف سے لوگوں کو منع کرتے ہیں کہ کہیں وہ اسے غیر مقصود چیز نہ سمجھ لیں یا اس کی ایسی تاویل نہ کر دیں جو حقیقت سے بہت دور ہو اور اس طرح اپنی کم عقلی کی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگیں۔ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے ایسی گفتگو کرے جو ان کے عقل و شعور کے مناسب ہو اور ان کے علم و فہم اور استعداد کے معیار کے مطابق ہو۔ اسی سلسلہ

میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے "علم کو بعض لوگوں کے ساتھ مخصوص کرنا اور بعض کے ساتھ مخصوص نہ کرنا اس خوف سے کہ وہ اسے نہ سمجھ سکیں گے"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ۔

لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جو وہ جانتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی تکذیب کی جائے۔[941]

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ خصوصی علم اس لئے عطا نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کی عقل و فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کی جائے۔

آدم ابن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب میں عبد اللہ بن داؤد اور وہ حضرت معروف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس چیز کو چھوڑ دو جس کا لوگ انکار کرتے ہیں۔ یعنی وہ کلام جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو وہ ترک کر دو۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ متشٰبہات کو عوام کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہئے اور اسی کی مثل ایک اور حدیث امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں سے ایسی گفتگو کرو گے جو ان کی عقل و فہم سے بالاتر ہو یہ بعض کیلئے باعث فتنہ ہو سکتی ہے کیونکہ جب کوئی شخص ایسا کلام سنتا ہے جو سمجھ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے ممکن ہونے کا تصور کر سکتا ہے تو وہ اپنی

---

[941](صحیح بخاری)

جہالت کی وجہ سے اسے محال گمان کرنے لگتا ہے اور اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف کی جائے تو ان کی تکذیب لازم آتی ہے۔

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر علم میں بعض چیزیں خاص ہوتی ہیں اور بعض عام۔ اسی طرح تصوف میں بھی عموم و خصوص کا لحاظ رکھا جاتا ہے اس لئے کہ معاملات کے متعلق احکامِ الٰہی کو عمومی طور پر ہر ایک کیلئے واضح کر دینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ باقی امور کو مخاطب کی استعداد کے مطابق بیان کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث پاک ہے! لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جو وہ سمجھتے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی تکذیب کی جائے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دو آدمی ایک ہی مسئلہ کے متعلق سوال کرتے ہیں لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر ایک کو مختلف جواب دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ سوال کا جواب سائل کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۴: میں فرمایا ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کچھ رموز اور اشارات وضع کئے ہیں جن سے وہ بخوبی آگاہ ہیں اور ان کا مقصد اجنبی شخص کو اپنے درمیان داخل ہونے سے روکنا ہے تاکہ وہ ان احوال سے آگاہ نہ ہو جائے جن میں وہ مگن ہے۔ یہ ان کی شفقت اور مہربانی ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ وہ نو وارد کوئی ایسا لفظ سن لے جس کی حقیقت تک اس کی رسائی نہ ہو اور وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگے۔ اس طرح اسے ان کے فیض سے محروم کر دیا جائے اور پھر اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہو جائے۔

اہلِ طریقت میں ایک انتہائی عجیب چیز پائی جاتی ہے اور ان کے علاوہ یہ چیز کسی اور گروہ میں نہیں پائی جاتی اور وہ یہ کہ منطق، نحو، انجینئرنگ، حساب، علمِ کلام اور فلسفہ اور دوسرے علوم کی خاص اصطلاحیں ہوتیں ہیں جن کو نو وارد شخص صرف اسی وقت جان سکتا ہے جب ان علوم کے ماہرین ان اصطلاحات سے آگاہ کریں لیکن اہلِ طریقت کا انداز نرالا ہے کہ جب کوئی طالب صادق ان کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے ان کے اشارات اور اصطلاحات کی خبر نہیں ہوتی لیکن جونہی وہ ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور ان اشارات اور رموز کو سنتا ہے جن کو وہ اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں وہ اس صحبت کی برکت سے ان تمام امور کو سمجھنے لگتا ہے حتیٰ کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ اصطلاحات اسی نے وضع کی ہیں۔ اس طرح وہ ان علوم و معارف کے حصول میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اور اسے یہ بات عجیب نہیں لگتی بلکہ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ علم بالکل بدیہی ہے گویا کہ وہ پہلے ہی اسے جانتا تھا اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ علمائے ظاہر ہمیشہ سے ہی اہلِ تصوف کے کلام کو سمجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ عظیم محدث احمد بن سریج رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کو سمجھا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا فرمارہے تھے لیکن ان کا کلام دل میں اترتا جارہا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ باطنی طور پر باعمل اور مخلص ہیں اور ان کا کلام لغو اور بے اثر نہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ اشارات کے ساتھ اسی وقت گفتگو کرتے ہیں کہ جب ان میں کوئی نووارد داخل ہو یا ان اشارات کو اپنی تالیفات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مخالفین کے انکار کی اصل وجہ حسد ہے۔ اگر یہ لوگ حسد کو ترک کر دیتے اور اہل اللہ کا طریقہ اپناتے تو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرتے بلکہ ان کے علوم سے مستفید ہوتے لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

صاحب در مختار سے جب شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''فصوص الحکم'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے مطالعہ میں احتیاط ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس قول کے تحت لکھتے ہیں کہ احتیاط اس لئے ضروری ہے کیونکہ اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں بعض کلمات مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں تو یہ بات ظاہر ہے ورنہ اس کلام کو سمجھنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے خدشہ ہے کہ وہ شیخ پر اعتراض نہ کرنے لگے یا اصل مفہوم کے برخلاف سمجھ لے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس کا نام ''تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی'' ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں لوگ دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک گروہ حق پر ہے جو ان کی ولایت کا اعتراف کرتا ہے جب کہ دوسرا اس کے برخلاف ہے۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا اعتقاد رکھا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کا مطالعہ عوام الناس کیلئے حرام ہے اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول بھی ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کی کتابوں میں نظر وفکر حرام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی کلام میں بعض اصطلاحات اور اشارات استعمال کرتے ہیں اور ان سے وہ معنی مراد نہیں لیتے جو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان معروف ہوتا ہے بلکہ اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعارف ہوتا ہے جو شخص ان کے کلمات کو عام معنی پر محمول کرتا ہے وہ ان پر کفر کا فتویٰ لگا لیتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات قرآن وسنت میں استعمال ہونے والے متشٰبہات کی مثل ہیں یعنی قرآن وسنت میں ذاتِ باری تعالیٰ کیلئے چہرہ، ہاتھ اور آنکھ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کی تاویل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان کلمات کی تاویل کرنا بھی واجب ہے۔ پھر علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! جب اصل کتاب شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ثابت ہے تو اس کتاب کا ہر کلمہ ان کی طرف منسوب ہوگا مگر یہ احتمال باقی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین مخالف نے اپنی طرف سے کچھ کلمات کا اضافہ کردیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات سے عام معنی مراد لیا ہو لیکن اس تک رسائی ممکن نہیں کیونکہ ان کا تعلق امورِ قلبیہ سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس چیز کا دعویٰ کرنا کفر کے مترادف ہے۔ کسی عالم نے کسی صوفی سے سوال کیا، کیا بات ہے کہ تم اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو جن کا ظاہری مفہوم صحیح نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم غیرت کی وجہ سے یہ کلمات استعمال کرتے ہیں تاکہ کوئی شخص اس میں داخل نہ ہوجائے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن فارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتب کے مطالعہ کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کتب کا مطالعہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان میں بہت سے ایسے فوائد ہیں جو دیگر کتب سے نہیں ملتے۔ ان میں ایسے عجیب وغریب اسرار بیان کئے گئے ہیں جن کا فیض مسلسل جاری وساری رہتا ہے اور بہت سے دقیق مسائل کی شرح ان کتابوں میں ملتی ہے۔ ان میں کثیر ایسے اسرار ورموز ہیں جن کو عارفین ہی سمجھ سکتے ہیں اور ان کی حقیقت تک رسائی وہ علمائے ربانیین ہی کر سکتے ہیں جو احکام شریعت پر کامل دسترس رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ان کے مؤلفین کی فضیلت کے معترف ہیں۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء نے ان کتب کا مطالعہ کیا اور ان کے مطالعہ میں مستغرق ہو گئے حالانکہ اس میں انتہائی دقیق معانی اور رموزو اشارات بیان کئے گئے تھے۔ جن کو سمجھنے سے وہ قاصر ہو گئے چونکہ ان امور کو سمجھنے کیلئے علوم ظاہرہ میں دسترس کے ساتھ ساتھ اخلاق عالیہ کے ساتھ متصف ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے یہ کلام ان کے عقل وفہم سے بالا تر تھا۔ اس لئے ان کے قدم جادہ حق سے ڈگمگا گئے اور انہوں نے اصل معنی ومقصود کی بجائے غلط معنی سمجھ لیا اور اسی کو انہوں نے صحیح گمان کر لیا اور قیامت کے دن خسارہ کے مستحق ہو گئے کیونکہ وہ عقیدہ اہلِ حق سے منحرف ہو گئے اور اپنی کم عقلی کی وجہ سے حلول واتحاد کے غلط عقیدہ میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ میں نے بعض مفاسد قبیحہ اور کفریات صریحہ ان لوگوں سے سنے ہیں جنہوں نے ان کتب کا مطالعہ تو کیا لیکن ان کے اسلوب وطریقہ سے ناواقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض علمائے کرام نے ان کتابوں پر اعتراض کیا ہے لیکن ہماری نظر میں وہ معذور ہیں کیونکہ ان کا مقصد ان جہلاء کو ان کتب سے دور رکھنا تھا جو ان کیلئے زہر قاتل تھیں نہ کہ ان کے مؤلفین کی ذات واحوال پر اعتراض کرنا۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! المختصر یہ کہ علمِ کلام اور عارفین کی کتب کا مطالعہ صرف علمائے ربانیین اور ان لوگوں کیلئے جائز ہے جو راہِ سلوک پر گامزن ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کیلئے ان کتب کا مطالعہ جائز نہیں ہے کیونکہ خدشہ ہے کہ وہ کہیں ایسے شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ان کیلئے مشکل ہو جائے لیکن نفس انسانی ہمیشہ لغو اور ایسی فضول باتوں میں مشغول رہتا ہے جو اس کیلئے فائدہ مند نہیں ہوتیں۔

شیخ عبد الکریم جیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب انسان کامل میں فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے سے التماس کرتا ہوں کہ اگر اس میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی چیز نظر آئے تو اسے جان لینا چاہئے کہ یہ اس کے مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ میری مراد ہے جس کیلئے میں نے یہ کتاب تصنیف کی ہے اسے چاہئے کہ وہ اس پر عمل کرنے سے رک جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی معرفت عطا فرمائے اور کتاب و سنت سے اس کی کوئی دلیل مل جائے کیونکہ میں نے جو کچھ بھی اس کتاب میں ذکر کیا ہے کتاب و سنت اس کی مؤید ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہر وہ علم جس کی تائید کتاب و سنت سے نہ ہو وہ سراسر ضلالت و گمراہی ہے لیکن عام قاری اپنے گمان کے مطابق کسی چیز کے خلاف کتاب و سنت ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ در حقیقت کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو لیکن وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اس حقیقت تک نہ پہنچ سکا ہو۔ اس لئے اسے تسلیم کر لینا ہی بہتر ہے۔

علمائے کرام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان اقوال و فرمودات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱): جو شخص راہِ طریقت پر گامزن نہیں ہے اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اہلِ طریقت کی کتب کا مطالعہ کرے کیونکہ خدشہ ہے کہ وہ اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے جس کا ارادہ ان کتب کے مؤلفین نے کیا ہے کیونکہ یہ شخص اہلِ طریقت کی اصطلاحات اور اشارات سمجھنے سے قاصر ہے لیکن اجمالی طور پر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب تین حصوں میں منقسم ہیں۔

(۱): یہ کتب عبادات کو ان کے ظاہری اور باطنی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احسن طریقہ سے ادا کرنے کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

(۲): یہ کتب مجاہدۂ نفس، تزکیۂ دل اور اس کے احوال یعنی ناقص صفات، شک، وسوسہ، ریا، حسد، شہرت اور حب مرتبہ سے دل کو صاف کرنے اور اس کو صفات کاملہ، توبہ، رضا، توکل، تسلیم ورضا، محبت، اخلاص، صدق اور خشوع وغیرہ سے آراستہ کرنے کے متعلق بحث کرتی ہیں۔

یہ دونوں اقسام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی "احیاء العلوم" اور شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی "قوت القلوب" اور اس قسم کی دیگر کتب میں مذکور ہیں اوران علوم کو علوم معاملات کہتے ہیں۔

(۳): یہ کتب معارفِ ربانیہ، علومِ لدنیہ اور ذوق ووجدان اور حقائقِ کشفیہ کے متعلق بحث کرتی ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اکثر کتب اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ فتوحاتِ مکیہ اور فصوصُ الحکم ہیں۔ اس طرح شیخ عبد الکریم جیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "انسان کامل" بھی اسی میں شامل ہے اور اس قسم کی کتابوں کے مطالعہ سے ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے جو اہلِ طریقت میں سے نہیں ہیں اور ان علوم کو علوم مکاشفہ کہتے ہیں۔

(۲): مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف، مطالعہ کتب اور اس کی اصطلاحات جاننے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے کسی شیخِ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ گمان نہ کرنا کہ تم صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب کے مطالعہ اور ان کی اصطلاحات جان لینے سے صوفی بن جاؤ گے، بلکہ صوفی بننے کیلئے ان کے اخلاق عالیہ سے متصف ہونا ضروری ہے اور اسی طرح کتاب و سنت کے جن اخلاق و آداب سے وہ آراستہ ہوئے ان کو جاننا بھی ضروری ہے۔

(۳): صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان رموز و اشارات کو اس لئے وضع کیا تاکہ اس علم کو وہی حاصل کر سکے جو راہِ سلوک کو اپنانا چاہتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تصوف، مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے اہلِ ذوق کی صحبت ضروری ہے۔

(۴): وہ عبارات جن میں عقائدِ حقہ کے بر خلاف باطل عقائد کا ذکر ہے وہ یقیناً مخالفین کی اضافہ شدہ ہیں کیونکہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کتاب و سنت پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں۔

(۵): وہ عبارات جو ان سے بالیقین ثابت ہیں اور ان کی تاویل ممکن ہے اور ان کو صحیح عقیدہ اہلِ سنت پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کی تاویل کرنا واجب ہے کیونکہ یہی ان کا عقیدہ ہے جس کی تصریح انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمات میں کی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ رسالہ قشیریہ، فتوحات مکیہ، التعرف اور احیاء العلوم وغیرہ کے مقدمات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(٦): اس کے علاوہ ان کی طرف منسوب شدہ وہ عبارات جن کی تاویل ممکن نہیں ہے اگر تو یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی ان کی عبارات ہیں تو ان عبارات کا انہیں ذمہ دار ٹھہرا دیا جائے گا لیکن ہم انہیں تسلیم نہیں کریں گے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کریں گے لیکن کسی معین شخص کو کافر نہیں کہیں گے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ کیسے ہو گا؟ ہم صرف عقیدۂ اہلِ سنت کے ذمہ دار ہیں اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے عقیدہ کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے کچھ ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جن پر بعض جہلاء نے اعتراض کیا ہے اور اس کی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے شریعت سے خارج ہونے کا الزام لگایا ہے لیکن جب آپ کو ان عبارات کے صحیح مفہوم سے آگاہی ہو جائے گی تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ معترضین کے اعتراضات یا تو جہالت کی بنا پر ہیں یا حسد کی وجہ سے۔

(١): امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

"دخلنا حضرۃ اللہ، وخرجنا عن حضرۃ اللہ"

ہم بارگاہِ الٰہی میں داخل ہوئے اور اس کی بارگاہ سے نکلے۔

یہاں "حضرۃ" (بارگاہ) سے مراد کوئی معین جگہ نہیں ہے کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ زمان ومکان کی حدود سے بالاتر ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک کسی عارف کو مشاہدۂ حق حاصل رہتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے اور جب وہ مشاہدہ حق سے محجوب ہو جائے تو کہتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی سے خارج ہو گیا۔

(۲): شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو میں نے یہ شعر پڑھا!

یامن یرانی ولا اراہ　　　　کم ذا اراہ ولا یرانی

اے وہ ذات جو مجھے دیکھتی ہے اور میں اسے نہیں دیکھ سکتا اور کئی دفعہ میں اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے نہیں دیکھتا۔

میرے ایک دوست نے یہ سن کر کہا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ وہ تمھیں نہیں دیکھتا حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ تمھیں ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

میں نے اس کے جواب میں فی البدیہ شعر پڑھا:

یامن یرانی مذنبا　　　　ولا اراہ آخذا

کم ذا اراہ منعما　　　　ولا یرانی لائذا

اے وہ ذات جو مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتی ہے اور میں اسے گرفت کرتے ہوئے نہیں دیکھتا، میں اسے انعام واکرام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پناہ طلب کرتے ہوئے نہیں دیکھتی۔

(۳) امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "لیس فی الامکان ابدا مما کان۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تخلیق کیا ہے اس سے عمدہ ممکن نہیں۔ شاید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد یہ ہے کہ یہ تمام ممکنات جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں موجود تھیں اور اس کا علمِ قدیم زیادتی اور اضافے کو قبول نہیں کرتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی"۔(طٰہٰ:۵۰)

ترجمہ: "جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصدِ تخلیق کی طرف) ہر چیز کی راہنمائی کی۔"

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس قول کی تاویل میں یہی مفہوم بیان کیا ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام انتہائی محققانہ ہے کیونکہ مراتب صرف دو ہی ہیں ایک قدوم، دوسرا حدوث۔ حق سبحانہ وتعالیٰ قدوم کے مرتبہ پر فائز ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام حدوث کے مرتبہ پر۔ اگر اللہ تعالیٰ اتنی مخلوق پیدا کر دیتا جو عقلاً حد وحساب سے ماوراء ہوتی تو تب بھی یہ مخلوق مرتبۂ حدوث سے مرتبۂ قدوم تک ترقی نہ کر سکتی۔

(۴) ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "خضنا بحرا وقفت الانبیاء بساحله" یعنی ہم اس بحر میں غوطہ زن ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام جس کے ساحل پر کھڑے ہیں۔

شیخ ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قول کی تاویل میں فرماتے ہیں! عارفین اولاً بحرِ توحید میں دلیل کے ساتھ غوطہ زن ہوتے ہیں اور اس کے بعد مرتبۂ شہود پر فائز ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام پہلے ہلہ میں ہی مرتبۂ شہود کے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ایسے ایسے مقامات طے کرتے ہیں جن کو احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے گویا کہ عارفین کی جس مقام پر انتہاء ہوتی ہے وہاں انبیاء علیہم السلام کی ابتداء ہوتی ہے۔

(۵) شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ''یصل الولی الی رتبۃ یزول عنہ فیھا کلفۃ التکلیف'' یعنی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی دورانِ سلوک اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے عبادات کی مشقت زائل ہو جاتی ہے۔

ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ولی ابتدائے سلوک میں مشقت اور تھکاوٹ محسوس کرتا ہے لیکن جب وہ معرفت کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ عبادت میں راحت وسکون محسوس کرتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ارحنا بھا یا بلال۔ یعنی اے بلال! ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ۔

(٦) صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اکثر اوقات مدد کا کلمہ بھی استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ''المدد یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم، المدد یا شیخ کامل'' اس کلمہ کی بھی صحیح شرعی تاویل ممکن ہے۔

معترضین کہتے ہیں کہ اس کلمہ کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ سے سوال اور مدد طلب کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال کرنا اور مدد طلب کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

اذا سألت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ۔

جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے کہ اسی کی ذات امداد کا مصدر و منبع ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ۔ (الاسراء ۲۰)

ترجمہ: ”ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔“

یہ معترضین تو انتہائی جاہل ہیں جن کو یہ معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ خالص موحد ہیں۔ وہ اپنے مرید کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایمان ویقین کی حلاوت سے آشنا کرتے ہیں اور اس کو شرک اور اس کی جملہ آلائشوں سے دور کر دیتے ہیں۔

المدد کے کلمہ کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام احوال میں دو چیزوں پر نظر رکھے۔

(۱): اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہو کہ وہی مسبب الاسباب اور اس کائنات میں کسی چیز کی تخلیق اور اس کی امداد کرنے میں فاعل حقیقی ہے۔ بندہ کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے خواہ اس کا مقام و مرتبہ کتنا ہی بلند ہو نبی ہو یا ولی۔

(۲): اس کی نظر ان اسباب پر بھی ہونی چاہئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر شئ کیلئے سبب بنا دیا ہے۔

مؤمن مختلف اسباب کو بروئے کار لاتا ہے لیکن ان پر کلی طور پر اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی مستقل طور پر ان کی تاثیر کا عقیدہ رکھتا ہے کیونکہ بندہ اگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ اسباب بذاتِ خود مؤثر ہیں تو اس کیلئے عقیدہ شرک کے مترادف ہے کیونکہ اس نے ایک اللہ کو چھوڑ کر کئی کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور اگر مؤمن صرف مسبب پر نظر رکھے اور اسباب سے قطع نظر کرلے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی

مخالفت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے سبب مقرر فرمایا ہے۔ مؤمن کا کمال اسی میں ہے کہ وہ بیک وقت ان دونوں چیزوں پر نظر رکھے یعنی مسبب سے بھی غافل نہ ہو اور نہ ہی سبب سے بے نیاز۔ اس مفہوم کو بیان کرنے کیلئے ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر بشر کا خالق ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ایک ظاہری سبب بنا دیا ہے اور وہ زوجین کا باہمی ملاپ اور پھر رحمِ مادر میں جنین کی افزائش، پھر ایک خاص مدت کے بعد اس کی پیدائش ہوتی ہے۔

زندگی کی طرح موت بھی اس کے قبضہ ٔ قدرت میں ہے لیکن اس نے موت کیلئے بھی ایک ظاہری سبب بنا دیا ہے اور وہ ملک الموت ہے، جب ہم مسبب کی طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

"اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ" (زمر: ۴۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو۔"

اور اگر ہم کہیں کہ ملک الموت نے فلاں کی روح قبض کی ہے تو ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا بلکہ ہم نے سبب کو مدِ نظر رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ (سجدہ: ۱۱)

ترجمہ: "فرمایئے! جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے۔"

اسی طرح حقیقی رازق تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اس نے حصولِ رزق کے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے ہیں جیسے تجارت، زراعت، صنعت کاری وغیرہ۔ اگر ہم مسبب حقیقی کو مدِ نظر رکھیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مفہوم کی سمجھ آتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ۔ (ذاریات: ۵۸)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا اور زور والا ہے۔"

اگر ہم اسباب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہیں کہ فلاں آدمی اپنا کمایا ہوا رزق کھاتا ہے تو اس کی وجہ سے ہم مشرک نہیں بن جائیں گے کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔[942]

ترجمہ: "کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا۔"

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے مسبب اور سبب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِي۔[943]

میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح منعم حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ارشاد فرمایا:

مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ۔ (نحل:۵۳)

ترجمہ: "اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔"

اور مسبب اور سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَ إِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (احزاب:۳۷)

اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا۔

---

942 مختصر صحیح بخاری تحقیقی ج ۱ ص ۳۵۔

943 مختصر صحیح بخاری تحقیقی ج ۱ ص ۷۔

معاذ اللہ! اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کی عطا میں شریک ہیں بلکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انعام کے سبب ہیں کیونکہ وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دستِ اقدس پر ہی ایمان لائے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی وجہ سے انہیں آزادی کی دولت نصیب ہوئی۔

بعینہ کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کا معاملہ ہے۔ جب ہم مسبب حقیقی کی طرف دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

اذا استعنت فاستعن باللہ۔

ترجمہ: ”جب کبھی تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کر۔“

اور جب ہم سبب کی طرف دیکھیں تو کہتے ہیں:

تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی۔ (مائدہ: ۲)

ترجمہ: ”اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقوی کے کاموں میں۔“

اسی ضمن میں حدیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے:

و اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔[944]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔“

جب کوئی مؤمن اپنے بھائی کو کہے کہ یہ سامان اٹھانے میں میری مدد کرنا تو وہ اپنے اس قول کی وجہ سے مشرک نہیں بن جائے گا اور نہ ہی اس کا شمار غیر اللہ سے مدد طلب کرنے والوں میں ہو گا کیونکہ مؤمن کی دونوں آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی نگاہ مسبب پر بھی ہوتی ہے اور سبب

---

944 عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۲۲ ص ۱۱۴۔

پر بھی اور جو اس پر شرک کی تہمت لگاتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔

اسی طرح ہدایت کیلئے بھی یہی قاعدہ کلیہ استعمال کرتے ہوئے جب ہم مسبب کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہدایت کا حقیقی سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرمایا:

إِنَّکَ لَا تَھْدِی مَنْ أَحْبَبْتَ (قصص ٥٦)

ترجمہ: "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں۔"

اور جب ہم سبب کو مدِ نظر رکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو ارشاد فرمارہا ہے:

وَإِنَّکَ لَتَھْدِیْ إِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم (شوری ٥٢)

ترجمہ: "بلاشبہ آپ راہنمائی کرتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف۔"

یعنی اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کو ہدایت دینے کے سبب ہیں۔

علمائے ربانیین اور شیخ کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ مخلوق کو ہدایت دینے اور ان کو معرفتِ الٰہی تک پہنچانے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حقیقی جانشین ہیں۔ جب کوئی مرید اپنے شیخ سے ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ ہدایت کے اسباب میں سے ایک سبب کو اختیار کرتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان لوگوں کو ہدایت کا وسیلہ بنادیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَامِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَالَمَّاصَبَرُوْاوَ کَانُوْابِاٰیٰتِنَایُوْقِنُوْنَ (سجدہ ۲۴)

ترجمہ:"اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا وہ راہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔"

مرید کا اپنے شیخ سے روحانی تعلق ہوتا ہے جس کے درمیان مادی رکاوٹیں اور مسافت حائل نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل وہ ہے جس کی دوری بھی سالک کو فائدہ دے جس طرح اس کا قرب اس کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ شیخ مرید کی ہدایت کا سبب ہے تو اگر مرید اپنے شیخ سے مدد طلب کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مشرک نہیں ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ یہاں سبب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر ہدایت دینے والا اور امداد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شیخ تو صرف ایک سبب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کیلئے مقرر کر دیا ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم وہ بحر ذخار ہیں جس سے یہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فیض حاصل کرتے ہیں۔

جب ہم نے شیخ اور مرید کے درمیان روحانی تعلق کو تسلیم کر لیا تو اس تعلق پر مرتب ہونے والی مدد کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیاوی امور میں بعض کو بعض کیلئے سبب بنا دیا ہے۔

ایک سلیم الفطرت شیخ کیلئے اتنی مثالیں کافی ہیں اور جب بھی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی ایسی چیز دیکھے گا جو ظاہراً شرع کے خلاف ہو وہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس میں تاویل کرے گا کیونکہ اب اس پر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ تاویل اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے کلام، فقہاء و محدثین اور اصولیین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں

جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہر صاحبِ عقل و شعور کیلئے کسی بھی ولی کے متعلق سوء ظن رکھنا حرام ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ جب تک ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا، ان کے اقوال وافعال میں تاویل کرے اور اس تاویل سے وہی شخص پس وپیش کرتا ہے جو توفیقِ الٰہی سے محروم ہو۔

وحدۃ الوجود، حلول اور اتحاد

بعض مخالفین جہالت کی بنا پر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ شجر و حجر، بحر وبر، انسان وحیوان حتیٰ کہ کائنات کے تمام اجزاء میں حلول کر گیا ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوق عین خالق ہے یعنی اس کائنات میں موجود ہر چیز بعینہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

بلا شک وشبہ یہ عقیدہ صریح کفر اور امت کے عقائد کے مخالف ہے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو کہ اسلام، ایمان اور احسان کے جامع ہوتے ہیں ان کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس درجہ گمراہی اور کفر میں مبتلا ہوں۔ ایک منصف مزاج مؤمن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بغیر کسی تحقیق کے ان پر کفر کی تہمت لگادے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ان کی امہات الکتب (فتوحات مکیہ، احیاء العلوم، رسالہ قشیریہ وغیرہ) میں ذکر کردہ ان کے عقائد کا مطالعہ کرے۔

شاید کہ مخالف یہ کہے کہ تمہارے اس قول کی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حلول واتحاد کے عقیدہ سے بری نہیں ہوسکتے بلکہ یہ تو حقیقت سے فرار اختیار کرنا ہے یا حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ والہانہ عقیدت کی بناء پر ان کا دفاع کرنا ہے کیونکہ ان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دینے کیلئے دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اب ہم صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اپنے اقوال پیش کرتے ہیں جو ان کو اس تہمت سے بری الذمہ قرار دینے کیلئے کافی ہیں بلکہ وہ تو خود لوگوں کو اس باطل عقیدہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ان کی طرف منسوب اقوال یا تو حاسدین و مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں یا اہلِ سنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق ان کی تاویل ممکن ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بتوں کے پجاریوں کی اتنی جرأت نہیں کہ وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو عین ذات باری تعالیٰ قرار دیں بلکہ انہوں نے تو کہا:

"مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللهِ زُلْفٰى" (الزمر ۳)

ترجمہ: "ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔"

تو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اتحاد و حلول کا عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ یہ تو ان کے حق میں محال ہے کیونکہ ہر ولی کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ حقیقت باری تعالیٰ باقی تمام حقائق کے برعکس اور مخلوق کی تمام معلومات سے خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

حلول واتحاد اجناس میں ممکن ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ جنس سے پاک ہے اور پھر قدیم، حادث میں اور خالق مخلوق میں کیسے حلول کر سکتا ہے اور اگر اس سے مراد عرض کا جوہر میں حلول کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عرض سے پاک ہے اور اگر جوہر کا جوہر میں حلول کرنا مراد ہو تب بھی ذاتِ باری تعالیٰ کو جوہر نہیں کہہ سکتے بلکہ مخلوقات کا ایک دوسرے میں حلول واتحاد محال ہے کیونکہ دو شخصوں کا

ایک بن جانا ممکن نہیں چونکہ ان دونوں کی ذات میں تباین موجود ہے۔ جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق اور مخلوق، صانع اور صنعت، واجب الوجود اور حادث الوجود میں تباین بھی انتہائی ضروری ہے۔

علمائے کرام اور محقق صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی حلول واتحاد کے عقیدہ بے بطلان کی صراحت کرتے رہے ہیں اور اس کے فاسد اور گمراہ کن ہونے پر تنبیہہ کرتے رہے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! ذاتِ باری تعالیٰ اس چیز سے ارفع واعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں یا وہ حوادث میں حلول کرے۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کی ذات اس سے بالا تر ہے کہ اس میں کوئی شئے حلول کرے یا وہ کسی شئے میں حلول کرے یا وہ کسی چیز کے ساتھ متحد ہو جائے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ **باب الاسرار** میں فرماتے ہیں! عارف کیلئے، **اَنَا اللّٰہ** (میں اللہ ہوں) کہنا جائز نہیں خواہ وہ قرب کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہو بلکہ عارف باللہ سے تو ایسے قول کو صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حقیر سا بندہ ہوں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۶۹: میں فرماتے ہیں کہ قدیم (ذاتِ باری تعالیٰ) کبھی حوادث یعنی مخلوقات کا محل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ مخلوقات میں حلول کرتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ باب الاسرار میں فرماتے ہیں کہ جس نے حلول کا عقیدہ رکھا وہ مریض ہے اور وہ لا علاج مرض میں مبتلا ہے۔ اتحاد کا عقیدہ رکھنے والے ملحد ہیں اور حلول کا عقیدہ رکھنے والے جاہل ہیں۔

فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۵۷ میں اس موضوع پر طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں کہ کائنات بعینہ ذاتِ باری تعالیٰ نہیں ہے اور نہ ہی حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں حلول کیا ہے کیونکہ اگر بات ایسی

ہوتی تو ذاتِ باری تعالیٰ کو نہ ہم قدیم کہہ سکتے ہیں اور نہ بدیہہ۔ اور باب نمبر ۳۱۴: میں فرماتے ہیں کہ اگر انسان کا انسانیت سے اور فرشتے کا ملکیت سے ترقی کرنا اور اپنے خالق کے ساتھ اتحاد صحیح ہوتا تو تمام حقائق تبدیل ہو جاتے اور معبود، معبود نہ رہتا، خالق مخلوق بن جاتا اور مخلوق خالق بن جاتی اور کوئی بھی کسی علم پر اعتماد نہ کرتا۔ اس لئے حقائق کا تبدیل ہو جانا ممکن نہیں ہے۔

اس طرح آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار بھی حلول واتحاد کی نفی کرتے ہیں:

(۱) ان لوگوں کی بات چھوڑ دو جن کے عالِم نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو گیا۔

(۲) اتحاد محال ہے اس کا عقیدہ وہی رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خبر ہے۔

(۳) اور اس کی حقیقت و شریعت سے جاہل ہے۔ اے مخاطب! تو اپنے معبود کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۹۲ میں فرماتے ہیں کہ حلول واتحاد کی نفی کی سب سے بڑی عقلی دلیل یہ ہے کہ چاند پر سورج کا عکس پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ روشن ہو جاتا ہے۔ چاند بذاتِ خود اس میں منتقل نہیں ہوتا بلکہ چاند تو اس کی روشنی کا محل ہے۔ اسی طرح بندہ میں ذاتِ باری تعالیٰ حلول نہیں کرتی، بلکہ وہ اس کے انوار و تجلیات کا مظہر ہے۔

صاحب کتاب **نهج الارشاد** فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کمال الدین مراغی نے بتایا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ ہیں کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلول واتحاد کے قائلین کے بارے میں بات کی تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید مخالفت کی اور فرمایا! کیا مخلوق بعینہ خالق ہو سکتی ہے؟

اس کے علاوہ اگر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں بعض ایسے اشارات ملتے ہیں جو ظاہراً حلول واتحاد پر دلالت کرتے ہیں یہ یا تو مخالفین کے اضافہ شدہ ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ اس عقیدہ باطلہ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں یا ان اشارات سے ان کا مقصد حلول واتحاد نہیں تھا مگر بعض خود غرض مخالفین نے ان کے متشٰبہ کلام کو اس غلط مفہوم پر محمول کیاہے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے محققین رحمہم اللہ تعالیٰ کو ہی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام تک رسائی حاصل ہے اور ان کے نزدیک یہ کلام عقیدۂ اہلسنت وجماعت کے مطابق ہے کیونکہ وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کامل ایمان اور تقویٰ کی کیفیت سے آگاہ تھے اس لئے اگر انہیں ظاہر طور پر کوئی چیز مخالف شرع نظر آئے تو اس کی تاویل کرتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "الحاوی للفتاوی" میں فرماتے ہیں! بعض محقق صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں لفظ اتحاد آیاہے لیکن یہ حقیقت توحید کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب توحید میں مبالغہ مقصود ہو تو وہ لفظ اتحاد بولتے ہیں۔ توحید، واحد اور احد کی معرفت کا نام ہے۔ بعض جاہل اس حقیقت تک رسائی نہ کر سکے اور اس کا غلط مفہوم سمجھ کر تباہ وبرباد ہوگئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ عقیدۂ اتحاد باطل اور محال شرعاً اور عقلاً مردود۔ انبیاء علیہم السلام، مشائخ کرام اور علمائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجماع سے مردود ہے۔ محقق صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نہیں بلکہ بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا قول کیاہے۔ اس طرح وہ نصرانیوں کے مشابہ ہوگئے ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کا ناسوت، لاہوت کے ساتھ متحد ہوگیاہے۔ ان کے علاوہ اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ باطلہ سے

محفوظ رکھا ہے۔ اگر ان کے کلام میں لفظ اتحاد واقع ہوا ہے تو اس سے مراد اپنی ذات کو مٹا کر اثبات توحید ہوتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی لفظ اتحاد فنائے مخالفات اور بقائے موافقات یعنی دنیاوی خواہشات کے فنا ہونے اور اخروی خواہشات کے باقی ہونے اوصاف مذمومہ کے فنا ہونے اور اوصاف حمیدہ کے باقی رہنے شک وشبہات کے فنا ہونے اور ایمان ویقین کے باقی رہنے غفلت وسستی کے فنا ہونے اور ذکر وفکر کے باقی رہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول "**سبحانی ما اعظم شانی**" (میں ہر عیب سے پاک ہوں اور میری شان بہت بلند ہے) کی تاویل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو اپنی زبان سے بیان کیا ہے نہ کہ ان کا اپنا قول ہے۔ اسی طرح جس نے "**انا الحق**" کہا اس کا قول بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ان عارفین کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حلول واتحاد کے قائل تھے کیونکہ ایک عام عقلمند آدمی کے بارے میں بھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا وہ تو مکاشفہ مشاہدہ کی منازل پر متمکن تھے اور اس کے ساتھ ساتھ صاحبِ علم وعمل مجاہدہ اور حدودِ شریعت پر سختی سے کاربند تھے۔ ایسے لوگوں کی طرف حلول واتحاد کے عقیدہ کی نسبت کرنا خطا ہے جس طرح نصرانیوں نے اپنے غلط گمان کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت کر دی تھی۔ دینِ اسلام میں بعض جاہل صوفیاء کی وجہ سے یہ عقیدہ پیدا ہوا ہے۔ محقق صوفیاء وعارفین رحمہم اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ اتحاد دو معنوں کے درمیان مشترک ہے۔ ایک وہ مذموم معنی جو لفظ حلول کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور یہ صریح کفر ہے اور

دوسرا مقام فنا پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خاص اصطلاح ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی لفظ کو صحیح معنی میں استعمال کرنے سے کسی شخص کو روکا نہیں جا سکتا اور نہ ہی یہ شرعًا ممنوع ہے کیونکہ اگر یہ شرعًا ممنوع ہوتا تو کوئی بھی اس کو استعمال نہ کرتا حالانکہ اکثر کہتے ہیں کہ میرے اور میرے ساتھی کے درمیان اتحاد ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح محدثین کا قول یہ ہے! مخرج حدیث میں اتحاد ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں! مویشیوں کی نوع میں اتحاد ہے اور نحوی کہتے ہیں! عامل لفظًا یا معنیً متحد ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ محقق صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اگر لفظ اتحاد استعمال ہوا ہے تو اس سے ان کی مراد فنا ہوتی ہے یعنی اپنے نفس کو مٹا کر تمام امور کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا۔ اس سے وہ مذموم معنی مراد نہیں ہوتا جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی بن وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک قصیدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

یظنوا بی حلولا و اتحادا   و قلبی من سوی التوحید خالی

وہ میرے متعلق حلول و اتحاد کا گمان کرتے ہیں حالانکہ میرا دل توحید کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہے۔

اس شعر میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلول و اتحاد سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔

شیخ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی بن وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں جہاں بھی لفظ اتحاد آیا ہے اس کی مراد بندہ کا حق تعالیٰ کے ارادہ میں فنا ہونا ہے۔ جس طرح کہ "فلاں اور فلاں بندے کے

درمیان اتحاد ہے" اس وقت کہا جاتا ہے جب ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ارادہ کے مطابق عمل کرے۔

ابن قیم اپنی کتاب "مدارج السالکین" میں لکھتے ہیں کہ فنا کے درجات میں تیسرا درجہ خواص اولیائے کرام اور ائمہ مقربین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس سے مراد ماسوی اللہ کے ارادہ سے فنا اور اس راستہ پر چلنا ہے جو اس کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے اور اپنی مراد کو محبوب کی مراد میں فنا کرنا ہے حتیٰ کہ غیر کا تصور ہی باقی نہ رہے۔ اس طرح اس کی مراد اور محبوب کی مراد متحد ہو جاتی ہے اور یہ دونوں مرادیں ایک بن جاتی ہیں۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عقلاً اس اتحاد کے علاوہ کوئی اتحاد صحیح نہیں اور اسی طرح علم و خبر کا اتحاد بھی ممکن ہے۔ اس طرح دو مرادیں اور دو معلوم چیزیں اور دو مذکور امر ایک ہو جاتے ہیں حالانکہ ان دونوں ارادوں اور علم و خبر میں تباین ہوتا ہے۔ محبت کی غایت یہی ہے کہ محب کی مراد محبوب کی مراد کے ساتھ متحد ہو جائے اور محب کا ارادہ محبوب کی مراد میں فنا ہو جائے۔ یہ اتحاد اور فنا محبین کا خاصہ ہے۔ یہ لوگ اپنے محبوب کی عبادت میں فنا ہو کر غیر کی عبادت سے دور ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت خوف رجاء توکل اور اس سے استعانت طلب کرنے میں فنا ہو کر غیر کی محبت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور جس کو فنا کا یہ مقام حاصل ہو جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرتا ہے اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہے تو صرف اللہ کیلئے۔ اس کی دوستی اور دشمنی اللہ کیلئے ہوتی ہے۔ وہ اللہ کیلئے عطا کرتا ہے اور اسی کے حکم سے اپنی عطا کو روکتا ہے۔ اسی کی بارگاہ سے اپنی امیدیں وابستہ کرتا ہے اور صرف اسی سے مدد طلب کرتا ہے۔ اس کا کامل دین ظاہری وباطنی طور پر اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں اور وہ اللہ ورسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے

مخالفت کرنے والوں سے دوستی نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ اس کا قریب ترین ہو اور حقیقت میں یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی خواہشات نفس کو اپنے رب کی رضا میں فنا کر دے اور اس کی بنیاد اس بات کی شہادت پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ شہادت علم و معرفت عمل حال اور قصد کے اعتبار سے ہونی چاہئے اور اس شہادت میں جو نفی واثبات پایا جاتا ہے اس کی حقیقت فنا اور بقا ہے یعنی غیر اللہ کو معبود بنانے کی نفی کرے اور اس وحدہ لا شریک کی معبودیت پر باقی رہے یہی فنا وبقا اس توحید کی حقیقت ہے۔ جس پر تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام متفق ہیں۔ اسی کیلئے آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور اسی کیلئے مخلوق کی تخلیق ہوئی۔ تمام شریعتیں بھی اسی پر قائم ہوئیں۔ بازار جنت بھی اسی پر قائم ہے اور اسی پر خلق اور امر کی بنیاد ہے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن معصوم وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ رکھ لے۔ استعانت توفیق اور عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اگر تو سالک فنا کے بلند مقام کیلئے کوشاں ہے تو اس کے دل میں کوئی ایسی مراد باقی نہیں رہے گی جو دینی شرعی نبوی اور قرآنی مراد کے مخالف ہو بلکہ یہ دونوں مرادیں متحد ہو جائیں گی اور وہ عین مراد الٰہی بن جائے گا اور رب تعالیٰ بندے کی مراد بن جائے گا اور یہی خالص محبت کی حقیقت ہے اور اسی میں اتحاد صحیح ہو سکتا ہے یعنی مراد میں متحد ہو جانا نہ کہ مرید اور ارادہ میں۔

اس کے باوجود کہ ابن تیمیہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا مخالف اور ان کے ساتھ سخت عداوت رکھتا ہے۔ وہ بھی ان کو اتحاد کی تہمت سے بری قرار دیتا ہے اور ان کے کلام کی تاویل کرتا ہے اور اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے کہ اہلِ معرفت میں سے کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ

اس میں یا اس کے علاوہ کسی مخلوق میں حلول کر گیا ہے یا اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اگر بعض اکابر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس قسم کے قول منقول ہیں تو یہ سب جھوٹ ہیں جو اتحاد کے قائل بعض انتہاء پسندوں نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر کے ان کو نصرانیوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمام مشائخ کرام، سلف صالحین اور ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس بات پر متفق ہیں کہ خالق اور مخلوق جدا جدا ہیں نہ تو مخلوق میں اس کی ذات شامل ہے اور نہ ہی اس کی ذات میں مخلوق کا حصہ شامل ہے۔ قدیم اور حادث اور خالق و مخلوق میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ عقیدہ ان کی کتب میں کثیر مقامات پر موجود ہے جس کو یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔

وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کلام کی تاویل کرتے ہوئے اپنے مجموعہ رسائل میں فرماتے ہیں کہ کسی شاعر کے قول "میں اور میرا محبوب دونوں ایک ذات ہو گئے" کی تاویل یہ ہے کہ شاعر نے یہاں معنوی اتحاد مراد لیا ہے۔ جس طرح کہ دو محبت کرنے والے ایک جان ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک جس چیز سے محبت کرتا ہے دوسرا بھی اسی سے محبت کرتا ہے۔ جب ایک کسی سے بغض رکھتا ہے تو دوسرا بھی اس سے بغض رکھتا ہے۔ ان کا قول و فعل ایک ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک ذات کا دوسری ذات سے متحد ہونا مراد نہیں بلکہ ان کے افعال واقوال کا مشابہ ہونا مراد ہے کیونکہ جب محب محبوب کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

جس طرح کہ کسی شاعر کا قول ہے:

غبت بک عنی　　　　فظننت انک انی

میں تیری وجہ سے اپنی ذات سے بے خبر ہو گیا حتیٰ کہ میں یہ خیال کرنے لگا کہ تو میں ہوں۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس اتحاد کو موافقت کا نام دیا جاتا ہے اور یہ اتحاد جائز ہے۔

اس تمام بحث سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے کلام میں لفظ اتحاد کا یہی صحیح معنی مراد ہوتا ہے جو عقیدۂ اہلسنت وجماعت کے موافق ہے اور اس کو کسی دوسرے معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ انصاف پسند مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھے اور ان کی کلام کی ایسی تاویل کرے جو شرعی قواعد کے موافق ہو۔

مسئلہ ٔوحدۃ الوجود: مسئلہ ٔوحدۃ الوجود کے بارے میں علمائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی مختلف آراء ہیں ان میں سے بعض نے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وحدۃ الوجود کے قائلین پر کفر وگمراہی کا فتویٰ لگا دیا ہے اور ان کے کلام کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھ سکتے اور ان میں سے بعض نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ان پر کفر وگمراہی کا فتوی نہیں لگایا بلکہ اس مسئلہ کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے صوفیائے کرام ومشائخِ عظام رحمھم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کیا ہے کیونکہ ان عارفین رحمھم اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس مسئلہ پر طویل بحث فرمائی ہے لیکن اس سے علمائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا اشکال زائل نہیں ہوتا کیونکہ مشائخ کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے یہ گفتگو اپنے مریدین کیلئے فرمائی ہے نہ کہ ان لوگوں کیلئے جو اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے یہ مسئلہ وضاحت طلب ہے تاکہ اہلِ نظر کے دل مطمئن ہو جائیں۔

سید مصطفی شریف رحمہ اللہ تعالیٰ ان علماء رحمھم اللہ تعالیٰ میں سے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وجود ایک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے ذاتِ باری تعالیٰ واجب الوجود ہے اس میں تعدد صحیح نہیں۔ اس کے برعکس موجود ہر ممکن چیز کو کہتے ہیں اور اس میں حقائق کے اعتبار سے تعدد صحیح ہے لیکن ہر

موجود کا قیام ذات واجب الوجود کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موجود اور وجود دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وجود کی دو قسمیں ہیں۔ (ا): وجود قدیم۔ (۲): وجود حادث۔

مگر جب وجود ثانی سے موجود مراد لیا جائے یعنی مصدر بول کر مفعول کا معنی مراد ہو۔ اس وقت ہم اس کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اگر وجود ثانی سے یہ معنی مراد لیا جائے تو وہ تمام اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں جو اہلِ نظر وحدۃ الوجود کے قائلین پر کرتے ہیں۔

آپ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظاہری حس صرف موجود کا مشاہدہ کرتی ہے اور روح، وجود کا اور جب روح موجود کا مشاہدہ کرتی ہے تو یہ مشاہدہ ثانوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے: میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہاں رؤیت سے مراد مشاہدہ ہے، آنکھ سے دیکھنا نہیں کیونکہ رؤیت بصر کے خصائص میں سے ہے اور مشاہدہ بصیرت کے خصائص سے۔ اسی وجہ سے کلمۂ شہادت میں "اشھد" کا لفظ ہے نہ کہ اری (میں دیکھتا ہوں) بلکہ یہ لفظ استعمال کرنا جائز نہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انصاف پسند اور غیور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی شان ہے کہ وہ ہر معاملہ میں احتیاط برتتے ہیں اور کسی مؤمن کی تکفیر میں جلدی نہیں کرتے بلکہ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کیلئے وہ ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں کیونکہ مسئلہ وحدۃ الوجود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس کی مزید وضاحت کر دیں تاکہ اس طرح دین کی خدمت بھی ہو جائے اور متلاشیانِ حق کی راہنمائی بھی ہو سکے۔

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وجود کی دو قسمیں ہیں:

(ا): قدیم اور ازلی وجود: یہ واجب اور ضروری ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ۔ (الحج: ٦)

ترجمہ: یہ (رنگارنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔

اس آیت کریمہ میں حق سے مراد "ثابت الوجود" ہے۔

(۲): ممکن عرضی اور جائز الوجود: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود چیز ہے۔ وحدۃ الوجود یعنی ایک ہی ہے اور وہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ان میں سے ایک حق ہے اور دوسرا کفر۔ اس لئے وحدۃ الوجود کے قائلین کے دو گروہ ہیں۔

(ا): پہلا گروہ: یہ وحدۃ الوجود سے یہ مراد لیتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اور مخلوق متحد ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی وجود نہیں۔ ہر چیز وہی ہے اور وہی تمام اشیاء کا عین ہیں اور ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہی اس کا عین ہے یہ قول صریح کفر اور زندیقی ہے اور یہود ونصاریٰ اور بتوں کے پجاریوں کے باطل عقائد سے بھی زیادہ گمراہ کن عقیدہ ہے۔

صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدہ کے قائلین کی سخت مذمت کی ہے اور ان کی تکفیر کی ہے اور لوگوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ عارف باللہ ابو بکر محمد بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! اے سالک! اس شخص کی ہمنشینی سے محتاط رہ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں کیونکہ یہ صراحۃً زندیقیت ہے کیونکہ عارف جو شریعت کا پابند اور حقیقت میں راسخ

قدم ہو اس قسم کے عارف باللہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے اس قسم کی گفتگو صادر ہو۔

(۲): دوسرا گروہ: انہوں نے پہلے گروہ کے عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عقیدہ "خالق عین مخلوق ہے" رکھنا صریح کفر ہے اور انہوں نے وحدۃ الوجود سے یہ مراد لیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات جو کہ قدیم اور ازلی ہے اس کا وجود ایک ہے۔ بلا شک وشبہ وہ تعدد سے پاک ہے۔ انہوں نے وجود سے وجود عرضی اور حادث وجود مراد نہیں لیا کیونکہ اس کا وجود مجازی ہے اور اپنی اصل کے اعتبار سے عدمی ہے۔ کسی کو نفع ونقصان دینے کی قوت نہیں رکھتا۔ کائنات فی نفسہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُ شَيءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ (قصص:۸۸)

ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے۔

اس کی ایجادات اس کا مظہر ہیں۔ کائنات اسی کے حکم سے قائم اور ثابت ہے اور اسی کے اشارہ سے فنا ہو سکتی ہے۔ اس کی صفتِ قیومیت سے ہی نظام کائنات چل رہا ہے۔ پھر ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱): وہ لوگ جنہوں نے یہ مفہوم پہلے اعتقاد اور دلیل اور پھر ذوق وشہود سے اخذ کیا۔ پھر شہود ان پر غالب آ گیا تو بحرِ توحید میں گم ہو کر اپنی ذات سے بے خبر ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت پر ثابت قدم رہے اور یہی قول حق ہے۔

(۲): وہ لوگ جنھوں نے لفظی علم گمان کیا اور اس کی عبارات میں مستغرق ہو کر اس کے ظاہری اشارات کو مضبوطی سے تھام لیا اور شہودِ حق سے غافل ہو گئے۔ بعض اوقات ان الفاظ کی حلاوت میں ایسے کھو گئے کہ اس کے مقابلہ میں شرعی احکام کو حقیر سمجھنے لگے اور ایسی گفتگو کرنے لگے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت پر عمل پیرا لوگ اہلِ غفلت ہیں اور حقیقت پر عمل پیرا اہلِ عرفان لیکن ان کی یہ کلام صریح جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے کیونکہ شریعت اور مقامِ احسان ایک ہی چیز ہے بہر حال اس دور میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس قسم کے الفاظ اور تعبیرات سے اجتناب کریں جن میں محض الہام، غیوض اور اشتباہ کا خدشہ ہو تاکہ لوگ ان سے بد ظن نہ ہوں یا ایسا نہ ہو کہ ان کے کلام کی ایسی تعبیر کریں جو غیر مقصود ہو کیونکہ بہت سے بے دین اور جعلی پیر اس قسم کے الفاظ وعبارات استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے دل میں چھپے ہوئے باطل عقائد کو ظاہر کر سکیں اور اس طرح محرمات کو حلال کر کے ان منکرات اور فواحش کو جائز قرار دے سکیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اس دور میں حق وباطل کے درمیان تمیز ختم ہو چکی ہے۔ جرم کا ارتکاب کوئی کرتا ہے اور اس کی سزا کسی کو ملتی ہے۔

اسی لئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے ظاہر وباطن پر احکامِ شریعت کو لازم کیا ہوا تھا اور وہ اپنے مریدین کو بھی شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان کے نزدیک شریعت، طریقت میں داخل ہونے کا دروازہ اور معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کی سیڑھی ہے اور جس سالک نے شریعت سے ذرا بھی انحراف کیا وہ ہلاک ہو جائے گا اور صوفیائے کرام کے شریعت پر سختی سے کاربند ہونے کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ فرمایئے حقیقت وشریعت کی بحث)۔

علمائے کرام اور مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے قارئین کرام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف حلول واتحاد اور وحدۃ الوجود کی طرف جو نسبت کی جاتی ہے وہ ان سے بری الذمہ ہیں اور ان کے کلام کی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو شرعًا جائز اور اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہو۔ مشائخ عظام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مراتب ومنازل کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر حاصل کئے ہیں اور یہی وہ سلف صالحین ہیں جنھوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت کو مضبوطی سے تھاما اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی کامل اتباع سے رضائے الٰہی کے مستحق ہوئے اور سعادت دارین سے بہرہ مند ہوئے اور انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللہ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللہ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا۝ (النساء: ٦٩)

ترجمہ: "اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔"

حقیقی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور جعلی پیر

کچھ خود غرض لوگوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بدنام کر دیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ان میں شمار تو کرتے ہیں لیکن ان کے اقوال، افعال اور سیرت کے لحاظ سے ان کا صوفیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ اظہارِ حق کیلئے ہم حقیقی اور جعلی صوفیاء کے درمیان فرق کریں خصوصًاوہ مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ جو ایمان تقویٰ اور ورع کی اعلیٰ منازل پر فائز تھے اور اسلام کی نشرواشاعت میں اہم کردار کرتے رہے۔ اس لئے ہمیں یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ تصوف اور صوفیاء کے درمیان واضح فرق ہیں۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے افعالِ قبیحہ کی وجہ سے دینِ اسلام کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک جعلی پیر اپنی بدکرداری کی وجہ سے تصوف کا نمائندہ نہیں بن سکتا۔

شریعت میں یہ جائز نہیں کہ ایک پڑوسی کے ظلم کی وجہ سے دوسرے پڑوسی سے مواخذہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ مسلمانوں کی بدکرداریوں کا الزام پاکیزہ دینِ اسلام پر لگا دیا جائے اوراسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ بعض جعلی پیروں کی حرکات کو نیک طینت اور پاکیزہ سیرت صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ اگر بعض علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بعض افعالِ قبیحہ پر اعتراض کیاہے تو اس سے ان کا مقصود تصوف کو بدنام کرنے والے جعلی پیر ہیں۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "قواعد تصوف" میں فرماتے ہیں کہ جعلی پیر، اہلِ ھویٰ اصولیین کی طرح ہیں۔ ان کے اقوال کو رد اور ان کے افعال سے اجتناب کریں لیکن اہلِ تصوف میں ان کے داخل ہونے کی وجہ سے اہلِ حق کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اچھے برے لوگ ہر شعبہ میں موجود ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا جس طرح تمام علماء، فقہاء، مدرسین، قاضی، تاجر اور امراء برابر نہیں ہیں اسی طرح تمام صوفیاء بھی برابر نہیں ہیں ان میں بعض لوگ نیک اور

پرہیز گار اور بعض اس سے بھی اعلیٰ درجات پر فائز ہیں اور اسی طرح ان میں بعض جعلی پیر بھی ہیں۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ اسے ہر عام وخاص جانتا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ وہ پہلے حق کو پہچانے تا کہ اہلِ حق کو پہچان سکے اور یہ مشہور کلیہ ہے کہ آدمی حق سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ حق آدمی کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن جعلی پیروں پر اعتراض کرتے ہیں، ہم بھی ان کے خلاف ہیں مگر وہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر شرعی احکام پر سختی سے کاربند رہتے ہیں۔ ہم ان کی بات کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں آئندہ فصل میں علمائے سلف وخلف کی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں آراء ذکر کریں گے۔

تصوف کے مخالفین

وہ لوگ جو اسلامی تصوف پر تنقید کرتے ہیں اور اس پر طعن وتشنیع کے تیر برسا کر مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

(ا): وہ لوگ جو اپنی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف بُغض وعناد کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

اس قسم میں اسلام دشمن مستشرقین اور ان کے وہ ایجنٹ شامل ہیں جن کو انہوں نے اسلام پر تنقید کرنے اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے اور حقائقِ اسلام مسخ کرنے اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا زہر پھیلانے کیلئے تیار کیا ہے۔

شیخ احمد اسد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”الاسلام علی مفترق الطرق“ میں ان کے حقیقی چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔

یہ لوگ نظرِ غائر سے اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ وہ اسلام کی قوت کے راز تک رسائی حاصل کر سکیں اور یہ معلوم کر سکیں کہ کس دروازے کے ذریعہ اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور کس راستہ پر چل کر اپنے خبیث مقاصد تک پہنچ سکتے ہیں۔ان مستشرقین میں سے سب سے زیادہ مشہور نکلسن گولڈزہیر اور مینسن وغیرہ ہیں۔

بعض اوقات یہ لوگ زہر کو شہد میں ملا کر دیتے ہیں یعنی پہلے اپنی بعض کتب میں اسلام کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں جب قاری ان پر اعتماد کرنے لگتاہے اور ان پر مطمئن ہو جاتاہے تو وہ اس کے عقائد میں تشکیک پیدا کر دیتے ہیں اور اس کے دل کو بے بنیاد اعتراضات سے بھر دیتے ہیں جو انہوں نے اپنے پاس سے ہی گھڑے ہوتے ہیں۔

کبھی یہ لوگ علمی مفکرین اور محققین کالبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور بعض اوقات دین پر غیر تمندی کا اظہار کر کے اس کے قیمتی اثاثہ پر رونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور اس طرح تصوف پر طعن و تشنیع کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اسلام کی روح اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بد ظن کرنے کیلیئے کبھی تو یہ دعوی کرتے ہیں کہ تصوف یہودیت سے ماخوذ ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ نصرانیت اور بدھ مت کی ایک شکل ہے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف باطل عقائد اور گمراہ کن افکار کی نسبت کرتے ہیں یعنی حلول واتحاد، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الادیان وغیرہ۔

ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں کیونکہ وہ ہمارے دشمن ہیں اور یہ مکار دشمن کی چالیں ہیں کیونکہ ہم ان کے خبیث مقاصد سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے ہمیں ان کے اقوال کی تردید کیلیئے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں مگر ہمیں ان لوگوں پر افسوس ہے کہ اسلام کے مدعی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کے شدید دشمنوں کی آراء کو اپنا کر اسلام کی روح اور جوہر یعنی تصوف کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

کیا ایک عقلمند مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مشرک کافر اور دشمنِ اسلام کے اقوال کو اپنے مسلمان بھائیوں پر طعن کرنے کیلئے حجت سمجھے۔

اگر یہ مستشرقین دینِ اسلام کے متعلق اپنے دفاع میں سچے اور اس سے محبت اور اس پر غیرت کا مظاہرہ کرنے میں مخلص ہیں تو پھر کیوں نہیں دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے؟ اور دینِ اسلام کو کیوں اپنی زندگی کا نصب العین نہیں بنا لیتے؟

(۲): وہ لوگ جو تصوف کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اس گناہ میں گرفتار ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اسلامی تصوف کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ انہوں نے اس علم کو مخلص علمائے کرام اور کامل صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ سے حاصل نہیں کیا بلکہ ان کا علم تصوف کے بارے میں سطحی مطالعہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی بھی مختلف قسمیں ہیں:

(ا): یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تصوف بعض جعلی پیروں اور مدعیانِ تصوف سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ حقیقی تصوف اور ان مسخ شدہ حقائق کے درمیان فرق نہیں کرتے جو ان جعلی پیروں سے صادر ہوتے ہیں جن کا اس کام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(ب): یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی کتب میں موجود امور سے دھوکہ کھا گئے جو کہ مخالفین کی اضافہ شدہ تھیں انہوں نے تحقیق اور حقیقی نظر و فکر کے بغیر ہی ان کو تصوف کے حقیقی اصول تسلیم کر لیا یا انہوں نے بذاتِ خود کتب صوفیاء رحمھم اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کیا اور اپنے محدود سطحی علم اور خاص قلبی رجحان کی وجہ سے ان کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے متشٰبہ کلام کی تاویل کیلئے اس واضح کلام کی طرف رجوع کرتے جو شریعت کے ذرا بھر بھی مخالف نہیں بلکہ یہ کلام اس شفاف نور کی طرح ہے جو

ظلمتوں اور تاریکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دل میں کجی اور مرض ہوتا ہے وہ قرآن کریم کے متشٰبہ کلام کو لے کر اپنی خواہشات نفس کے مطابق اس کی تاویل کرتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر محکم آیات کی طرف نہیں دیکھتا جو ان متشٰبہ آیات کی وضاحت کرتی ہیں۔

انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحکَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَ اُخَرُ مُتَشَابِهٰتٌ فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ (آل عمران:۷)

ترجمہ: وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشٰبہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دل میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں ان آیتوں کی جو متشٰبہ ہیں قرآن سے۔ ان کا مقصد فتنہ انگیزی اور (غلط) معنیٰ کی تلاش ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اور مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے واضح صریح عقائد کو اپنی کتب میں درج کر دیا ہے تاکہ کسی جاہل احمق یا خود غرض پر یہ عقائد متشٰبہ نہ ہو جائیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کی ابتداء میں اپنے عقیدہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اسی طرح صاحب رسالہ قشیریہ اور دیگر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتب میں ان عقائد کو ذکر کیا ہے۔

(ج): یہ وہ فریب خوردہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے علوم و ثقافت کو مستشرقین سے اخذ کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزعومہ اعتراضات کے بارے میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کا جواب ممکن ہی نہیں ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہیں۔ اگر ان میں کچھ عقل و فہم ہوتی تو وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتے کہ یہ مستشرقین جن سے علم حاصل کر رہے ہیں یہ اسلام

دشمن ہیں اور انہوں نے اسلامی حقائق کو مسخ کرنے اور اس کے جوہر وروح یعنی تصوف میں تنقید کرنے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا ہے۔

بہر حال امتِ اسلامیہ میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا ان کی مخالفت کرنے والے ان کی مدد سے دست بردار ہونے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امرِ الٰہی (روزِ قیامت) آجائے۔ اگر جن وانس متحد ہو کر ان کے خلاف محاذ آراء ہو جائیں تب بھی گم کردہ راہوں کو ہدایت دیتے رہیں گے اور اس راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کرتے رہیں گے۔ گمراہی وجہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو نورِ الٰہی سے منور و تاباں کرتے رہیں گے۔ یہ لوگ خود بھی نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی سنت پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں اور مرورِ زمانہ کے باوجود آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نور سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

تصوف کے بارے میں علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء

اس کتاب کے آخر میں تصوف کے بارے میں بعض اکابرین امت اور مفکرین کی آراء ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ جان لینے کے بعد کہ تصوف روحِ اسلام اور اس کے تین بنیادی ارکان یعنی اسلام، ایمان اور احسان میں سے ایک رکن ہے۔ ان آراء کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن بعض لوگ جو نورِ بصیرت سے محروم اور حقائقِ اسلام سے نا آشنا ہیں اور جعلی پیروں کی حرکات کی وجہ سے تصوف پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کیلئے اور ہر اس شخص کیلئے جو حقیقت تصوف سے نا آشنا ہے۔ ہم ان آراء کو ذکر کر رہے ہیں تاکہ تہذیبِ نفوس اور قلوب کو حقیقی زندگی عطا کرنے کے سلسلہ میں تصوف کی اہمیت سے آگاہ ہو جائیں اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ پوری دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت میں تصوف نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

(۱): امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: شریعت اور حقیقت کی بحث میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تفصیلی کلام گزر چکا ہے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ شریعت وطریقت دونوں کو اہمیت دیتے تھے اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ میدانِ طریقت کے شہسوار تھے جیسا کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مشہور حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

(۲): امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "من تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من جمع بینھما فقد تحقق" (جس نے فقہ میں مہارت حاصل کی لیکن تصوف سے نابلد رہا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے تصوف میں کمال حاصل کیا لیکن فقہ سے نا آشنا رہا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا اس نے حقیقت کو پالیا۔)

(۳): امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کی ہے اور ان سے تین باتیں سیکھی ہیں۔

(۱) الوقت سیف ان لم تقطعہ قطعک۔ (وقت ایک تلوار کی طرح ہے اگر تو اسے نہیں کاٹے گا تو وہ تجھے کاٹ دے گی۔)

(۲) نفسک ان لم تشغلھا بالحق شغلتک بالباطل۔ (اپنے نفس کو اگر حق میں مشغول کروگے تو یہ تمہیں باطل میں مصروف کر دے گا۔)

(۳) العلم عصمۃ۔ (علم انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی تین چیزیں میرے نزدیک محبوب ہیں: ترکِ تکلف، لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، اہلِ تصوف کے نقشِ قدم پر چلنا۔

(۴): امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی صحبت سے پہلے اپنے بیٹے کو فرمایا کرتے تھے۔ اے بیٹے! علمِ حدیث کو مضبوطی سے تھام لو اور ان لوگوں کی صحبت سے بچو جو اپنے آپ کو صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اکثر دینی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں لیکن جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو حمزہ صوفی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کی اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال سے آگاہ ہوئے تو فرمانے لگے۔ اے بیٹے! ان لوگوں کی ہم نشینی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ لوگ کثرتِ علم، مراقبہ، خشیتِ الٰہی، زہد اور بلند ہمتی کی وجہ سے ہم پر فوقیت لے گئے۔

علامہ محمد سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ ابراہیم بن عبد اللہ قلانسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا: میرے علم میں ان سے افضل کوئی قوم نہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی گئی کہ یہ لوگ جب محفلِ سماع میں حاضر ہوتے ہیں تو ان پر وجد کی کیفیت آ جاتی ہے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوشی کا اظہار کریں۔

(۵): امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راہِ حق تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اپنی سخت جدوجہد کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں: حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک فرقہ ناجی ہے اور باقی کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے زندگی کا ایک حصہ اختلافِ امت میں غور و فکر کرنے میں صرف کر دیا۔ اس سلسلہ میں میں واضح راستہ اور صراطِ مستقیم کا متلاشی رہا۔ طلبِ علم اور اس پر عمل میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے مطابق آخرت کی

طرف لے جانے والے راستے کو تلاش کرتا رہا۔ اسی دوران میں نے قرآن کریم کے اکثر حصہ کو تاویلاتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ سمجھ لیا اور اس کے بعد احوالِ امت میں غور و فکر کیا، اس کے مختلف مذاہب اور ان کے دلائل کو پرکھا اور اپنی عقل کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کی۔ میں نے جان لیا کہ ان کا یہ اختلاف بحرِ عمیق ہے جس میں کثیر لوگ غرق ہو گئے، بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے ۔میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ یہ خیال کرتا ہے کہ نجات انہیں کیلئے ہے اور ان کے مخالفین کیلئے ہلاکت ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔

(۱): وہ لوگ جو احوالِ آخرت سے آگاہ ہیں ان کی تعداد انتہائی قلیل ہے ان کے ساتھ ملاقات انتہائی مشکل ہے۔

(۲): وہ لوگ جو جاہل ہیں اور ان سے دوری ہی بہتر ہے۔

(۳): وہ لوگ جو علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا لبادہ اوڑھے ہیں۔ امور دنیا میں مشغول ہو کر اسی پر قناعت کر بیٹھے ہیں۔

(۴): وہ لوگ جو اپنے آپ کو عالم کہتے ہیں اور اپنے علم کی وجہ سے تعظیم و تکریم کے متلاشی ہیں اور دین کے بدلے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۵): وہ لوگ جو عالم ہونے کا دعوی کرتے ہیں لیکن علم کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔

(۶): وہ جو عبادت گزاروں کے مشابہ اور اعمالِ خیر میں پیش پیش ہیں لیکن نہ تو ان کے پاس غِنا ہے اور نہ ہی ان کا علم سامعین کے دلوں میں اثر کرتا ہے اور نہ ہی ان کی رائے پر کوئی اعتماد کرتا ہے۔

(۷): وہ لوگ جو انتہائی زیرک اور ہوشیار ہیں لیکن تقوی و پرہیز گاری سے کوسوں دور ہیں۔

(۸): وہ لوگ جو اپنی خواہشات کے تابع ہیں دنیا کیلئے ذلیل ہوتے ہیں اور اس میں ریاست وسرداری کو طلب کرتے ہیں۔

(۹): شیطان نما انسان جو آخرت کو بھول کر دنیا پر حریص ہیں اور اس کو جمع کرنے میں مصروف ہیں اور "هل من مزيد" کے خواہش مند ہیں۔ وہ دنیا میں ظاہری طور پر زندہ ہیں لیکن حقیقت میں مردہ ہیں۔

میں نے اپنی ذات کو ان لوگوں میں تلاش کیا تو مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو میں نے صراطِ مستقیم کی تلاش میں ہدایت یافتہ لوگوں کی راہنمائی کے حصول کا قصد کیا۔ علم کو پیش نظر رکھ کر گہری نظر وفکر کی تو مجھے کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے معلوم ہوا کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی ہدایت سے بے بہرہ اور حق سے دور کر دیتی ہے اور انسان ہمیشہ تاریکی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس لئے میں نے سب سے پہلے اپنے دل سے خواہشات کو ختم کرنے سے ابتداء کی اور تباہ کن خواہشات ہلاکت خیز فرقوں سے بچتے ہوئے میں نے کسی فرقہ پر ناجی ہونے کا حکم نہ لگایا اور ناجی امت کا حکم لگانے میں کافی دیر متردد رہا اور پھر راہِ نجات کی تلاش میں کوشاں رہا۔

پھر میں نے پایا کہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تقویٰ وپرہیز گاری کو اپنانے، ادائیگیٔ فرائض، حلال وحرام اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں انتہائی احتیاط، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول کریم صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيۡهِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم میں اخلاص پر راہِ نجات کی بنیاد ہے۔ اس لئے محدثین سے فرائض وسنن کا علم حاصل کیا۔ میں نے ان کے بعض مسائل میں اتفاق اور بعض میں اختلاف دیکھا لیکن وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ فرائض وسنن کا حقیقی علم ان علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جن کو ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے احکام کی معرفت

حاصل ہے اور ان فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ علم موجود ہے جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی کا حصول ان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتے ہوئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرتے ہیں اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہیہ اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سنتوں کے امین ہیں۔

میں نے امت کے مختلف گروہوں میں ان صفات سے متصف گروہ کو تلاش کیا اور ان کے علم سے فیض یاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ قلیل تعداد میں ہیں اور ان کا یہ علم کم ہوتا جارہا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! اسلام کا آغاز پردیس میں ہوا اور عنقریب پردیسی ہو جائے گا جس طرح اس کی ابتداء ہوئی۔ خوشخبری ہے پردیسیوں کیلئے۔[945]

مجھے یقین ہو گیا کہ یہی لوگ اسلام میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان کی قلتِ تعداد کی وجہ سے مجھے افسوس ہوا۔ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اختلافِ امت کی وجہ سے مجھ پر جو شدید اضطرابی کیفیت طاری ہوئی اسی حالت میں پیغامِ اجل نہ آ جائے۔ اس لئے میں نے ان علوم کی تحصیل میں جلدی کی جو ایک مسلمان کیلئے ضروری ہوتے ہیں اور حصول علم میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ان لوگوں کی صحبت حاصل ہو گئی جن میں تقویٰ وپرہیز گاری اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے ان کے ارشادات اور نصائح کو سلف صالحین کے عمل کے مطابق پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ امت کو ارشاد وراہنمائی کرنے میں متفق ہیں۔ نہ تو وہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے ہیں اور نہ ہی رجاء کی اتنی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور مصائب و مشکلات میں صبر کرنے اور اس کی قضا پر راضی رہنے اور اس کی نعمتوں

[945](صحیح مسلم)

پر شکر کرنے کی تلقین کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات ذکر کر کے اس کو بندوں کے نزدیک محبوب بناتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنے پر ابھارتے۔ یہی وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کے معترف اور اس کی کتاب اور سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو جاننے والے اور دینی احکام کو سمجھنے والے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند۔ یہ لوگ بدعات اور خواہشات نفس سے بچتے اور دین کے معاملہ میں غلو سے اجتناب کرتے۔ لڑائی جھگڑے کو ناپسند کرتے۔ غیبت اور ظلم کے قریب تک نہ جاتے اپنی خواہشات کی مخالفت اور اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے۔ انہیں اپنے اعضاء پر پورا کنٹرول تھا۔ اپنے کھانے پینے، لباس اور تمام احوال میں انتہائی تقویٰ وپرہیز گاری سے کام لیتے۔ شبہات سے پہلو تہی کرتے اور خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے قوت لایموت پر گزارہ کرتے۔ مباح اور حلال چیزوں میں بھی بہت کم رغبت رکھتے۔ قیامت کے دن ہونے والے حساب وکتاب سے خوفزدہ رہتے اپنے حال میں ہی مگن رہتے۔ اپنے آپ کو انتہائی حقیر سمجھتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فکر میں مبتلا رہتا۔ یہ لوگ احوالِ آخرت اور روزِ جزا اللہ تعالیٰ کے عظیم ثواب اور دردناک عذاب سے باخبر تھے اور یہ چیز ان کے دائمی غمگین رہنے کا سبب تھی۔ اس لئے انہوں نے دنیا کے سرور اور نعمتوں سے اعراض کیا۔ انہوں نے دین کے ایسے اوصاف اور تقویٰ وپرہیز گاری کی ایسی حدود بیان کیں جس کی وجہ سے میرا دل خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے یہ جان لیا کہ دین کے آداب اور ورع وپرہیز گاری ایسا سمندر ہے جس سے نجات میرے بس کی بات نہیں اور مجھ جیسا شخص ان حدود پر قائم نہیں رہ سکتا۔ جب میں نے یہ تمام اوصاف ان لوگوں میں دیکھے تو مجھ پر ان کی فضیلت ظاہر ہوئی اور ان کا خلوص دکھائی دیا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہی لوگ راہِ آخرت کے مسافر اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی سنت کے تابع ہیں۔

یہی وہ چراغ ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔یہی وہ مینارہ نور ہیں جن سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے میں ان کے مذہب میں رغبت کرنے لگا اور ان کے آداب کو تسلیم کر کے ان سے اکتساب فیض کرنے لگا۔ میں ان کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز بھی ان سے عزیز نہ تھی اور نہ ہی کسی کو ان پر ترجیح دیتا تھا۔اس کی برکت کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا جس کے دلائل قوی اور دیگر علوم پر اس کی فضیلت عیاں تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جو اس کو اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو گا وہ نجات پا جائے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ کج رو ہو گا اور جو اس کا انکار کرے گا اس کے دل پر سیاہی جم جائے گی اور اس کو سمجھنے والا کامیاب ہو جائے گا۔ ان سب چیزوں کو جان لینے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ اس علم کو اپنانا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ اس لئے میں نے صدق دل سے اس کو قبول کر لیا اور اس کو اپنے دین کی اساس قرار دیا اور اسی پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھی۔ اس کی برکت سے میرے احوال میں تبدیلی آگئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ وہ مجھے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جو علم مجھے عطا فرمایا ہے اس پر عمل کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ حقیقۃً میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

(٦): شیخ عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: عظیم امام حجۃ المتکلمین شیخ عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں فرماتے ہیں: اس باب کی فصل اول اہلسنت وجماعت کی اقسام کے بیان میں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اہلسنت وجماعت میں آٹھ قسم کے لوگ شامل ہیں:

(۱): وہ لوگ جو توحید و نبوت، احکام وعد و وعید ثواب وعقاب شرائط اجتہاد امامت و قیامت وغیرہ علوم کے ماہر ہیں۔

(۲): ان میں وہ ائمہ وفقہاء شامل ہیں جن کا تعلق اہلِ رائے اور حدیث سے ہے۔ یہ لوگ اصولِ دین میں اللہ تعالیٰ اور اس کی ازلی صفات کے بارے میں صفاتیہ مذہب والوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ قدریہ اور معتزلہ کے مخالف ہیں۔ جنت کی نعمتوں اور عذابِ جہنم کے دائمی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خلفائے راشدین کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں۔ سلفِ صالحین کیساتھ دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جمعہ ہر اس امیر کے پیچھے واجب ہے جو صحیح العقیدہ ہو۔ قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ سے احکامِ شریعت کا استنباط بھی ان کے نزدیک واجب ہے۔ یہ جماعت امام ابو حنیفہ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اصحاب پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ محدثین کا گروہ ہے جنہیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی احادیث پر گہری درک حاصل ہے۔ یہ لوگ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز کرنے کے ماہر ہیں۔ اسی طرح جرح وتعدیل کے اسباب سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کا یہ علم باطل فرقوں کے عقائد سے پاک ہوتا ہے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو ادب اور صرف ونحو کے ماہر شمار ہوئے ہیں۔ یہ خلیل بن احمد، ابی عمرو ابن علا اور سیبویہ جیسے مایہ ناز ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

(۵) یہ لوگ قرآن کریم کی مختلف قرأتوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب اہلسنت کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر و تاویل بھی جانتے ہیں اوراہلِ ہویٰ کی تاویلات سے گریز کرتے ہیں۔

(٦) یہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا وہ گروہ ہے جو دنیا کی بے ثباتی پر یقین رکھتا ہے اور اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور جب انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ راضی برضارہ کر جو کچھ میسر ہو اسی پر قناعت کرتے ہیں انہیں بخوبی علم ہے کہ کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے اچھائی اور برائی کے متعلق سوال ہو گا۔ ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا۔ اس لئے وہ یوم آخرت کیلئے تیاری کرتے ہیں۔ محدثین کے کلام کی طرح ان کا کلام عبارت واشارہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ رِیاء کیلئے نیکی نہیں کرتے اور نہ ہی حیاء کی وجہ سے اس کے تارک ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کی بنیاد توحید پر اور تشبیہ کی نفی پر ہے۔ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اسی پر توکل کرنا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، جو میسر ہو اسی پر قناعت کر لینا اور اس پر اعتراض نہ کرنا ان کا مذہب ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ (جمعہ ۴)

ترجمہ: ”یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔“

(٧) یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی حفاظت کیلئے اسلامی سرحدوں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے دشمنانِ اسلام سے برسرپیکار رہتے ہیں۔

(۸) ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان علاقوں میں آباد ہیں جن میں اہلسنت وجماعت کے طور طریقے غالب ہیں۔ نہ کہ ان علاقوں میں آباد لوگ جن میں باطل فرقوں کے عقائد غالب ہیں۔

(۷) امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام ابو قاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مشہور رسالہ کے مقدمہ میں صوفیائے کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا مقرب بنایا ہے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد ان کو اپنے تمام بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا خزینہ بنادیا ہے اور تمام امت میں سے اپنے انوار و تجلیات کیلئے ان کو خاص کر لیا ہے۔ یہ مخلوق خدا کے فریاد رس بھی ہیں۔ عمومی احوال میں انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بشری کدورتوں کو پاک کر کے انہیں مقامِ مشاہدہ پر فائز کر دیتا ہے اور انہیں آدابِ عبودیت کے بجا لانے کی توفیق عطا کرتا ہے اور احکامِ ربوبیت کے مصدر و منبع سے انہیں روشناس کرادیتا ہے۔ وہ فرائض وواجبات کو احسن طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل واحسان سے کائنات میں جو تصرف کا اذن ملتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود انتہائی عاجزی وانکساری سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں اور اپنے احوال ومقامات کی طرف توجہ نہیں کرتے کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ مخلوق کا اس پر کوئی حکم نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے۔ مخلوق کو ثواب عطا کرنا اس کا محض فضل واحسان ہے اور اس کو عذاب دینا عدل ہے اور اس کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔

(۸): امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارگاہ الٰہی تک پہنچانے والے ان کے سلوک اور طریقے کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہی اللہ تعالیٰ کے خاص راستہ پر چلنے والے ہیں۔ ان

کی سیرت اچھی ان کا طریقہ تمام طرق سے صحیح اور ان کے اخلاق تمام سے عمدہ ہوتے ہیں پھر صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین کارد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معترضین اس طریقہ کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جس کی پہلی شرط ماسِوَی اللہ سے دل کو پاک کرنا ہے اور پھر کلیۃً ذکر الٰہی میں دل کو مستغرق کرنا نماز کی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے اور جس کی انتہاء فنافی اللہ ہے۔

(۹): امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: عظیم مفسر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین" میں فرمایا کہ امتِ اسلامی کے فرقوں کے متعلق لکھنے والے اکثر لوگوں نے گروہِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا اور یہ خطا ہے کیونکہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ اپنے آپ کو علائق بدنیہ سے پاک کرنا ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے اور دوسرے مقام پر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ وہ لوگ ہیں جو غور و فکر اور نفس کو علائق بدنیہ سے پاک کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام تصرفات اور اعمال میں ان کا دل ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو اور وہ بارگاہِ الٰہی میں انتہائی باادب رہتے ہیں اور یہ لوگ تمام انسانی فرقوں میں افضل ترین ہیں۔

(۱۰): العزبن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: سلطان العلماء عزبن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے اصولوں کی بنیاد شریعت کے ان قواعد پر استوار کی ہے جنہیں دنیا وآخرت میں زوال نہیں اور دوسرے لوگوں نے اپنے اصولوں کی بنیاد محض رسوم پر رکھی ہے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں واقع ہونے والی کرامات اس کی دلیل ہیں کیونکہ یہ چیزیں قربت اور رضا پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ عمل کے بغیر علم اگر بارگاہِ الٰہی میں

پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہلِ علم کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور فرما دیتا اگرچہ وہ اپنے علم پر عمل پیرا نہ بھی ہوتے لیکن یہ بعید از قیاس ہے۔

(۱۱): امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ "المقاصد" میں فرماتے ہیں کہ تصوف کے پانچ اصول ہیں:

(۱) ظاہراً و سرّاً اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنا۔ (۲) اقوال و افعالِ سنت کی اتباع کرنا۔

(۳) ہر حال میں مخلوقِ خدا سے لاتعلق رہنا۔ (۴) قلیل و کثیر میں اللہ تعالیٰ پر راضی رہنا۔

(۵) تنگی و خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا۔

(۱۲): شیخ ابن تیمیہ: شیخ احمد بن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ سالکین میں سے صاحبِ استقامت جس طرح جمہور مشائخ سلف جن میں فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، سری سقطی اور جنید بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ متقدمین سے اور متاخرین میں سے شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ حماد، شیخ ابو البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔

یہ تمام مشائخ سالک کیلئے شرعی امر اور نہی سے آزاد ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ ہوا میں اڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ تا دم واپسی امر کو بجالائے اور نہی سے اجتناب کرے اور یہی بات حق ہے جس پر کتاب و سنت اور سلفِ صالحین کا اجماع دال ہے۔

(۱۳): امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: عشیرہ محمدیہ کے مجلہ مسلم میں سید ابو تقی احمد خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مضمون "امام شاطبی صوفی سلفی" کے عنوان سے چھپا ہے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الاعتصام" کو وہابی اپنی بعض آراء کیلئے بنیادی ماخذ شمار کرتے

ہیں۔ صاحبِ کتاب کو اپنا امام مانتے ہیں لیکن اس کے بر عکس امام شاطبی نے اپنی کتاب میں اسلامی تصوف کے متعلق چند اہم فصلیں ذکر کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف دین کا اہم رکن ہے۔ یہ نئی چیز نہیں ہے کہ اسے دین میں داخل کیا گیا ہو۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تحقیق کا حق ادا کر کے مخالفین کی زبانوں کو بند کر دیا ہے۔ قلوب واذہان میں ان کی تحقیق نے گہرے نقوش چھوڑے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اکثر جہلاء کا صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ کتاب وسنت کی اتباع میں تساہل پسندی سے کام لیتے ہیں اور غیر شرعی امور کو اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں لیکن یہ الزام خلافِ واقع ہے اور اس قسم کے اعتقاد کی ان سے توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ سب سے پہلے جس چیز پر ان کے طریقہ کی بنیاد ہے وہ اتباعِ سنت اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہے جو خلافِ سنت ہوں حتیٰ کہ امام الصوفیاء ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے تصوف کا نام اسی وجہ سے خاص کیا تھا تاکہ وہ اہلِ بدعت سے ممتاز ہو جائیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے بعد مسلمان صحابی کے لقب سے موسوم تھے کیونکہ صحبتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی۔ پھر ان کے بعد آنے والے لوگوں کو تابعی کا لقب دیا گیا۔ ان کے بعد لوگوں کے مراتب مختلف ہو گئے اور وہ خواص جو دین پر سختی سے کاربند تھے انہیں زاہد وعابد کہا جانے لگا پھر جب بدعتوں کا ظہور ہوا تو ہر فریق دعویٰ کرنے لگا کہ ان میں زاہد وعابد ہیں۔ اس صورتِ حال میں اہلسنت کے وہ خواص جو اپنے نفوس پر خصوصی توجہ رکھتے تھے اور اپنے دلوں کو غفلت سے محفوظ رکھتے تھے وہ تصوف کے اس نام کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

(۱۴): ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں: علم تصوف ان علومِ شرعیہ میں سے ہے جو ملتِ اسلامیہ میں معرضِ وجود میں آئے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ صحابۂ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والے سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق وہدایت کا طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد عبادت کی طرف بھرپور توجہ اور ذاتِ باری تعالیٰ سے خاص تعلق دنیا کی زیب وزینت سے اعراض اور لذتِ مال وجاہ وحشمت جس کی طرف عوام الناس متوجہ ہوتے ہیں ان سے زہد اختیار کرنے اور عبادت کیلئے خلوت نشینی اختیار کرنے پر ہے۔ یہ تمام چیزیں صحابۂ کرام اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام تھیں لیکن دوسری صدی اور اس کے بعد والے دور میں لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہوگئے تو عبادت گزار لوگوں کے ساتھ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا لقب خاص ہوگیا۔

(۱۵): شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "معید النعم ومبید النقم" میں صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ انہیں طویل زندگی عطا فرمائے انہیں اور ہمیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی حقیقت سے لاعلمی اور جعلی پیروں کی کثرت سے ان کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں حتیٰ کہ امام جوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان کی حقیقت سے آگاہی ممکن نہیں کیونکہ ان کو کسی ایک تعریف کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا۔ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علمِ تصوف کی تعریف کرنا ممکن ہے۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ وہ لوگ ہیں جو دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور اکثر اوقات عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصوف کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا: حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ہیں جن کے ذکر سے رحمت سایہ فگن ہوتی ہے اور جن کی دعا سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے طفیل ہم سے بھی راضی ہو۔

(۱۶): امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "تائید الحقیقۃ" میں فرماتے ہیں: علمِ تصوف فی نفسہ ایک عظیم علم ہے۔ اس کا دار و مدار اتباعِ سنت، ترکِ بدعت نفس اور اس کی خواہشات سے کنارہ کشی اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اس کی قضاء پر راضی رہنے، اس کی محبت کی خواہش اور ماسوی اللہ سے ناپسندیدگی پر ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں بہت سے ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جن کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور انہوں نے تصوف میں غیر شرعی امور کو داخل کر دیا ہے اور یہ بات تمام صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا سبب بنی ہے اسی لئے اہلِ علم نے حقیقی صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اور جعلی صوفیاء کے درمیان تمیز کرنے کی کچھ علامات ذکر کی ہیں تاکہ حق و باطل کے درمیان فرق ہو سکے میں نے ان امور میں غور و فکر کیا ہے جن کی وجہ سے اہلِ علم صوفیاء رحمھم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں لیکن میں نے کوئی ایسا حقیقی صوفی نہیں دیکھا جو ان عقائد کا حامل ہو بلکہ ان امور کا ارتکاب وہ اہلِ بدعت اور غالی لوگ کرتے ہیں جو دعویٰ تو صوفیاء ہونے کا کرتے ہیں لیکن حقیقت میں صوفیاء نہیں ہوتے۔

(۱۷): علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: خاتمۃ المحققین عظیم فقیہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "مجموعہ رسائل" میں دین میں اضافہ شدہ بدعات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جن کا ارتکاب وفات اور ختم وغیرہ کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ ان امور کا ارتکاب وہ لوگ کرتے ہیں جو اہلِ علم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو صوفیاء کی طرف نسبت کرتے

ہیں اس کے بعد آپ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے کہ یہاں صوفیاء سے مراد حقیقی صوفیاء نہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو ان مشائخِ عظام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہیں ہے جو ہر قسم کی گھٹیا خصلت سے مبرا ہیں۔ امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور دائیں بائیں جھکنے لگتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوش ہونے دو۔ معرفتِ الٰہی کے سفر نے ان لوگوں کے جگروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تھکاوٹ نے ان کے دلوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ ان پر اضطراب کی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ اپنے حال کے مداوا کی خاطر کچھ آرام کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر تو بھی یہ لذت چکھ لیتا تو آہ وبکا میں ان کو معذور سمجھتا۔ علامہ کمال پاشا رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح جواب دیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) اگر تیری حقیقت تک رسائی ہے تو وجد میں کوئی حرج نہیں اور اگر تو مخلص ہے تو رقص (تواجد) میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) تو تو ایک ٹانگ پر چل رہا ہے اور جس کو اس کا مولا پکارے اس پر لازم ہے کہ وہ سر کے بل چلے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکر اور سماع کے وقت جو مختلف کیفیات ہم نے ذکر کی ہیں ان میں رخصت ان عارفین کیلئے ہے جو اپنے اوقات کو اچھے اعمال میں صرف کرتے ہیں۔ افعالِ قبیحہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اگر وہ کچھ سنتے ہیں تو اسی ذات سے اور اگر وہ کسی کے مشتاق ہوتے ہیں تو وہ بھی اسی کیلئے۔ جب وہ اس کا شکر کرتے ہیں تو اس کی نعمتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ جب وہ اس کو

پالیتے ہیں تو نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں۔ جب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پر سکون ہو جاتے ہیں۔ جب اس کے قرب سے سرفراز ہوتے ہیں تو بارگاہِ قدس میں خوب سیر کرتے ہیں۔ جب ان پر وجد غالب آجاتا ہے اور اس کی ارادت کا جام طہور نوش کر لیتے ہیں تو بعض سالکین پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے تو وہیں سجدے میں گر کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں اور بعض پر لطف و کرم کے بادل برستے ہیں تو وہ جھومنے لگتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں اور بعض وہ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ مطلع قرب سے محبوب ان کیلئے جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ جلوۂ محبوب میں مست ہو کر بے خود ہو جاتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ عارفین کا سماع حقائق ربانیہ کے حصول کا سبب ہے اور یہ سماع ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا نعت رسول مقبول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حکیمانہ مواعظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہمارا اعتراض ان لوگوں پر نہیں ہے جو ان عارفین کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی بارگاہ سے کچھ فیض حاصل کر لیتے ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت اور شوق میں مگن رہتے ہیں بلکہ ہمارا اعتراض تو ان فاسق وفاجر عام لوگوں پر ہے جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بدنام کرتے ہیں۔

(۱۸): شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ: مجلہ مسلم نے شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصوف کے متعلق رائے ذکر کی ہے اور شیخ علی رحمہ اللہ تعالیٰ محفوظ نے اپنی کتاب "ابداع" میں اس کو نقل کیا ہے کہ شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تاریخِ اسلام اور اسلام میں ظاہر ہونے والی وہ رسوم وبدعات جنھوں نے اسلام کے حقیقی حسن کو مسخ کر دیا ہے اور مسلمانوں کے جہالت میں گرفتار ہونے کے اسباب کے متعلق تحقیق کرنے والے بعض محققین غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق تصوف بھی ان اسباب میں شامل ہے جنھوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے بے بہرہ اور اس توحید

خالص سے دور کر دیاہے جو اخروی عذاب سے نجات کی بنیاد ہے اور اسی پر اعمال کے صحیح ہونے کا دار ومدار ہے لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ہم اجمالی طور پر تصوف کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

تصوف کا ظہورِ اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا اس وقت اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اس کا بنیادی مقصد تعمیرِ اخلاق اور نفوس کو تہذیب وشائستگی سے آراستہ کر کے احکام دین پر عمل پیرا ہونے کیلئے نفوس کی تربیت اور ان کو دین کی طرف مائل کرنا اور تدریجًا دین کے اسرار ورموز سے اس کو آگاہ کرنا تھا۔ فقہاء اور علمائے ظاہر صوفیاء پر اعتراض کرتے تھے۔ ان پر بے دینی کی تہمت لگاتے تھے۔ اس وقت فقہاء کو بڑی اہمیت حاصل تھی کیونکہ امراء اور سلاطین اسلامی احکام نافذ کرنے میں ان کے دست نگر تھے۔ اس صورت حال میں صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے طرز عمل کو مخفی رکھنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے اپنا مقصد سمجھانے کیلئے بعض اشارات رموز اور اصطلاحات وضع کر لئے اور صرف اسی کو اپنے ساتھ ملاتے جو ان کی کڑی شرائط اور آزمائش پر پورا اترتا ہو اور یہ کہا کرتے کہ جو ہمارے ساتھ چلنے کا خواہشمند ہے پہلے طالب پھر مرید اور پھر سالک ہے اور سلوک کے بعد یا تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا یا راستہ سے بھٹک جائے گا وہ طویل عرصہ تک طالب کے اخلاق واطوار کا امتحان لیتے تاکہ وہ جان لیں کہ طالب صحیح الارادہ اور پختہ عزم ہے۔ صرف ان کے اسرار پر آگاہی حاصل کرنے کیلئے نہیں آیا۔ اس چیز کا یقین ہونے کے بعد تدریجًا اس کی تربیت کرنا شروع کر دیتے تھے۔

(۱۹): الامیر شکیب ارسلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: امیر شکیب ارسلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "**حاضر العالم الاسلامی**" میں "**افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اس کے اسباب**" کے تحت لکھتے

ہیں کہ اٹھارھویں انیسویں صدی میں سلسلہ قادریہ اور شاذلیہ کے پیروکاروں میں ترقی کی نئی تحریک پیدا ہوئی اور سلسلہ تیجانیہ اور سنوسیہ کا آغاز ہوا۔

سلسلہ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں دینِ اسلام کے انتہائی پر جوش مبلغ تھے۔ انہوں نے سینیگال سے بنین تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے ان علاقوں میں تعلیم و تجارت کے ذریعہ دین کی نشرواشاعت کی۔ مغربی افریقہ کے اکثر تاجر سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض مریدین جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے مدارس کھول لیتے اور یہ مدارس صرف سلسلہ قادریہ کی خانقاہوں میں ہی نہ قائم کرتے بلکہ قریہ قریہ میں مدارس قائم کرتے اور دورانِ تعلیم افریقی بچوں کو دین کی تبلیغ کرتے اور پھر محنتی اور ذہین طلبہ کو خانقاہ کے خرچ پر طرابلس، قیروان کے مدارس فاس کی جامع القرویین اور مصر کی جامع الازہر میں اعلی تعلیم کیلئے بھیجتے۔ یہ طلبہ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے سوڈان میں عیسائیوں کے مشنری مبلغین سے مقابلہ کرتے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سلسلہ قادریہ کے شیخِ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایران کے شہر جیلان میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عظیم صوفی تھے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اسپین تک پہنچ گئے۔ جب غرناطہ میں عربوں کی سلطنت کا زوال آیا تو سلسلہ قادریہ کا مرکز وہاں سے فاس منتقل ہوگیا۔ اس سلسلہ کی برکت کی وجہ سے اہلِ بربر کی کثیر بدعات کا خاتمہ ہوگیا اور وہ اہلسنت وجماعت سے وابستہ ہوگئے۔ اسی طرح پندرہویں صدی عیسوی میں مغربی افریقہ کے بہت سے حبشی اس سلسلہ کی برکت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلسلہ سنوسیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ سنوسیہ کے متعلقین افریقہ کے مختلف علاقوں میں اسلام کی شمع کو روشن کرتے ہوئے نائیجیریا تک پہنچ گئے اور وہاں کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور اسی سلسلہ کی برکت سے بحیرۂ چاؤ کے ارد گرد کے علاقے وسط افریقہ میں عالمِ اسلام کا مرکز بن گئے۔ ان علاقوں میں سلسلہ سنوسیہ کے مریدین کی تعداد چار ملین کے لگ بھگ ہے۔ ان کا طریقۂ تبلیغ یہ ہے کہ سوڈان سے چھوٹی عمر کے غلاموں کو خریدتے ہیں پھر جغبوب اور غزامس وغیرہ کے علاقہ جات میں تربیت کرتے ہیں۔ جب یہ بلوغ کی حد تک پہنچ کر اپنی تعلیم کو مکمل کرتے ہیں تو انہیں آزاد کر کے سوڈان کے قرب وجوار میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی قوم کے باقی لوگوں کی دینِ اسلام کی طرف راہنمائی کریں۔ اس طرح سلسلۂ سنوسیہ کے سینکڑوں مبلغین براعظم افریقہ کے مختلف ممالک میں اسلام کی نشر واشاعت کیلئے کوچ کرتے ہیں۔ شیخ محمد مہدی اور ان کے بھائی شیخ شریف اپنے والدِ محترم کے نقشِ قدم پر چل کر اسی مقصد کیلئے کوشاں ہیں یعنی براعظم افریقہ میں اسلام کو بیرونی اثرات سے آزاد کر کے خلافتِ راشدہ کے نظام کو قائم کرنا۔ المختصر یہ کہ ان سلاسل کے مریدین نے براعظم افریقہ میں اسلام کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

آپ سلسلہ سنوسیہ کے متعلق مزید فرماتے ہیں: سلسلہ سنوسیہ کے مبلغین انتہائی جوشیلے اور غیور ہیں۔ یہ صحرائی خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں دینِ اسلام کی نشر واشاعت کیلئے ان تمام علاقوں میں نکلتے ہیں جن کے باشندے بت پرست ہیں۔ انیسویں صدی سے لے کر آج تک ان مسلمان مبلغین نے مغربی افریقہ اور وسطی افریقہ میں اسلام کی نشر واشاعت کیلئے حیران کن کامیابیاں حاصل کی ہیں حتیٰ کہ بہت سے یورپی مفکرین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ بیس سال پہلے اسی سلسلہ میں ایک انگریز نے کہا تھا کہ وسط افریقہ میں اسلام کو بہت کامیابی ہو رہی ہے

اور بت پرستی کا نام ونشان اس طرح مٹتا جا رہا ہے جس طرح سورج کی کرنوں کے سامنے رات کی تاریکی چھپ جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عیسائی مشنری ناکام ہو گئی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سلسلۂ شاذلیہ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کی بیعت عبد اللہ بن سلام بن مشیش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تھی اور ان کے مرشد و مربی ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جو ۱۱۲۷ء کو شبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی تعلیم فاس میں حاصل کی اور پھر حج کا ارادہ کر کے نکلے اور حج بیت اللہ کے بعد جابیہ کے مقام پر اقامت پذیر ہو گئے اور درسِ تصوف دیتے رہے۔ بہت سی مخلوقِ خدا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی اور یہ سلسلہ ان سلاسل میں سے تھا جو پہلے پہل سر زمینِ مغرب میں داخل ہوئے اور اس کا مرکز مراکش میں تھا اور اسی سلسلہ کے مشائخ میں سے شیخ عربی در قاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی:۱۸۲۳ء تھے۔ جنہوں نے اپنے مریدوں میں نئے سرے سے دینی حمیت کی روح پھونک دی۔ فرانسیسی فوج کو روکنے میں ان لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔

امیر شکیب ارسلان اپنے اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ برِ اعظم افریقہ میں اسلام کی اس ترقی کا سہرا التصوف اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اعتقاد پر ہے۔

(۲۰): شیخ رشید رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: شیخ رشید رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ بلا شرکت غیر ارکانِ دین میں سے ایک اہم رکن کی تعلیم وتربیت ان کے ذمہ ہے اور وہ علم واخلاقِ حسنہ اپنانے کے ذریعہ نفس کو مہذب بناتا ہے۔ پھر جب ملتِ اسلامیہ میں علوم کی تدوین ہوئی تو مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی تہذیب اخلاق اور محاسبۂ نفس کے بارے میں کتب تالیف فرمائیں۔

(۲۱): شیخ راغب الطباخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: عظیم مؤرخ شیخ محمد راغب اپنی کتاب ''ثقافتِ اسلامیہ'' میں فرماتے ہیں کہ جب تصوف تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ اخلاق سے عبارت ہے تو یہ بہترین طریقہ اور اعلیٰ ترین مقصد ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بھی مقصد تھا۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔[946]

ترجمہ: ''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔''

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! جب ہم پہلے دور کے صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی سیرتوں میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت مکارمِ اخلاق، زہد، ورع وعبادت پر مشتمل اور قرآن وسنت کی عملی تصویر ہے حتیٰ کہ شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

''مذھبنا ھٰذا مقید باصول الکتاب و السنۃ''

ترجمہ: ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کے ساتھ مقید ہے۔

علامہ زبیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **شرح احیاء العلوم** کی **(جلد ۱ ص ۱۷۴)** میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں: **''الطرق کلھا مسدود علی الخلق الا علی من اقتدی اثر الرسول''** یعنی ''مخلوقِ خدا پر تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کیلئے جس نے جنابِ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے نقشِ قدم کی پیروی کی۔''

---

[946] (مسند امام احمد)

رسالہ قشیریہ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآنِ پاک حفظ نہ کیا اور حدیث پاک نہ روایت کی وہ علم تصوف میں اقتداء کے قابل نہیں کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم حدیثِ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے مؤید ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: علم تصوف تین چیزوں کا نام ہے:

(۱): صاحبِ تصوف وہ ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ و پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھائے۔

(۲): ایسے باطنی علم کے متعلق گفتگو نہ کرے جو ظاہر کتاب اللہ کے منافی ہو۔

(۳): کرامات اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی بے ادبی کا سبب نہ ہوں۔

صاحبِ شذرات الذهب نے ج:۵:ص:۲۷۹: میں شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر وہ علم جس میں خواطرِ قلب تیری طرف سبقت لے جائیں نفس اس کی طرف مائل اور اس سے لذت محسوس کرے اسے ترک کر دو اور کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

کتاب التعرف اور رسالہ قشیریہ میں ان کے علاوہ بھی دیگر مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال موجود ہیں:

یہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم خود بھی تہذیبِ نفس، ورع وزہد اور عبادات کے ساتھ متصف تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دور میں مختلف اہم دینی فرائض بھی سر انجام دیتے رہے۔ انہوں نے مخلوقِ خدا کی راہِ خدا کی طرف راہنمائی کی اور دعوت دی اور لوگوں کو دنیا پر مر مٹنے اور جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے سے منع کیا اور ان کو ان شہوات ولذات سے روکا جو ارتکاب محرمات میں

منہمک رہنے اور ان واجبات کی ادائیگی سے غفلت کا سبب بنتی ہیں جن کیلئے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اگر انسان ان شہوات پر کنٹرول نہ کرے تو اس کا نتیجہ لا قانونیت، فساد، کثرتِ زنا اور قتل وغارت کی صورت میں نکلتا ہے۔

یہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اپنے وعظ وارشاد اور نورانی قلوب سے پھوٹنے والی حکمتوں اور حقائق کی وجہ سے مخلوقِ خدا کے اخلاق کے محافظ تھے۔ انہوں نے امت کو صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور انہیں حقیقی سعادت کی طرف دعوت دی۔ یعنی انسان کو چاہیئے کہ وہ ان تمام امور کو بجا لائے جن کا اسے حکم ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیا کو نظر انداز نہ کرے۔ اس طرح یہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہمیشہ سے عمل پیرا رہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۰۴)

ترجمہ: "ضرور ہونی چاہیئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔

یہ سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ ملت کے نگہبان، امت کے سردار اور اس کی ہدایت کیلئے مینارہ نور تھے۔ انہی مشائخ عظام اور دیگر محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بدولت امت صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئی۔ ان کے دنیاوی حالات مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اخروی امور بھی بہتر ہو گئے اس طرح وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوئے۔

ان صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات زندگی میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر مشائخ کے مریدین ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ جب بھی کوئی نیا شخص ان کے سلسلہ میں داخل ہوتا تو وہ سابقہ مریدین کے ساتھ اس کا بھائی چارہ قائم کر دیتے۔ اس طرح مریدین کے

درمیان الفت ومحبت کی فضا قائم ہو جاتی۔ وہ باہم ہمدردی سے پیش آتے اور نیکی کی نصیحت کرتے۔ غنی فقیر پر رحم کرتا۔ بڑا چھوٹے سے شفقت سے پیش آتا۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے بھائی بھائی اور ایک جسم کی مانند بن گئے۔ یہ لوگ اپنے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا انتہائی ادب واحترام اور خدمت کرتے۔ جب مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ مجلس میں تشریف لاتے تو مریدین احترام کیلئے کھڑے ہو جاتے اور جب وہ تشریف فرما ہو جاتے تو یہ مریدین حضرات بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ان کے حکم کی بجا آوری کرتے اور ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے۔

صوفیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ملتِ اسلامیہ کیلئے عظیم اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ جب امیرِ سلطنت جہاد کا قصد کرتا ہے تو یہ اپنے مریدین کو جہاد پر برانگیختہ کرتے تو مریدین اپنے مشائخ سے قلبی اعتقاد کی وجہ سے مجاہدین میں شریک ہو جاتے اور اکثر اوقات بذات خود بھی لشکر اسلام میں شامل ہو کر حدود اسلام کا دفاع کرتے اور دوسروں کو بھی ثابت قدمی کی تلقین کرتے اور یہ چیز دشمن پر فتح ونصرت کا سبب بنتی۔

علمِ تاریخ کے مطالعہ سے اس قسم کے کثیر واقعات سے آگاہی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ بہت سے محدثین اور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی میدان جہاد میں پیش پیش رہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ جب ان کے متبعین کے درمیان دنیاوی امور میں اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ اپنے شیخ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اس طرح وہ راضی خوشی اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور انہیں عدالتوں میں مقدمہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ شیخ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے

ہیں کہ ان تمام امور کا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے کانوں سے سنا ہے بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرید دوسرے کو کہتا ہے کہ اگر تم نے میرے ساتھ انصاف نہ کیا تو میں شیخ کے پاس تمہاری شکایت کر دوں گا تو وہ اس خوف کی وجہ سے اپنی مذموم حرکت سے باز آ جاتا ہے کیونکہ اسے یہ خواہش ہوتی ہے کہ شیخ کے پاس اس کی شہرت خراب نہ ہو۔

(۲۲): علامہ احمد شرباصی رحمہ اللہ تعالیٰ: شیخ احمد شرباصی رحمہ اللہ تعالیٰ جو معروف اسلامی رائٹر اور جامعہ ازہر کے استاد ہیں وہ مجلہ اصلاح اجتماعی میں "الاخلاق عند الصوفیاء" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں! میرا یہ عقیدہ ہے کہ تصوف کی مکمل حقیقت اور بنیاد اس مرتبہ احسان پر ہے جس کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم نے حدیثِ جبریل میں ارشاد فرمایا ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے کثیر مدعیان اس تعریف پر پورے نہیں اترتے۔ اس لئے وہ حقیقت سے بہت دور ہیں۔

حقیقت میں تصوف کی بنیاد ذوق پر ہے۔ کریمانہ اخلاق ذوقِ سلیم کا ہی دوسرا نام ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اخلاق کو بڑی اہمیت دیتے ہیں بلکہ انہوں نے اخلاق کو تصوف کی اساس وبنیاد قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تصوف کی جگہ لفظ اخلاق کو استعمال کیا جائے تب بھی مقصود میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ تصوف کا دارومدار مجاہدۂ نفس، تطہیرِ نفس اور اس کو ہر جمال وکمال سے آراستہ کرنے پر ہے اور یہی مکارمِ اخلاق کی اصل ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے فتوت اور شجاعت کو تصوف کی اصل قرار دیا ہے حتیٰ کہ تاریخِ فتوت میں فتوتِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام سے مستقل عنوان ملتا ہے۔ ایثار اور دوسروں کو اپنی ذات پر مقدم کرنے کا اصول اسی سے لیا گیا ہے امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتوت کی اصل یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ غیر کی خدمت کو ترجیح دے اور حضرت ابن ابی بکر ہوازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتوت کی اصل یہ ہے کہ تو اپنی ذات کو بہتر خیال نہ کرے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ان سنہری اصولوں پر گامزن ہیں کہ نہ ہی وہ کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور نہ شکوہ کرتے ہیں۔ جود و سخا ان کا شیوہ ہے۔ مصائب و تکالیف کو دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ دشمنوں کو معاف کرتے ہیں اور ہمیشہ بلندی کے طالب ہوتے ہیں۔

وہ اس حدیث "طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس" (خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جس کے عیب نے اس کو لوگوں کے عیوب سے غافل کر دیا) کو اصل بنا کر اخلاقِ محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو اپناتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تیرا اپنے باطنی عیوب کی طرف متوجہ ہونا ان عیوب کی طرف متوجہ ہونے سے بہتر ہے جو تجھ سے چھپا دیئے گئے ہیں۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حرص و طمع ختم کرنے کیلئے مختلف اسباب و وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں تاکہ انسانی شخصیت میں روحانی منازل طے کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر طمع سے کہا جائے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ جواب دے گا کہ قضاو قدر میں شک۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ وہ جواب دے گا:

حصولِ ذلت۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تیرا مقصد کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: محرومی۔ اسی سلسلہ میں ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ذلت کا درخت طمع کے بیج سے پروان چڑھتا ہے۔

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لائے اور جامع مسجد تشریف لے گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ وہاں کچھ قصہ گو لوگوں کو قصے سنا رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں منع کر دیا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچے جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے پیش رو ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان، میں تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے صحیح جواب دے دیا تو تمہیں یہاں وعظ کی اجازت مل جائے گی ورنہ دوسرے ساتھیوں کی طرح تمہیں بھی کنارہ کش ہونا پڑے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دین کا دار و مدار کس چیز پر ہے؟ جواب دیا ورع و پرہیز گاری پر۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ دین کا فساد کس چیز پر ہے؟ جواب دیا کہ طمع پر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیٹھو۔ تم جیسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں کسی چیز کا طمع و حرص پیدا ہوا تو ہاتف غیبی نے ندا دی کہ تیرا دین تب محفوظ و سلامت رہے گا کہ جب تو دنیاوی چیزوں کی لالچ کو چھوڑ دے گا۔

صاحبِ طمع کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔ اگر آپ لفظ طمع کے حروف میں غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کے تمام حروف مجوف یعنی نکتوں سے خالی ہیں۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے

اپنے متبعین کو قناعت اور استغفار کا درس دیا اور ان کیلئے خودی اور عزتِ نفس کا دروازہ کھولا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بدکاری اور بدکاروں کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور ظلم و سرکشی کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی جاہ و مرتبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ دین کی خاطر قربانی اور دعوتِ جہاد دینا صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقدار میں سے ہے۔ اسی طرح صبر کا درس اور اس میں مبالغہ انہی اخلاقیات کا حصہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک صوفی دوست کی عیادت کیلئے گئے۔ مرض کی شدت سے ان کے منہ سے آہ نکل گئی تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے فرمایا کہ جو محبوب کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ سچا عاشق نہیں ہے۔ اس مریض نے جواب دیا بلکہ جو محبوب کی چوٹ پر لذت محسوس نہ کرے وہ سچا عاشق نہیں۔

مراقبہ کی حالت میں زندگی گزارنا بھی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا حصہ ہے۔ اس مراقبہ کی وجہ سے بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اس کا قرب وجوار حاصل ہوتا ہے۔ ان کی اخلاقی تربیت کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے متعلقین کو نرم مزاجی اور باہمی تعاون کا درس دیتے ہیں تاکہ ان کے درمیان تکلف ختم ہو جائے کیونکہ جب ایک سالک کا دوسرے کے ساتھ دین، اخلاق اور تصوف کے اعتبار سے مضبوط تعلق استوار ہو جاتا ہے پھر وہاں کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مریدین کی توجہ اس طرف بھی مبذول کراتے ہیں کہ کہیں وہ اپنی عبادت سے دھوکہ نہ کھا جائیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے مایوس ہو جائیں۔

ثابت قدمی، وقار و سنجیدگی اور اسبابِ ذلت سے بچنے کا درس دینا بھی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اخلاقی نظام کا حصہ ہے۔

شیخ احمد شرباصی رحمہ اللہ تعالیٰ "نور الحقیق" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ تصوف وہ عظیم دستور ہے جس کو دورِ حاضر کے اہلِ تصوف نے ضائع کر دیا۔ اس کے مخالفین اور دشمنوں نے اس پر ظلم کیا اور مدعیانِ تصوف نے اس کے جمال اور خوبصورتی کو ضائع کر دیا اور کچھ عرصہ سے بعض لوگوں کے نزدیک تصوف انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ اس کا جمال وخوبصورتی اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انکار ممکن نہیں۔ دوسری طرف ان کے اقوال واعمال کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوئی گویا کہ تصوف کی حالت اس قیمتی موتی کی طرح ہے جس کو سیاہ چیتھڑوں میں لپیٹ دیا گیا ہو۔ جس کی وجہ سے کچھ جاہل اس موتی کو سیاہ گمان کرنے لگے ہیں۔ اگر انہیں اس کی حقیقت تک رسائی ہو جائے اور اس کے گرد لپیٹے ہوئے تمام پردوں کو اٹھا دیا جاتا تو اس کی چکاچوند روشنی سے ان کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ مجھے تصوف کے اس صاف شفاف چشمے پر افسوس ہے جس کو گردشِ دوراں نے گدلا کر دیا ہے۔ اس دور میں وہ علماء اور صوفیاء جو حیران وپریشان دنیادار لوگوں کو بتائیں کہ تصوف اسلام کا ایک اہم جزاور رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بنیادی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے اور انہیں اس بات سے آگاہ کریں کہ تصوف پر انتہائی ظلم وستم کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ملا دی گئی ہیں جن کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مدعیانِ تصوف نے بعض اہم چیزوں کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس میں تحریف کر دی ہے اور بعض جلد باز اس کا تمسخر اڑاتے ہیں جو نہ تو اس کی حقیقت سے آشنا ہیں اور نہ ہی اس کے مشرب سے بہرہ ور۔ مزید برآں یہ کہ انہوں نے تصوف کی کسی کتاب کا مطالعہ تک نہیں کیا۔ ان تمام مذکورہ عوامل کی وجہ سے تصوف کی اہمیت وقدر کم ہو گئی لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج کے دور میں کوئی کامل شخصیت نظر نہیں آتی جو لوگوں کو حقیقتِ تصوف سے آگاہ کرے۔ تحقیق

اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حق کو جب اس کے قبول کرنے والے نہ ملیں تو وہ مخفی وپوشیدہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو اس کی اشاعت اور ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور لوگوں کو اس پر طوعًا و کرھًا برانگیختہ کرتے ہیں تو پھر وہی حق اپنی پوری شان وشوکت سے آشکار ہو جاتا ہے۔

تمہارا اس وسیع ترین اور عجیب خزانے کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں بے حد وحساب مال ودولت اور جسمانی امراض کی منافی دواؤں کے ساتھ ساتھ نفسانی علاج کا روحانی طریقہ کار اور کبھی نہ ماند پڑنے والا دل کا نور ہو۔ اگر تمہیں کوئی شخص اس قسم کے خزانے کے بارے میں بتائے اور اس تک پہنچنے والے راستے تک مکمل معلومات بہم پہنچائے تو کیا تم اس خزانے تک پہنچنے کیلئے اپنی مکمل کوشش صرف نہیں کروگے۔ جس میں تمہیں دنیاو آخرت کی ہر نعمت ملے گی۔ یہی حال تصوف کا ہے کہ یہ مخفی دوا، پوشیدہ خزانہ اور سراسر علمی اسرار ورموز پر مبنی ہے۔ یہ وہ دوا ہے کہ جس کی تجھے تیرے علم وفہم اور اخلاق کو ضرورت ہے لیکن تو نہ تو اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک تو اپنے مکمل ہوش وحواس کے ساتھ اپنی بصیرت اور بصارت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس کیلئے تجھے اپنا مال جان اور وقت نکالنا پڑے گا اور ان عوامل کی وجہ سے تو اس تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ کیا تو نے ان میں سے کسی چیز پر عمل کیا ہے اور حقیقی نعمتوں تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا ہے۔

مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تیرا تعلق صوفیاء سے ہے یا نہیں اور نہ ہی مجھے اس چیز کی پرواہ ہے کہ تو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین میں سے ہے یا ان کے دوستوں میں سے۔ میرے نزدیک سب سے اہم بات یہ ہے کہ تو حقیقت حال سے آگاہ ہو اور اس عظیم مقصد سے آشنا ہو کہ

جس سے آگاہی حاصل کرنے کا مطالبہ دین بھی کرتا ہے اور عقل بھی۔ اس لئے تجھ پر لازم ہے کہ تو تصوف کا مطالعہ کرے تا کہ تو اس کی حقیقت سے آشنا ہو سکے۔ اس کے بعد تجھے حق حاصل ہے کہ تو تصوف کے حق میں فیصلہ دے یا اس کے خلاف اور یہ بات قابلِ غور ہے کہ تاریخ تصوف اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال میں بعض چیزیں مخالفین کی زیادہ کی ہوئی ہیں۔ اس چیز کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وگرنہ بعض اوقات حق باطل کے پس پردہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ دینی فریضہ ہے کہ تو باطل کے ان حجابات کو تار تار کر دے تا کہ تو نورِ حق سے مستفید ہو سکے۔

اختتام میں میری خواہش ہے کہ ایک مضبوط علمی تحریک منظم کی جائے جو تصوف پر تحقیق کرے اور اس کی کتب کی اشاعت کا بندوبست کرے بلکہ تصوف میں شامل ہونے والے ناپسندیدہ خرافات واقوال اور سیہ کاریوں سے تصوف کو پاک کر دے تا کہ ہم باطل کو پہچان کر اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں تا کہ ایک دفعہ پھر حق چار دانگِ عالم میں عام ہو جائے۔

اے نوجوانانِ اسلام! تصوف تمہاری تاریخ اور اخلاق کا ایک اہم حصہ ہے جس کو تم طویل عرصے سے ضائع کر رہے ہو۔ ماضی میں تصوف کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی گئی ہے وہ کافی ہے لیکن اب سستی کو چھوڑ کر تصوف کو اپنا لو کیونکہ یہ دواء بھی ہے اور غذا بھی۔ اللہ تعالیٰ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔

(۲۳): شیخ ابو الحسن ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب **"المسلمون فی الهند"** میں فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ لوگوں سے توحید، اخلاص، اتباعِ سنت، گناہوں سے توبہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حضور اطاعت پر بیعت لیا کرتے تھے اور لوگوں کو برائی، بدکاری، برے اخلاق، ظلم اور قساوت قلبی سے بچنے کی

تلقین کیا کرتے تھے۔ اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہونے کی رغبت دلاتے اور تکبر، حسد، بغض، ظلم حبِ جاہ جیسے برے اخلاق سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے۔ تزکیۂ نفس اور اس کی اصلاح کی ترغیب دلاتے اور لوگوں کو ذکرِ الٰہی، اخلاص، قناعت اور ایثار کا درس دیتے۔ مزید بر آں یہ بیعت شیخ اور مریدین کے درمیان مضبوط اور گہرے تعلق کی علامت گردانی جاتی ہے۔ یہ مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ہمیشہ وعظ و نصیحت کیا کرتے اور یہ کوشش کرتے کہ ان میں حبِ الٰہی اور اس کی رضا کا شوق اور نفس کی اصلاح کا جذبہ بھڑک اٹھے۔ پھر شیخ معاشرے میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اخلاق، اخلاص اور تعلیم و تربیت کی تاثیر کے بارے میں بیان فرماتے ہیں اور بعض مثالیں بیان کرتے ہیں جو اس تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مولوی سعید احمد المعروف سید احمد شہید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لوگوں کا ان کی طرف شدید رجحان تھا وہ جس شہر سے بھی گزرتے کثیر تعداد میں لوگ ان کے دست پر بیعت اور گناہوں سے توبہ کرتے آپ دو ماہ تک کلکتہ میں مقیم رہے۔ تقریباً ایک ہزار افراد روزانہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور بیعت کا یہ سلسلہ آدھی رات تک جاری رہتا۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ چھ سات عمامے باہم باندھ کر لوگوں میں پھیلا دیتے تھے تو لوگ ان عماموں کو پکڑ کر بیعت کرتے اور اس طرح وہ دن میں سترہ یا اٹھارہ دفعہ بیعت کا اہتمام کرتے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام حضرت علاؤ الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد کے آخری سالوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس دور میں شراب، فسق و فجور، جوا، بدکاری اور عشق اور دیگر منکرات میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ لوگ ان چیزوں کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے تھے بلکہ گناہ کبیرہ کو لوگ کفر کی مثل سمجھتے اور اعلانیہ طور پر سودی کاروبار اور ذخیرہ

اندوزی سے حیا کرتے حتیٰ کہ بازاروں میں جھوٹ، ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ کے واقعات نادر الوقوع ہو گئے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان صوفیاء ومشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تربیت نے مریدین میں باہمی تعاون اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کر دیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی وعظ ونصیحت اور تہذیب وتربیت کی وجہ سے لوگ شریعت پر سختی سے کاربند ہو گئے تھے حتیٰ کہ کلکتہ (جو کہ ہندوستان کا بہت بڑا شہر اور انگریزوں کا مرکز تھا) میں شراب کی تجارت ختم ہو گئی۔ شراب خانے اجڑ گئے اور شراب بیچنے والوں نے حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ ان کا کاروبار ٹھپ ہو گیا اور یہ ان مشائخِ عظام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور مصلحین کے اخلاق وعمل کا نتیجہ تھا کہ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ راہِ راست پر آ گئے۔ انہوں نے گناہوں، برائیوں اور خواہشاتِ نفسانی سے توبہ کر لی اور یہ کسی حکومت یا قانون کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اتنی کثیر تعداد میں مؤثر ہو اور انہیں راہِ راست پر لا سکے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "رجال الفکر والدعوة فی الاسلام" میں مشہور صوفی بزرگ حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس وعظ میں ستر ہزار آدمی ہوتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر پانچ ہزار سے زیادہ یہود ونصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر توبہ کی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عوام الناس کیلئے بیعت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا اور کثیر تعداد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیض سے مستفید ہوئی۔ ان لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہو گئیں اور سختی سے شریعت پر کاربند ہو گئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدین کی تربیت ونگرانی پر خصوصی توجہ فرماتے

تھے حتیٰ کہ یہ مریدین بیعت اور تجدیدِ ایمان کے بعد احکامِ شریعت پر کار بند رہنے کی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔ پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ جس مرید میں استقامت اور تربیتِ خلق کی اہلیت اور صلاحیت دیکھتے اسے بیعت کی اجازت دے دیتے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء دین کی نشر واشاعت کیلئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے جنہوں نے مخلوقِ خدا کی تربیت کی شرک وبدعات، جاہلیت اور منافقت کے خلاف جہاد کیا اور اس طرح دینِ اسلام کا پیغام دور دور تک پہنچا اور تمام عالمِ اسلام میں ان لوگوں نے مدارس وخانقاہیں قائم کیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء ومریدین اور دیگر مشائخ وصوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ جنہوں نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقۂ تبلیغ اپنایا روحِ اسلام، شعلہِ ایمان، جہاد اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ سر انجام دینے میں اہم کردار ادا کیا اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ اگر یہ روحانی شخصیات نہ ہوتیں تو وہ مادی قوتیں امتِ اسلامیہ کا کام تمام کر دیتیں جو مختلف حکومتوں کے بل بوتے پر کام کر رہی تھیں۔ ان مشائخِ عظام کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی مساعی جمیلہ سے ان دور دراز علاقوں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی جہاں اسلامی لشکر کو رسائی حاصل نہ ہو سکی اور انہی کی برکت سے افریقہ اور ملائشیا میں اسلام پھیل گیا۔

شیخ ابو الحسن ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "روائع اقبال" میں علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصوف، اہلِ تصوف اور ان کے ذریعہ سے ہندوستان میں دینِ اسلام کی تجدید کا ذکر کیا اور شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی شیخ ولی اللہ دہلوی اور سلطان محی الدین اورنگزیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی تعریف وتوصیف فرمائی۔ آپ

رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ میرا نظریہ یہی رہا ہے کہ اگر ان لوگوں کا وجود مسعود اور جہاد نہ ہوتا تو ہندوستان کی تہذیب و تمدن اور فلسفہ دینِ اسلام پر غالب آجاتا۔

(۲۵): صبری عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: استاذ صبری عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ مجلہ لواء الاسلام میں فرماتے ہیں کہ میں نے بذات خود سوڈان اریٹیریا حبشہ اور صومالیہ میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال کا مطالعہ کیا ہے ان علاقوں میں اہلِ تصوف کی مکمل قیادت سید میر غنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تھی اور خصوصًا ایریٹریا میں شرعی قاضی کی تقرری آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں تھی۔ اس میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا بلکہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ قاضی کے علاوہ خطیب اور مؤذن بھی خود ہی مقرر کرتے تھے شیخ طریقت ہونے کے سبب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حق حاصل تھا۔

در اصل صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں پچاس سال پہلے شیخ بکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک کتاب لکھی جس میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عیسائی مبلغین کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان مبلغین کا کہنا ہے کہ ہم ایشیا اور افریقہ کے جن دور دراز علاقوں میں گئے تو وہاں ہم نے پہلے سے ایک صوفی کو پایا جو ہم پر غالب آجاتا۔

کاش کہ آج کا مسلمان اہلِ تصوف کی روحانی اور مادی قوت کا ادراک کر لیتا انہی لوگوں کے لشکر دفاعِ اسلام کیلئے بر سرِ پیکار ہیں۔ میں نے خود حبشہ، سوڈان اور ایریٹیریا کی سڑکوں پر سویڈن کے عیسائی مبلغین کو دیکھا ہے جو عیسائیت کی اشاعت کیلئے وہاں بھیجے گئے تھے ان مبلغین کے قریب ہی میں نے کچھ خیمے دیکھے جن کو اہلِ تصوف نے نصب کیا تھا اور یہ لوگ چالیس سال تک ان عیسائی مبلغین کا مقابلہ کرتے رہے اس لئے میری یہ استدعا ہے کہ ہم ان تحریکوں کو ختم کرنے کیلئے باہم

تعاون کریں جو ہمیں دینی اور سیاسی طور پر نقصان پہنچا رہی ہیں۔ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے والے اپنی جہالت کی بناء پر اعتراض کرتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے عملی ہی ان کیلئے سب سے بڑی مصیبت ہے صرف صوفیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہی ایسا گروہ ہے جو نہ صرف مکمل طور پر احکام پر عمل پیرا ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عمل کی کوشش کرتے ہیں انہوں نے اپنے آپ پر لازمی قرار دیا ہے کہ وہ رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ عزیمت پر عمل کے ساتھ ساتھ رخصت کو اپنانا بھی پسند فرماتا ہے وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک کی بنیاد زہد پر ہے اور یہ بات جاننا ضروری ہے کہ زہد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے عمل سے ماخوذ ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے زندگی اور اسکی لذتوں میں زہد اختیار فرمایا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ساری زندگی میں نہ تو پتلی روٹی کھائی اور نہ ہی میز پر کھانا کھایا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ مبارکہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہے مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ حقیقی صوفی وہی ہے جو سختی سے کتاب وسنت پر کاربند رہے۔ انہوں نے اپنے اصولوں کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور ان کتب میں درج ذیل کتابیں مشہور و متداول ہیں۔

رسالہ قشیریہ، ابو القاسم قشیری۔ احیاء العلوم، امام غزالی۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم اصفھانی۔ کتاب قواعد التصوف، شیخ احمد ذروق۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وہ لوگ جو بعض علوم کا انکار کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ وہ خود ان علوم سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو طب وحکمت سے ہی بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرتا ہے جس طرح کہ علا اسلاکافی نے طب کا انکار کیا ہے۔

جب مصر میں صلیبی لشکر نے دمیاط پر حملہ کیا تو شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ امام عزالدین بن عبدالسلام اور ابو الفتاح ابن دقیق العید اور دوسرے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(۲۶): شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: علامہ شیخ محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجلہ لواء الاسلام میں تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں ظاہری طور پر تصوف تین حقائق پر مشتمل ہے۔

(۱): صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت اور تزکیۂ نفس پر توجہ دیتے ہیں اس ضمن میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو! اپنی نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرو کیونکہ یہ خواہشات ظاہری طور پُر لطف ہیں لیکن ان کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

(۲): اہلِ تصوف کو روحانی تعلق اور وجدانی کیفیت حاصل ہوتی ہے تصوف کی تعلیمات میں غور وفکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تابع اور متبوع پیر اور مرید کا متقاضی ہے اور اس چیز کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ وہاں کوئی توجہ دینے والی شخصیت اور وہ مرید باصفا جس پر توجہ دی جائے موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مرید کی طرف سے طلبِ صادق اور شیخ کی طرف سے روحانی راہنمائی کا متقاضی ہے۔

یہ تینوں ثابت شدہ حقائق قطع نظر اس کے کہ اسلام تائید کرتا ہے یا نہیں اس صورت حال میں کیا یہ ممکن ہے کہ تصوف کو تربیت واصلاح کا ذریعہ بنایا جائے یا اسے محض ضرر رساں سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔

تصوف کو محض ضرر رساں کہنا زیادتی ہو گی کیونکہ یہ بھی دوسری اشیاء کی طرح ایک حقیقت ہے کہ یہ فائدہ مند بھی ہو سکتا ہے اور ضرر رساں بھی ممدوح بھی ہو سکتا ہے اور مذموم بھی ارکانِ اسلام میں سے نماز کو ہی لے لیجیئے قرآن کریم میں اس کی مدح بھی بیان کی گئی ہے اور مذمت بھی۔ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی مدح وستائش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکوٰۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ (لقمان:۴)

ترجمہ: وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔

اور نماز میں سستی کرنے والوں کو فرماتا ہے:

”فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ۔“ (ماعون:۴)

ترجمہ: ”پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں۔“

اور یہی کیفیت تصوف کی ہے استاد فودی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں بھی تصوف کی خوبیاں اور آثار وبرکات واضح ہیں۔ مغربی وسطی اور جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کا وجود اہلِ تصوف کا مرہون منت ہے۔

شیخ سنوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کا ارادہ فرمایا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقہ کو اختیار کیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقۂ تربیت عجیب تھا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کچھ لوگوں کو مرید بنایا اور پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان

مریدوں کو مجاہدانہ زندگی گزارنے اور تربیت دینے کیلئے خانقاہیں تعمیر کیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خانقاہ مکہ شریف کے پہاڑ میں بنائی پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانقاہوں کا سلسلہ صحرا کی طرف پھیر دیا مختلف مقامات پر خانقاہیں قائم کیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مجاہدین کی مدد سے پانی نکال کر ان صحراؤں کو گل وگلزار بنا دیا۔ وہاں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو فنونِ حرب سکھائے جب سلطنتِ عثمانی لیبیا والوں کی مدد سے عاجز آ گئے تو ان مجاہدین نے اٹلی کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا انہی خانقاہوں کے مجاہدین بر سر پیکار رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اٹلی کی فوجوں کو ذلیل ورسوا کر دیا۔ اس طرح سلسلہ سنوسیہ کو نئی زندگی حاصل ہوئی۔

آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے کہ تم دنیا کی عظمت وشان سے دور بھاگو تو وہ تمہارے پیچھے آئے گی۔ پہلے دور میں مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے مریدین انتہائی مخلص ہوتے تھے بلکہ آج کل بھی بعض مخلص لوگ موجود ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ مخلص لوگ تصوف کی تعلیم کو عام کریں جس طرح پہلے لوگوں نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کل کے دور میں اصلاحِ معاشرہ اور اس کی تربیت کیلئے اس کی اشد ضرورت ہے۔

شیخ ابوزہرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے دور میں تصوف کی اتنی ضرورت نہیں تھی لیکن اس دور میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ایک ایسا شیخِ کامل ہونا چاہیئے جو نظامِ تصوف کو دوبارہ زندہ کرے کیونکہ ہمارے نوجوانوں پر نفسانی خواہشات غالب ہیں حتیٰ کہ ہر وقت ان کے دلوں پر یہ چیز چھائی رہتی ہے سینما، ریڈیو، ٹی وی اور گھٹیا قسم کے رسائل ان کی گمراہی کا سبب ہیں۔ ہر نوجوان ان چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ جب کسی قوم پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو جائے پھر وہاں نہ تو علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے وعظ وارشادات فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی مفکرین کی تحریریں حتیٰ کہ ارشاد

وہدایت کے تمام وسائل بے فائدہ ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کی اصلاح کیلئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں یعنی ہم اپنے نوجوانوں پر غلبہ اور کنٹرول حاصل کریں اور یہ غلبہ شیخِ طریقت اور مریدین کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ قریہ قریہ اور بستی بستی ان لوگوں کی تربیت کیلئے ایک شیخِ طریقت موجود ہو۔

بلکہ یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے مروی حدیث ہے جس کو امام دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شیخ اور مرید کے درمیان تعلق ہی ایسی چیز ہے جو تہذیب وتربیت کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''الموافقات'' میں فرماتے ہیں کہ استاد وشاگرد کے درمیان ایک روحانی تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے استاد کی فکر شاگرد میں منتقل ہو جاتی ہے اور اسی طرح وہ تمام معلومات شاگرد کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہیں جو اس کا استاد اسے مہیا کرتا ہے۔ ہمیں بھی ایسے شیوخ کی ضرورت ہے جو نوجوانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور انہیں ناجائز خواہشات سے روک کر محفوظ کر دیتے ہیں کچھ عرصہ پہلے ایک شخص نوجوان طبقہ کی طرف متوجہ ہوا تھا اور اس نے ان کی تربیت کیلئے وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو ایک شیخ اپنے مرید کے ساتھ کرتا ہے اور اسے کافی حد تک کامیابی ہوئی تھی لیکن اس کے سیاست میں مشغول ہونے کی وجہ سے تمام نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کو ان برائیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک ضروری ہے کہ ہم صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ میری نگاہ میں اس سے موئثر کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ تصوف دوسرے امور کی طرح ہے کچھ برے لوگ اس میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر اس کو ان لوگوں سے پاک کر کے خالصۃً روحانی مقصد کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ آج کل کا مسلم نوجوان مختلف نفسانی خواہشات کا اسیر ہو گیا ہے جنہوں نے اس کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا ہے اور اس کو دوبارہ صراطِ مستقیم پر لانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا جائے اور یہ کام ایک شیخِ کامل ہی کر سکتا ہے۔ اگر نوجوان نسل کو تصوف کی طرف مائل کر دیا جائے اور ان کی اصلاح کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن کیا جائے تو یہ تصوف کی بہت بڑی کامیابی اور افضل ترین عمل ہے۔

باب ششم

مستحبات کی اہمیت

وَلَاتَکُونُوا کَالَّذِینَ نَسُوا اللّٰہَ فَأَنْسَاھُمْ أَنْفُسَھُمْ أُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُونَ (الحشر ۱۹)

ترجمہ: ”(اے مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی (یعنی عمل بالاحکام کو ترک کر دیا اس طرح کہ اوامر کے خلاف کیا اور نواہی کا ارتکاب کیا، سو اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا (یعنی ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفعِ حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے)۔

ضروری تمہیدی باتیں: یہ ایک مختصر سی آیت ہے سورۂ حشر کے اخیر کی، اس کے اندر دوسری آیتوں کی طرح ایک نہایت ضروری مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مستحبات کی اہمیت

قرآن پاک کا تو ہر ہر جزو ضروری ہے۔ اس میں غیر ضروری کوئی بات ہے ہی نہیں حتیٰ کہ جن آیات میں واجبات اور فرائض کا بھی ذکر نہیں، محض مستحبات ہی کا ذکر ہے ان کا مضمون بھی ضروری ہے گو آج کل مستحبات کو ضروری نہیں سمجھا جاتا، یہ صحیح ہے کہ عمل کے درجہ میں وہ واجبات اور فرائض کے برابر ضروری نہیں، مگر تعلیم ان کی بھی ضروری ہے، ایک تو اس لئے کہ جب لوگوں کو ان کا مستحب ہونا معلوم ہو گا تو کوئی ان کو ناجائز نہ سمجھے گا، یا فرض وواجب کے درجہ کا خیال نہ کرے گا یہ تو اصلاحِ اعتقاد کے لحاظ سے ضروری ہے۔ دوسرے اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کی برکات و ثمرات بے شمار ہیں جن کے معلوم نہ ہونے سے ان سے بے رغبتی رہتی ہے، اگر ان برکات و ثمرات کا علم ہو جائے جو ادنیٰ ادنیٰ مستحبات سے حاصل ہوتے ہیں تو آپ خود کہیں گے کہ افسوس ہم اب تک بڑے خسارے میں رہے کہ ایسے قیمتی جواہرات سے بے خبری رہی، یہ ضرورت، تکمیلِ عمل کے درجہ میں ہے۔

غرض مستحبات کا ذکر بھی قرآن پاک میں بے ضرورت نہیں، ان کا ذکر بھی ضروری اور بہت ضروری ہے، اگر محبت ہو تو اس کی قدر معلوم ہو کیونکہ عاشقِ صادق کا مزاج ہی جدا ہوتا ہے وہ تو محبوب کی خوشی کی ذرا ذرا سی بات کی تلاش میں رہتا ہے، اور جب معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب فلاں فلاں بات سے خوش ہوتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ میں یہ بھی کروں اور وہ بھی کروں، کوئی بھی بات اس کے خوش کرنے کی مجھ سے نہ رہ جائے، اگر ہم کو بھی یہی عاشقانہ مزاج نصیب ہو جائے تو اس وقت ان مستحبات کی قدر معلوم ہو، اور ان کے بیان کو خدا تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ

تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی شفقت سمجھیں کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کس تفصیل سے ان ساری باتوں کو بتلادیا جو اللہ تعالٰی کو خوش کرنے والی ہیں۔

مستحبات عشّاق کا سرمایۂ تسکین ہیں

اگر شریعت میں صرف ضروریات (فرائض وواجبات) ہی کا بیان ہوتا، مستحبات کا ذکر نہ ہوتا تو عشاق کو سخت بے چینی ہوتی کیونکہ عاشق، محض ضروریات پر اکتفا نہیں کرتا، ان کو تو وہ فرضِ منصبی سمجھتا ہے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ فرضِ منصبی کے علاوہ بھی میں کوئی ایسا کام کروں جس سے محبوب کی توجہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ ہو۔

ہمارا تعلق حق تعالٰی کے ساتھ ہمارے خیالِ فاسد میں محض قانونی رہ گیا ہے اس لئے ہم فرائض وواجبات کے علاوہ مستحبات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اگر ہمارا تعلق حق تعالٰی کے ساتھ محبت وجانثاری کا ہوتا تو فرائض وواجبات پر ہم کبھی قناعت نہ کرتے، بلکہ خود ہی مستحبات کی تلاش میں لگ جاتے اور جس بات کے متعلق بھی یہ معلوم ہوجاتا کہ حق تعالٰی کو یہ پسند ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو اس کی طرف شوق سے سبقت کرتے اور جس بات کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا کہ یہ حق تعالٰی کو ناپسند ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگتے اور اس کی یہ تحقیق نہ کرتے کہ یہ زیادہ ناپسند ہے یا کم، عاشق کو تو اتنا جان لیناہی کسی کام سے رکنے کے لئے کافی ہے کہ یہ محبوب کو ناپسند ہے، وہ اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ یہ کس درجہ کا ناپسند ہے، آیا ایسا ناپسند ہے کہ اس کی سزا ضرب اور حبس کی دی جاتی ہے، یا ایسا ناپسند ہے کہ محبوب کسی قدر کبیدہ خاطر ہوجاتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے، اس کے نزدیک تو یہ دونوں صورتیں برابر ہیں، عاشق تو اس کو بھی ہرگز گوارا نہیں کرسکتا کہ محبوب اس سے کچھ بھی کبیدہ خاطر یا بے رخ ہوجائے، چہ جائیکہ کبیدگی کے علاوہ ضرب وحبس بھی ہو تو اس کو بھلا کیوں گوارا کرنے لگا۔

ہمارے تو تعلق مع اللہ میں ضعف آ گیا ہے۔

اب ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی کام کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کر لیں گے اور بڑا ہوا تو چھوڑ دیں گے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ بہت ضعیف ہو گیا ہے گو پوری بے تعلقی بھی نہیں، کیونکہ یہ سوال بھی تعلق کی دلیل ہے۔ ان کو اتنا تعلق تو ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو زیادہ ناراض کرنا پسند نہیں کرتے، اگر اتنا بھی تعلق نہ ہوتا تو اس سوال ہی کی کیا ضرورت تھی؟ کہ بڑا ہے یا چھوٹا؟ معلوم ہوا کہ بڑے گناہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے مگر چونکہ زیادہ تعلق نہیں اس لئے تھوڑا سا ناراض کر دینا گوارا ہے۔ غرض یہی سوال کہ کیا یہ بڑا گناہ ہے، تعلق کی بھی دلیل ہے اور ضعفِ تعلق کی بھی۔ اس تقریر سے وہ لوگ خوش ہوئے ہوں گے جو گناہ کے متعلق بڑا چھوٹا ہونے کا سوال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق بھی ثابت ہو گیا، اور ایک درجہ میں خوش ہونے کی بات بھی ہے کیونکہ: بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے۔

نفس تعلق کافی نہیں، کمالِ تعلق مقصود ہے

مگر یہ بات بھی غور کرنے، سوچنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ نفسِ تعلق پر قناعت نہیں ہو سکتی، آخر ہم آپس میں جو ایک دوسرے سے تعلقات رکھتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی شخص نفسِ تعلق پر قناعت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہر درجہ تعلق کمال کے ساتھ مطلوب ہے، چنانچہ بیوی کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ایک نہایت ضعیف تعلق ہے جو صرف دو لفظوں (ایجاب و قبول) سے جڑ جاتا ہے اور ایک لفظ (طلاق) سے ٹوٹ جاتا ہے، مگر باوجود اس کے بیوی کے ساتھ نفسِ تعلق پر کوئی قناعت نہیں کرتا بلکہ ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی کو میرے ساتھ کمالِ تعلق ہو، اسی لئے محض ضروری حقوق

پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو خوش کرنے کے لئے قسم قسم کے زیور اور لباس تیار کرائے جاتے ہیں جو اس کا حقِ واجب نہیں محض اپنے مصالح کی وجہ سے ان کاموں کو کیا جاتا ہے تاکہ تعلق بڑھے اور مستحکم ہو۔ اگر شوہر بیوی کے ساتھ قانونی علاقہ رکھے اور ضروری حقوق سے زیادہ کچھ نہ کرے تو گو اس میں بھی نفسِ تعلق باقی رہ سکتا ہے مگر تعلق کا لطف باقی نہیں رہ سکتا بلکہ اس صورت میں قطع تعلق کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ تعلق کو بقاء جب ہی ہوتی ہے کہ اس کے استحکام کی تدبیر کی جائے، کیونکہ یہ تعلق نہایت ہی ضعیف ہے مگر باوجود اس ضعف کے اس کا منقطع ہو جانا ہر شخص کو ناگوار ہے، اگر کبھی منقطع ہو جاتا ہے تو کتنا رنج ہوتا ہے۔ اس انقطاع سے بچنے، تعلق کو باقی رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے کیسے کیسے اسباب اختیار کئے جاتے ہیں، پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہم کو ایک ضعیف تعلق میں تو نفسِ تعلق پر قناعت نہ ہو بلکہ اندیشۂ انقطاع سے اس کے استحکام کی فکر ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ نفسِ تعلق پر اکتفا گوارا؟ حالانکہ خدا تعالیٰ سے ہمارا ایسا قوی علاقہ ہے کہ اس کے برابر کوئی علاقہ ہو ہی نہیں سکتا، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے استحکام کی فکر ہم کو نہیں اور محض نفسِ تعلق کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ یہاں یہ خیال کیوں نہیں ہوتا کہ تعلق کا بقا استحکام پر موقوف ہے۔ نفسِ تعلق بقاء کے لئے کافی نہیں بلکہ اس میں زداں اور انقطاع کا خطرہ لگا ہوا ہے، کیا کوئی اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو اس کو علاقہ ہے وہ منقطع ہو جائے؟ ہرگز نہیں پھر اس کے استحکام کی کیوں نہیں فکر ہوتی؟

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن　　　صبر چوں داری زربّ ذوالجلال

اے وہ شخص کہ جس کو اپنی بیوی بچوں کو خوش رکھنے کی فکر سے کبھی بھی فراغت نہیں ہے، تجھے اپنے سب سے بڑے محسن پروردگار کی رضاجوئی سے کیسے فراغت حاصل ہے؟

اور فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں
صبر چوں داری ز نعم الماہدوں

تجھ کو اس حقیر دنیا کی سُدھار کی طرف سے تو پل بھر فرصت نہیں اور جس خدا نے کہ ساری نعمتیں فراہم فرمائیں اس کی رضاجوئی سے کیسی بے فکری ہے؟۔

آہ، ہم سے چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تو صبر ہو نہیں سکتا، مگر نہ معلوم خدا تعالیٰ سے کیسے صبر آگیا، ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے ساتھ ضعف تعلق ہم کو گوارا نہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ضعف تعلق ہونے پر ذرا جی نہیں دکھتا، گو حق تعالیٰ کے ساتھ نفس تعلق بھی ایک نعمت ہے مگر ضعف تعلق پر قناعت کر لینا بڑا ظلم ہے، یوں بعض لوگ تو بے تعلقی ہی پر راضی ہیں، مگر یہ کفار ہیں جن سے اس وقت خطاب نہیں۔

مستحبات کی ناقدری ضعف تعلق کی علامت ہے

اور بعض لوگ ضعفِ تعلق پر راضی ہیں، یہ ہم آج کل کے مسلمان ہیں، اسی کا یہ اثر ہے کہ آج کل ہم کو مستحبات کی قدر نہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بچپن میں میں بہت سی نوافل کا پابند تھا مگر منیۃ المصلی پڑھتے ہی جب معلوم ہوا کہ یہ تو مستحبات ہیں، جن کے نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں، اسی وقت نوافل کو چھوڑ دیا، اس وقت تو تنبہ نہ ہوا کہ میں کیا کر رہا ہوں، مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت بہت بری تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ضابطہ کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں

کہ بس ضروریات فرائض وواجبات کو بجالائیں اور ان کے علاوہ جو باتیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں ان کو چھوڑ دیں۔

شرعی مصلحت سے مستحب کا وقتی ترک الگ چیز ہے

یہ اور بات ہے کہ کسی وقت مستحب کو کسی مصلحت شرعی کی بنا پر ترک کر دیا جائے، مثلاً لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہ فعل واجب نہیں، یا سفر میں رفقاء کی رعایت سے نوافل وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ انتظار کی تکلیف سے پریشان نہ ہوں یا کسی امرِ ضروری میں حرج کا اندیشہ ہو یا کسی وقت تعب کی وجہ سے اپنی راحت کے سبب ترک کر دیا جائے، تو اس قسم کے ترک پر کوئی الزام نہیں۔ نیز حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا۔

کہ تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔

اور محض سستی سے بلاوجہ ترک کرنا اس سے حدیث میں پناہ آئی ہے:

اللھمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ العِجْزِ وَالْکَسْلِ۔

یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عجز اور سستی سے۔

یاد رکھئے طلبِ راحت کا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے امر فرمایا ہے اور اس کے لئے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مستحبات کے ترک کرنے اور تقلیلِ نوافل کی ترغیب بھی دی ہے بخلاف سستی کے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّمَ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طلبِ راحت اس وقت ہوا کرتی ہے کہ جب آدمی اپنی طاقت کے موافق کام کر چکا ہو، اور تعب و مشقت معلوم ہونے لگے، اس وقت حکم یہ ہے کہ طاقت سے زیادہ کام نہ کرے، جا کر

آرام کرے اور اگر اپنی طاقت وہمت کے موافق بھی کام نہ کرے، تھوڑا سا کام کر کے عمل کو چھوڑ دے، تو یہ سستی ہے، اور اس سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے پناہ مانگی ہے۔

تفسیر عزیزی میں ہے:

من تہاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تہاون بالسنۃ عقوب بحرمان الواجبات ومن تہاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تہاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ او کما قال۔

یعنی جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی۔۔۔یا جیسا آپ نے فرمایا۔

خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۶۴ پر ہے:

من ترک السنۃ بعذر فھو معذور ولو ترک بغیر عذر تہاوناً لا یقبل فرضہ ویسأل عن ترکھا۔

یعنی جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہوگا۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، مثلاً سنتوں کے بعد اجتماعی دعا نہ کرنا، اسی طرح جنازے کے بعد دعا نہ کرنا، اور میلاد شریف نہ منانا، اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ

وَسَلَّم کے نام مبارک کو سن کر انگوٹھے نہ چومنا، جتنے بھی معمولاتِ اہل سنت و جماعت ہیں، ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحبِ عصام نے فرمایا:

و استقباح ما جعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[947]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا کفر ہے، تو جن چیزوں کے مستحبات ہونے پر تمام علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بطریق اولیٰ کفر ہو گا۔[948]

ہم اہل سنت و جماعت وہابی بدمذہبوں کو مستحبات ترک کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے بلکہ مستحبات کو قبیح جاننے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں۔

مستحبات کی برکات:

خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ خدا تعالیٰ کے کلام کا ہر ہر جزو ضروری ہے، اور اسی سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں مستحبات کا بھی ذکر ہے، اور ان کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے، تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بے شمار ہیں۔

---

[947] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[948] (شرح الشفاء ج۳ ص ۱۶۰-۱۶۱، مطبوعہ دار لفکر بیروت)

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہو گا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت

چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہو گئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت

اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف

میں چھپا لیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کر دوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں" اس پر ارشاد ہوا: **اتذکرو لیلة اللبن**۔ کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو موئثر قرار دیا حالانکہ موئثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔

سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و برکات۔ احادیث میں ایسے بہت سے لوگوں کے واقعات آئے ہیں کہ جنکی ادنیٰ ادنیٰ فعل پر مغفرت ہو گئی۔

ایک فاحشہ عورت کی حکایت

چنانچہ ایک فاحشہ عورت کا واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس نے دوپہر کے وقت ایک کُتے کو دیکھا جو پیاس کے مارے زمین کی تری چاٹ رہا تھا، اس کو رحم آ گیا، پاس ہی ایک کنواں تھا مگر اس پر ڈول رسی نہ تھے کہ اس سے نکال کر پانی پلائے۔ اس نے اپنے دوپٹہ کو رسی بنایا اور چمڑے کے

موزے کو ڈول بنایا، اس طرح پانی نکال کر کتے کو پلایا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مغفرت اسی پر ہو گئی۔ واقعی سچ ہے کہ

رحمتِ حق بَہا، نہ می جوید رحمتِ حق بہانہ می جوید

"اللہ کی رحمت کسی قیمت کی طلب گار نہیں ہے، اللہ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے"۔

میرے دوستو! کسی عمل کو حقیر اور چھوٹا نہ سمجھو، نہ معلوم کون سا کام اللہ کو پسند آ جائے، آج کل اس مذاق کے بھی لوگ ہیں کہ رحمت کے واقعات سن کر عمل کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

حکایات وواقعات فی نفسہٖ بڑے مؤثر ہیں مگر تاثیر پذیری شرط ہے:

ان حکایات کی مثال بارش کی جیسی ہے اور یہی کیا جتنی بھی نصوص ہیں سب کی مثال یہی ہے۔ بارش فی نفسہٖ نہایت لطیف اور روح پرور ہے مگر اس کا اثر ہی محل کی قابلیت اور عدم قابلیت کے مناسب جدا جدا ہوتا ہے، عمدہ زمین ہے تو بارش سے اس میں پھول، پھُلواری اور عمدہ پھل پیدا ہوں گے اور اگر شور زمین ہے تو اس میں جتنی بارش ہو گی اتنے ہی کانٹے جھاڑ جھنکار پیدا ہوں گے، شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

باراں کہ درلطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

بارش کی طبعی لطافت میں کوئی اختلاف نہیں، باغ میں برستی ہے تو لالہ اگتا ہے اور کھاری زمین میں جھاڑ جھنکار۔

اسی طرح واقعاتِ رحمت سن کر مختلف المزاج لوگوں پر مختلف اثر ہوتے ہیں، جو لوگ مزاج کے علیل اور غیر سلیم الطبع ہیں، وہ تو سمجھتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ ذرا سے نقطہ پر بخش دیتے ہیں تو پھر

عمل صالح کی کیا ضرورت ہے، اور جو سلیم الطبع ہیں وہ واقعاتِ رحمت اور بیانِ رحمت کو سن کر پہلے سے زیادہ طاعت کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشآء

اِدھر سے ایسے گناہِ پیہم، اُدھر سے وہ دم بدم عنایت

بلکہ بعض اوقات توبدوں کو سزا کی معافی دینے پر اہلِ دل اس قدر شرمندہ ہوتے ہیں کہ کچھ سزا مل جاتی تو اتنے شرمندہ نہ ہوتے، سنگین جرم کو ویسے ہی معاف کر دینا گویا ان کو ذبح کر دینا ہے، مارے ندامت کے وہ زمین میں گڑ جاتے ہیں، جس پر گزرتی ہے وہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔

واقعہ اُحد کی مثال

اور جس نے اس حالت کو سمجھا ہو گا وہ اس آیت کی تفسیر کو بے تکلف سمجھ لے گا، فرماتے ہیں: فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران ۱۵۳) سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب تمہارے غم دینے رسول صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کو تاکہ اس پاداش و مصیبت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے، جس سے پھر تم مغموم نہ ہو۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے جب لشکر کی صف بندی فرمائی تو پچاس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پہاڑی کی ایک گھاٹی پر مقرر فرمادیا تاکہ قریش اس پہاڑی کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں اور ان کو ارشاد ہوا کہ تم یہاں سے بغیر میری اجازت نہ ہٹنا، خواہ ہمارے اوپر کچھ ہی حالت گزر جائے۔ اس انتظام کے بعد حضور صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم نے مسلمانوں کو حملہ کی اجازت دی۔ بفضلہٖ تعالیٰ تھوڑی سی دیر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی اور کافروں کو شکستِ فاش ہوئی۔ ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن حرب اس وقت لشکرِ کفار کے سردار تھے مع لشکر بھاگ پڑے اور جھنڈا جو ان کے ہاتھ میں تھا وہ بھی گر پڑا، مسلمان ان کے تعاقب میں دوڑے، اب ان پچاس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں (جن کو درہ کی حفاظت کے لئے بٹھایا تھا) اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے، اس لئے اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے جس غرض کے لئے ہم کو مقرر فرمایا تھا وہ غرض پوری ہوگئی، اس لئے اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں اور نہ یہاں سے ہٹنے میں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ارشاد کی مخالفت ہو گی، اور ہم نے جنگ میں اب تک کوئی حصہ نہیں لیا، ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیئے، ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مالِ غنیمت جمع کرنا چاہیئے، مگر بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے صاف فرمادیا تھا کہ بغیر میری اجازت کے یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا، اس لئے ہم کو ہرگز یہاں سے نہیں ہٹنا چاہیئے مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی، اب گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک ان کے افسر رہ گئے، خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے وہ کفار کے لشکر کی طرف تھے، اور یہ ہمیشہ سے مدبر اور جنگ آزمودہ تھے، انہوں نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے تاکہ اس گھاٹی کی خبر ان کو وقتاً فوقتاً پہنچاتے رہیں، چنانچہ اس وقت جبکہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے لشکر کے ساتھ بھاگے چلے جارہے تھے، ان کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ اب وہ مورچہ خالی ہے اور بجز دس آدمیوں کے وہاں کوئی نہیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھاگتے بھاگتے اپنا رخ پلٹا اور پانچ سو جوانوں کے ساتھ اس گھاٹی پر پہنچ گئے، وہ دس گیارہ صحابی جو وہاں باقی رہ گئے تھے، ان سے مقابل ہوئے اور تھوڑی دیر میں سب شہید

ہو گئے، پھر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے پیچھے سے آکر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر کفار کا باقی لشکر بھی ٹوٹ پڑا، اور مسلمان آگے پیچھے دونوں طرف سے نرغے میں آگئے اور جس خطرہ کے لئے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے گھاٹی کی حفاظت فرمائی تھی، اس خطرہ کا سامنا ہو گیا، چنانچہ ستر کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور شیطان کی اس جھوٹی آواز پر کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم قتل کر دیئے گئے ہیں (نعوذ باللہ) بہت سوں کے پیر اکھڑ گئے اور جنگ کا نقشہ ہی بالکل پلٹ گیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مسلمانوں کو شکست نہ ہوئی، کیونکہ شکست کے معنٰی یہ ہیں کہ لشکر مع سردار بھاگ جائے اور یہاں ایسا نہیں ہوا، سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم مع چند جانثاروں کے میدان میں برابر جمے رہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کبھی نہیں بھاگے، تھوڑی دیر کے بعد حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پکاریں، چنانچہ ایک آواز پر فوراً سب مسلمان میدان میں جمع ہو گئے۔

خدا تعالیٰ نے اس واقعہ میں مسلمانوں پر مصیبت آنے کا سبب ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی غلطی کو قرار فرمایا جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی اجازت کے بغیر گھاٹی سے ہٹ گئے تھے، چنانچہ ارشاد ہوا:

وَعَصَیۡتُمۡ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ۔ (آل عمران ۱۵۲)

ترجمہ: اور تم (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے) کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات (آنکھوں سے) دکھلا دی تھی۔

اس کے بعد بطور عتاب فرمایا:

فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ۔ (اٰلِ عمران:۱۵۳)

ترجمہ: ’’سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب (تمہارے) غم دینے (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو) تاکہ (اس پاداش سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے جس سے پھر) تم مغموم نہ ہوا کرو، اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔‘‘

اس کے بعد اس انتقام کی حکمت ارشاد فرمائی:

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ۔ (اٰلِ عمران:۱۵۳)

ترجمہ: ’’تاکہ تم کو انتقام لے لینے کے بعد اس پر زیادہ رنج و غم نہ ہو جو تم سے فوت ہو گئی تھی۔‘‘

یہ بات اس پر چلی تھی کہ بعض شریف طبیعتوں پر انتقام نہ لینے سے ندامت زیادہ غالب ہوتی ہے اور انتقام لے لینے سے ندامت کم ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر ارشاد ہے کہ ’’’ہم نے تم کو تھوڑی سی مصیبت اس لئے دی تاکہ بغیر سزا کے معافی دے دینے سے تم پر ندامت اور رنج کا اثر زیادہ نہ ہو۔‘‘ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے عاشق جانثار تھے، اگر ان کی خطا بغیر کسی انتقام کے معاف کر دی جاتی تو عمر بھر مارے ندامت کے آنکھ نہ اٹھا سکتے، تھوڑی سی مصیبت میں مبتلا کر دیا تاکہ رنج نہ ہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ سزا ہمیشہ رنج دینے کے لئے ہی ہوتی ہے، بلکہ بعض دفعہ رنج ہلکا کرنے کے لئے بھی دی جاتی ہے۔

واقعاتِ رحمت سن کر دلیری، سقیم المزاج ہونے کی علامت ہے

یہ بات اس پر چلی تھی کہ بعض لوگ واقعاتِ رحمت سن کر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، بلکہ اور دلیر ہو جاتے ہیں تو اب بتلایئے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ خطا کر کے بغیر سزا کے اسے چین ہی نہ آئے، وہ واقعاتِ رحمت سن کر گناہوں پر دلیر ہو گا؟ یا غیرت سے زمین میں گڑ جائے گا؟ یقیناً جو

لوگ صحیح المزاج ہیں اور جن کو خدا تعالیٰ سے محبت کا تعلق ہے، وہ تو واقعاتِ رحمت سن کر پہلے سے زیادہ طاعت پر گریں گے، وہ غلام نہایت درجے کا کمین اور بدتر ہے کہ جس کی خطا بدوں سزا کے معاف کر دی جائے اور پھر وہ ناز کرنے لگے یا نافرمانی پر دلیر ہو جائے اور شریف ہے وہ شخص جو آقا کی اس عنایت کو دیکھ کر عمر بھر کے لئے گڑ جائے، اسی لئے کہا گیا کہ جو لوگ واقعاتِ رحمت سن کر عمل میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں وہ سقیم المزاج ہیں۔ ان کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ عرصہ تک اہل محبت کی صحبت اختیار کی جائے پھر ان پر مستحبات کے برکات و منافع سن کر الٹا اثر نہ ہو گا اور بجائے غلط فائدہ اٹھانے کے صحیح فوائد ان مستحبات کی بدولت حاصل کر سکیں گے اور عمر بھر کا گرد دُھل جائے گا تو یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو مستحبات کی تعلیم فرمائی۔

نفسِ موضوع کی طرف رجوع

اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ قرآنِ پاک کا ہر جزو ضروری ہے اور مستحبات بھی تعلیم کے درجہ میں نہایت ضروری ہیں اور باعتبار ثمرات کے عمل میں بھی ایک گونہ ضروری ہیں، پس یہ دعویٰ صحیح ہے کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ارشادات کا ہر ہر جزو ضروری ہے، اور یہ بھی کہنا صحیح ہو گیا کہ اس آیت میں مثل دوسری آیات کے ایک نہایت ضروری مضمون ہے جس میں حق تعالیٰ نے ہماری بدحالی کا ایک نہایت سہل علاج بیان فرمایا ہے، اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ بدحال ضرور ہیں، کوئی شخص بھی اس سے بری نہیں، مگر اتنا فرق ہے کہ کسی کی تباہی کم ہے اور کسی کی زیادہ، باقی بدحالی میں سب مبتلا ہیں، الا ماشاءاللہ۔

پریشان وہی ہیں جو کم درجہ کے بدحال ہیں

اور جن کی بدحالی کم ہے وہ بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ پریشان ہیں جن کی تباہی وبدحالی زیادہ ہے۔اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس مضمون کی ضرورت صرف ان ہی لوگوں کو ہے جو زیادہ تباہ حال ہیں اور جو کم تباہ حال ہیں ان کو ضرورت نہیں، یا کم ضرورت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ جن کی تباہ حالی کم ہے ان کو اس سے زیادہ ضرورت ہے کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ پریشان ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جن پر قرض بہت زیادہ ہو جاتا ہے بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ بے فکر رہتے ہیں جن پر قرض تھوڑا سا ہوتا ہے کیونکہ ان کو تو قرض لیتے لیتے ایک قسم کی عادت پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو اس کے بار کا احساس ہی نہیں رہتا، اور جس کو قرض لینے کی عادت نہ ہو، اگر اس کے ذمے تھوڑا سا بھی قرض ہو جائے اور جس کے ادا ہونے کی توقع بھی ہو تو وہ زیادہ پریشان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس کو رات بھر نیند نہیں آتی، یہ بے چارہ ان لوگوں کی حالت پر تعجب کرتا ہے جو ہزاروں کے مقروض ہو کر بھی رات کو چین سے سو جاتے ہیں۔

مصیبت کی فکر اسی کو ہوتی ہے جس کو اس کے ازالہ کی امید ہو

راز اس میں یہ ہے کہ مصیبت کی فکر اسی وقت ہوتی ہے جب تک اس کے زوال کی امید ہو، اور جب زوال کی امید ختم ہو جائے تو پھر فکر بھی نہیں رہتی، بلکہ وہ طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، جیسے دائمی مرض طبیعتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ گناہ کم کرتے ہیں وہ زیادہ مغموم و پریشان رہتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں وہ زیادہ پریشان نہیں رہتے کیونکہ وہ تو ایک قسم کے بے حس ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات انسان کثرت گناہ کے سبب مایوس ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اب میری معافی تو ہو ہی نہیں سکتی پھر لذت میں بھی کیوں کمی کروں؟ اب وہ دل کھول کر گناہ کرتا ہے حتیٰ کہ جب

مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس وقت بھی توبہ و استغفار نہیں کرتا، اگر اس سے اس وقت توبہ و استغفار کو کہا جائے تو صاف انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اتنے گناہوں کو ایک توبہ کیا کام دے گی؟ چنانچہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ایک شخص کو مرتے وقت جب کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ایک کلمہ سے کیا ہو گا؟ میرے تو اس قدر گناہ ہیں کہ ان کو ہزار کلمے بھی نہیں دھو سکتے، یہ مایوسی ہی تو تھی جس نے اس کو کلمہ سے باز رکھا اور خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے، تو بعض دفعہ گناہ کی کثرت انسان کو مایوس بنا کر کفر تک پہنچا دیتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

بعض دفعہ طاعات بھی برا اثر پیدا کر جاتی ہیں

اور کثرتِ گناہ میں تو یہ اثر ہے ہی، مگر آپ حیرت کریں گے کہ بعض اوقات طاعات میں بھی یہی اثر پیدا ہو جاتا ہے، یہ بات کسی اور کے ذہن میں نہیں آسکتی تھی مگر قربان جایئے اس معلّم اُمّی صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے کہ جن کو خدا ہی نے سکھلایا پڑھایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

علمنی ربی احسن تعلیمی۔ (میرے رب نے مجھے بہترین تعلیم دی)،

و ادّبنی ربّی فاحسن تادیبی۔ (اور مجھ کو میرے ربّ نے بہترین ادب سکھایا)۔

جب آپ صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تعلیمِ الٰہی سے اس طرح مشرف ہوں تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی نظر جتنی دور بھی پہنچے کم ہے۔ دیکھئے! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی دور رس نگاہ کتنی دور پہنچی کہ بعض مرتبہ اعمالِ خیر پر بھی برا اثر مرتب ہو جاتا ہے۔

طاعات کی بھی ایک حد ہوتی ہے

بظاہر تو یہی بات سمجھ آتی ہے کہ طاعت جتنی بھی ہو اچھی ہے، طاعت کے لئے کوئی حد نہیں ہونی چاہیئے، مگر حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس راز کو بخوبی سمجھایا کہ طاعت کے لئے بھی ایک حد ہے اور اسی حد تک وہ محدود رہے اس سے آگے بڑھنا اچھا نہیں، بلکہ برا اثر پیدا ہوتا ہے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے مریض کی دوا کرنا اچھا ہے لیکن دوا کرنے کی بھی ایک حد ہے، اگر کوئی مقدار ضرورت سے زیادہ دوا کھائے گا تو اس پر نتیجہ بُرا مرتب ہوگا۔یہی حال طاعات کا ہے کہ ان کے لئے بھی ایک حد ہے، گو وہ فی نفسہٖ اچھی چیزیں ہیں، مگر جو روحانی اطباء ہیں جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کے متبعین، انہوں نے بتلا دیا کہ طاعات بھی دوا کی طرح ہیں، جیسے ہر دوا کے لئے ایک مقدار مقرر ہے کہ اس سے زائد نقصان دہ ہے۔ایسے ہی طاعات کے لئے بھی درجات متعین ہیں کہ اس حد تک مفید اور اس سے زائد مضر، چنانچہ خوفِ الٰہی ایک بڑی طاعت ہے جس کے اختیار کرنے کا جابجا نصوص میں حکم ہے، مگر حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کی بھی ایک حد بیان فرمادی۔چنانچہ ایک دعاء یوں فرمائی:

اللھمّ انّا نسئلُک من خشیتک مَاتَحُولُ بہٖ بَینَنَا وَبینَ معاصیک۔

”اے اللہ میں تیرا صرف اتنا خوف طلب کرتا ہوں جو مجھ میں اور گناہوں میں حائل ہو جائے۔“اس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے بتلادیا کہ خوف طبعی کا ہر درجہ مطلوب نہیں بلکہ صرف اسی قدر مطلوب ہے کہ خدا کی نافرمانی سے روک دے۔

طاعات میں حد مقرر فرمانے کی مصلحت

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خوفِ طبعی کا زیادہ بڑھ جانا مضر ہے، ایسے شخص کی ہر وقت حق تعالیٰ کے قہر ہی پر نظر رہتی ہے، وہ کسی عملِ بد کو قابل معافی نہیں سمجھتا اور عظمتِ الٰہی کے سامنے اس کو اپنا کوئی عمل قابل قبول نظر نہیں آتا جس سے اس کو نجات کی توقع نہیں رہتی، نتیجہ یہ کہ ایسا شخص رحمتِ حق سے مایوس ہو جائے گا اور مایوسی کفر ہے تو کیا ٹھکانہ ہے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس رازدانی کا؟ بھلا کون شخص اس کو تجویز کر سکتا ہے کہ کثرتِ طاعت بھی مضر ہو سکتی ہے مگر قربان جایئے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے اس کو سمجھایا کہ بعض دفعہ غلبۂ خوف سببِ یاس ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (یوسف:۸۷)

”بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔“

اسی لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خوف کے سوال میں یہ قید لگادی:

مَا تَحُولُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ معاصيك (جو میرے اور میرے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے)۔

حکماء قدیم (فلاسفہ) نے انبیائی علوم کی تصدیق کی ہے مگر اپنے لئے قبول نہیں کیا

یہی تو ہیں وہ علوم اور حقائق جن کو دیکھ کر حکماء بھی دنگ رہ جاتے تھے، اسی لئے انہوں نے اپنی کتابوں میں نبوّت کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض افراد ایسے ہو سکتے ہیں جن پر بلاواسطہ مبداءِ فیاض کی طرف سے علوم کا فیضان ہو، اسی وجہ سے کسی حکیم نے اپنے زمانے کے نبی علیہ السلام کی نبوّت کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم و معارف دیکھ کر کہا کرتے تھے

کہ اتنا بڑا علم کسی ریاضت و تعلیم سے ہر گز حاصل نہیں ہو سکتا مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی غلطی کی کہ کہتے تھے کہ یہ نبی تو بے شک ہیں، لیکن ہمارے لئے نہیں، صرف اُمّی جاہلوں کے واسطے ہیں، ہم کو ان کے اتباع کی کوئی ضرورت نہیں ہم نے تو اپنے نفوس کو علوم اور ریاضات سے مہذب بنالیا ہے، ہم نے تو اپنے نفوس کی خود اصلاح کر لی ہے، ہم کو کسی مصلح کی ضرورت نہیں، اور بقول بعض مفسرین اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ایسے ہی حکماء کے بارے میں وارد ہے:

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (مؤمن ۸۳)

ترجمہ: غرض جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی اور واضح دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے اس علم پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا (یعنی معاش کو مقصود سمجھ کر اور اس میں جو ان کو لیاقت حاصل تھی اس پر خوش ہوئے اور معاد یعنی آخرت کا انکار کر کے اس کی طلب کو دیوانگی اور اس کے انکار پر وعیدِ عذابی کو مایہ تمسخر ٹھہرایا) اور (اس کے وبال میں) ان پر وہ عذاب پڑا جس کے ساتھ وہ تمسخر کرتے تھے۔

ان کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے بعض یہودی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نبوت کو تسلیم کر کے یہ کہتے تھے کہ آپ (صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم) نبی تو ہیں مگر صرف اہلِ عرب کے لئے، ہمارے لئے نہیں، کیونکہ ہم خود صاحبِ کتاب ہیں اور وہ کتاب ہمارے لئے مؤید ہے۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب تمہارے نزدیک محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نبی ہیں اور نبی کے لئے صادق ہونا ضروری ہے، تو وہی نبی یہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”میں تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور سب پر میری اتباع لازم ہے، میری اتباع کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہو سکتی۔“ پھر تم ان کے اس قول کو کیوں نہیں تسلیم کرتے حالانکہ جب یہ

تسلیم ہے کہ نبی کی کوئی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی تو لا محالہ اس بات میں بھی سچا ماننا پڑے گا کہ میں تمام عالم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور اس کا سچا ماننا تمہارے اس قول کے عدمِ صحت کو مستلزم ہے کہ وہ خاص اہلِ عرب کے رسول ہیں، ہمارے واسطے نہیں۔

تو جس طرح یہود نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو خاص اہلِ عرب کا رسول کہا تھا، اسی طرح حکماء بھی انبیاء علیہم السلام کے علوم کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں خاص عوام کے لئے نبی کہتے تھے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم عالیہ کی وجہ سے نبوت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی حقیقت کو تسلیم کر کے اپنی کتابوں میں علم النوامیس کے عنوان سے اس کو ذکر کیا۔

آج کل کے نام نہاد حکماء در اصل حکماء نہیں

وہ آج کل کے حکماء کی طرح نہیں تھے کہ جو سرے سے نبوت کی حقیقت ہی کا انکار کرتے ہیں، در حقیقت یہ حکماء، حکماء ہی نہیں بلکہ واقع میں یہ لوگ صنّاع ہیں کہ عجیب و غریب صنعتوں کے موجد ہیں، ہر چند کہ صنعت بھی مفید چیز اور نہایت کار آمد شے ہے مگر صرف اسی وقت تک جب تک کہ غیر محل میں استعمال نہ کی جائے، مگر اس سے آدمی حکیم تو نہیں بن سکتا، حکمت تو علومِ معانی سے حاصل ہوتی ہے اور حکماء عصر کے پاس معانی کا نام بھی نہیں، اس لئے وہ انبیاء علیہم السلام کے علوم کی قدر نہیں جان سکتے اور یہی وجہ ہے ان کے انکارِ نبوت کی۔

اصل مضمون کی طرف رجوع

یہ بات اس پر چلی تھی کہ بعض دفعہ اعمالِ خیر پر بھی برا اثر مرتب ہو جاتا ہے جس کو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ظاہر فرمایا ہے اور یہ بات اس پر شروع ہوئی تھی کہ بعض دفعہ زیادہ گناہوں کی وجہ سے انسان کو مایوسی ہو جاتی ہے تو وہ دل کھول کر گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے، اب

اس کو گناہوں سے زیادہ پریشانی نہیں ہوتی اور جس نے تھوڑے گناہ کئے ہیں وہ رحمت و مغفرت سے مایوس نہیں ہوتا بلکہ اس کو امید رہتی ہے اور اسی امید کی وجہ سے معاصی سے بچنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اسی لئے کہا تھا کہ جو لوگ کم تباہ حال ہیں ان کو اس مضمون کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ زیادہ پریشان ہیں، عام طور پر تو یہی خیال ہوتا ہے کہ کثرت سے گناہ کرنے والوں کو زیادہ پریشانی ہوتی ہے مگر واقع میں اس کا عکس ہے کہ تھوڑے گناہ کرنے والے زیادہ پریشان ہیں اور زیادہ کرنے والے کم۔

معصیّت میں خواص کا حال

اور ان میں سے بھی جو خاص لوگ ہیں ان کی تو یہ حالت ہے۔

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود　　　گرز باغِ دل خلالے کم بود

سالک کے دل کے باغ میں سے اگر ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے تو اس کے دل پر ہزاروں غم سوار ہو جاتے ہیں۔

یعنی گناہ تو گناہ، اگر اس کی قلبی حالت میں ذرا سا بھی تغیر ہو جاتا ہے تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی کامل محقق مل گیا تو اس کی تسلّی سے سنبھل جاتا ہے ورنہ بعض دفعہ ہلاکت تک کی نوبت آجاتی ہے۔

حالتِ قبض بھی نافع ہے

گو قبض سے پریشانی کا ہونا تو طبعی اور لازمی امر ہے مگر شیخِ کامل کی تسلی کے بعد بھی عقلاً پریشان رہنا یہ بُرا ہے، یہ تسلی ان منافع اور مصالح پر ہوتی ہے جو اکثر قبض پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ قبض کا باقی رہنا نہ جائے تعجب ہے اور نہ منافی کمال۔

ہم اور آپ تو کیا چیز ہیں خود حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر جب اوّل بار وحی نازل ہوئی تو پہلے دن ثِقلِ وحی سے یا خوف و عظمتِ الٰہی سے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم پر لرزہ طاری ہو گیا، گھبر ائے ہوئے غارِ حرا سے دولت کدہ پر تشریف لائے اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے، سکون کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو توریت وانجیل کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے وحی کا قصہ سن کر آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو نبوت کی بشارت دی اور کہا کہ افسوس ایک دن آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی قوم آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو مکہ سے نکالے گی، اگر میں زندہ رہا تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی پوری پوری مدد کروں گا، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اس وقت آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اس قدر پریشان ہوئے کہ بعض دفعہ پہاڑ پر چڑھ کر ارادہ کرتے کہ یہاں سے گر کر اپنے آپ کو ہلاک کر دوں، یہ کیا تھا؟ یہ قبض ہی تو تھا جس کی وجہ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی یہ حالت ہو جاتی تھی، نیز حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اس حالت سے قبض کی سند ملتی ہے کہ یہ کوئی خلافِ شرع کیفیت نہ تھی ورنہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پر کیوں طاری ہوتی۔

یہ اشتقاقِ وحی ہی تو تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم بے چین ہو گئے تھے، اس بے چینی کی حالت میں جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی تسلی فرماتے کہ اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اس امت کے نبی ہیں۔ اللہ تعالٰی نے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو رسول بنایا ہے، آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسلَّم گھبرائیے نہیں، تو جب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی یہ حالت تھی تو دوسرا

کون ہے جو قبض پر خوش ہو اور ذرا بھی پریشان نہ ہو، البتہ اس کے منافع و مصالح کے استحضار سے قلب کو ایک گونہ شگفتگی حاصل ہو جاتی ہے، پھر ان مصالح کا علم کبھی تو اجمالی ہوتا ہے جیسا کہ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رد　　　　آن صلاح تست آئیش دل مشو

اے سالک جب تجھے قبض پیش آئے تو تو اس سے دل گرفتہ نہ ہو، کیونکہ یہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے۔

اس شعر سے اجمالاً معلوم ہو گیا کہ قبض میں بھی مصالح ہوتے ہیں اور یہ کوئی بُری حالت نہیں جس سے سالک (جو راہ سلوک طے کر رہا ہے) اپنے آپ کو مردود سمجھنے لگے۔

آگے فرماتے ہیں:

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں　　　　تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

جب قبض (کی حالت) پیش آئے اس میں بسط (ذوق و شوق کی کیفیت) کو ملاحظہ کرو اور خوش و خرم رہو، پیشانی پر بل نہ ڈالو۔

اس میں بتا دیا کہ حالتِ قبض کے بعد حالتِ بسط (ذوق و شوق کی کیفیت) بہت قوی ہوتی ہے۔ اس شعر میں لفظ "در" ایسا ہے جیسا کہ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ میں لفظ مع بھی بعد ہے (یعنی جیسے ہر مشکل کے بعد آسانی ہے ایسے ہی ہر قبض کے بعد بسط بھی ہے تو) مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کا خیال کر کے شاداں و فرحاں رہو کہ اس کے بعد کسی وقت بسط کی کیفیت بھی طاری ہو گی! یہ تو اجمالی مصلحتوں کا ذکر تھا اور کبھی بعض مصلحتوں کا علم تفصیلی بھی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سالک کی پوری تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً کبھی قبض میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ بعض اوقات سالک پر بسط و انشراح کی حالت میں کسی جدید وارد کے عطا ہونے سے ایک ناز کی سی کیفیت پیدا

ہو جاتی ہے، جس سے یہ اپنے آپ کو بڑا عابد و زاہد سمجھنے لگتا ہے۔ اس وقت اگر حق تعالیٰ اس کی دستگیری نہ فرمائیں تو یہ کبر و عجب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جائے، اس وقت حق تعالیٰ اس کی دستگیری کی مختلف صورتیں پیدا فرما دیتے ہیں۔

بعض دفعہ قبض طاری فرما کر ذوق و شوق کی کیفیت کو سلب فرما لیتے ہیں اور بعض دفعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا اس کو سنبھالنے کی خاطر ذوق و شوق کی کیفیت کو سلب فرما لیتے ہیں تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو، اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بجائے ناز و انداز کے اپنے آپ کو یوں خیال کرتا ہے کہ میں ساری دنیا سے ذلیل ہوں، اس وقت سچ مچ اس کو اپنے سے زیادہ ذلیل و حقیر کوئی نظر نہیں آتا، اور سلوک و تصوف کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے آپ کو کمتر جانے۔

اہل اللہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے سلوک سے گزرنا ضروری ہے

یہ بات کسی کی سمجھ میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ وہ خود ایسا نہ بن جائے اور نہ ہی اس وقت تک اہل دل کا کلام سمجھ میں آسکتا ہے:

پرسید یکے کہ عاشقی چیست — گفتم کہ چو ما شوی بدانی

کسی نے مجھ سے پوچھا کہ عشق کی کیا حقیقت ہے تو میں نے اس سے کہا کہ جب تم ہمارے جیسے ہو جاؤ گے تو تم خود عشق کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عارف اس وقت تک عارف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے، اگر کسی پر یہ حالت نہ گزری ہو اور اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس کلام کو انجام ہی کے اعتبار سے سمجھ لے، نہ معلوم میرا انجام کیا ہو گا، ممکن ہے کہ کافر فرنگ کا انجام مجھ سے اچھا ہو، اپنے دل کو یہی سمجھانا چاہیئے کہ انجام معلوم ہونے سے پہلے مجھے کیا

حق ہے کہ اپنے کو کسی سے افضل اور اچھا سمجھوں اور دوسرے کو حقیر۔ گو سب سے بدتر ہونا بھی یقینی نہیں مگر احتمال تو ہے اور احتمال کی بناء پر اپنے آپ کو افضل خیال کرنا کون سی عقل کی بات ہے اس لئے اپنے آپ کو سب سے بُرا ہی سمجھنا چاہیئے، ہاں البتہ یاس کا درجہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ کفر ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ خوار ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حق تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو (کیونکہ بعض دفعہ) شراب میں مست رہنے والے رند لوگ اچانک ایک نعرے سے منزل پر پہنچ گئے۔

قبض کی حکمتیں

غرض کہ جب بسط میں غلبہ وارادت سے ناز کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے، اس وقت حق تعالیٰ اس پر قبض کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے اندر عبدیت کے آثار مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھے، تو یہ اس کے حق میں کتنی بڑی رحمت ہے کہ یہ ذریعہ بن گیا ایک عظیم نعمت کے حصول کا، اگر قبض کی کیفیت طاری نہ کی جاتی تو بسط میں یہ تباہ ہو جاتا۔

اس کے علاوہ قبض میں ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ سالک کے لئے انوار بعض دفعہ حجاب بن جاتے ہیں، ذکر اللہ کے وقت جو اس پر تجلیات وانوار کا انکشاف ہوتا ہے یہ اسی کی سیر میں مشغول ہو کر اصل مقصد سے رہ جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود توجہ الی الحق ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ حجاب دو قسم کے ہیں، ایک ظلمانی، دوسرا نورانی۔ حجاب ظلمانی تو وساوس وخطرات ہیں جو ذکر کے وقت دنیاوی امور کے متعلق قلب میں آیا کرتے ہیں، ان پر توجہ کرنا ظاہر ہے کہ مضر ہے، اور حجابِ نورانی یہ ہے کہ عالمِ ملکوت کے انوار و تجلیات مکشوف

ہوں، اور چونکہ وہ بھی ایک عالم ہے جو کہ غیر خدا ہے اس لئے اس کی کیفیات پر بھی توجہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں غیرِ حق کی طرف توجہ لازم آتی ہے جو قابلِ ترک ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ حجابِ نورانی حجابِ ظلمانی سے اشد ہے، کیونکہ اس میں بوجہ نورانیت کے زیادہ مشغولیت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اس پر اس وقت تک نئی نئی چیزوں کا مشاہدہ ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر سالک اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ ابھی تک غیر حق کے ساتھ مشغول اور الجھا ہوا ہے، اور وہ انوار و تجلیات اس کے لئے حق کی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، نیز سالک کو ان میں ایک قسم کی لذت بھی محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر وہ کسی وقت محجوب ہو جائیں تو اس کو بڑا رنج ہوتا ہے، اس وقت حق تعالیٰ قبض طاری کر کے ان انوار و تجلیات کو سلب فرمالیتا ہے تاکہ سالک غیر حق سے ہٹ کر اصل مقصود یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس میں بندہ کے لئے بڑی بڑی مصلحتیں ہوتی ہیں اگر یہ نہ ہو تو سالک اصل مقصود سے رہ جائے سو اگر کسی ذاکر و شاغل کو کسی وقت ایسی حالت پیش آجائے تو اس وقت گھبرانا نہ چاہیئے، بلکہ اس کو حق تعالیٰ کی رحمت سمجھے (اور یہ سمجھے کہ ہو سکتا ہے کہ میرے لئے اس میں بہتری ہو)۔

غرض یہ چند مثالیں تفصیلی حکمتوں کی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مصلحتیں قبض میں ہوتی ہیں جو اکثر سالک کو وقت پر خود ہی معلوم ہو جاتی ہیں، ان اجمالی اور تفصیلی حکمتوں کے استحضار سے قبض میں تسلی ہو جاتی ہے اور قلب میں کچھ شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ خود نفسِ قبض تسلی کی چیز نہیں، وہ تو موجبِ غم ہی ہوتا ہے۔ دراصل تسلی تو اسی صورت ہوتی ہے کہ کسی قسم کا بسط و انشراح (فتح، کھلنا) ہو۔

قبض میں طبعی کٹھن کی محسوس مثال

معلومات دنیا میں بھی تو یہ ظاہر ہے کہ مال و متاع کا چوری ہو جانا، لٹ جانا، تو موجبِ رنج ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ ثوابِ آخرت کو سوچ کر یا مال جانے کے بعد جو حفاظت و نگہداشت سے بے فکری ہو گئی اس راحت کو مستحضر کر کے دل کو سمجھالیا جائے، مگر نفسِ مال کا چوری ہو جانا ایسی چیز نہیں کہ انسان خود اس پر طبعاً راضی ہو جائے، اس سے تو ایک دفعہ صدمہ ہی ہو گا اور اس کا تصور کرنا بھی موجب الم ہو گا۔ ہاں اس تصور کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں دل کو لگایا جائے تو کچھ تسلی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح قبض بھی بظاہر متاعِ باطن کا لٹ جانا ہے، اس سے صدمہ اور پریشانی کا ہونا لازمی اور طبعی امر ہے، گو اس کے مصالح اور منافع کی طرف قلب کو متوجہ کر کے تسلی ہو جائے تو یہ اور بات ہے، ورنہ خود نفسِ قبض پر دل راضی نہیں ہوتا، اور نہ یہ اپنی ذات سے تسلی کی شے ہے، بلکہ جس طرح دنیا میں اصلی تسلی کی چیز یہ ہے کہ روزانہ نئی آمدنی ہوتی رہے، اسی طرح باطن میں اصل تسلی کی چیز بسط ہی ہے، یعنی انوار و تجلیات حق کا قلب پر وارد ہوتے رہنا، جس میں وقتاً فوقتاً یوماً فیوماً متاعِ باطن کو ترقی ہوتی رہتی ہے اور جدید و لذیذ واردات اور مشاہدہ حق کا ہر دم ورود ہوتا رہے۔

کم گناہ کرنے والے ہی پریشان ہوتے ہیں

یہ بات اس پر چلی تھی کہ کم گناہ کرنے والوں میں جو خاص لوگ ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ گناہ پر تو وہ کیا ہی صبر کر سکتے وہ تو ایک ذرا سے تغیر اور وارد کے فوت ہونے پر ہی پریشان اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ابھی سنا کہ سالکین کی قبض میں کیا حالت ہوتی ہے؟ کسی بادشاہت چھن جانے سے بھی وہ بے چینی اور پریشانی نہیں ہوتی جو ان حضرات کو اس حالت کے پیش آنے سے ہوتی

ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑے گناہ کرنے والا بہ نسبت زیادہ گناہ کرنے والوں کے زیادہ پریشان ہوتاہے اور جس کے پاس بالکل گناہ نہ ہوں، وہ تو اس سے بھی زیادہ پریشان ہوتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے قرض لینا تو کبھی جانا ہی نہ ہو، بلکہ وہ ہمیشہ اس بات کا عادی ہو کہ اپنے پاس سو پچاس روپیہ جمع رکھتا ہے، کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتا اور ضرورت والوں کو ضرورت کے وقت دیتا دلاتا بھی رہتا ہے، ایسے شخص کا اگر کبھی اتفاق سے ہاتھ خالی ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس کو کتنی پریشانی ہو گی، تھوڑے سے مقروض کو وہ پریشانی نہ ہو گی جو اس شخص کو محض اپنا ہاتھ خالی ہو جانے سے ہو گی، کیونکہ جس نے ہمیشہ دوسروں کو دیا ہو کبھی کسی سے ایک پیسہ کا ادھار نہ لیا ہو اس کو تو اس کے تصور سے بھی لرزہ آئے گا، کہ آج میرا ہاتھ خالی ہے، خدانخواستہ مجھے کسی سے مانگنا نہ پڑے۔

اہل اللہ تو احتمالِ گناہ ہی سے کانپ اٹھتے ہیں

اہل اللہ کی بھی یہی حالت ہے کہ گناہ تو کیا وہ تو احتمالِ گناہ سے بھی کانپتے ہیں حتیٰ کہ ارادت کے کم ہو جانے سے گھبر اتے ہیں کیونکہ اس سے کسی قدر تنزل اور بعد کا وہم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے خواص سے کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو بہ نسبت اوروں کے ان کو زیادہ رنج و ملال ہوتا ہے، کیونکہ ان کو گناہ کے نشتر سے تکلیف کا احساس ہوتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو اکثر و بیشتر گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، توبہ کر کے اجتناب نہیں کرتے ان کا احساس نہایت ضعیف یا مفقود ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں گناہ کرنے سے ایک سیاہ نقطہ کا قائم ہو جانا اور مسلسل کرتے رہنے سے پورے دل پر سیاہی کا احاطہ کر لینا مذکور ہے، تو جو لوگ واردات کی کمی سے بھی پریشان ہو جاتے ہیں وہ بھلا گناہ سے کیوں پریشان نہ ہوں گے، یہی پریشانی ہے جو سب میں مشترک ہے، البتہ کسی کو اس کا

احساس زیادہ ہے کسی کو کم اور جو کسی کو اپنی اس حالت پر احساس و نظر اور تاسف بھی نہ ہو تو اس کی یہ حالت خود قابلِ تاسف ہے۔ اول تو گناہوں پر نظر کر کے ہم کو خود رونا چاہئے اور جو کسی کو رونا نہ آئے تو اس رونا نہ آنے پر رونا چاہیئے کہ افسوس! میں ایسا سنگدل ہو گیا ہوں کہ مجھے بد حالی پر رونا بھی نہیں آتا۔

دوستو! اگر کسی کو رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنا لینی چاہیئے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے: فان لم تبکوا فتباکوا۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالو۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے "تباکی" (تکلفاً رونا) کو بکاء کا بدل قرار دیا ہے کیونکہ بکاء میں خود مقصود نہیں بلکہ مقصود بُکائے قلب ہے جسے دل کا رونا کہتے ہیں، پس تباکی میں گو آنکھ سے رونے کی صورت نہ پائی جائے مگر رونے کی حقیقت تو موجود ہے یعنی دل کا رونا اور دل کے رونے کی حقیقت ہے فکر و رنج، ملال و تاسف، کہ ہائے مجھ سے ایسا فعل کیوں سرزد ہوا، ندامت و شرمندگی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا۔

ای خنک چشمی کہ آں بریان اوست | وی ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

وہ آنکھ کتنی اچھی ہے جو محبوب کی یاد میں روتی ہے اور وہ دل کتنا اچھا ہے جو (محبوب کے صدمۂ فراق میں کباب کی طرح) بھنا ہوا ہے۔

اصل مقصود دل کا رونا ہے، نہ کہ آنکھ کا رونا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے وعظ فرمایا، حاضرینِ مجلس نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے وعظ کے اثر سے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لاتشقّوا جیوبکم شقّوا قلوبکم

یعنی گریبان چاک نہ کرو بلکہ دلوں کو چاک کرو۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گریبان کو چاک کرنے والے قابلِ مذمت ہیں اس بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود دل کا چاک کرنا ہے، اس میں کوشش اور سعی کرنی چاہیئے، اور گریبان چاک کرنے والوں پر طعن نہ کرنا چاہیئے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا لقب تاج الاولیاء ہے، فرماتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران ومست　　　　که غرق ہست ازاں می زند پاو دست

بزرگوں کی ظاہری برائی دیکھ کر حیران نہ ہو، وہ محبت خداوندی کے عشق میں غرق ہونے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، اس میں تعلیم ہے کہ ان پر اعتراض نہ کرو، آگے ان کا عذر ظاہر کرتے ہیں۔

بہ تسلیم سرور گریباں برند　　　　چوں طاقت نماند گریباں درند

خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر گریبان میں سر ڈالے رہتے ہیں، جب برداشت کی طاقت نہیں رہتی تو گریبان پھاڑ دیتے ہیں۔

کامل کو ضبطِ کیفیات پر پوری قدرت ہوتی ہے

کامل بظاہر ساکن معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ بہت تیز جارہا ہے، ذراسی دیر میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے، البتہ اتفاقیہ طور پر جوش وولولہ کے حالات پیش آنا مثلاً کپڑے پھاڑنا، بے ہوش ہوجانا، یازار وقطار رونا وغیرہ کمال کے منافی نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضور صَلَّی

اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نام لے کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ صاحبِ کمال اور انوارِ باطنیہ سے مالامال کون ہو گا؟

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو سب سے زیادہ مضبوط اور مستقل مزاج تھے، انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حادثہ وصال پر جو کہ مسلمانوں کے لئے کچھ کم جانکاہ نہ تھا، بجز آنسو بہانے اور رونے کے کچھ نہیں کیا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس عظیم حادثہ پر جتنا بھی آہ وبکا یا گریبان چاک کرتے تھوڑا تھا، مگر کچھ نہیں کیا، اور ان حضرات میں جو تھوڑا بہت تغیّر بھی ہو گیا تھا، وہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے بعد سب جاتا رہا، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دین کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ غرض یہ بات تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مشترک تھی کہ وہ عموماً حالات و کیفیات سے مغلوب نہ ہوتے تھے، اس لئے نہ وہ عام طور پر وجد میں رقص کرتے تھے، اور نہ کپڑے پھاڑتے تھے۔ کامل کو ضبطِ کیفیات پر پوری قدرت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد، اینجامردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نمی زنند۔ یعنی حضرت منصور رحمہ اللہ تعالیٰ بچے تھے کہ ایک قطرہ میں پکار اٹھے، یہاں مرد ہیں کہ معرفت کے سمندر پی جاتے ہیں مگر ڈکار تک نہیں لیتے۔

ان حضرات کا دریا وجد یا رقص یا شطح کی راہ سے نہیں بہتا، البتہ ان کا دریا دوسری راہ سے بہتا ہے، یعنی افادات اور نفع رسانی کی راہ سے، وہ اپنے جوش و خروش کو طالبین کی توجہ میں صرف کرتے ہیں جس سے ہزارہا مخلوق درجہ ولایت پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر کبھی بہت ہی غلبہ ہوا تو ان کا دریا آنکھوں کی راہ سے کسی وقت بہہ نکلتا ہے۔

چنانچہ کہتے ہیں:

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم ودریا گریستم

اے اللہ، چشمہ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا جو آنسوؤں کا دریا بن گیا۔

یہ حضرات بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں، بہت ضبط کرتے ہیں، اگر کبھی پوری طرح ضبط نہ ہو سکا تو آنکھوں سے آنسو بہا لیتے ہیں یا کسی دوسرے طریق سے اس کا اظہار اتفاقاً ہو جاتا ہے اور یہ کوئی نقص نہیں، خود حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نماز میں بعض دفعہ روتے تھے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے سینہ مبارک سے ایسی آواز سنائی دیتی تھی، جیسے ہنڈیا پک رہی ہو۔

صاحبِ حال معذور ہے

غرض چیخنا، چلانا، کپڑے پھاڑنا اور رقص کرنا ولایت کے لئے شرط نہیں، یہ محض حالات ہیں، اور حالات بھی ایسے جو نہ مطلوب نہ مذموم، کیونکہ حالات مطلوبہ تو وہی ہیں جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے حالات کے مشابہ ہوں، اور یہ بات یاد رکھئے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے حالات کے ساتھ جتنی زیادہ مشابہت ہو گی، اتنا ہی زیادہ کمال ہو گا، اسی لئے تو خود حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اصل مقصود دل کا رونا ہے، نہ کہ آنکھوں سے صرف آنسو بہا دینا، لیکن یہ رونے کی صورت بنا لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں، اس سے بھی بعض دفعہ کام بن جاتا ہے۔ اگر آنکھوں سے ہی رونا مقصود ہوتا تو رونے کی کوشش کو اس کے قائم مقام نہ قرار دیا جاتا، اور یہ نہ ارشاد فرماتے: فَاِن لَم تَبکُوا فَتَبَاکُوا۔ (اگر رونا نہیں آتا تو کم از کم

رونے کی صورت ہی بنالی جائے)۔ یہ یادرہے کہ ذکر کی محافل میں کپڑے پھاڑنا، رقص کرنا، چیخنا چلانا، یہ سب وجد کی اقسام ہیں جو بعض اولیاء اللہ سالکین پر وارد ہوتی ہیں اوراحادیث مبارکہ اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے ثابت ہیں۔ اس موضوع پر پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی نے ایک کتاب بنام "تحفة الاحباء لاثبات الوجد والتواجد والرقص والغشی والبکاء" تحریر فرمائی ہے، ہم ان شاء اللہ آگے اس کتاب کے چند حوالے بھی پیش کریں گے۔

ہماری حالت قابلِ اصلاح ہے

بہر حال، ہم لوگوں کی حالت ضرور قابلِ اصلاح ہے، اور جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں گو کمی ہی کے ساتھ ہوں ان کو بھی اس حالت پر تاسف ہونا چاہیئے اور جن کو تاسف نہ ہو ان کو اس تاسف نہ ہونے پر تاسف ہونا چاہیئے اور یہ حالت زیادہ خطرناک ہے۔ خصوصاً جب کہ یاددہانی بھی کرائی جائے، بعض دفعہ خود اپنی حالت پر تاسف نہیں ہوتا، مگر دوسرے کی تنبیہ سے خیال پیدا ہو جاتا ہے، یہ بھی غنیمت ہے، جن لوگوں کو اپنی بدحالی پر تاسف نہیں ہے وہ بھی اپنی بدحالی کے مقر تو ضرور ہیں کہ گناہگار ہونے کا ہر شخص کو اقرار ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرض کا احساس تو سب کو ہے مگر کوتاہی یہ ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور ظاہر ہے کہ مرض کا علاج نہ کرنا سخت خطرناک ہے، اس لئے علاج کی طرف توجہ کرنا ضروری ہوا۔

آمدم برسرِ مطلب

مذکورہ آیت کو اختیار کرنے کی وجہ

پس اس وقت جس آیت کو میں نے تلاوت کیا ہے اس میں اسی مرض کا علاج موجود ہے۔

ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر ۱۹)

ترجمہ: ”ان جیسے مت بنو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) خود ان کی جانوں سے ان کو بے پروا بنادیا اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔“

سبحان اللہ! حق تعالیٰ اپنے بندوں کا کتنا لحاظ فرماتا ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے کیونکہ آیت کے مخاطب مسلمان ہیں اور مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خدا کو بھول جائے۔ اس لئے یوں فرمایا کہ دیکھو بھولنے والوں کے مشابہ نہ ہو جانا۔ اس عنوان میں جس قدر لطف و عنایت ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کو بھول جانا تو تمہاری محبت سے بعید ہے، ہاں بھولنے والوں کی طرح ہو سکتے ہو، تو دیکھو، ہم تم سے کہتے ہیں کہ تم ایسا بھی نہ کرو۔

دوسرا اس میں اک نکتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا کا بالکل بھولنے والا کافر ہے اور آیت کے مخاطب مسلمان ہیں، اور مسلمان کافر نہیں ہو سکتا، اس لئے مسلمان کو مِنَ الَّذِيْنَ کے ساتھ خطاب ہو بھی نہیں سکتا، بلکہ ان کو تو ”كَالَّذِيْنَ“ سے ہی خطاب ہو سکتا ہے۔

مولوی محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہو گیا وہ پھر کبھی کافر نہیں ہو سکتا، اور یہ جو بعضے مسلمان آریہ، عیسائی وغیرہ ہو جاتے ہیں، وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ایک شخص ظاہر میں مدعیِ اسلام ہو اور دل میں ایمان نہ ہو،

تو محض زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازمی نہیں، ممکن ہے کہ ایک مدعیٔ اسلام عنداللہ مسلمان نہ ہو۔ بعض دفعہ قلبی کیفیت اور زبانی تحکم سلبِ ایمان کا سبب ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی خیال کرتا ہے، حالانکہ وہ عنداللہ مؤمن نہیں ہوتا۔

ایک عبرتناک واقعہ

چنانچہ میں ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعہ سناتا ہوں۔ شیخ دھّان جو مکہ معظمہ میں ایک بڑے عالم تھے، انہوں نے بیان کیا کہ مکہ معظمہ میں ایک مسلمان عالم کا انتقال ہوا، ان کو دفن کر دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد ایک اور شخص کا انتقال ہوا اور اس کے وارثوں نے چاہا کہ اس کو بھی اس عالم کی قبر میں دفن کر دیا جائے، چنانچہ ان کے حسبِ خواہش جب اس عالم کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس عالم کی لاش کی بجائے ایک حسین و جمیل لڑکی کی لاش رکھی ہوئی ہے۔ دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی، سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتفاق سے اسی مجمع میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس نے لڑکی کی صورت دیکھ کر کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں، یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی ہے، ایک عیسائی کی بیٹی ہے، یہ مجھ سے اردو پڑھتی تھی اور درپردہ مسلمان ہوگئی تھی اور اس کو میں نے دینیات کے رسائل بھی پڑھائے تھے، لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوگئی کہ وہ مسلمان اور نیک تھی، مگر اس مسلمان عالم کی لاش کہاں گئی؟ اس پر جب لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی قبر کھود کر دیکھنا کہ اس میں کون دفن ہے۔ ایک صورت شناس کو بھی ساتھ کر دیا، چنانچہ اس شخص نے یورپ واپس جاکر اس کے والدین سے لڑکی کا حال بیان کیا، اس واقعہ کو سن کر ان کو بڑی حیرت ہوئی، بالآخر یہ رائے ہوئی کہ اس لڑکی کی قبر کو بھی کھودا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی لاش نہ تھی بلکہ

اس کے بجائے وہی مسلمان عالم نظر آئے۔ جب اس واقعہ کی اطلاع مکہ معظمہ والوں کو پہنچی تو ان کو فکر ہوئی کہ اس شخص کی لاش مکہ معظمہ سے کفرستان کس سبب سے منتقل ہوئی؟ سب نے کہا کہ اس کی بیوی سے پوچھنا چاہئیے کہ اس کا ایسا کون سا کردار تھا جس کی بناء پر اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کیونکہ اس کے صحیح حالات کا اندازہ بیوی ہی سے ہو سکتا تھا۔ چنانچہ لوگ اس کے مکان پر پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی؟ اس نے کہا کہ وہ تو بڑے نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے، اور تہجد گزار تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ ذرا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اس کی لاش مکہ معظمہ میں دفن کرنے کے بعد فرانس (کفرستان) پہنچ گئی ہے، کوئی بات اسلام کے خلاف ضرور تھی جو اس کی لاش کفرستان لائی گئی ہے۔ اس پر اس کی بیوی نے کہا کہ اور تو مجھے کچھ معلوم نہیں، البتہ اتنا ہے کہ جب وہ مجھ سے فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے یہاں غسلِ جنابت فرض نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بس یہی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو اسی قوم (نصاریٰ) کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا۔

دیکھا آپ نے کہ یہ شخص اگرچہ ظاہر میں نیک اور پورا مسلمان معلوم ہوتا تھا مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی بھی تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقہ کو اسلامی حکم پر محبوب رکھتا تھا اور چونکہ استحسانِ کفر، کفر ہے، (یعنی کفر کو اچھا سمجھنا بھی کفر ہے) اس لئے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے، اللہ تعالیٰ کبھی ایسا بھی کر کے دکھا دیتا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ بد حالی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، اسی لئے شیطان کے بارے میں ارشاد ہے: وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ یعنی "وہ پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا۔"

یہ نہیں کہ وہ پہلے فرشتہ تھا بعد میں کافر ہو گیا، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے اس کے کفر کا اظہار ہوا، شیطان لوحِ محفوظ میں دیکھ کر اس سے باخبر تھا کہ ایک شخص کافر ہونے والا ہے، مگر وہ اپنی طاعت و زہد کی وجہ سے اپنے سے بے فکر تھا، کہ میں اتنا عبادت گزار ہو کر کافر ہو سکتا ہوں؟ یہ اور کوئی شخص ہو گا، تو شیطان بھی اسی تکبر اور بے فکری کے سبب تباہ اور برباد ہوا۔ بخلاف ملائکہ کے کہ جب ان کو اس کا علم ہوا تو وہ سب پریشان اور فکر مند ہو گئے کہ دیکھئے ہم میں سے کسی کی کم بختی نہ آجائے، وہ اس فکر اور تواضع کی وجہ سے مقبول و محترم رہے اور شیطان پہلے ہی سے مقبول نہ تھا، اس لئے مردود ہو گیا ورنہ جو ایک مرتبہ مقبول ہو جاتا ہے وہ پھر کبھی مردود نہیں ہوتا، جیسے ایک شخص بالغ ہو کر پھر نابالغ نہیں ہوتا، ایسے ہی جس نے صدقِ دل سے ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیا پھر وہ کافر نہیں ہوتا جس نے مسلمان ہونے کے بعد حکمِ الٰہی کے سامنے اپنی ہوا و ہوس کو فنا کر دیا ہو وہ بالغ ہے اور جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو ختم نہیں کیا اور ان کو اپنے اوپر غالب رکھا وہ نابالغ ہے۔

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مستِ خدا　　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

یعنی ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے، سوائے اس شخص کے جو حق تعالیٰ کا مست ہو گیا، بس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا۔

واقعی ایمان کی یہی شان ہے کہ وہ جب قلوب میں پیوست ہو جاتا ہے تو پھر نکالے نہیں نکلتا، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سفیان ابن حرب رضی اللہ عنہ سے اسلام لانے سے قبل روم کے بادشاہ ہرقل نے سوال کیا کوئی شخص اس دینِ اسلام کو اختیار کرنے کے بعد کراہت کے ساتھ اس کو

چھوڑتا بھی ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا: كذالك الايمان حين تخالط بشاشة القلوب۔ یعنی ایمان کی یہی حالت ہے کہ قلوب میں پیوست اور راسخ ہونے کے بعد نہیں نکلتا، کیونکہ ایمان کی مثال عشق جیسی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ: ع ۲۱)

ترجمہ: "جو مؤمن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت (درجہ) قوی محبت ہے۔"

یہاں پر ایمان بمعنی عشق ہے، اگر وہ عشق سچا ہوگا تو کبھی دل سے نہیں نکلے گا، اور یہی حال ایمان کا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ اور خاصانِ حق اپنے دل میں کسی جائز محبت کو بھی جگہ نہیں دیتے تاکہ موت کے وقت اس فانی محبوب کا خیال نہ آجائے، ان کا اصل مدعیٰ تو یہ ہے کہ جب دنیا سے رخصت ہوں تو اس وقت سوائے خدا اور رسول صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی محبت کے کوئی اور محبت دل میں نہ ہو، اسی وجہ سے اہل اللہ جائز محبت سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ہم اگر جائز محبت سے (جو غلبہ کے درجہ میں ہو) اجتناب نہ کرسکیں تو کم از کم حرام محبت سے تو ضرور بچیں، اگر غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ جینا اور مرنا انہیں حضرات کا ہے، اگر ہم بھی ان ہی جیسی زندگی اور موت چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ وابستہ ہوجائیں، ان شاء اللہ ہم کو بھی ایک دن یہی دولت نصیب ہوجائے گی۔

پس اس آیت میں (جس کی ابتداء میں تلاوت کی ہے) تشبیہ اختیار کرنے کے دوسرے نکتہ کا حاصل یہ نکلا کہ چونکہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مخاطب مسلمان ہیں اس لئے وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ (الحشر ۱۹) کا خطاب مسلمانوں کو تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ مسلمان کبھی خدا تعالیٰ کو دل

سے نہیں بھلا سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وَ لَا تَکُوْ نُوْ ا کَالَّذِیْنَ نَسُوْ ا اللہ (الحشر ۱۹) فرمایا کہ بالکل بھول جانا یہ تو کافروں کا کام ہے۔

آگے ارشاد ہے:

فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ (الحشر ۱۹)

جب وہ خدا تعالیٰ کو بھول گئے تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

اس ارشاد میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ ہے مگر اس نکتہ کو سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھ لیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد۔ (الحدید ۲۶)

ترجمہ: ''ہم انسان سے رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

اب اگر انسان اس کے بعد بھی خدا کو بھول جائے جو کہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اپنے کو یاد رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو بھولنے والا در حقیقت خود کو بھولا ہوا ہے، اور جو خدا تعالیٰ کو یاد رکھے گا وہ اپنے کو بھی یاد رکھے گا مگر مستقلاً نہیں بلکہ اس طرح کہ میں خدا کی چیز ہوں، خدا تعالیٰ کے ساتھ مجھے تعلق ہے جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب خدا کی امانت ہے، وہ کسی چیز کو بلا واسطہ خدا یاد نہیں کرے گا، جیسے عاشق کو محبوب کی چیزیں یاد رہتی ہیں اور ان کی یاد حقیقت میں محبوب ہی کی یاد ہوتی ہے، اسی طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقات کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ سب محبوب چیزیں ہیں۔

اہل دنیا اور اہل اللہ میں فرق

اہل اللہ اپنی ذات یا اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنے تمام متعلقات کی حفاظت نوکر کی طرح کرتے ہیں، مالک کی طرح نہیں کرتے، ہم تو کھاتے ہیں، اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اور وہ کھاتے ہیں سرکاری مشین کی حفاظت کے لئے، یہاں سے اس ارشادِ باری تعالیٰ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء ۲۹) (مت قتل کرو اپنے نفسوں کو) کاراز بھی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ خودکشی کیوں ممنوع ہے، یہ آپ کی جان نہیں کہ جیسا چاہیں تصرّف کریں، نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی چیز میں بلا اجازت تصرّف کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی مرتبہ میں حکم ہے۔اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا۔ [949] یعنی تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بی بی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔

اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ ٹھنڈی دوا کھا کر نامرد ہو جائے، یا آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اندھا ہو جائے، اسی لئے عارفین اور اہل اللہ اپنی جان کو سرکاری چیز سمجھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں، ظاہر بین اپنے پر قیاس کرکے اس کو تن پروری سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ اس سے کوسوں دور ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا ہے:

در نیابد حال پختہ، ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

خام کاروں (ناواقفوں) کو پختہ کاروں (عارفوں) کا حال معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے گفتگو کا مختصر رکھنا ہی بہتر ہے۔

---

[949] المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البرية صلى الله عليه وسلم من صحيح الإمام البخاري لشمس الدين محمد بن عمر بن أحمد السفيري الشافعي ج ۱ ص ۱۹۳۔

عام لوگ تو ٹھنڈا پانی اس لئے پیتے ہیں کہ مزہ آئے گا، پیاس کو تسکین ہو گی، طبیعت کو بشاشت ہو گی، اور عارف اس لئے پیتا ہے کہ ہر مُو (بال) سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو اور اس کی حمد ہو۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

دیکھ لو! راستہ کا فرق، کہاں سے کہاں لے جاتا ہے

واقعی ہم اپنے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہیں تو جو خدا کو یاد کرے گا وہ خود کو بھی یاد رکھے گا اور خود کو یاد رکھنا اس طرح پر ہو گا کہ اول اس کی نظر خدا تعالیٰ پر پڑے گی، پھر اپنے پر، اور یہ توجہ الی الغیر نہیں جو ممنوع ہو، اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے ایک حسین صورت آئینہ میں نظر آرہی ہو، اور عاشق بھی وہاں بیٹھا ہوا ہو جو اس محبوب کی طرف رعب و جمال کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، اس لئے وہ آئینہ میں اس کی صورت کو دیکھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو عاشق نہیں ہے وہ بھی اس آئینہ کو دیکھ رہا ہے مگر اس نیت سے کہ دیکھوں آئینہ کیسا ہے؟ تو یہ دونوں شخص بظاہر آئینہ دیکھنے میں یکساں ہیں مگر دونوں کے دیکھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عاشق کی نظر اوّل محبوب کی طرف جائے گی گو تبعاً آئینہ پر بھی نظر پڑ جائے گی، اور غیر عاشق کی نظر اوّلاً آئینہ پر پڑے گی گو تبعاً حسین کی تصویر پر بھی نظر جائے گی، مگر اس کا مقصد حسین کی تصویر دیکھنا نہیں، صرف آئینہ کی خوبی دیکھنا مقصود ہے بعینہٖ یہی فرق اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں ہے کہ مخلوقات کی طرف ان کی نظریں بظاہر یکساں ہیں مگر حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ اہل اللہ کی نظر اولاً خدا کی طرف جاتی ہے پھر تبعاً مخلوق بھی اس کے سامنے آجاتی ہے اور ہماری نظر اولاً مخلوق پر ہوتی ہے گو ضمناً حق تعالیٰ کی صنعت اور قدرت کا بھی خیال آجاتا ہے۔

خدا قریب ہے، نفس دور ہے لہٰذا خدا سے غفلت خود اپنے سے غفلت ہے

غرض جب یہ ثابت ہو گیا کہ عاشق اور اللہ والے کی نظر اول خدا کی طرف جاتی ہے اور بعد میں اپنے پر، تو معلوم ہوا کہ خدا بنسبت نفس کے زیادہ قریب ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نفس سے قریب نہ ہوتا تو کسی کی نظر بھی اوّلاً اس کی طرف نہ جاتی، پس ثابت ہوا کہ جو خدا کو بھول گیا وہ اپنے نفس کو بھی بھول گیا۔ پس اسی چیز کو فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر ۱۹) میں بیان فرمایا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (الحشر ۱۹)

یہ لوگ ہیں حکم سے نکل جانے والے۔

اس وقت بیان سے یہی جز مقصود ہے جس سے اس بد حالی کا جس کو اب تک بیان کیا گیا ہے علاج بیان کرنا ہے، اولٰئک اسم اشارہ ہے جس کے لئے فاسقون کا حکم ثابت کیا گیا ہے۔ اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ اسم اشارہ میں مشارالیہ کا صفات مذکورہ کے ساتھ اعادہ ہوتا ہے اور حکم کی بنا انہیں صفات پر ہوتی ہے جو پہلے مذکور ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرۃ ۵)

ترجمہ: ”بس یہی لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔“

چنانچہ علماء مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ یہاں اسم اشارہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جیسے ہدایت اور فلاح کا حکم اس سے پہلے جن صفات (ایمان

بالغیب، اقامۃ صلوٰۃ، تصدیق کتب سماوی اور انفاقِ مال وغیرہ) پر موقوف ہے اور ان صفات کو فلاح میں دخل ہے، ٹھیک اسی طرح یہاں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن (الحشر ۱۹) میں بھی صفتِ نسیان کا اعادہ ہے جو پہلے اَلَّذِیْنَ نَسُوْا اللہ (الحشر ۱۹) میں مذکور ہوچکی ہے، تو حکم فسق کی بنا اسی صفت پر ہوگی جس کا حاصل یہ نکلا کہ آیت میں فسق کو نسیانِ خدا پر مرتب کیا ہے کہ دراصل فاسق اور احکام سے نکل جانے والے وہی لوگ ہیں جو خدا کو بھول گئے، تو خدا کو بھول جانا ہی فسق کا سبب ہے۔

فسق کی حقیقت

کیونکہ فسق کے معنی حکم سے نکل جانے کے ہیں اور حکم سے نکل جانا یہی حقیقت ہے معصیت کی، جس میں ہم مبتلا ہیں، الحمد للہ اس آیت سے صاف طور سے مرض کا اصلی سبب معلوم ہوگیا کہ ہماری بدحالی کا حقیقی سبب خدا تعالیٰ کو بھول جانا ہے، اور قاعدہ ہے کہ العلاج بالضد علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے، اگر مرض کا سبب سردی ہے تو اس کا علاج گرم ادویہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کا عکس ہے کہ اگر مرض کی وجہ گرمی ہے تو اس کا علاج سرد ادویہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی علاج بالضد ہونا چاہیئے کہ اگر بدحالی کی وجہ نسیان ہے تو اس کی ضد یاد ہوئی تو گناہوں کا اصل علاج جس کا سبب خدا کو بھولنا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ یا یوں کہیئے کہ ہر مرض کا علاج سبب کے رفع ہونے کے ساتھ ہوتا ہے خواہ ضد کے ذریعہ سے رفع کیا جائے یا مثل کے ذریعہ، بہر حال ازالہ مرض کے لئے رفع سبب، سب کے نزدیک ضروری ہے اور جب یہ بات ثابت ہوچکی کہ مرضِ عصیان کا سبب نسیان ہے، تو اس کا علاج یہ ہوا کہ نسیان کو رفع کیا جائے، اور رفع نسیان لازم ہے ذکر اللہ کو، کیونکہ ارتفاء نقیضین (رفع نسیان اور عدم ذکر دونوں نہ ہوں)، یہ بات سب کے نزدیک محال ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ معصیت کا علاج یادِ الٰہی ہے۔

خدا تعالیٰ کو یاد رکھنے کے طریقے

اب رہی یہ بات کہ خدا تعالیٰ کی یاد کیسے ہو اور اس کا کیا طریقہ ہے تو یاد کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً ایک یاد ہوتی ہے محبت کی بنا پر، ایک ہوتی ہے خوف سے، اور ایک ہوتی ہے حیاء سے، پھر ان کی بھی چند قسمیں ہیں کہ اس محبت کا منشاء اس کی ذات ہے یا اس سے مقصود ثواب ہے۔ اسی طرح خوف کا حال ہے کہ خوف ذات کا ہے یا عتاب کا، اور یہ حال حیاء کا ہے کہ وہ ذات سے ہے یا محسن کے احسانات سے۔ اس میں لوگوں کے طبائع اور مذاق مختلف ہوتے ہیں، بعضے ایسے ہوتے ہیں جن میں محبتِ ذات غالب ہوتی ہے، یعنی محبوب کی ذات ہی ایسی عظیم الشان ہے کہ مجبوراً اس سے محبت کرنی پڑتی ہے، نہ وہ جنت کے حاصل کرنے کے لئے ذکر اور عبادت کرتے ہیں، اور نہ دوزخ سے بچنے کے لئے، صرف ذاتِ حق کا عشق ان کے لئے ذکر کا باعث بنا ہوا ہے۔

اور بعضے وہ ہیں جن کے ذکر اللہ کی منشاء حصولِ جنت ہے کہ ہم کو اس عمل سے جنت ملے گی، دوزخ سے نجات ہو گی اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ مقصود تو ذکر اللہ ہے وہ ہونا چاہئے، اگر اسی نیت سے ذکر کرتا رہا تو ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اس کو ذاتِ حق سے عشق ہو جائیگا، پھر اس کو بھی ذاتِ محبوب کی رضاء کے سوا کچھ مطلوب نہ ہو گا۔

مثال کے ذریعہ وضاحت

اس کو یوں سمجھئے کہ (پڑھنے والے) لڑکے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو ایسا ہے جس کو خود تعلیم میں لطف آتا ہے، اور بغیر کسی حرص و طمع کے تعلیم میں مشغول ہے، دوسرا وہ جو باپ کے کہنے سے پڑھتا ہے کہ پڑھتے رہو گے تو ہم تم کو ہر روز ایک آنہ دیا کریں گے، اس کی یہ حالت پہلے سے کم درجہ کی سہی مگر کیا کوئی عاقل اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میاں پڑھنا ہے تو خود ذاتی شوق سے پڑھو

ورنہ ایک آنے کے لالچ سے پڑھنا بھی کوئی پڑھنا ہے؟ اس سے کیا فائدہ؟ ایسی بات ہر گز کوئی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس کا نتیجہ بجز محرومیٔ علم کے اور کچھ نہیں، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ میاں! جس طرح بھی ہو، پڑھنا چاہیئے، چنانچہ اس طرح پڑھنے میں لگے رہنے سے ایک دن اس کو ایسا شوق پیدا ہو گا کہ اگر باپ کچھ بھی نہ دے بلکہ یہ کہے کہ پڑھنا چھوڑ دو تب بھی وہ اس کی بات ہر گز نہیں مانے گا۔

ذکر مطلوب ہے خواہ عشقِ ذات کی بنا پر ہو یا محبتِ ثواب کی بنا پر

یہی قاعدہ ذکر میں کیوں روا نہیں رکھا جاتا؟ اور جو لوگ ثواب کے لئے یا حصولِ جنت کے لئے عمل کرتے ہیں ان پر بعض غیر محققین کیوں اعتراض کرتے ہیں، پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے خود جنت کی رغبت دلائی ہے بلکہ اس میں رغبت کرنے کا امر بھی کیا ہے تو پھر کوئی وجہ اعتراض کی نہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ (حدید ۲۰)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

پس جنت کے حصول کی نیت سے عمل کرنے کو جو بعضے معترض ایک گھٹیا اور ادنیٰ قسم کی حالت بتاتے ہیں وہ گویا خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے گھٹیا حالت کی کیوں ترغیب دی ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، حق تعالیٰ نے جتنے بھی طریقے تعلیم فرمائے ہیں، وہ سب عمدہ اور اعلیٰ ہی ہیں، گھٹیا کوئی نہیں، یہ بات اور ہے کہ ایک حالت رفیع اور دوسری ارفع ہو مگر محمود دونوں ہیں، محض رضائے محبوب کے لئے ذکر کرنا مقام ارفع ہے، مگر طلب جنت کی نیت سے ذکر کرنا بھی رفیع حالت

سے کم نہیں، بلکہ اس نیت سے ذکر کرنا کہ جنت ملے گی اور جنت کا سوال اس نیت سے کرنا کہ وہ خدا کی چیز ہے، خدا کی رضا کے ثمرہ میں دیدار کی جگہ ہے، اور اس کے مانگنے کا حکم فرمایا ہے، اور خود ہمارے آقا حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کا سوال کیا ہے تو اس اعتبار سے وہ بھی مقام ارفع ہی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ:

اللھمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیۡھَا مِنۡ قَوۡلٍ اَوۡ عَمَلٍ۔[950]

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اس چیز کا جو جنت کے قریب کرنے والی ہو، خواہ قول ہو یا فعل۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جنت کا سوال کرنا کوئی گھٹیا حالت نہیں، اگر یہ گھٹیا حالت ہوتی تو حضور صَلَّی اللّٰہ ُتعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کا سوال نہ فرماتے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی ارفع حالت ہے اس نیت سے عمل کرنا کہ جنت ملے گی وہ در حقیقت رضائے محبوب کے لئے ہی عمل کرنا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ عاشق کو تو محبوب کی ادنیٰ ادنیٰ چیز سے محبت ہوتی ہے، پس حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کا جنت کا سوال کرنا اسی بنا پر تھا کہ وہ خدا کی چیز ہے اور اس کے مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور جب محبوب کی یہ خواہش ہو کہ میری چیز مجھ سے مانگو تو اس وقت مانگنا ہی موجبِ رضا ہے،

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں — خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

[950] سنن ابن ماجۃ ج ۴ ص ۴۴۔

جب حق تعالیٰ ہی ہم سے طمع چاہیں تو پھر قناعت پر خاک ڈالو، عارفِ کامل تو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ نعمت سے بھی استغنا ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ جنت سے جو اعلیٰ نعمتوں میں سے ہے، استغنا ظاہر کرے!

نیز حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا جنت کا سوال کرنا اس بناء پر بھی تھا کہ وہ محلِ دیدار ہے تو درحقیقت یہ جنت کا سوال نہ تھا بلکہ محبوب کے دیدار کا سوال تھا، کسی نے خوب کہا ہے:

عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست

یعنی جو لوگ عاشق ہیں وہ تو جنت اسی لئے طلب کرتے ہیں کہ وہاں دوستوں سے ملاقات ہوگی، چنانچہ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی، اس وقت سے جنت کا شوق ہوگیا ہے، تو اس نیت سے کسی مؤمن کا جنت کا سوال کرنا اور اس کی طرف راغب کرنے والی چیزوں پر عمل کرنا یہ مقام ارفع ہی ہے اور ایک بات اس سے بھی زیادہ باریک ہے، وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ جنت کی طلب کا منشاء محض یہی نہیں ہوتا کہ وہاں خدا تعالیٰ کا دیدار ہوگا، بلکہ اس خیال سے بھی اس کی تمنا کی جاتی ہے کہ ہم اس قابل کہاں کہ دیدار کی تمنا کریں، آؤ کم از کم جائے دیدار ہی کی زیارت کرلیں، تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دیدار کی تمنا کرتے ہیں، ہم تو اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ قبہ خضرا ہی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ سکیں۔

مرا از زلفِ تو موئے بسند ست　　　　ہوس را رہ مدہ بوے بسند ست

مجھ کو تو تیری زلف کا ایک بال بھی کافی ہے (اے دل) ہوس اختیار نہ کر کہ یہاں تو اگر خوشبو بھی میسر آجائے تو بھی غنیمت ہے۔

اور بعض دفعہ جنت کے سوال کا منشاء غلبہ تواضع بھی ہوتا ہے کہ عاشق اپنے کو وصالِ محبوب کے قابل ہی نہیں سمجھتا اسی لئے تمنا کرتا ہے کہ میں اس کے دیکھنے کے تو لائق ہی نہیں، کاش اس کے شہر ہی میں جار ہوں۔

اور کبھی اپنی احتیاج اور افتقار ظاہر کرنے کے لئے جنت کی تمنا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ! میں آپ کی رضا کا تو محتاج کیوں نہ ہوتا، میں تو جنت کا محتاج ہوں، جو کہ رضا کے مقابلہ میں کہیں ادنیٰ درجہ کی چیز ہے تو غرض مختلف لوگوں کی مختلف نیتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے جنت کا سوال کیا جاتا ہے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اس کے قریب کرنے والی ہیں، مقصود سب کا رجائے الٰہی ہی ہے، مگر اس کے حصول کے طریقے مختلف ہیں۔

یہاں تک تو محبت کی قسموں کا ذکر تھا، کہ خواہ محبت بلاواسطہ ہو یا بواسطہ۔۔۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف

گر بکشد زہے شرف ور بکشم زہے طرب

قسمت نے اگر یاوری کی تو اس کا دامن پکڑ لوں گا، اگر میں نے اپنی طرف کھینچ لیا تو اچھا اور اگر اس نے کھینچ لیا تو بہت اچھا ہے۔

حق تعالیٰ سے خوف کی مختلف صورتیں

پس جیسے محبت کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح خوف کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔

کسی کو حق تعالیٰ کی ذات کا خوف، اس کی عظمتِ شان اور جلالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کسی کو آخرت کے عذاب و عتاب کا خوف ہوتا ہے۔ یہ دونوں طریقے اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی اپنے عذاب و عتاب سے بندوں کو ڈرایا ہے، بعض طبائع پر جلالت و عظمتِ حق کا انکشاف نہیں ہوتا ان کے لئے خوفِ عذاب ہی گناہوں سے مانع بن جاتا ہے۔ پس جو لوگ عذاب کے خوف سے عمل کرتے ہیں ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں، اور ان کی یہ حالت گھٹیا نہیں بلکہ رفیع حالت ہے، گو اس سے ارفع اور بلند حالت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی جلالتِ شان منکشف ہو کر گناہوں سے مانع ہو۔

پس یہاں تک محبت کی دو قسموں کا بیان ہوا، جس کا دوسرا نام یادِ الٰہی بھی ہے، یعنی یاد کی دو قسمیں بیان ہوئیں کہ ایک یاد محبت کی وجہ سے ہو اور ایک یہ کہ یاد خوف کی وجہ سے ہو۔

یادِ الٰہی کی تیسری صورت

اس کے علاوہ ایک تیسری قسم اور بھی ہے، جس کو یادِ حیا کہا جاتا ہے اور یہ تیسری قسم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے طبائع پر حیاء کا غلبہ ہے، اور اسی غلبۂ حیا کی وجہ سے ذکر اللہ اور اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، ان کو اپنے خالق اور محبوب کی یاد سے غافل ہوتے ہوئے شرم آتی ہے، خوف یا محب ان کے لئے ذکر و طاعت کا محرک نہیں بنتا بلکہ محض حیاء کی وجہ سے سب کچھ کرتے ہیں، گو یہ حضرات محبت سے خالی نہیں ہوتے۔۔ البتہ اس کا غلبہ نہیں ہوتا، غلبہ صرف حیاء کا ہوتا ہے، جس پر جس صفت کا غلبہ ہوا وہی اس کے لئے ذکر و طاعت کا سبب اور داعی بن گیا۔ اگر کسی میں حیاء غالب ہے تو یہی

صفت اس کے لئے ذکر اللہ کا باعث بن جاتی ہے، خواہ یہ حیاء اس کی ذات سے ہو یا اس کے انعامات و احسانات کی بناپر ہو۔

ذکر کا کوئی متعین اثر مطلوب نہ ہونا چاہیئے

جب ذکر کی اتنی صورتیں ہیں اور ان سب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے وصول الی المطلوب، کہ کسی طرح مطلوب اور مقصود تک رسائی ہو جائے تو پھر ذکر و شغل کر کے اس بات کے خواہش مند نہ بنو کہ ہم کو خوف یا اس کی محبت درجہ غالب میں حاصل ہو جائے یا ہم پر فلاں کیفیت طاری ہو جائے، کیونکہ یہ سب چیزیں غیر اختیاری ہیں اور غیر اختیاری امور کا بندہ مکلف نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب عرصہ تک ذکر کر کے یہ چیزیں حاصل نہ ہوں تو افسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہائے ہم پر فلاں کیفیت کیوں نہیں غالب ہوئی۔ تم کو کیا خبر ہے کہ تمہارے لئے کون سی کیفیت مناسب ہے اور کون سی نہیں، خوف کا راستہ مناسب ہے یا محبت و حیاء کا، وہ کسی کو ہنسا کر پہنچا دیتا ہے، کسی کو رُلا کر، اور کسی کو نہ ہنساتا ہے اور نہ رلاتا ہے، بلکہ حسرت اور پریشانی میں مبتلا رکھ کر پہنچاتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں ست
بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں ست

تم نے پھول کے کان میں کیا کہا کہ وہ ہنس رہا ہے اور بلبل سے تم نے کیا کہا کہ وہ رو رہی ہے۔

غرض جس کو محبوب کے ہاتھ سے جو بھی مل گیا اسی کو اپنے حق میں بہتر اور اچھا سمجھنا چاہیئے اور اسی پر راضی رہنا چاہیئے۔ جنہوں نے اس راز کو سمجھ لیا وہ ہر حال میں راضی رہتے ہیں، اگر ان پر خوف

کا غلبہ ہے تو محبت کے غلبہ کے طالب نہیں ہوتے، اگر کسی پر حیاء غالب ہے تو وہ محبت اور خوف کا طالب نہیں ہوتا، وہ ہر حال میں یہی کہتا ہے:

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش

کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

شراب گدلی ہے یا صاف تم کو اس بارے میں رائے زنی کا کوئی حق نہیں، خاموش رہو کہ ساقی نے جو کچھ بھی پیمانے میں ڈال دیا اس کا عین کرم ہے۔

سالکین کو انتباہ

یہ بات خصوصیت سے ذاکرین کے کام کی ہے کیونکہ ان کو بڑی حرص ہوتی ہے ان میں حالات وکیفیات اور بڑے مقامات کی تمنا کا مرض بہت ہوتا ہے، نیز اس قسم کی تمنا خلاف عبدیت بھی ہے، کامل بندگی اسی میں ہے کہ اپنی تمام خواہشات اور تمناؤں کو حق تعالیٰ کی خواہش میں فنا اور اس کے تابع کر دے۔ بعض ذاکرین ذکر کر کے شکایت کرتے ہیں کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا، ہائے! یہ ساری عمر نفس کے مزے ہی میں پڑے رہیں گے۔ محبوب کی طرف کب متوجہ ہوں گے، یاد رکھو! عاشق کا مذہب یہ ہونا چاہیئے:

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ آگ ہے کہ جب یہ بھڑکتی ہے تو معشوق کے سوا باقی ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

تیغِ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

جب غیر حق کے فنا کرنے کے لئے "لا" کی تلوار چلائی تو دیکھو لا کے بعد کیا رہ گیا۔

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت　　　　مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

الا اللہ رہ گیا اور باقی سب ختم ہو گیا، تو مبارک ہو اے عشق تجھ کو، جو شرکتِ غیر کو جلا دے۔

اب نہ کسی خاص کیفیت کے طالب بنو اور نہ کسی خاص مقام کے بلکہ صرف خدا کے طالب بنو اور اگر کچھ بھی نہ ملے تب بھی راضی رہو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

گر مرادت را مذاق شکر است　　　　بے مرادی نے مرادی دلبر است

یعنی ہم نے مانا کہ تمہاری مراد بہت عمدہ ہے مگر ذرا سوچو تو سہی کہ اپنے دلبر (معشوق) کی مراد یہ ہو کہ تم نامراد رہو، تو کیا اس کی مراد تمہاری مراد سے افضل نہ ہو گی؟

ارے تمہاری مخترعات (گھڑی ہوئی مرادیں) نہ ملیں تو وہ خود تو تم کو مل جائے گا، اور جب وہ مل گیا تو پھر سب کچھ مل گیا۔ اسی کو کہا ہے:

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند

فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

جس شخص کو تمہاری معرفت حاصل ہو گئی، اس کو جان اور فرزند اور اسباب کا حاصل ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

ذکر و فکر ہی مقصود ہے

میرے بھائیو اور عزیزو! بندے کا کلام صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد میں رہے، ذکر و فکر ہی کو مقصود سمجھے اور کسی کیفیت پر نظر نہ رکھے۔

غرض حق تعالیٰ نے ہم سے اس طرح خطاب فرمایا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر ۱۹)

ترجمہ: "ان جیسے مت بنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) خود ان کی جانوں سے ان کو بے پروا بنا دیا اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔"

پس کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی خدا کو بھولنے والوں میں شمار ہو جائیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہم اس ارشاد: اُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر ۱۹) (یہی لوگ ہیں نافرمان) کے مستحق ہو کر نافرمانوں میں داخل ہو جائیں گے۔

نسیان کا علاج اور گناہوں سے بچنے کا طریقہ

تو بدحالی کا سبب نسیان ٹھہرا اور اس نسیان کا علاج ذکر اور فکر ہے، تو اب اس بدحالی اور گناہوں سے بچنے کا ایک طریقہ اور نکلا جو نہایت آسان ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا حسب فرصت مقرر کیا جائے اور اور اس میں کچھ دیر بیٹھ کر ذکر اللہ (اللہ اللہ) کیا جائے، مگر وہ ذکر ایسا ہو کہ زبان و دل دونوں اس میں شریک ہوں، ورنہ پھر وہ حالت ہو گی:

سبحہ در کف توبہ برلب دل پُراز ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما!

ہاتھ میں تسبیح، لب پر توبہ، اور دل میں گناہوں کی لذت بھری ہوئی ہے تو ہماری ایسی توبہ سے گناہوں کو بھی شرم آتی ہے کہ یہ عجیب توبہ کر رہا ہے کہ پھر گناہ کا قصد ہے کہ موقع ملا تو پھر گناہ کروں گا۔

ایسی زبانی یاد جلدی موئثر نہیں ہوتی، یادِ خدا کے لئے ذکر اللہ وہی جلدی رنگ لاتا ہے جو دل و زبان دونوں سے ہو، جب اللہ کا نام لینے بیٹھو تو دل میں ماسوا اللہ کوئی خیال (قصداً) نہ لاؤ اور اگر خود بخود آجائے تو وہ تم کو کچھ مضر نہیں۔ اس کو یوں سمجھو کہ ایک سرکاری آدمی پہرہ پر کھڑا کیا گیا ہو کہ دربار میں کسی کو نہ آنے دے۔ اب اگر وہ سنتری خود ہی کسی کو اندر بلالے تو مجرم ہوگا لیکن اگر وہ بابغی جبر کرکے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر جلدی سے اندر گھس آئے تو اس سے سنتری مجرم نہ ہوگا۔ اسی طرح نماز اور ذکر میں خود وساوس لانا یا ان میں مشغول ہوجانا برا اور مذموم ہے لیکن اگر خود نہ لائے اور نہ اُدھر متوجہ ہو تو کچھ ضرر نہیں رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ تو ایسا نکال لو، جس میں اس طرح اللہ کا ذکر کرلیا کرو، وہ ذکر خواہ لا الہ الا اللہ کا ہو یا اللہ کا ہو بس اس طرح روزانہ ایک گھنٹہ پورا کرلیا کرو۔

حضرات! میں آپ کو ایک عجیب بات بتلا رہا ہوں بخدا ذکر کی پابندی کے ساتھ اوّل تو آپ سے گناہ ہی نہ ہوں گے، اس بدحالی میں مبتلا ہونا ہی ان شاء اللہ تعالیٰ ختم ہوجائے گا، اور اگر نفس و شیطان سے مغلوب ہو کر گناہ ہو بھی گیا تو فوراً دل کے نور میں کمی معلوم ہوگی، دل پر آرے چلیں گے، فوراً دل پر نشتر سا لگے گا بغیر توبہ کے چین ہی نہ آئے گا، توبہ کی طرف جھکنا پڑے گا۔ تو پھر ان شاء اللہ اس

کا یہ اثر ہو گا کہ ایک ایک کر کے سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔ کس قدر سہل نسخہ ہے فسق و بدحالی سے بچنے اور اجتناب کرنے کا، ایسے آسان نسخہ پر بھی عمل نہ ہو سکے تو اس کے لئے کہا جائے گا

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر　　　　تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو بھی کسی قابل ہوتا

حاصل کلام:

خلاصہ وعظ کا یہ ہوا کہ اس آیت میں اُولٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن کو نَسُوْا اللہ (الحشر ۱۹) پر مرتب کیا گیا ہے جس سے نسیان کا سبب فسق اور معصیت کی بدحالی ہونا ظاہر ہوا اور اس سے بچنے کے لئے ذکر اللہ لازم ہے، پس حق تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں اسی پر مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے اور محبت بھرے عنوان اور پیارے لہجے میں فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں یہ کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ تم اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل اور اس کے بھولنے والے ہو جاؤ! جیسے کفار نے اللہ کو بھلا دیا ہے، کہاں وہ اور کہاں تم!

میرے عزیزو! اور بھائیو! خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو سننے کے بعد چاہیئے کہ ہم اللہ کے ذکر اور اس کی یاد کو اپنے لئے لازمِ حیات کر لیں اور برابر توفیق کی دعا کرتے رہیں تاکہ ہم بالآخر فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کے مصداق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ذکر و طاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ نبی الامین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستحبات پر عمل اور اس کی برکات

اسم اللہ کی تعظیم کی برکات

ایک روز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا تشریف لے گئے تو آپ قدس سرہ نے دیکھا کہ وہاں مٹی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے اور اس پر اسم اللہ منقوش ہے، آپ

قدس سرہ نے اس پیالہ کو وہاں سے اٹھایا اور واپس تشریف لائے اور پانی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے اس کو دھویا اور اچھی طرح پاک کیا۔ خدام نے ہر چند عرض کیا کہ ہم اس کو پاک کر دیں مگر قبول نہ فرمایا پھر اس پیالہ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھ دیا اور جب پانی پینا چاہتے تو اسی پیالہ میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی برکت کی وجہ سے جنابِ باری عزاسمہ کی جانب سے ندا آئی کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنادیا۔ اس کے بعد آپ قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جس قدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن ہیں۔ [951]

از حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ تعالیٰ: یہ بندہ خدمتِ عالی میں حاضر تھا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولانا صالح ختلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ تھیلی میں سے چند لونگیں نکال کر لاؤ۔ وہ چھ لونگیں نکال کر لائے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ صوفی ہیں جنہیں ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اَللّٰہُ وِتْرٌ وَّیُحِبُّ الْوِتْر ہے، اس لئے وتر کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے مستحب کو کیا سمجھ رکھا ہے، اجی یہ مستحب اللہ تعالیٰ کا پسند کیا ہوا ہے، اور فرمایا کہ میں استحباب کی رعایت اس درجہ رکھتا ہوں کہ منہ دھوتے وقت بھی یہ کوشش کرتا ہوں کہ پہلے دائیں رخسار پر پانی پہنچے کیونکہ تیامن بھی مستحبات سے ہے۔ [952]

---

[951] (حضرات القدس: دفتر دوم، ص ۷۸)

[952] (زبدۃ المقامات ص ۱۹۴)

تہجد کے لئے اٹھایا جانا

حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھ کو نمازِ تہجد کے لئے ہمیشہ اذان یا اعلام یا کسی آواز کے ذریعے سے بیدار کر دیا جاتا ہے اور کبھی اپنے اختیار سے نہیں اٹھتا مگر ایک دفعہ صاف اور واضح طور سے آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ میں کون ہوں جو اپنے اختیار سے اٹھوں اور اس کی بندگی و طاعت میں مصروف ہوں لہٰذا پھر سو گیا۔ ایک لحظہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان و اعلام کی آواز آنے لگی۔ اس وقت میں اُٹھا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔

تلاشِ مرشد

اے عزیز جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ علم باطن فرض ہے تو تلاش اس علم کے عالم کی تجھ پر ضروری ہوئی لہٰذا اب میں کامل مرشد کی کیفیت بیان کرتا ہوں تاکہ تو اس کو پہچان کر اس سے فائدہ حاصل کرے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب طلب کمالات باطنی واجبات سے ہے، پس تلاش پیر کامل مکمل بھی ضروریات سے ہے کہ وصول بخدا بے توسط پیر کامل مکمل بس قلیل ہے اور بہت نادر۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس را نہ کشد بغیر از ظل پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

نفس کو بغیر پیر کے سایہ، نہیں مار سکتا　　　اس نفس کے مارنے والے کا دامن مضبوط پکڑ

اور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نیست ممکن در رہِ عشق اے پسر　　　راہ بردن بے دلیل راہ بر

نہیں ہے چارہ راستہ محبت خدا میں اے عزیز　　　راستہ چلنا بلا راہبر کے (یعنی پیر کے)

اور دوسری جگہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مقالۃالدریۃفی النصیحۃو الوصیۃ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ طالب کو چاہیئے کہ ہمیشہ طلب علمِ لدنی اور تلاشِ نسبتِ صوفیاءرحمہم اللہ تعالیٰ میں کہ غنیمت ہے، رہے اور تلاش میں رہے اہل دل اور شیخ کامل مکمل کی۔ حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کامل کا مل جانا محض بخشش رب کی ہے، چنانچہ حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت مرزا جانِجاناں شہید و شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و غیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ سب بزرگوار اور علاوہ ان کے ہزارہااولیائے امت رحمۃ اللہ علیہم پیدائشی محبتِ حق و نورِ اجتباء (یعنی پیدائشی کشش ربانی بلاتعلیم ان کے دل میں خدا نے ودیعت فرمائی تھی) سے مشرف تھے کہ جن کے حالات میں کتابیں بھری ہیں، اور یہ بزرگوار سب عالمِ اجل ہوئے ہیں، مگر باوجود تکمیل علمِ ظاہر کے کسی نے ایک، کسی نے دو کسی نے تین، کسی نے چار مرشد اختیار کئے ہیں اور جس طرح سلسلہ علم حدیث کا خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم تک اپنے استادوں کا پہنچایا ہے، اسی طرح استادان (مرشدان) طریقت کا سلسلہ بھی یکے بعد دیگرے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم تک پہنچایاہے جو ان کی کتابوں میں مفصل درج ہے، اسی واسطے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ چیزے خود بخود پیدا نہ شد | ہیچ آہن خود بخود تیغ نہ شد

کوئی چیز اپنے آپ پیدا نہیں ہوئی | اور نہ کوئی لوہا خود سے تلوار بنا

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولوی ہر گز مولائے روم نہیں بنا

جب تک کہ حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ کا غلام نہ ہوا

لہذا طالب کو چاہیئے کہ اب اس بات کو تلاش کرے کہ خدا کے جس ولی کو ہم ڈھونڈھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اس کا رب العالمین نے کیا کیا پتہ دیا ہے اور رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس کی کیا کیا نشانیاں فرمائی ہیں اور جن لوگوں سے ہم بچنا چاہتے ہیں ان کی علامت قرآن و حدیث اور ائمہ شریعت و طریقت نے کیا بیان فرمائی ہے؟ اللہ پاک اپنے کلام مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے، إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ (الانفال ۳۴) (نہیں ہیں اس کے دوست مگر تقویٰ والے) دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۱۳) (تم میں سے زیادہ متقی اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہے)، تیسری جگہ فرمایا اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْن (آل عمران ۷۶) (بیشک اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے) چوتھی جگہ بشارت ہے وَ اُزْلِفَتِ الجَنَّۃُ لِلمُتَّقِینَ غَیرَ بَعِید (ق ۳۱) (اور جنت متقیوں کے لئے آراستہ کی گئی ہے اور قریب ہے)۔ علاوہ اس کے اور بہت سی جگہ اللہ پاک نے متقیوں کو اپنا دوست فرمایا ہے اور متقی اس کو کہتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اس پر خلوص سے قائم ہو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو اس چیز کو چھوڑنے والا ہو، جو متبع سنت ظاہر و باطن میں ہے وہی متقی ہے اور وہی خدا کا ولی ہے اور جو باوجود ہوش و تمیز ہونے کے پیروی چھوڑے ہوئے ہے ہر گز خدا کا ولی نہیں ہو سکتا، چنانچہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　　کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

جس نے پیغمبر کے علاوہ راستہ اختیار کیا　　　وہ ہر گز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا

اس زمانہ میں اکثر پیر اپنی وضع و قطع خلافِ شریعت رکھتے ہیں، جیسے نماز نہ پڑھنا یا گاہے گاہے پڑھنا، داڑھی چڑھانا یا منڈوانا یا کتروانا، مونچھوں کا بڑھالینا، پائنچے ٹخنوں سے نیچے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ شریعت پاک میں چاروں ائمہ شریعت و ائمہ طریقت کے نزدیک ایسا شخص فاسق ہے۔ امام طریقہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب فیوض یزدانی میں فرماتے ہیں کہ جو شخص جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی اتباع نہ کرے اور اپنے ایک ہاتھ میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کو اور دوسرے ہاتھ میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی کتاب قرآن پاک کو جو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم پر نازل ہوئی تھی، نہ تھامے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے چلے ہوئے راستہ میں حق تعالیٰ کی طرف نہ چلے وہ ہلاک ہو اور پھر ہو، اور گمراہ ہو اور پھر ہو، یہی دونوں قرآن و شریعت حق تعالیٰ کی طرف راستہ چلانے والے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے عرش معلیٰ کانپتا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِیۡ الۡقَوۡمَ الۡفَاسِقِیۡنَ۔ (المنافقون ٦) (بے شک اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا) لیکن جاہل ایسے لوگوں کو خدا کا ولی جانتے ہیں اور وہ فاسق پیر اپنی ولایت کا اثبات جاہلوں کی زبان سے سن کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جاہل یہ کہتے ہیں کہ میاں صاحب نماز پنجگانہ مکہ شریف میں پڑھتے ہیں، یہاں ان کو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اور اپنے لباس ملامت سے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں میاں صاحب سے کوئی کچھ پوچھتا ہے تو کچھ مدہوش کچھ باہوش بن کر یہ مصرعہ فرمادیا کرتے ہیں: ”نمازِ عاشقاں ترک وجود است“ اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ پیروں سے مسلمانوں کو بچائے اور ان کے ماننے والوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے (آمین)۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عبادتِ الٰہی سے کسی کو چارہ نہیں۔ کیا انبیاء علیہم السلام، کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور کیا ائمہ طریقت

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، کوئی بھی ہو یہاں تک کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں "اگر ہوتے عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام میرے زمانہ میں تو بلا میری پیروی کے ان کو چارہ نہ ہوتا۔" اب ہر شخص، پیر فاسق ہو یا اسکا ماننے والا، سمجھ لے کہ جب انبیائے اولوالعزم علیہم السلام کو بغیر اتباعِ حبیب خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے چارہ نہ ہوتا تو بھلا ان بے چارے فاسق پیروں کو کیسے چارہ ہو سکتا ہے؟ یہ عجب بے سمجھی اور بے عقلی ہے کہ جن متقیوں کو خدا اپنا دوست فرمائے ان کی طرف بد ظنی ہو اور جن فاسقوں کو خدا اپنی ہدایت سے بے بہرہ ہونا فرمائے ان کو خدا کا دوست بنایا جائے۔ خدا ایسے لوگوں کی پیروی سے منع فرمائے اور جاہل بے سمجھ ان کی پیروی کریں، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا: لَا تُطِعْ مِنهُم اٰثِماً اَو کَفُوراً (الانسان ۲۴) (پیروی مت کرو گنہ گار اور کافر کی)۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا (الحشر ۷) (جو کچھ میرا رسول تمہارے پاس لائے تم اس کو اختیار کر لو اور لے لو اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو) اس ارشاد رب العباد کے خلاف، جس چیز کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم منع فرماتے ہیں اس کو اختیار کرتے ہیں اور جس چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو چھوڑتے ہیں، لیکن ولایت کا دعویٰ کرتے اور اپنے کو مبدا ہدایت جانتے ہیں۔ رَبَّنَا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (الفاتحۃ ٦)، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَو اَخطَاْنَا۔ (البقرۃ ۲۸٦) جن لوگوں کی طبیعت میں احکام شریعت کی وقعت نہیں، مگر جاہلوں میں ان کی وقعت ہے، بعض لوگ اس پر جمے ہوئے ہیں کہ فلاں گدی میں ہمارے خاندان کے لوگ مرید ہوتے آئے ہیں ہم بھی اسی جگہ مرید ہوں گے اور اکثر جگہ پیروں کا طریقہ بھی یہی ہے کہ باپ مرا اور ان کا بیٹا ان کی جگہ قائم ہوا اور دستار ان کے سر پر باندھ دی گئی، اور وہ فوراً پیر بن بیٹھے، نہ اس نے سلوک کا طریقہ طے کیا ہے اور نہ اس کو اجازت باضابطہ طریقت کی ملی ہے نہ وہ

اتباع شریعت پر قائم ہوا ہے مگر مریدوں اور گھر والوں نے اس کو پیر ضرور ہی بنا دیا۔ یہ طریقہ بلا سلوک طے کئے ہوئے اور بلا اجازت پیر بن کر گدی پر بیٹھ جانا، ایسے لوگوں سے بیعت ہونا یا ایسے پیروں کا لوگوں کو مرید کرنا بالکل غلط اور سراسر عقل کے خلاف ہے۔ بزرگ کے انتقال کے بعد اس بزرگ کی اولاد میں سے یا اس کے مریدوں میں سے جس کسی نے سلوک طے کیا ہو اور اس کو اجازت بیعت کرنے کی مل چکی ہو اور ان میں بھی جو سب سے اچھا اور لائق موافق تحقیقات علمائے طریقت کے ہو اس کے سر پر دستار باندھنی چاہئے۔ ولایت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے ایک نعمت خداوندی ہے چاہے غلام کو عطا فرمائے یا آقا کو۔ جس کو عنایت فرمادے اس کی اتباع سب کو کرنی چاہئے اور یہ مریدی کسی کے گھر کی غلامی بھی نہیں ہے بلکہ صراط المستقیم پر چلنے اور خلوص حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی بزرگ کے انتقال کے بعد اس کے سلسلہ کے لوگ اس بزرگ کے اہل و عیال کی ہر قسم کی خدمت کریں، یہ اچھی بات ہے اور هَلۡ جَزَاءُ الۡاِحسَانِ اِلَّا الۡاِحسَان (الرحمٰن ٦٠) کی تعمیل ہے۔ پس اے عزیز! ایسے لوگوں سے کہ جو فاسق ہوں اور خدا ان کو اپنا دوست نہ فرمائے، ان سے بیعت نہ ہونا چاہئے اور ان کی صحبت سے بچنا چاہئے کیونکہ فائدہ مفقود اور نقصان ظاہر ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دستِ ناقص دست شیطانست و دیو — زانکہ اندر دام و تکلیف ست ریو

ناقص کا ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے — کیونکہ اس میں سراسر مکاری اور تکلیف ہے

اور صحبت میں ان کے نہ بیٹھنا چاہئے، اگرچہ ان سے عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوں کہ شریعت میں اس کو استدراج کہتے ہیں، جیسے دلوں کا حال بیان کرنا، دلوں پر اثر ڈالنا، غائب چیزوں کا بتا دینا، خود غائب ہو جانا، شیر کی شکل بن جانا، ہوا پر اڑنا، یہ سب صفات شیطان لعین و جوگیان اور برہمان ہند اور

فلاسفر ان یونان میں بھی ہوتی ہیں، اگر انہی چیزوں کا نام ولایت ہے تو شیطان کفار کو بھی ولی کہنا لازم آئے گا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ولایت کو پورا نہ مانا جائے گا کیونکہ کشف اور خرق عادات ان سے بہت کم ظہور میں آئے مگر عقائدِ اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات مبارک تو کجا تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مرتبہ کو کوئی ولی یا امامِ وقت اگرچہ اس سے کتنی ہی کرامتیں اور تصرفات ظاہر ہوئی ہوں نہیں پہنچ سکتا، ولایت قرب حق اور یقین کامل اور کثرت محبت خدا اور رسول واتباع حبیبِ خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نام ہے، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت کرنے پر ان کے شیخ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کامل کے کمال کی شناخت ایک جملہ میں فرمادی "یقین تر کامل تر" اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صاف شناخت ناقص اور کامل کی فرمائی ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ‏ ‏ ‏ پس بہر دست نباید داد دست

بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہیں

پس ہر ایک کے ہاتھ میں بغیر تحقیق ہاتھ نہ دینا چاہیے

ہر کہ او از کشف خود گوید سخن ‏ ‏ ‏ کشف اورا کفش کن بر سر بزن

جو کچھ وہ اپنے کشف سے بات کہے ‏ ‏ ‏ تو اس کے کشف کی جوتی اس کے منہ پر مار دے

ما برائے استقامت آمدیم ‏ ‏ ‏ نے پئے کشف و کرامت آمدیم

ہم شریعت کے احکام پر مضبوط رہنے کو آئے ہیں ‏ ‏ ‏ نہ کہ کشف و کرامت کے واسطے آئے ہیں

عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحبت ناجنس مخالف سے بچ اور بدعتی کی صحبت سے بھاگ اور جو مسند شیخی پر بیٹھا ہے اور عمل اس کے سنت کے خلاف ہوں زنہار

الف زنہار اس سے دور ہو، بلکہ اس شہر میں مت رہ شاید کبھی تیرا رجحان اس کی طرف ہو جائے اور تیرے عقائد میں فرق آجائے وہ پیر چور ہے چھپا ہوا اور جال ہے شیطان کا اگرچہ اس سے خرقِ عادات طرح طرح کے دیکھے تو اور دنیا سے بے تعلق اس کو پائے، تو بھاگ اس کی صحبت سے جیسے کہ بھاگتے ہیں شیر سے مقصد شریعت طریقت حقیقت معرفت سب کا یہ ہے کہ بندۂ خاکی کی بخشش ہو جائے اور اس کا پہلا ذریعہ شریعت کی اتباع ہے اور اعمالِ شریعت میں خلوص پیدا ہو جانا یہ طریقت ہے، کسی کے حال و قال کشف و کرامت پر انحصارِ بخشش نہیں ہے جو حال یا کشف خرق عادات متقی سے ظاہر ہو وہ نور ہے، اور اس کو کرامت اور برکت کہیں گے اور جو خلافِ شرع لوگوں سے ایسی باتیں ظاہر ہوں اس کو استدراج کہیں گے۔ اب میں ان لوگوں کے حالات بیان کرتا ہوں جن پر ولایت کے آثار پیدا ہوں اور عُلَماءُ أمّتي كأَنبياءِبَني إسرائيلَ[953] اور العلماء ورثة الانبياء کے وہ مصداق ہیں اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سینہ کو نور باطن سے منور کیا جائے اور ہاتھ ان کا گویا ہاتھ خدا کا ہو، جیسے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں یَدُاللّٰہ فوَقَ اَیدِیھِم بود	دست او را دست خود فرمود احد
جب اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہو	ایسے لوگوں کے ہاتھ کو خدا نے اپنا ہاتھ فرمایا
چوں قبول حق بود آں مرد راست	دست او در کارہا دست خدا است
جس بندہ کو خدا اپنا مقبول کرلے	اس کا ہاتھ تمام کاموں میں گویا خدا کا ہاتھ ہے

ظاہر میں متبع سنت ہو، اس کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے محبت دنیا سرد ہو اور محبت خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم غالب ہو، وساوس شیطانی

---

[953] محمدبن محمدالغزي (ت١٠٦١)، إتقان مايحسن١/٣٦١•له شواهد.

وخطرات نفسانی کم ہوں، وہ خدا کی عبادت میں اکثر مشغول رہتا ہو، اپنی تعریف نہ کرتا ہو، طامع نہ ہو قانع ہو، ضروریات کو لے کر فضولیات کو چھوڑنے والا ہو اس کی صحبت میں دنیا کی باتیں کم ہوتی ہوں، اکثر ذکر خیر ہوتا ہو اس کے مرید اکثر نیک ہوں اور خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت کا جذبہ رکھتے ہوں، جب یہ باتیں اس میں موجود ہوں تو اس سے قصدِ بیعت کرنا چاہئے لیکن قبل از بیعت استخارہ کرنا سنت ہے اور پیران عظام کا یہ ہی طریقہ رہا ہے اگر استخارہ میں بھی اس بزرگ کی خوبی معلوم ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے ضرور فائدہ پہنچے گا، اگر مقدر سے بوجہ شامت اعمالِ باطنی فائدہ نہ بھی پہنچا تو نقصان بھی نہ ہو گا، اس کی محبت اور پیروی بخشش کے واسطے کافی ہو گی۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست رہ پر آفت وخوف و خطر

اپنے لئے مرشد بنا کیونکہ بغیر پیر یہ سفر نہایت پر آشوب اور خطرناک ہے

یعنی شیطان اور نفس کو اس میں بہت دھوکہ دینے کا موقع ملتا ہے۔

دامن او گیر زود تر بے گماں تا رہی از آفت آخر زماں

بلاشک اس بندہ خاص کا دامن جلد پکڑ تا کہ تو اس آخری زمانہ کی آفتوں سے بچے

سابقہ بحث سے منازلِ سلوک میں ترقی اور قلبی امراض کے علاج کے لئے شیخِ کامل کی صحبت کی اہمیت واضح ہو چکی ہے لیکن اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیخِ کامل کی پہچان اور اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ اور اس کی شرائط واوصاف کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

ا) جب طالب کو اس کی اس قدر ضرورت ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ عزمِ مصمم اور نیتِ خالص کر کے عاجزی اور انکساری کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو۔ رات کی تاریکیوں میں اس کو پکارے اور

اپنے سجدوں میں اور نماز کے بعد اس کی بارگاہ میں یہ دعا کرے: " اللھم دلنی علی من یدلنی علیک واوصلنی الی من یوصلنی الیک "یعنی "اے اللہ! میری راہنمائی فرما۔ ایسے بندۂ خدا کے ذریعہ جو مجھے تیری طرف راہنمائی فرمائے اور مجھے ایسے بندہ تک پہنچا دے جو مجھے تیری ذات تک پہنچائے"۔

۲) اگر اپنے شہر میں شیخ کامل نہ ملے تو دیگر شہروں میں اسے تلاش کرے۔ جس طرح کہ مریض علاج معالجہ کے لئے دوسرے شہر کا سفر کرتا ہے جب اسے اپنے شہر میں کوئی اسپیشلسٹ نہیں ملتا یا اس کے شہر کے ڈاکٹر اس کی بیماری کی تشخیص سے عاجز آجاتے ہیں۔ جب جسمانی امراض کے علاج معالجہ کے لئے اتنی کوشش کی جاتی ہے تو روحانی علاج کے لئے ماہر اطباء کی تلاش اشد ضروری ہے۔

لوگوں کی راہنمائی کی اہلیت کے لئے مرشد میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:۔

(۱): ہر فرض عین کو جاننے والا ہو۔

(۲): عارف باللہ ہو۔

(۳): تزکیۂ نفس کے طریقے اور اس کی تربیت کے وسائل سے باخبر ہو۔

(۴): اسے اپنے شیخ سے تربیت کا اذن ہو۔

پہلی شرط: اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض عینیہ کو جانتا ہو جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے احکام جبکہ وہ صاحبِ نصاب ہو۔ باہمی لین دین اور بیع و شراء کے احکام کو جانتا ہو علمِ کلام کے متعلق عقائدِ اہلسنت سے واقف ہو اور اسے علم ہو کہ خدا کی ذات کے لئے کونسی چیز واجب، جائز

یا مستحیل ہے اسی طرح رسل عظام علیہم السلام کے متعلق تمام عقائد اور اسلام کے بنیادی ارکان سے آگاہ ہو۔

دوسری شرط: عقیدہ اہلسنت کو علماً و درایۃً جاننے کے بعد عملاً اور ذوقاً اس پر کاربند ہو اس کا دل اور روح صحت اور عقیدہ کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ ذوقاً و شہوداً اسمائے الٰہیہ پر اسے آگاہی ہو ان تمام اسماء کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بتائے۔ کثرت اسماء اس کو شک میں نہ ڈالیں کیونکہ تعداد ذات پر دلالت نہیں کرتی۔

تیسری شرط: شیخ و مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ منصب شیخ پر فائز ہونے سے پہلے کسی مربی و مرشد سے اپنا تزکیۂ نفس کرائے اور وہ مراتبِ نفس اس کے امراض اور وساوس سے باخبر ہو وہ شیطانی فریب کاریوں اور حملہ کرنے کے راستوں کو جانتا ہو اور منازلِ سلوک کے مراحل کی آفات سے آشنا ہو اور ہر شخص کی حالت کے مطابق علاج سے آگاہ ہو۔

چوتھی شرط: مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ کی طرف سے تربیت اور منازلِ سلوک میں اجازت یافتہ ہو کیونکہ جو شخص کسی علم کا دعویٰ کرتا ہے اور اس علم کے ماہرین اس علم کی مہارت میں اس کی تصدیق نہ کریں تو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس علم میں مہارت کا دعویٰ کرے۔

حصولِ سند اس بات کی گواہی ہوتی ہے کہ صاحبِ سند ارشاد و تربیت کا اہل ہے اور تمام صفات حمیدہ کا جامع ہے۔ مدارس اور جامعات کے نظامِ اسناد کی بھی یہی اصل ہے جیسا کہ ڈاکٹری کی سند رکھنے والا ہی مریضوں کے علاج معالجہ کا کلینک کھول سکتا ہے اور انجینئر کی سند رکھنے والا کسی عمارت کا نقشہ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اہلیت تعلیم کی ڈگری حاصل کرنے والا ہی مدارس اور جامعات میں پڑھا سکتا ہے۔ بعینہ ارشاد و تربیت کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جسے اپنے مرشد کی طرف سے تربیت کا اذن

حاصل ہو اور اس کے مرشد کی سند حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے متصل ہو۔ جس طرح کہ ایک عقلمند کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنا علاج کسی ایسے نیم حکیم سے کرائے جو طب سے ناواقف ہو۔ اسی طرح انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کسی ناقص اور غیر ماذون شخص کی طرف مائل ہو۔ جس شخص نے قدیم طریقۂ تعلیم کا مطالعہ کیا ہو اسے معلوم ہو گا کہ اساتذہ سے علم حاصل کرنے اور ان سے حاصل شدہ اسناد کی کیا قدر و قیمت ہے حتیٰ کہ استاد سے علم حاصل نہ کرنے والے کو وہ لوگ کتابی کہا کرتے تھے کیونکہ اس نے علم کو اساتذہ کے بغیر ہی کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ان ھٰذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"۔

یہ علم دین ہے غور کرو کہ علم کس سے حاصل کر رہے ہو؟[954]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہی وصیت فرمائی:

یا ابن عمر دینک دینک انما ھو لحمک و دمک فانظر عمن تأخذ، خذ الدین عن الذین استقاموا، ولا تأخذ عن الذین مالوا۔

"یعنی اے ابن عمر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تمہارا دین تمہارے گوشت اور خون کی طرح ہے۔ خوب غور کرو کہ تم یہ دین کس سے حاصل کرتے ہو۔ دین ان لوگوں سے حاصل کرو جو صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں نہ کہ ان سے جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہوں"[955]

---

[954] (رواہ مسلم فی مقدمة صحیحه عن محمد بن سیرین)

[955] (أخرجه الحافظ ابن عدی عن ابن عمر کذا فی "کنز العمال" ج۳ ص ۱۵۲)

کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے "علم روح ہے جسے انسان کے جسم میں پھونکا جاتا ہے نہ کہ وہ مسائل جن کو نقل کیا جاتا ہے۔ معلمین کو غور کرنا چاہئے کہ وہ علم کس کو عطا کرتے ہیں۔"

مرشدِ کامل کی علامات

(۱) جب تو اس کی مجلس میں بیٹھے تو ایمان کی تازگی اور روحانی کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کی گفتگو اللہ کے لئے ہو۔ کلماتِ خیر کے سوا کچھ نہ بولے۔ وعظ و نصیحت کے علاوہ کچھ گفتگو نہ کرے۔ اس کے کلام کی طرح اس کی صحبت بھی نفع رساں ہو۔ اس کا قرب و بعد دونوں حالتیں نفع سے خالی نہ ہوں اور اس کے الفاظ کی طرح اشارات بھی فائدہ مند ہوں۔

(۲) اس کے متبعین اور مریدین میں ایمان، اخلاص، اور تواضع پائی جائے جب ان سے ملاقات ہو تو وہ محبت صدق ایثار اور خالص اخوت کا اعلیٰ پیکر دکھائی دیں۔ ماہر طبیب کی پہچان، اس کے آثار اس کی محنت کے نتائج سے ہوتی ہے یعنی اس سے شفایاب ہونے والے مریض قوی اور صحت مند ہوتے ہیں۔

یہ جاننا چاہئے کہ مریدوں کی قلت و کثرت شیخ کے کامل اور صالح ہونے کا پیمانہ نہیں بلکہ اس بات کا اعتبار ہو گا کہ اس کے مرید، نیک، پرہیز گار، عیوب و امراض سے پاک اور شریعت پر کس قدر پابند ہیں۔ اس کے مریدین ملک کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں کیونکہ اسی طرح نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان صفات کا حامل شیخِ کامل اگر میسر ہو تو مرید کو چاہئے کہ اس کے دستِ اقدس پر بیعت کرنے میں جلدی کرے اور اس کی بیعت کرنے کے بعد اس کی صحبت کا التزام کرے۔ اس کی بارگاہ میں باادب رہ کر اس کے وعظ و نصیحت کے مطابق عمل پیرا رہے تاکہ اسے دارین کی سعادت اور کامیابی حاصل ہو۔

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ طالبِ حق کو چاہیئے کہ کسی ایسے شیخ سے متصل ہو جو اس کی نگہبانی اور طریق حق کی طرف نگرانی کرے اور اس کی زندگی کے تاریک پہلوؤں کو روشن اور تابناک کرے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت علی وجہ البصیرۃ اور یقینِ کامل سے کرے۔ مرشدِ کامل کے دستِ اقدس پر بیعت کرے اور عیوب سے پاک اور صفاتِ حسنہ سے مزین ہو کر منازلِ سلوک طے کرنے کا معاہدہ کرے تا کہ مختلف مقامات میں ترقی کرتے ہوئے مقامِ احسان تک پہنچ جائے۔

باب ہفتم

اثباتِ بیعت

اے میرے دل کے قرار! جب تجھے ان صفات کا حامل شیخ مل جائے کہ جس کی علامات بیان کی جاچکی ہیں تو تجھے اُس سے بیعت ہو جانا چاہیئے کیونکہ بیعت ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل میں ایک فصل مفصل دربارۂ استدلال بیعت تحریر فرماتے ہیں کہ جو قرآن و حدیث سے استنباط کیا گیا ہے۔

مولوی ہر گزنہ شد مولائے روم   تا غلام شمس تبریزی نہ شد[956]

اللہ رب العزت نے دنیا کا ایک نظام بنایا ہے اور سارے کام اسی نظام کے تحت طے پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کوئی چیز بھی براہِ راست عطا نہیں کرتا۔

---

[956] (مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ)

بلکہ اللہ تو حکم دیتا ہے کہ:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ (مائدہ: ۳۵)

اسی لئے انسان کو اپنی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہئے اور پیرِ کامل کی تلاش بھی ہمیشہ رکھنی چاہئے اور جہاں کہیں سے بھی کوئی فیض حاصل ہو، اسے حاصل کرنا چاہیئے اور یہی مقصد کسی مرشد سے بیعت ہونے کا ہوتا ہے کیونکہ کسی سلسلۂ طریقت سے بیعت ہونا کسی صورت بھی خارج از فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے صالحین اور عارفین رحمہم اللہ تعالیٰ کا شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی نہ کسی سلسلہ سے منسلک رہ کر عوام الناس کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، ان شاء اللہ عز و جل۔ آیئے ہم بیعت کے جواز اور اس کی اہمیت و ضرورت کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

بیعت: لفظ بیعت، باع، بیع کا مصدر ہے، جس کے معنیٰ "بیچنے" کے ہیں۔ [957]

اسی طرح بایع یبایع، مبایعۃ کا معنیٰ "بیعت کرنے" یا "خرید و فروخت کرنے" کے ہیں۔ [958]

مختار الصحاح میں لکھا ہے:

بیعۃ: اس نے اُس سے بیعت لی، یا اُس کی بیعت کی اور اس نے اسے فروخت کیا، دونوں معانی مراد ہیں۔ [959]

المنجد میں اس کا معنیٰ "باہم معاہدہ کرنا" مذکور ہیں۔ [960]

---

[957] (مقدمہ ابن خلدون، حصہ دوم، فصل: ۲۹، صفحہ: ۲۸۵)

[958] (قاموس الفاظ القرآن الکریم، کتاب الباء صفحہ ۵۸)

[959] (مختار الصحاح، صفحہ ۱۱۰)

[960] (المنجد، ص ۱۱۰)

لغوی معنٰی

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "بیعت کا لغوی معنی معاہدہ اور معاقدہ ہے۔[961]

ابن خلدون لکھتے ہیں: بیعت مصافحہ کی ایک قسم ہے، بیعت کا فعل لین دین والوں کے فعل کے مثل ہوتا ہے۔ اس لئے بیعت کو بیعت کہتے ہیں۔ (گویا بیعت کرے والے نے اپنے تمام اختیارات اس کے ہاتھ فروخت کر دیئے جس سے بیعت کر لی ہے۔) بیعت کے لغوی اور شرعی معنی یہی ہیں۔[962]

علامہ شیخ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ جمل میں لکھتے ہیں:

فھو بیع لغوی والبیع فی اللغۃ مقابلۃ شیٔ بشیٔ علی وجہ العوضیۃ وفی شیخ زادہ سمیت المعاھدۃ مبایعۃ تشبیھا لھا بھا فان الامۃ اذا التزموا قبول شرط علیھم من تکالیف الشرع طمعا فی ثواب الرحمن وھربا من عقابہ وضمن علیہ الصلوۃ والسلام ذلک فی مقابلۃ وفائھم بالعھد المذکور فصار کان کل واحد منھم باع ماعندہ بماعند الآخر۔

بیعت لغت میں معاہدہ اور معاقدہ کو کہتے ہیں، یہ بیع لغوی ہے اور لغت میں بیع اسے کہتے ہیں کہ ایک شئے کو دوسری شئے کے عوض میں دینا گویا ایک شئے مقابل ہے عوض کے اور شیخ زادہ نامی کتاب میں ہے کہ "معاہدہ" مبایعت ہے، کیونکہ امت اپنے اوپر جب تکالیفِ شرع بمع شروط کے قبولیت کا التزام کر لیتی ہے، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید اور عذابِ الٰہی سے بچنے کیلئے، تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان کے عہدِ مذکور کو پورا کرنے کی بناء پر ان کے (دخول جنت کے) ضامن

---

[961] (فتاویٰ عزیزی، باب التصوف ص ۱۰۱)

[962] (مقدمہ ابن خلدون، حصہ دوم، فصل ۲۹، صفحہ ۲۸۵)

ہو جاتے ہیں، سو تکالیفِ شرعی اور ان کا پورا کرنا ثوابِ آخرت کے بدلے، اور حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ضامن ہونا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی شئے کو دوسرے کے ہاتھوں عوض کے بدلے بیچ ڈالے۔[963]

حضرت علامہ قدوۃ الامۃ وعلم الائمۃ ناصر الشریعۃ ومحی السنۃ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واصل البیعۃ اکعتد الذی یعقد الانسان علی نفسہ من بذل الطاعۃ للامام والوفا بالعھد الذی التزمہ لہ۔

یعنی امام کی اطاعت وفرمانبرداری اور کیے ہوئے عہد وپیمان کے پورا کرنے کے سلسلے میں انسان جو کچھ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے یہی اصل بیعت ہے۔

اصطلاحی مفہوم: شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: متکلمین کی اصطلاح میں بیعت ”عہد کرنا“ ہے۔ متکلمین کے نزدیک بیعت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد جو بیعت صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کی تھی وہ بیعت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے بارے میں ہوئی تھی۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ عہد کیا کہ ہم لوگ خلافت کے احکام کو جاری وساری رکھیں گے۔ یہ بیعت آیہ کریمہ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۱۸) سے ثابت ہے اور صوفیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں بیعت سے یہ مراد ہے کہ مرید اپنا عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ارشاد کے ہاتھ کے ساتھ منعقد کرتا ہے اور یہ انعقاد مرشد کے واسطے سے مرشد کے ساتھ ہوتا ہے اور علیٰ ھذا القیاس یکے

---

[963] (تفسیر جمل، جلد ۴، ممتحنہ ص ۳۳۴)

بعد دیگرے یہ انعقاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ان کے واسطہ سے حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہ بیعت فعلِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔[964]

ضرورت و اہمیت: اس پُر فتن دور میں تو بیعت مرشد کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی ایسی ہستی کا دامن پکڑا جائے جو راہِ طریقت سے واقف ہو اور علومِ شریعت و طریقت کا جامع ہو اور طالبانِ حق کی رہنمائی کا فریضہ احسن طور پر سر انجام دے سکے۔

ہدایت ملی جس کو مرشد ملا　　　　نہیں جس کا مرشد بھٹکتا رہا[965]

بیعت کا جواز

کلامِ پاک میں ارشاد ہے:

یَاأَیُّھَاالَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوا إِلَیْہِ الْوَ سِیلَةَ (المائدہ: ۳۵)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو۔"

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمانِ عالی شان ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندگانِ خاص کے لئے ارشاد فرماتا ہے:

ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔[966]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

---

[964] (فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

[965] (تحقیق حق، صفحہ: ۳۸)

[966] (بیھقی، بحوالہ سنی بھشتی زیور، ص ۸۵۹)

اس آیت کے تحت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں "وسیلہ" سے مراد بیعتِ مرشد ہے۔"

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کے حاشیہ پر لکھا: "ہم نے اپنے جد امجد شاہ عبد الرحیم علیہ الرحمۃ کے ایک مرید سے سنا کہ ہمارے جد امجد نے واسطے مشروعیت بیعت کے اس مذکورہ بالا آیت سے استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلے سے مراد ایمان لیجئے، اس واسطے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے، اور اعمالِ صالحہ بھی مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہیں۔ پس متعین ہو گیا کہ وسیلے سے مراد ارادت و بیعتِ مرشد کی ہے۔"[967]

تفسیر ضیاء القرآن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے: "اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں اور مرشدِ کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے، دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے۔ اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔"[968]

یہاں تک کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے بھی لکھا: اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔[969]

---

[967] (القول الجمیل، صفحہ ۳۹)

[968] (ضیاء القرآن، جلد ۱، تفسیر سورۃ المائدہ ص ۴۶۶)

[969] (صراط مستقیم، صفحہ ۵۸)

حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نے آیت یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه وَ ابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ (المائدۃ ۳۵) کے تحت "وسیلہ" کی تفسیر و تشریح بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے جس میں سے چند مختصر عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

(وَ ابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ) یہ دوسرا حکم ہے جو ایمان و تقویٰ کے بعد ہے، ابْتَغُوا بنا ہے ابتغا سے جس کا مادہ بَغیٌ ہے۔ ابتغا کے معنی ہیں تلاش کرنا ڈھونڈنا ہر چیز کی تلاش کے لئے دروازے الگ ہیں۔ ہر سودے کی جستجو کے لئے بازار دوکانیں جدا گانہ ہیں اس چیز کی تلاش میں ان دروازوں ان دوکانوں بازاروں میں جانا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ڈھونڈو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دروازے پر اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کو ڈھونڈو حضرات اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے دروازوں پر۔ حضرات اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے آستانے تلاش کرو آستانہ کے ذریعے سے۔[970]

خیال رہے کہ وسیلہ کے لغت میں بہت معانی ہیں: قرب، محبت، حاجت، جنت کا خاص مقام۔

ایک شاعر نے کہا ہے:

ان الرجل لهم الیک وسیلته　　　　ان یاخذوک تکحلی و تعضب

(تفسیر روح المعانی و خازن) اصطلاح میں کسی چیز کے ذریعہ کو وسیلہ کہا جاتا ہے یہاں وسیلہ کے تمام معنی بن سکتے ہیں مگر آخری معنی یعنی ذریعہ قوی ہے۔ وسیلہ عام ہے حضرات اولیاء انبیاء نیک اعمال، ان حضرات کے تبرکات سب ہی اس میں شامل ہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں اعمال کے علاوہ دوسرے وسیلے مراد ہیں کیونکہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آ گئے تقویٰ کے بعد وسیلہ کی تلاش کا حکم

---

[970] (تفسیر نعیمی جلد ۶، ص ۳۹۳)

دے کر بتایا گیا کہ کوئی متقی تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر خدا کی رسی کے لئے وسیلہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔[971]

وسیلہ: از آدم علیہ السلام تا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر دین ہر امت کا یہ عقیدہ رہا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا بھی عقیدہ رہا اور ہے کہ ربّ تعالیٰ تک رسائی کے لئے حضرات انبیاء اولیاء بلکہ ان کے تبرکات بھی وسیلہ ہیں سب کا اس امر پر اتفاق رہا۔[972]

سارے نیک اعمال تو اتقوا اللہ میں داخل ہیں پھر وسیلہ کیا چیز ہے۔ وہ وسیلہ مقبولین ہی تو ہے اس لئے بزرگانِ دین کی بیعت عہد صحابہ سے آج تک کی جاتی ہے۔ نیک اعمال صفائی قلب کے لئے پانی و صابن کی طرح ہیں، پانی صابن میلے کپڑے کو جب ہی صاف کر سکتے ہیں جب اور کسی کا ہاتھ لگے۔ بغیر دھونے والے کے ہاتھ کے پانی صابن بے کار ہیں۔ بزرگوں کی نگاہ دھونے والا ہاتھ ہے۔

خیال رہے کہ کبھی بغیر صابن و پانی کے صرف ہاتھ پھر جانے سے گرد و غبار دور ہو جاتا ہے، مگر صرف صابن و پانی سے بغیر ہاتھ لگے کبھی صفائی نہیں ہو سکتی، اسی طرح بارہا ایسا ہوا کہ صرف نگاہِ مقبول سے بغیر اعمال بخشش ہو گئی مگر اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ صرف نیک اعمال سے بغیر توسل مقبولین نجات ہو گئی۔ ابلیس کے پاس اعمال تھے توسل نہ تھا مارا گیا۔[973]

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اپنی تفسیر معارف القرآن اس آیہ مبارکہ کے تحت لفظ وسیلہ کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں: ”جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب

---

[971] (تفسیر نعیمی ص ۳۹۸ ج ۶)

[972] (تفسیر نعیمی، ج ۶، ص ۳۹۹)

[973] (تفسیر نعیمی ج ۶، ص ۴۰۱)

کا ذریعہ بنے وہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ ہے۔ اس میں جس طرح ایمان اور عمل صالح داخل ہیں اسی طرح انبیاء و صالحین کی صحبت و محبت بھی داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہیں اور اسی لئے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا درست رہا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ایک روایت میں رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے خود ایک نابینا صحابی کو اس طرح تلقین فرمائی، اللھمّ انی اسئلک و اتوجه الیک بنبیک محمد نبیّ الرحمه۔ (اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بواسطہ تیرے نبی محمد (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) جو کہ نبیِ رحمت ہیں۔)[974]

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس آیت سے بیعت مرشد ہی مطلوب ہے اور تمام مکاتب فکر کو قابل قبول ہے کیونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا قول بھی ہم اس ضمن میں پیش کر چکے ہیں اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد گرامی شاہ عبد الرحیم علیہ الرحمۃ نے اس کو اور واضح بیان فرما دیا۔

دیکھئے: القول الجمیل صفحہ ۳۹۔

اس کے علاوہ بیعت کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی واضح ہوتی ہے:

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (الکهف ۱۷)

ترجمہ: "جس کو وہ (اللہ) گمراہی میں چھوڑ دے تو تم ہرگز اس کے لئے کوئی حمایتی راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔"

[974] (تفسیر معارف القرآن ج۳ ص ۱۲۸)

اسی طرح دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ۔ (الاسراء: ۷۱)

ترجمہ: "اس دن کو یاد کرو جس دن ہر ایک جماعت ان کے امام اور پیشوا کے ساتھ بلائی جائے گی۔"

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: من ليس له شيخ فشيخه الشيطٰن۔ یعنی جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔[975]

اور اسی آیت کے پیش نظر حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا: من لا امامه له فالشيطٰن امامه۔ جس کا کوئی پیشوا نہیں تو شیطان اس کا پیشوا ہے۔[976]

تفسیر روح البیان (جلد ۹ صفحہ ۲۲) پر ہے: "حضرت استاذ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ اپنے شیخ ابو علی الدقاق قدس سرہ کا قول نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو درخت خود بخود کسی کے بونے کے بغیر پیدا ہو جائے اس کے پتے تو پیدا ہو جائیں گے لیکن پھل نہ دے گا آزمایا گیا ہے کہ ایسے ہی بارہا ہوا ہے ایسے درخت وادیوں اور پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں اگر ان پر میوے ہوتے بھی ہیں تو ان میں وہ چاشنی نہیں ہوتی جو باغات اور ہاتھوں سے لگائے ہوئے درختوں میں ہوتی ہے، بالخصوص وہ درخت جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔

نکتہ و مسئلہ: شریعتِ مطہرہ اس کتّے کے شکار کو حلال کہتی ہے جو شکار کا تعلیم یافتہ ہو بخلاف غیر تعلیم والے کے، کہ اس کا شکار حرام ہوتا ہے۔

---

[975] (شرح صحیح مسلم، جلد ۴، کتاب الحدود، ص ۸۷۲)

[976] (تحقیق حق، ص ۷۳، اور ۸، تفسیر روح البیان ج ۹، ص ۲۲)

فائدہ: ہم نے مشائخِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ جسے استاذ کا ہاتھ نصیب نہ ہو وہ ہمیشہ ناکام رہے گا۔

تعلیمِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم: ہمیں نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نقشِ قدم پر چلنا ضروری ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے براہِ راست علوم و آداب حاصل کیے جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہر مسئلہ سکھاتے یہاں تک کہ رفعِ حاجات کے آداب اور طریقے بھی۔

سبق: طالبِ حق کو ضروری ہے کہ وہ ایسے ادیب کامل و استاذ حاذق (شیخ کامل) سے آداب سیکھے جو نفوس کی آفات اور اعمال کے فسادات اور دشمن کی گھاتیں بتائے بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرائے۔ جب ایسا استاذِ کامل (مرشد و رہبر) مل جائے تو پھر اس کی صحبت کو لازم پکڑے اور اس سے آدابِ شریعت و طریقت حاصل کرے تاکہ اس کے باطن کے اثرات اس کے باطن پر اثر انداز ہوں اور اس کا باطن زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور وہ فیض اسے یوں پہنچے گا جیسے ایک دیا دوسرے دیے سے روشن کیا جاتا ہے اور خود بھی اپنے نفسانی خیالات و تصورات و خواہشات سے بالکل خالی ہو جائے کیونکہ شیخ کامل کے سامنے تسلیم و رضا یوں ہو جیسے اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے لئے ہونا چاہیئے کیونکہ مشائخ کا سلسلہ تسلیم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک پہنچتا ہے اور وہاں سے اللہ تعالیٰ تک۔ مثنوی شریف میں ہے:

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ　　والذی یبصر لمن وجہی رآی

چوں چراغ نور شمعی را کشید　　ہر کہ دید انرا یقیں آں شمع دید

ہم چنیں قاصد چراغ از نقل شد — دیدن آخر لقائے اصل شد

خواہ نور از واپس ایں بستان جان — ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع دان

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا مجھے اس کی قسم جو دیکھتا ہے واقعی اس نے میرا چہرہ دیکھا۔ جیسے نورِ شمع سے چراغ نور کھینچتا ہے جس نے چراغ کو دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا۔ ایسے صد چراغ روشن ہوں تو سب کا دیکھنا گویا اصل کا دیکھنا ہے۔ اب چاہے آخری سے روشنی لوا ے جانِ من خواہ اول سے، اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت عالم باعمل مرشد اکمل حضرت علامہ اخوندرویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان۔

جس کا کوئی شیخ نہیں ہو تو شیطان اس کا شیخ بن جاتا ہے۔[977]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من ادعی الطریق بلا شیخ کان شیخہ ابلیس فھو وان وقعت علی یدہ کرامۃ فھی استدراج الدجال الاعور اذا خرج اخر الزمان۔ وکان الامام ابو القاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہ یقول من سلک بغیر شیخ ضل واضل ومن حرم احترام الاشیاخ ابتلاہ اللہ بالمقت بین العباد وحرم نور الایمان۔

جس نے بغیر کسی شیخ کے طریقت کا دعویٰ کیا تو اس کا شیخ ابلیس ہوگا تو اس کے ہاتھ اگرچہ کرامتوں کا ظہور ہوگا مگر یہ اس کانے دجال کا استدراج ہوگا جو آخری زمانے میں نکلے گا۔ امام ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص راہ سلوک پر بغیر شیخ کے قدم رکھتا ہے گمراہ اور گمراہ گر

---

[977] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۴)

ہو گا۔ اور جو شخص احترام مشائخ سے باز رہا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاکت میں مبتلا کر کے نور ایمان سے محروم کر دے گا۔ [978]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وکان سیدی علی بن وفار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقول من لیس لہ استاد فلیس لہ مولی ومن لیس لہ مولی فالشیطان بہ اولی والمراد یکون لا مولیٰ لہ ان الحق تعالیٰ یعاملہ بتعسیر الارزاق ونحو ذٰلک قال اللہ تعالیٰ وان الکافرین لا مولیٰ لھم۔

پھر لکھتے ہیں کہ میرے شیخ سیدی علی بن وفار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا استاد نہیں اس کا مولیٰ نہیں اور جس کا مولیٰ نہیں شیطان اس پر مسلط ہو گا۔ مطلب یہ کہ پھر اس کا مولی کوئی نہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رزق کی سختی کا برتاؤ کرے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ کافرین کا کوئی مولیٰ نہیں۔ [979]

علمائے اہل حدیث و دیوبند کے بہت بڑے قائد مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے: اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس تحقیق نجات کے لئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے۔ رہبر کے سوا راستہ پالینا مشکل ہے۔ بے شک مرشد اللہ تعالیٰ کے راستے کا وسیلہ ہے۔ مرشد اس کو بنانا چاہیئے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو قرآن و حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رہے۔ [980]

---

[978] (انوار قدسیہ ج ۲ ص ۱۷۴)

[979] (انوار قدسیہ ج ۱ ص ۱۵)

[980] (صراط مستقیم ص ۸۸،۸۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ ۱۱۹)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔“

اس آیت میں سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ تقویٰ اختیار کرو۔ ادائے حقوق، اجتناب معصیت یعنی گناہ سے بچنا وغیرہ سب اس حکم تقویٰ کے تحت آگئے لیکن اتنا ہی کافی نہیں مزید حکم ملتا ہے، صادقوں سچوں کی معیت و سنگت اختیار کرو۔ راست بازوں کی صحبت و رفاقت میں رہو۔ صالحین و ذاکرین کی یہ شان ہے: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔[981]

حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: آدمی قیامت میں اُس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت رکھتا ہو۔[982]

اللہ والوں سے محبت ہو گی تو ان شاء اللہ انہی کے ساتھ ہوں گے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الکھف:۲۸)

ترجمہ: ”اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔“

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (الانعام:۵۲)

ترجمہ: ”اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے ربّ کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔“

---

[981] (صحیح مسلم ۲:۳۴۴)

[982] (سنن ترمذی، التکشف، صفحہ ۴۲۵)

رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت و ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ میرے حبیب! انہی کے ساتھ رہو۔ ان کو جدا نہ کیجئے، اس سے معلوم ہوا کہ اچھے کے ساتھ رہنا اچھا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے، ایک بہت بڑا گنہگار اس ارادہ سے چلا کہ وہ اللہ والوں کے پاس جا کر توبہ کرے۔ ابھی نیک بندوں کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں ہی موت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔[983]

ابھی وہاں پہنچا نہیں تھا لہٰذا توبہ نہیں کی تھی مگر ربّ کریم نے اپنے نیک بندوں کی برکت اور اس آدمی کے اچھے ارادے کے سبب اتنے بڑے گناہ گار کو بخش دیا، ہم گنہگار بھی اللہ والوں کے پاس جا کر بیعتِ توبہ کرتے ہیں۔ امام مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرشدِ کامل کی صحبت کیمیا ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کی بات شفا ہے۔ مرید محبت کے رابطہ سے اپنے شیخ کا رنگ پکڑتا ہے۔[984]

اور حضرت مجدّد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ناقص پیر کی صحبت زہر قاتل ہے، پیر کامل ہونا چاہیئے جو آدمی ناقص طبیب کی دوا کھاتا ہے گویا وہ اپنے مرض کو زیادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔[985]

جیسے ناقص طبیب کے علاج سے جسمانی نقصان ہوتا ہے اسی طرح ناقص پیر کی صحبت سے روحانی نقصان ہوتا ہے۔

---

[983] (صحیح بخاری، ۴۹۳:۱)

[984] (مکتوبات دفتر اول، ص ۲۶۰)

[985] (مکتوبات دفتر اول ص ۶۱)

علامہ امام اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیعت کا سنت ہونا اور مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتسابِ فیض کرنا ثابت ہے۔[986]

عارف مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر   ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد   او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد[987]

ترجمہ: پیر کا توسل اختیار کرو کیونکہ بغیر پیر یہ سفر خوف و خطر سے پُر ہے۔ راستہ میں نفس و شیطان کا خطرہ ہے جو شخص بغیر مرشد کے راستے پر چل پڑا وہ شیطانوں کی وجہ سے گمراہ و ہلاک ہو گیا۔

بیعتِ مرشد کے سلسلہ میں بزرگوں نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں: ایک نادان چھوٹے بچے کی جیب میں اشرفیاں یا موتی ہوں اور وہ میلہ میں تنہا پھر رہا ہو، چور اس کو دیکھے گا اور اس کے پیچھے لگ جائے گا اور اس کا پیچھا اس وقت چھوڑے گا جب اس کی جیب کا صفایا کر لے گا۔ فرماتے ہیں: اگر وہ بچہ کسی دانا کا ہاتھ پکڑ کر پھر رہا ہو اور دانا اس کی حفاظت کر رہا ہو تو چور جیب نہیں کاٹے گا۔ وہ سوچے گا کہ یہ بچہ تو نادان ہے مگر جس کا اس نے ہاتھ پکڑا ہوا ہے وہ دانا ہے، اگر اسے پتہ چل گیا تو مجھے جیل جانا ہو گا!

بزرگ فرماتے ہیں: بس اس سے یہ سمجھنا چاہیئے یہ دنیا ایک میلہ ہے۔ شیطان ایک چور ہے جو تیرے پیچھے لگا ہوا ہے اور تیرے پاس ایمان کے قیمتی موتی ہیں۔ تیری حیثیت نادان بچے کی سی ہے، اگر تو ایمان کی حفاظت چاہتا ہے تو اس دنیا کے میلہ میں تنہا نہ پھر، کسی دانا اللہ والے کا ہاتھ پکڑ کر پھر، تاکہ تیرا ایمان شیطان کے حملوں سے بچ جائے، شیطان کے مکر و فریب کو ہر آدمی نہیں سمجھ

---

[986] (تفسیر روح البیان ۲۱:۹)

[987] (مثنوی رومی، دفتر اول، ص ۳۰۸)

سکتا، وہ ہر موڑ پر ایک نیا دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندے شیطان کے مکر و فریب کو جانتے ہیں۔

حضرت غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ جنگل میں جا رہے تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سر کے اوپر ایک بادل نمودار ہوا اور اس سے آواز آئی: اے عبد القادر! میں تیرا ربّ ہوں، تو نے میری اتنی عبادت کی ہے کہ اب مزید نماز روزے کی ضرورت نہیں۔ غوث پاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے لا حول پڑھی اور کہا مردود تو شیطان ہے میرا رب نہیں! شیطان نے کہا: اے عبد القادر! تجھے تیرے علم نے بچا لیا! فرمایا اے مردود! تو دوسرا دھوکہ دینا چاہتا ہے! مجھے علم نے نہیں بچایا خدا کے فضل نے بچایا! علم تو تیرے پاس بھی بہت تھا، مگر تو گمراہ ہوا۔

پڑھی لاحول اور شیطان کے دھوکے کو کیا غارت
علم و فضل سے وہ نور چمکا غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الحجر ۴۲)

جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔

ان بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں چل سکتا۔ وہ تیرے دام فریب میں نہیں آئیں گے اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا تھا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (۸۲) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (۸۳ص)

ترجمہ: "بولا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔"

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے رہبر و مرشد کی اہمیت کو اس طرح بیان فرمایا کہ اے راہ آخرت کے مسافر! تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ تاکہ وہ تجھے منزل پر پہنچادے۔ رہبر کے ساتھ حسنِ ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو کہ وہ تجھے واقف کار بنادے گا۔[988]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگ اپنے عیبوں سے جاہل ہیں دوسروں کے عیب معلوم کرتے ہیں اور اپنے اندر بڑے بڑے عیب ہیں ان کو نہیں جانتے۔ بس جو کوئی اپنے عیب جاننا چاہے تو مرشد کامل کے سامنے بیٹھے، مرشد عیوبِ نفس اور ان کا علاج دونوں بتلادیتا ہے، جو مجاہدہ مرشد بتلائے اس پر عمل کرو۔[989]

مرشد مریدوں کے نفوس کے معالج ہیں جس طرح طبیب مریض کے مزاج کے مطابق دوا دیتے ہیں، اسی طرح مرشد کو چاہیئے کہ مرید کی حالت و مزاج کے مطابق مجاہدہ وریاضت سکھائے۔[990]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھاہے: باطنی خرابیاں سمجھ میں کم آتی ہیں اگر کچھ سمجھ میں آ بھی جائیں تو ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے، اس لئے پیرِ کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں سے آگاہ کرتا ہے اور ان باطنی خرابیوں کا علاج و تدبیر بتلاتا ہے اور اذکار و اشغال تعلیم کرتا ہے۔[991]

نیز لکھا ہے: بغیر صحبت کامل اور اس سے تعلق قائم کئے بغیر کام بننا مشکل ہے۔ جسمانی معالج طبیب ہیں اور روحانی معالج کاملین ہیں۔[992]

---

[988] (الفتح الربانی، مجلس نمبر ۵۰)

[989] (احیاء العلوم ۹۵: ۳)

[990] (احیاء العلوم، ۹۱: ۳)

[991] (التکشف، ص۷)

[992] (الافاضات الیومیہ، ۴۲: ۱)

مولوی رشید گنگوہی نے ایک آدمی کو بیعت کر کے کہا، میں تجھے داخل سلسلہ کرتا ہوں نماز جماعت کے ساتھ ادا کر، ممنوعات شریعہ سے اجتناب کر، یہی خلاصہ بیعت کا ہے اور اسی واسطہ بیعت ہوتے ہیں۔ مراد بیعت سے تحصیل اخلاص ہے۔ مرید ہونا مستحب ہے جس کا کوئی راہ بتلانے والا نہیں وہ شیطان کی کمند میں ہے۔[993]

مفتیٔ دیوبند محمود حسن گنگوہی نے لکھا ہے: "بیعت کے مقاصد متعدد ہوتے ہیں، بزرگ کے ہاتھ پر توبہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ بزرگ کو توبہ کا گواہ بنایا جاتا ہے اور اس سے دعا و توجہ چاہی جاتی ہے جس کی برکت سے آدمی اپنی توبہ پر قائم رہے۔ کسی کامل ولی سے رابطہ قائم کئے بغیر اخلاص پیدا نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بیعت صرف امرِ خلافت میں اطاعت کے لئے نہیں تھی، بلکہ تزکیہ باطن کے استحکام کے لئے بھی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے اکابر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے باوجود مہارت علمیہ کے بیعت کی ضرورت محسوس کی۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خاندان کے علماء کا حال معلوم ہے۔ مولانا رشید گنگوہی، قاسم نانوتوی صاحب و تھانوی صاحب وغیرہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی ضرورت سمجھی اور اس بیعت کی بدولت بہت کچھ باطنی منافع حاصل کئے۔"[994]

دیوبندیوں کے بڑے مفتی مولوی کفایت اللہ دہلوی نے کہا: کسی بزرگ کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کرنا کہ میں آئندہ معصیت و گناہ نہ کروں گا، تصفیۂ قلب یعنی قلب کی صفائی کے لئے آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا، اس کا نام بیعت کرنا یا مرید ہونا ہے، بیعت توبہ مسنون ہے۔ مرشد لوگوں سے اس

---

[993] (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۹۹)

[994] (فتاویٰ محمودیہ، ۱:۱۳۵)

بات پر بیعت لے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں گے اور فرائض بجالاتے رہیں گے۔ لازم ہے کہ مرشد خود بھی سنت نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا پابند ہو، کوئی امر قصداً سنت کے خلاف نہ کرے۔

نیز لکھا ہے: "میں بھی ایک مرشد سے بیعت رکھتا ہوں۔ گر استاد کی ہر شخص کو ضرورت ہے تو پیر کی بھی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ پیر اخلاق رزیلہ کو دور کرنے اور اخلاقِ حسنہ کو حاصل کرنے کے طریقے تعلیم کرتا ہے۔ ایسے پیر بھی ہوسکتے ہیں جو اپنی روحانی قوت سے مرید کی قلبی کثافتیں دور کردیں۔"[995]

مولوی احمد علی لاہوری نے لکھا ہے: "نیکی کے جس کام پر بھی مرشد بیعت لیناچاہے، جائز ہے۔"[996]

تبلیغی جماعت کے بزرگ مولوی محمد زکریا صاحب نے لکھا ہے: "مرید ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی نفس و شیطان سے ایسا مغلوب ہے کہ اس کی سازشوں سے خود واقف نہیں ہو سکتا۔ جب تک شریعت و سنت کے پابند واقف کار کے حوالے اپنے آپ کو نہ کریں۔ جیسا کہ بچہ بچپن کی وجہ سے اپنے بھلے اور برے میں تمیز نہیں کرسکتا جب تک اس کو بڑے کی تربیت حاصل نہ ہو اس طرح بڑے ہو کر بھی جس کام سے واقفیت نہ ہو اس کام میں آدمی بمنزلہ بچے ہی کے ہوتا ہے۔ شیخ کی تعلیم سے دین پر چلنا اور سنت کا اتباع آسان ہو جائے گا۔"[997]

---

[995] (کفایت المفتی، ۲:۷۵-۷۶)
[996] (رسالہ پیر کے فرائض، صفحہ ۲)
[997] (مکتوبات تصوف، ۲:۵)

جو پیر سنت و شریعت پر عمل کرتا ہو وہ کسی بھی سلسلہ کا ہو، اس سے مرید ہونا چاہیئے۔[998]

یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمام اکابرین دیوبند پیری مریدی کرتے تھے، آج بھی پاک وہند کے اندر ان کی کئی خانقاہیں ہیں جہاں باقاعدہ پیری مریدی ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے پیر ومرشد کی کیا ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں خود قرآن وحدیث کے پڑھنے کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہوتی ہے، خود بخود نہیں آتا۔ پیر ومرشد ہی قرآن وحدیث کے اسرار ورموز بتاتا ہے۔ ہر کام اور ہر علم وفن کے لئے استاد کی ضرورت ہے اور وہ مرشد کامل ہے اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اذکار ووظائف کتابوں میں موجود ہیں مرشد کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخے اور دوائیں لکھی ہوئی ہیں۔ آپ جب بیمار ہوتے ہیں تو کسی ماہر ڈاکٹر یا طبیب کے پاس کیوں جاتے ہیں، خود اپنا علاج کیوں نہیں کرتے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جان پیاری وعزیز ہے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے، بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کر کے علاج کرایا جائے۔ اسی طرح معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی معالج روحانی مرشدِ کامل کو تلاش کر کے اپنی باطنی بیماریوں کا علاج کرایا جائے۔[999]

اگر پیر ومرشد کے ساتھ نسبت وبیعت کے بغیر کچھ حاصل ہوتا تو حضرت داتا گنج بخش، شیخ ابو الفضل بن حسن کے، اور خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ عثمان ہرونی کے اور حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ باقی باللہ کے اور حضرت امام رازی، شیخ نجم الدین کبریٰ کے اور مولانا روم، حضرت شمس تبریزی کے مرید نہ ہوتے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

[998] (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۱۴۴:۱)

[999] (دلائل السلوک، ص ۷۰)

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم　　　　تا غلامے شمس تبریزی نہ شد

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر کوئی شعیب میسر آئے　　　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (الکهف ١٧)

ترجمہ: اور جسے وہ گمراہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مدد گار راہ بتانے والا۔

معلوم ہوا گمراہ کا نہ کوئی مدد گار ہے اور نہ کوئی مرشد و رہبر اور بزرگ فرماتے ہیں کہ بے پیرے بے نورے ہوتے ہیں۔ عارفین فرماتے ہیں: ایسے پیر و مرشد سے بیعت کرو

(۱) جس کا عقیدہ درست ہو۔

(۲) جو احکام شریعہ جانتا ہو، تصوف و سلوک کی خبر رکھتا ہو۔

(۳) فرائض وواجبات و سنن پر دائمی عمل کرتا ہو، تمام حرام اور مکروہ چیزوں سے بچتا ہو۔

(۴) اس کی نسبت متصل ہو یعنی اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم تک پہنچتا ہو۔

جس پیر میں یہ شرائط نہ ہوں، اس کی ہرگز بیعت نہیں کرنی چاہیئے۔

چوں بسے ابلیس وآدم روئے ہست　　　　پس بہر دستے نشاید داد دست

بہت سے ابلیس انسانی شکل میں بھی پھرتے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔

اگر اس دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر　　　　لباسِ خضر میں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں

وقتی جوش میں آکر مرید نہیں بنناچاہیئے۔ جب تک پوری طرح قلبی لگاؤ نہ ہو۔ دنیا کے گندے کاموں اور سیاست کے لئے اپنے پیر کی شخصیت کو ہر گز استعمال نہیں کرناچاہیئے۔ پیر و مرشد سے دین و معرفت کی تعلیم حاصل کریں۔

تزکیہ

تزکیہ کے معنی نفس و باطن کو صاف کرنا۔ جب تک باطنی صفائی نہ ہو، عبادت کا لطف اور خشوع حاصل نہ ہو گا۔ صفرا کا بخار یا ٹائیفائڈ ہو، عمدہ سے عمدہ غذا اچھی نہیں لگتی کیونکہ معدے میں اعتدال نہیں رہتا۔ اس خرابی سے آدمی کھانے کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ صفرا بڑھنے سے میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جس کو خواہشات نفسانی و شیطانی کا بخار ہو عبادت چٹی و تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ جو آدمی بیمار ہوتا ہے پھر حکیم طبیب معدے کی صفائی کرتے ہیں تو بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے۔ معدے کی غلاظت ختم ہو جاتی ہے تو پھر ہر چیز اچھی لگتی ہے۔

اسی طرح روحانی طبیب اللہ والے نفس و باطن کا علاج کرتے ہیں، توجہ فرماتے ہیں۔ ریاضت کے طریقے ارشاد فرماتے ہیں پھر نفس پاک ہو جاتا ہے، پھر نماز معراج ہو جاتی ہے، روزے رکھنے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے، تلاوت و ذکر و تسبیح اور درود شریف پڑھنے سے لطف آتا ہے، ایمانی و روحانی ترقی ہوتی ہے، جس کو بدعقیدگی کا کینسر ہو جائے اللہ والے اس کا بھی علاج کر دیتے ہیں۔ یہ مشائخِ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ جو باطن کی صفائی کے ماہر ہوتے ہیں ان کو یہ فیض و کمال حضور سید مرسلین صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے وسیلہ سے ملتا ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم بھی تزکیہ فرماتے تھے: وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ (بقرہ: ۱۵۱) (اور یہ رسول تمہیں پاک و صاف کرتے ہیں اور تمہیں کتاب و

حکمت سکھاتے ہیں۔) تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ ساتھ سرکار دلوں کی صفائی بھی فرماتے ہیں کیونکہ جب تک باطن صاف نہ ہو تو ظاہری اعمال کا فائدہ نہیں ہوتا۔ مولوی شبیر عثمانی دیوبندی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: قلب کی صفائی حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صحبتِ قلبی توجہ وتصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی۔[1000]

مولوی عبد الماجد دریا آبادی دیوبندے نے لکھاہے: رسول کا کام محض تبلیغ وپیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ کتاب کی تعلیم شرح و ترجمانی اور حکمت و دانائی کی تلقین بھی کرتا ہے اور رسول مرشدِ اعظم بھی ہوتا ہے۔ دلوں کی صفائی کرتا ہے یہاں سے ان کج فہموں، بدبختوں کی بھی تردید ہوگئی جو رسول کو معاذ اللہ صرف ڈاکیا و قاصد سمجھے ہوئے ہیں۔[1001]

رئیس المحدثین امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دستِ اقدس کی برکت سے غفلت زائل ہوگئی اور مقامِ حضور ومشاہدہ حاصل ہوگیا۔[1002]

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سینہ پر بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے تین دفعہ دستِ مبارک پھیراا ور دعا فرمائی تو سینہ ایمان کے نور سے روشن و منور ہو گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا، انہوں نے عرض کی مجھے فیصلے کرنے کا تجربہ نہیں۔ سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

[1000] (تفسیر عثمانی صفحہ ۱۲۳)

[1001] (تفسیر ماجدی، ۱۵۱:۱)

[1002] (مرقات شرح مشکوٰۃ، ۵:۱۸)

نے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیر کر فیض دیا، دعا فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد کسی معاملے میں فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ بھر بھی شبہ نہ ہوا۔ [1003]

نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی امت کے اولیاء و صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے مریدوں کے سینوں میں فیض دیتے ہیں۔ ایک صاف آئینہ آپ سورج کے سامنے رکھیں تو اس میں آفتاب کی انوار و شعاعیں نظر آئیں گی، پھر کئی اور آئینے سمتیں درست کر کے اس آئینہ کے سامنے رکھ دیں جو براہ راست آفتاب سے روشنی لے رہا ہے تو سب آئینوں میں آفتاب کے انوار نظر آئیں گے۔ پس اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ مرشدِ کامل آفتابِ نبوّت سے فیوضات و انوار لیتا ہے، پھر اپنے مریدین کے قلوب تک ان انوار کو پہنچاتا ہے۔ [1004]

بیعت کا ثبوت قرآن عظیم الشان، سنتِ طیبہ اور کلامِ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الممتحنہ ۱۲)

ترجمہ: ”اے غیب کے جاننے والی نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مؤمنہ عورتیں تاکہ آپ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور آپ (صَلی اللہ

[1003] (مستدرک امام حاکم، ۱۳۵:۳)

[1004] (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۳۱۶ تا ۳۲۶)

تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) کی نافرمانی نہیں کریں گی کسی نیک کام میں، تو (اے محبوب) انہیں بیعت فرمالیا کریں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا عورتوں سے بیعت صرف کلاماً تھی، (بیعت کے لئے) کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا۔

ولما فرغ من هجرة المكان ذكر هجرة الافعال فقال (يا ايها النبى) الذى له الاطلاع المبشر لضمان الثواب والمغفرة (اذا جاءک المؤمنات يبايعنک) لضمان الثواب والمغفرة (على) اعمال القلب (لايشركن بالله شيئاو) اعمال البدن بشهوة البطن (لايسرقن) لشهوة الفرج الحاصلة من شهوة البطن (لايزنين) وللغضبية المتعلقة بما حصل من شهوة الفرج (ولا يقتلن اولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه) اى يختلقنه فى الولد لان تقول لزوجها هذا ولدى منک يستقطنه عليهم من مواقعتهم اياهن لمصيرهم (بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينک فى) امرک اياهن بفرض (معروف) عن فريضة (فبايعهن) على ضمان الثواب والمغفرة على استغفارهن عن اضداد ما ذكر (واستغفرلهن الله) فانه تعالىٰ يحقق الضمان ايضا (ان الله غفور) لمن استغفر له (رحيم) بالثواب والمغفرة لمن ضمنه تبصير الرحمن۔ (ممتحنة جلد ٢ ص ٣٣٨)

ترجمہ: ہجرۃ مکان کا تذکرہ کرنے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہجرت افعال کا ذکر فرمایا اللہ نے فرمایا اے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم !(وہ نبی جسے اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب و مغفرت کی بشارت دینے والا بنایا) جب مؤمن عورتیں ثواب واجر کے حصول اور اعمال قلبیہ پر آپ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) سے بیعت لینے آئیں یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں گی (اور شہوت بطن کا اعمالِ بدن کے ساتھ) چوری نہیں کریں گی۔ (اور شہوت فرج جو شہوت بطن سے حاصل ہوتی ہے، جیسے) زنا نہیں کریں گی، اور وہ غضب و غصہ جو شہوت فرج سے

متعلق ہے جیسے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور جھوٹا (گھڑا ہوا) الزام نہیں لگائیں گی، یعنی کسی نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے، اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے، اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا، ایسا نہیں کریں گی نیز یہ کہ فرائض یعنی اوامر من جانب اللہ میں آپ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو اے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم! آپ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) مغفرت وثواب کے ضمان پر ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں کیونکہ آپ (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) کے ضمان مغفرت کو محقق کرنا بھی اللہ کا کام ہے، اس لئے کہ جو مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو بے شک میں (اللہ) ان کے گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۱۰)

ترجمہ: (اے پیارے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا دستِ قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے، پس جس نے توڑ لیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہے اور جس نے ایفاء کیا عہد کو جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح ۱۸)

ترجمہ: یقیناً اللہ راضی ہو گیا ان مؤمنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی، اس درخت کے نیچے، پس اسے معلوم ہے جو ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر اطمینان اتارا اور (بطور انعام) انہیں یہ فتح بخشی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللہ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدة ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللہ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الاحزاب ٣٦)

ترجمہ: اور نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مؤمنہ عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ اور اس کا رسول (صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم) کسی معاملہ میں تو انہیں اپنے معاملہ میں کچھ اختیار رہے، پھر جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول (صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم) کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللہ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (الانبیاء۷)

ترجمہ: ”اور اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔“

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (لقمان ۱۵)

ترجمہ: ”ان کی راہ چلو جو میری طرف متوجہ ہوئے۔“

ان تمام آیات سے بھی علمائے کرام نے طلبِ مرشد اور مرشد سے وابستگی پر استدلال کیا ہے۔

بیعت ہونا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبولِ اسلام، تجدید ایمان، خلافت اور دیگر امور کے لئے بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت لی جو کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یبایع النساء بالکلام بهذه الایة (لایشرکن باللہ شیئا) قالت و ما مست ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلّم الا امراۃ یملکها۔[1005]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہ آیت مبارکہ (لا یشرکن باللہ) پڑھ کر عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھوں نے کبھی کسی عورت (کے ہاتھ) کو نہ چھوا۔ سوائے اپنی مملوکہ کے۔

(۲) عن عائشة رضی اللہ عنها قالت فمن اقر بهذا (الشرط) من المؤمنات قال لها رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم قد بایعتک کلاما و لا و اللہ ما مست ید رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ید امراۃ قط فی المبایعة ما یبایعهن الا بقول قد بایعتک علی ذالک (بمعناه)[1006]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مؤمن عورتوں میں سے جو بھی مذکورہ بالا شرائط کا اقرار کر لیتی تو حضور پر نور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس سے فرماتے کہ میں نے تجھ سے کلاما بیعت لے لی، اللہ کی قسم! حضور پر نور صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے

[1005] (رواہ البخاری ج ۲ باب بیعۃ النساء ص ۱۰۷۱)

[1006] (مسلم جلد ثانی صفحۃ ۱۳۱ رواہ البخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۱)

کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا مگر یہ کہ حضور پر نور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بیعت عورتوں سے صرف زبانی ہوتی تھی۔

(۳) عن اسماء بنت یزید بن سکن انما قالت انا من النسوة البیعة التی اخذ علیھن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلّم و کنت جاریة باکرة جریة علی مسئلة فقلت یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَ سَلَّم ابسط یدک حتی اصافحک فقال لا اصافح النساء و لکن اخذ علیھن ما اخذ اللہ علیھن۔[1007]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان خواتین میں سے ہوں جنہوں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بیعت کی تھی، اس وقت عالم شباب تھا اور مسائل پوچھنے میں جرأت سے کام لیتی تھی (جب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خواتین سے بیعت لے رہے تھے) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہاتھ آگے لائیں تاکہ میں مصافحہ کرکے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم کی بیعت کروں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میں (عورتوں سے) مصافحہ نہیں کرتا، ہاں جو عہد و پیمان (عورتوں) سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے وہی میں (زبانی) لیتا ہوں۔

(۴) عن محمد بن المنکدر عن امیمة قالت اتیت النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم لِأُبایعه فقال انی لست اصافح النساء (ای الا جنبیات)۔۔وروی احمد عن ابن عمر انه صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلَّم کان لا یصافح النساء فی البیعة (ای فی بیعة النساء) التی یتضمنها قوله تعالیٰ یایها النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک۔[1008]

[1007] (رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر و البخاری ج ۲ ص ۷۱)

[1008] (شرح القاری للفقه الاکبر: ص ۱۱۰، نسائی جلد ۲ س ۱۶۴)

ترجمہ: محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس حاضر ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھ ملا کر بیعت کروں مگر حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔

سیدنا احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت کبھی ہاتھ نہیں ملایا وہ بیعت جو آیت مذکورہ یعنی یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ الی اخرہ۔ کو متضمن ہے۔

(۵) عن عروۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا اخبرتہ عن بیعۃ النساء قالت ما مس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم بیدہ امراۃ قط الا ان یاخذ علیہا فاذا اخذ علیہا فاعطتہ قال اذہبی فقد بایعتک۔

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا خواتین سے بیعت لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ (بوقت بیعت) نبی کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کسی عورت کا ہاتھ نہ چھوا، سوائے اس کے کہ حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ان سے عہد و پیمان لیتے جب عہد و پیمان لے لیتے تو فرماتے اب چلی جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی۔[1009]

[1009] (رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۳۱، احکام القران ج ۳ ص ۵۳۷)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال النووی ھذا الاستثناء منقطع وتقدیر الکلام مامس امراۃ قط لکن یاخذ علیھا البیعۃ بالکلام فاذا اخذھا بالکلام قال اذھبی فقد بایعتک و ھذا التقدیر مصرح بہ فی الروایۃ الاولیٰ و لا بد منہ۔[1010]

ترجمہ: اس حدیث میں جو استثناء آیا ہے وہ استثناء منقطع ہے، سو اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور پُر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کبھی کسی (اجنبی) عورت کو نہ چھوا، بلکہ بیعت لیتے وقت صرف زبانی عہد وپیمان لیا کرتے تھے۔۔۔ پھر فرماتے کہ اب جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی۔

(۲) عن ام عطیۃ قالت بایعنا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فقرأ لا یشرکن باللہ شیئا و نھانا عن النیاحۃ فقبضت امرأۃ منایدھا فقالت فلانۃ اسعدتنی فانا ارید ان اجزیھا فلم یقل شیئا فانطلقت ثم رجعت فبایعھا۔

ترجمہ: ”حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی (بیعت کے وقت) حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت مبارک پڑھی۔ **لا یشرکن باللہ شیئا۔** اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو ہم میں سے ایک عورت نے یہ کہہ کر ہاتھ واپس کھینچ لیا کہ (زمانہ جاہلیت میں) ایک عورت نے میرے ساتھ اسعاد کیا ہے (اسعاد کا مطلب ہے میت کے گھر والوں کے ساتھ چیخنے چلانے میں مدد دینا) میں چاہتی ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے (یہ کلمات سن کر) خاموشی اختیار فرمائی (مگر یہ خاموشی اسعاد کے جواز کے لئے نہ تھی بلکہ شفقتِ امت کے لئے تھی)

[1010] (نووی مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۱، احکام القرآن جلد ۳ ص ۵۳۷)

اور وہ عورت چلی گئی، حتیٰ کہ پھر لوٹ آئی اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی۔"

(۷) عن انس ان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلّم اخذ علی النساء حین بایعھن ان لا ینحن فقلت یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ! نساء اسعدتنا فی الجاھلیۃ فنسعدھن فقال رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم لا اسعاد فی الاسلام۔[1011]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم جس وقت عورتوں سے بیعت لے رہے تھے، تو یہ عہد وپیمان بھی لیا(کہ تم)نوحہ نہ کروگی، میں نے عرض کی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم زمانہ جاہلیت میں ایسی خواتین تھیں، جنہوں نے ہمارے میتوں پر ہمارے نوحہ میں ہماری امداد کی تھی(نوحہ، میت پر رونا چیخنا چلانا)، سو ہم چاہتے ہیں کہ ان کا یہ بدلہ اتار دیں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا(خبردار) اسلام میں اسعاد نہیں۔

(۸) عن اسید ابن ابی اسید عن امرأۃ من المبایعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَسلّم ان لا نعصیہ فیہ ان لا نخمش وجھا و لا ندعو ویلا و لا نشق جیبا و لا ننشر شعرا۔

ترجمہ: "حضرت اسید ابن ابی اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون جس نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی تھی، نے کہا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ہم سے جو عہد وپیمان لیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہم اشیاء معہودہ(جن کا عہد لیا گیا میں سے یہ

[1011] (رواہ نسائی، جلد ۲ صفحہ ۱۶۳)

بھی تھا) کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی نافرمانی نہیں کریں گے اور (کسی مصیبت کے وقت) واویلا نہیں کریں گی، اور اپنے گریبان چاک نہیں کریں گی اور نہ ہی (مصیبت کے وقت) اپنے بال بکھیریں گی۔"[1012]

(۹) عن عبادۃ ابن الصامت یقول قال لنا رسول اللہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم و نحن فی مجلس تبایعونی علی ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئا و لا تسرقوا و لا تزنوا و لا تقتلوا اولادکم و لا تأتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم و ارجلکم و لا تعصونی فی معروف فمن وفیٰ منکم فاجرہ علی اللہ و من اصاب من ذلک شیئا فعوقب بہ فی الدنیا فھو کفارۃ لہ و من اصاب من ذالک شیئا فسترہ اللہ فامرہ الی اللہ ان شاء عاقبہ و ان شاء عفیٰ عنہ فبایعناہ علی ذالک۔[1013]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں ہم سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کر لو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، الزام تراشی سے باز رہو گے، نیک کاموں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، سو جس نے اس عہد و پیمان کو پورا کیا اس کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا اور اگر کسی سے امر بیعت میں خطا ہو گئی اور دنیا میں اسے سزا ملی تو یہی اس کا کفارہ بن جائے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو پس اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو عذاب دے، چاہے تو معاف فرمادے۔ سو ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ان شرائط مذکورہ پر بیعت کر لی۔

[1012] (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۹۱، خازن، جلد ۴ صفحہ ۲۶۱)

[1013] (رواہ البخاری: ج ۲ ص ۱۰۷۱، جمل جلد ۴ ص ۳۳۲، نسائی جلد ۲ ص ۱۶۲)

(۱۰)عن عبادۃ ابن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بایعنا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم علی السمع و الطاعۃ فی العسر و الیسر و المنشط و المکرہ و الاثرۃ علینا و ان لا ننازع الامر اھلہ۔

ترجمہ: حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بیعت کی ان باتوں پر: کہ خوشی ہو یا غم، تنگ دستی ہو یا خوش حالی، ہم آزاد ہوں یا مجبور، ہمیشہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم کے ارشادات کو سنیں گے اور عمل کریں گے، نیز ہم کسی بھی شخص کو اس کے منصب سے نہیں ہٹائیں گے جو اس منصب کا اہل ہو۔[1014]

(۱۱) حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قال کنا عند رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم فقال ھل فیکم غریب (یعنی اھل الکتاب) قلنا لا یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم فامر بغلق الباب فقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا الہ الا اللہ فرفعنا ایدینا ساعۃ ثم وضع رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ وَ سلَّم یدہ ثم قال الحمد للہ اللھم انک بعثتنی بھذہ الکلمۃ و امرتنی بھا و وعدتنی علیھا الجنۃ انک لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ غفر لکم۔

ترجمہ: ان دونوں نے کہا کہ ایک روز ہم بارگاہ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں حاضر تھے، کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا تم میں کوئی بے گانہ (اہل کتاب) تو نہیں، ہم نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد فرمایا دروازہ بند کر دو اور اپنے ہاتھ بلند کر دو اور کہو لا الہ الا اللہ ایک گھڑی ہم نے اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنا ہاتھ مبارک نیچے فرمایا۔ اور گویا ہوئے الحمد للہ اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کلمہ کا حکم دیا اور میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ پر پکا رہے گا وہ جنت میں داخل

[1014] (نسائی ج ۲ ص ۱۶۳، اثبات البیعت ص ۲۰)

ہو گا اور تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا پھر فرمایا اے فرزندانِ اسلام، تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تم سب کو معاف فرمادیا ہے۔[1015]

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت نقل کی:

عن جریر بن عبد اللہ البجلی قال بایعت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم علی اقامۃ الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ و النصح لکل مسلم۔

"حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہنے پر۔"[1016]

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے روایت نقل کی ہے کہ محمد بن قرظی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ:

"حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **لیلۃ العقبہ** میں بیعت کے وقت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم جو چاہیں اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے شرط عائد کر دیں، تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: "میں اپنے رب کے لئے شرط عائد کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لئے یہ شرط عائد کرتا ہوں کہ تم میری بھی ایسی حفاظت کرو جس طرح تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو۔" بیعت کرنے والوں نے عرض کی: "جب ہم اس حکم کو بجالائیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟" تو آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "جنت" وہ کہنے لگے کہ "بڑا نفع بخش سودا ہے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے اور نہ ہی عہد شکنی۔"

[1015] (بحوالہ ضیاء القرآن، تعلیق، مترجم)

[1016] (صحیح بخاری، جلد اول کتاب الایمان، باب ۴۲، حدیث ۵۵، ص ۱۲۸)

اس پر یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی:

إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبۃ ۱۱۱)

یعنی بے شک اللہ نے خرید لی مسلمان کی جان اور مال جنت کے بدلے۔[1017]

امام مسلم بن الحجاج القشیری علیہ الرحمۃ نے روایت نقل کی ہے:

عن عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا مع رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فی مجلس فقال تبایعونی علی ان لا تشرکوا باللّٰہ شیئاً و لا تزنوا و لا تسرقوا و لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ۔

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک مجلس میں تھے، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم نے فرمایا: "تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے، اور جس شخص کا قتل اللہ نے حرام کر دیا ہے، اس کو بے گناہ قتل نہیں کروگے سو تم میں سے جس نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر ہے۔"[1018]

اس حدیث کے تحت مولوی زکریا مہاجر مدنی نے لکھا ہے: یہ بیعت نہ بیعتِ اسلام ہے، نہ بیعتِ جہاد، بلکہ وہی بیعتِ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ ہے جو امورِ اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔[1019]

[1017] (تفسیر القرآن العظیم، جلد دوم، سورۃ التوبہ، صفحہ ٦٦٦-٦٦٥)

[1018] (صحیح مسلم، جلد دوم، کتاب الحدود، باب ١٠، حدیث ٤٤٣٦، ص ٤٨٨، ٤٨٩)

[1019] (شریعت و طریقت کا تلازم، ص ١٢٨)

بیعت کا شرعی مقام

تاجدارِ ختمِ نبوت صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی سیرتِ پاک کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بیعت کا موجودہ طریقہ سنت رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ماخوذ ہے۔ یہ عمل کوئی بدعت یا خلافِ شرع بات نہیں بلکہ سراسر سنت کے مطابق ہے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے براہ راست رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔[1020]

بیعت ہونا سنتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہے اور اولیاء اللہ تعالیٰ کا طریقہ بھی، جو بیعت ہو کر مقربینِ الٰہی میں شامل ہوئے، جبکہ بعض صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیعت ہونا واجب ہے۔[1021]

شیخ سہروردی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: "میں نے بہت مشائخ سے سنا ہے کہ جس نے کسی فلاح پانے والے کی زیارت نہیں کی وہ فلاح نہیں پائے گا۔"

ان عبارات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے کسی پیر کی بیعت کرنا نہایت ضروری ہے۔

حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کا فرمان ہے: "مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اور رہنما ہیں، اور یہی وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر انسان خدا تک پہنچتا ہے، لہٰذا ہر مرید کے لئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے۔"[1022]

[1020] (تعلیماتِ اسلام (احسان) ص ۶۱)
[1021] (تحقیق حق، ص ۳۶)
[1022] (غنیۃ الطالبین ص ۲۲۷)

یعنی سلسلۂ طریقت میں بیعت ہونا ضروری ہے۔ ان تمام دلائل و براہین سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ: "بیعت ایک مبارک اور مستحسن فعل ہے، اور اصلاحِ باطن اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے، اور اس کو محض تعصب و عناد کی بنیاد پر بدعت و شرک کہنا صریح گمراہی اور جہالت ہے۔"

بیعت کس سے کی جائے

اب جبکہ ہمیں بیعت کی شرعی حیثیت اور اس کا جواز معلوم ہو گیا تو اس بات کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ بیعت کس سے کی جائے اور پیر و مرشد میں کن خصوصیات کا پایا جانا بہت ضروری ہے، ذیل میں ہم اس موضوع پر بات کرتے ہیں:

امام غزالی علیہ الرحمۃ روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: **الشیخ فی الجماعۃ کالنبی فی الامۃ۔**[1023] یعنی شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"**مرشد کے لئے چار شرائط ہیں** جس شخص میں یہ چار شرائط نہ ہوں اس کی بیعت کرنا جائز نہیں:

۱) مسلمان ہو اور صحیح العقیدہ ہو (بدعقیدہ و بدمذہب نہ ہو)۔

۲) عقائد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کر سکتا ہو۔

[1023] (احیاء العلوم، بحوالہ امداد السلوک، ص ۲۱)

۳) علم کے مطابق عمل کرتا ہو، فرائض وواجبات، سنن اور مستحبات پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام مکروہات و ممنوعات سے بچتا ہو۔

۴) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک اس کی نسبت متصل ہو یعنی اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک پہنچتا ہو۔[1024]

مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ نے مرشد کی چوتھی شرط زائد یوں بتائی ہے کہ:
"فاسق معلن نہ ہو، یعنی اعلانیہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور نہ کسی گناہ صغیرہ پر مضر کہ باوجود علم و تنبیہ اسی گناہ پر اڑار ہے۔"[1025]

مفتی صاحب کے اس قول کو باآسانی یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اس شرط کا اگرچہ اتصال سے تعلق نہیں کیونکہ مجرد فاسق باعث فسخ نہیں، مگر پیر کی تعظیم لازمی ہے اور فاسق کی توہین واجب، اور دونوں کا ایک جگہ میں پایا جانا باطل ہے۔ اس لئے پیر کا فسق سے بچنا لازم ہے۔

آیہ کریمہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹) کے تحت حضرت علامہ ابوالفضل اٰلوسی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وجوز ان یکون لهم ولغیرهم فیکون المراد بالصادقین الذین صدقوا فی الدین نیة وقولا وعملا۔[1026]

1024 (فتاوىٰ افريقه بحواله شرح صحيح مسلم ج ۴ ص ۸۶۹)

1025 (سنى بهشتى زيور، ص ۱۰۸، ۸۶۲)

1026 (روح المعانى ج ۱۱ ص ۴۱، مطبوعه مصر)

یعنی "اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب عام ہو اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کو شامل ہو اور صادقین سے مراد وہ لوگ ہوں جو دین میں نیت کے لحاظ سے بھی سچے ہوں اور عمل کے اعتبار سے بھی سچے ہوں اور کلام کے لحاظ سے بھی سچے ہوں۔"

شارح مشکوۃ شریف حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شیخ المشائخ حضرت تورپشتی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حقیقة الفقه فی الدین ما وقع فی القلب ثم ظهر علی اللسان فافاد العمل و أورث الخشیة و التقوی و اما الذی یتدارس ابوابا منه لیتعزز به و یتأکل به فانه بمعزل عن الرتبة العظمی لان الفقه تعلق بلسانه دون قلبه و لهذا قال علی رضی الله عنه و لٰکنی أخشی علیکم کل منافق علیهم اللسان۔ [1027]

یعنی "علم وہ ہے جو پہلے دل میں داخل ہو اس کے بعد زبان پر ظاہر ہو پھر اس سے عمل کا فائدہ حاصل ہو خشیۃ خدا پیدا ہو۔ تقویٰ پرہیز گاری پیدا ہو، لیکن جو شخص علم عزت حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے یا ذریعہ معاش بنانے کے لئے پڑھتا ہے وہ اس بلند مرتبہ سے بہت دور ہے کیونکہ فقہ یعنی علم کا تعلق اس کی زبان سے تو رہا لیکن اس کے دل میں علم نہیں آیا، اسی لئے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے لیکن میں بہت ہی ڈرتا ہوں تمہارے لئے ہر اس منافق سے جو زبان کا بڑا علامہ ہو۔"

[1027] (مرقات شرح مشکوۃ ص ۲۳۴، ج ۱)

بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایسے آدمی کو عالم اور اس کے علم کو علم دین کہنا ہی درست نہیں ہے چنانچہ حضرت علامہ ملا علی قاری قدس سرہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف کے کتاب العلم کی ابتداء میں علم کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے:

والعلم نور فی قلب المؤمن مقتبس من مصابیح مشکوۃ النبوۃ من الاقوال المحمدیۃ والافعال الاحمدیۃ والاحوال المحمودیۃ یهتدیٰ به الی اللّٰہ وصفاته۔ وافعاله واحکامه فان حصل بواسطۃ البشر فهو کسبی والا فهو العلم اللدنی المنقسم الی الوحی والالهام والفراسۃ۔[1028]

"حضور اکرم شفیع محتشم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اقوال، افعال اور احوال کے نبوی چراغ سے جلائی ہوئی روشنی کا نام علم ہے، اگر یہ علم انسانی واسطہ سے حاصل ہو تو علمِ کسبی کہلائے گا ورنہ علم لدنی ہے جس کی اقسام ہیں وحی، الہام اور فراست۔"

علم حاصل کرنے کے متعلق نبی کریم رؤف رحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ وواضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلؤ والذهب رواه المشکوۃ۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہر مسلمان مرد و عورت پر علم کی طلب کرنا فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانا خنزیر کو جواہر سونے اور موتیوں کا ہار پہنانے کے برابر ہے۔" **(مشکوٰۃ)**

[1028] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۲۱۷)

اس حدیث پاک کے ماتحت حضرت ملا علی قاری قدس سرہ نے فریضۃ کی تشریح کرتے ہوئے کئی ایک مرادیں ذکر کی ہیں مثلا یہاں پر فرضی علم سے مراد علم اخلاص ہے یا آفات نفس کا پہچاننا۔ یا جو امور اعمال کے فساد کا باعث بنیں ان کا جاننا مراد ہے یا اس سے نماز کی فرضیت جاننا مراد ہے، ان کے علاوہ ایک مراد یہ بھی لکھی ہے:

قیل هو طلب علم الباطن وهو ما یزداد به العبد یقینا وهو الذی یکتسب بصحبة الصالحین والزهاد المقربین فهم ورّاث الانبیاء صلوات اللہ وسلام علیهم اجمعین۔

"کہا گیا ہے کہ علم فرضی سے مراد باطن کا علم ہے جس کے ذریعے انسان کا یقین بڑھتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو بزرگوں زاہدوں کی صحبت سے حاصل کیا جاتا ہے اور یہی لوگ (صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے حقیقی ورثاء ہیں۔"[1029]

اسی آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ١١٩) کے تحت حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثم الصادقون هم المرشدون الی طریق الوصول فاذا کان السالک فی جملة احبابهم ومن زمرة الخدام فی عتبة بابهم فقد بلغ بمحبتهم وتربیتهم وقوة ولایتهم الی مراتب فی السیر الی اللہ وترک ماسواه قال حضرت الشیخ الاکبر قدس سره الاظهر ان لم تجد افعالک علی مراد غیرک لم یصح لک انتقال عن هواک ولو جاهدت نفسک عمرک فاذا وجدت من یحصل فی نفسک حرمته فاخدمه وکن میتا بین یدیه یصرفک کیف یشاء لا تدبیر لک فی نفسک معه توش سعیدا مبارزا الامتثال مایامرک به وینهاک عنه فان امرک

1029 (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح شریف ج ۱ ص ۲۳۳)

بالحرفۃفاحترف عن امرہ لاعن ھواک فھو اعرف بمصالحک منک فاسع یابنی فی طلب شیخ یرشدک ویعصم خواطرک حتی تکمل ذاتک بالوجود الالھی۔[1030]

ترجمہ: صادقین سے مراد راہ حق دکھانے والے بزرگانِ دین ہیں تو جب سالک ان کے احباب میں سے ہو جائے گا، ان کی چوکھٹ پر رہنے والے درباریوں میں سے ہو جائے گا تو اس کے بعد سالک ان بزرگوں کی محبت، ان کی تربیت اور ان کی ولایت کی طاقت کے زور سے سیر الی اللہ کے مراتب کو پہنچے گا اور ماسوااللہ کو چھوڑ دے گا۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں جب تک تو اپنے کاموں کو کسی دوسرے (یعنی کسی بزرگ) کے ارادے کے مطابق نہیں پائے گا تب تک تو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ سے جدا نہیں ہو سکتا خواہ اپنی پوری زندگی نفس کو مجاہدات میں رکھے لہٰذا جس بزرگ کی عزت تیرے دل میں ہو تو اس کی خدمت کر، اس کے سامنے مردہ کہ طرح بے اختیار ہو جا جس طرح چاہے تجھے پھیرتا رہے اپنے متعلق تیری کوئی بھی رائے نہ ہو تب ہی تو نیک بخت ہو کر زندگی بسر کرے گا اور پیر کے امر و نہی کی جلد تعمیل کرے گا۔ پس اگر پیر تجھے کسی پیشے کا حکم کرے تو وہ کاروبار بھی پیر کے حکم کی وجہ سے کر، اپنی خواہش سے نہیں، کیونکہ وہ تجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے کہ یہ بات تیرے فائدہ کی بات ہے یا نہیں اس لئے اے صاحبزادے ولی کامل کی طلب میں کوشش کر جو کہ تجھے ہدایت کے راستے پر چلائے، تیرے قلبی احوال کی نگرانی کرے یہاں تک کہ تیرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال تعلق پیدا ہو جائے۔"

[1030] (روح البیان ج ا ص ۹۶۷)

حضرت امام ربانی مجدد منور الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ پیر مغان کی طلب، ضرورت اور اطاعت کے متعلق فرماتے ہیں:

بعد از حصول این دو جناح اعتقادی و عملی متوجہ عروج مدارجِ قرب ایزدی گردد جل شانہ وطالب قطع منازل ظلمانی و مسالک نورانی باشد۔ لیکن بداند کہ این قطع منازل و عروج مدارج وابستہ بتوجہ و تصرفِ شیخِ کامل مکمل راہ دان راہ بین راہ نما است کہ نظر او شافی امراض قلبیہ است و توجہ او دافع اخلاق ردیئہ نا مرضیہ پس اول طلبِ شیخ نماید اگر بہ محض فضلِ خداوندی جل شانہ شیخ را باو دانانند معرفتِ شیخ را نعمتِ عظمیٰ تصور کردہ خود را ملازم او سازد۔ وتمام منقادِ تصرفاتِ او گردد و شیخ الاسلام میفرماید الٰہی چیست اینکہ دوستانِ خود راکردی کہ ہر کہ ایشانرا شناخت ترا یافت وتاترانیافت ایشانرانہ شناخت اختیار خود را بالکلیہ دراختیار شیخ گم کند وخود رااز جمیع مرادات تہی ساخت کمر ہمت را در خدمت او بندو بہ ہر چہ شیخ اورا امر فرماید سرمایۂ سعادتِ خود رادران دانستہ درامتثال آن بجان سعی نماید۔[1031]

ترجمہ: اعتقاد اور عمل حاصل کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے قرب کی سیڑھیوں پر چڑھنے کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے، تاریکی اور روشنی کی منزلوں اور راستوں کے طے کرنے کی طلب کرنا چاہیئے لیکن یاد رکھیں کہ ان منزلوں کا طے کرنا، ان درجوں پر فائز ہونا پیر کامل کی توجہ اور تصرف سے وابستہ ہے جو خود بھی کامل ہو دوسروں کو بھی کامل بناتا ہو، راہِ حق کا جاننے والا دیکھنے والا اور

1031 (مکتوبات شریف، مکتوب ۲۸۶، دفتر ا، حصہ۵ ص ۵۱ تا ۵۲)

دکھانے والا ہو۔ ایسے پیر کی نظر دل کی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ برے اور ناپسندیدہ اخلاق اس کی توجہ مبارک سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے پیر کامل کی معرفت اپنے لئے نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر ہمیشہ اسی کی خدمت میں رہے اور پوری طرح اس کے فرمانوں کا تابع رہے۔ شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یا الٰہی یہ کیا بات ہے تونے اپنے دوستوں کو کیا بنادیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا خدا کو پایا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔" اور اپنے اختیار کو کلی طور شیخ کے اختیار میں گم کر دے، اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے کمرِ ہمت باندھ کر اس کی خدمت کر اور جو کچھ شیخ ارشاد فرمادے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کر اس کے بجالانے میں جان سے کوشش کرے۔ غرض یہ کہ ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت حاصل کرے اور اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ شیخِ کامل کا دامن تھام لے اس کی خدمت و غلامی کو اپنے لئے دنیا و آخرت کی سعادت سمجھے اور اس کے کسی بھی قول و فعل پر اعتراض نہ کرے کیونکہ راہِ حق میں اعتراض کرنا اپنے شیخ کی عیب جوئی کرنا محرومی کی دلیل ہے۔

کار درویشی ورائے کارہاست دمبدم از حق مرایشانرا عطاست
گر تن خاکی غلیظ و تیرہ است صیقلے کن زانکہ صیقل گیراست
نورِ حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہل دلی
رو بجو یارِ خدائی را تو زود چوں چنیں کردی خدا یارِ تو بود

یعنی "اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے کاروبار عام عقل و فہم سے بالاتر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو راز و اسرار ہر وقت ان کو حاصل رہتے ہیں اس سے ظاہر بین لوگ بے خبر ہوتے ہیں، اس لئے اے مخاطب اگر تیرا باطن تاریک میل کچیل سے بھرا ہوا ہے تو تو جلدی اسے قلعی کرا لے

اس میں قلعی کے اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور قلعی گر اللہ والے بھی موجود ہیں، اولیاء اللہ کے چہروں سے اللہ تعالیٰ کا نور ٹپکتا ہے یہ نور مخلصوں ہی کو نظر آتا ہے مخالفوں کو نہیں۔ یہ اللہ والے اپنے وجود سے آزاد ہو گئے، ایک ہی ذات سے تعلق جوڑا ہے تو اس ذات بابرکات نے ان کو وہ نور بخشا ہے کہ چاند سورج زمین آسمان بھی ان کے تابع بنا دیئے۔ جاؤ کسی اللہ والے کو ڈھونڈھو جب تم نے اس سے دوستی کر لی تو اس کی غلامی کے صدقے میں اللہ تعالیٰ بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔"

مشہور و معروف بزرگ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ رات کے وقت گھر کے بالا خانے تشریف لے گئے تو دیکھا سبحان اللہ! چند بارونق نورانی چہروں والے بزرگ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں اور ان کی نورانیت سے پورا گھر روشن و منور ہے۔ حضرت سلطان علیہ الرحمۃ نے پوچھا: تم کون ہو؟ کیا لکھ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور خداوند عزوجل کے حکم سے اس کے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام لکھ رہے ہیں۔ سلطان علیہ الرحمۃ نے پوچھا کیا میرے نام کا لکھنے کا بھی حکم ہوا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا نہیں۔ سلطان علیہ الرحمۃ نے کہا واقعی میں ولی نہیں ہوں بزرگ نہیں ہوں، میں اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہوں مگر اتنا ضرور ہے کہ میں اللہ کے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہوں، میرے دل میں ان کی بڑی عزت، حرمت اور محبت ہے۔ زہے خوش قسمت تھے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کہ جب دوسری رات فرشتوں کے دفتر کو دیکھا تو سر فہرست اپنا نام تحریر پایا، ملائکہ سے سبب پوچھا تو فرشتوں نے کہا اللہ رب العزت نے ہم کو حکم دیا کہ جو شخص میرے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت و تعلق رکھتا ہے اس کو بھلاؤ مت۔ جو میرے اولیاء سے محبت رکھتا ہے، اس کا نام سب سے پہلے رقم کرو۔

پیرانِ پیر حضرت محبوبِ سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے مدرسہ معمورہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

یامریض الباطن علیک بالدواء وھذاالدواء لایکون الا عندالصالحین من عباد اللہ عز و جل خذ الدواء منھم و استعملہ وقد جاء تک العافیۃ الدائمۃ و الصحۃ الابدیۃ لمعناک ولصلبک ولسرک ولخلوتک مع ربک عز و جل۔ تنفتح عینا قلبک فتنظر بھا الی ربک عز و جل تصیر من المحبین الوقوف علی بابہ الذین لا ینظرون الی ماسواہ۔[1032]

ترجمہ: اے باطن کے مریض دواحاصل کر اور یہ دوااللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے سوا کہیں نہ ملے گی، تیرے اندرون کو بھی اور تیرے قلب کو بھی اور تیرے باطن کو بھی اور پروردگار کے ساتھ تیری خلوت کو بھی، تیرے قلب کی دونوں آنکھیں کھل جائیں گی، پس تو ان سے اپنے پروردگار کو دیکھے گا ان محبین میں سے بن جائے گا جو اس کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں۔ اور اس کے سوا کسی کی جانب بھی نظر نہیں کرتے۔

ایک حدیث شریف میں حضور پُر نور شافع یوم النشور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں کسی نے آکر عرض کیا یارسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ ان کی علامات کیا ہیں؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے جواباًارشاد فرمایا: **ھم الذین اذارؤو ذکر اللہ۔**[1033] یعنی وہ حضرات کہ جن کو دیکھتے ہی اللہ یاد آجائے۔

1032 (فتح الربانی مترجم ص ۳۲۱، ۳۲۰، مطبوعہ کراچی)

1033 (المنبھات ص ۲۳، اصحّ المطابع کراچی)

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے: تم علماء ربّانیّین کی ہمنشینی اختیار کرو اور داناؤں کی باتیں سنا کرو کیونکہ اللہ تعالٰی حکمت کی روشنی سے مردہ دل کو یوں زندہ کرتا ہے جس طرح خشک زمین کو آبِ رواں سے سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے۔

علامہ الدہر فرید العصر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ان اولیاء اللّٰہ لھم قربۃ و معیۃ باللّٰہ تعالیٰ غیر متکیف یقتضی ذالک ان یکون مجالستھم کالمجالسۃ باللّٰہ تعالیٰ و رؤیتھم مذکرا اللّٰہ تعالیٰ و ذکرھم جالبا الی ذکرہ تعالیٰ کالمرءۃ اذا قوبلت بالشمس و امتلأت بنورھا حصلت لھا حالۃ اذا قوبل شیٌٔ بذالک المرءۃ یستضیٔ بھا کما یستضیء بمقابلۃ الشمس بل یتحرق القطنۃ بمقابلۃ المرءۃ دون مقابلۃ الشمس لقرب القطنۃ بالمرءۃ دون الشمس و ایضا ان اللّٰہ سبحانہ اودع فی ذوات اولیائہ استعداد تاثر من اللّٰہ تعالیٰ تقرب و مناسبۃ خفیۃ غیر متکیفۃ بہ تعالیٰ و استعداد تاثیر فی الناس لاجل مناسبۃ جنسیۃ و نوعیۃ و شخصیۃ۔[1034]

ترجمہ: تحقیق اللہ والوں کو اللہ تعالٰی کے ساتھ ایک ایسی بے کیفیت معیت اور قرب حاصل ہے جس کی بدولت ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ تعالٰی کے ساتھ بیٹھنے کی مانند ہے، ان کے دیکھنے سے خداوند تعالٰی کی ذات بابرکات یاد آجاتی ہے۔ اولیاء کا ذکر (بیان) کرنا ذاکر کو اللہ تعالٰی کے ذکر کی طرف کھینچ کر پہنچاتا ہے، جس طرح آئینہ سورج کے مقابل لایا جاتا ہے تو سورج کے نور سے منور ہو کر اس کی ایسی حالت بن جاتی ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے سامنے آجاتی ہے تو منور ہو جاتی ہے یہی نہیں بلکہ اگر روئی آئینہ کے سامنے آجاتی ہے تو جل جاتی ہے جبکہ سورج کے مقابل ہونے سے نہیں جلتی اس لئے کہ آئینہ روئی سے قریب ہے اور سورج دور، اسی طرح اللہ تبارک و تعالٰی نے اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالٰی

[1034] (تفسیر مظھری ص ۴۰، ج۵ مطبوعہ دھلی)

کے قرب اور بلا کیفیت مناسبت خفیہ کی وجہ سے ان میں استعداد تاثیر پیدا کی ہے (جس کے ذریعے معارف و حقائق بارگاہِ قدس سے حاصل کرتے ہیں) اوراستعداد تاثیر (دوسروں پر اثر کرنے کی لیاقت) بھی اس لئے کہ ان کو لوگوں کے ساتھ مناسبت جنسی نوعی اور فردی حاصل ہے۔یعنی وصف انسانیت میں یہ بھی دوسرے انسانوں کے شریک ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیوض وبرکات حقائق ومعارف حاصل کرکے لوگوں کو عطافرماتے ہیں۔"

عمدة المحققين و المفسرين امام المتكلمينامام فخر الدين رازی رحمہ اللہ ، آیتِ شریفہ: وعلم أدم الاسماء كلها (البقرہ) کے ماتحت لکھتے ہیں:

وقال بعض المحققين: العلماء ثلاثة عالم بالله غير عالم بأمر الله وعالم بأمر الله غير عالم بالله، وعالم بالله و بأمر الله۔أما الأول: فهو عبد قد استولت المعرفة الالهية على قلبه فصار مستغرقا بمشاهدة نور الجلال و صفحات الكبرياء فلا يتفرغ لتعلم علم الأحكام الا ما لا بد منه۔ الثانی: هو الذی يكون عالما بأمر الله وغير عالم بالله وهو الذی عرف الحلال و الحرام و حقائق الأحكام لكنه لا يعرف أسرار جلال الله۔أما العالم بالله و بأحكام الله فهو جالس على الحد المشترک بين عالم المعقولات و عالم المحسوسات فهو تارة مع الله بالحب له، وتارة مع الخلق بالشفقة و الرحمة، فاذا رجع من ربه الى الخلق صار معهم كواحد منهم كأنه لا يعرف الله و اذا خلا بربه مشتغلا بذكره و خدمته فكأنه لا يعرف الخلق فهذا سبيل المرسلين والصديقين وهذا هو المراد بقوله ں {سائل العلماء و خالط الحكماء و جالس الكبراء} فالمراد من قوله ں: سائل العلماء أی العلماء بأمر الله غير العالمين بالله فأمر بمسألتهم عند الحاجة الى الله استفتاء منهم، و أما الحكماء فهم العالمون بالله و بأحكام الله فأمر بمجالستهم لأن فی تلك المجالسة منافع الدنيا و الآخرة۔[1035]

[1035] (تفسیر کبیر ج ا، ص ۱۸۱)

ترجمہ: بعض محققین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ یعنی وہ عالم جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صفت جلال کے نور دیکھنے اور صفات کبریاء کے مشاہدہ میں مشغول ہو اور احکام شرع کی تعلیم حاصل کرنے کی اسے فرصت نہ ہو فقط اپنی ضرورت کے مطابق احکام جانتا ہو۔ (۲) عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ یعنی وہ عالم جو حلال و حرام و دیگر احکام کی حقیقتیں تو بخوبی جانتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے جلال کے اسرار سے بے خبر ہو۔ (۳) عالم باللہ و بامر اللہ یعنی وہ عالم جو معقولات اور محسوسات کے جہانوں کے درمیان والے حد مشترک پر کھڑا رہے وہ کبھی فقط اللہ کی محبت میں مستغرق ہوتا ہے اور کبھی مخلوقات کی طرف رحمت و شفقت کی نظر فرماتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کر کے مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی ان ہی میں سے ایک فرد ہے اسے بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی معرفت حاصل نہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے، مقام عبدیت کی طرف لوٹتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے ساتھ تو اس کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے اور یہی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان کا راستہ ہے اور حدیث شریف: "علماء سے پوچھو، حکماء کے ساتھ میل جول رکھو اور کبراء کے ساتھ بیٹھو" اس حدیث شریف میں بھی علماء سے بوقتِ ضرورت مسائل دریافت کرنے کا حکم ہے اس سے مراد علماء کی دوسری قسم ہے (جو اوپر بیان ہوئی)، اور حکماء کے ساتھ میل ملاپ کا حکم دیا گیا ہے اس سے علماء کی پہلی قسم مراد ہے اور کبراء کے ساتھ ہمنشینی اور محبت کا حکم دیا ہے اس سے مراد علماء کی تیسری قسم ہے یعنی جو احکامِ شرع بھی پوری طرح جانتے ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہو۔ ان کی مجالس میں بیٹھنے سے دنیا و آخرت کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

علماء کی مذکورہ بالا تقسیم اور ان کے درمیان فرق اور فائدے بیان کرنے کے بعد امامِ موصوف نے ان کی نشانیاں بھی ذکر کی ہیں۔

تفسیر کی عبارت یہ ہے:

ثم قال شفيق البلخى لكل واحد من هؤلاء الثلث علامات اما العالم بامر الله فله ثلاث علامات ان يكون ذاكرا بالسان دون القلب وان يكون خائفا من الخلق دون الرب وان يستحيى من الناس فى الظاهر ولا يستحيى من الله فهى السر واما العالم بالله فأنه يكون ذاكرا خائفا مستحييا اما الذكر فذكر القلب لاذكر اللسان واما الخوف فخوف الرياء لا خوف المعصية واما الحياء فحياء مالخطر على القلب لاحياء الظاهر واما العالم بالله وبامر الله فله ستة اشياء الثلاثة التى ذكرناها للعالم بالله فقط مع الثلاثة اخرىٰ كونه جالسا على الحد المشتركة بين عالم الغيب وعالم الشهادة وكونه معلما للقسمين الاولين وكونه بحيث يحتاج الفريقان الاولان اليه وهو يستغنى عنهما ثم قال مثل العالم بالله بامر الله كمثل الشمس لا يزيد ولا ينقص ومثل العالم بالله فقط كمثل القمر يكمل تارة وينقص تارة ومثل العالم بامر الله فقط كمتل السراج يحرق نفسه ويضئ لغيره۔[1036]

ترجمہ: پس حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ نے فرمایا ان تینوں قسم کے علماء کی نشانیاں ہیں۔ عالم بامر اللہ کی تین نشانیاں ہیں۔

(۱) زبان کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہو گا مگر دل سے نہیں۔

(۲) مخلوق کا خوف اس کے دل میں ہو گا مگر خالق کا خوف نہیں

(۳) ظاہر میں انسانوں کے سامنے تو حیادار ہو گا مگر اندرونی طور پر اس میں اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں ہو گی۔

[1036] (تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۲۶۷)

عالم باللہ کی یہ تین علامات ہیں:

(۱)نہ صرف زبان کا ذاکر ہو گا بلکہ اسکے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو گا

(۲) اس کو گناہ کرنے کا خوف نہیں ہو گا اس کو یہ خوف ہو گا کہ میرے اعمال میں کہیں ریاء تو شامل نہیں ہے

(۳) حیادار ہو گا حیاء سے مراد ظاہری حیاء نہیں بلکہ اس کو ان قلبی خیالات کی وجہ سے حیاء و شرمساری ہوتی ہے جو ماسویٰ اللہ کے خیالات نادانستہ طور پر دل پر واقع ہو جاتے ہیں۔

عالم باللہ بامر اللہ کی چھ علامات ہیں۔ تین وہ جو عالم باللہ کی ہیں یعنی:

(۱)ذکر قلبی

(۲)خوف ریاء کا

(۳)دل میں ماسویٰ اللہ کے خیالات آنے کی وجہ سے شرمساری

(۴)جو عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کے درمیان والی حدّ مشترک پر کھڑا ہو

(۵)علماء کی پہلی دو قسموں کے لئے معلم اور رہبر ہونا

(۶) اس حیثیت سے رہنا کہ علماء کے پہلے ذکر کئے ہوئے دونوں قسم کے علماء اس کے محتاج ہوں اور یہ ان سے بے پرواہو۔

پھر فرمایا: ان تینوں کی مثال سورج، چاند اور دیئے کی سی ہے۔ عالم باللہ بامر اللہ سورج کی مانند ہے کہ جس کی روشنی ہمیشہ کامل رہتی ہے اور اس میں کمی بیشی واقع نہیں ہوتی اور عالم باللہ فقط کی مثال چاند کی طرح ہے جس کی روشنی کبھی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم،(اسی طرح عالم باللہ فقط پر بھی فیوض و برکات انوار و تجلیات کے نازل ہونے کا مدار بھی عالم باللہ بامر اللہ یعنی ولی کامل باشرع عالم باعمل کے

ساتھ تعلق اور صحبت پر ہے) اور عالم بامر اللہ فقط کی مثال دیئے کی سی ہے جو دوسروں کو روشنی پہنچاتا ہے اور خود جلتا ہے۔ (اسی طرح عالم بامر اللہ کے علم سے بھی دوسرے لوگ تو فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر یہ خود الآن کما کان معرفۃ خداوندی سے محروم ہے جو کہ انسان کی پیدائش کا غرض و مقصد ہے۔)

علماء حق کے سلسلے میں حضرت علامہ امام شعرانی قدس سرہ کا نظریہ بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

اعلم ان ورثۃ الانبیاء ھم العلماء والاولیاء فالاولیاء حفاظ الاحوال والاحکام الباطنۃ التی تدق عن الافھام والعلماء حفاظ الاحکام الظاھرۃ التی تفھم ببادی الرأی وقد یرث ھٰؤلاء ایضا الانبیاء فی الاحوال الباطنۃ کما کانت علیہ السلف الصالح فکانوا اولیاء علماء فلما تخلف الناس عن العمل بکل مایعلمون سموا علماء فقط وسلوبوھم اسم الولی والا فالعلماء حقیقۃ ھم الاولیاء علی ماعلیہ الناس الیوم کل ولی عالم عامل بلاشک ولیس کل عالم ولیا لانہ قدیتخلف عن مقام العمل بماعلم۔[1037]

ترجمہ: یقین کرلو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث علماء اور اولیاء ہی ہیں، اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ احکام اور احوالِ باطنی کی نگہبانی کرتے ہیں جن کا سمجھنا بہت ہی مشکل ہے اور علماء احکام ظاہری کی نگہبانی کرتے ہیں جو کہ معمولی غور کرنے سے ہی سمجھے جاسکتے ہیں کبھی کبھی یہ لوگ (علماء) احوال باطنی میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں جس طرح پہلے زمانے کے صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نہ فقط علماء ہوتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ اولیاء امت بھی ہوتے تھے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ علماء نے عمل کرنے میں کوتاہی شروع کردی تو اب لفظ علماء سے تو یاد کئے جاتے ہیں لیکن ان کو

[1037] (الیواقیت والجواھر ج ۲ ص ۸۸)

ولی کوئی نہیں کہتا۔ در حقیقت اولیاء اللہ ہی علماء ہیں چنانچہ آجکل بھی جو ولی ہیں بلاشک وہ عالم اور عامل بھی ہیں لیکن ہر عالمِ دین ولی نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے۔

نتیجہ: معلوم ہوا کہ علماء کا منتہائے نظر امر اللہ (ظاہری احکام شرع) ہے اور عارف کا منتہائے نظر (جہاں نظر کی انتہا ہو) ذات اللہ ہے۔ عالم کی رسائی علوم تک ہے عارف کی رسائی معلوم تک ہے عالم کو کلام لفظی کا علم ہے عارف کو کلام نفسی کا علم ہے۔ عالم کی نظر قرآن مجید کے ظاہری معانی پر ہے عارف کی نظر قرآن مجید کے باطنی معانی پر ہے۔ عالم قرآن شریف سے علمی نکات اور فائدے حاصل کرتا ہے اور عارف قرآن شریف سے فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔

خلاصہ کلام:

الحاصل بیعت کا جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس کا انکار قطعاً ناممکن اور کھلی گمراہی ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے زمانے سے لے کر اب تک صالحین اور بزرگانِ دین کا یہ معمول ہے کہ وہ بیعت کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح اور ان کی دینی تربیت کرتے ہیں۔

طریقت، شریعت کا ہی ایک جزو ہے، اس کو شریعت سے الگ بتانا سوائے جہالت اور لاعلمی کے کچھ نہیں۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: جس نے علم فقہ حاصل کیا اور علم تصوف حاصل نہ کیا تو وہ گمراہ اور فاسق ہے، اور جس نے علمِ تصوف حاصل کیا اور علمِ فقہ حاصل نہ کیا تو وہ زندیق ہے اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ ہدایت یافتہ ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو دین پر چلنے اور اس پر استقامت کی توفیق نصیب کرے، اور انبیاء کرام علیہم السلام، اولیائے عظام اور صالحینِ امت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم اور ان کا ادب کرنے والا بنائے۔ آمین۔

حضرت شیخ عبد القادر عیسیٰ شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تصوف کے روشن حقائق" (اردو ترجمہ حقائق عن التصوف) میں بیعت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۱۰)

ترجمہ: "(اے جانِ عالم) بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہو گا۔ اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"

چونکہ شیخ کے دستِ اقدس پر بیعت کرنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنے کے مترادف ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے توڑنے پر تنبیہ فرمائی ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا (النحل ۹۱)

ترجمہ: "اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو اپنی قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" (الاسراء: ۳۴)

ترجمہ: اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔

سنتِ مطہرہ

بعض لوگ کہتے ہیں: اسلام اور جہاد کی بیعت تو ثابت ہے ان کے علاوہ اور بیعت نہیں، دیگر بیعتیں بدعت ہیں ایسی بات کہنا کم علمی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اسلام اور جہاد کے علاوہ بھی کئی چیزوں پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لی۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج ادا کرنے، مسلمانوں کی خیر خواہی اور اچھائی اختیار کرنے، چوری، بدکاری نہ کرنے، بہتان نہ لگانے وغیرہ پر بیعت لی۔

(۱) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے نماز کا پابند رہنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔[1038]

(۲) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اچھائی پر بیعت کی یعنی اچھے کام کریں گے۔[1039]

[1038] (صحیح بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲۳)

[1039] (صحیح مسلم، جلد دوم، صفحہ ۱۳۰)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے اس بات پر بیعت کرتے تھے کہ ہم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اطاعت کریں گے۔[1040]

(۴) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم آٹھ آدمی تھے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: تم اللہ کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور عرض کی کہ کس امر پر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بیعت کریں؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچ نمازیں پڑھو احکام سنو اور مانو اور آہستہ فرمایا: لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی کہ اتفاقاً بھی چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر دو۔[1041]

(۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی تھی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری، قتل، زنا و بدکاری، لوٹ اور ڈاکہ نہ ڈالیں گے۔[1042]

1040 (صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۱۳۱)

1041 (احیاء العلوم ۳: ۱۵۱، سنن نسائی، التکشف ۲۶۰)

1042 (حیاۃ الصحابہ، ۲:۲۵۶)

(۶) ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے محبت پر بیعت کی تھی یعنی اللہ ورسول کو محبوب رکھوں گا۔[1043]

(۷) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں اس بات پر بیعت کیا تھا کہ میت پر نوحہ نہ کریں گی۔[1044]

اسلام کی بیعت تو یہ پہلی کر چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"اے نبی! جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مؤمن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو اے میرے محبوب! انہیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم ان کو بیعت فرمالیں۔ بیعت کے بعد ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بزرگ بھی بیعت کرنے کے بعد دعا مانگتے ہیں۔ ان شرائط پر عورتوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام بیعت فرماتے، لیکن کبھی بھی بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مس نہیں فرمایا۔

(۸) حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی لوگوں سے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت لیتے تھے۔[1045]

[1043] (کنز العمال ۱:۸۳)

[1044] (صحیح بخاری، ۱:۱۷۵)

[1045] (الاصابہ، ۳:۴۵۸، حیاۃ الصحابہ ۲:۲۷۲)

(۹) ابن عفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو بیعت فرما رہے تھے کہ تم اللہ کی فرمانبرداری کرو۔[1046]

(۱۰) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوری، بدکاری سے بچنے پر بیعت لی۔

(۱۱) سلیم ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حمراء کا وفد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس پر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے بیعت کی کہ شرک نہ کریں گے، نماز کو قائم رکھیں گے، زکوۃ دیں گے، رمضان کے روزے رکھیں گے۔[1047]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے گناہوں سے بچنے، نماز و روزہ ادا کرنے، نیکی اختیار کرنے پر بیعت کی۔ مشائخِ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ جو نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہِ اقدس سے فیض یاب ہیں، ان کی بیعت کا مآخذ بھی یہی بیعت ہے۔

یہ بیعتِ تقویٰ و توبہ اور بیعتِ ارشاد ہے۔ پیر و مرشد کے ہاتھ پر آدمی بیعت کر کے گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد کرتا ہے اور پیر و مرشد سے شریعت و طریقت کی تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔[1048]

سنتِ مطہرہ میں بیعت و تلقین کی کوئی ایک صورت نہ تھی بلکہ مردوں عورتوں، مختلف گروہوں اور نابالغ بچوں سے بھی بیعت لی جاتی تھی۔

1046 (بیہقی ۸:۱۴۶، حیاۃ الصحابہ ۲:۲۷۲)

1047 (حیاۃ الصحابہ ۲:۲۷۳، کنز العمال ۱:۸۱)

1048 (بحوالہ رسائل خمسہ ص ۳۱۶-۳۱۴)

(ا): مردوں کی بیعت: امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

بایعونی علیٰ أن لا تشرکوا باللہ شیئاً، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادکم، ولا تأتوا ببھتان تفترونہ بین أیدیکم وأرجلکم، ولا تعصوا فی معروف، فمن وفی منکم فأجرہ علی اللہ، ومن أصاب من ذلک شیئاً فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ، ومن أصاب من ذلک شیئاً ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ، ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ۔[1049]

تم میری بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے۔ اسراف وفضول خرچی سے اجتناب کرو گے۔ زنا سے بچو گے اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر بہتان طرازی بھی نہیں کرو گے۔ اچھے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ پس جس نے ان تمام احکام کو پورا کیا تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ہاں ہے اور جس نے ان میں کمی کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ہی سزا دے دی۔ تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا۔ اور جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا میں مبتلا کر دے۔ پس راوی (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: فبایعناہ علیٰ ذلک (کہ ہم نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی ان تمام امور پر بیعت کر لی۔)

[1049] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان۔ وأخرجہ مسلم والترمذی والنسائی کما فی "الترغیب والترھیب" ج۲ ص ۴۱۵)

(۲):اجتماعی تلقین: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا تم میں کوئی اجنبی (اہل کتاب) تو نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! آپ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا اپنے ہاتھوں کو بلند کرو اور کہو "لا الہ الا اللہ" ہم نے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا "لا الہ الا اللہ" پھر نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! الحمد للہ اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کا حکم فرمایا اور اس پر جنت کا وعدہ فرمایا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا: ألا أبشروا فإنّ الله قد غفر لكم۔ تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔[1050]

(۳): انفرادی تلقین: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی کہ یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین اور اس کے بندوں پر آسان ترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین ہو تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! اے علی! سرّا و جهرا (خاموشی سے اور بہ آوازِ بلند) اللہ کے ذکر پر مواظبت اختیار کرو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی تمام لوگ ذکر کرتے ہیں مجھے کوئی خاص ذکر بتائیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور سابقہ انبیاء علیہم السلام نے کہا وہ "لا الہ الا اللہ" ہے۔ اگر زمین و آسمان ایک پلڑے میں ہوں اور "لا الہ الا اللہ" دوسرے پلڑے میں تو یہ پلڑا دوسرے پر بھاری ہوگا۔ زمین پر جب تک "لا الہ الا اللہ" پڑھنے والا ہے۔ قیامت نہیں آئے گی۔ پھر حضرت علی

[1050] (أخرجه الامام احمد، والطبرانی، والبزار، ورجاله موثوقون، کمافی مجمع الزوائد: ج: ۱ :ص: ۱۹)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ میں کیسے ذکر کروں؟ تو بنی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا آنکھیں بند کرو اور تین دفعہ مجھ سے "لا الہ الا اللہ" سنو۔ پھر تم تین دفعہ کہو میں سنتا ہوں پھر اسی طرح بلند آواز کے ساتھ ذکر کیا۔[1051]

طبرانی، ابو نعیم، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بشیر ابن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ کس بات پر میری بیعت لیتے ہیں؟ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے ہاتھ پھیلایا اور فرمایا کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے بندے اور رسول ہیں اور پانچ نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھے۔ زکوٰۃ مفروضہ کو ادا کرے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم! دو باتوں کے علاوہ میں سب کو ادا کر سکتا ہوں ان دو کی گنجائش نہیں۔

(۱): زکوٰۃ قسم بخدا! میرے پاس دس اونٹوں کے سوا کچھ نہیں۔

(۲): جہاد، میں بزدل آدمی ہوں لوگ کہتے ہیں کہ جو میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے، وہ غضبِ خداوندی کا مستحق ہوتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ جنگ شروع ہو جائے اور میں ڈر کر بھاگ جاؤں تو اللہ کے غضب کا مستحق ہوں گا۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے میرا ہاتھ پکڑا اور حرکت دی اور فرمایا! اے بشیر! صدقہ اور نہ جہاد تو پھر جنت میں کیسے داخل ہو گے۔ میں نے عرض کی

[1051] (رواہ الطبرانی والبزار باسناد حسن)

ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم کے دستِ اقدس پر ان تمام چیزوں پر بیعت کرلی۔[1052]

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم! مجھے بیعت کیجئے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے فرمایا! میں تجھے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے۔ نماز قائم کرے۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ مسلمانوں کو نصیحت کرے اور شرک سے برأت کا اظہار کرے۔[1053]

ایضاقال: بایعت رسول اللہ صَلّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلّم علی اقام الصلاۃ وایتاء الزکاۃ، والنصح لکل مسلم۔[1054]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم جب بھی سمع وطاعت پر بیعت کرتے تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہمیں ارشاد فرماتے کہ میں ان چیزوں پر تم سے بیعت لیتا ہوں۔ جن چیزوں کی تم طاقت رکھتے ہو۔[1055]

(۴): عورتوں کی بیعت: حضرت سلمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور انصار کی عورتوں کے ساتھ مل کر بیعت کی۔ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم نے ہمیں اس شرط پر بیعت کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ نہ چوری کریں نہ زنا۔ نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں اور نہ ہی کسی پر بہتان باندھیں اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کریں اور فرمایا کہ نہ ہی تم اپنے خاوندوں کو دھوکہ

1052 (أخرجہ الامام أحمد، وقال الهيثمی فی "مجمع الزوائد" رجالہ موثوقون، ج ۱ ص ۴۲)

1053 (رواہ أحمد والنسائی فی باب لبيعة على النصح لكل مسلم)

1054 (صحيح البخاری فی صحيحہ فی باب البيعة على اقام الصلوۃ)

1055 (صحيح البخاری کتاب الأحكام، صحيح مسلم کتاب الأمارة)

دو۔ فرماتی ہیں کہ ہم نے بیعت کی اور واپس لوٹ آئے تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ واپس جاؤ اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھو کہ ہمارے خاوندوں کے مالوں میں سے کون سی چیز ہمارے لئے حرام ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا خاوند کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ہدیہ دینا۔[1056]

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس حاضر ہوئی تو عرض کی یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم! ہم اس شرط پر بیعت کرتی ہیں کہ نہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں، نہ چوری کریں نہ زنا۔ نہ ہی اولادوں کو قتل کریں اور نہ ہی کسی پر بہتان لگائیں اور نہ ہی نیکی کے کام میں نافرمانی کریں تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! ان میں سے جس چیز پر تم قدرت اور طاقت رکھتی ہو تو ہم نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہماری ذاتوں سے زیادہ ہم پر رحم فرمانے والے ہیں۔ تشریف لایئے ہم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دستِ اقدس پر بیعت کرتی ہیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ایک عورت کے لئے میرا ارشاد سو عورتوں کو مخاطب کرنے کے مترادف ہے۔[1057]

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کو

[1056] (مسند احمد، ابویعلیٰ، طبرانی، ورجالہ ثقات کمافی مجمع الزوائد ج٦ ص ٣٨)

[1057] (ترمذی، کتاب السیر باب بیعۃ النساء، نسائی باب بیعۃ النساء، واسنادہ حسن)

شریک نہ ٹھہرانا نہ ہی چوری کرنا اور نہ ہی زنا کرنا اور نہ ہی اپنے بچوں کو قتل کرنا نہ ہی کسی پر بہتان لگانا نہ ہی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کرنا۔[1058]

حضرت عزہ بنت خابل رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان امور پر بیعت کی کہ نہ زنا کریں گی اور نہ چوری اور نہ اپنے بچوں کو زندہ درگور کریں گی خواہ اعلانیہ ہو یا خفیہ۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اعلانیہ طور پر زندہ درگور کرنے کو تو میں جانتی ہوں مگر خفیہ طور پر زندہ درگور کرنے کے بارے میں میں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے نہیں پوچھا اور نہ ہی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے مجھے خبر دی۔ پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے مراد بچہ کو ضائع کرنا ہے۔ قسم بخدا! میں کبھی بھی اپنے بچہ کو ضائع نہیں کروں گی۔[1059]

(۵): نابالغ بچوں کی بیعت: طبرانی نے محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لی، حالانکہ وہ ابھی چھوٹے تھے اور ان کی داڑھی بھی ظاہر نہیں ہوئی تھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علاوہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے کسی اور چھوٹے سے بیعت نہیں لی۔[1060]

1058 (أخرجه النسائی وصححه الترمذی، کمافی حیاۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۳۱)

1059 (طبرانی، مجمع الزوائد: ج ۴، ص ۳۹)

1060 (مجمع الزوائد ج ۹: ص ۱۴۰)

طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سات سال کی عمر میں بیعت کی۔ جب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے انہیں دیکھا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ہاتھ پھیلایا اور بیعت لی۔[1061]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت کی مختلف صورتیں تھیں کبھی تو اسلام پر بیعت کرتے اور کبھی نیک اعمال، ہجرت، نصرتِ دین اور جہاد اور سمع وطاعت پر بیعت کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا

ابنِ شاہین نے ابراہیم بن مستمر رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس وقت بیعت لی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح: ۱۰) (بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں) اور یہ بیعت اللہ تعالیٰ اور حق کی اطاعت کے لئے تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت یہ تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری بیعت کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعد میں آنے

[1061] (مجمع الزوائد ج ۹، ص ۲۸۵)

والے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی بیعت کی طرح تھی۔[1062]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں حسبِ استطاعت سمع وطاعت پر بیعت کروں جیسا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے خلیفۂ اول کی بیعت کی۔[1063]

حضرت سلیم بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حمراء کا وفد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ قیامِ رمضان کا اہتمام کریں گے اور مجوسیوں کی عید چھوڑ دیں گے۔ جب انہوں نے ہاں کہا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیعت لی۔[1064]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اس طریقۂ بیعت کو ہر زمانہ میں اپنایا ہے۔ شیخ ندوی اپنی کتاب "رجال الفکر فی الدعوۃ فی الاسلام" میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت اور توبہ کے دروازہ کو کھولا جس میں تمام عالمِ اسلام کے کونے کونے سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد ومیثاق کی تجدید کی اور یہ عہد کیا کہ وہ شرک کریں گے نہ ہی فسق وفجور اور بدعات کا ارتکاب

1062 (الإصابة ج٣ص ٤٥٨)

1063 (حیاۃالصحابۃ ج ١ ص ٢٣٧)

1064 (رواہ الامام احمد کمافی نفس المرجع)

کریں گے نہ ظلم کریں گے نہ ہی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھیں گے۔ فرائض کو ترک نہیں کریں گے اور دنیا کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیں گے اور نہ ہی آخرت کو بھولیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دستِ اقدس پر جس دروازہ کو کھولا تھا اس میں بے حد و بے حساب مخلوق داخل ہوئی۔ ان کے اعمال واحوال بہتر ہو گئے اور بہترین مسلمان بن گئے۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تربیت و نگرانی اور محاسبہ کا اہتمام کیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے روحانی شاگرد بیعت، توبہ اور تجدیدِ ایمان کے بعد معاشرہ کے ذمہ دار افراد بن گئے۔[1065]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اس بیعت وعہد کا انفرادی اور اجتماعی تزکیۂ نفس اور اصلاح میں انتہائی گہرا اثر ہے۔"[1066]

بیعتِ مرشد

جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فنا ہوئے تھے، اس ہی کی شان کے ساتھ خداوند کریم و رحیم نے امّتِ محمّدیہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کیلئے ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدۃ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم اللہ کے عذاب سے نجات پاؤ۔

1065 (رجال الفکر والدعوۃ فی الإسلام ص ۲۴۸)

1066 (انتہیٰ حوالہ تصوف کے روشن حقائق، ص ۸۶-۷۹)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے۔ ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اسلام کے احکامات اور قوانین و ضوابط پر پوری طرح سے عمل پیرا ہیں جیسا کہ نماز پانچوں وقت ادا کرتے ہیں، ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں، حج اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں اوامر و نواہی کو مانتے ہیں۔

جن لوگوں کو اللہ پاک "ایمان والوں" کے خطاب سے نوازتا ہے اگر کوئی بھی اپنے دل میں ان کے ایمان میں ذرہ برابر کمی کا خیال کرے گا تو کافر اور مجرم گردانا جائے گا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نور ایمانی دیکھ کر "ایمان والوں" کہا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (الاحزاب ۵۱) یعنی میں جانتا ہوں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اس آیت شریف میں اللہ پاک نے ایمان والوں کے حق میں انعاماتِ جنت اور آخرت کی عظیم خوشخبری کے بجائے اِتَّقُوا اللهَ فرمایا ہے، یعنی اللہ سے ڈرو۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی ظاہری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، زہد و عبادت، نیک اعمال، حفظ قرآن، مولوی، عالم، فاضل اور ظاہری عہدہ و پوزیشن کو اپنے لئے پورا اور کافی مت سمجھئے کہ گویا تم کامیاب ہوئے ہو اور تم نے حق عبودیت کی تعلیم کا پورا کورس پاس کر لیا ہے، اب تمہیں عہدہ، ڈگری اور اسناد ملیں گی۔ نہیں نہیں ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ اب تو آپ تعلیم عبودیت کے ابتدائی حصہ میں شریعت کے طالب العلم ہو اور قاعدہ پڑھتے ہو۔ اس کے علاوہ عبودیت کے تین کورسز اور بھی ہیں۔ طریقت، حقیقت اور معرفت ان کورسز کو پاس کرنا ہو گا تب جا کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث بننے کے اہل ہو جائیں گے اور عبودیت کے مقصد تک پہنچ پاؤ گے۔

مقصد عبودیت کے بارے میں اللہ پاک نے بیان فرمایا ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات ۵۶)

ای لیعرفون! یعنی اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے انس و جن کو اپنی معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پس عبودیت کا مقصد ''معرفت'' میں ظاہر ہوا۔ جس طرح ظاہر علوم کے حصول کیلئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح باطنی علم ''معرفتِ الٰہی'' کے حصول کے لئے بھی ایک استاد، شیخ کامل مکمل کی ضرورت لازمی ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدة ۳۵) یعنی اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ جس کی بدولت قربِ الٰہی، وصلِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی حاصل ہو جائے گی یعنی وہی بندۂ صالح عارف باللہ آپ کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کا مصداق اور عملی نمونہ بننے کی ہدایت فرمائیں گے اور وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِه (المائدة ۳۵) سے مراد نفس کے ساتھ مقابلہ اور جہاد ہے۔ اس لئے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہادِ اکبر فرمایا ہے۔

قول الجمیل میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہاں پر ''وسیلے'' سے مراد ایمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے۔ نہ اس سے مراد دیگر اعمال صالحہ ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ، اور نہ عباداتِ مالی اور بدنی مراد ہے۔ اس لئے کہ یہ سب اعمال ''تقویٰ'' میں شامل ہیں۔ پس وسیلہ سے مراد ارادت، بیعتِ مرشدِ طریقت ہے۔ آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر رقم ہے: ان البیعة سنة یعنی بیعت سنت ہے اور قوم میں پیر طریقت کی مثال ایسی ہے جیسے اپنی امت میں پیغمبر علیہ السلام کی ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے: **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** یہاں علماء سے مراد عالم ظاہری نہیں ہے بلکہ وہ علماء مراد ہیں جنہیں علمِ ظاہر اور علمِ باطن کے فیوضات حاصل ہوں۔ جنہوں نے ان دونوں علوم میں کمال حاصل کیا ہو۔ پس وہی نبی علیہ السلام کا وارث بن سکتا ہے۔

اسی طرح مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی مشتاق احمد نے کتاب امداد المشتاق کے صفحہ ۵۴۰ پر تحریر کیا ہے: **اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَجْلِسَ مَعَ اللہِ فَلْیَجْلِسْ مَعَ اَھْلِ التَّصَوُّفِ۔** فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک کا قول ہے۔ یعنی شیخِ کامل اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے کہ نبی امت میں ہوتا ہے اور جو کوئی اللہ پاک کا ہم مجلس ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے چاہیئے کہ وہ اہل تصوف کا ہم مجلس ہو جائے اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کرے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی کے صفحہ ۵۸۷ پر رقمطراز ہیں کہ جب پیر میں بشریت کے اوصاف دیکھ پاؤ تو ان سے مت بھاگو اور ان پر بد اعتقادی نہ کر بلکہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ جان یعنی ان کے طفیل آپ کو معرفت الٰہی حاصل ہو گی اور دستگیرِ طریقت جان۔

اس آیت کی تشریح میں تفسیر مواہب الرحمان میں لکھا گیا ہے کہ بیعت شرعی امر ہے جو کہ تواتر کے ساتھ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے اور اجماع امت سے ثابت ہے، اور رسالہ امامت میں مولوی اسماعیل دہلوی نے بھی وسیلہ سے مراد وہ مرد صالح لیا ہے جسے **قرب الی اللہ** حاصل ہو۔

صراط مستقیم مترجم اردو، صفحہ ۱۲۳ پر مولوی اسماعیل دہلوی لکھتا ہے کہ بیشک پیر و مرشد معرفت الٰہی اور راہ سلوک کا وسیلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ (المائدۃ ۳۵)

اور صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ حقیقی نجات کیلیئے مجاہدہ نفس سے پہلے مرشد کامل مکمل کی جستجو ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت بھی اس طریقے سے جاری وساری ہے۔ اس وجہ سے رہبر کے بغیر راہ معرفت پانا انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے۔ اس شخصیت کو مرشد بنانا چاہیئے جو کسی بھی شان سے شریعت کے مخالف نہیں ہو جسے دیکھ کر فوراً خدا یاد آئے۔

حب مرشد بعینہٖ حبِ اللہ اور رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت ہے

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی مرقومات امدادیہ میں مکتوب نمبر ۳۱ پر رقمطراز ہیں کہ مرشدین سے محبت عین محبت اللہ اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس لئے کہ یہ نائبین ہیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۶ جلد ۱ میں لکھتے ہیں کہ مرید اپنے عقیدت کے ہاتھ کو مرشد کے ہاتھ سے پیوست کرتا ہے اور یہ اعتقاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بیعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

اور یہ حکم الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہ (سورۃ فتح ۲۶/۱)

بیشک جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا۔ مولانا روم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریف کا ترجمہ اپنی مثنوی میں کچھ اس طرح کیا ہے۔

دست توازدست آن بیعت شود | کہ یداللہ فوقہم ایدی بود

اسی طرح علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا | ہاتھ غالب وکار آفریں کارکشاکارساز

اس سے ثابت ہوا کہ مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنا نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

حُبَّ الفقَرَاءِ مِفتَاحُ الْجَنَّةِ۔

یعنی درویشوں کی محبت جنت کی کنجی ہے۔

اس کا ترجمہ حضرت فریدالدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح کیا ہے:

حب درویشاں کلید جنت است | دشمن ایشاں سزائے لعنت است

حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضیاء القلوب صفحہ ۳ میں اس طرح تحریر کیا ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْن (التوبة ۱۱۹) اور وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (لقمان ۱۵) دونوں آیتوں میں صیغہ امر کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے۔یعنی بیعت حکم واجب ہے اور مرشد کے ساتھ محبت اختیار کرنا سنت ہے۔

امداد المشتاق ص۱۰۶ پر لکھا ہے کہ حاجی امداد اللہ نے فرمایا ہے کہ وجود مطلق لباس مجانس (جنس) میں فیض دیتا ہے اور آگے صفحہ ۱۰۷ پر ہے کہ اپنے پیر و مرشد پر اس طرح (اعتقاد رکھنا چاہیئے) کہ ان سے بہتر کافی کوشش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا اور مولوی رشید گنگوہی نے امداد السلوک ص۴ میں لکھا ہے کہ جس کا پیر و مرشد نہ ہو اس کا پیر و مرشد شیطان ہوتا ہے۔

مولوی حسین احمد مدنی نے شہاب الثاقب میں لکھا ہے کہ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے: من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطن۔ یعنی جس کسی کا پیر و استاد نہیں اس کا پیر و استاذ اور امام شیطان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل ۱۷:۷۱(پ۱۵ع۸)میں فرمایا ہے:

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ۔(الاسراء ۷۱)

"جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں جس کی جس کسی سے محبت ہوگی اور جس کی پیروی کرتا تھا، قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ اٹھے گا۔

جس طرح دنیاوی مقاصد اور مراتب کے حصول کے لئے انسان ہر قسم کے وسیلے کے تلاش اور جستجو کرتا ہے اور جس کے وسیلے سے ایک افسر سے استفادہ کرتا ہے اسی طرح لازمی ہے کہ معرفتِ الٰہی اور قرب الی اللہ کے لئے ایک پیر کامل مکمل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے جن کے ذریعے قرب اور معرفتِ الٰہی حاصل کی جائے۔

ہیچ کس از خود بخود چیزے نہ شد — ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

ہیچ حلوائی نہ شد استاد کار — تا شاگرد شکر ریزے نہ شد

مولوی ہر گزنہ شد مولائے روم — تا غلام شمس تبریزے نہ شد

ان اشعار میں مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی چیز خود بخود نہیں بنتی۔ جس طرح لوہے سے خود بخود تلوار نہیں بنتی اور کوئی شخص خود بخود حلوائی نہیں بن سکتا جب تک اس نے کسی

حلوائی کی شاگردی نہ کی ہو، اور ایک مولوی ہر گز خود بخود مولائے روم نہیں بن جاتے جب تک اس کو شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے پیر کامل مکمل کے ہاتھ پر بیعت نصیب نہ ہوتی۔

اس سے پہلے مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے پایہ کے عالم تھے اور علامۂ دہر تھے لیکن علمی رموز و اسرار اور دین کی سمجھ انہوں نے پیر مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ باطنی رموز اور اسرار اور تجلیاتِ الٰہی بغیر عالمِ باطن سے نہیں مل سکتے۔ اس لئے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے پہلے وحی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ''اِقْرَأ'' فرمانا اور نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا ''مَا اَنَا بِقَارِی'' فرمانا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو پکڑنا اور سینے سے ان کے سینے پر زور دینا ایک پکا مضبوط ثبوت ہے۔

اگر باطنی اسرار و رموز لسانی یعنی زبانی علم ظاہر سے حاصل ہو سکتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کبھی بھی باطنی اسرار و رموز کے حصول کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سینہ مبارک پر زور نہ کرتے۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام ''اِقْرَأ'' کے جواب میں ہی بول پڑتے۔ پس ثابت ہوا کہ باطنی اسرار و رموز پر واقفیت بغیر پیر کامل مکمل سے محال اور ناممکن ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: من مات ولیس فی عنقه بیعةٌ مات میتة الجاھلیة۔ جس کسی نے قصداً امر شد کے طریقت کی بیعت سے انکار کیا اور یہی انکار تکبر حسد اور دشمنی پر مبنی ہو تو یہ شخص جاہلیت کی موت مر گیا۔ حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بندۂ یک مرد مؤمن دل شوی   بہ کہ بر فوق شہہ شاہان شوی

یعنی اگر اپنے آپ کو اہلِ دل مؤمن کامل مکمل کے غلامی میں دے جاؤ تو یہ دنیاوی بادشاہوں کے سروں پر چلنے سے بہتر ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا　　　　نگاہ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ کون ہے جو کامل مکمل مردِ مومن کے زور بازو کا اندازہ لگا سکے۔ اس کی ایک ہی نظر سے تقدیریں بدل سکتی ہیں۔

پیر کامل مکمل کی توجہ، اس کی ایک نظر مرید اور طالبِ معرفتِ الٰہی کے دل اور روح کیلئے ریگمال کی حیثیت اور اثر رکھتی ہے اور گناہوں کے میل کچیل کیلئے صابن ہے۔ پتھر جیسے سخت دل کو نرم کر دیتی ہے اور ایسا اکسیر ہے جو لوہے پر چڑھے ہوئے کالے اور گہرے زنگ کو خالص سونے کی طرح چمکدار بنا دیتا ہے، تو مرید کا دل بازارِ معرفت میں بکنے کے قابل ہو جاتا ہے اور حقیقتِ اخروی کی تجارت حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف ۱۸:۶۹، پ۱۶، ع۲۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کا ارشاد ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے فریق حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ اس مقام پر پہنچے جہاں پر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت اور فیضِ الٰہی کے حصول کا مطالبہ کیا تو جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرے ساتھ تم صبر اور قوت برداشت کا مظاہرہ نہیں کر سکو گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، قرآن پاک میں ارشاد ہے: سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا۔ (الکھف ۶۹) اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو میں آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں

کروں گا۔ مجھے صابروں میں سے پاؤ گے۔ عرض یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باطنی علوم و معارف کے حصول کے لئے اجازت دیدی۔ جب یہ ایک غریب کی کشتی میں پار ہو رہے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا تختہ توڑ دیا۔ اس کے بعد کھیلتا ہوا ایک خوبصورت بچہ مار ڈالا۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہری علمِ شریعت حاصل تھا اور ان اوامر و اسرار پر ابھی تک مولائے کریم نے انہیں واقف نہیں فرمایا تھا، برداشت نہ کر سکے اور حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھ ہی لیا۔ حضرت موصوف نے انہیں وہی پرانی شرط یاد دلائی۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی اور فرمایا کہ آئندہ پوچھنے پر بیشک انہیں اپنی صحبت سے ہٹا دیا جائے۔ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان یتیموں کے جن کے والدین نیک اور صالح تھے، کی دیوار بغیر کسی اجرت کے تعمیر کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر رہا نہ گیا اور پوچھ بیٹھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ (الکھف ۷۸) یعنی اب میرے ساتھ مزید آپ کی صحبت نہیں ہو سکتی اور ان گزرے ہوئے واقعات کے رموز و اسرار بتائے اور رخصت کر دیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ اگر انہوں نے برداشت سے کام لیا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ ان پر بہت سے اسرار منکشف فرماتا۔ جب ان دونوں نے باہم وعدہ کیا تو ایک پرندے نے آکر دریا میں چونچ ڈالی اور پھر اڑ گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو علم دیا ہے، وہ اس پرندے کی چونچ میں موجود پانی کے قطرے کے برابر ہے اور اللہ کا علم اس بحرِ بے پایاں کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔[1067]

[1067] (روح البیان)

اس سے ثابت ہوا کہ معرفتِ الٰہی اور باطنی اسرار و رموز کا حصول صرف علمِ ظاہر سے ممکن نہیں بلکہ ایک شیخ کامل مکمل کے ہاتھ پر بیعت اور ان کی صحبت حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ یہ رضائے الٰہی کے حصول کا ارادہ ہے اور جو یہ ارادہ حاصل کرے تو وہ خلاصی اور نجات پاتا ہے اور خاص طالب المولیٰ اور ذاکر بن جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رضائے الٰہی اور معرفت کا طالب بننا ایک فرضی مسئلہ ہے اور جس نے اس بیعت کو قبول نہ کیا یا جس نے قبول کیا مگر اس کے آداب کی پاسداری نہ کی تو یہ بھی شیطان کی دوستی میں رہ گیا کیونکہ اس نے نفس و شیطان کے مقابلے میں اپنے پیر کی بات نہ مانی یا ان کے آداب کو ملحوظ نہ رکھا تو یہ بھی نہ ہونے کے برابر ہوا۔ جیسے اس نے بیعت ہی نہیں کی اس لئے شیطان کی تابعداری میں رہ گیا۔

خرپوتی شریف میں لکھاہے کہ جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔[1068]

"ومن لا شیخ له فشیخه الشیطٰن" کیونکہ جس کا پیر نہیں ہوتا تو وہ ذکرِ خداوندی خصوصی طور پر زیادہ نہیں کر سکتا یا اگر کرتا ہے تو سمجھتا نہیں اور اس ذکر سے اسے ایسا فائدہ بھی نہیں پہنچتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ تک واصل ہو جائے تاکہ معرفت کی لذت پائے۔

مرید اور بے پیرے کی مثال

مثال اس کی یہ ہے کہ جب تک دودھ میں دہی میں سے کچھ نہ ڈالا جائے تو وہ دودھ دہی نہیں بن سکتا اور اگر دودھ بغیر دہی کی ملاوٹ کے گاڑھا بھی ہو جائے تو اسے خراب دودھ کہتے ہیں دہی نہیں کہتے۔ نہ وہ دہی ہوتا ہے نہ اس سے مکھن نکلتا ہے اور ذائقہ بھی خراب ہوتا ہے اس لئے لوگ اسے گرا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص بغیر شیخِ طریقت کی بیعت کے ساری زندگی ذکر واذکار میں

1068 (شان حبیب الرحمن: صفحہ: ۱۷۱: مفتی احمد یار خان قدس سرہ)

گزار دے تو یہ ذکر کرنا ایسا ہے جیسے بغیر لسی ملایا ہوا دودھ کا خراب ہونا جس میں نہ ذوق ہوتا ہے نہ لذت اور اس سے کوئی فائدہ اسے حاصل نہ ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ یہی عبادت ایسے ہی رد کی جائے جس طرح وہ خراب دودھ رد کر دیا جاتا ہے جو بغیر دہی ملائے گاڑھا ہو گیا ہو اور وہ گرانے کے قابل ہوا ہو، اور کوئی فائدہ اس سے حاصل نہ ہوا۔ اسی طرح جو شخص، طریقت در کنار، ذکر ہی نہیں کرتا وہ تو ہے ہی برباد و ہلاک اور جو لوگ ذکر واذکار تو کرتے ہیں مگر بغیر طریقت کے کرتے ہیں تو اس کی مثال خراب دودھ کی سی ہے جو کسی کام کا نہیں۔ اسی طرح جس نے بیعت تو کی ہے مگر اپنے پیر کی مخالفت میں خواہشاتِ نفسانی کی متابعت میں چال چلن اور ذکر واذکار کرتا ہے اور عقل کا پجاری بن جاتا ہے۔ تو وہ پھر پہاڑ سے گرے گا کیونکہ کچھ عرصہ تک مرید کے ارد گرد ایسے حجابات اور پردے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا اور یہ باطنی راستہ ہے اس لئے نادیدہ راستہ پر مرید اپنے پیر کے پیچھے اس کے نقشِ قدم پر جائے گا اور پیر کی متابعت، تعلق، خلوص اور صداقت ہو گی تو تب منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا اور شیطان کے مکر و فریب سے بچ جائے گا۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ انسان کے دل پر شیطان بیٹھا ہوتا ہے جب یہ انسان ظاہر و باطن میں ذکر شروع کر دیتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو شیطان دوبارہ اس کے دل پر بیٹھتا ہے اور اس کے دل میں اپنا زہریلا مادہ، مکر و فریب ڈالتا ہے اور اس وجہ سے اس کے دل سے نورِ ایمانی کو اپنے وسوسوں سے غائب کر دیتا ہے۔ "قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنث واذا غفل وسوس۔" اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: جو میرے ذکر سے غافل ہو جائے تو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیں گے جو اس کے راستے کا ساتھی ہو گا یعنی اس کا پیشوا اور امام ہو گا اور اس کی اطاعت و متابعت اس شیطان کے نقشِ قدم پر ہو گی اور یہ ہلاک ہونے

والوں میں ہو جائے گا۔ اگرچہ ایسے غافل اپنی اس ہلاکت کو نہیں جانتے اور اس کے باوجود ان کو اپنا آپ بہت بہتر اور صحیح نظر آتا ہے اور خود کو عابد اور متشرع جانتے ہیں لیکن اصلی شیطانی اخلاق جو تکبر اور غرور ہے یہی ہلاکت کی علامت ہے اور دوسرے ان کی نظر میں اپنے آپ سے بہتر نہیں ہوتے کہ ان سے بیعت کریں اور ان کو اپنا رہبر ورہنما اور پیشوا بنائیں اور ان کی صداقت واخلاص سے اقتدا کریں اور عشقِ خداوندی اور قربت کا سبق ان سے سیکھ لیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کی جماعت میں شامل کرلیں۔

کقولہ تعالیٰ "من اراد ان یجلس مع اللہ تعالیٰ فلیجلس مع اہل التصوف"[1069]

جہاں میرا ذکر ہوتا ہے میں وہاں ہوتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ طریقت وذکر کی صحبت اللہ تعالیٰ کی صحبت ہے اور اس سے محروم ومغرور جماعت شیطان کی ہے اور اسی شیطان کی متابعت کی وجہ سے یہ شخص دنیا سے ناکام ونامراد اور تباہ وبرباد جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اسی بات پر یہ آیت **"من یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطاناً فھو لہ قرین"** دلالت کر رہی ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ کسی درخت کا میوہ صرف میوہ ہی کہلاتا ہے اور مالک اس کو استعمال کرتا رہتا ہے اور وہ شخص صرف اسے ہی میٹھا جانتا ہے کیونکہ اس نے اس سے بڑھ کر ذائقہ نہیں چکھا لیکن جو شخص ہوشیار وعاقل ہوتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں نے یہ ہمت کی اور اس درخت میں قلم لگالئے تو ہوسکتا ہے کہ اس درخت کا پھل اور بھی میٹھا ہو جائے تو جب یہ شخص اس یقین سے اس بغیر قلم کے درخت میں قلم لگالیتا ہے اور اس کے موافق کوشش اور محنت کرتا ہے تو اسے یہ پھل ایسا عمدہ اور مزیدار نظر آتا ہے کہ پھر خود ظاہر میں دیگر پھلوں کے بجائے اس پھل کے ساتھ تعلق اور محبت

[1069] (شمائم امدادیہ: صفحہ: ۹۴: انا جلیس من ذکرنی)

رکھتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ لذت وذائقہ کسی اور میں نہیں ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ پہلے تو اس پھل سے صرف پیٹ بھرتا تھا۔ اسی طرح سلسلہ بیعت کی شان ہے کیونکہ انسان تو انسانیت میں سب ایک جیسے ہیں اور اکثر مسلمان عبادت بھی کرتے ہیں تو ان میں سے اگر ایک مسلمان شیطان کی نہ مان کر بیعت کے بیج کو اپنے جسم کے درخت میں لگا دے یعنی بیعت کرے اور وہ روحانی قلم اس کے وجود میں لگ جائے اور پھر اس کے مناسب وہ رنگ جو اسے عارفانِ طریقت نے بتائے ہوں مثلاً اخلاص، صداقت، متابعت وغیرہ کی حق داری اور پاسداری کرے تو آخر کار اپنی روحانیت، عبادت کی مٹھاس اور اس پھل کی لذت روح ودل سے ایسی حاصل کرلے گا کہ اس کے علاوہ کوئی شے اسے لذیذ اور پیاری نہ ہوگی۔ نہ اسے لذت حاصل ہوگی تو یہ شخص سمجھ جائے گا کہ اس سے پہلے کی زندگی میری فضول اور ضائع گزری ہے تو بیعت کے ذائقے کو تب ہی محسوس کرے گا۔

تیسری مثال اس کی بجلی گھر کی ہے، جہاں بجلی بنتی ہے جہاں سے دوسرے علاقوں کو فراہم کی جاتی ہے۔ بجلی گھر سے تار کے ذریعے ایک ٹرانسفارمر سے دوسرے کو اور اس سے تیسرے کو الغرض ہزاروں سینکڑوں ٹرانسفارمروں کو بجلی تار کے ذریعے پہنچتی ہے۔ پھر ہر ٹرانسفارمر سے اپنے اپنے علاقوں میں تاروں کے ذریعے بجلی پھیلتی ہے اور اس میں مختلف اقسام کے رنگ برنگ بلب لگائے جاتے ہیں۔ چھوٹے بڑے لال پیلے بلب ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں کارخانے لگے ہوتے جن میں مختلف اشیاء بنتی ہیں حالانکہ بجلی یہی ایک ہے اور یہی ایک طاقت ہے لیکن آلات واسباب کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہی ایک بجلی مختلف اشیاء بناتی ہے اور بلب کے چھوٹے بڑے لال پیلے اور رنگ برنگ ہونے کی وجہ سے اسی طرح روشنی ہوتی ہے۔ یہ روشنی حقیقت میں ایک ہے مگر ان بلبوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی جگہ لوہا، شیشہ پگھلایا جاتا ہے کہیں اناج پیس

کر آٹا تیار کیا جاتا ہے۔ کہیں کپڑے گاڑیاں، ہوائی جہاز بنتے ہیں۔ کہیں کہیں انڈوں سے چوزے نکالتے ہیں۔ ہر مشینری میں اس آلے کے مناسب کام ہوتا ہے۔ بعض مقامات ریڈیو، اسپیکر کے ذریعے باتیں، یاٹی وی کے شیشے میں دور دراز کے لوگوں کو اپنے سامنے حاضر وناظر دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات اس بجلی کے ذریعے انسان کے اندرونی حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ان تمام باتوں میں فکر کرنی چاہئے کہ آج کل تمام مخلوق اس کی قائل ہے کہ یہ تمام عقلیات ہیں اور اسے سائنس کہا جاتا ہے اور یہی سائنسدان اپنی عقل سے آلات کے ذریعے آگے پیچھے کے حالات، زمین کے حالات، دور دراز علاقوں کے حالات معلوم کر کے ان کے اعلانات اور اشاعت کرتے ہیں۔ یہ تمام عقلیات ہیں جنہیں سائنس کہا جاتا ہے کہ ہوا میں لوہا اڑتا ہے جسے جہاز کہتے ہیں۔ تو بہت افسوس کی بات ہے کہ مسلمان تو کفار، فساق وفجار کی عقلیات و کمال کو مانتے ہیں اس لئے کہ وہ ظاہر ہو چکی ہے حالانکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی دوستی کی علامات میں سے کسی علامت کا پایا جانا بہت مشکل ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان ان کی عقلیات، غیبی باتیں، معلومات اور حکمتیں سب مانتے ہیں لیکن انسان یہ نہیں سوچتا کہ یہ سائنسدان کس کی مخلوق ہیں؟ اور انہیں اس فانی زندگی میں عیش و عشرت کرنے کیلئے یہ عقل کس نے دی ہے؟ اگر صحیح سوچ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان سائنسدانوں اور ان کی عقلیات، اسباب ان تمام کا مالک وخالق تو صرف وہی ایک ذات پروردگارِ عالم کی ہے اور یہ تمام اس کی جانب سے ہے۔ اس لئے اگر اس میں ذرہ برابر بھی کسی دوسرے کی ملکیت، خالقیت حقیقتاً مان لی جائے یعنی کسی دوسرے کو حقیقی مالک مانا جائے تو مشرک ہو جائے گا اور جب تک مسلمان اس ذرہ ذرہ کا جس کا ذکر ہو چکا اس کا خالق ومالک حقیقی ایک ذات خداوندی کو نہ مانے تو ایسے شخص کو مسلمان کہنا

بھی کفر ہے کیونکہ اس کا یہ عقیدہ اس کے کفر و شرک پر کامل دلیل ہے اور اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

آمدم بر سر مطلب کہ اس بجلی کی طاقت بغیر آلات واسباب کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی لیکن آلات واسباب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں اپنی شان کے مناسب بجلی کی طاقت معلوم ہوتی ہے کہ یہ بجلی کی طاقت ہے اور ہر شخص مانتا ہے کہ یہ بجلی کی طاقت ہے لیکن اس کے باوجود یہ بجلی کے نام سے مشہور نہیں بلکہ ان آلات واسباب کے نام مشہور ہے اور ان ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ بجلی کا نام ہر جگہ ذکر نہیں کیا جاتا لیکن ہر آلہ و مشینری کی صفت یہ اصل میں بجلی کی صفت ہے۔ اسی طرح ذاتِ خداوندی سے وہ حقیقی انوار وطاقت اور صفات ذاتِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف منتقل ہوگئی جو حقیقت میں ذاتِ پاک کا ظہور ہے بلکہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالہ وَسلَّم کی ذاتِ بابرکات خود ذاتِ خداوندی سے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" تو ٹرانسفارمر کی مثالوں پر نظر کیجئے۔ ایک نے دوسرے سے خفیہ طور پر کیا حاصل کیا ہے اور دوسری مخلوق کو وہ علامات باطنی طاقت کی اقسام میں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کو باطنی طور پر جو صفات و کمالات اور جملہ شرافتیں اللہ تعالیٰ کی حقیقی شان سے حاصل ہوئی ہیں تو وہ ہر کسی کو ظاہراً نظر نہیں آتی تھیں اس لئے تو کفار کہتے تھے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہماری طرح بشر ہیں لیکن جو لوگ نیک بخت تھے اور انہوں نے ٹرانسفارمر کی طرح اپنا رابطہ و تعلق محبت کی حقیقی روشنی اور کمالات و شرافت کے حصول کیلئے اپنے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے اس محبت ورابطہ کے تار سے قائم کیا اور اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور مکمل رابطہ و تعلق استوار کیا کہ ان کے باطنی راز بھی کفار کو معلوم نہیں تھے تو وہ کمالات حقیقی جو رب

العزت کی ذات سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی ذات میں موجود تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ٹرانسفارمر کی مثل منتقل ہوگئے اور حاصل ہوگئے حالانکہ یہی کمالات حقیقی ان کفار کو نظر نہیں آتے تھے جو ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں موجود تھے۔ اس لئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم نے فرمایا: "اصحابی کالنجوم" تو یہی طاقت مانند ٹرانسفارمر سلسلہ تا قیامت ولی کامل اور تابعدار و مخلص کو ایک کو دوسرے سے اور اس سے تیسرے کو منتقل ہوتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے اگرچہ ٹرانسفارمر الگ الگ قسم کا ہوتا ہے مگر بجلی کی اصل وذات سب میں ایک جیسی ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام مبارک ظاہر میں الگ الگ ہیں لیکن اصلی حقیقت ذاتی وصفاتی اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے سب میں ایک ہی ہے۔

اور مختلف اوقات و مقامات میں یہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور جن لوگوں نے ان اولیاء کے ساتھ محبت کے تار کے ذریعے رابطہ اور تعلق استوار کیا ہوتا ہے تو ان میں بھی اپنی شان کے مناسب وہی صفات حقیقی موجود ہوتی ہیں۔ جس طرح بلب ودیگر مشینریوں کے تار کا رابطہ ٹرانسفارمر کے ساتھ تھا اور ان آلات میں الگ الگ علامات اور کام نظر آتے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں کی محبت کے تار ان اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محکم اور حقیقی طور پر پیوست ہو جائیں تو پھر اپنی ذات وشان کے مناسب کام کرتے ہیں اور ان سے وہ اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں جو باقی لوگوں میں نہیں ہوتے جن کو کرامات وخرقِ عادت کہتے ہیں۔

اور ان کو اولیاء اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے دوست اور خاص بندے ہیں **کقولہ تعالیٰ۔** **"من کان للہ کان اللہ لہ"** جو خدا کا ہوتا ہے تو خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ جس طرح بلب کا تار ٹرانسفارمر کے ساتھ بجلی کے تار سے پیوست ہوا تو روشنی حاصل کر کے مخلوق کو روشنی دی۔ اسی طرح جس

مشینری کی تار اس بجلی کے تار سے پیوست ہو جائے تو وہ مخلوق کو ہر قسم کے فائدے دیتی ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنی محبت کا رابطہ اور تعلق اولیاء اللہ یعنی پیرِ طریقت سے پیوست کیا تو ہر انسان کو اپنی شان کے مناسب وہ کمالات حقیقی حاصل ہوئے اور باقی مخلوق خدا کو بھی اپنی شان کے مناسب فائدہ پہنچے اور یہی بجلی ہے کہ جب کسی کو پکڑ کر مار دے تو کہتے ہیں کہ بجلی نے مار دیا۔ فلاں کام بجلی نے کیا فلاں چیز بجلی سے چلتی ہے اور انڈے سے بچہ نکالا۔ جیسے کہ " وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا "(الروم ۱۹) یہ لوگ ہر وقت یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے کیا بلکہ بجلی اور مشینری کا ذکر کرتے ہیں۔ عقل وحکمت اور سائنس کا ذکر کرتے ہیں تو یہ ایک مجازی قول ہے جس سے کوئی کافر مشرک نہیں ہوتا کیونکہ مسلمان کا خاص یقین یہ ہوتا ہے کہ حقیقی فاعل، خالق، ظاہر کرنے والا ان تمام چیزوں کا خالق ومالک اللہ تعالیٰ ہے اور انہیں ظاہری کاموں اور ایجادات سے اللہ تعالیٰ کو جانا جاتا ہے لیکن ایسے ظالم بھی ہیں جو اولیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی صفات سے مطلق منکر ہیں جو کرامت وخرق عادت ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے جو ایک وسیلے اور سبب سے یعنی آپ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم کی متابعت کی وجہ سے سلسلہ وار اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی یہ حقیقت ایک دوسرے کو حاصل ہوئی ہے اور ہر ایک ولی سے اپنی شان کے مناسب کرامات وخرق عادت کشف ظاہر ہوتے ہیں اور ہر قسم کے فائدے ان سے پہنچتے ہیں اور یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء مردہ کو زندہ یا زندہ کو مردہ کر سکیں یا غیبی معلومات یا دور دراز کے مقامات دیکھ یا سن سکیں بلکہ یہ تمام کام کر سکتے ہیں اس طاقت واجازت سے جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس طریقے پر انہیں حاصل ہوئی ہے جس کے حصول کے وسیلے کا بیان ہو چکا ہے تو یہ بھی اس بجلی کی طرح کی بات ہے کہ بظاہر اولیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے کہ فلاں ولی نے یہ کام کیا فلاں نے یہ

کام کیا تو یہ بھی ایک مجازی نسبت ہے۔ حقیقی فاعل خالق۔ مارنے والا، زندہ کرنے والا یہ صرف پروردگارِ عالم کی ذات بابرکات ہے اور مسلمان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حقیقت میں یہ کام اور یہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ کام کرنا اور ان سے صادر ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اقوال وافعال، صفت وحکمت اور قدرت مانتے ہیں اور یہ ظاہر مجازی بھی اللہ تعالیٰ سے غیر اور کفر وشرک نہیں مانتا بلکہ اس کا مالک اور خالق صرف اسی ذات حقیقی کو مانتا ہے بلکہ یہ تمام چیزیں ایک کامل مؤمن کو ذاتِ خداوندی پر دلیل نظر آتی ہیں اور یہ اس کامل مؤمن کو اپنے عقیدے کے موافق اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور طاقت نظر آتی ہے اور ان اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور انوارات کا مظہر مانتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا ایک راز جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ راز ان اولیاء اللہ میں رکھے ہیں اور اس کے بعد ان کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے معجزات، راز وقدرت کو مخلوق پر ظاہر فرماتا ہے اور اپنی قدرت اور محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے معجزات پر دلیل دیتا ہے۔ اس لئے فرمایا: "الانسان سر اللہ فی الارض" یعنی انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ "الانسان سرّی وانا سرّہ" انسان میرا اور میں اس کا پوشیدہ راز ہوں۔

اس لئے اس مقام پر مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

میان عاشق ومعشوق رمزیست — کراماً کاتبین راہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان ایسا راز ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں۔

اس لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''علمِ صوفی علمِ خدا است''۔

یہ عقل میں آنے والی بات تو نہیں لیکن کامل ایمان والے اس کو عقیدت سے مانتے ہیں کہ صوفی کا علم خدا کا علم ہے اور صوفی کا کچھ کرنا، سننا، پہنچنا، مارنا، زندہ کرنا، ذلیل کرنا، اٹھانا وغیرہ ان کا علم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے اور اگر کوئی اس طرح نہ مانے تو کافر ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اولیاء کی نظر سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی　　　　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کیونکہ ولی کی نظر خدا کی نظر ہے۔

اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

بندۂ یک مردِ مؤمن دل شوی　　　　بہ کہ بر فوقِ شہِ شاہان روی

اگر تو ایک مردِ مؤمن کا غلام بن جائے تو یہ تیرے لئے بادشاہوں کے سروں پر چڑھنے سے بہتر ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی　　　　نیک باشی اگر اہل دلی

اللہ تعالیٰ کا نور ولی کے باطن میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب تو اہلِ دل ہو جائے تو تب دیکھے گا۔

مطلب یہ کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ بے شک اللہ تعالیٰ کے صفات وانوارات کے مظہر ہیں مگر ایک شخص اگر یہ کہے کہ نور تو ایک روشنی ہے تو یہ اتنے نادیدہ کام اس سے کیسے ہوتے ہیں؟ روح بھی تو ایک نورانی اور لطیف چیز ہے جو نظر نہیں آتی اور یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ جب تک

روح اس دنیا میں انسان سے جدا نہ ہو تو اس روح کی نسبت کی وجہ سے یہ دنیاوی ہر قسم کے کام کرتا ہے اور یہ روح ہر کسی میں ہے اور یہ عام ہے اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا نور خاص ہے۔ روح بھی اس کے ذریعے اور ترقی حاصل کرتی ہے۔ نور کے روح پر غلبہ سے روح کی طاقت ڈبل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ وہ کام کرتی ہے کہ عام ذی روح نہیں کر سکتی اور یہ اس طرح آسانی سے کر جاتی ہے کہ جیسا کہ عام ذی روح دنیا کے مختلف کام اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ گزشتہ صفحات میں بجلی کی مثال گزر چکی ہے کہ بجلی کے اسباب تو مجازی طور پر انسان نے بنائے ہیں لیکن ان اسباب کے ذریعے بھی تو اسی بجلی میں آگ پانی سے مجاز میں آئی ہے۔ یعنی یہ بجلی پانی کی طاقت سے ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ اس کی حقیقت پانی ہے اور یہی آگ (بجلی) بھی تو کوئی جسم ووجود نہیں رکھتی بلکہ ایک روشنی ہے لیکن ان مشینریوں میں تاروں کے ذریعے مخفی طور پر حاصل ہوئی ہے تو آیا یہ بے شمار ہر قسم کے کام مجاز میں بجلی نہیں کرتی اور ہر شخص بجلی سے اس کام کو سنتا ہے۔ یہ تو عقلیات ہیں اور اس کی حقیقت الگ شے ہے جو انسان کی عقلیات سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور کئی کام کرتی ہے اور بغیر اسباب کے اس کی حقیقت نظر نہیں آتی اور ہر شخص کا یہ عقیدہ مضبوط ہے کہ یہ فلاں کام کرتی ہے تو اے نادان انسان! دیکھئے اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کی صفت اور مشینری ہے اور پھر بعض خواص کو یہ حقیقی نور آپ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّم سے ملا ہے۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آتا ان اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ظاہری طور پر لیکن یہ ایمانی عقیدے سے مانا گیا کہ یہ نور جب بھی کسی شے یا کام کی طرف جس خیال ونیت سے متوجہ ہو جائے یعنی یہ روح اسی نور کی طاقت سے سب کچھ کر سکتی ہے اور ہر جگہ جا سکتی ہے اور ہر حال معلوم کر سکتی ہے اور اس روح کو امرِ خداوندی کہتے ہیں۔ "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" (الاسراء ۸۵) کقولہ علیہ السلام "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" تو ان سے مراد

یہی کامل خواص ہیں جنہوں نے وہ خصوصی نور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے حاصل کیا ہے بوجہ اطاعتِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم اور یہ نور من جانب اللہ ہے۔ ایک طرف روح ہے جو اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور دوسری طرف آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نور ہے جو خود بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے یعنی نورانی روح اور نور روحِ نوری دونوں **نور علی نور**۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اپنی روح ونور کو یک جا کیا اور بشریت کے پردے میں دنیا میں ظاہر فرمایا تو اس بشریت کے ساتھ اس روح ونور سے ہر قسم کے معجزات ظاہر ہو گئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کو اپنی خوشنودی کا سبب بنایا۔ اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو تمام صفات، اقوال، افعالِ الٰہیہ سے متصف فرمایا اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اطاعت کو مخلوق کیلئے عبادت بنایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب اپنی روح (مِنْ أَمْرِ رَبِّي) کے ساتھ انسان پر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کی وجہ سے اپنی مہربانی سے تجلی نور کو شامل فرمایا اور اسی نور کے ذریعے انسان کے بدن میں روح کو ترقی عطا فرمائی تو ظاہر میں اس انسان کو انسان کہتے ہیں لیکن باطن میں حق ہے: "ظاہر انسان باطن میں حق ہے"[1070]

[1070] (شمائم امدادیہ: صفحہ: ۵۳)

اور یہ انسان پھر صفات وانوارِ الٰہیہ کا مظہر ہے اور ان کی متابعت گفتار ور فتار اٹھنا بیٹھنا، محبت واخلاص یہ سب اللہ تعالیٰ کی مقبول عبادت ہے اس لئے فرمایا:

"وَ اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ" (لقمان ۱۵)

ان لوگوں کے راستے پر چلو جنہوں نے میری طرف رجوع کیا۔

کقولہ تعالیٰ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقَى (طٰہٰ ۱۲۳)

جو ہدایت کے تابع ہیں وہ نہ گمراہ ہوں گے اور نہ بدبخت ہوں گے ان انعاماتِ خداوندی سے جو جنت ہے۔

بجلی کی مثال ایسی ہے کہ ظاہر میں بجلی کی یہ آگ ان ظاہری اسباب سے کام کرتی ہے لیکن اگر اس بجلی گھر سے پانی ختم ہو جائے یا اس سے تار کٹ جائے تو یہ اسباب وآلات جو کام کرنے کے تھے اب بجلی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تو جس انسان کے جسم سے وہ روح کٹ جائے تو یہ جسم بے کار نہیں بلکہ یہ ایک کام و مقصود کیلئے تیار کیا گیا ہے تو روح پھر اس کیلئے ضرور پیدا ہوئی ہے۔ مقصود سے مراد نور کا بیان ہے۔

آپ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کا یہی نور جب انسان کی روح سے کٹ جائے تو خدا نخواستہ یہ روح مردے کی مانند ہے۔ جس طرح کفار، گمراہ، منافقوں کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے تشبیہہ دی ہے۔ کقولہ تعالیٰ "إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى" (النمل ۸۰) یعنی اے محبوب صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم یہ کافر مردوں کی طرح نصیحت قبول نہیں کرتے۔ ان کی مثال مُردوں کی سی ہے جو بذات خود فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس طریقے کے حصول سے غافل لوگ بھی مردوں کی مانند ہیں اور کمالِ زندگی سے زندہ وہ مؤمن ہیں جنہیں تجلّیٔ نورِ رسول صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم سے فیض پہنچا ہو۔ انہی کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ جن کی روح کی ترقی اس

نور سے ہے اور ان کی کرامات بھی اسی نور کے سبب سے ہیں جو نورِ حقیقت میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے معجزے کا ہے۔ اس لئے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامت یہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے معجزے کی دلیل ہے۔

یہ توفیضِ نورانی کی ایک جھلک ہے جو ان اللہ والوں کو نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے حاصل ہوا ہے تو آپ اندازہ لگائیے کہ اس نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے کیا علامات ظاہر ہوتی ہوں گی جو پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے اقوال وافعال قدرت وطاقت کا ظہور تھا جن کو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھوں ظاہر فرمایااور اسی طرح اللہ تعالیٰ یہی ظہور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی کرتا ہے۔

اے عزیز! اس کو بھی دیکھئے کہ ایک طرف نور ہے اور دوسری طرف آگ ہے جو بجلی ہے جو مجازاً پانی سے بنی ہے۔ جس طرح پانی کی شرافت کم ہے اسی طرح بجلی کی بھی کم ہے اور جس طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی شرافت وعزت تمام مخلوق میں زیادہ ہے اسی طرح اس نور کی شرافت بھی آگ یعنی بجلی پر زیادہ ہے۔

حقیقت یہ کہ آگ جلال کی تجلی ہے اور نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم تجلیٔ جمال ہے اور تجلیٔ جمال تجلیٔ جلال پر غالب ہے جیسا کہ رحمتِ خدا قہرِ خدا پر غالب ہے۔

ماشاءاللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بجلی کی یہ صفت فانی ہے اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ صفت باقی ہے۔ آگ دوزخ سے ہے اور نور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے ہے۔ اس لئے دنیا پرست لوگ دنیا کی ان چیزوں کے قائل، مصروف اور مشغول ہیں اور نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم سے غافل ہیں

تو یہ لوگ آگ کے اہل ہیں کیونکہ ”کل شیٔ یرجع الی اصلہ“ تو ان کی اصل بھی آگ ہے اس لئے اس کو مانتے ہیں اور اس کی طرف راجع ہے اور نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور نورِ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منکر ہیں۔ اس لئے یہ لوگ ہمیشہ کیلئے محروم رہ گئے۔

جو مؤمن اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں اور صداقت سے ان کے تابع ہیں تو یہ حضرات بھی اپنی اصل کی طرف راجع ہیں جو جنت ہے اور جنت نورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ہے اور ان کا نور بھی اسی نور سے ہے۔ اس لئے فرمایا: ”والمؤمنون من نوری“ اور عرش عظیم بھی نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اپنی حقیقی نورانی ذات کے ساتھ اس عرشِ عظیم کی سیر بھی کی ہے اور نعلینِ مبارک سمیت عرش پر گزرے ہیں تو اولیاء اللہ و مؤمنینِ کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ جو اس نور سے ہیں وہ بھی عرشِ معلی کی سیر کرتے ہیں۔

ایک سالک فرماتے ہیں:

چہ سپہ یو قدم تر عرشہ پورے رسی

ما لیدلے دے رفتار د درویشانو

ترجمہ: ”ایک قدم سے عرش تک پہنچتے ہیں میں نے درویشوں کی رفتار دیکھی ہے۔“

بہت سے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی جنت کی سیر کی تو معلوم ہوا کہ ہر شخص اور ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ دنیا و آخرت دونوں میں مؤمن اپنی اصل جنت میں جائیں گے اور منکر گمراہ یہ اپنے اصل مقام یعنی جہنم میں جائیں گے۔

اس لئے فرمایا:

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوریٰ ۷)

یعنی ایک گروہ جنت میں اور دوسرا جہنم میں ہو گا اور یہ دونوں گروہ اپنے اپنے مقام کی طرف دنیا میں انہی دو راستوں پر گامزن اور رواں دواں ہیں۔ کوئی دوزخ کوئی جنت کی طرف جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف راجع ہو گی۔

اس لئے مولوی شبیر احمد عثمانی "وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "پیغمبروں اور مرشدِ ہادی کا حق حق اللہ کے ذیل میں سمجھو" مشتاق احمد تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس آیت وحدیث کے ذیل میں "پیروں کی محبت عین اللہ ورسول کی محبت ہے۔"

پیارے جان لو! بیعت کی وجہ سے تمہیں اپنے پیر سے ایسی دولت وعزت ملی ہے کہ جب تو صرف یہی وظیفہ کرے گا تو غازیوں اور تمام نیک لوگوں سے تمہارا درجہ بلند ہو گا اور تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہو گا اور اگر تم نے مجاہدہ کیا تو پھر ان لوگوں سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤ گے کہ جنہوں نے اپنے مالوں اور سروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا۔ یعنی پھر تمہارا درجہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ہو گا۔ جیسے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جو تمام لوگوں سے درجہ بدرجہ اپنے درجے کے مناسب عزت مند، مقرب، دوست اور محبوبانِ خدا ہیں جن کا درجہ شہیدوں، غازیوں اور تمام لوگوں سے افضل وبلند ہے۔

اس کے بعد دوبارہ نماز کے مسئلے کی طرف آتا ہوں کہ اپنے پیر کی اقتداء میں نماز پڑھنا ایسا ہے جیسے حضور صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَيْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھنا۔ امام ابو یوسف قدس سرہ سے روایت ہے۔

كقوله عليه السلام: "من صلّى خلف عالم متقى فكانّما صلى خلف النبى عليه السلام۔"[1071]

یعنی متقی عالم کے پیچھے نماز گویا کہ حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھنا ہے۔

پیارے! یہ مسئلہ تو پہلے گزر چکا ہے اور مسلم شریف کی حدیث بھی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس نے عمدًا مرشد و پیرِ طریقت کی بیعت کا انکار کیا تو وہ تکبر، حسد و تعصب کی وجہ سے جاہلیت کی موت مرا۔ تو جان لو کہ جب ایک عالم بیعت نہ کرے تو وہ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے فرمان کے مطابق متکبر، حسد کرنے والا، تعصب کرنے والا اور جاہل مرا۔ تو وہ اس شرافت و فضیلت میں سرے سے حساب ہی نہیں اگرچہ وہ بہت متقی و پرہیز گار ہو کیونکہ اصل تقویٰ وہ ہے کہ جو شخص حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم و صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول و فعل اور حال پر کامل اعتقاد رکھے اور یہ تو عین اہلِ شریعت و طریقت کو حاصل ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "شریعت میرے اقوال، طریقت میرے افعال اور حقیقت میرا حال ہے۔

الحمدللہ! یہ شرافت اہلِ طریقت کو حاصل ہے جو فرض، واجب، حرام و حلال جانتے ہیں اور صحیح معتقد اور اہلِ شریعت و طریقت ہوتے ہیں تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا عین حضور صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھنا ہے۔

[1071] نصب الراية الهداية شرح بداية المبتدى لشيخ الاسلام برهان الدين المرغينانى مع نصب الراية تخريج أحاديث الهداية للعلامة جمال الدين الزيلعى اعتنى بهما ايمن صالح شعبان ج۳ ص ۴۲۔

کقولہ۔"الشیخ کالنبی" شیخ (پیر) نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی طرح ہیں اور ان اہلِ طریقت کے علم کی فضیلت بھی ثابت ہوئی ہے جس کا بیان ہو چکا ہے کہ اصل مقصودِ علم صرف اہلِ طریقت واہلِ ذکر کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم کسی مسئلے کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں تو اہلِ ذکر سے پوچھو۔

کقولہ تعالیٰ۔"فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (النحل:۴۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کامل اور مقبول علم بھی اہلِ طریقت کا ہے جو معرفتِ خداوندی، رضا اور دوستی کا ایک حقیقی نورانی علم ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم نے ان کے لئے نور بنایا یعنی علمِ نورانی کہ اس کے ذریعے مخلوق کے درمیان چلتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی معلومات ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح صوفی اہلِ طریقت کا نورانی علم اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ کہ اس کے مقابل کسی کا بھی علم نہیں ہے۔

جیسا کہ فرمایا: "علمِ صوفی علمِ خدا است" صوفی کا علم خدا کا علم ہے۔

وقولہ تعالیٰ: وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ (الانعام ۱۲۲) يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (الحدید ۱۲)

ہم نے ان کیلئے نور بنا دیا جو اس نور کے ذریعے لوگوں میں چلتے ہیں۔ اور ان کا نور ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہے۔

پیارے! نور اور بلند درجہ اہلِ طریقت کیلئے ثابت ہوا ہے تو ایک اہلِ طریقت کے پیچھے نماز پڑھنا تمہارے لئے ایک بڑے عالم، بلند وبالا درجے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور یہ بہت مقبول ہے جیسا کہ حبیب عجمی قدس سرہ کا واقعہ گزر چکا ہے۔ اس میں غور کیجئے اور اگر تو اپنے ایسے پیر بھائی کہ جس سے پیر صاحب راضی ہوں اور خود وفادار، تابعدار اور حرام کا مرتکب نہ ہو کے پیچھے نماز

پڑھے تو ضرور اس کے سینے میں وہ نورِ حقیقی اپنے پیر کے آئینہ حقیقی سے منتقل ہو گیا ہو گا یعنی اس کی روح نے اپنے پیر کی روح سے فیض حاصل کیا ہو گا اور اسی فائدے کا اثر اس کے باطن میں بھی ہو گیا ہو گا اور اس کے ظاہر میں بھی اپنے پیر کی تابعداری، اقوال وافعال پر عمل، عبادت، ذکر واذکار کے فائدے کا فیض جو ان کو اپنے پیر کے سینے سے منتقل ہوا ہو گا یعنی وہ فوائد بھی اس مرید نے اپنے پیر سے حاصل کئے ہوں گے۔ اس مرید کا ظاہری بدن تو الگ ہے لیکن اس کے بدن کے ظاہری حقیقی، روحانی تمام فیض وفوائد، شرافت وغیرہ مرید کی محبت وتابعداری کی وجہ سے اس اندازے کے مطابق اپنے پیر سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آئینے اگرچہ جدا جدا ہوتے ہیں لیکن جو آئینہ کہ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حقیقت نور کی تجلیٔ ظاہر ہوئی ہے اور پھر یہی عکس نورانی جب پیرِ طریقت کے اقوال، افعال کے آئینے سے مرید کے آئینہ حقیقی پر پڑتا ہے تو مرید کو بھی ان اقوال، افعال کی وہ مجازی صفت اور نورِ حقیقی نصیب ہو جاتا ہے جیسا کہ بیان ہوا اور جب مرید مخلص، صادق اور محبت کرنے والا ہو گا تو ضرور اسے یہ شرافت حاصل ہو گی۔ یہ علم کتابوں سے متعلق نہیں ہے۔ صاحبانِ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ولایت اور کرامت یعنی اللہ تعالیٰ کی دوستی اور عزت یہ شریعت کی اخلاص سے تابعداری صداقت اور اپنے پیر کی محبت میں ہے تو جب پیر بھائی اپنے ایسے پیر بھائی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو حقیقت میں ایسا ہے کہ جیسے ایک عزت مند ولی، اپنے پیر بلکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ خیال فرمایئے کہ صرف اپنے پیر بھائی کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے اتنے قریب ہو گئے کہ صرف ایک واسطہ درمیان میں آیا آپ کے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے درمیان جب آپ نے اپنے پیر بھائی کے پیچھے نماز پڑھ لی اور ان سے آگے یعنی پیر صاحب آپ کیلئے مثل نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ہیں۔ "الشیخ کالنبی" یعنی پیر نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرح ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر آپ کا امام وہ ہے جو آپ کے دوسرے واسطے پر ہے جو تمہارا پیر بھائی ہے۔ اندازہ لگایئے کہ پیر کا قرب تو قربِ خداوندی ثابت ہوا ہے کیونکہ جس طرح قربِ نبوی قربِ خداوندی ہے تو اسی طرح قربِ مرشد قربِ خداوندی ہے تو جب تم اپنے پیر بھائی کے قریب ہو گئے تو گویا پیر کے قریب ہو گئے اور پیر کا قرب تو قربِ خداوندی ہے۔ اس لئے مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی کا پیر دور دراز علاقہ میں ہو اور اس کی ملاقات تیس چالیس روز میں نہیں ہو سکتی اور اس کا کوئی پیر بھائی اس کے قریب ہو تو یہ مرید خلوص دل اور محبت سے فائدے کے حصول کی نیت سے مثل پیر کے پیر بھائی کے ساتھ ملاقات کرے۔ اس سے اپنی اور اپنے پیر بھائی کی شرافت جان کر بد اعتقاد، بد ظن اور بد نیت نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ نیت بھی صحیح کرو کہ جس جگہ آپ اپنے پیر بھائی کے پیچھے نماز پا سکتے ہو اور پہنچ سکتے ہو تو اس کے مقابلے میں کسی اور اہلِ طریقت کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش دل میں نہ لانا بلکہ اپنے اس پیر بھائی کے پیچھے نماز پڑھنا تمہارے لئے کسی دوسرے اہلِ طریقت کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اپنا اور پرایا جان لو۔ حقیقت میں تم لوگ ایک دوسرے کے دوست، رشتہ دار اور اپنے ہو اور پیر کے واسطے سے تم لوگ ایک ہو اور دیگر لوگ دوسرے طریقے کے یا دوسرے پیر کے مریدین، عوام وعلماء وہ سب آپ لوگوں سے غیر اور الگ ہیں۔ وہ آپس میں شریک ہیں اور ایک دوسرے کے حقدار ہیں اور آپ لوگ نہ ان پر حق رکھتے ہو اور نہ وہ لوگ آپ پر حق رکھتے ہیں تو جب آپ کو اپنا حقدار پیر بھائی ملتا ہے تو دیگر لوگوں کو اپنا حقدار نہ بناؤ بلکہ غیر حقدار لوگ اس وقت حقدار بنا دیئے جائیں گے جب تمہارا پیر بھائی تم سے کافی دور ہو اور تم وہاں تک نہ پہنچ سکتے ہو۔

پیارے دوستو! یہ بھی جان لو کہ امام ظاہری اور باطنی ہے۔ اسی طرح قبلہ ظاہری و باطنی ہے۔ جیسے کہ فرمایا کہ پانچ قبلے اور پانچ امام ہیں۔

کقولہ: "القبلة خمسة الامام خمسة امام الجسد المحراب۔ امام الروح القرآن۔ امام القلب محمدنا المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلّم۔ و امام الفهم جبرئيل عليه السلام و امام العقل میکائیل علیه السلام۔ و قبلة الجسد المحراب و قبلة الروح بيت المعمور و قبلة القلب العرش و قبلة الفهم الكرسى و قبلة العقل الكعبة و من حفظ هٰذه المسائل بلا شبهة يجوز امامته من الرجال و النساء و من لم يحفظ هٰذه المسائل لا يجوز امامته عالما كان او جاهلا فقيها كان او غير فقيه سواء كان حفظ القرآن او لم يحفظ بالاتفاق من جامع الفقه و كذٰلک فی الفردوس الفتوى الهدى و كذٰلک فی الفتاوى الدلائل فی بحث الامام فی فصل العاشر"۔

جان لو کہ قبلے بھی پانچ اور امام بھی پانچ ہیں۔ بدن کا امام محراب، روح کا امام قرآن، دل کا امام محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم، فہم کا امام جبرائیل علیہ السلام، عقل کا امام میکائیل علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح بدن کا قبلہ محراب، روح کا قبلہ بیت المعمور، دل کا قبلہ عرش، فہم کا قبلہ کرسی، عقل کا قبلہ کعبہ شریف ہے۔ جس نے ان مسائل کو سمجھ لیا تو اس کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہے۔ یعنی اس کی امامت کے قوی ہونے میں کوئی شک نہیں اس کی امامت مردوزن دونوں کیلئے صحیح ہے اور جس نے ان مسائل کو یاد نہ کیا تو اس کی امامت صحیح نہیں۔ خواہ عالم ہو یا جاہل، فقیہہ عالم یا غیر فقیہہ لیکن ان کی امامت جائز نہیں۔ خواہ حافظ قرآن ہو یا غیر حافظ قرآن۔ یہ مسئلہ محققین علماء کا اجماعی ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کو فردوس الفتویٰ الهدیٰ، دلائل الفتویٰ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

فائدہ: (۱): ظاہر بدن کا امام محراب ہے۔ جس طرح مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے لیکن امام جس طرح ارکانِ نماز، قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ ادا کرتا ہے تو مقتدی بھی اس کے قول و فعل کے

مطابق تابعداری کرتے ہیں اور امام کی نماز مقتدی کی نماز ہے۔ یہاں جو محراب کو امام کہا گیا ہے یہ صرف یکسوئی اور حضوری ملتی ہے تو نماز ادا کرتا ہے لیکن اگر محراب نہ ہو یا کسی تکلیف، گرمی، سردی کی وجہ سے نمازی کو نماز میں یکسوئی و حضوری نہ ملے یا کمی محسوس ہو رہی ہو تو اس نمازی کو وہاں نماز ادا کرنی چاہیئے کہ جہاں یکسوئی اور حضوری ہو کیونکہ اگر صرف ظاہری محراب کو حقیقتاً امام اور قبلہ مان لیا جائے تو پھر کسی کی بھی نماز بغیر محراب کے نہ ہو گی چاہے گھر ہو یا بیابان لیکن اصل حقیقت اس کی وہ حضوری اور یکسوئی ہے۔ اس لئے فرمایا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے "**لا صلوٰۃ الا بحضور القلب**" بغیر حضور دل کے نماز نہیں۔

(۲) روح کا امام قرآن مجید ہے۔ یعنی قرآن مجید کلام اللہ ہے اور روح کلام اللہ کی تابع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح انسان سے فرمایا تھا۔ "**أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ**" (**الاعراف ۱۷۲**) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ تو تمام ارواح نے کہا "**بَلَى**" کیوں نہیں بے شک تو ہمارا رب ہے اور جان لو کہ روح بھی اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے۔ "**قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي**" (**الاسراء ۸۵**) غور کیجئے کہ اپنے کلام کو اپنی روح کا امام بنا دیا کیونکہ کلام اللہ مخلوق نہیں اور روح جو خدا کا امر ہے اس کو بوجہ پیدا کرنے کے مخلوق کہا جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ روح امرِ خداوندی سے اور کلام اللہ تعالیٰ سے ہے تو یہ روح بھی پہلے کلام اللہ کے تابع تھی اور قبولیت کا اقرار کیا تھا اور اب بھی کلام اللہ کے تابع ہو گی اور اسی کلام اللہ کی تابعداری سے ترقی پائے گی اور پھر اپنے پاک مقام تک رسائی ہو گی بلکہ روح کی اس تابعداری سے بدن بھی اس اعلیٰ مقام، اللہ کی دوستی کو حاصل کر لے گا۔ اس لئے جب بھی دنیا میں کلام اللہ سنتا ہے تو روح کو وہی جذبات حاصل ہو جاتے ہیں کہ اس جذبے کے نور سے بھی اسی مقام تک پہنچتا ہے اور حضور کا صحیح مقام حاصل ہو جاتا ہے جس طرح روح نے اللہ تعالیٰ کا روبرو مشاہدہ کیا تھا اور اس درمیان

میں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ امر فرماتا اور یہ قبول کرتی اور بہت خوشی اور جذبات سے اللہ تعالیٰ کے نور میں مستغرق اور فنا ہو جاتی بوجہ انتہائی محبت قبولیت کے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاہُ"[1072] مطلب یہ ہوا کہ امام کو بھی قرآن کی تلاوت سے وہی عشق و محبت، لذت اور حضوری حاصل ہو گی۔ جیسے کہ پہلے حال روح بیان ہوا تو یہی امام کی روح کا معنی ہے۔ اس لئے فرمایا: "کل شیٔ یرجع الی اصلہ" ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے تو روح جس طرح امرِ خداوندی سے تھی تو اطاعت و محبت کلامِ خداوندی سے اسی طرف رجوع کیا۔

روح نہ امر سے جدا ہے اور نہ کلام اللہ سے۔ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور روح بھی امرِ خداوندی کی صفت ہے۔ پھر اپنے کلام سے اپنے امر کی صفت کو اپنا عابد بنایا تو حقیقت میں عابد اور کلام امر سے ہے اور کلام رب سے ہے تو عابد اور کلام دونوں اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اللہ تو اللہ ہے جو ذات ہے اور عابد اور کلام ایک ہوا جیسے کہ امر یا کلام اللہ اور اللہ کی روح حقیقت میں امر سے ایک بات ہوئی تو جس طرح امر اور کلام اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ کی صفت ہے تو اسی طرح روح اللہ کے امر کی صفت ہے تو عابد اور اسکی تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں تو اللہ تعالیٰ معبود ہے اور صفت اس کی عابد ہے یعنی اللہ عابد بھی اور معبود بھی ہے۔ خود معبود اور خود عابد ہے۔

کقولہ: "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہی امام اور روح کے معنی ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ میں تو اور تو میں ہوں۔ "انا انت و انت انا" تو پیارے دوست! جس طرح صفاتِ خداوندی ذاتِ خداوندی میں فنا ہیں اور عابد صفتِ خداوندی ہے یعنی جب یہ صفت یعنی عابد پھر اس میں فنا ہو جائے تو اس کے بعد واصل ہو گا۔

1072 صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰۔

یعنی عابد ایسی عبادت کرے یہاں تک واصل ہو جائے اور جب واصل ہوا یعنی ذات کی صفات ذات میں فنا ہو گئیں تو پھر عابد نہ رہا جو صفت ہے بلکہ صرف ایک ذات رہ گئی اور ذات تو عبادت نہیں کرتی بلکہ عبادت تو صفات کا کام ہے اور صفات باقی نہ رہیں تو یہ مقام فنا ہے۔ جب تک عابد کی ایسی حالت ہوتی ہے تو کوئی عبادت نہیں ہوتی کیونکہ حقیقت میں عابد نہیں ہوتا تو عبادت کیا کرے گا اور نہ اس بدن پر کوئی حق عبادت ہوتا ہے لیکن جب فارغ ہو جاتا ہے اس حال سے تو پھر عابد معبود میں فنا ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا تھا۔ ''کہ حقیقت میرا حال ہے'' یہ حال طریقت کے بعد ہوتا ہے جو طریقت کی خبر ہے تو عابد اور معبود کا یہ حال ہے کہ بظاہر عابد اور باطن معبود ہے۔ ظاہر میں انسان اور باطن میں حق ہے۔ صرف اس کے ظاہر کو انسان عابد اور مخلوق کہا جاتا ہے اور اس کا باطن حق اور معبود اللہ ہے۔ اس لئے فرمایا: ''الانسان مرأۃ اللہ'' انسان اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ اگر مجھے دیکھنا ہو تو مؤمن کے دل میں دیکھو۔ یعنی مؤمن کے حقیقی آئینہ میں مجھے دیکھو جو مؤمن کا باطن اور حقیقت ہے۔

وقولہ: ''قلب المؤمن عرش اللہ''۔

مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ جان لو کہ ظاہر بدن ایک آلہ اور آئینہ خداوندی ہے اور باطن اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری شے نہیں۔ جیسے کہ ایک عاشق صادق حضرت باباجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ):

یہ سننا، بولنا، مانگنا رب سے جملہ تو ہے
تیرے بغیر کوئی نہیں بس تو ہی مولیٰ جملہ تو ہے

مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

ہر کہ آواز ہم زبانی شد جدا　　　　بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

معنی یہ ہوا کہ جو کوئی زبان کی آواز سے جدا اور الگ ہوا تو وہ بے نوا ہوا اگرچہ سو جگہ نوا کی اور رکھتا ہو یعنی انسان کا تصور جب اپنے کہنے کے ساتھ نہ ہو تو اس کے بعد اگرچہ وہ سو مرتبہ اپنے وجود میں تصور لائے تو وہ فضول بے نوا ہے یعنی جب تو ذکرِ خداوندی کرے یا نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرے تو تمہاری روح زبان کے کلام کی طرف متوجہ ہو گی اور اس کلام کے تصور میں تیری روح کو اس طرح مستغرق ہونا چاہیئے کہ یہ تو کلام اللہ ہے یعنی میری زبان پر تو اللہ کا فرمان ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے تصور میں مستغرق ہو گے دوسری طرف تمہاری فکر نہ ہو گی اور جب تمہاری روح تمہاری زبان سے جو کچھ بھی سنے چاہے کلام اللہ ہو یا ذکرِ خداوندی تو تمہاری روح خاص اسی طرف متوجہ ہو گی اور مستغرق ہو گی۔ جس طرح پہلے کلام أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى (الاعراف ۱۷۲) میں اس کی طرف متوجہ اور قبول کرنے والی ہو گئی تھی اور خاص کر امر کی تابعداری اور اطاعت قبول کی تھی تو اسی طرح اب بھی کلام اللہ کی قبولیت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور خاص قبول کرنے والی ہو گی اور اس سے بڑھ کر کوئی اور مقصد نہ ہو گا اور اپنی زبان سے آواز سننا اللہ تعالیٰ کی آواز سمجھے گا اور روح اس کی تابعداری اور اقتداء کامل حضور کے ساتھ کامل طور پر کرے گی کہ اس ذکرِ خداوندی اور تلاوت کلام کی طرف متوجہ ہونا عین رب کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ یہ سننا رب کی ذات کی صفت ہے تو جب ذاتِ خداوندی کی صفت کی طرف متوجہ ہو جائے تو عین ذات کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ یہ صفت بھی ذات کی ہے اور یہ صفت روح بھی ذات کی صفت ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ ایسی عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو تو جب روح کی صفت ذات کی اس سننے کی صفت کی طرف متوجہ

ہو جائے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔"ان تعبد اللہ کانک تراہ"[1073] یہ روح اور امام کے درمیان تفصیل ہو گئی۔ باقی صفاتِ خداوندی نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں اور نہ غیر۔ اس کی مثال یوں ہے کہ گیس کی روشنی جو نہ عین گیس ہے اور نہ غیر گیس۔ مطلب یہ کہ عابد ذاکر اپنے باطنی آئینے میں اللہ تعالیٰ کے نور کی وہ صفت تجلی جو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھے گا جیسے کہ شیشے میں اپنا چہرہ کہ نہ تو عین چہرہ ہے اور نہ چہرے کا غیر بلکہ اس کا عکس ہے تو اسی طرح عکس صفتی تجلی نورِ خداوندی عابد ذاکر اپنے باطنی آئینے میں ایسا ہی دیکھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے تو وہ نہ عین خدا ہے اور نہ غیر بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کا عکس عارف مؤمن کے آئینۂ قلب میں دیکھا جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا ہے:

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی　　　　نیک بین باشی اگر اہلِ دلی

مولای صل وسلم دائما ابدا　　　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہٖ وَسلَّم۔ وماتوفیقی الا باللّٰہ۔

الحمدللّٰہ منشی الخلق من عدم　　　　ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

(۳) قلب کے امام محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں یعنی قلب کا نور محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: "انا من نور اللہ والمؤمنون من نوری" تو دل کی اقتداء اسی نورِ محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے ہے جو اس کے امام ہیں۔ جب نمازی عابد اس نور کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے جو نور اس میں محمد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نور سے ہے تو یہ نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی عشق و محبت میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے

1073 (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۷)

کہ اس کو فنافی الرسول کہتے ہیں۔ پھر اس کا ظاہر وجود تو بدن دیکھا اور سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے باطن میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے نور مبارک کی جو تجلّی نور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے جو اس کو باطنی حقیقی نظر سے دیکھے تو اس کا باطن ایسا منور کر دے گا کہ جس طرح وہ خلق عظیم، اخلاق کی شرافت، آداب، عاجزی، اطاعت حضوری کے ساتھ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے تھے وہ تمام فضائل، فوائد و کمالات اس نور کے اس کے باطن میں پیدا ہو جائیں گے اور ظاہر میں بھی تمام افعال و اقوال، حرکات و سکنات اسی باطن کی طرح صحیح، پاک اور درست ہو جائیں گے تو ظاہر میں بھی اطاعتِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی صفت آ جائے گی تو ایسے بزرگ کے ظاہر و باطن کی اقتداء حقیقت میں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے ہو گئی اور جب اسے یہ شرافت نصیب ہوئی کہ اسے اپنے ظاہری و باطنی وجود کے بجائے اپنے باطن میں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نور نظر آ گیا تو وہ اس کا حقیقی طور پر امام ہو گیا اور جب آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا عشق و محبت اس پر غالب آ جائے تو ذاتِ بابرکات حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اس کا ایسا وصل و تقرب آ جاتا ہے کہ پھر اسے اپنا وجود نظر نہیں آتا بلکہ فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنے آپ سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اور بجائے خود اسے عین محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نظر آتے ہیں تو جب نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے ظاہر و باطن میں اسے نصیب ہو جاتا ہے تو اسے فنافی الرسول کہتے ہیں اور اسے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا نائب کہتے ہیں۔

کقولہ۔ "الشیخ کالنبی" تو اس کے امام نبی صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہوئے اور اس کی اقتداء حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے ہو گئی تو یہ اس بات کے لائق ہو گئے کہ جو بھی ان کی اقتداء کرتے ہیں تو یہ حق اور صحیح ہے۔

ان کی امامت اور اطاعت حقیقت میں حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت اللہ تعالٰی کی اطاعت ہے اور یہ عبادت ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کی عبادت ایسے ہی شخص کے پیچھے مقبول و محبوب ہے۔ اس کا مطلب یعنی قلب کے امام حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہیں۔ یہ ہے کہ عابد، مؤمن کا قلب متوجہ ہو گا حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف اور حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ ہیں اور رحمتِ خداوندی حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف متوجہ ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم خود بھی رحمتِ خداوندی ہیں تو جو بھی اپنا دل و روح حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف متوجہ کرے اور اپنی روح کی اقتداء حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے کرے تو یہ شخص عین رحمتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوا اور رحمتِ خداوندی اس شخص کی طرف خود بخود متوجہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالٰی نے حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو رحمت فرمایا ہے اور اپنا ذکر اور آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ ان کی یاد کو اپنی یاد فرمایا ہے تو جب عابد حضور صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا اللہ تعالٰی اور اس کی رحمت کی طرف متوجہ ہوا تو ایسی اقتداء کرنا آپ صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے حقیقت میں اللہ تعالٰی کی اقتداء ہے کہ اس مقام میں عابد و معبود کے درمیان کچھ حجاب نہیں ہوتا بلکہ

اگر آئینہ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی طرف توجہ کی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا اور یہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گی اور بہت جلد ہی واصل الی اللہ ہو گا اور دوست و محبوب ہو جائے گا۔ باقی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ حقیقت قلب کے امام کی ہے۔ "اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم"

(۴) فہم کے امام جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ وہ اخبار جو منجانب اللہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پاس آتے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا راز سمجھانے کیلئے اور اپنی طرف سے اظہار کرنے کیلئے اور مخلوق کو دعوت دینے کیلئے اور ڈرانے کیلئے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دل مبارک میں اپنے احکام واوامر ڈالتے اور اس کی وحی فرماتے۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۴) اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو ارسال فرماتا۔ ان کے آنے سے وہ وحی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے دل مبارک میں ہو جاتی اور رازِ خداوندی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے منہ مبارک سے ظاہر ہو جاتا اور یہ فہم اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے قلب مبارک میں ڈال دیتا۔ اسی طرح جب ایک عابد مقام مذکور یعنی فنا فی الرسول کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے دل کو یہی فہم اور القائے خیر جبرئیل علیہ السلام سے دیا جاتا ہے اور یہ عابد اس فہم کے مطابق عمل کر کے روحانی منزل طے کرتا ہے۔ اگرچہ یہ اپنے ظاہر وباطن میں یہ نہیں دیکھتا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں لیکن اس کی سمجھ ایسی صحیح ومقبول ہوتی ہے۔ جس طرح سمجھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی منجانب اللہ صحیح ہوتی ہے تو اس عابد کی سمجھ کی اقتداء حضرت جبرئیل علیہ السلام کی فہم کے پیچھے ہوتی ہے گویا کہ وہ اس عابد کے امام ہیں تو اس عابد کا فہم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اوامرِ خداوندی کا مخالف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا فہم حقیقت میں منجانب اللہ ہے اور یہ خود بھی ظاہر وباطن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے خواہ نماز میں ہو یا

دیگر عبادات میں تو یہی امام کے فہم کا معنی ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے فہم جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے اور تمام مخلوق یعنی مؤمن و مسلمان اس فہم سے سمجھ گئے ہیں تو تمام کے فہم کے امام وہ ہیں۔

(۵) عقل کے امام میکائیل علیہ السلام ہیں اس لحاظ سے کہ اولین وآخرین تمام مؤمنوں مسلمانوں کی عقل کی اقتداء ابتداء سے ان کے پیچھے ہے۔ اس لئے وہ امام عقل ہیں کیونکہ ان کے واسطے سے عقل دی گئی۔ اس لئے ظاہری بدن کا امام محراب، امام روح قرآن ہوا کہ روح کی اقتداء قرآن کے پیچھے ہے۔ قلب کے امام محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اور فہم کے امام حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اس کی اقتداء ان کے پیچھے ہے اور عقل کے امام میکائیل علیہ السلام ہیں عقل کی اقتداء ان کے پیچھے ہے مطلب یہ ہوا کہ جب مؤمن کے قلب کی اقتداء یعنی کہ اصل میں روح اور قلب ایک ہیں۔ یعنی اصل میں روح ہے تو جب روحِ مؤمن کی اقتداء حقیقت میں حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے پیچھے ہو جائے تو کلام اللہ جس کو ہم قرآن کہتے ہیں یہ کلام ازل میں روح کے ساتھ اپنے رب کا ہوا تھا۔ جیسے "أَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوا بَلَی" (الاعراف ۱۷۲) تو اسی طرح یہ کلام ربی جو قرآن ہے تو یہ باتیں محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اللہ کی طرف سے ہوئی ہیں تو جب عابد مؤمن فنا فی الرسول ہو جاتا ہے یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے عشق و محبت کے جذبے میں فنا ہو جاتا ہے تو اس نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا غلبہ اس سے اپنا ظاہر و باطن چھپا دیتا ہے۔ اور نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک نور بن جاتا ہے اور پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کا روبرو مشاہدہ یعنی دیدار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر درمیانی حجاب کے کلام فرماتا ہے اور راز و نیاز کرتا ہے۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہی وہ معراج ہے۔ "الصلوٰۃ معراج المؤمنین" نماز مؤمن کی معراج ہے۔

اس مقام میں مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

پیارے دوست! تو پھر اس مقام میں فرشتے بھی نہیں سما سکتے کیونکہ پھر وہاں عقل و سمجھ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب انوارِ خداوندی کے غلبے کا حال نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے تصور اور استغراق میں عابد پر غالب آ جاتا ہے تو پھر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں عابد کی عقل، سمجھ، علم، دانائی و بینائی اور بشریت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا۔ یہ بعض اوقات عابد زاہد پر آتا ہے۔

"اللّٰھم ارزقنا بوجہ النبی الکریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم۔ اللّٰھم آمین یا رب العٰلمین بحرمۃ سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم"

(۱) ظاہر بدن کا قبلہ ظاہر محراب ہے۔ ایک امام ظاہر صورت میں محراب کی طرف ایسا کھڑا ہے جیسے کہ قبلے کی طرف۔ اس کو صرف اس کھڑے ہونے کے لحاظ سے قبلہ کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ محراب قیامت کے دن خصوصی طور پر امام کی عبادت کی گواہی دے گا کہ آیا اس نے پنج وقتہ متابعت کی ہے یا نہیں؟ امام کے بارے میں بالکل صحیح گواہی پیش کرے گا اور یہ گواہی امام کی نجات کا سبب ہے۔ اس وجہ سے اس کو بدن کا قبلہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) روح کا قبلہ بیت المعمور ہے جو ساتویں آسمان میں فرشتوں کا قبلہ ہے۔ نمبر وار ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ تا قیامت یہ سلسلہ جاری ہے کہ ستر ہزار فرشتے آ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی زیارت کیلئے بھی ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ جن فرشتوں کا نمبر ایک مرتبہ آ چکا ہے تو پھر دوبارہ ان کو نمبر نہیں

ملتا یعنی مزارِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم بھی زیارت گاہِ فرشتگان ہے۔ اسی طرح مزاراتِ اولیاء بھی زیارت گاہِ ملائکہ ہیں اس مسئلے کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اصل بات اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں فرشتوں کا قبلہ ہے۔ جو بیت اللہ شریف (کعبہ شریف) کے برابر ہے کہ روح کی اقتداء اللہ تعالیٰ کی جانب اسی بیت المعمور کی طرف ہے اور وہ روح کا قبلہ ہے اس مقام کو قبلہ عالم ملکوت کہتے ہیں۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اہلِ طریقت، مخلص، صادق، محب، باحیا اور مؤدب اس مقام تک اپنے پیر کی تعلیم وارشاد اور دوسرے سبق نفی واثبات کے ذریعے پہنچتا ہے جو یہ سبق ہے: "لا الہ الا اللہ" یعنی جب بھی طالبِ طریقت یہ سبق پڑھتا ہے تو اس کی روح عالمِ ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی جانب بیت المعمور کی طرف منہ کرکے متوجہ ہو جاتی ہے اور اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف معراج کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قیام اور اقتداء کے ذریعے بیت المعمور کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور ظاہری بدن سے روحانی تصور اٹھ جاتا ہے۔ اس مقام میں اپنے آپ پر یعنی عرش معلّٰی سے نور کا برسنا دیکھتا ہے۔ اور انوار عرش معلّٰی کا مشاہدہ کرتا ہے اور عرش معلّٰی کے یہی انوار بھی نورِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ہیں تو ان انوار کے ذریعے حقیقت میں روح کو ترقی، لذت، عشق ومحبت اور جذبات حاصل کرنا ہے۔ یہ مختصر سے مطالب روح کے قبلے کے ہیں۔ یہ بیت المعمور وہ مقام ہے کہ شبِ معراج آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یہاں یعنی اس قبلے کی طرف تمام آسمانی فرشتوں کے امام تھے اور ملائکہ نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی اقتداء کی تھی۔ اس لئے یہ کامل مؤمن امتی کی روح کا قبلہ ہوا۔

(۳) دل (قلب) کا قبلہ عرش ہے۔ یہ قلب وہی روح ہے کہ جس کا قبلہ بیت المعمور تھا لیکن جب ان انوار سے ترقی اور فیض حاصل کیا تو مقامِ عرش تک پہنچا۔ اس مقام کا سبق اسم ذات ہے۔ یعنی اللہ صحیح صادق، مخلص محب طالب طریقت کی روح جب بھی اسم ذات کے ذکر کی زیارت سے منور ہوتی ہے اور بلندی کی طرف ترقی حاصل کرتی ہے تو عرش اس کا قبلہ ہو جاتا ہے یعنی عرشِ معلی میں نورِ عرش کی طرف قلب یعنی روح کی اقتداء ہو جاتی ہے یعنی وہ اس کا قبلہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

کقولہ: "قلب المؤمن عرش اللہ" اس وقت روح یعنی جس کو قلب کہا جاتا ہے۔ عین اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام قلب (عرش اللہ) میں انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اسی طرح ترقی کے حصول کیلئے انوار کا فیض حاصل کرتا ہے تاکہ روح اور بلند ہو کر واصل الی اللہ ہو جائے۔ یہ مختصر حال قلب کے قبلے کا ذکر ہوا۔

(۴) فہم کا قبلہ کرسی ہے۔ کرسی وہ مقام ہے کہ سونے سے بنا ہے اور عرش کے نیچے ہے اور یہ ان ملائکہ کا قبلہ ہے کہ جو ہمیشہ عشق و محبتِ خداوندی میں اس مقام میں حالتِ جذب میں ہیں یعنی عشقِ خداوندی کی وجہ سے اس مقام میں چھلانگیں مارتے ہیں۔ تفسیر معدن الاسرار میں نسیم الارواح کے حوالے سے منقول ہے کہ شبِ معراج آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی کہ عرش و کرسی کے درمیان جذبۂ عشق میں اوپر نیچے جاتے تھے۔ جس طرح ایک مست اور بے خبر پریشان عاشق کا حال ہوتا ہے کہ ادھر ادھر جاتا ہے یہی حال ان فرشتوں کا تھا کہ عشق و محبت کے جذبے سے کبھی کرسی سے عرش تک چھلانگ لگاتے اور کبھی حالتِ مستی میں عرش سے کرسی پر بے اختیار گرتے۔ حضرت محترم محبوب مدنی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان فرشتوں کا حال پوچھا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو ان کا علم تھا مگر پھر بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ "یا سید الانبیاء صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ الٰہ وَسلَّم" مجھے ان کے پورے حالات کا علم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ فرشتے سر مستان بادۂ جمال یعنی جمالِ خداوندی کے مست عاشق ہیں اور دیدارِ خداوندی کے عشق وشوق اور برتری کی وجہ سے اس حالت میں مستغرق ہیں۔

پیارے دوست یہی کرسی ان ملائکہ کا قبلہ ہے اور ان فرشتوں کو کروبیان کہتے ہیں۔ یہ ان کے نام ہیں اور یہ کرسی بیت المعمور سے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور یہ اس مقام کے فرشتوں کا قبلہ ہے۔

فائدہ: جب مخلص صادق اثبات کے ذکر "الا اللہ" کے جذبۂ عشق میں آتا ہے تو اس کی روح عرش کے نیچے مقامِ کرسی میں اسی طرح مستی کے حال میں آتی ہے کہ جس طرح حال اس مقام کے فرشتوں کا ہے۔ اس سبق کی ابتداء کا مقام وہی بیت المعمور ہوتا ہے لیکن جب عشق و مستی کے جذبے کے حال میں آتی ہے تو کرسی کے انوار کے عشق وجذبے میں اس کی نورانی روح اوپر نیچے عروج اور نزول کرتی ہے یعنی اوپر نیچے جاتی ہے اور جب اسم ذات کا سبق "اللہ" شروع کرتا ہے تو اس کی روح کو اس سبق اسم ذات سے ایسی ترقی حاصل ہو جاتی ہے کہ مقامِ عرش میں اس کا گھر ہو جاتا ہے اور اس مقام میں اس کو ایسا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جیسا مسافر تھکاماندہ سفر سے اپنے گھر آجاتا ہے اور پھر اپنے گھر کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ اس روح کو اس مقام میں قلب اس لئے کہتے ہیں کہ اس مقام میں اس کی مثال گھر کی ہو جاتی ہے اور ایسا گھر کہ جو عرش ہے اور نور سے ہے تو اس کی روح اللہ تعالیٰ کیلئے مانند گھر کی ہے۔

کقولہ: ''قلب المؤمن بیت اللّٰہ'' مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جان لو کہ اس مقام میں مؤمن کی روح اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اللہ تعالیٰ اس گھر کا مکین ہوتا ہے لیکن یہ مکان ایسا ہوتا ہے کہ المؤمنُ مِرأۃ یعنی اس وقت اس کی روح اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال جیسے کہ سورج پانی میں نظر آتا ہے لیکن ذاتِ سورج عین پانی میں نہیں ہوتی لیکن پانی بھی ذاتِ سورج کا غیر نہیں ہوتا یا چہرہ جیسا کہ آئینہ میں نظر آتا ہے تو آئینہ نہ عین چہرہ ہے اور نہ چہرے سے جدا اور غیر ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر ذات کا آئینہ کہلاتا ہے لیکن باطن میں ظاہر ذات کا چہرہ نظر آتا ہے اور دیکھا جاتا ہے۔ یہ آئینہ کی صفت ہے کہ اس میں چہرہ نظر آتا ہے اور ایسا کہ جس طرح چہرہ ہوتا ہے لیکن عین چہرہ نہیں ہوتا لیکن چہرے کا غیر بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح عابد وزاہد کی روح کے آئینہ میں اسے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی نورانی قدرت کا جمال اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ ایک لاتعداد، بے ابتداء اور بے انتہاء نظر آتی ہے یعنی نہ اول وآخر اور نہ اس کی کوئی حد اور مقدار واندازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنا جمال وجلال مؤمن کی روح کے آئینے میں دیکھتا ہے یعنی اپنے جمال وجلال کا تماشہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے روح کو اس مقام میں قلب کہا جاتا ہے اور اصل میں روح ہے کہ اس مقام میں اس کا قبلہ عرش ہے۔ یہ ایک حصہ روح کا جو قلب کے نام سے موسوم ہے اور اس کا قبلہ عرش ہے کہ ساتھ بیان ہوا۔ اس مسئلہ میں کہ فہم کا قبلہ کرسی ہے کہ اس مقام میں عاشق کو صرف اتنی فہم ہوتی ہے کہ یہ عشق کے جذبے کی مستق ہے اور اسی کے مناسب کچھ سمجھ ہے۔ اس مقام میں فہم کے قبلے کے بارے میں یہ مختصر سی تفصیل بیان کی گئی۔

(۵) کعبہ عقل کا قبلہ ہے یعنی بیت اللہ شریف کہ دنیا بھر کے تمام عبادانِ خدا اللہ تعالیٰ کی طرف اس کعبہ کی جہت سے متوجہ ہوتے ہیں اور یہ ان کا کعبہ ہے لیکن اس کو عقل کا کعبہ اس لئے کہا

گیا کہ اس کعبہ کی متابعت ان صاحبانِ عقل نے کی ہے کہ تمام عقلوں کی اقتداء انہی کے پیچھے ہے۔ اور یہ صاحبانِ عقل اور آئمہ عقل انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کی عقل کی بناء پر تمام مسلمانوں کی عقلوں نے ان کی اقتداء کی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور ان کی عقلوں نے یہ مانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے انوار ورحمتوں کا ایک خاص مقام ہے۔ اس کو عقل کا کعبہ اس بناء پر بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف نماز پڑھنا یا اس کا ادب وعزت کرنا ان لوگوں کا کام ہے کہ جن میں عقل وشعور ہوتا ہے اور جن لوگوں میں عقل وہوش نہیں ہوتا تو ان کی عبادت کو عبادت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ نہ تو آدابِ عبادت جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ ہی خیر وشر کی تمیز کر سکتے ہیں اور قبلہ وغیر قبلہ بھی نہیں جانتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بے عقل لوگوں کے بارے میں فرمایا: **لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى (النساء ۴۳)** اس لئے کعبہ کو عقل کا قبلہ کہا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عقل مند وہ لوگ ہیں جو اس کعبہ کے مؤدب وتابعدار ہوں کیونکہ جو اس کعبہ کی تعظیم وادب نہ کرے تو اس کو کافر کہا جاتا ہے اور کافروں کی عقل نہیں اس لئے ان کا یہ کعبہ نہیں ہے۔ کافر عقل سے محروم ہیں اور یہ کعبہ عقل والوں کا ہے اور ان کا ہے جو صاحبانِ عقل اور اللہ رب العزت کے دوست ہیں۔ یہ پانچ قبلوں کی تفصیل تھی کہ عرش قلب مؤمن کا قبلہ ہے اور جسے یہ مقام نصیب ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور یہ عرش نور سے ہے اور کرسی فہم مؤمن کا قبلہ ہے جو خاص عاشق ملائکہ کا قبلہ ہے۔ بیت المعمور مؤمن کی روح کا قبلہ ہے جو تمام فرشتوں کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس یہ تمام رسولوں کا قبلہ ہے۔ پانچواں قبلہ کعبہ شریف ہے جو تمام مؤمنوں کے ظاہری بدن کا قبلہ ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے۔ کرسی سونے کی ہے۔ بیت المعمور یاقوت سے بنا ہے۔ بیت المقدس مروارید سے بنا ہے۔ کعبہ شریف پتھر سے بنا ہے۔

یہ مختصر سی تفصیل پانچ قبلوں کی ہو گئی اور یہ اس گزشتہ عبادت کی تشریح تھی جس کا بیان پانچ امام و پانچ قبلوں کے متعلق لکھا گیا تھا یعنی فرمایا کہ جس نے ان مسائل کی حفاظت کی یعنی ان کو سمجھ لیا تو بے شک اس کے پیچھے نماز صحیح اور جائز ہے۔ خواہ امّی ہو یا عالم اس کے پیچھے تمام مسلمانوں کی نماز درست ہے اور اگر ان مسائل کو نہ جانا اور عمل نہ کیا تو اس شخص کی امامت جائز نہیں خواہ عالم بھی ہو لیکن اس کی مثال جاہل کی ہے۔ خواہ فقیہہ عالم ہو یا غیر فقیہہ لیکن اس بات میں برابر ہے کہ ان کی امامت صحیح نہیں۔ خواہ حافظ قرآن ہو یا غیر حافظ قرآن ہو اور یہ مسئلہ تمام علماء کے نزدیک متفقہ ہے۔

اس مسئلہ کو فردوس الفتاویٰ الہدیٰ، فتاویٰ دلائل میں باب الامام میں لکھا گیا ہے۔ یہ مسئلہ جو ظاہری عبادت ہے اور اس نے پانچ امام اور پانچ قبلے بتائے ہیں تو صرف اس کا ظاہر یہ ہے کہ پانچ امام فلاں فلاں ہیں اور پانچ قبلے فلاں فلاں ہیں تو یہ ظاہر علماء کے نزدیک ہے لیکن اس کی ظاہری معرفت بھی بہت کم لوگوں کو ہے لیکن اس کی جو تفصیل بیان ہوئی کہ جس میں اس کی حقیقت باطن کا بیان ہوا تو وہ تو دنیا میں بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں اور جن کو معلوم ہے تو وہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو انتہائی زیرک، باریک بین، اہلِ شریعت و طریقت، اہلِ حقیقت و معرفت ہوں گے۔ باقی یہ جو حقیقت بیان ہوئی ہے تو اس حقیقت کی اصل حقیقت یہاں مختصر الفاظ میں بیان کی جاتی ہے جو خود بھی بہت کم اور خواص محققین طریقت کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کو نماز طریقت کہتے ہیں اور طریقت کی نماز حقیقت ہے اور معرفت اس حقیقت میں ہے۔ یہ نماز طریقت ہمیشہ یعنی ساری زندگی ہے اور اہلِ طریقت کیلئے اس نماز کی جگہ (مسجد) دل ہے۔ اس نماز کی جماعت باطنی قوت کا توحید کو باطنی زبان سے سننے کا شغل ہے۔ اس کا امام شوقِ دل ہے۔ اس کا قبلہ حضرت الاحدیت ہے۔ اس کا جمال صمدیت ہے۔ پس روح

و قلب اس نماز میں ہمیشہ مشغول ہوں گے کیونکہ دل نہ سوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ "القلب لا ینام و لا یموت" اور نمازِ دل تو حیاتِ دل سے متعلق ہے۔ بغیر قیام و آواز کے، بغیر قعود و سجود کے۔ خطابِ دل اللہ کے ساتھ باطن کی زبان سے یہ ہوگا۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (فاتحۃ ۵)

فائدہ: مختصر مطلب یہ ہے کہ اہلِ طریقت کا دل مسجد حقیقی ہے اور یہ ہمیشہ کیلئے پوری زندگی کیلئے اپنی باطنی مسجد میں نمازی ہے اور اس کا جمعۃ المبارک باطنی زبان سے "اللہ" کہنا جو کلمۂ توحید ہے اور مکمل باطنی طور سے سننے کا شغل ہے۔ اس نے اپنا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا ہوتا ہے۔ یعنی باطنی زبان سے "اللہ" کہتا ہے اور کُلی طور پر سننے میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کا باطنی شوق و جذبہ اس کا امام ہے جو شوق و عشق کی زبان سے "اللہ" کہتا ہے اور "اللہ" سنتا ہے یعنی شوق اس کا امام ہے۔ "اللہ" کہنا اور "اللہ" سننا ہے۔ بس یہی اس کا کام ہے اور یہی اس کی قرآت ہے دل کی مسجد میں اور اس کا قبلہ واحد لا شریک ہے۔ یعنی ایک ذاتِ احد اس کا قبلہ ہے یعنی وہ ذات جس کی طاقت و احاطہ تمام موجودات پر ہے۔ یہی معنیٰ احدیت کا ہے اور یہ حقیقت میں قبلہ ہے اور صمدیت اس کی زینتِ نورانی، حسن اور جمال ہے یعنی بے مثل ہے یعنی وہ احد جو بے مثل ہے وہ اس کا قبلہ ہے اور یہی قبلہ کی حقیقت ہے۔ پس دل و روح ہمیشہ مشغول ہوں گے اس نماز میں کیونکہ دل اصل میں روح ہے اور روح مرتی نہیں اور نہ سوتی ہے اور دل کی نماز دل کی حیات کے ساتھ ہے یعنی جب تک دل کا زندہ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ نماز بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ مؤمن تو دنیا میں فرض نماز و نوافل وغیرہ حسبِ طاقت سونے کے وقت تک اور آخر کار مرنے کے وقت تک دنیا میں ظاہری طور پر ادا کرتے ہیں لیکن مؤمن کی روح دونوں حالتوں میں نماز پڑھتی ہے یعنی دنیا میں سوتے جاگتے میں۔ خواہ ظاہری بدن سے ہو یا ظاہری بدن کے مرنے کے بعد ہو تو پھر وہ ایسی نماز ادا کرتے ہیں جو شوق و محبت کی نماز ہے۔

جس کا بیان گزر چکا ہے کہ شوق اس کا امام ہے اور نماز دل بغیر قیام وارکان وغیرہ کے ہے اور باطنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ خطاب ہو گا۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ ۵) الغرض سالک طالب اپنے باطن میں عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گا اور اس عبادت کی مدد بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے گا اور باطنی شوق اس کا امام ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ''اللّٰہ'' اس کے شوق کی زبان کا ذکر ہو گا اور ان تمام کی طرف تصور کرنا جماعت کی طرح ہو گا اور باطنی کانوں سے سنے گا یعنی دل کے کانوں سے۔ اللہ اور قبلہ اس کا بے مثل احدیت ہو گا یعنی پروردگار عالم کی ذات کے شوق میں اس کی روح اس کے باطن میں کلی طور پر متوجہ ہو گی اور روح کے جذبہ اور شوق سے ''اللّٰہ'' کہے گا۔ ''اللّٰہ'' سنے گا۔ اس کی مثال بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ بس یہی حقیقی نمازِ طریقت ہے۔

مختصر سے الفاظ میں اس مسئلہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

انوار کے دیکھنے سے روح اس ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ جس کا احاطہ تمام موجودات پر ہے۔ اوپر نیچے اور ہر طرف۔ نہ اس کی ابتداء اور نہ اس کی انتہاء ہے۔ ہر جگہ اوپر نیچے، ظاہر، باطن موجود ہے تو روح نور کی آنکھوں اور غلبے سے دیدارِ حق اور اس ذات کو دیکھتی ہے اور اپنی روح کے باطنی آئینے میں ذاتِ خداوندی کے انوارات کا چہرۂ قدرت ایسے دیکھتا ہے جیسا کہ اپنا چہرہ آئینے میں۔ یا سورج پانی میں۔ بوجہ شغلِ ذکرِ خداوندی یعنی اسم ذات ''اللّٰہ'' کا کہنا، سننا اپنے باطن میں اور اس کا ظاہر بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی باطن میں اس کا دیکھنا، سننا اور بولنا ''اللّٰہ'' ہے۔ اس طریقے سے جس کا بیان ہو چکا ہے اور اس کے بدن میں اس کی روح عشق کے جذبے سے بہت مست ہوتی ہے۔ بس اسی طرح نماز عاشق ذاکروں کی ہوتی ہے۔ ہر حال میں جب ان پر ذات خداوندی کی صفات سے سننے کی تجلی وارد ہوتی ہے تو اس کے ظاہری کان تمام دنیا وآخرت کا سنتے ہیں اور ذاتی صفات میں

سے تجلی کن (کرنے کی) وارد ہوتی ہے تو پھر ظاہر منہ سے جو کہا تو وہ ہوتا ہے۔ خواہ زندہ کرنا یا مارنا ہو جو کچھ بھی ہو لیکن اس طرح خلافِ عادت کام اولیاء اللہ حتی الامکان وحسبِ طاقت نہیں کرتے جو ظاہر سے مخالف ہوں لیکن یہ شاذونادران سے جذبات کے غلبہ کے وقت بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں۔ باقی اسمِ ذات کے ذکر کے مقام پر اکثر عاشق انتہائی جذبہ کی وجہ سے فنا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نور کے غلبے کے انوارات میں۔ فنا یہ ہے کہ فنا اور ذات قائم ہوتی ہیں یعنی بشریت کی صفت باقی نہیں رہتی بلکہ عاشق کے بدن کے ساتھ ذات کی صفات قائم ہو جاتی ہیں اور جب نفی اثبات کا ذکر کرتے ہیں تو لا الہ سے تمام موجودات کو فنا کرتے ہیں یعنی تمام موجودات کی نفی کرتے ہیں اور الا اللہ کے ساتھ تمام موجودات کی جگہ ایک موجود حقیقی ان کی نظر باطن وظاہر میں قائم ہوتی ہے۔ یہ ان کا ذکر ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ ظاہر ایک پردہ حجاب ہے۔ انسان کیلئے جب نفی اثبات سے یہ ظاہری پردہ دور ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا۔ جو نہ عین ہو گا نہ غیر یعنی یہ صرف ایک نقطہ ہے جو غیر کے غ پر ہے۔ غین پر ایک نقطہ ہے اگر یہ نقطہ دور کیا جائے تو عین ہو جائے گا۔ عین اور غین حقیقت میں ایک ہے۔ جب نقطہ کا اعتبار کیا جائے تو غیریت ہو جاتی ہے۔ صرف یہی ایک نقطہ عین پر غین کا ہے یعنی انسان کا یہ ظاہر وجود اللہ وانسان کے درمیان انسان کیلئے ایک حجاب وپردہ ہے اور انسان کے وجود کا ظاہری لباس اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک آلہ ہے۔ اس لئے اگر یہی پردہ انسان نے اپنے تصور سے پسِ پشت گرا دیا جس طرح گھونگھٹ کو چہرہ سے ہٹا دیا جاتا ہے اور دوسروں کو دیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح اگر یہی پردہ انسان اپنے بدن سے مانند گھونگھٹ کے دور کرے تو اپنے بدن میں بلکہ اپنی جگہ پر بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا۔ دور نہیں ہے نزدیک ہے اپنے بدن میں پایا جاتا ہے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

الْوَرِيدِ (ق ۱٦) ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ "ھم وراء السوراء" وہ نزدیکیت ہماری روح کی طرف ہے۔ جب جسم نہ تھا اور روح کو اپنے امر سے پیدا فرمایا جو صفتِ خداوندی ہے یعنی صفت سے پیدا فرمایا تو یہ ایسا قرب ہے اللہ تعالیٰ کا ہماری طرف۔ یعنی ہماری روح فنا تھی ذاتِ خداوندی میں۔ پھر یہ روح اس مقام تک پہنچتی ہے یعنی عاشق پر وہی حال واقع ہو جاتا ہے کہ صفات ختم ہو جاتی ہیں۔ صرف ایک ذات باقی رہتی ہے باطنی نظر کی حقیقت میں۔ جس طرح کہ دودھ کی حقیقت کہ وہ گھی ہے یعنی مکھن۔ جب بھی گھی کا یہ پردہ مکھن سے دور کیا جائے جو دودھ کا پردہ ہے تو مکھن ظاہر ہو جاتا ہے جو حقیقت ہے تو اب وہ حقیقت ظاہر ہو گئی اور وہ ظاہری دودھ فنا ہو گیا اور اس کی جگہ دوسری شے ظاہر ہو گئی یعنی ایک تو دودھ سے حقیقت ظاہر ہو گئی اور وہ ظاہری دودھ فنا ہو گیا اور اس کی جگہ دوسری شے ظاہر ہو گئی یعنی ایک تو دودھ سے حقیقت ظاہر ہو گئی جو مکھن ہے اور دوسرا یہ کہ دودھ کا ظاہر ظاہر نہ رہا یعنی اس کا ظاہر فنا ہو گیا اور اس سے دوسری چیز بن گئی تو اس کی ظاہر بھی حقیقت ہو گئی جب وہ فنا ہو گئی اور دوسری شے اس کی جگہ قائم ہو گئی یعنی اب اس دودھ سے الگ ہوا تو دودھ دودھ نہ رہا اور اس کا ظاہر اور نام بھی اس طرح بدل گیا کہ اب اس کو دوسری چیز کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہی حال عاشق مستغرق کا ہے جس کو ولی فنا فی اللہ، واصل الی اللہ کہتے ہیں۔ اس کی مثال دودھ کی سی ہے یعنی جس طرح دودھ جس چیز سے بنا ہے جس کی حقیقت گھی ہے یعنی روغن چکناہٹ۔ جب ظاہر ہوا تو اسے دودھ کہتے ہیں اور جب کچھ مشقت کرے اور کچھ وسائل بھی تلاش کرے مثلاً دہی کا کچھ حصہ پانی جس کو دودھ میں دہی بنانے کیلئے ڈالا جاتا ہے تو پھر اس کا حال بدل جاتا ہے۔ اس کے بعد تھوڑا پکایا جائے تو اس کی حقیقت باہر آ جاتی ہے جو اس کی شروع کی اصل ہے۔ مطلب یہ ہوا

کہ انسان کی حقیقت اصل میں اللہ ہے اورانسان اس ذاتِ حقیقی سے ایک صفت ظاہر ہوئی ہے اس ذات کے ارادے سے۔ اس کو انسان کہا جاتا ہے۔

حقیقت کو اصل ذات نہیں کہا جاتا لیکن جب بھی یہ انسان بیعت کرے جیسا کہ دودھ میں دہی کا کچھ تھوڑا حصہ ڈالے پھر اس بیعت کے مناسب مشقت کرے یعنی ذکرِ خداوندی کا اہتمام کرے تو پھر اس شخص کا وہی حال ہو جاتا کہ دودھ سے گھی نکل آتا ہے اور دودھ ظاہر میں دودھ بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح بیعت و مشقت کے بعد صادق عاشق پر یہ حال واقع ہوتا ہے۔ پھر اس کی پہلی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حقیقت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے ظاہر و باطن میں اور اس کی نظر میں جس کو فنافی اللہ کہتے ہیں اور اس کا ظاہر وہ ظاہر نہیں ہوتا صرف ان لوگوں کو وہ ظاہر نظر آتا ہے جنہوں نے پہلے دیکھا ہو لیکن وہ ظاہر بھی اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ دودھ جب مشقت سے بدل گیا اور اس کی حقیقت ظاہر ہو گئی اور دودھ کا ظاہر بدل گیا بوجہ مارنے کے اسی طرح طریقت کی مشقت ذکر کی وجہ سے یعنی غلبہ ذکر سے حقیقت بھی ظاہر ہوئی جو عاشق کا اکثر حال ہوتا ہے اور ظاہر میں اسے حقیقت کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور پھر اس کا ظاہر بھی اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتا یعنی اس کے ظاہر میں بھی اسی طرح صفاتِ حقیقی کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور پہلے والی ظاہری صفات بدل جاتی ہیں۔ جیسے کہ اس کے ظاہری ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حقیقی صفت کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ اسی طرح پاؤں، کان، آنکھ اور باتیں (کلام) وغیرہ کہ ان اعضاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہوں۔ اس لحاظ سے ظاہر بھی اللہ تعالیٰ کا ہے جو دیگر لوگوں سے الگ ہے جیسا کہ ان کی سماعت، بصارت، کہنا، کرنا، جانا، باتیں زبان وغیرہ تمام اقوال، افعال اور اعتقاد دوسری طرح کام

کرتے ہیں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں جو دوسرے لوگوں میں نہیں ہوتے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست کہا ہے۔ بوجہ اور بسبب اس بیعت برائے نفلی عبادت کے۔

جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

"علمِ صوفی علمِ خدا است"۔

یعنی صوفی کا علم خدا کا علم ہے۔ فرماتے ہیں ظاہر انسان باطن میں حق ہے انسان کا ظاہر عبد باطن حق ہے۔ انسان حق نہیں باطن حق ہے۔

مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ گو کہ اللہ مے شوی　　این سخن حق است واللہ مے شوی
گفتہ او گفتہ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

پیارے دوست! صرف اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان ظاہری گوشت پوست کے بدن کو نہ دیکھو اور ظاہر پر دھوکہ نہ کھاؤ اس کی حقیقت پر بھی تھوڑی سی نظر ڈالو۔ ظاہر کا یہ پردہ اپنی نظر سے دور کرو تا کہ حقیقت کا نور دیکھ لو یعنی جس طرح گرد و غبار سورج کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو سورج ظاہراً دیکھا جاتا ہے اور پھر ہر شخص سورج کی اس دھوپ کو اپنے جسم پر دیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح نفس پرستی کے وہ گرد و غبار اور دنیا پرستی، انانیت اور غرور کی وہ دھول اپنے باطن سے دور کی جائے اخلاص دل سے ذکرِ خداوندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا وہ نور ولی اور دوست کے آئینے پر تجھے ظاہر ہو جائے گا اور تمہارے بدن پر بھی اس نور کی روشنی کا اثر پڑے گا کہ تمہارا بدن بھی اس نور سے منور ہو جائے گا۔

جیسا کہ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی　　　　نیک بین باشی اگر اہلِ دلی

ولی کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور ظاہر ہے مگر جب تو اہلِ دل ہو جائے گا تو دیکھ لے گا لیکن تمہاری چمگادڑ کی طرح سورج سے دشمنی ہے اور کمرے کے اندر اندھیرے میں بیٹھے ہو تو تم خاک سورج دیکھو گے۔ سورج تو تب نظر آئے گا کہ جب تم حسد، انانیت، تکبر اور بد گمانی کے پردے کو ذکرِ خداوندی کی تلوار سے چیر دو گے اور صحیح عقیدہ، اخلاص و محبت سے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو دیکھو اور ان کی طرف رجوع کرو تو اس کے بعد جا کر نورِ حق کو ظاہر میں دیکھ لو گے اور وہ انوار حق کی تجلی تمہارا باطن و ظاہر بھی روشن و منور کرے گی۔ حسد کرنے والوں، بے، محبت و بد گمان لوگوں کے بارے میں ایک سالک نے فرمایا کہ یہ حق نہیں دیکھتے اور اس سے اپنی انانیت، ضلالت کے پردوں میں چھپے ہوتے ہیں اور چمگادڑ کی طرح یہ لوگ بھی منکر ہیں حالانکہ سورج موجود ہے اور تمام جہاں اس کا قائل ہے لیکن یہ اپنے کمرے کے اندھیرے میں چھپتا ہے اور ملامت سورج کو کرتا ہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جو اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے آئینہ میں نورِ حق کا انکار کرتے ہیں اور ملامت ان کو کرتے ہیں۔

اس لئے ایک سالک فرماتے ہیں:

یعنی سورج کی روشنی اگر چمگادڑ کو نظر نہ آئے تو یہ خود نابینا ہے سورج کو کیوں ملامت کرتا ہے۔

یعنی عارفانِ طریقت اللہ تعالیٰ کو اپنے وجود کے آئینے میں دیکھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کا گھر بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے سالک نے بھی اس کو گھر کہا جو اس کے وجود کا گھر ہے۔ اس لئے فرمایا: ”قلب المؤمن بیت اللہ“ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

پیارے محبوب! جان لو پہلے مؤمن کے دل کے آئینے کے گھر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو۔ اس کے بعد نورِ حق کا عکس تمہارے وجود کے ظاہر و باطن میں جلوہ فرما ہو جائے گا۔ پھر اپنے باطن میں بھی نورِ حق کو دیکھ لوگے کیونکہ اس مؤمن کامل کے دیکھنے سے تمہارے باطن حقیقی کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور تمہارے دل کا آئینہ اس عقیدت کی روشنی سے روشن ہو جائے گا تو پھر اپنے آئینے میں نورِ حق کو دیکھ لوگے یعنی دیدار و معراج حق کروگے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھ لے گا۔ جیسا کہ سورج پانی میں یا چہرہ آئینہ میں کہ نہ آئینہ۔ عین چہرہ ہے اور نہ چہرہ عین شیشہ ہے اور نہ آئینہ چہرے کا غیر ہے۔ جان لو کہ کاملانِ طریقت کا یہ ظاہر بھی اللہ تعالیٰ کی حقیقت باطنی سے الگ وجدا نہیں ہے اور نہ حق اس سے الگ وجدا ہے۔

(لقول السالک)

اگر حقیقت کو مجاز سے الگ جانتے ہو تو کیا قرآن مجید میں یہ نہیں ہے؟

جان لو کہ عارفوں کا مجازی ظاہر حق سے الگ نہیں ہے اور نہ حق ان کے مجاز سے الگ وجدا ہے بلکہ ان کا یہ مجاز بھی حقیقت سے ہے۔ اگر ان کا مجاز ان لوگوں نے جان لیا تو پھر حق کو بھی جان لیں گے کیونکہ ان کا مجاز اور حق اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب ہے۔ جیسا کہ یہ دو لفظ ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ جیسا کہ قرآن سے مجید الگ نہیں بلکہ مجید قرآن سے ہے۔ یہی حال اہل اللہ اور اللہ کا ہے اور ان کا حال ایسا ہے کہ چقماق میں آگ۔ چقماق (پتھر) کی کوئی جگہ بھی آگ سے خالی نہیں لیکن اس آگ کو ظاہر کرنے کا تجربہ سیکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ اہل اللہ سے اللہ کا ذکر سیکھنا تمام آداب، اخلاق، پیروی، صدق و اخلاص کے ساتھ تو اس سے ذاکر کے دل میں وہ نور پیدا ہو جاتا ہے۔ بوجہ کلی آداب ذکر کے جس طرح جب آگ نکالنے کا طریقہ سیکھ لیا جائے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ اور کامل مؤمن کا ایسا حال ہے۔

جیسا کہ درخت کا بیج ہے اور وہ درخت میں چھپا تھا اور پھر ظاہر ہو گیا لیکن درخت بھی بیج میں چھپا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بیج درخت سے الگ اور غیر نہیں اور درخت بیج سے جدا اور غیر نہیں بلکہ حقیقت میں درخت اور بیج ایک ہیں لیکن صرف بیج کا درخت سے مجازاً ظاہر ہونے کی وجہ سے ظاہری نظر میں جدائی معلوم ہوتی ہے لیکن درخت پھر بھی بیج میں ہوتا ہے یعنی یہ ظاہر جو کچھ بھی ہے۔ یہ مجازاً ظاہر ہونے کی وجہ سے بظاہر الگ نظر آتے ہیں لیکن یہ حق سے ظاہر میں آئے ہیں۔ پھر بھی وہی حق اس ظاہر میں ہے جیسا کہ درخت پھر بھی بیج میں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنی ذات سے مخلوق کو پیدا فرمایا اپنے ارادے سے۔ اس لئے فرمایا کہ عاشق صادق کی نظروں میں شرکت نہیں ہوتی بلکہ ایک حقیقت ان کو نظر آتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ درخت پھل ہے اور پھل درخت۔ حقیقت ایک ہے شرکت معدوم ہے یعنی پھل درخت میں تھا اور اس سے ظاہر ہوا۔ اب درخت بھی پھل میں باطن ہوا جب پھل ظاہر ہوا تو حقیقت سب ایک ہوئی۔ جدائی باقی نہ رہی۔ یہی حال حقیقی عاشق اور حق کا ہے۔ عاشق کی نظر میں تو شرکت باقی نہ رہی۔ ظاہر باطن ہے اور باطن ظاہر ہے۔ دوئی ختم اور شرکت معدوم۔

نہ حلول نہ اتحاد ہے ایک دوسرے میں　　　　عقل اس لئے حیرت میں رہ جاتی ہے

یعنی نہ ذات خداوندی عین بندہ میں ہے اور نہ بندہ غیر از اللہ ہے یعنی اللہ سے غیر نہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ بندوں میں تقسیم ہے اور نہ جزئیت ہے یعنی نہ اس میں جزء خداوندی ہے اور نہ یہ ظاہر عین کل اللہ تعالیٰ ہے اور نہ یہ ظاہر اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔ اس لئے فرمایا: ترجمہ:

جیسا کہ چہرہ آئینہ میں سورج پانی میں　　　　نہ عین عینیت ہے نہ غیریت

یعنی انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایسا حال ہے جیسا آئینہ میں چہرہ یا پانی میں سورج۔ اس لئے انسان کو مِرأة کہا گیا یعنی انسان کامل اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے جلال و جمال کا تماشہ بھی فرماتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے آئینے میں دیکھتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس انسان کامل کے آئینے میں صفات اور انوارِ الٰہی دیکھتے ہیں اور اس کے آئینہ میں معرفتِ خداوندی حاصل کرتے ہیں اور اسی کامل انسان کے آئینے کے سبب اپنے آئینے میں بھی نورِ حق دیکھتے ہیں۔

اس لئے فرمایا: "المؤمنُ مِرأةُ المؤمن" یعنی ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے بلکہ عارفان وصادقانِ طریقت کی نظر میں جہاں کا ذرہ ذرہ معرفتِ خداوندی کا آئینہ ہے اور ہر ذرے میں جمال و جلالِ خداوندی کی تجلی دیکھتے ہیں جیسا کہ صادق عاشق حضرت باباجی قدس سرہ فرماتے ہیں:

یعنی رَبِّ أَرِنِیْ کا جلوہ کوہِ طور پر موقوف نہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ کوہِ طور ہے مگر کوئی موسیٰ نہیں ہے لیکن یاد رکھو کہ عاشق صادق کی نظر میں بوقت مراقبۂ استغراقی یہ حجاب مجازی کچھ نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں ایک ہے، وہی حال عاشق کی نظر میں قائم ہو کر ماسوی اللہ معدوم یعنی فنا ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ جان ہوتی ہے نہ جہان۔

اللّٰھم ارزقنا بوجھک الکریم۔

اسی طرح سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ (الکھف: ۲۸)

ترجمہ: اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

مولانا شائستہ گل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب **اثبات الاغراض و المقاصد السنیة** میں تحریر فرمایا ہے:

اِعلم انّ البیعة من سنن الانبیاء علیهم الصلوة و السلام و من سنن خلفاء الرّاشدین رضی اللہ عنهم الی یوم القیمة باقٍ بلا نکیرٍ و لٰکن لا یجوز لاحدٍ من العلماء و الصّلحاء و السادات فی الخلافة و البیعة باختیاره الّا ان یکون له رخصة من الشیخ الذی هو ماذون و مرخص به للتحقیق کابر عن کابر الی نبیّنا علیه الصلوة و السلام و من لم یبلغه الرخصة من مثل هٰذا الشیخ الذی ذکرنا فهو ضالّ و مضلّ و کان عاقبة امره بالکفر لانّه مدّعی کذّابٌ و مفتر له علیٰ صاحب الشّریعة بالحقیقة و الافتراء علی اللہ تعالیٰ من محض الکفر انتهیٰ کلام السید الجلال ثم تذکرة الابرار۔

"یہ بات جان لینا چاہیئے کہ بیعت انبیاء علیہم السلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے اور روزِ قیامت تک یہی سلسلہ جاری و ساری رہے گا اور بغیر انکار کے باقی ہے۔ علماء، صلحاء اور سادات میں سے کسی فردِ بشر کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ خلیفہ یا پیر بنے جب تک انہیں اپنے پیر و مرشدِ کامل مکمل سے اذنِ خلافت نہ ملا ہو اور پیر و مرشد کامل و مکمل وہ ہستیاں ہیں جنہیں اپنے پیرانِ عظام سے لے کر حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ تک نسبت بیعت حاصل ہو ۔ جن لوگوں کی نسبت بیعت آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَالٰہ وَسلَّم تک نہ پہنچتی ہو وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس فعل کا نتیجہ کفر پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا ناقص پیر جو کامل مکمل نہیں ہو وہ جھوٹا ہے۔ اکابرینِ طریقت و شریعت کی رو سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر افتراء دراصل اللہ اور رسول سے انکار ہے۔"[1074]

[1074] (اثبات الاغراض و المقاصد السنیة، ص ۸۳)

عوارف المعارف کے صفحہ ۲۱ پر مرقوم ہے کہ کسی پیر کی مریدی قبول کرنا بعینہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی تعمیل ہے اور سنتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو زندہ کرانے کے مترادف ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مجھ سے مصافحہ کرے یا ان سے مصافحہ کیا جنہوں نے مجھ سے قیامت تک مصافحہ کیا ہوا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

قطب الارشاد میں ص ۵۳۱ پر ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ وہ اپنے پیر کامل مکمل و اکمل کی صحبت میں ممکنہ آداب کا لحاظ رکھے اور اسی طرح رہے جس طرح حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے حضور میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم رہا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے پیر کامل کی صحبت مرید کے لئے بمنزلہ صحبت رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم ہے اور مرید اپنے پیر کا اس حد تک خیال رکھے جس طرح صحبتِ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے آداب کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اس مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے اور فیضِ الٰہی سے مستفید ہونا ہے۔

لیکن فیضِ الٰہی پیر و مرشد کے آداب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فیضِ الٰہی کا نزول اللہ تعالٰی ہی سے ہے اور اللہ تعالٰی ہر ایک کے دل پر خبردار ہے۔

"آداب المخلص" کے ص ۱۵ پر مرید کیلئے درج ذیل آداب مرقوم ہیں:

☆ اپنے پیر کامل مکمل پر نیک اعتماد رکھے۔ اس لئے کہ جملہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی اپنے پیر و مرشد ہی کو اپنے لئے نفع اور اپنے مطلوب کے حصول (یعنی معرفتِ الٰہی) کیلئے نافع اور کافی سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو کامل وجود کے ساتھ اپنے پیر و مرشد کو تفویض کرتے ہیں۔

☆ مرید کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ کبھی بھی پیر و مرشد سے خلافت اور تعلیمِ طریقت کے اذن ملنے کا طمع نہ رکھے اور نہ کبھی اس قسم کے خیالات دل میں لائے اور نہ زبان سے اظہار کرے۔ اس لئے کہ مقصد حصولِ دنیاوی مراتب نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی ہے۔ پس سالک کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو باطل دنیاوی مقاصد سے پاک وصاف رکھے کیونکہ دنیاوی مقاصد حصولِ حق کیلئے مانع ہیں۔ اور فاسد خیالات سے قلب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

☆ اگر پیر کامل مکمل سے مرید کو تعلیمِ طریقت و خلافت کی اجازت مل بھی گئی۔ تب بھی مرید کو چاہئے کہ وہ یہ گمان نہ رکھے کہ وہ صاحبِ کمال کی منزل پر فائز ہوا ہے۔ اس لئے مشائخ خاندان نقشبند بعض اوقات کسی مقصد اور مصلحت کی بنا پر ناقص مرید کو (مقیّد اجازت) تعلیمِ طریقت دے دیتے ہیں۔ [1075]

☆ اگر مرید کو اپنے پیر و مرشد کامل سے خلافت کی اجازت مل جائے اور اس کے مریدین میں سے جذبات۔ تاثیر عجیبہ اور کرامات غریبہ کا ظہور ہو جائے تو اس کیلئے لازم ہے کہ وہ انہیں پیر کامل مکمل کے توجہ اور رابطے کے آثار محمول کرے اور ان عجائب و غرائب کی نسبت اپنے پیر و مرشد کامل و مکمل سے کرے اور کافی محتاط رہے ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ آثار اپنی ذات سے منسوب کرے اور غارت ہو جائے۔

☆ اپنے پیر و مرشد کامل و مکمل کے مخالفین اور غنیم سے دوستی اور محبت نہ رکھے کیونکہ ان کے ساتھ رفاقت اس کیلئے باعث محرومی بن سکتی ہے بلکہ ان کے ساتھ مخالفت اور دشمنی رکھے کیونکہ "الحب للہ و البغض للہ" ہر کام کیلئے رضائے الٰہی کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ [1076]

1075 (مکتوب امام ربانی مکتوب:۲۲۴: دفتر:۴: صفحہ:۲۱۱۲)

1076 (آداب المریدین: صفحہ:۱۱)

☆ کبھی بھی اپنے پیر و مرشد کامل مکمل سے بغیر اجازت کے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ میں جس کی بنیاد صحبت پر قائم ہے۔[1077]

☆ مرید کو اپنے پیر و مرشد کامل مکمل سے سوال اس وقت پوچھنا چاہئے جب وہ خوشی کی حالت میں ہوں اور باتیں کرنے والے ہوں۔[1078]

☆ مرید کیلئے اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کی موجودگی میں فرائض اور سنت نمازوں کے علاوہ نفلی نمازوں، اوراد و اذکار اور دیگر عملیات میں اس وقت تک مشغول نہ ہو جب تک اسے اپنے پیر و مرشد سے ظاہراً، باطناً، صراحتاً یا اشارۃً اجازت نہ ملے۔[1079]

☆ مرید کو اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ اپنے پیر و مرشد کے حضور میں ادھر ادھر نہ دیکھے، جس طرح ایک مقتدی کو نماز میں اپنے امام کی متابعت کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح کا حکم طریقت کیلئے بھی ہے۔ پیر مبارک کی متابعت اور اطاعت ضروری ہے کیونکہ اس متابعت اور اطاعت ہی سے معرفتِ الٰہی، فیوضات اور برکات کا فیضان حاصل ہوتا ہے۔ عدم اطاعت سے مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے اسی طرح عدم اطاعت سے مرید فیوضات اور معرفتِ الٰہی سے محروم رہ جاتا ہے۔

☆ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کے مصلہ یا جائے نماز پر کھڑے ہونے سے اجتناب کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔

1077 (حجۃالسالکین ص:۲۵، اصل تصوف مولوی اشرف علی تھانوی:ص ۱۳)

1078 (آداب المریدین:صفحہ:۵)

1079 (حجۃالسالکین:صفحہ:۲۳)

☆ سالک کو چاہیئے کہ وہ درج ذیل کتب کا مطالعہ کرتا رہے: ہدایۃ السالکین، تسہیل المقامات، حجۃ السالکین، آداب المریدین، مکتوبات امام ربانی، الحبل المتین، ارشاد الطالبین شرح تعرف در المعارف اور اثبات الاغراض، عقائد المسلمین۔ (فقیر سید احمد علی شاہ سیفی)

☆ مرید کو چاہیئے کہ پیر و مرشد کے حضور میں جانے سے پہلے مسواک کے استعمال کے ساتھ باوضو ہو جائے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر جائے۔[1080]

☆ مرید کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد مبارک کامل و مکمل کے اقوال کو غور سے سنے اور اپنی زندگی ان کے مطابق ڈھالے۔

☆ مرید کو چاہیئے کہ اپنے مرشد مبارک کامل و مکمل کے حضور میں کسی دوسرے کے قول کی مخالفت بیان نہ کرے کیونکہ یہ قابلِ مذمت امر ہے۔

☆ اگر کوئی تمہارے پیر و مرشد کی ہجو بیان کرے تو اپنی قوت بساط کے مطابق ان کا مناسب دفاع کریں ورنہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا ہی افضل ہے۔

☆ مرید کو چاہیئے کہ جب بھی حلقے کے قریب ہو جائے۔ حلقہ مریدین پر عموماً اور پیر و مرشد مبارک پر خصوصاً سلام بھیجے لیکن اگر وہ تقریر و تلقین یا ذکر میں مشغول ہوں تو سلام نہ کرے۔

☆ پیر و مرشد کے حضور میں ہنسنا یا کسی اور طرف متوجہ ہونا دیکھنا مرید کیلئے انتہائی قبیح امر ہے اور محرومی فیوضات کا باعث ہے۔

☆ کبھی کبھار مرید کو چاہیئے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کامل مکمل کو تحفے تحائف سے خوش رکھے۔

[1080] (اصول التصوف ص ۱۰)

☆ مرید کو اس امر کا معتقد رہنا چاہئے کہ اس کی کامیابی اسی مرشد سے حاصل ہو گی اگر اس نے ہٹ کر کسی دوسری جانب توجہ رکھی یاد رکھنا چاہیئے اس کا نتیجہ پیر و مرشد کے جملہ فیوضات اور برکات سے محرومی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

☆ ہر شرعی کام مرشد کامل مکمل ہی کی اجازت سے کرنا چاہیئے۔ اپنے پیر و مرشد سے کمالِ محبت رکھی جائے اور جو کچھ پیر فرمائے اسی وقت ہی انجام دے۔

☆ اپنے پیر و مرشد کو اپنی جان ومال، ماں باپ اور اولاد سے بھی عزیز جانے۔

☆ مرشد کامل و مکمل جن اذکار واوراد اور عملیات کرنے کی ہدایت کرے اسی پر عمل پیرا رہنا چاہیئے ان کے علاوہ تمام عملیات کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

☆ کسی ایسے مقام پر نہیں کھڑا ہونا چاہیئے جہاں پر سے تمہارا سایہ تمہارے پیر و مرشد پر پڑے اور نہ ہی ان کی اجازت کے بغیر ان کے آگے جائیں۔

☆ اپنے پیر و مرشد کے مصلّی پر پاؤں نہ رکھو یہاں تک کہ ان کے سایہ پر بھی پاؤں نہ رکھنا چاہیئے۔

☆ مرشد کے سامنے پاؤں پھیلانا طریقت میں بے ادبی کے مترادف ہے۔

☆ جس جگہ پیر و مرشد وضو کرے اس جگہ وضو بنانا احسن امر نہیں ہے۔

☆ مرشد کامل مکمل کے سامنے بغیر ان کی اجازت کے کھانا کھالینا بُری بات ہے۔

☆ مرشد کامل مکمل جو کچھ فرمائے یا کرے وہ تنقید سے مبرّا ہے کیونکہ وہ جو کچھ کریں گے الہام کے توسط سے کریں گے اور اگر مرشد کی کسی بات پر سمجھ کام نہ کرے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات کو ذہن میں دہرائے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ علومِ ظاہری کے اساتذہ کیلئے اس قسم کے دقیق اور باریک آداب نہیں ہیں تو بھلا علوم باطنی کے اساتذہ (پیر و مرشد) کیلئے کیسے ہیں؟ جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اپنی کتاب فیض شیخ ص ۲۱ تا ۲۴ میں تحریر فرمایا ہے کہ "ان آداب کا اہتمام ان بزرگوں اولیائے کرام اور علمائے دین رحمھم اللہ تعالیٰ نے زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک کیا ہے۔ جن کی علمیت اور ولایت پر پوری امت متفق ہے اور پوری امت مسلمہ کا اجماع ان کی فضیلت اور ولایت پر ہوا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے ان کے آداب میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔

۲۔ حضرت محبوب سبحانی امام ربّانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات شریف کے دفتر اول حصہ ۵ مکتوب نمبر ۲۹۲ ص ۱۱۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ آداب، ضروریات اور شرائط کے تین طریق ہیں۔ جس مرید نے مذکورہ آداب کی پابندی نہیں کی تو صحبت کا کوئی فائدہ اسے نہیں پہنچے گا۔

۳۔ یہ آداب اس لئے ضروری ہیں کہ طریقت یعنی بیعت کسی مرشد کامل مکمل کے ہاتھ پر سنت ہے جیسا کہ پہلے جواز بیان کیا گیا ہے لیکن جو علم بہ سبب بیعت اور طریقت حاصل ہوتا ہے انہیں علم باطن، علم سلوک، علم تصوف، علم احسان، علم لدنی، اور علم تزکیہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا علم جو مختلف ناموں سے موسوم ہے یہ فرضِ عین ہے۔ اس لئے کہ تفسیر معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب ص ۴۸۹، ص ۴۹۰ جلد ۱۴ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۳۲۴ پ ۱۱ سورہ توبہ آیۃ ۹ {وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً} کے تحت لکھا ہے کہ مندرجہ آیت میں امت اجابت کو یہ حکم ہے کہ مسلمان کے لئے یہ نہیں چاہیئے کہ وہ سب کے سب جہاد کیلئے چلے جائیں اور دیگر اسلامی ضروریات معطل ہو جائیں بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ ہر ایک بڑی جماعت سے ایک گروہ

جہاد پر چلا جائے اور دیگر لوگ دوسرے کام کاج کے لئے وطن ہی میں رہ جائیں اور کام کاج کے علاوہ علم کے حصول میں لگے رہیں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے، خواہ دین کا حصول دور کیوں نہ ہو جس کیلئے سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ جن آیات اور احادیث میں حصول علم کا ارشاد ہوا اس سے مراد صرف ظاہری علوم نہیں بلکہ یہ کافی سارے علوم پر مشتمل ہے اور ایک جامع نظام ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ ہر مسلمان جن وانس، نر ہو یا مادہ، یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ان علوم کو پورے طور پر حاصل کریں۔ اسی وجہ سے مذکورہ حدیث میں ہر مسلمان مرد اور عورت پر دینی علوم کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے۔ جس سے مراد علم کا صرف وہ حصہ ہے جس کے بغیر نہ انسان فرائض ادا کر سکتے ہیں اور نہ حرام چیزوں اور فسق و فجور سے اجتناب کر سکتے ہیں۔ اسی قدر علم کا حصول ایمان اور اسلام کی حفاظت کیلئے اہم اور ضروری ہے۔

مثال کے طور پر ہر مسلمان پر صحیح اسلامی عقائد جاننا فرض عین ہے۔ انہیں طہارت اور نجاست کے احکامات جاننا از حد ضروری ہے۔ نماز، روزہ، اور وہ تمام عبادات جو شریعت کی رو سے فرض اور واجب مقرر ہوئی ہیں، ان علوم کو حاصل کیا جائے جو اشیاء حرام یا مکروہ ہیں ان کا علم حاصل کریں۔ جن کے پاس بقدر نصاب زکوۃ مالیت ہو ان پر فرض ہے کہ مسائل زکوۃ معلوم کریں جو مسلمان تجارتی لین دین، خرید و فروخت، یا مزدوری کریں انہیں لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے متعلق احکامات سے واقفیت حاصل کرے اور جب نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کے متعلق اور ازدواجی زندگی کے متعلق مسائل سے واقفیت حاصل کریں جو کہ عین فرض ہے۔

غرض یہ کہ انسان کو اس دنیامیں جو کچھ کرنا ہے، شریعت نے اس کیلئے شرعی حدود مقرر کی ہیں جن سے واقفیت اشد ضروری ہے جو کہ فرضِ عین ہے، جس طرح شریعت میں جو کام فرض عین ہے اسی طرح ان کے مسائل جاننا بھی فرض عین ہے۔ اس لئے کہ ان احکامات سے واقفیت نہ حاصل کرنے سے انسان تاریکی میں رہتا ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ یہ احکامات سیکھے جائیں۔ بصورت دیگر، ایسا گناہ ہے جس طرح کہ اس نے فرض عین ترک کیاہو۔

ان کے علاوہ جو علوم ہیں ان کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کیلئے فرض کفایہ ہے جو ان کی استطاعت سے بالاتر ہے۔ اگر کسی شہر، قصبہ، گاؤں، محلّہ میں ان علوم کا عالم موجود ہو تو ان کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ ذمہ داری سے بچ جاتے ہیں اور اگر نہ ہو تو سب کا حق بندھا ہوا ہے۔ پھر انہیں ضروری ہے کہ کسی عالمِ دین کا اہتمام کرے اس لئے کہ نماز، حج، روزہ، زکوۃ بظاہر تو سب ہی لوگ جانتے ہیں لیکن ان کے احکامات اور مسائل ہر کوئی نہیں جانتا۔ جن کا جاننا فرض عین ہے۔

اسی طرح علم باطن جو علوم معارف مکاشفات اور ارادات کا مجموعہ ہے جو ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض عین ہے اسی علم کو علم تصوف کہتے ہیں۔ انسان کا باطن بہت سے امراض باطنی سے معمور ہے جن کی پیداوار نفس سے ہوتی ہے جیسے اخلاق رزیلہ، عجب، کبر، غرور، حسد، محبت دنیا، حب مراتب و اقتدار، شہوت، ریاء، خود نمائی، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، عبادات الٰہی اور اطاعت نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم میں سستی کرنا وغیرہ۔

اسی طرح باطن کے بھی بہت سارے امراض ہیں جن کا علاج بغیر علم باطن (تصوف) کے ناممکن ہے۔ جملہ مذکورہ امراض باطنی ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، عالم ہو یا ان پڑھ، ہر ایک میں موجود ہیں۔ یہ بڑے مہلک امراض ہیں اور ان کی وجہ سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کے

لائق بن جاتا ہے اور ان قبیح امراض کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ سے دشمنی کر بیٹھتا ہے اور انسان کا ہر عضو ان امراض کے سبب گناہوں میں ڈوب جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جاتا ہے۔ ان امراض کا ختم کرنا اور علاج کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔

پس نفس کی صفائی، دل کی صفائی یعنی ماسوائے اللہ کے دل سے تمام کدورتیں دور کرنا اور اللہ کی یاد میں دل کو مشغول رکھنا جو کہ طریقہ تصوف ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، کہ بغیر ذاتِ الٰہی کے کسی دوسری چیز پر مشغول نہ ہو جائے اور اپنے آپ کو دائمی طور پر ذاتِ اقدس کی توجہ اور حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے موصوف بنانا ہے اور اپنے آپ میں اخلاقِ حمیدہ شریفہ کریمانہ پیدا کرنا ہے اور وہ اخلاق حمیدہ یعنی (۱) توبہ جو اپنے گناہ پر پچھتانا ہوتا ہے، (۲) اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فیصلہ پر راضی ہونا ہوتا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شاکر رہنا ہوتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت (۴) صبر سے کام لینا ہوتا ہے اور ہر کام میں اللہ پر بھروسہ اور (۵) توکل ہوتا ہے۔ (۶) رجاء یعنی ہر وقت رحمتِ الٰہی کی امید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذابِ الٰہی کا (۷) خوف پیدا کرنا ہوتا ہے۔ (۸) زہد عبادت اور پرہیز گاری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ (۹) توحید اور اللہ تعالیٰ کی (۱۰) محبت، دیدار الٰہی کا (۱۱) شوق، (۱۲) انس نیت اور (۱۳) نیک ارادہ۔ ہر عبادت میں (۱۴) اخلاص، (۱۵) صدق، (۱۶) مراقبہ اور فکر ہوتا ہے۔

قرآن عظیم الشان اور احادیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے کہ اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کرنا فرض ہے اور یہی اخلاق حمیدہ جو مولا کریم کی طرف سے ودیعت فرمائے جاتے ہیں تو ان کے ملنے سے اخلاق رزیلہ مٹ جاتے ہیں۔

انسان میں یہ دونوں اخلاق نہیں سما سکتے۔ تفسیر مظہری اور معارف القرآن نے (وَغَیْرَ ذَالِکَ) کی تشریح میں اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصول اربعین میں ان تمام اخلاق کی تفصیل تحریر فرمائی ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے تعلیم الدین کے صفحہ ۸۵ تا صفحہ ۹۳ پر اور شریعت و طریقت کی صفحہ ۵۲ پر وضاحت کی ہے۔

مشائخ اور علمائے حقانی رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اعمالِ صالح کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم کا تعلق اعضائے جسمانی سے ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ اور دوسری کا تعلق قلب اور نفس سے ہے، دونوں قسموں کی نیکی پر عمل کرنا ضروری اور مامور بہ ہے اور نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔

جس طرح اعمال صالح کی دو اقسام ہیں اسی طرح اعمال سیئہ کی بھی دو اقسام ہیں جن میں ایک کا تعلق جسم سے ہے، مثلاً چوری، زنا، سود، جوابازی، شراب خوری وغیرہ اور دوسری قسم کا تعلق قلب اور نفس سے ہے جیسے عجب، حسد، حقد، حب دنیا، حب جاہ و رغبت شہوت، ریاء اور عبادات میں سستی اور اطاعت میں سستی۔ قرآنِ کریم اور احادیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے دونوں اقسام کے اعمال کی تشریح کی ہے جو حرام اور ناجائز ہیں جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان سے ناراض ہو جاتا ہے اور رحمت الٰہی سے دور ہو جاتا ہے اور ان اعمال کے ساتھ محبت الٰہی قرب الٰہی اور وصل الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔

پس یہ مسئلہ واضح ہوا کہ وہ گناہ جو اعضائے جسمانی کے ذریعے کئے جاتے ہیں جیسے چوری، زنا، جوابازی وغیرہ اس قسم کے بُرے اعمال سے انسان ظاہری علوم کے طفیل سے بچ سکتا ہے لیکن وہ گناہ

اور باطنی امراض جن کا تعلق قلب اور نفس سے ہوتا ہے، جیسے حسد، بخل، ریاء، عجب، کبر اور حب دنیا وغیرہ، اس قسم کے اعمال کے زائل ہونے کے لئے ظاہری علوم اور ان کے ماہرین مکتفی نہیں ہوسکتے اور ان امراض کے علاج نہیں جانتے بلکہ ان امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔

پس یہ لازم ہوا کہ ان امراض کو دور کرنے کے لئے کسی پیر و مرشد کامل مکمل سے مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ بیعت کرنی چاہیئے۔ آداب اور شرائط بیعت کے بغیر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ دین سراسر ادب ہے۔ ان برے امراض کی شفاء کے لئے علم باطن کے استاد کامل پیر و مرشد کامل مکمل جو ان امراض کا طبیب اور حکیم ہوتا ہے۔ ان کے بغیر ان امراض کا کوئی طریقۂ علاج نہیں جو انہیں دور کیا جاسکے۔ پس گناہ کی ان دو اقسام میں سے ایک جس کا تعلق اعضائے جسمانی سے ہے، اور دوسری جس کا تعلق دل اور نفس سے ہے، ان میں سے ہر ایک مرض ایسا مہلک مرض ہے جس کسی میں ان میں سے ایک بھی مرض ہو، خواہ عالم ہو، یا اُمّی، مرد ہو یا عورت، ان کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو سکتی ہیں۔

اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر کسی میں کبر و غرور ہو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کے لئے دل میں ذاتی عناد کی وجہ سے بغض اور حسد رکھے اور یہ تین دن سے متجاوز ہو جائے تو وہ جتنے بھی اعمال صالحہ کرے اللہ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی دوسرے مسلمان کے لئے ذاتی عناد کی وجہ سے تین دن سے زیادہ بغض اور حسد رکھے تو اس کی نیکیاں ایسی جلیں گی جیسے خشک لکڑی آگ سے جلتی ہے۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جو گناہ قلب اور نفس کے ذریعے صادر ہوتا ہے وہ ایسا عظیم گناہ ہے اور اتنا خطرناک ہے کہ اسکی وجہ سے ایک نیکی بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں قابل قبول نہ ہو گی۔

جب تک کسی انسان میں یہ امراض باطنی موجود ہوں گے۔ اس وقت تک اس کا کوئی نیک عمل اللہ کے حضور میں شرف قبولیت سے قاصر رہے گا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر مظہری کے صفحہ ۴۴۳ جلد اول سورۃ بقرہ پ ۳ میں اس پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ امراضِ جسمانی، جیسے چوری، زنا وغیرہ اور اخلاق رزیلہ کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں قابل مواخذہ اور لائقِ سزا ہے۔ ازروئے شریعت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بوجھ اور تکلیف نہیں ڈالتا جو بندے کی قوت اور برداشت سے بالاتر ہو۔

اگر انسان ان اخلاق رزیلہ کو اخلاق حمیدہ میں تبدیل کرنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرے اور نفس کے ساتھ مقابلہ اور جہاد کرے اور اپنے آپ کو ایسی تکلیف میں ڈالے جیسا بوجھ اللہ تعالیٰ انسان پر نہیں ڈالتا، پھر بھی وہ قربِ الٰہی اور حصول معرفت میں ناکام رہے گا، جب تک کہ اسے امراض باطنی کے حکیم اور طبیبِ حاذق، یعنی کسی شیخ کامل مکمل (جو طریقت کے رموز و اسرار کا ماہر ہو) کی رہنمائی حاصل نہ ہو اور جب تک وہ اپنے پیر و مرشدِ کامل کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف نہ کر دے اور ان کی محبت میں تن من دھن کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ اخلاق رزیلہ سے نجات کے لئے پیر و مرشد کامل مکمل کی صحبت میں بیٹھنا اور ان سے بیعت کرنا ضروری ہے اور طالبِ بیعت کے لئے نفس اور قلب کی صفائی فرض ہے خواہ طالبِ بیعت عالم ہو یا اُمی۔ پہلے تو اس کے امراضِ باطنی اللہ تعالیٰ کسی پیرِ کامل مکمل کے طفیل ووسیلے سے دور کرے گا اور اگر مکمل طور پر دور نہ بھی ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور روز قیامت اس

بندے کی جس نے جد و جہد اور کوشش کی ہو، مواخذہ و گرفتاری نہیں ہو گی، اور اللہ تعالیٰ اسے مغفرت سے نوازے گا اس لئے کہ بندے نے اپنی توفیق اور بساط کے مطابق کافی کوشش کی ہے۔

تا کہ ان کے اخلاق رزیلہ دور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بندے پر صرف اتنی ذمہ داری ڈالدی ہے جتنی اس میں قوتِ برداشت ہوتی ہے۔

اور اگر کسی نے اس قدر کوشش نہیں کی کہ وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے کسی پیر و مرشد کامل مکمل سے بیعت کرلے اور اس پر اپنی طاقت صرف کرلے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کی تو بہت جلد وہ اللہ کے حضور میں چیخیں مارے گا اور جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

پس ثابت ہوا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے بیعت لینا اور پیر و مرشد کامل کے ہاتھ چومنا اور ان کے دامنوں کو مضبوطی سے پکڑنا اور ان پر اپنے آداب کو نثار کرنا ایسا فرض ہے جیسے تلاوتِ قرآن اور اس کے احکامات سے واقفیت حاصل کرنا فرض ہے۔ حضور رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ میں نے آپ میں دو احکام اور نعمتیں چھوڑی ہیں، ایک کتاب الٰہی (قرآن) اور دوسری اپنی آل، پس کتاب سے مراد قرآن عظیم الشان ہے جس سے پند و نصیحت لینا فرض ہے اور اس پر قربِ الٰہی کا حصول ہے اور آل سے مراد مشائخ، اور پیران کامل مکمل ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے۔ ان سے نفس اور قلب کے تزکیئہ اور اخلاق حسنہ کی تہذیب کے لئے باطنی علوم کا حصول انتہائی ضروری ہے۔

تا کہ نفس اور قلب دونوں رضائے الٰہی کے تابع ہو جائیں اور قضائے الٰہی اور فیصلہ پر راضی ہو جائیں اور ہدایت الٰہی کے مطابق قلب اور نفس با عمل ہو۔ اسی سلسلے میں تفسیر معارف القرآن صفحہ

۳۴۲، ج۴ اور تفسیر مظہری صفحہ ۱۵۳ ج۴، سورۃ توبہ میں لکھا گیا ہے کہ کامل ایمان وہ ہے کہ کسی کی عادتیں اور اخلاق شریعتِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کے تابع ہو جائیں۔

ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف کی احادیث میں آیا ہے کہ کامل اور مکمل مؤمن کی محبت و دوستی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتی ہے اور بغض و دشمنی بھی خاص رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔ اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں انہیں ان کے ماں باپ اور دیگر لوگوں سے زیادہ عزیز اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اخلاق کی تین اقسام ہیں۔ جب یہ عادتیں انسان میں پیدا ہو جائیں تو ان خصلتوں اور عادتوں کی برکت سے وہ ایمان کی لذت چکھے گا۔ اول وہ لوگ جنہیں خدا اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم ہر کسی سے اور ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا وہ شخص جو کسی سے محبت رکھتا ہے اور وہ خاص رضائے الٰہی کے لئے رکھتا ہو۔ ان سے مراد ان لوگوں کی محبت ہے۔ جو نیک اور صالح ہوں، جن کی بدولت رضائے الٰہی حاصل ہو۔ تیسرا وہ جسے کفر آگ کی طرح اور کافر ہونا ایسا دکھائی جیسے کوئی اسے آگ میں ڈال رہا ہو۔ اس کے بعد اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے کفر سے بچایا ہے۔ ایسے موقع پر صاحبِ تفسیرِ مظہری نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مٹھاس کے ذائقے سے مراد ایمان ہے۔ ایسا ذائقہ اور لذت اور مٹھاس جیسی چیزوں کی لذت انسان کو پینے اور چکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ عین اسی طرح ایمان کی مٹھاس سے مراد کامل ایمان ہے۔

بہترین حال یہ ہے کہ انسان کو جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی محبت ہر چیز پر مقدم ہو اور وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے ورثاء کی صحبت رکھنے یعنی صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی جن کے نفوس اور قلوب مولائے کریم نے اپنی تجلیات کے ذریعے دھو رکھے ہیں، اور جنہیں قربِ الٰہی حاصل ہے۔ یہ لوگ وہی پیرانِ مبارک ہیں جن کے قلب اور نفوس تزکیۂ کامل سے مشرف ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے نفوس کے حکماء ہیں اور اس کے مکر و فریب اور خراب بیماریوں سے اور ان کے علاج سے بھی واقف ہیں، اور ان امراضِ رزیلہ کے علاج کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قسم کے بزرگانِ دین کی صحبت اور محبت نصیب فرمادے۔ آمین۔

پس ان آیات، قرآنی اور احادیثِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جو انسان خواہ وہ عالم ہو یا اُمی، مرد ہو یا عورت، اگر وہ بقدرِ ضرورت یہ علم نہیں حاصل کر سکا ہو، تو ان پر یہ علم فرضِ عین ہے۔ انہیں چاہیئے کہ مشائخِ عظام کی صحبت حاصل کرے، ان کی بیعت سے مشرف ہو اور تزکیہ باطن حاصل کرے۔

یہ مذکورہ آداب ہر قسم کے شیخ اور پیر کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس پیر مرشد کے لئے ہیں جو کامل اور مکمل ہو، اور ولایت پر فائز ہوا ہو اور جو ولایت پر فائز نہیں ہوا ہو اور اس میں شیخ کامل مکمل کی علامات موجود نہ ہوں تو یہ مذکورہ آداب ان کے لئے ہر گز نہیں ہیں۔ اے اللہ کے طالب یہ بات جان لو کہ شیخ یا پیر و مرشد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شیخ کامل مکمل ۲۔ شیخ ناقص ۳۔ شیخ مقلد

شیخ کامل: شیخ کامل مکمل وہ مبارک ہستی ہے جس میں یہ دس شرائط ضرور موجود ہو نگی:

اول اعظم شرط یہ ہے کہ اس کا ظاہر متابعتِ رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے مزین ہو گا اور اس کا باطن ماسوائے اللہ سے آزاد ہو گا۔ کمال علمِ ظاہر ولایت کے لئے شرط نہیں بلکہ شرطِ ارشاد ہے بقدر مفروض کے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

دوم شرط دوام ذکر (ہمیشہ ذکر) ہے اور شغل اللہ سبحانہ ہے اور اللہ سبحانہ سے صبر، توکل، قناعت، رضا اور تسلیم کے ساتھ امید رکھنا اور لوگوں سے اعراض اور ناامیدی باطن میں رکھنا اور نہ ظاہر میں۔ اس لئے کہ غفلت ظاہری حضور باطن میں اثر نہیں رکھتا اور ان کے ظاہر سے باطن کو دنیاوی کام سرایت نہیں کرتا جب ان کا باطن آگاہ ہو۔ اگر ان کا ظاہر غافل ہو جس طرح روغن بادام کو روغن کنجد (تیل) کے ساتھ ملایا جائے دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور جب یہ روغن الگ الگ ہوں تو پھر ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ ان میں فرق بھی ہے اور نام بھی الگ الگ لئے جاتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر معرفتِ الٰہی کی خوشبو حرام ہے جس کے باطن میں رائی کے دانے کے برابر دنیا کی محبت موجود ہو۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن سے کئی مرحلوں میں الگ واقع ہوتا ہے اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے اور لوگوں سے میل جول پیدا کر رکھا ہے اور مناسبت کے حصول کے لئے جو مشروط ہے افادہ اور استفادہ میں اور اگر وہ دنیا کے متعلق باتیں کرتا ہو اور اس کی مناسبت اسباب دنیوی سے ہو تو گنجائش رکھتی ہے۔

اور یہ کوئی مذموم بات نہیں ہے بلکہ اچھی بات ہے اس لئے حقوق العباد معطل نہ ہو جائیں اور استفادے اور افادے کا طریقہ بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن بہتر ہے اس کے ظاہر سے اور اس کا حکم جَو نُما گندم فروش کے مترادف ہے۔

اندروں شو آشنا واز بر و بیگانہ باش   این چنین زیبا روش کم تر بود اندر جہان

یعنی اپنے باطن سے آشنا ہو جاؤ اور ظاہر سے بیگانہ ہو جاؤ۔ ایسی راہ اختیار کرنے والے دنیا میں کم تر ہوتے ہیں۔

تیسری شرط شیخ کامل مکمل کی یہ ہے کہ سلسلہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس تک پہنچ چکا ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کو کسی پیر کامل مکمل کی اجازت اور سند ارشاد حاصل ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ فنائے نفس اور فنائے قلب کے مدارج حاصل ہوئے ہوں۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ علمِ سلوک میں ولایتِ کبریٰ تک مدارج طے کر چکا ہو اور اس وقت اسے ارشاد کرنے میں کامل مکمل مختار گردانا گیا ہو اور طریقت کے اعلیٰ مدارج ولایت علیا سے لا تعین تک کے مقامات سے اس پر فیض جاری وساری ہو۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ جو کوئی کسی پیر کامل مکمل کی صحبت میں بیٹھ جاتا ہے، تو اس پر رقتِ قلب طاری ہو، کہ اس کا طبعی میلان اور رجحان حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے بلکہ پیر کامل مکمل کی نظر سے بشرطِ عقیدت و مناسبت باطنی ماسِوی اللہ تعالیٰ کے باقی تمام اشیاء معدوم ہو جاتے ہیں۔

اور ملاقاتی کے دل میں محبتِ الٰہی ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیتی ہے اور اگر اس کا عقیدہ نہ ہو اور مناسبتِ باطن نہ رکھتا ہو تو بندہ فیوضات وبرکاتِ باطنی سے محض محرومِ مطلق ہی رہے گا۔

ہر کہ روی بہ بہبود نداشت   دیدن روی نبی سود نداشت

آٹھویں شرط یہ ہے: جان لو، کہا گیا ہے کہ شیخ کامل مکمل زندہ بھی کرا سکتا ہے اور یہ لازم ہے کہ شیخ یہ کام کرے۔ اس لئے کہ موت وحیات سے مراد جسمانی موت وحیات نہیں ہے بلکہ اس سے

مراد نفس کی موت و فنا ہے اور باطن کی بقا اور حیات ہے جبکہ ولایت کے یہی مقامات اور کمالاتِ باطن شیخ کامل مکمل کی توجہ ہی سے حاصل ہوسکتے ہیں، جس کے لئے شیخ مقتدیٰ اور کامل مکمل بہ اذنِ الٰہی ذمہ دار ہے۔ جسمانی فناء و بقاء کے ساتھ شیخ کا کوئی واسطہ نہیں۔

نویں شرط یہ ہے کہ شیخ جذب اور سلوک کی دولت سے مالامال ہوا ہوتا ہے اور فناء اور بقاء کی سعادت سے مستعد کیا ہوا ہوتا ہے اور بطریقہ کمال سیر الیٰ اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء کے مدارج تک پہنچا ہوا ہوتا ہے اور اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور اس کی تربیت ہوئی ہو تو اس کی مثال کبریت احمر کی ہے۔ اس کی باتیں دوا ہوتی ہیں اور اس کی نظریں شفاء ہوتی ہیں، ان کے لئے جن کے قلوب مر گئے ہوں اور یہ توجہ سے متعلق ہے، اور پریشان دلوں کو اس کے التفات سے تازگی ملتی ہے۔

دسویں شرط یہ ہے کہ شیخ کا اعتقاد اہل سنت وجماعت کے اعتقاد کے ساتھ راسخ ہو اور گمراہ اعتقادات سے اپنے آپ کو بچانے والا ہو۔ جیسے شیعہ، روافض، معتزلہ، وہابیہ، اور پنچ پیریہ وغیرہ اور ان کی بیان شدہ روایات پر بھی عمل نہ کرتا ہو۔

یہ جملہ بیان شدہ مسائل حجۃ السالکین صفحہ ۱۲۰ اور مکتوبات امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۶۱، صفحہ ۳۸ پر بیان کئے گئے ہیں۔

شیخ ناقص: شیخ ناقص وہ ہے جس نے سلوک اور جذبہ کے مراحل طے نہیں کئے ہوں اور اپنے پیر و مرشد کی مسند پر بیٹھا ہوا ہو۔ پس طریقت کے طالب کو اس قسم کے شیخ ناقص کی صحبت میں بیٹھنا زہر قاتل ہے اور اس کی تابعداری ایک ایسا مرض ہے جو طالبِ طریقت (کی عاقبت) کے لئے موت کا باعث ہے۔ اگر کسی طالب میں کافی استعداد ہو تو اس قسم کے پیر ناقص سے اس کو بہت بڑا نقصان

پہنچ سکتا ہے۔ باطنی قوت کو کم کر دیتا ہے، بلندی کے بجائے پستی کی طرف لے جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مریض ناقص طبیب کے پاس بغرض علاج چلا جائے تو گویا اس مریض نے اپنی بیماری کو بڑھانے میں کوشش کی ہے۔ ناقص طبیب کی دوا جتنی مقدار میں بھی کھائی جائے، فوری طور پر مرض میں افاقہ ہو جائے گا لیکن در حقیقت اس کا مرض بڑھتا جائے گا یا مخالف دوا دے دیں تو ایک بیماری کی جگہ دوسری بیماری جنم لے گی۔

بس یہی مثال ناقص پیر کی ہے۔ مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ناقص پیر سے ایسے بھاگو جس طرح چیتے سے اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ اس لئے کہ وہ باطنی امراض میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ استعداد کم کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہلاکت تک پہنچا دے۔

نور العقائد فی بیان عقائد اہلسنت والجماعۃ میں صفحہ ۳۵۰ پر حضرت ملا صالح محمد القاضی سابقا بقالات قندھار افغانستان لکھتے ہیں:

فصحبة الشيخ الناقص الذى لم يتم امره بالسلوک و الجذبة۔ سم قاتل و الانابة اليه مرض مهلک۔ يضيع استعداد المريد الرفيع۔ ويفسده مثل فساد البيضة۔ فلا يجوز اخذ الطريق الى اللّٰه تعالى من الناقص لمامر۔ و لا من المقلد بآبائه الكاملين المكملين غير سالک مسلكهم۔ وغير واصل مبلغهم۔ لان الارادة لاتصح الا بالتعليم والتعلم۔ وحصول درجة التكميل۔ و ليس فيه شيء من ذالک۔ و ايضا الشيخ الناقص مثل الزانى۔ و مريده ولد الزانى۔ و الشيخ الناقص مثل الصنم ۔ و مريده مثل عابد الصنم۔ و يفتضح هو و مريده على رؤس الاشهاد يوم القيامة۔ و الشيخ الناقص مثل الطبيب الجاهل۔ يعل الصحيح۔ و يقتل المريض۔ و الشيخ الناقص اشرار الاشرار۔ و افجر الافجار۔ و الشيخ الناقص مثل المنافق۔ ينطفىء نور فقره عندالموت۔ و احاطت به ظلمات المتراقمة۔ مثل ظلمات الليلة المظلمة المتغيمة المطيرة و ادركته اللعنة۔ و الغضب و الخزلان۔ كما ينطفىء نور كلمة المنافق عند

الموت۔ و احاطت به ظلمات الکفر۔ ووصل الی درک الاسفل من النار۔ و الشیخ الناقص مثل الدجال۔ ومثل الفرق الضالة۔ ومثل الرافضية و الوهابية۔ ویکون بینه وبین مریده مخاصمةو التبری یوم القیامة۔ کما بین التابع و المتبوع من الفریق الضالة الکفرة۔ و الی غیر ذالک من انواع العذاب و النکال۔ فینبغی للمرید ان یجتهد فی معرفة من یصلح شیخا۔ ویجوز الاقتداء به۔ لان ھلاک اکثر الطالبین۔ بل عموم الناس بالاقتداء بالائمة المضلین۔ و افتراق الامة الی ثلث وسبعین فرقة نشاء من الصوفیة الذین ما کانوا علی ما جاء به النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ وَسَلَّم۔ ھذہ الجملة منقولة من قطب الارشاد۔ وروح البیان۔ و المکتوبات۔ وفتوح الغیب۔ و الفتوحات۔ و الابریز۔ و جامع الکرامات۔ و لطائف المنن۔ وعھود۔ وبحر مورود۔ و انیس الوحید۔ و الفتاویٰ الحدیثية۔

ترجمہ: ”وہ شیخِ ناقص جس کا کام سلوک اور جذبہ سے تام نہ ہوا ہو اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے جو کہ بلند درجہ مرید کے استعداد کو بھی ضائع کر دینے والی ہے اور مرید کو اس طرح فاسد کرتا ہے جس طرح گندہ انڈہ۔ تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے میں ناقص سے استفادہ جائز نہیں ہے ما قبل بیان کی وجہ سے۔ اور نہ اس شخص سے استفادہ جائز ہے جو اپنے کاملین مکملین باپ دادا کا مقلّد ہو لیکن ان کے راستے پر جانے والا نہ ہو اور ان کے مقام تک پہنچنے والا نہ ہو، کیونکہ پیری مریدی تعلیم و تعلم (افادہ واستفادہ) کے بغیر صحیح نہیں اور کمال کے درجے تک پہنچنے کے بغیر بھی پیری مریدی صحیح نہیں اور ان (ناقص سجادہ گان) میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح ناقص پیر زناکار کی طرح ہے اور اسکا مرید ولدِ زنا کی طرح ہے اور ناقص پیر بت کی طرح ہے اور اس کا مرید بت پرست کی طرح ہے اور رسوا ہو گا، یہ ناقص اور اسکا مرید قیامت کے دن لوگوں کے سامنے شیخ ناقص جاہل طبیب کی طرح ہے جو تندرست کو بیمار کر دیتا ہے اور بیمار کو مار دیتا ہے۔ شیخ ناقص بد تر سے بد تر ہے اور فاجروں سے بڑا فاجر ہے۔ شیخ ناقص منافق کی طرح ہے جس کی فقر کی روشنی موت

کے وقت بجھ جائیگی اور اس پر تہہ در تہہ تاریکیاں چھا جائیں گی اس رات کی تاریکیوں کی طرح جو اندھیری ہوا اور بادل والی ہو اور بارش برسنے والی ہو۔ یہ (ناقص پیر) لعنت میں، قہر میں اور رسوائی میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس طرح منافق کے کاموں کی نورانیت موت کے وقت ختم ہو جائے گی اور اس کو ظلماتِ کفر گھیر لیں گی اور جہنم کے نیچے والے طبقے میں پہنچ جائے گا۔ شیخ ناقص دجال کی طرح ہے، گمراہ فرقوں کی طرح ہے، رافضیہ اور وہابیہ کی طرح ہے۔ شیخ ناقص اور اسکے مرید کے درمیان بروز محشر جھگڑا ہو گا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی، جس طرح گمراہ کافر فرقوں کے تابع اور متبوع کے درمیان جھگڑا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی اور اسکے علاوہ عذاب اور عبرت ہو گی۔"

شیخ مقلد: شیخ مقلد اس مرشد کو کہتے ہیں جب کوئی شیخ اس دنیا سے رحلت فرمادے اور وہ اپنی جگہ خلیفہ کامل مکمل مقرر نہ کرے اور اس کا کوئی وارث اپنے آپ کو خود اس کا خلیفہ بنائے اور ان کی گدی پر قبضہ کرے صرف اس لئے کہ اس کی عزت اور مرتبہ سمجھا جائے یعنی اس کا مطلب صرف دنیا کا حصول ہے۔ مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ مقلد کی صحبت سے ایسا بھاگو جیسے چیتے سے بھاگا جاتا ہے۔

تصورِ شیخ

شیخ، یا شیخ الشیخ یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صورت مبارکہ کو اپنے خیال میں جمانا اس کو رابطہ یا تصورِ شیخ کہتے ہیں۔

تصورِ شیخ کو صوفیاء بالخصوص بزرگان نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہاں تک کہ بعضوں کے نزدیک اسی پر ارادت و سلوک کا دارومدار ہے اور مرید کی نفع رسانی میں یہ صحبتِ شیخ کے مثل نفع بخش ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ نے اپنے رسالہ سرشتہ

دولت میں فرمایا کہ اگر وہ عزیز (شیخ) غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال میں لے کر تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو اور جو خطرہ آئے اس کو دور کرے یہاں تک کہ غیبت و بے خودی ظاہر ہو جائے اور ایسا بار بار کرنے سے اس کا ملکہ (مہارت) پیدا ہو جاتا ہے اور (خدا تک رسائی کے لئے) اس سے زیادہ نزدیک کا کوئی راستہ نہیں ہے۔[1081]

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدہا جگہ مکتوبات میں اس کی اہمیت و منفعت کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی تحصیل پر تاکید جمیل اور اس کے حصول پر تبشیر جلیل فرمائی ہے۔ ذیل میں چند حوالے تحریر کئے جاتے ہیں جو طالبِ حق کے لئے ان شاءاللہ تعالیٰ ہادی سبیل ہو نگے۔

مکتوبات جلد سوئم مکتوب ۱۸۷ میں تحریر فرمایا کہ "بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہو جانا یہ پیر و مرید کے درمیان کامل مناسبت کی نشانی ہے جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ و سبب ہے اور رسائی کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں ہے جو بڑا ہی دولت مند (طریقت) ہو اسی کو اس سعادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔"

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فقرات میں ارشاد فرمایا کہ (پیر کا سایہ ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر ہے) مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۹۰ میں ارقام فرمایا کہ "اگر ذکر کے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو جائے تو اس کو بھی قلب کے اندر لے جانا چاہیئے اور دل میں محفوظ رکھ کر ذکر کرنا چاہیئے۔ کیا تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ تو جناب باری جل شانہ تک پہنچنے کا راستہ اس سے حاصل کرتا ہے اور اس راہ میں تو اس کی امداد و اعانت پاتا ہے۔"

1081 (معمولاتِ مظہریہ)

مکتوبات جلد ششم مکتوب ۳۰ دفتر دوم مطبوعہ امر تسر میں ہے:"خواجہ محمد اشرف نے تصور شیخ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غلبہ پا گئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود دیکھتا ہوں اور اگر بالفرض اس کو دفع کرتا ہوں تو دفع نہیں ہوتا ہے۔ میرے دوست یہ دولت تو وہ ہے کہ طالبین اس کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے کسی ایک کو شاید ہی عطا کی جاتی ہے جس کو یہ معاملہ پیش آئے وہ کامل مناسبت والا صاحب استعداد ہے ممکن ہے کہ شیخ مقتدا کے تمام کمالات کو حاصل کرلے گا اور رابطہ (تصور شیخ) کو دفع کیوں کرتے ہو؟ وہ تو **مسجود الیہ** (جس سمت کو سجدہ کیا جائے) ہے۔ وہ **مسجود لہ** (جس کو سجدہ کیا جائے) نہیں ہے۔ اس قسم کی دولت سعادت مندوں کا حصہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام حالتوں میں صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتا ہے اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے القول الجمیل میں ارشاد فرمایا ہے:

اذاغاب الشيخ عنه يجعل صورته بين عينيه بوصف المحبة و التعظيم فتفيد صورته ما تفيد صحبته۔

"جب پیر موجود نہ ہو تو اسکی صورت کا اپنی آنکھوں کے درمیان محبت و تعظیم کے ساتھ خیال جمائے تو اس کی صورت سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے۔"

بزرگوں نے فرمایا کہ مرید ہر وقت اور ہر جگہ پیر کا حاجت مند رہے گا اور ہر جگہ پیر کی تصویر وشکل کا تصور اور فکر ضرور کرے گا۔ چاہے وظیفہ (ورد) کا وقت ہو یا نہ ہو لیکن پیر کا تصور کرے گا اور اس کا جسم ووجود اگر تصور کی نظر میں بھی دیکھے تو پھر بھی نہایت مؤدب اور باحیا رہے گا گویا کہ عین اس کے حضور میں ہے۔ یہاں تک کہ جب پیر کا تصور ہمیشہ رہے گا تو یہ رب العزت کے حق کا نور اس پیر کے باطن کے حقیقی آئینہ سے اپنے باطنی آئینہ پر دیکھ لے گا اور جب یہ مرید پیر کی طرف متوجہ ہو

گا تو پیر کے حقیقی آئینے سے اللہ رب العزت کے نور کا عکس مرید کے باطن پر اس طرح پڑے گا جس طرح سورج ایک شیشے سے دوسرے میں نظر آتا ہے تو جب کوئی سورج دیکھنے کی خواہش کرے تو اس دوسرے شیشے میں بھی دیکھ سکتا ہے تو جب آپ کو اپنے شیخ کے تصور سے وہ حقیقی نور آپ کے آئینہ میں سامنے نظر آئے یعنی اللہ رب العزت کا نور حق تو پھر آپ کا آئینہ حقیقی بھی دوسرے مؤمن کیلئے معرفت خداوندی کا آئینہ بن جائے گا۔

پیارے! اسی لئے تو پیر کی محبت، توجہ، اطاعت تمہارے لئے عین اللہ تعالیٰ کی محبت، اطاعت، توجہ قرار دی گئی ہے اور پیر کی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا۔ پیر کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پیر کی بات کو اللہ تعالیٰ کی بات کہا گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو مؤمن کامل کے دل میں دیکھو“

پیارے دوستو! شیخ یعنی اپنے پیر کے تصور کو انتہائی ادب و عاجزی کے ساتھ اپنے آپ پر ہر جگہ ہر وقت اور ہر حال میں لازم کرو اور اپنے ظاہر وباطن پر اپنے پیر کا تصور اس طرح کرو کہ اپنا باطن و ظاہر تمہاری فکر سے ختم ہو جائے اور اپنے ظاہر وباطن کی جگہ تمہیں اپنے پیر کا تصور نظر آئے اور اس حقیقی نورانی آئینے میں تم اللہ رب العزت کا نور دیکھ سکو۔ (وماتوفیقی الا باللہ)۔

یار رفت از چشم لیکن روز وشب در خاطر است
گر بصورت غائب است اما بمعنی حاضر است

سالکِ طریقت کو چاہئے کہ اپنے مرشد کامل متّبع قرآن و سنت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی بسر کرے اور ہمیشہ حضورِ حق تعالیٰ کا طالب رہے اور قربِ خداوندی کے حصول اور مقامِ مشاہدہ پر فائز ہونے کے لئے پیرِ طریقت کی صحبت اور محبت کو ضروری سمجھے۔ سالک کو جس قدر

اپنے پیر سے زیادہ محبت ہو گی اسی قدر اسے قربِ خداوندی زیادہ نصیب ہو گا۔ **اولیاء اللہ اذا رؤ و ذکر اللہ الحدیث** (اولیاء اللہ وہ ہیں جن کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے) اس پر قوی دلیل ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اولیاء اللہ کے تمام افعال و اعمال اور اقوال، احکامِ الٰہی کے عین مطابق ہوتے ہیں جس کی بدولت ان کو قرب و معیتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو ان سے محبت رکھے گا اور ان کے اخلاق و اطور کو اپنائے گا وہ بھی ان کی طرح قرب الٰہی کے مراتب پر فائز ہو گا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بقدرِ محبت ہی کسی کے طریقہ کو اپنایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے سالک کے لئے مرشدِ کامل کی محبت کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر شیخ موجود ہو تو اس کے دونوں ابرو کے درمیان نظر رکھے، دوسری طرف توجہ نہ کرے اور اگر غائب ہو تو اس کی صورت کو پیش نظر تصور کرے۔ ایسا تصور پختہ ہونے کے بعد ہر معاملہ میں سالک اس طریقہ کو اختیار کرے گا جو پیر کے مذاق و مزاج کے موافق ہو گا۔

بقول حضرت شیخ عبد الرحیم، والد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہما اول تجلی ذات و صفات پیدا کرو تا کہ دونوں جہاں میں نجات پاؤ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ان شخصوں سے رابطہ پیدا کرو جو شہودِ ذات سے واصل ہو کر ماسوائے حق سے نجات پا گئے ہیں۔ ایسے شخصوں کی توجہ سے جلدی مقصود حاصل ہوتا ہے جو سالہا سال مجاہدوں اور ریاضتوں سے نہیں ہوتا۔[1082]

الغرض وصول و قربِ الٰہی کے حصول کے لئے ذریعہ و وسیلہ ہونے، نیز نفسانی و شیطانی وساوس و خطرات سے نجات اور اخلاقِ حمیدہ کے حاصل کرنے کے لئے صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا رابطہ و تصورِ شیخ کا معمول، مفید و مجرب روحانی نسخہ ہے اور اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی گو

[1082] (هداية الانسان ص ۲۷ بحواله ارشاد رحيميه)

مشہور محدثین، مفسرین اور مستند علماء ربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول و عمل سے نہ فقط یہ کہ رابطہ و تصورِ شیخ کے عمل کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس کی اہمیت وضرورت مفہوم ہوتی ہے۔

اصول و فروع، فنون و علومِ ظاہرہ کے ماہر اور امورِ باطن کے عارف حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ "سر رشتہ دولت" میں تفصیل و تشریح کے ساتھ رابطہ شیخ کے فوائد اور ضرورت پر بحث فرمائی ہے۔ فرمایا:

سِوم طریق ذکر رابطہ است با پیرے کہ بہ مشاہدہ رسیدہ باشد و بہ تجلیات ذاتیہ متحقق گشتہ و دیدار وے۔ بمقتضائے **هم الذين اذا رؤو ذكر الله** فائدہ ذکر دہد و صحبت وے، بمقتضائے **هم جلساء الله** نتیجہ صحبت مذکور دہد پس چوں دولت دیدار و صحبت چنیں عزیزے دست دہد و اثر آنرا در خود یابد چنداں کہ تواند آں اثر را باخود نگاہ دارد، و اگر دراں معنے فتورے واقع شود باز بہ صحبت آں عزیز مراجعت نماید تا بہ برکت صحبت شریف آں معنے پر تو انداز و و ہم چنیں مرۃ بعد اخریٰ تا آں زمان کہ آں کیفیت ملکہ وے گردد و اگر چنانچہ آں عزیز غائب باشد صورت وے را در خیال گرفتہ بجمیع قویٰ ظاہری و باطنی متوجہ قلب صنوبری گردد، و ہر خواطرے کہ در آید نفی کند تا آں کیفیت غیبت بے خودی روئے نماید، و بتکرار ایں معاملہ ملکہ گردد و ہیچ طریق از ایں اقرب نیست۔ بسیار باشد کہ چوں مرید را قابلیت آں باشد کہ پیر در و تصرف کند در اول صحبت وے را بر مرتبہ مشاہدہ رساند و چوں کہ وجودِ عزیز ایں چنیں عزیزے در ایں روزگار اعز من الکبریت الاحمر است می باید کہ یکے ازاں دو

طریق کہ پیشتر مذکور شد یعنی طریق مراقبہ و طریق نفی و اثبات اشغال دارد۔[1083]

"تیسرا طریقہ ذکر رابطہ ہے ایسے پیر و مرشد کے ساتھ رابطہ جو مقامِ مشاہدہ (خداوندی) تک پہنچا ہوا ہو اور اسے ذاتی تجلیات حاصل ہوں اس کا دیکھنا حدیث (اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے) کے مطابق ذکرِ الٰہی کا فائدہ دیتا ہے اور اس کی صحبت حدیث (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں) کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے پر منتج ہوتی ہے لہٰذا جب ایسے پیارے کی صحبت وزیارت کی دولت ہاتھ آجائے اور مرید صحبت کا اثر بھی اپنے اندر پائے تو چاہیئے کہ جس قدر ہوسکے اثر کو اپنے وجود میں باقی رکھے اور اگر (کسی وجہ سے) اس نعمت میں فرق محسوس کرے تو چاہیئے کہ پھر سے ان کی صحبت میں چلا جائے تاکہ ان کی صحبت کی برکت سے وہ حالت پھر سے لوٹ آئے اور بار بار ایسا کرتا رہے یہاں تک کہ یہ حالت اس کا ملکہ بن جائے (بلا تکلف حاصل رہے)۔ اگر ایسا پیارا غائب ہو تو اس کی صورت کا خیال کرکے ظاہری اور باطنی قوتوں سے قلب صنوبری (دل) کی طرف متوجہ ہو جائے اور جو خطرہ دل پر گزرے اس کو ہٹاتا رہے یہاں تک کہ غیر اختیاری غیبت کی وہ کیفیت حاصل ہو جائے اور اس کے بار بار دہرانے سے یہ معاملہ ملکہ بن جائے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ قربِ الٰہی کے طریقوں میں اس سے بڑھ کر کوئی بھی طریقہ قریب نہیں ہے۔ بارہا یہ بھی ہوا ہے کہ مرید میں تصرف قبول کرنے کی صلاحیت دیکھ کر شیخِ کامل نے پہلی ہی صحبت میں اس کو مقام مشاہدہ تک پہنچا دیا لیکن چونکہ ایسے پیاروں کا پایا جانا آج کے زمانہ میں کبریتِ احمر (سرخ گندھک) سے بھی

[1083] (ص ۴۸، ۴۷ رسالہ فنافی الشیخ بحوالہ معمولات حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ)

زیادہ نایاب ہے، لہٰذا چاہیئے کہ مذکورہ دو طریقوں یعنی طریقہ مراقبہ اور نفی اثبات میں سے ایک کا شغل اختیار کرے)۔

گر نقش کنی بلوح دل صورت او　　　　زان نقش بہ نقشبند یابی راہے

سرِ غم عشق دردمنداں دانند　　　　نے خود منشاں و خود پسنداں دانند

از نقش تواں بہ سوئے بے نقش شدن

وایں نقشِ غریب نقشبنداں دانند

ترجمہ: ”اگر اس کی (پیر کی) صورت اپنے دل پر نقش کرے گا تو اس نقش سے نقش بنانے والے (اللہ تعالیٰ) کی راہ پائے گا۔ عشق کے غم کا راز دردمند ہی جانتے ہیں خود غرض اور خود پسند نہیں جانتے۔ نقش سے بے نقش کی طرف پہنچا جا سکتا ہے اور یہ عجیب نقش نقشبندی طریقے والے ہی جانتے ہیں۔“

رابطہ شیخ عروۃ الوثقیٰ حضرت محمد معصوم قدس سرہ کی نظر میں

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے نام رابطہ، اتباعِ سنت اور صحبتِ شیخ کے بارے میں ایک مفصل مکتوب تحریر فرمایا جس کے ابتدائیہ کلمات یہ ہیں:

”بسم اللہ حامداً للہ العظیم و مصلیاً علی رسولہ الکریم۔ سیادت و نقابت پناہا در طریقہ ءما مدار وصول درجہ کمال مربوط برابطہ محبت است بشیخ مقتدیٰ طالب صادق ازراہ محبتے کہ بشیخ دارد اخذ فیوض و برکات از باطن اومی نماید و بمناسبت معنویہ ساعۃً فساعۃً برنگ اومی برآید گفتہ اند فنا فی الشیخ مقدمۂ فنائے حقیقی است ذکر تنہا بے رابطہ مسطورہ و بے فنافی الشیخ موصل نیست ذکر

ہر چند از اسباب وصول است لیکن غالباً مشروط برابطہ محبت و فنا در شیخ است آرے ایں رابطہ تنہا بارعایت آداب صحبت و توجہ والتفات شیخ بے التزام طریق ذکر موصول است۔ [1084]

ترجمہ: (خطبہ کے بعد) محترم بزرگو پیشواؤ ہمارے طریقہ میں کمال درجہ پر فائز ہونا شیخ مقتدیٰ سے رابطہ محبت قائم کرنے سے وابستہ ہے۔ مرید صادق مرشد کامل سے محبت کی بدولت فیوض و برکات ان (مرشد) کے باطن سے اخذ کرتا ہے۔ باطنی مناسبت کے ذریعے لمحہ بہ لمحہ اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اس لئے تو بعض صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فنافی الشیخ حقیقی فنا کے لئے پیش خیمہ ہے۔ مطلوب کے رابطہ اور فنافی الشیخ کے بغیر محض ذکر منزل رساں نہیں ہے گو ذکر کتنا ہی اسباب وصولی میں سے اہم ہے لیکن اکثر و بیشتر رابطہ محبت اور فنافی الشیخ اس کے لئے شرط کے طور پر ضروری ثابت ہوئے ہیں۔ البتہ طریق ذکر کی پابندی کے بغیر بھی محض رابطہ جبکہ آدابِ صحبت اور توجہ والتفات شیخ سے وابستہ ہو مطلوب تک پہنچا سکتا ہے۔ (یہ اس لئے کہ ربط کے بعد تدریجاً تدریجاً ذکر کی پابندی بھی نصیب ہو جاتی ہے)۔

مکتوب نمبر ۵۰ میں بھی اسی موضوع پر کافی عمدہ تحقیق فرمائی ہے:

رابطہ میں فتور، اعمال میں تکاسل پیدا کرتا ہے

سیدنا امام ربانی قدس سرہ نے خواجہ محمد اشرف صاحب کے نام تحریر فرمایا:

"پرسیدہ بودند کہ لم ایں چیست کہ چوں در نسبتِ رابطہ فتور میرود، در اتیانِ سائر طاعات التذاذ نمی یابد، بدانند کہ ہماں وجہے کہ سبب فتور رابطہ

[1084] (مکتوب ۷۸، دفتر اول ص ۱۹۶)

گشتہ است مانع التذاذ اواست گاہ ہست کہ سبب فتور قبض بود و گاہ کدورتے طاری می گردد، بواسطۂ ارتکاب زلات اگرچہ اندک بود، وجہ اول مذموم نیست بلکہ از لوازم سلوک طریقہ است و عروض وجہ دوم راتدارک بتوبہ واستغفار باید نمود تا بکرم اللہ سبحانہ اثرِ آن مرتفع گردد، وچوں تمیز میانِ قبض وکدورت دقت می طلبد بہر حال توبہ واستغفار نافع است حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ باستقامت دارد والسلام۔"[1085]

جناب نے دریافت کیا تھا کہ جب رابطہ میں خلل واقع ہو جاتا ہے تو تمام عبادات میں پہلی سی لذت نہیں رہتی اس کی وجہ کیا ہے؟ جان لو کہ جو چیز نسبت رابطہ میں فتور کا باعث بنی ہے وہی چیز لذت عبادت سے مانع ہے۔ بعض اوقات قبض (طریقت میں فکر مندی کی سی کیفیت پیدا ہو جانے کو قبض اور اس کے ختم ہونے کو بسط سے تعبیر کرتے ہیں) کی وجہ سے اس قسم کا خلل واقع ہوتا ہے اور کبھی خطاؤں کے ارتکاب کی وجہ سے میل کچیل پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ معمولی ہو پھر بھی رابطہ میں کمزوری اور عبادات میں دل نہ لگنے کا باعث بنتا ہے۔

پہلی قسم (قبض والی) بری نہیں بلکہ سلوک طریقت کے لوازمات میں سے ہے اور اگر دوسری صورت لاحق ہو جائے تو توبہ واستغفار سے اس کا تدارک کرنا چاہیئے تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا اثر زائل ہو جائے۔

لیکن چونکہ قبض و کدورت کے درمیان فرق کرنا بہت مشکل ہے اس لئے ہر حال میں توبہ و استغفار مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ والسلام۔

[1085] (ص ۸۸،۸۷ مکتوب ۱۰۷ دفتر سوم حصہ نہم)

بحوالہ "راہ حقیقت" مؤلفہ حضرت علامہ شیخ المشائخ مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ گزشتہ اوراق میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی معمول بال برابر بھی شریعت کے خلاف نہیں لہٰذا ان بزرگوں کا تصورِ شیخ کے عمل پر اس اہتمام کے ساتھ عامل ہونا بھی ہرگز ہرگز خلافِ شریعت نہیں ہو سکتا۔

بحمدہ تعالیٰ دلائل عقلیہ و نقلیہ نیز اقوال علماء وائمہ اس مسئلے میں اتنے کافی موجود ہیں کہ اگر ان کو نقل کر دیا جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے گا لیکن ہم صرف چند دلیلیں ذکر کرتے ہیں۔

واللہ الھادی الی الرشاد۔

تصورِ شیخ قرآن کریم، عملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وصالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے

خداوند قدوس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد فرمایا **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا**[1086] **لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ (یوسف ۲۴)** یعنی "اس (زلیخا) نے ان (یوسف علیہ السلام) کے ساتھ ارادہ کر لیا اور وہ (یوسف علیہ السلام) بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے ربّ کی برہان کو نہ دیکھ لیتے۔ "جب زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں دروازہ بند کر کے اپنے مقصد کی طالب ہوئی، اور قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس طرف مائل ہو جائیں مگر ناگہاں عصمتِ نبوت ظاہر ہو گئی اور ان کو برہانِ رب کا دیدار ہو گیا جس کے سبب وہ اس ارادے سے معصوم و محفوظ رہے۔[1087]

اب رہا یہ سوال کہ وہ برہانِ رب کیا چیز تھی جس نے ایسے آڑے وقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دستگیری کی۔ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے فرمایا:

[1086] وھم بھا والباء بمعنی مِن ای ھمّ الفرار منھا وھمّ النجاۃ منھا وھمّ الخلاص منھا۔ (البرھان ص ۲۲۹)

[1087] (عامہ تفاسیر)

مثل له یعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی جس نے آپ علیہ السلام کے سینے پر ایک ضرب لگائی تو ان کی شہوت انگلیوں کے پوروں سے نکل گئی۔[1088]

حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کا حضرت یوسف علیہ السلام کے روبرو موجود ہو کر ان کی دستگیری کرنا ہی رابطہ یا تصورِ شیخ ہے۔ آیت اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نسبتِ رابطہ کا ثبوت اور اس کا نافع ہونا دونوں باتیں روز روشن کی طرح ثابت ہو گئیں اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتوں اور سنتوں کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ: فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ (الانعام ۹۰) یعنی اے محمد صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم آپ اگلے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کی پیروی کیجئے۔ اسی لئے اسلام کا یہ اصول ہے کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی ہر وہ سنت جو شریعت محمدیہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم میں منسوخ نہ ہو وہ شریعت محمدیہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کی طرح اس امت کے لئے قابل عمل ہے۔ اب اس قاعدے کی روشنی میں تصورِ شیخ جس کا سنتِ یوسف علیہ السلام ہونا اس آیت سے معلوم ہوا۔ جب کہ اس کے منسوخ ہونے پر کسی آیت یا حدیث کی شہادت موجود نہیں ہے تو یہ تمام سنن نبویہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّم کے مثل یقیناً امت کے لئے قابل عمل ہو گا۔ خصوصاً جبکہ احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو۔ پھر تو اس کا قابل عمل ہونا نور علیٰ نور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد ۲۴) ترجمہ: تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں)۔

1088 (تفسیر صاوی)

طریقِ استدلال: اس آیت کریمہ میں مطلقاً قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کا حکم ہے۔ تلاوت حالتِ نماز میں ہو یا بیرون نماز، بہر صورت تلاوت کرنے والا جب قرآنی آیات کے معانی و مطالب میں غور و خوض کرے گا تو لازمی طور پر اس کے ذہن میں ان افراد و اشیاء کا تصور بھی آئے گا جن کا ذکر ان آیات میں ہو گا۔ مثلاً جب آیہ مبارکہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحة۷)(راستہ ان لوگوں کا جن پر تونے انعام فرمایا) کی تلاوت کرے گا تو ضرور یہ سوچے گا کہ وہ کون افراد ہیں جو علی وجه الاتم و لا کمل اللہ تعالیٰ سے انعامات یافتہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ایک مومن کے دل میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور دیگر اولیاء اللہ کی فہرست سامنے آجائے گی۔ بالخصوص اپنے شیخ کامل متبع قرآن و سنت کا تصور تو ضرور سامنے آئے گا۔ جس پر انوار و تجلیاتِ الٰہی کے انعامات دیکھ چکا ہے اور اس سے فیض یاب بھی ہو چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ ہی کی آیت غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ۷) تلاوت کرتے وقت قاری کا ذہن یہود و نصاریٰ کی طرف بھی منتقل ہو گا جن کا اس میں ذکر ہے۔ ایک دوبار نہیں، نماز فرض، واجب، خواہ سنت و نفل کی ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور فکر نہ کرنا دلوں پر تالے لگنے کی علامت ہے۔

لہٰذا اس قسم کے غور و فکر اور تصور کو خلاف شرع، شرک و بدعت اور بت پرستی کہنا تصوف سے ہی نہیں بلکہ قرآن و سنت سے جہالت و بے خبری یا عناد کی علامت ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف ۱۷۹)

ترجمہ: ”ان کے دل ایسے ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ زیادہ بے راہ ہیں، یہ غافل ہی ہیں۔“

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں غور کرنے سے انسان ہی نہیں عام حیوانات بلکہ جمادات تک کا تصور لازم آتا ہے اوروہ جائز ہے مثلاً أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشیة۱۷) وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (النحل۸) إِنَّ اللّٰہ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرة۲۶) میں غور کرنے سے اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے، مچھر، مکھی، مچھلی وغیرہ کا تصور لازم آئے گا خواہ ان کا ذکر اظہارِ قدرت کے طور پر ہو یا انعامات الٰہی یا صفات غضب و قہر کی بنا پر ہو۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (النحل۸) اور فَمَا فَوْقَهَا (البقرة۲۶) سے تو غیر معلوم اشیاء کا تصور تک ثابت ہوتا ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام ۷۹)

طریقِ استدلال: آیات سابقہ کی طرح جب تلاوت کرنے والا تلاوت کے ساتھ اس آیت مبارکہ میں غور و فکر بھی کرے گا تو بقول حضرت مقیم الدین دامانی علیہ الرحمۃ تصور روئے ذات خود و خیال آسمان و زمین دریں آیت امر لازمی است بوجودیکہ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یوسف۱۰۸) ہم موجود است، ازیں معلوم شد کہ صرف تصور و خیال غیر اللہ شرک نیست تاوقتیکہ غیر را بخداوند جل و علی شریک فی الذات یا فی الصفات یا فی العبادات اعتقاد نہ کند۔[1089]

اس آیت میں اپنے چہرہ اور جسم کا تصور نیز زمین و آسمان کا خیال لازمی امر ہے باوجودیکہ کلمہ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یوسف۱۰۸) (کہ میں مشرکین میں سے نہیں) بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف تصور و خیال غیر اللہ کا شرک نہیں تاوقتیکہ آدمی غیر اللہ کو ذات، صفات یا عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک اعتقاد نہ کرے۔ (العیاذ باللہ)

[1089] (رسالہ فنا فی الشیخ ص ۴۰، ۳۹)

صحابی رضی اللہ عنہ کا رابطۂ رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

صحابیٔ رسول حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مخلصین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مرشد و مربی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم سے وارفتگی کی حد تک محبت تھی۔ ہر وقت رابطۂ قلبی سے موصوف رہتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا، ہمیشہ فکر مند نظر آتے تھے۔ ایک بار شیخِ کامل نبی برحق صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم نے ان سے اس کیفیت کی وجہ دریافت فرمائی، جواباً عرض کی یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی ذات مجھے جسم و جان اور جہاں سے زیادہ عزیز ہے جب کبھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی مجلس کے بعد گھر جاتا ہوں اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی محبت جوش مارتی ہے تو فوراً آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے درِ دولت پر حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوتا ہوں لیکن مجھے فکر یہ ہے کہ کل آخرت میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم جنت کے ارفع و اعلیٰ مقام پر ہوں گے۔ میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے ساتھ ہو نہیں سکتا۔ وہاں اگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی محبت کا غلبہ ہو گیا تو کیسے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کے دیدار مبارک سے قلب کو تسکین فراہم کرونگا بس اسی فکرِ فردا نے مجھے پتلا دُبلا بنادیا ہے۔ صحابی رسول رضی اللہ عنہ کا رابطۂ رسول صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم، اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اسی موضوع پر ایک مستقل آیت نازل فرما کر ان کے لئے اور ان کے صدقہ دوسرے محبین صادقین کے لئے آخرت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی معیت ورفاقت کا وعدہ فرمایا، رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے اس وقت ان کو بشارت سنادی کہ مخلص

فرمانبردار اور محبت کے متوالوں کو جنت میں بھی درجات میں تفاوت کے باوجود انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کا قرب حاصل ہو گا۔ وہ آیت درج ذیل ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا (النساء ۶۹)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے بندوں کے ساتھ رہو۔"

اس آیت مبارکہ میں صادقین (سچے بندوں) کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور اس کے لئے کسی مخصوص عرصہ وزمان کا ذکر بھی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے معیت (ساتھ رہنا) دائمی مراد ہے، اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ جسمانی طور پر آدمی ہر لمحہ کسی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس صورت میں قلبی رابطہ اور باطنی معیت ہی کے ذریعہ صادقین کے ساتھ رہا جاسکتا ہے اور رابطہ ہو جانے کے بعد سالک ہر لمحہ اپنے آپ کو شیخ کے حضور میں سمجھتا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار اور حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہما نے اسی آیہ مبارکہ سے رابطہ ثابت کیا ہے۔

سورہ یوسف میں ارشاد خداوندی ہے:

لَوْلَاأَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ (یوسف ۲۴)

یعنی اگر حضرت یوسف علیہ السلام اللہ عزوجل کی برہان کو نہ دیکھتے تو سیدہ زلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہو جاتے، لفظ برہان کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ برہان حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جن کی شکل مبارک اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو نظر آئی۔

فرمارہے تھے:

"یایوسف اتعمل عمل السفہاء وانت مکتوب من الانبیاء"[1090]

سورہ یوسف کی اس آیہ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مقربانِ الٰہی آڑے وقت میں اپنے متعلقین کے یہاں پہنچ کر ان کو گناہ سے بچا سکتے ہیں۔ کم از کم اتنا تو صراحتہً ثابت ہوا کہ ایسے وقت میں مرید صادق، مرشد کامل کے تصور صورت کی بدولت لغزش سے بچ سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے لئے کانی انظر (گویا کہ میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھ رہی ہوں) اور حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ و اللہ لکأنی اریٰ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم فی غزوۃ تبوک۔ (خدا کی قسم گویا کہ میں غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کو دیکھ رہا ہوں)۔ بس یہی تو تصور ہے کہ بظاہر جو غیر موجود ہو اس کو ذہن و خیال میں موجود تصور کیا جائے، فبھذا الحدیث و امثالہ الواردۃ فی الصحاح استنبطوا جواز تصور الشیخ و لہ وجہ لاکن لایفھم المناظر۔ (اس حدیث اور اس کی مثل صحاح ستہ میں موجود دوسری حدیثوں سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے تصورِ شیخ جائز ثابت کیا ہے لیکن جو بحث مباحثہ کرتا ہے (جس کو تنقید برائے مخالفت کی عادت ہے) وہ پھر بھی خاموش نہیں ہوتا۔[1091]

[1090] (ص ۵ ا تفسیر خازن جلد۳)

[1091] (ہدایت الانسان بحوالہ مولانا عبدالحی ص ۲ ۰ ۱)

حضرت ابو العباس مرسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تصورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے قابل قدر شاگرد ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ فقراء سے فرمایا اگر ایک لمحہ بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔

اس مقام پر احقر مؤلف یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ یہ صرف تفسیری یا تاریخی نہیں بلکہ اس قسم کے واقعات اولیاء کرام قدس سرہم العزیز کے اہل ذکر مریدین سے پیش آتے ہیں مثلاً ان کو ضرورت کے وقت اپنے مرشد کی صورت نظر آجاتی ہے، یا ان کے لہجے میں زبانی تنبیہی آواز سننے میں آتی ہے جس کے صدقے وہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے خود گواہ ہیں۔

خدانخواستہ اگر رابطہ اور تصورِ شیخ ناجائز اور شرک ہوتا تو وہ گناہ سے بچنے کا ذریعہ کب بنتا؟

شرک و کفر گناہ کے باعث تو ہیں ہدایت کے ذرائع ہرگز نہیں ہوسکتے، لہٰذا تجربہ و مشاہدہ سے تصور شیخ کا باعث ہدایت ہونا اس کے جواز کے لئے کافی گواہ ہے۔

چوں خلیل آمد خیال یار من * صورتش بت معنی او بت شکن

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان ۱۵)

ترجمہ: اور اسی کی تابعداری کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہیں۔

اول الذکر آیۂ مبارکہ میں اتباع رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اہل اللہ کے اتباع کا حکم ہے۔ لفظ اتباع کے معنیٰ ہیں کسی کی پیروی کرنا یا کسی کے نقش قدم پر چلنا۔

اور یہ بھی مسئلہ حقیقت ہے کہ کمال اتباع کمال محبت کے بغیر ثابت و محقق نہیں ہو سکتا اور کمال محبت کے لئے کمال یادداشتِ محبوب ضروری ہے۔ کمال یادداشت کے ساتھ محبوب کی سیرت و صورت کا دل میں آجانا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے نقش قدم پر چلنے کے لئے مقتدیٰ کے طور طریقہ کو ذہن میں رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا صلّوا کما رأیتمونی اصلّی (اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو) اور بعینہ اسی کیفیت و صورت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کیفیت کو یاد رکھا ہو۔ چنانچہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا بعینہ اسی طرح رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم نماز پڑھا کرتے تھے۔

فتاویٰ کی مشہور و معروف کتاب فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ **تشھّد** میں **السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ** اور **السلام علیناوعلی عباداللہ الصالحین۔** کہتے وقت ان الفاظ کے معنی کا ارادہ کر کے پڑھے، محض نقل اور حکایت کی بناء پر نہ پڑھے یعنی اس وقت یہ ارادہ کر لے کہ میں بارگاہِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم میں خود ہدیۂ سلام پیش کر رہا ہوں۔ اسی طرح اپنے نفس اور اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ پر بالمشافہ سلام کہے۔ اسی طرح **التحیات للہ** پڑھتے وقت بھی خود نذرانہ تحیۃ پیش کرنے کی نیت کرے۔ مزید تائیداً فرمایا کہ اس موقع پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم "**انّی رسول اللہ**" (میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں) پڑھتے تھے۔ اگر حکایۃ حال ماضی مقصد ہوتا تو اس قسم کی تخصیص نہ فرماتے۔

بالفاظه: ويقصد بالفاظ التشهد معانيها مرادة له على وجه الانشاء كانه يحيى الله تعالىٰ ويسلم على نبيه وعلى نفسه واوليائهٖ لا الاخبار عن ذالک ذكره فى المجتبىٰ و ظاهره ان ضمير علينا للحاضرين لا حكاية سلام الله تعالىٰ وكان عليه الصلوة والسلام يقول فيه انى رسول الله۔[1092]

مولانا محمد مقیم الدین دامانی قدس سرہ رسالہ **فنافی الشیخ ص ۳۸** پر فرماتے ہیں۔ خواندن بطریق انشاء در **السلام علیک ایھا النبی** تصورِ نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسَلَّم خصوصاً برائے اصحاب کبار کہ بچشم ظاہر از دیدار مبارک مشرف شدہ بودند بوقت قرءَت **السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحینْ۔** خیال ذات خود و عباد صالحین خصوصاً رہبر کامل خود کہ کمال آن در رگ و پوست قاری پیوستہ امر لازمی است۔ یعنی بطور انشاء (اپنی طرف سے نیت و ارادہ سے کچھ کہنا جس میں نقل کی نیت نہ ہو) **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے وقت نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کا تصور

[1092] (ص ۳۴۲ فتاویٰ شامی جزءاول)

خاص کر، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے جو ظاہری آنکھوں سے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی زیارتِ مبارکہ سے مشرف شدہ ہیں، امر لازمی ہے۔ اسی طرح السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین پڑھتے وقت اپنے وجود کا خیال اور دوسرے نیک بندگان خدا کا خیال، خاص کر اپنے مرشدِ کامل کا تصور لازمی ہے، جس کا کمال نماز پڑھنے والے (مرید کے) رگ و پوست میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

فتاویٰ عالم و حافظ ابوالحسنات عبد الحیٔ لکھنوی: "حضرت لکھنوی علیہ الرحمہ کے مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ص ۳۳۰ اور سوم میں ۱۳۲ پر تصورِ شیخ کے متعلق استفتا اور آپ کی جانب سے اثبات میں جوابات مذکور ہیں۔ چنانچہ جلد سوم ص ۱۳۲ کے استفتاء کے الفاظ یہ ہیں:

تصورِ مرشد کہ عند الصوفیاء معمول است درست است یانہ۔

یعنی مرشد کا تصور جو کہ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات میں سے ہے، جائز ہے یا نہیں۔

اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

جائز است اکابر بہ نیت پاک این عمل کردہ اند شاہ ولی اللہ دہلوی در قول جمیل مینویسند قالوا والرکن الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وجہ المحبۃ والتعظیم ویلاحظ صورتہ الخ"۔

مشائخِ چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مرشد سے محبت اور تعظیم کے ساتھ دل لگانا (باطنی ترقی کے لئے) رکن اعظم ہے۔

جلد دوم کے استفتاء میں سائل نے تصور شیخ کے عدم جواز پر مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب صراط مستقیم کے حوالہ جات اور جواز تصوف پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی کتاب **القول الجمیل** کے حوالہ جات ذکر کرکے تشفی اور دفع تردد کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا ہے۔

جواباً حضرت لکھنوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا قول حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے رسالے قول الجمیل میں مفصل و مدلل مرقوم ہے **مقرون** بصدق و صواب ہے اور اقوال دیگر علماء صوفیاء کثرھم اللہ تعالیٰ بھی اس قول کے مؤید ہیں اور تعامل علماءِ صوفیاء شغل مذکور کے نسبت ثابت ہے اور کوئی محذور شرعی بھی شغل مذکور میں نہیں پایا جاتا ہے۔ پس ربطِ قلب و کسبِ سعادت و جلبِ فیض علی وصف المحبۃ والتعظیم وازیاد موانست و مجانست کے واسطہ شغل مذکور بالیقین جائز ہے کیونکہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم ظاہر جس کا طریقہ تعلیم بھی بطور ظاہر معین ہے۔ دوسرا علم باطن کہ اس کی تعلیم بطور مخفی مقرر ہے اور ثانی اول سے انفع و اقوی و افضل ہے۔[1093]

حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل فتویٰ پر جن علماء نے تائیدی نوٹ تحریر فرمائے ہیں ان میں ایک حضرت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نوٹ ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واقعی اس شغل میں کچھ حرج شرعی نہیں ہے جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اس کو **قول الجمیل** میں مدلل بیان کیا ہے بلکہ یہ شغل ان حضرات کرام اولیاء اللہ العظام سے ماثور و منقول ہے کہ جن کی ولایت پر اجماع ہوگیا ہے پس انکار کرنا اس سے اور حرام جاننا اس کو **نعوذباللہ** کہاں سے کہاں تک کس جگہ پہنچاتا ہے؟ اور اس تصور کو بت پرستی پر محمول کرنا اور ان آیات کو جو بت پرستی کی حرمت پر دال ہیں دلیل میں لانا اور اس فعل کو بت پرستی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، باقی رہا یہ امر کہ جب ایسے

[1093] (مجموعہ فتاویٰ حصہ دوم ص ۳۳۵)

ثقات میں اختلاف ہو تو ہم کس کے قول پر عمل کریں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ متقدمین کے قول پر عامی کو عمل کرنا چاہیئے کیونکہ جس قدر علمائے متقدمین ہوں گے، وہ زمانہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم سے قریب تر ہوں گے، جو کہ **خیر الازمنہ** ہے اور جس قدر بعد اس زمانہ سے ہو گا، اسی قدر فتن کا زمانہ ہو گا جیسا کہ حدیث شریف ”**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**“ کے اشارہ النص سے ثابت ہوتا ہے۔[1094]

پیر طریقت مرشدنا حضرت شاہ ابو سعید دہلوی قدس سرہ نے شغل اولیٰ ذکر اسم ذات کی بحث میں ارشاد فرمایا:

برائے دفع خواطر، التجا و تضرع بجناب حضرت حق سبحانہ نماید و تصور صورت بزرگے کہ ازو تلقین ذکر یافتہ مقابل دل یا درون دل نگاہ داشتن برائے دفع خواطر اثرے دارد و ہمین تصور صورت شیخ راذکر رابطہ می گویند۔[1095]

”اور خیالات دور کرنے کے لئے بارگاہ الٰہی میں عاجزی وزاری کرے اور جس بزرگ سے ذکر کی تلقین حاصل کی ہے دل کے اندر یا دل کے مقابل اسی کی صورت کا تصور و خیال کرنا وساوس اور خیالات کے ختم کرنے میں پورا پورا اثر رکھتا ہے اور اسی تصور شیخ کو ذکر رابطہ کہا جاتا ہے۔“

اسی کتاب کے ص ۱۵، ۱۴ پر فرمایا:

شغل سوم ذکر رابطہ است و آن عبارت از نگاہ داشتن صورت شیخ است در مدرکہ خود یا درون دل خود یا صورت خود را صورت شیخ تصور می نماید و چوں رابطہ غالب می آید در ہر چیزے صورت شیخ بنظری در آید این رافنا فی

[1094] (مجموعہ فتاویٰ ص ۳۳۷ ج ۲)

[1095] (ھدایۃ الطالبین ص ۹)

الشیخ میگویند، واین احوال بریں تباہ حال نیز در ابتداء ورود یافتہ بود، کہ از عرش تاثریٰ صورت حضرت شیخ خود محیط می یافتم،وجمیع حرکات و سکنات خود را حرکات و سکنات آنحضرت می دیدم، بیت ورود دیوار چوں آئینہ شداز کثرت شوق ہر کجا می نگرم روئے ترا می بینم۔

دانست کہ طریقہ رابطہ اقرب طرق است و منشاء ظہور عجائب و غرائب است، حضرت ایشان عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ اند کہ ذکر تنہا بے رابطہ وبے فنافی الشیخ موصل نیست و رابطہ تنہا برعایت آداب صحبت کافی است۔

"تیسرا شغل ذکر رابطہ ہے اور اس کی چند صورتیں ہیں۔(۱) اپنے شیخ کی شکل وصورت کو اپنے ذہن میں رکھنا۔(۲) ان کی صورت کو اپنے دل کے اندر محفوظ کرنا،(۳) اپنی صورت کو شیخ کی صورت خیال کرنا، شیخ کا رابطہ جب مرید پر غالب آجاتا ہے تو اس کو ہر چیز میں اپنے شیخ کی صورت نظر آتی ہے اور اسی کو فنافی الشیخ کہا جاتا ہے۔واضح رہے کہ یہ تمام حالات اس تباہ حال (حضرت مؤلف قدس سرہ) پر بھی ابتداء میں وارد ہوئے تھے یہاں تک کہ عرش سے لے کر فرش تک اپنے پیر کی صورت کو محیط (گھیراؤ کرتے ہوئے) پایا اور اپنی جملہ حرکات و سکنات کو اپنے شیخ کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا۔

تمام در و دیوار شوق کے مارے آئینہ کی مانند معلوم ہونے لگے اب جدھر دیکھتا ہوں آپ کے چہرہ انور کو دیکھتا ہوں جاننا چاہئے کہ طریقت میں رابطہ کا راستہ دوسرے تمام راستوں کی نسبت زیادہ قریب راستہ ہے۔اس کے علاوہ عجیب وغریب امور کے ظہور کا ذریعہ بھی ہے۔عروۃ الوثقی حضرت

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ رابطہ اور فنافی الشیخ کے بغیر خالی ذکر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا، جبکہ آدابِ صحبت کی رعایت کے ساتھ خالی رابطہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔"

گو وصول الی اللہ کے لئے کثرتِ نوافل، کثرتِ صوم وصلوۃ، ریاضت ومجاہدات، شب بیداری وغیرہ بھی عمدہ وسائل وذرائع ہیں مگر ان سب سے زیادہ سہل، آسان اور زود اثر طریقہ رابطہ شیخ ہے۔

مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرہ میں ہے۔ رابطہ موصل تر برائے آن ست کہ بر بزرگ نالہ فیض جاری است ہر گاہ باُو رابطہ حاصل شود ضرور از ان نالہ فیض بہرہ مند می شود (یعنی رابطہ دوسری چیزوں سے زیادہ وصول الی اللہ میں کارآمد اس لئے ہے کہ بزرگ (مرشد کامل) پر بارگاہِ الٰہی سے فیض کا پرنالہ جاری رہتا ہے اس لئے اس کے ساتھ رابطہ حاصل ہوتے ہی ضرور مرید بھی اس پرنالہ سے فیض یاب ہوگا۔

مشہور محدث وولی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قالوا والرکن الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم والملاحظۃ صورتہ۔[1096]

یعنی مشائخ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (سلوک کا) بڑا رکن محبت اور تعظیم کے ساتھ اپنے مرشد سے دل لگانا اور اس کی صورت کا ملاحظہ کرنا ہے۔

چوں خلیل آمد خیال یار من — صورتش بت معنی او بت شکن

[1096] (القول الجمیل مترجم ص ۶۸)

شیخ محقق حضرت قبلہ محمد عبد اللہ الخانی الخالدی نقشبندی قدس سرہ نے طریق وصول الی اللہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الثانیۃالرابطۃوھی طریقۃمستقلۃللوصول وعبارۃعن ربط القلب بالشیخ الواصل الی مقام المشاھدۃ المتحقق بالصفات الذاتیۃ و حفظ صورتہ فی الخیال و لو بغیبتہ فرؤ یتہ بمقتضیٰ الذین اذارؤوا ذکر اللہ تحصل بھا الفائدۃ کماتحصل من الذکر بموجب ھم جلساء اللہ۔

"وصول الی اللہ کا دوسرا طریقہ رابطہ ہے۔ وصول الی اللہ کے لئے یہ مستقل طریقہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کامل سے دل کا رابطہ پیدا کیا جائے جو مقام مشاہدہ پر فائز اور صفات ذاتیہ سے متصف ہے اس کی صورت کو خیال میں محفوظ رکھے اگرچہ وہ غائب ہو اس لئے کہ حدیث شریف "اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ یاد آجائے" کے مطابق ان کے دیکھنے سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوتے ہیں۔"[1097]

قدوۃ السالکین حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی مجددی دہلوی قدس سرہ نے سبع اسرار میں ذکر نفی اثبات کے شرائط تحریر کرتے ہوئے فرمایا: "چھٹی شرط رابطہ ہے یعنی تصور صورت پیر ومرشد کا دل میں یا مقابل دل کے یا اپنی ذات کو پیر ومرشد تصور کرنا۔" ص ۱۷ سبع اسرار۔

[1097] (البھجۃالسنیۃ ص ۴۲ مطبوعہ استنبول)

حضرت علامہ مولانا مقیم الدین دامانی قدس سرہ تحفۃ العلماء کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

الثالث الرابطة وهی تصور صورة الشیخ فی العقل او القلب واذا الرابطة یتصور للسالک صورة الشیخ فی کل شیء وهی المعبر بالفناء فی الشیخ واعلم ان افضل الاسباب والارفق والاوفق هی الرابطة والملازمة ولذا صار طریقة النقشبندیة افضل لانها ینتهی الی الصدیق رضی الله عنه وهو ملازم مع علیه السلام وقوی فی الرابطة وکان رفیقه فی کل حال وجهه اتم من سائر الناس ولذا قال علیه السلام ما فضل ابو بکر بکثرة الصیام والصلوٰة ولکن بسر وقر فی قلبه فلهذا صار بدایة النقشبندیة نهایة غیرها من الطرق لان السالکین فی طرق غیر ها اذا تحملوا المشقات والریاضات والمجاهدات حصل لهم الذکر فی القلب والجذب والانوار فکان هذا الحال عندهم عزیزاً وهذا الحال یحصل بتوفیق الله تعالیٰ فی اول التوجه واخذ الذکر فکان بدایتهم نهایة الاخرین۔[1098]

ترجمہ: ”تیسری قسم رابطہ ہے اور رابطہ دل یا عقل میں شیخ کی صورت کے تصور و خیال کو کہتے ہیں اور رابطہ کی بدولت سالک کو ہر چیز میں شیخ کی صورت نظر آتی ہے اور اسی کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں اور جان لو کہ (وصول الی اللہ کے) اسباب میں سے بہتر اور آسان اور سالک کے مزاج کے زیادہ موافق طریقہ شیخ کا رابطہ اور پابندی صحبت ہے، یہی وجہ ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ دوسرے تمام طریقوں سے افضل ہے (کہ اسی میں تصور شیخ کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے) کہ یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے جو کہ ہمیشہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ رہا کرتے تھے اور نسبت رابطہ میں بہت قوی تھے۔ ہر حال میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے رفیق تھے اور محبتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم کے معاملہ میں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ کامل تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

[1098] (رسالہ فنافی الشیخ ص ۵۷، ۵۸)

وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت زیادہ روزہ رکھنے اور زیادہ نماز پڑھنے کی وجہ سے نہیں ہے لیکن ایک بھید کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں قرار پکڑے ہوئے ہے۔"

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نقشبندیہ کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جہاں دوسروں کی انتہاء ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دوسرے طریقوں کے سالکین جب محنتیں مشقتیں برداشت کرتے ہیں تب ان کے دل میں ذکر، جذبہ اور انوار الٰہی حاصل ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ حالت ان کو عزیز ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نقشبندی حضرات کو پہلی توجہ اور ذکر حاصل کرتے ہی یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کی ابتداء دوسروں کی انتہا سے ہوتی ہے۔

ربط و عقیدت

مشہور و معروف عارف باللہ حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ المنیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرید را باید کہ ربط قلب با پیر بود و معنی ربط قلب ایں است کہ بد اند کہ مرا بخدائے تعالیٰ نرساند مگر پیر من "**الشیخ فی قومه کالنبی فی امته**" اشارہ در حق ایشاں ست وہر چہ پیر بفرماید ازاں تجاوز نہ کند اگر چہ ہزاراں ہم عصر بہ آں جا باشند ودراں وقت دیگراں ہم پیراں و مرشداں باشند گویند گر مرید بد اند کہ بہتر از پیر من دیگرے ہست در کار مریدی درست نیاید و غرض او حاصل نہ شود۔[1099]

[1099] (لطائف المعانی ص ۴ ملفوظات حضرت منیری قدس سرہ)

"مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر سے ربط قلب قائم کرے، ربط قلب کا مطلب یہ ہے کہ مرید یہ سمجھے کہ مجھے اپنا پیر ہی خدا تعالیٰ سے ملائے گا کوئی دوسرا نہیں۔" پیر اپنے متعلقین کو اس طرح فیض و فائدہ پہنچاتا ہے جس طرح نبی اپنی امت کو فائدہ پہنچاتا ہے" کہنے میں اسی طرف اشارہ ہے۔ مرید کو چاہئے کہ جو کچھ پیر حکم کرے اسی پر عمل پیرا رہے اس سے آگے نہ بڑھے اگرچہ ان کے ہم عصر اور بھی موجود ہوں اور اس وقت میں دوسرے پیر و مرشد بھی ہوں لیکن اگر (خدانخواستہ) مرید یہ سمجھے کہ میرے پیر سے بڑھ کر کامل کوئی اور ہے تو ابھی یہ مریدی کی راہ میں کچا ہے اور اس کو (یہ عقیدہ رکھتے ہوئے) کوئی مقصد حاصل نہ ہو گا۔

نماز میں تصور ورابطہ شیخ: نماز میں رابطہ شیخ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں مولانا نور الدین تاشقندی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ خلیفہ تھے حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) اور مولانا زادہ فرکتی رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی اختلاف تھا۔ مولانا نور الدین تاشقندی رابطہ شیخ میں مستغرق اور مغلوب الحال رہا کرتے تھے جبکہ مولانا زادہ فرکتی اس قسم کے رابطہ کے مخالف تھے اور معلوم ہونے پر حضرت تاشقندی قدس سرہ کو سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر نماز میں اس طریقہ پر مشغول رہو گے تو کافر ہو جاؤ گے **(العیاذ باللہ)** لہٰذا آئندہ ہرگز ہرگز نماز میں اس طریقہ کی مشغولی اختیار نہ کرنا وغیرہ۔

الغرض جب مذکورہ ماجرا حضرت احرار نقشبندی نور اللہ مرقدہ کو معلوم ہوا تو مولانازادہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"شخصے را در نماز دل سبب املاک واسباب وعبید وزبل ومواشی وانبار و سائر اشیاء خسیسہ می رود کافر نیست، اگر مؤمنے را دل بمؤمنے مرتبط باشد چرا مؤدی بکفری شود؟[1100]

یعنی نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کے دل میں مال اسباب غلاموں جانوروں بلکہ ان کے گوبر یا دوسری چیزوں کا خیال آجاتا ہے پھر بھی کافر نہیں ہوتا تو اگر کسی مؤمن کے دل کا تعلق دوسرے مومن سے ہو جائے تو وہ کیونکر کافر ہو سکتا ہے۔"

مرءۃ العاشقین ملفوظات حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد عظیم صاحب ساکنہ کنگال نے آپ قدس سرہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر نماز میں تصور شیخ حاصل ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سن کر ارشاد فرمایا جائز است کہ پیش امام تصور دہ سجدہ کند[1101] یعنی اس کو چاہیئے کہ شیخ کو پیش امام تصور کر کے سجدہ کرلے (پیش امام کی قید اسلئے بڑھائی کہ سجدہ کی حقیقت واضح ہو کہ شیخ کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لیکن وہ سجدہ کے قابل نہیں، سجدہ اسی واحد، احد ذات کو لائق وروا ہے اور بس)۔

حدیث عشق زحافظ شنو نہ از واعظ
اگرچہ صنعت بسیار در عبادت کرد

[1100] (فنافی الشیخ ص ۶۵)

[1101] (فنافی الشیخ ص ۶۳)

سند الاولیاء والاصفیاء حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نقشبندی سرہندی نور اللہ مرقدہ نے حضرت خواجہ محمد اشرف صاحب اور حاجی محمد فرکتی رحمۃ اللہ علیہما کے ایک خط کے جواب میں رابطہ شیخ کے موضوع پر مفصل وعمدہ جواب تحریر فرمایا۔ تبرکاً بلفظہ ذکر کیا جاتا ہے۔

"خواجہ محمد اشرف ورزش نسبتہ رابطہ رانوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوۃ آنرا مسجود خود میدانند ومی بینند واگر فرضاً نفی میکنند منتفی نمی گردد۔ محبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب است از ہزاراں یکے رامگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبت است یتحمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدیٰ جمیع کمالات او را جذب نماید رابطہ راچرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نہ کنند، ظہور ایں قسم دولت سعادتمنداں رامیسر است تادر جمیع احوال صاحب رابطہ رامتوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشند، نہ دررنگ جماعۃ بیدولت کہ خودرا مستغنی دانند وقبلہ توجہ راازشیخ خود منحرف سازند ومعاملہ خودرابرہم زنند۔[1102]

ترجمہ: "خواجہ محمد اشرف نے رابطہ کی ورزش کے متعلق لکھا تھا کہ رابطہ کا اس قدر غلبہ ہے کہ نماز میں اس کو (مرشد کو) مسجود سمجھتا اور دیکھتا ہوں اگر بالفرض اس (تصور کو) ہٹانا چاہوں تو بھی نہیں ہٹتا۔ اے محبت کے متوالے یہ دولت تو سلوک کے طالبوں کی تمنا کی ہوئی چیز ہے (اسے وہ بہت محبوب رکھتے ہیں) ہزاروں میں سے کسی ایک کو سہی مگر دیتے ضرور ہیں۔ جس کو یہ کیفیت حاصل ہو وہ صاحب استعداد اور مرشد سے کامل مناسبت والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ کامل کی مختصر سی صحبت سے

1102 (ازمکتوبات حضرت امام ربانی قدس سرہ، مکتوب نمبر ۳۰، دفتر دوم حصہ ششم ص ۶۸، ۶۷)

ہی ان کے جملہ کمالات حاصل کر لے رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہو؟ وہ (مرشد) مسجود الیہ یعنی جہت سجدہ ہیں، مسجود لہ (جسے سجدہ کیا جائے) نہیں ہیں (اور اگر کسی چیز کی طرف منہ کرنا ہی شرک ہے تو) محرابوں اور مسجدوں کو آگے سے کیوں نہیں ہٹاتے؟ اس قسم کی دولت نیک بختوں کو نصیب ہوتی ہے تاکہ وہ ہر حال میں صاحب رابطہ یعنی شیخ مقتدیٰ کو واسطہ (قرب الٰہی کا) سمجھ کر ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہیں۔ ان بد نصیبوں کی جماعت کے رنگ میں نہ ہونا چاہئے جو اپنے آپ کو (شیخ کی نسبت سے) بے پرواہ سمجھتے ہیں اور قبلہ توجہ کو شیخ کی جانب سے پھیر لیتے ہیں اور نتیجۃً اپنا معاملہ برباد کر بیٹھتے ہیں۔"

نیز اسی مکتوب میں مولانا حاجی محمد صاحب کے اوراد و وظائف میں کوتاہی ہونے کے جواب میں تحریر فرمایا:

"مولانا حاجی محمد اظہار نمودہ بودند کہ قریب دو ماہ است کہ فتورے در مشغولی رفتہ است و آں ذوق و حلاوت کہ سابقا داشت نماندہ۔ مودت اطوار اغم نیست اگر در دو چیز فتورے نرفتہ باشد یکے ازاں دو چیز متابعت صاحب شریعت است علیہ و علی الہ الصلوات والتسلیمات والتحیات دویم محبت و اخلاص است بشیخ خود۔ باثبوت ایں دو چیز اگر ہزاراں ظلمات و کدورات طاری شود باک ندارد آخر اور اضایع نخواہند گزاشت، اگر عیاذا باللہ سبحانہ یکے ازیں دو چیز نقصان پیدا کرد خرابی در خرابی است اگرچہ نحضور و جمعیت باشد کہ آں استدراج ست کہ عاقبت خرابی دارد واز حضرت حق سبحانہ

وتعالیٰ بتضرع وزاری ثبات ایں دو امر خواہند و استقامت بریں دو مسألت نمایند فانھما ملاک الامر و مدار النجاۃ و السلام علیکم۔

ترجمہ: مولانا حاجی محمد صاحب نے دو ماہ سے مشغولی میں سستی اور سابقہ لذت و سرور نہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔ اے محبت کے متوالے کوئی فکر نہ کر اگر دو چیزوں میں خلل واقعہ نہیں ہوا، ایک صاحب شریعت یعنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کی تابعداری دوم اپنے شیخ سے محبت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کے مضبوط ہوتے ہوئے اگر ہزاروں تاریکیاں اور اندھیریاں در پیش ہوں تو بھی پرواہ نہ کر بالآخر اسے ضائع ہونے نہیں دیں گے لیکن اگر، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ان دو میں سے کسی ایک میں فتور واقع ہو جائے تو تباہی در تباہی ہے خواہ بظاہر قلبی تسکین اور حضور حاصل ہو۔ اس لئے کہ یہ استدراج ہے جس کا نتیجہ نقصان ہی ہوتا ہے لٰہذا بار گاہ خداوندی میں عجز وزاری کے ساتھ ان دو چیزوں کی مضبوطی طلب کرو اوران ہی دو چیزوں کی مضبوطی طلب کرواوران ہی دوچیزوں پر استقامت کا سوال کرو۔ اس لئے کہ امرِ طریقت کا مدار نیز نجات کا مدار ان دوچیزوں پر ہے۔

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال سئلت خالی ھند بن ابی ھالۃ و کان وصافًا من حلیّۃ النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم و انا اشتھی ان یصف لی منھا شیئًا اتعلّق بہٖ۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابوہالہ سے سوال کیا اور وہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّم کا حلیہ بیان کرتے تھے اور میں مشتاق تھا کہ وہ میرے لئے اس میں سے کچھ بیان کریں تاکہ میں اس کو اپنے خیال میں محفوظ کرلوں۔

ملا علی قاری نے **جمع الوسائل فی شرح الشمائل** میں حدیث مذکور کے تحت فرمایا:

ای اثبت بذالک الوصف واجعله محفوظا فی خزانة خیالی وانما قال الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذالک لان النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم توفی وھو فی سن لا یقتضی التامل فی الاشیاء وتحفظ الاشکال والاعضاء۔

یعنی میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کر کے اپنے خزانہ خیال میں محفوظ کر لوں اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم کی وفات کے وقت وہ اتنی (چھوٹی) عمر کے تھے کہ اشیاء میں غور کرنے اور شکلوں اور اعضاء کو یاد رکھنے کے قابل نہیں تھے۔ [1103]

حدیث مذکورہ کی تصریح ملا علی قاری سے **اظہر من الشمس** واضح ہو گیا کہ تصور شیخ یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صورت مبارکہ کو خزانہ خیال میں محفوظ رکھنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا معمول تھا جو اس وقت سے آج تک حضرات صوفیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا معمول ہے اس حدیث پاک کے بارے میں شیخ الدلائل حضرت مولانا عبد الحق مہاجر مدنی علیہ الرحمۃ کا بیان سنئے وہ راوی ہیں : ایک دن مولانا شاہ عبد الغنی نقشبندی قدس سرہ کے درس حدیث میں مسجد نبوی میں حاضر تھا۔ جس وقت قاری نے یہ حدیث پڑھی تو حضرت مولانا موصوف نے فرمایا یہ حدیث تصور شیخ کی دلیل ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ تعلق یہی تصور ہے۔ [1104]

اس کے علاوہ اور بھی بکثرت احادیث اس مضمون کی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کی صورت مقدسہ کا خیال جماتے تھے۔

[1103] (مخزن المعارف)

[1104] (مخزن المعارف)

چنانچہ سینکڑوں حدیثوں میں موجود ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کے وقت یہ فرمایا کرتے تھے کہ کانی انظر الی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم یعنی گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کو۔ یہ سب تصور شیخ نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر افسوس صد افسوس ان کج فہم ملاؤں پر جو بلا دلیل صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر کفر و شرک اور بدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں حالانکہ روزانہ طوطے کی طرح وہ ان احادیث کی تلاوت بھی کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ بالکل سچ فرمایا قرآن کریم نے کہ: لا تعمی الابصار ولٰکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ یعنی ان (منکروں) کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں، لیکن ان کے سینوں میں دل اندھے ہو گئے ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمہ نے نسیم الریاض میں فرمایا:

یفرض ذالک ویتمثلہ فکانہ عندہ۔

ترجمہ: ''روضہ منورہ کی حاضری کے وقت یہ فرض و ملاحظہ کرے کہ میں حضوری میں ہوں اور صورتِ مقدسہ کا ایسا تصور جمائے کہ گویا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم اس کے پاس جلوہ فرما ہیں۔''

عالمگیری میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ: یقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ۔ (روضہ مبارکہ کے سامنے) اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پُر نور صورت کریمہ کا تصور باندھے کہ گویا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ وَسلَّم قبر میں آرام فرما ہیں اور اس کو جانتے اور اس کا کلام سنتے ہیں۔

اسی طرح علامہ احمد بن محمد مواہب لدنیہ میں اور علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ویمثل الزائر وجهه الکریم علیهم الصلوٰة والسلام فی ذهنه ویحضر قلبه جلال رتبته وعلو منزلتهٖ وعظیم حرمته۔

زیارت کرنے والا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے چہرہ مبارک کا تصور کرے اور دل میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم کے مرتبہ کی بزرگی اور قدر کی بلندی اور احترامِ عظیم کا خیال جمائے۔

یہ وہ چند دلائل و شواہد ہیں جن سے تصورِ شیخ کا ثبوت آفتاب عالمتاب کی طرح جگمگا رہا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ:

گر نبیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ[1105]

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بیعت ہونا سنت ہے اور اس میں تحقیق شاہ عبد الرحیم صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ہے اور **رسالہ ارشاد الطالبین** میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم باطن فرض ہے اور طلب طریقت واجب ہے اور بیعت ہونا سنت ہے اور اکثر ہزارہا علماء و صلحاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلسلہ طریقت میں بیعت کی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی، جو کہ ہندوستان میں علم حدیث کے مرکز ہیں، علم طریقت میں بیعت ہیں اور علم طریقت میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور جس طرح علم شریعت کی سند یکے بعد دیگرے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم تک پہنچائی

[1105] (بحوالہ اثبات البیعت مصنفہ غوث الزمان و قطب دوران شیخ المشائخ حضرت سراج الحق صاحب المعروف بہ بابا جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والد محترم شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالاکبر صاحب عرف لالاجی صاحب مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

ہے اسی طریقہ سے علم طریقت کی سند بھی عن فلاں عن فلاں تا آنجناب نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلَّم پہنچاتے ہیں۔

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ